

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بحث: افضلیت نبوت علی و ائمتہ
کتاب: افضلیت نبوت علی

بحث: وحد و یو تو وحد ص ۵۶۹

۹۲
جو خود ہی کتاب پڑھ اور بیان بھی کر سکے اس کا کوئی استاد نہیں ص ۳۲۵

یہ اس رسالہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کوئی پیر اور ہوگا ص ۳۵۴ عبادت شاہینہ لکھنؤ نامہ نانوتوی الذی علیہ منور
فی حاتم الحرمین للمحوت بریل عبدالمکریم

Acc No 9050

دن محمد بن عبد اللہ
مکتبہ اسلامیہ
حیدرآباد دکن

فذكر ان نفع الذكرى

مکتوبہ صدی

(جلد اول و جلد دوم کامل)

ترجمہ

سید الہی ربیع اللہ بن سلطان المحققین

مخدوم جہاں شیخ شرف الحق والدین احمد عیسیٰ منیری قدس سرہ

مترجمہ

حضرت سید شاہ نجم الدین احمد ندوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید شاہ ایاس یاس بہاری فردوسی رحمۃ اللہ علیہ

مترجمہ

پروفیسر ڈاکٹر سید شاہ محمد نسیم ندوی فردوسی القادی

صدر شعبہ اردو، جامعہ سندھ جامشورہ

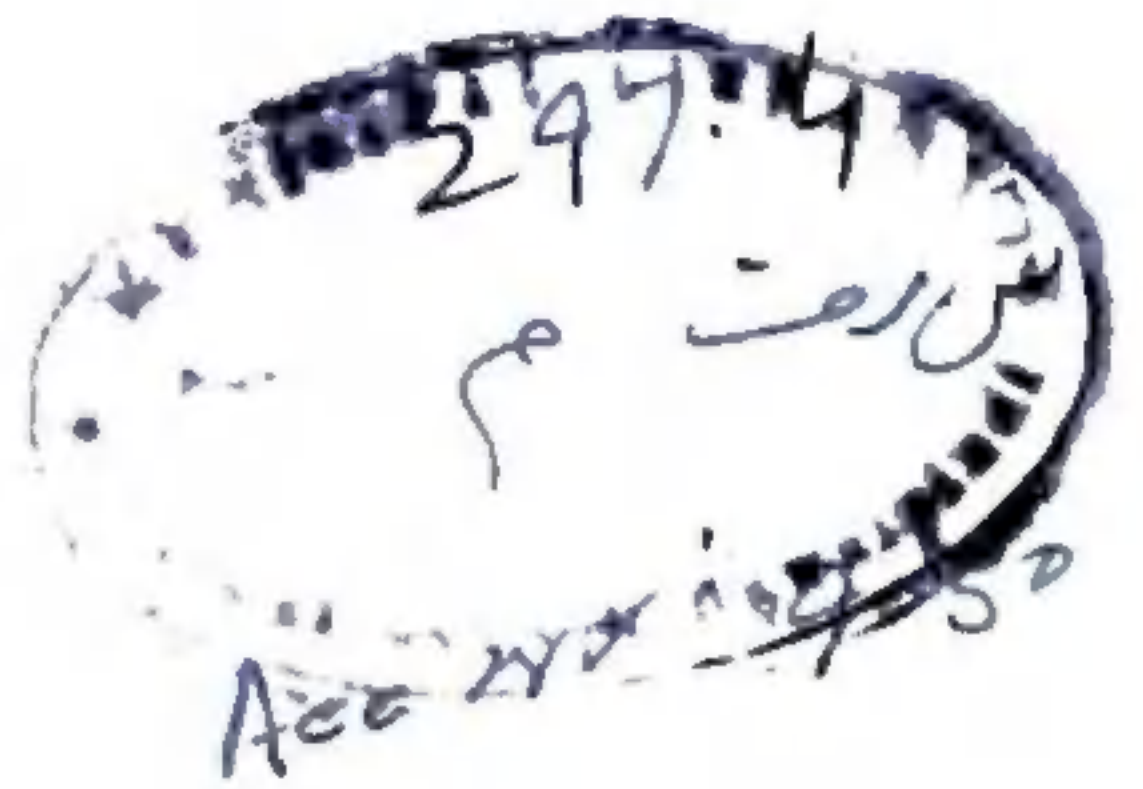
ناشر

سعید ایچ ایم کمپنی دہلی کراچی
پاکستان چوک کراچی

ممد کل و طرفت مومنا

297.49

ن ج م - م



مطبوعہ

ایجوکیشنل پریس کراچی

۹۰۵۵



قیمت : ۲۸ روپے

رمضان المبارک ۱۴۹۶ھ

فہرست

حدود داوینڈی لیت

مکتوبات صدی (جلد اول و جلد دوم)

صفحہ نمبر

عنوان

۹	الحاج مظہر علی خاں مظہر لکھنوی	اظہار عقیدت
۱۱	ڈاکٹر سید شاہ محمد نسیم ندوی	پیش لفظ طبع ثانی
۱۳	ڈاکٹر سید شاہ محمد نسیم ندوی	پیش لفظ طبع اول
۱۶	ڈاکٹر سید شاہ محمد نسیم ندوی	مقدمہ احوال مخدوم
۳۷	حضرت شاہ سید نجم الدین احمد فردوسی	دیباچہ مترجم اردو
۴۴	حضرت شاہ زین بدر علی	ترجمہ دیباچہ جامع مکتوبات
۴۷	مولانا شاہ محمد علی ارشد اشرفی الفردوسی (بالے آرز)	سوانح حضرت مترجم (حصہ اول)
۴۹	مولانا شاہ محمد علی ارشد اشرفی الفردوسی (بالے آرز)	سوانح حضرت مترجم (حصہ دوم)

مکتوبات صدی (حصہ اول)

۵۱		توحید کا بیان
۵۹		توبہ کا بیان
۶۳		دشمن کو خوش کرنے کا بیان
۶۹		تجدید توبہ کا بیان
۷۳		طلب پیر کا بیان
۸۰		اہلیت شیعہ کا بیان
۸۷		ارادت کا بیان

صفحہ نمبر	عنوان
۹۲	دلی کا بیان
۱۰۰	دلایت کا بیان
۱۰۸	کرامت کا بیان
۱۱۵	صدیقیوں کا بیان
۱۲۳	الزار کا بیان
۱۲۷	کشت کا بیان
۱۳۲	تجلی کا بیان
۱۳۶	وصول کا بیان
۱۴۰	سالک و مجذوب کا بیان
۱۴۳	غلط گاہ سالک کا بیان
۱۴۹	غلط گاہ عوام کا بیان
۱۵۶	امراض ظاہر و باطن کا بیان
۱۶۰	اولیاء پر انبیاء کی فضیلت کا بیان
۱۶۸	انبیاء کی نفس نشوون کا بیان
۱۷۵	اصل تقویٰ کا بیان
۱۸۰	طلب طریقت کا بیان
۱۸۷	ارکان طریقت کا بیان
۱۹۵	شریعت و طریقت کا بیان
۱۹۹	شریعت و حقیقت کا بیان
۲۰۴	رسول کی متابعت کا بیان
۲۱۱	نماز کی مشنول اور تعلیم کا بیان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بحث: افضلیت نبوت علی و کمیت - ۶۵۱ پوٹوں میں ۶۵۱ صفحات پر
کتاب افضلیت نبوت علی

بحث: وحد و کھ تو وحد ۵۶۹

۹۲
تو خود ہی کتاب پڑھ اور بیان بھی کر سکے اس کا کوئی استاد میں ۳۴۵

یہ اس رسم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کوئی پورا ہو گا ۳۵۴ عبادت شاہینہ لکھنا نام نانوٹری الہی علیہ صوفی الکفر
فی حلال الحرمین للمحوت برہم عبد المرحوم

Acc No 9050

دون نمبر ۱۰۰
بکریٹ سٹور سٹیشن
حیدر روڈ راولپنڈی کینٹ



صفحہ نمبر	عنوان
۲۱۸	طہارت کا بیان
۲۲۱	طہارت کا بیان (دیگر)
۲۲۶	نیت کا بیان
۲۳۲	شاذ کا بیان
۲۳۸	روزہ کا بیان
۲۴۵	زکوٰۃ کا بیان
۲۵۰	حج کا بیان
۲۵۶	دعا کرنے وغیرہ کا بیان
۲۶۴	عبادت کا بیان
۲۶۰	بندگی کرنے اور بندہ ہونے کا بیان
۲۶۶	بندگی کرنے کا بیان (دیگر)
۲۸۲	کلمہ طیبہ کا بیان
مکتوبات صدی (حصہ دوم)	
۲۸۹	ایمان کا بیان
۲۹۲	ایمان کی صداقت کا بیان
۲۹۸	اسلام کے شکر الالبہ بھری اور ابراہیم ادہم
۳۰۴	شرک و خفی کا بیان
۳۱۰	معرفت کا بیان
۳۱۹	محبت کے ذکر میں

۳۲۵	محبت کی نشانیوں میں
۳۳۱	محبت اور عشق کے احکام میں
۳۳۵	طالب کا بیان
۳۳۹	عشق کی طلب میں
۳۴۳	الشہ کی طرت جانے کے راستے کا بیان
۳۴۸	گفتار اور رفتار کا بیان
۳۵۲	ہمت کا بیان، جمعہ کے دن کی نفیلت اور وظیفہ
۳۶۱	مرید کو رغبت دلانے کا بیان
۳۶۵	قاضی صدر الدین کی صحبت اور علم کی رغبت کا بیان
۳۶۸	مرید کے پہلے مرتبے کا بیان
۳۷۲	مرید کے پہلے مرتبے کا بیان (معنوں دیگر)
۳۷۸	مسلمان کے حال میں
۳۸۵	اچھے اخلاق کا بیان
۳۹۰	عوز کرنے کا بیان
۳۹۴	تجربہ و تفسیر کا بیان
۳۹۷	دوسرے الفاظ میں تجربہ و تفسیر کا بیان
۴۰۱	دین کی راہ پاک مسات رکھنے کا بیان
۴۰۸	تقویٰ کا بیان
۴۱۵	صدق کا بیان
۴۲۱	حضرت آدم علیہ السلام کے نسب کا بیان
۴۲۸	نیک گمان رکھنے کا بیان

صفحہ نمبر	عنوان
۴۳۶	عالم آخرت کے متعلقات کا بیان
۴۴۰	اسباب کے تعلق اور اس کے ترک میں
۴۴۴	اس گروہ کی صحبت کا بیان
۴۴۹	خدمت کا بیان
۴۵۳	بری عادتوں کو نیک اور بہتر بنانے کا بیان
۴۵۷	مرتبہ اور منصب کی لالچ اور نماز عاشورہ کا بیان
۴۶۴	دنیا کی مذمت اور تقصا نمازوں کے کفارے کا بیان
۴۷۰	ترک دنیا کا بیان
۴۷۴	سعادت و شقاوت کا بیان
۴۷۸	اسرارِ بقا و قدر کا بیان
۴۸۲	خوف درجہ کا بیان
۴۸۵	روح کا بیان
۴۹۲	دل کا بیان
۴۹۴	نفس کا بیان
۵۰۰	خواہش کا بیان
۵۰۶	نفس کی ریاضت کا بیان
۵۱۰	نفس کی سیاست اور مجاہدے کا بیان
۵۱۵	نفس کو جدا کرنے کا بیان
۵۲۲	اپنے ساتھ موافقت کا بیان
۵۲۷	قدیموں کے فزق اور کفایتِ مہمت کی دعائیں
۵۳۳	غفلت کا بیان

۵۴۰	نہ پانے کی حسرت اور جمعہ کی دعاؤں کا بیان
۵۴۶	علاج دل نما جمعہ کی دعا اور نیک بختی کا بیان
۵۵۲	لباس کا بیان
۵۵۹	طاعت کا بیان
۵۶۳	سماعت کا بیان
۵۶۳	مخلوق سے کنارہ کشی اور گوشہ نشینی کا بیان
۵۶۴	خلق سے جدا ہونے کا بیان
۵۷۷	چلنے کا بیان
۵۸۱	موت کا بیان
۵۸۷	دعویٰ اور دعید کا بیان
۵۹۳	دوزخ کا بیان
۶۰۱	بہشت کا بیان
۶۰۶	مناجات فارسی
۶۱۹	ترجمہ مناجات
۶۲۰	مناجات دیگر
۶۲۳	قطعہ تاریخ طباعت
۶۲۳	از مولانا اکر غلام مصطفیٰ خان صاحب

حضرت فہم

از ڈاکٹر سید شاہ محمد نسیم ندوی



اظہار عقیدت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ناز ہے شاہِ فطرت کو بھی جن پر ہمد
وہ چمن سب ہیں رنگے ہوئے دیوانوں کے
بے جنوں آگہی نہیں ملتی اور جنوں بھی کسی کسی کے لئے

حضرت شرف الدین یحییٰ میزکی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ اقدس سے اگر آج دنیا واقف نہیں تو
کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ عوام کی طرح "خاص" نے بھی اس عظیم شخصیت
کو اپنے ذہن سے محو کر دیا ہے۔

من از بیگانگان ہرگز نہ تالم شکایت ہے جفلے دوستان
آپ کے ہم عصر حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات کے مضمون میں غوطہ
زن ہونے کے لئے کہیں کہیں بعض مکتوبات کے لئے چلہ کشی فرمایا کرتے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ
نے بھی چند اقتباسات کی تشریحات اپنے بعض مکتوبات میں فرمائی ہیں۔

عصر سے مکتوبات صدی ناب تھے اور یہاں تو مکتوبات دو صدی چھپے ہی نہیں اور بہار
شریف (ہندوستان) میں بھی چھپ کر ختم ہو گئے۔ محترم ڈاکٹر سید شاہ محمد نسیم ندوی صاحب جنہوں نے
مکتوبات شریف کو دوبارہ چھپانے کی طرف اپنی توجہ مرکوز کی۔ قابل مبارکباد ہیں اور محترمی و مشفق
محمد زکی صاحب کا بھی شکر گزار ہوں انہوں نے نہ صرف تجارتی مقصد سے بلکہ ازراہ محبت و عقیدت
حضرت ڈاکٹر ندوی صاحب سے اس کے چھاپنے کا وعدہ کر لیا اور اس کی اشاعت کی یہ سعادت
حاصل کی۔

برہادر بریں سے مجھے مکتوبات صدی، دو صدی اور آپ کی دیگر تصنیفات اور حالات دیکھنے کا

لے مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے مفصل حالات نہایت تحقیق سے پروفیسر محمد الیوب قادری صاحب نے لکھے ہیں اور انہیں حاجہ
محمد زکی صاحبہ نے اپنا ایچ ایم سید کپنی کراچی سے شائع کیا ہے۔

شرف حاصل رہا ہے بلکہ وظیفہ کے طور پر یہ مکتوبات میرے مطالعہ میں رہتے ہیں اور ان کی افادیت کا ذکر ممکن نہیں بجز اس کے کہ شکرانہ میں یہی دعا کی جائے۔

مہ دا بنجم کے خالق پھر وہی تارے سر دزاں کر

اُسی آفتاب پر پھر بے رونق معلوم ہوتی ہے (آمین)

میں نے آپ کے دو خطوط "توشہ آخرت" میں شامل کر کے کئی مرتبہ پھولائے ہیں اور تقاریر میں آپ کا ذکر بغیر کئے رہا ہی نہیں سکتا اے میں آپ کا مدد عانی لقرن و نفع خیال کرتا ہوں کہ ادبیاً عظیم کی فائز طالب کے لئے ہمیشہ ہی طرہ امتیاز رہی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد اس "سرمایہ حیات" کو شائقین تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (شم آمین) اور محبوب کو نین کے صدمے میں ہیں علم و عمل کی بھی توفیق عطا ہو۔

والسلام طالب دعا

خاکسار۔ مظہر علی خان

کراچی ۲۳ جون ۱۹۶۶ء

پیش لفظ طبع ثانی

دلا ہرگز نہ یابی در جہاں ہچو شرف پیر کہ مالا مال از دشت سید اشرف جہانگیر
مکتوبات صدی سلطان المحققین مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الحق والدین احمد مہدی
میری قدس اللہ سرہ الغزنی کی تصانیف میں سب سے زیادہ معروف و مقبول تصنیف ہے۔ ان مکتوبات میں
سے چالیس مکتوبات کا ترجمہ محترم حضرت سید شاہ نجم الدین احمد علیہ الرحمہ نے کیا تھا جو اخبار اتحاد بہار
شریف ضلع پٹنہ کی مردی اشاعت میں چھپتا رہا بعد میں اس کو کتابی شکل دے دی گئی جو ۱۹۶۲ء میں پہلی
مرتبہ اتحاد پریس "بہار شریف ضلع پٹنہ (بھارت) سے دو جلدوں میں شائع ہوئی۔

پاکستان کے عالم وجود میں آنے کے کچھ عرصے بعد شیدائیانِ شرف کا اصرار ہوا کہ اس ترجمہ
کی اشاعت یہاں بھی ہونی چاہیے تاکہ اہل پاکستان بھی اس چشمہ فیوض و برکات اور مخزنِ رشد و ہدایت
سے روحانی فیض حاصل کر سکیں اور اس بحرِ علم و عرفاں سے مکافقہ میراب ہوں چنانچہ حاجی مولوی
محمد سلیمان صاحب قادی ابوالعلائی مرحوم سابق پرنٹنگ و پبلشرز محکمہ رسد و صنعت حکومت پاکستان
نے اس کی طباعت و اشاعت کی ذمہ داری اپنے سر لی اور اس ناچیز سے کتاب حاصل کر کے اگست ۱۹۶۴ء
میں انجمن پریس لارنس روڈ سے طبع کرا کے پاکستان سے پہلی بار شائع کیا۔ الحمد للہ قدر دانوں نے ہاتھوں ہاتھ
لیا اور مختصر مدت میں کتاب ختم ہو گئی مگر اہل ذوق حضرات کا تقاضا باقی رہا۔

معتقدین اور متوسلین کے اس تقاضے کو مدنظر رکھتے ہوئے اس ناچیز نے از سر نو تہذیب و
ترتیب کی اور فارسی اشعار اور عربی عبارات کے ترجمہ کا اضافہ کر کے ۱۹۶۵ء میں دوسری مرتبہ پیکو آرٹ پریس
لاہور سے طبع کرا کر شائع کیا۔

اس کے ساتھ ہی دوسری جلد جو ساٹھ مکتوبات پر مشتمل ہے جس کا ترجمہ حضرت سید شاہ محمد الیاس
صاحب پاس بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا تھا اور غیر مطبوعہ تھا پہلی مرتبہ اس بچہ دان نے ایک بسیط مقدمہ
کے ساتھ سید الیکٹرک پریس ملتان سے ۱۹۶۵ء میں طبع کرا کر شائع کیا۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے ان دونوں کتابوں کو جو مقبولیت عطا فرمائی وہ ہمارے لئے باعث مد
تشراف امتنان اور غرورنازش کا سرمایہ ہے نہ صرف یہ کہ عام قدر والوں نے اس کو جان و دل سے خیرا
بلکہ خواص صوفیائے کرام اور علمائے عظام کے طبقے نے بھی اس کی قدر شناسی کی۔ الحمد للہ والمذہب عرصہ ہوا
کہ یہ دونوں جلدیں ختم ہو گئیں اور حل من مزید کی صدا ہنوز گونج رہی ہے۔

ان دونوں ترجموں کو یکجا کر کے حلقہ 'تصفیف' بیت الشرف خالقانہ معظم بہار شریف ضلع
پٹنہ (بھارت) سے کلکتہ میں طبع کرا کر ۱۹۷۳ء میں شائع کیا۔

ارباب اہل ذوق و معتقدین و متوسلین کا شدید تقاضہ ہے کہ ان سو مکتوبات کے ترجمہ کو یکجا
کر کے پاکستان سے بھی شائع کیا جائے عرصہ سے اس فکر میں تھا اتفاقاً ایک دن جناب حاجی محمد زکی صاحب
مالک ایجوکیشنل پریس سے ملاقات ہوئی۔ باتوں باتوں میں حضرت مخدوم جہاں کا ذکر آیا تو معلوم ہوا کہ
موصوف کی حضرت مخدوم جہاں سے بڑی عقیدت ہے چنانچہ انہوں نے اس کتاب کی طباعت و
اشاعت کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ جزاک اللہ فی الدارین خیراً۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ
انہیں فلاح دینی و دنیوی سے خوب خوب نوازے آمین

طبع اول میں جیسا کہ خاتمہ میں ذکر کیا گیا تھا کہ کتابت کے اغلاط اور سہو کے چند مسامحات
رہ گئے تھے۔ اس طبع میں جہاں تک امکان انسانی ہے تصحیح کی انتہائی کوشش کی گئی ہے۔ ﴿﴾
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

مسید محمد نعیم ندوی

طبع آباد - حیدر آباد

یکم رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ

پیش لفظ طبع اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۹۶۵ء میں اپنے والد ماجد حضرت سید شاہ محمد ابراہیم حسین رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد مجھے بہار شریف جانے کا موقع ملا۔ وہاں حضرت مخدوم جہاں کے موجودہ سجادہ نشین پیر و مرشد آقائی و مولائی حضرت سید شاہ محمد سجاد صاحب مدظلہ کی خدمت میں مکتوبات حضرت مخدوم جہاں کا ذکر آیا۔ اور ترجمہ کی اشاعت پر گفتگو رہی۔ اس وقت خالقہ معظمہ میں دو ترجمے موجود تھے۔ پہلا ترجمہ صرف چالیس مکتوبات کا تھا جو مطبوعہ تھا۔ اُس کے مترجم حضرت سید شاہ نجم الدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ بقیہ ساٹھ مکتوبات کا ترجمہ حضرت سید شاہ الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے کیا تھا جو غیر مطبوعہ تھا۔ اور برادر عزیز سید شاہ غریزہ احمد صاحب طال اللہ عمرہ و درجات کی ملکیت تھا۔ میں نے خواہش ظاہر کی کہ یہ حصہ مجھے عنایت کر دیا جائے تاکہ پاکستان میں اس کی اشاعت کا انتظام کیا جاسکے۔ چنانچہ ازراہ شفقت یہ خدمت میرے سپرد کر دی گئی۔ اور مسودہ حوالہ کر دیا گیا۔ واپس آکر اس کی کتابت و طباعت کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرائی۔ مگر ہر طرف سے مایوسی ہوئی۔ حالانکہ یہاں وہ لوگ بھی موجود ہیں جنہیں فرزندیت کا شرف حاصل ہے۔ اور معتقدین و متوسلین کی بھی کوئی کمی نہیں۔ ان میں سے اکثر حضرات ایسے بھی ہیں جو اگر چاہیں تو مخدوم جہاں کی تمام کتابوں کے ترجمے کر کرنا شروع کر سکتے ہیں۔ نہایت ہی حسرت کے ساتھ لکھتا ہوں کہ صوبہ بہار کے اتنے اہل علم اور اتنے اہل ثروت کے موجود ہوتے ہوئے مجھے تین سال سے زیادہ مدت تک انتظار کرنا پڑا۔ ساتھ ہی سخت اندام اور شرمندگی بھی ہے کہ جس وعدے کے ساتھ مسودہ کو لے کر آیا تھا اُسے ایفانہ کر سکا۔

یہ دیکھ کر جہاں ایک طرف دلی مسرت ہوتی ہے کہ دوسرے سلاسل کے اکابر دین کے مکتوبات و ملفوظات اور دیگر تصانیف کے ترجمے شایع ہو کر منظر عام پر آچکے ہیں، وہاں دیکھ بھی ہوتا ہے کہ ہمارے مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الحق والدین احمد یحییٰ منیری قدس اللہ سرہ العزیز کی کتابوں کے ترجموں کی طباعت و اشاعت کا اب تک کوئی معقول انتظام نہ ہو سکا۔ حالانکہ آپ کے فیوض و برکات سے عوام و خواص ہر دور میں یکساں طور پر مستفیض ہوتے رہے ہیں۔ ہم پھر یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ باوجود دولت و ثروت کے حضرت مخدوم جہاں کے معتقدین اور متوسلین میں غیر معمولی طور پر جمود طاری ہے جسے حرکت میں لانا آسان کام نہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں توفیق عطا فرمائے کہ وہ غم بالغرم لے کر اٹھیں اور مخدوم جہاں کی جملہ تصانیف کے ترجموں کی اشاعت کا معقول انتظام کریں، تاکہ مسلمانوں میں ایمانی حرارت اور دینی حمیت پیدا کر کے احیاء دین اور تبلیغ و اشاعت میں معاون ہوتے کا شرف حاصل کر سکیں۔

المحدث؛ کہ اس طویل مدت کے بعد مکتوبات صدی کے ترجمہ مع متن کی طباعت کا انتظام ہو گیا۔ اس کو دو جلدوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ ترجمے دو الگ الگ حصّوں کے ہیں۔ پہلی جلد میں ایک سے چالیس مکتوبات کا ترجمہ مع متن کے ہے۔ اور دوسری جلد میں اکتالیس سے لے کر سو مکتوبات تک کا ترجمہ مع متن کے ساتھ شامل ہے۔ برادر عزیز سید شاہ عزیز احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کے ہم شکر گزار ہیں کہ انھوں نے ہم پر اعتماد کر کے ترجمے کا مسودہ ہمارے حوالہ کیا۔

برادر م سید شاہ غلام جیلانی ایکڑ کیوٹیو انجنیر کے بھی ہم بے حد ممنون ہیں کہ انھوں نے مبلغ پانچ سو کی رقم سے اس کی کتابت میں میری مدد کی۔ اللہ تعالیٰ انھیں دین و دنیا میں صلاح و فلاح سے بے حد نوازے آمین! اور برادر م سید احمد نعیم مرحوم نے تو دائے درمے قدمے سخن ہر طرح سے میری مدد کی۔ اللہ تعالیٰ انھیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین! اور جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا کرے۔ آمین!

جناب فضل محمود صاحب ڈاکٹر السنداد جرائم، لاہور۔ کا شکریہ ہم کس منہ سے

ادا کریں۔ انھوں نے تو وہ کیا جو اپنے بھی نہ کر سکے۔ جناب فضل صاحب ایک خدا ترس بزرگ ہیں۔ جملہ بزرگانِ دین سے بالعموم اور حضرت مخدوم جہاں سے بالخصوص بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں۔ انھوں نے دو ایسے مخیر حضرات فراہم کر دیے جنھوں نے ان دونوں جلدوں کی طباعت، کاغذ، جلد بندی اور اشاعت کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ ان میں سے ایک جناب حاجی محمد احمد صاحب لاہور اور دوسرے حضرت میاں محمد شفیع صاحب لاہور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تینوں حضرات کو دینی و دنیاوی برکتوں کی سعادت سے خوب خوب نوازے آمین! اور عاقبت و خاتمت بخیر فرمائے، شتم آمین! ۶

این کار از تو آید و مردانِ چنین کنند

پردہ کے پڑھنے میں خاصی محنت اور دیدہ ریزی سے کام لیا گیا ہے۔ پھر بھی بشریت کا تقاضہ ہے کہ غلطی ہو۔ اس لیے ناظرین سے التماس ہے کہ اس کو اس پیچیدگی کی کم علمی پر محمول کر کے نظر انداز کر دیں۔ اور عیب پوشی سے کام لے کر اعتذار قبول کریں۔ مجھے یقین ہے کہ مسلمانوں کی زندگی و سعادت کے لیے یہ کتاب سرِ شمعِ حیات ثابت ہوگی۔ اور شریعت و طریقت و حقیقت کی فہم و بصیرت کا دروازہ ان پر کھل جائے گا۔ اے اللہ! بطیفِ شفیع المذنبین! اس فقیر کی کوششِ ناتمام کو شرفِ قبولیت عطا فرما۔ آمین۔ اور حق حضرت مخدوم جہاں! اس کتاب کو جملہ مسلمانوں کے لیے نافع بناد اور اس ذرّہ خاکِ پائے سگانِ فردوسیان، گنہگارِ فقیرِ حقیر کا خاتمہ بخیر فرما، شتم آمین۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

فقیر حقیر شاہ محمد نعیم فردوسی القادری
استاد شعبہ اُردو۔ جامعہ سندھ۔ حیدر آباد

إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ تَوَاتُورًا وَأَمَّا وَلِيُّهُ الْخَيْرِينَ

مقدمہ

حدیث عشق و سرمستی زمن بشنو، نہ از دواعظ

کہ با جام و سُبُوہر شب قرین ماہ و پیر و نیم

سوانح سلطان المحققین حضرت شیخ شرف الحق والدین احمدی منیری قدس اللہ سرہ العزیز کے جد اعلیٰ حضرت امام محمد تاج فقیہ رحمۃ اللہ علیہ قدس خلیل سے جو بیت المقدس کا ایک محلہ ہے ۱۷۵۷ء میں قصبہ منیر ضلع پٹنہ میں تشریف لائے۔ یہاں کے راجہ سے جنگ کی اور منیر فتح کر لیا۔

حضرت امام کے تین صاحبزادے تھے۔ شیخ اسرائیل، شیخ المصطفیٰ اور شیخ عبدالعزیز۔ حضرت امام نے اپنے صاحبزادوں کو اپنا قائم مقام بنا کر واپسی کا ارادہ کیا۔ اور بیت المقدس چلے گئے۔

حضرت اسرائیل کی سب سے بڑی اولاد حضرت مخدوم محیی تھے جن کی شادی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی پیر جنگوت نے کی بڑی صاحبزادی حضرت بی بی رضیہ سے ہوئی آپ کے چار صاحبزادے ہوئے۔ شیخ جلیل، شیخ شرف الحق والدین، شیخ خلیل الدین، اور شیخ حبیب الدین۔

پیدائش حضرت مخدوم جہاں کی والدہ ماجدہ بی بی رضیہ اپنے وقت کی ولیہ کاملہ تھیں۔ مشہور ہے کہ آپ نے بلا وضو حضرت مخدوم جہاں کو کبھی دھو نہیں پلایا۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی پیر جنگوت نے کاشغر کی سلطنت کو چھوڑ کر فقر کی راہ اختیار کی تھی۔

آپ کی پیدائش ۲۶، اور بروایت ۲۹، شعبان المعظم ۱۲۶۸ھ کو سلطان ناصر الدین محمود کے زمانہ میں بمقام منیر شریف ضلع پٹنہ میں ہوئی۔ پیدائش کا مادہ تاریخ "شرف آگین" ہے۔

تعلیم | حضرت مخدوم جہاں کی ابتدائی تعلیم اس زمانے کے مرد جہاں کے مطابق گھر ہی پر ہوئی۔ آپ کو حضرت علامہ شرف الدین ابوتوامہ جیسا استاد کامل گیا۔ جن سے تمام دینی علوم، کلام پاک، تفسیر، حدیث، فقہ اور علم کلام کے علاوہ علوم عقلی مثلاً منطق و فلسفہ اور ریاضی وغیرہ کی بھی تکمیل کی۔

حضرت علامہ شرف الدین ابوتوامہ غیاث الدین بلبن (۱۲۲۸ تا ۱۲۸۱ھ) کے عہد حکومت میں بنجارا سے دہلی تشریف لائے اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کے علمی تبحر کا شہرہ دور دور تک ہوا۔ عقیدت مندوں کا ہجوم ہونے لگا۔ ان کی ہر دل غریبی سلطان کو خطرہ پیدا ہوا۔ چنانچہ اس نے سنار گاؤں (نزد دھاکہ) چلے جانے کا حکم صادر کر دیا۔ علامہ اثنائے سفر میں منیر شریف میں مقیم ہوئے۔ حضرت مخدوم یحییٰ نے آپ کے تواضع میں کوئی کمی نہیں کی اور جی کھول کر پذیرائی کی۔ اس قیام کے دوران میں استاد اور شاگرد دونوں نے ایک دوسرے کو قریب سے دیکھا اور ایک دوسرے کے گردیدہ ہو گئے۔ والدین کی اجازت کے بعد مخدوم منار گاہ کے ساتھ سنار گاؤں روانہ ہو گئے۔ علامہ نے ۱۲۶۸ھ میں سنار گاؤں پہنچ کر ایک مدرسہ اور ایک خانقاہ کی بنیاد رکھی۔ اور آخری دم تک درس و تدریس اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت مخدوم جہاں نے علوم دینی و دنیوی، ظاہری اور باطنی کی تحصیل میں اپنے استاد کے ساتھ بائیس سال گزارے، حضرت علامہ ابوتوامہ کا وصال ۱۲۸۱ھ میں ہوا۔

شادی | جب حضرت مخدوم منار تمام علوم کے حصول سے فارغ ہوئے تو حضرت ابوتوامہ نے آپ کو اپنی دامادی میں لینے کا خیال ظاہر کیا۔ پہلے تو مخدوم نے پس و پیش کیا۔ مگر استاد کی دل جوئی ملحوظ خاطر تھی۔ اس لیے اس رشتہ کو قبول کر لیا۔ استاد کی دختر نیک اختر سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے کچھ عرصہ بعد حضرت والد ماجد مخدوم یحییٰ کے وصال کی خبر ملی۔ تاب و توان جاتا رہا۔ بے اختیار ہو کر استاد سے اجازت چاہی اور اپنے خور و سال

بچہ حضرت مخدوم ذکی کو ساتھ لے کر منیر تشریف لائے۔ حضرت مخدوم محییٰ کادھال
۱۱/ شعبان المعظم ۱۲۹۰ھ کو ایک سو بیس برس کی عمر میں ہوا۔

تلاش پیر | مخدوم جہاں منیر پہنچ کر والدہ ماجدہ کی خدمت میں مشغول ہو گئے۔
مگر معرفت الہی کی وہ آگ جو برسوں سے سینہ میں فروزاں تھی بھڑک
اٹھی۔ آخر ایک روز اپنے صاحبزادہ حضرت مخدوم ذکی کو اپنی والدہ ماجدہ کی گود میں دے کر
فرمایا۔ "حضرت آپ اس بچہ کو ثروت الدین کی جگہ سمجھیے اور اپنے بچہ کو طلب الہی کیلئے
گھر سے باہر جانے کی اجازت دیجیے۔" آپ کی والدہ ماجدہ خود ولیہ کاملہ تھیں، اس
بات سے خوش ہوئیں اور بخوشی درغبت اجازت دے دی۔

مخدوم جہاں نے رختِ سفر باندھا اور دلی کی راہ لی۔ آپ کے بڑے بھائی
شیخ جلیل جن کو آپ سے بے پناہ محبت تھی ساتھ ہو لیے۔ اُس وقت دلی نہ صرف
حکومت ہند کا صدر مقام تھی، بلکہ اسے بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ کے مرکز ہونے کا
شرف حاصل تھا۔ مخدوم جہاں وہاں کے جملہ مشائخ کرام سے باری باری ملے۔ مگر کہیں
تسفی نہ ہوئی۔ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں بھی پہنچے۔ مگر
وہاں بھی سیری نہ ہوئی۔ دل کا اضطراب بڑھتا گیا۔ اور پانی پت حضرت بوعلی شاہ قلندر کے
یہاں گئے مگر "مردے ہست دے مغلوب الحال" کہہ کر پھر دلی لوٹ آئے۔

پانی پت سے واپسی کے بعد لوگوں نے خواجہ خواجگان حضرت نجیب الدین فردوسی
کا پتا بتایا۔ تو اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پہنچتے ہی رعب طاری ہوا اور حیم مبارک
پسینہ پسینہ ہو گیا۔ حضرت نے دیکھتے ہی فرمایا۔

"در ویش آذربرسوں سے تمہارا انتظار کر رہا

ہوں تاکہ تمہاری امانت تمہارے سپرد کر دوں"

اور بیت لے لی۔ ساتھ ہی خرقہ، شجرہ اور کچھ نصائح لکھ کر ساتھ دیا اور رخصت کر دیا۔ پھر
فرمایا کہ راستہ میں اگر کوئی بڑی بھلی بات سنو تو دلی واپس نہ آنا۔ مخدوم جہاں نے اپنی
تعلیم و تربیت کے لیے کچھ دن قیام کرنے کی اجازت چاہی تو حضرت نجیب الدین فردوسی نے

فرمایا کہ تمہاری تعلیم و تربیت بارگاہ رسالت سے مقدر ہے۔ تم اپنے وطن واپس جاؤ۔ اور اپنے کام میں مشغول ہو جاؤ۔

بیعت کے وقت کی کیفیت مختصر مگر نہایت ہی بلیغ انداز میں مخدوم جہاں نے خود تحریر

فرمائی ہے :-

”من چون بخواجہ نجیب الدین پیوستم، خُزنے در

دل من نہادہ شد کہ ہود و زان خُزن زیادہ می شد“

بیعت کے بعد دہلی سے جب وطن واپس جا رہے تھے تو پیر کے دھماں کی خبر ملی۔ مگر مرشد کے حکم کا احترام کرتے ہوئے دلی لوٹ کر نہ آئے بلکہ وطن کی جانب بڑھتے ہی گئے۔ جب بہیا کے خبگل میں پہنچے تو مور کی آواز سُن کر غرہ لگایا اور خبگل میں غائب ہو گئے۔ برادر محترم نے بہت تلاش کیا مگر کہیں پتا نہ پایا۔ چار و ناچار گھر آکر والدہ سے سارا قصہ سنایا۔ آپ کی والدہ ماجدہ کو اس خبر سے فطری طور پر صدمہ ہوا۔ مگر چونکہ وہ خود ولیہ تھیں اس لیے رضائے الہی کے سامنے سر جھکا دیا۔

مشہور ہے کہ آپ بہیا (ضلع شاہ آباد) کے خبگل میں بارہ سال تک یاد الہی میں مشغول رہے نہایت ہی سخت مجاہدے کیے۔ اور بڑی ریاضتیں کیں۔ وہیں آپ کی تعلیم و تربیت بارگاہ نبوت سے پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اس کے بعد آپ راجگیر کے خبگل میں دیکھے گئے۔ اس طرح تقریباً چالیس سال خبگلوں اور پہاڑوں پر زندگی بسر کی۔ اس چالیس سالہ زندگی میں آپ اپنے پُر روگہ کے ساتھ کیسے کیسے راز و نیاز کی منزلوں سے گزرے کسی کو خبر نہیں۔

راجگیر کو بہار شریف سے قربت حاصل ہے۔ اس لیے رفتہ رفتہ مخدوم جہاں کے راجگیر کے خبگل میں قیام کی خبر تمام پھیل گئی اور لوگوں کا ہجوم بڑھنے لگا۔ تو آپ نے بدرجہ مجبوری بہار شریف میں اقامت اختیار کر لی۔ اس طرح درس و تدریس اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

صاحب تاریخ سلسلہ فردوسیہ لکھتے ہیں :-

”پانچ شوال المکرم روز چہار شنبہ کو صبح کی نماز کے بعد ہی سے

وصال

مخدوم الملک نے سبغہ آخرت کی تیاری شروع کر دی تھی۔ اور خشیت و محبت کے طے جلے جذبے کے ساتھ اپنا قدم پیا کے آستانے کی طرف یہ کہتے ہوئے بڑھانے لگے۔

شرقا گوردراون، ریش اندھیاری رات
داں نہ پوچھے کوئی تم سے کاہے تیری جاں

جی مگن میں ہے کہ آئی ہیں سہانی رتیاں

جن کے کا دن تھے بہت دن سے بنائی گتیاں

اور ۶، شوال جمعرات کی رات کو عشا کی نماز کے وقت ۸ بجے میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ قطرہ سمندر میں اور جزو کل میں مل گیا۔ مادہ تاریخ وفات پر شرف ہے۔

این جان عاریت کہ بجا قضا سپرد دوست
روزے رخش بہ بینیم و تسلیم وے کتم

۶، شوال المکرم جمعرات کے دن بوقت چاشت بجز و تکفین ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا رَاجِعُوْنَ۔ دھماکے وقت آپ نے وصیت فرمائی کہ میرے جنازے کی نماز ایسا شخص پڑھائے جو صحیح النسب سید ہو، تارک سلطنت ہو اور حافظ قرأت سبوع ہو۔ جنازہ رکھا ہوا تھا اور لوگ ایسے شخص کے منتظر تھے کہ یکایک حضرت مولانا اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ یہ تینوں شرطیں آپ میں موجود تھیں اس لیے آپ ہی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور کچھ دنوں نزار مبارک پر چلے کش رہ کر وہاں سے رخصت ہوئے۔

دلاہر گزنیابی در جہاں ہمچون شرف پیرے
کہ مالامال از دشت سید اشرف جہانگیرے

ان سولہ لکھنؤں کی پوری پوری اور لفظ بہ لفظ روئداد اور کیفیات کو مخدوم جہاں کے مرید خاص حضرت مولانا زین بدر عربی نے بڑی تفصیل سے قلمبند کیا ہے جو وفات نامہ مخدوم الملک کے نام سے مطبوعہ ہے۔ اس کے پڑھنے سے مخدوم جہاں کے دُاع کا مکمل منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پڑھنے والا خود اس وقت وہاں موجود تھا۔ طوالت کی وجہ سے اسے نظر انداز کیا جاتا ہے۔

شجرہٴ بیعت

- (۱)۔ شیخ الاسلام و المسلمین حضرت مخدوم شرف الحق والدین احمد یحییٰ مسیری
فردوسی قدس اللہ سرہ العزیز۔
- (۲)۔ شیخ الاسلام و المسلمین حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی قدس اللہ سرہ العزیز۔
- (۳)۔ شیخ الاسلام و المسلمین حضرت خواجہ رکن الدین فردوسی قدس اللہ سرہ العزیز۔
- (۴)۔ شیخ الاسلام و المسلمین حضرت خواجہ بدر الدین سمرقندی قدس اللہ سرہ العزیز۔
- (۵)۔ شیخ الاسلام و المسلمین حضرت خواجہ سیف الدین باخیزی قدس اللہ سرہ العزیز۔
- (۶)۔ شیخ الاسلام و المسلمین حضرت خواجہ نجم الدین کبرائے قدس اللہ سرہ العزیز۔
- (۷)۔ شیخ الاسلام و المسلمین حضرت خواجہ ضیاء الدین ابونجیب مہروردی قدس اللہ
سرہ العزیز۔
- (۸)۔ شیخ الاسلام و المسلمین حضرت خواجہ وجہ الدین ابو حفص قدس اللہ سرہ العزیز۔
- (۹)۔ شیخ الاسلام و المسلمین حضرت خواجہ محمد عبد اللہ المعروف بہ عمویہ قدس اللہ
سرہ العزیز۔
- (۱۰)۔ شیخ الاسلام و المسلمین حضرت خواجہ احمد سیاہ دینوری قدس اللہ سرہ العزیز۔
- (۱۱)۔ شیخ الاسلام و المسلمین حضرت خواجہ ممشاد علودینوری قدس اللہ سرہ العزیز۔
- (۱۲)۔ شیخ الاسلام و المسلمین حضرت خواجہ ابوالقاسم جنید بغدادی قدس اللہ سرہ العزیز۔
- (۱۳)۔ شیخ الاسلام و المسلمین حضرت خواجہ سری سقطی قدس اللہ سرہ العزیز۔
- (۱۴)۔ شیخ الاسلام و المسلمین حضرت خواجہ معروف کرخی قدس اللہ سرہ العزیز۔
- (۱۵)۔ شیخ الاسلام و المسلمین سیدنا حضرت امام علی موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ۔
- (۱۶)۔ شیخ الاسلام و المسلمین سیدنا حضرت امام موسیٰ کاظم رضا رضی اللہ عنہ۔

- (۱۷) - شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ۔
 (۱۸) - شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ۔
 (۱۹) - شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ۔
 (۲۰) - شیخ الاسلام والمسلمین امیر المومنین سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ۔
 (۲۱) - شیخ الاسلام والمسلمین امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔
 (۲۲) - سید المرسلین خاتم النبیین امام المتقین، شفیع المذنبین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ
 صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم



مخدوم اور علوم | مخدوم جہاں کے مکتوبات، ملفوظات، رسالہ جات اور

تصنیفات کے مطالعہ سے ان کے تبحر علمی اور وسعت نظر کا صحیح طور پر اندازہ ہوتا ہے۔ علوم ظاہری کی شاید ہی کوئی شاخ ایسی ہو جس سے آپ کا کوئی تعلق نہ ہو۔ علمائے سلف کی صفت اول میں آپ کو جگہ دی گئی ہے۔ آپ امام وقت تھے اور اجتہاد کا درجہ آپ کو حاصل تھا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، ادب، منطق، فلسفہ، کلام، ریاضی، ہیئت اور ہندسہ کوئی فن ایسا نہیں جس پر آپ حاوی نہ ہوں۔ اور کوئی علم ایسا نہ تھا جس میں پوری دستگاہ آپ کو حاصل نہ ہو۔

فن حدیث | ہندوستان میں مسلم حکومت کو قائم ہونے عرصہ گزر چکا تھا۔ خود

مخدوم جہاں کے عہد میں مسلم حکومت قائم تھی۔ مگر علم حدیث کی تعلیم و تعلم کا کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ عوام تو عوام حکومت نے بھی اس کی ترویج کی طرف کوئی توجہ نہیں کی تھی۔ حالانکہ اس دور میں عرب و شام، مصر و اندلس وغیرہ میں بڑے بڑے ائمہ فن موجود تھے اور علم کے دریا بہا رہے تھے۔ مگر ہندوستان میں ایک درسگاہ بھی ایسی نہ تھی جہاں سے کوئی طالب علم اس علم کو کمال کے ساتھ حاصل کر سکتا۔ اور وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر نکلتا مخدوم جہاں پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم حدیث کو ہندوستان میں عام کیا۔ اور

حدیث کی اہم کتابوں سے لوگوں کو آشنا کیا۔ آپ کے ملفوظات، مکتوبات اور تصنیفات میں جایجا احادیث کی تشریحات ملتی ہیں۔

تفسیر | تفسیر میں آپ کا رتبہ نہایت ہی بلند واقع ہے۔ دور دور سے لوگ آتے اور قرآن کریم کے مشکل مقامات کو سمجھنے کے لیے سوالات کرتے۔ مخدوم عالم بہت ہی سلجھے ہوئے انداز میں ان مشکل مقامات کی عقدہ کشائی فرماتے کہ ہر کس و ناکس کی سمجھ میں آجاتی۔ تفسیر زاہدی کو مخدوم جہاں ایک معتبر تفسیر سمجھتے تھے۔ خوان پر نعمت میں ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ دین میں جن باتوں کی ضرورت ہے وہ سب کچھ اس میں موجود ہے۔ اس میں افراط و تفریط سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ اسی جگہ تفسیر کبیر کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ اور تعریف کی ہے۔

فتہ | صاحب سیرۃ الشرفؒ لکھتے ہیں کہ ”فقہ میں مخدوم کو اول درجہ کی دستگاہ حاصل تھی۔ بلکہ ان کو منصب اجتہاد حاصل تھا۔“ یعنی ”فقہ فی الدین کا عجب عالم تھا۔“ قرآن و حدیث سے مسائل کا استنباط کرنا اور پھر اس پر عقلی دلیل قائم کرنا آپ کے نزدیک معمولی بات تھی سنت الہی کے آپ ماہر تھے۔ اور سنت نبویؐ کے تو آپ عاشق ہی تھے۔ اس لیے آپ کی نظر میں بڑی وسعت تھی۔ وہ دوسرے فقہاء کی طرح سخت گیر نہ تھے۔ آپ آسانی اور وسعت کے حامی تھے۔ آپ خوب سمجھتے تھے کہ قدم قدم پر جکڑنے سے دنیا چل نہیں سکتی۔ اس لیے کہ فطرت انسانی سختی کے بوجھ کو برداشت نہیں کر سکتی۔ لہذا اس سے مذہب و تمدن دونوں میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے۔ آپ کی نظر افراد انسانی کے ہر طبقہ پر تھی۔ اس لیے لا اکرہ فی الدین کو اجتہاد کے وقت ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے۔

فلسفہ | مخدوم جہاں کی نظر صرف قرآن و حدیث اور فقہ تک ہی محدود نہ تھی اور نہ صرف فلسفہ تصوف ہی کے اسرار و معارف اور رموز و نکات آپ بیان فرمایا کرتے تھے بلکہ علم کلام اور فلسفہ پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ آپ نے علم کلام کی پیچیدہ گتھیوں کو بڑے سلیقہ سے سلجھایا ہے بقول معین دردانی، صاحب تاریخ سلسلہ فردوسیہ :-

”غور سے دیکھا جائے تو آج کے فلسفہ اور حکمت کو جن مغربی مفکرین پر ناز ہے

وہ بھی حضرت مخدوم الملک ہی کے خوشہ چیں نظر آتے ہیں۔“
مولانا عبدالباری ندوی نے مخدوم جہان کے فلسفہ کو جدید فلسفہ کا لفظی ترجمہ کہا ہے۔
یہ بات امر واقعہ کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ مغربی مغرب اور مخدوم جہاں کے عہد میں صدیوں
کا تقادوت ہے۔ مخدوم جہاں کی تصنیفات، ملفوظات اور مکتوبات کا ذخیرہ یورپ میں موجود
ہے۔ یہ ممکن ہے کہ مغربی مفکرین نے اس سے فائدہ اٹھایا ہو۔ اور اپنے نظریات کی بنیاد مخدوم
جہاں کے نظریات پر رکھی ہو۔ مولانا عبدالباری ندوی اپنی کتاب نظام تعلیم و تربیت میں لکھتے ہیں:

”حیرت ہوتی ہے کہ اس شخص (مخدوم جہاں) کے کلام میں سطر و سطر نہیں
صفحے کے صفحے ایسے نظر آتے ہیں کہ گویا موجودہ زمانہ کے مغربی مفکرین کی کتابوں کا لفظی
ترجمہ ہے۔ کانٹ، ہیگل، برکلی اور ہیوم ازین قبیل فلاسفہ جدید کے نظریات جن پر
موجودہ فلسفہ کو تازہ ہے شاہ صاحب (مخدوم جہاں) کی کتابوں میں بھرے پڑے ہیں۔“

اس موقع پر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم جہاں قدس اللہ سرہ العزیز کی تصنیفات
ملفوظات اور مکتوبات کا مختصر طور پر تعارف کر دیا جائے۔ تاکہ اہل نظر آپ کی علمی بصیرت کا
صحیح طور پر اندازہ کر سکیں۔

تصنیفات | شرح آداب المریدین۔ یہ کتاب حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی
قدس اللہ سرہ العزیز کی مایہ ناز کتاب آداب المریدین جو عربی زبان میں ہے
اس کی شرح ہے۔ صاحب مناقب الاصفیاء نے تحریر فرمایا ہے کہ خود حضرت ضیاء الدین ابوالنجیب
سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

میرے ہی فرزند معنوی میں سے ایک شخص اس کتاب کی شرح لکھے گا۔ چنانچہ
مخدوم جہاں نے اس کتاب کی شرح لکھ کر اس قول کو صحیح ثابت کیا۔ راقم السطور کے برادر حقیقی
سید شاہ قسیم الدین احمد طال اللہ عمرہ واکرمہ اللہ تعالیٰ درجاتہ نے شرح آداب المریدین
کے ایک حصہ کا ترجمہ حال ہی میں کیا ہے۔ یہ ترجمہ چھپ گیا ہے۔

ارشاد الطائین | یہ مختصر سا ایک رسالہ ہے جس میں طالع بان حق کو ہدایتیں دی

۱۔ تاریخ فردوسیہ صفحہ ۲۳۸۔ ۲۔ بحوالہ تاریخ سلسلہ فردوسیہ صفحہ ۱۳۸۔

دی گئی ہیں۔ یہ رسالہ مطبوعہ ہے۔

ارشاد السالکین | یہ مسئلہ توحید پر بہت ہی اہم کتاب ہے جو چار سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں مخدوم جہاں نے یہ ثابت کیا ہے کہ کائنات بلکہ جملہ موجودات ایک ہی نور کی مختلف صورتیں ہیں۔ نور عالم لاہوت سے حیروت میں آیا تو روح کہلایا اور حیروت سے ملکوت میں پہنچا تو قالب ہوا۔ اور ملکوت سے ناسوت میں منتقل ہوا تو جسم کے نام سے موسوم ہوا۔ اسی طرح وہی نور عالم کثیف میں آیا تو نار ہوا۔ نار کثیف ہو کر باد ہوئی اور باد کثیف ہو کر آب بنی اور آب کثیف تر ہو کر خاک ہوا۔ پس انسان اور عناصر اربعہ ایک ہی چیز کی مختلف صورتیں ہیں۔

رسالہ مکرمہ و ذکر فردوس | یہ ایک غیر مطبوعہ رسالہ ہے جس میں اذکار کے اقسام اور طریقے بتائے گئے ہیں۔ اور ان پر عمل پیرا ہونے کی ہدایتیں کی گئی ہیں۔

فوائد المریدین | یہ بھی ایک غیر مطبوعہ رسالہ ہے جس میں مریدوں کے لیے کلمہ طیبہ کی فضیلت، نماز باجماعت کی برکت، بعض آیتوں کے فیوض و برکات، گورستان، منکر نکیر، بہشت و دوزخ، قیامت، ایمان، حقوق الوالدین، حقوق ہمسایہ اور حقوق زوجین جیسے اہم مباحث پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ میرے برادرِ حقیقی سید شاہ قسیم الدین احمد نے کیا ہے جو چھپ چکا ہے۔

لطائف المعانی | یہ کتاب معدن المعانی کا خلاصہ ہے۔

رسالہ اشارات | یہ غیر مطبوعہ رسالہ ہے۔ مگر اپنے موضوعات کے لحاظ سے بہت ہی اہم ہے۔ اس میں کل ۳۹ اشارات ہیں۔ ان اشارات میں عارفانہ مسائل کی طرف خالص فلسفیانہ نقطہ نظر سے اشارات کیے گئے ہیں۔ مثلاً موج عین دریا اور دریا عین موج ہے۔ دنیا میں ایسے لوگ کم ہی ہیں جو خود شناس واقع ہوئے ہیں۔ اس ضمن میں حضرت مخدوم نے خود شناسی ہی کو کائنات شناسی یا خدا شناسی قرار دیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے فلسفہ خودی کی بنیاد اس رسالہ سے

رسالہ اجوبہ | یہ بھی غیر مطبوعہ ہے۔ اور تقریباً ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ حضرت مخدوم جہاں کے ان جوابوں کا مجموعہ ہے جو انھوں نے اپنے بعض دوستوں، غریبوں اور مریدوں کے سوالات پر تحریر فرمایا ہے۔ سوالات کچھ اس انداز کے ہیں ”مردانِ غیب کون لوگ ہیں اور کس قدر ہیں؟“ خداے بزرگ و بڑے بزرگ کی پہنچنے کی راہ کون سی ہے؟“ اہل سلوک کی اصطلاح میں بیت و تار کا کیا مطلب ہے؟“ رویت حق خدا کے فضل کی بنا پر ہوگا یا عمل کی جزا کے طور پر؟“ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی انتہا کیا ہے؟“ ان ہی سوالات کے جوابات اس رسالہ میں دیے گئے ہیں۔

فوائد رکنی | یہ ایک رسالہ ہے جس میں حضرت مخدوم جہاں نے اپنے ایک مرید خاص حضرت رکن الدین کو حج بیت اللہ کے وقت سفر و حضر میں مطالعہ کے لیے ہدایتیں دی تھیں۔ اس کتاب کو حضرت مخدوم جہاں کی تعلیمات کا خلاصہ کہنا چاہیے۔ ان کے علاوہ عقائد شرفی، اورادِ کلاں، اورادِ اوسط اور اورادِ خور و میں درود و وظائف بتائے گئے ہیں جو خود ان رسالوں کے ناموں سے ظاہر ہیں۔

ملفوظات

معدن المعانی | یہ کتاب دو جلدوں میں ہے جسے حضرت مولانا زین بدر عربیؒ نے جو مخدوم جہاں کے خاص مریدوں میں ہیں مرتب کیا ہے۔ اس میں شہداء سے راہِ شہداء کے ملفوظات ہیں۔ اس میں نہ صرف صوفیانہ نکات بیان کیے گئے ہیں، بلکہ تفسیر حدیث، فقہی مسائل اور علمِ کلام جیسے اہم موضوعات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ صاحبِ بزمِ صوفیہ، سید صباح الدین نے لکھا ہے کہ:-

”اس کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم الملک کا لقاہ کی مجلسوں میں نہ صرف تصوف کے عقدہ ہائے لائیل حل کیے جاتے تھے۔ بلکہ وعظ و نصیحت، رشد و ہدایت، اوامر و نواہی، اوصاف حمیدہ اور اخلاقِ حسنہ کی تعلیم بھی جاری تھی۔ ان ہی تعلیمات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت

مذہب و تصوف دو الگ الگ چیزیں نہ تھیں۔ بلکہ دونوں ایک ہی شمع کے دو پر توڑے تھے۔“

۲۔ خواجہ پر نعمت | مرتبہ حضرت زین بدر عربیؒ۔ اس میں زیادہ تر تصوف کے جزوی نکات بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ فقہی اور شرعی مسائل پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں ۵۱ شعبان ۱۰۳۶ھ سے ۱۰۵۸ھ تک کے ملفوظات ہیں۔ اس لیے اس کو 'معدن المعانی' ہی کا ایک ضمیمہ سمجھنا چاہیے۔

۳۔ راحت القلوب | (مرتبہ حضرت مولانا زین بدر عربیؒ) اس میں دس مجلسوں کے ملفوظات ہیں۔ یہ ضخامت میں بہت کم ہے۔ مگر مطبوعہ ہے۔ اس میں 'ضیاء الہی'، 'مبداء و معاد'، 'خواجہ اولیس قرنی رض'، 'سجدہ آدم صغی اللہ'، 'تعظیم طلادت کلام پاک'، 'نماز جمعہ کی فضیلت' اور 'روز عاشورہ پر گفتگو' کی گئی ہے۔ ان کے علاوہ کلام پاک کی بعض آیتوں کی تفسیر بھی بیان فرمائی گئی ہے۔

۴۔ مخ المعانی | صاحب سیرۃ الشرف نے اس کے مرتب کا نام سید شہاب الدین عماد حافی لکھا ہے۔ مگر میرے پاس مطبع مفید عام پریس آگرہ ۱۳۳۱ھ کا پوسٹہ ہے اس کے ناشر حضرت سید شاہ وحی احمد فردوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مجموعہ کے جامع بھی زین بدر عربیؒ ہی کو لکھا ہے۔

۵۔ مونس المریدین | یہ کتاب بھی غیر مطبوعہ ہے جو ۲۶۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں ۲۱ شعبان المعظم سے محرم ۱۰۵۸ھ تک کے ملفوظات ہیں۔ اس کے جامع صلاح مخلص داؤد خانی ہیں۔ اس میں لفظ سجادہ اور صاحب سجادہ کی تعریف حیار اور اس کی فضیلت، خواب کے اقسام، شب برات اور اس کی فضیلت، حدیث 'مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ'، شریعت و طریقت اور حقیقت کے معانی اور ماہیت روح وغیرہ جیسے مباحث پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

گنج لایفنی | اس میں یک شبہ ربیع الاول ۱۰۳۶ھ سے روز شنبہ ۲۶ رذی الحجہ ۱۰۴۹ھ تک کے ملفوظات ہیں۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر مجلس کے ملفوظات کے

مقدمہ

لکھنے میں دن، مہینہ اور سال کی پابندی کی گئی ہے۔ اس کی ضخامت ۱۰۴ صفحات پر مشتمل ہے اس میں شب قدر کی علامتیں بتائی گئی ہیں اور اس کے مخفی رکھنے کی حکمت کا ذکر کیا گیا ہے۔ سکرات موت اور تلقین میت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مومنوں پر سکرات موت بطور عذاب نہیں ہوتا۔ احادیث پر بحث کرتے ہوئے لفظ **اٰخِرُ نَا** اور **حَدَّثَنَا** کا فرق بیان کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

فوائد الغیبی | اس میں ۳۲ مجلسوں کے ملفوظات قلم بند کیے گئے ہیں جو ۱۹۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ اوائل شعبان ۱۳۵۴ھ سے شروع ہو کر ماہ صفر ۱۳۵۵ھ میں ختم ہوا ہے۔ اس میں بھی تمام مجالس کے ملفوظات روز اور ماہ کی قید کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ اس میں اکثر بہت ہی اہم مسائل پر عقلی اور نقلی دلائل کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ مثلاً اسماء باری تعالیٰ، ذکر حکمت اشیا، اقسام حقوق العباد، تعریف شہود و مشہود، فضیلت علم اور ارکان حج وغیرہ پر بحث ہے۔

منظر المعانی | اس کے جامع اور مرتب شیخ شہاب الدین عماد ہیں۔ اس میں ذکر ذات و صفات، ذکر و مراقبہ، فکر و تفکر اور ظاہر و باطن وغیرہ کا ذکر ہے۔ کثر المعانی، ملفوظ الصفا و بررات المحققین غیر مطبوعہ ہیں اور بد قسمتی سے یہاں میرے پاس موجود نہیں ہیں۔

تحفہ غیبی | اس میں ابتداء ۱۳۵۹ھ سے لے کر ۱۳۶۰ھ تک کے ملفوظات ہیں۔ اس کے جامع بھی حضرت مولانا زین بدر عربی ہیں۔

یہ جملہ ملفوظات وہ ہیں جو حضرت مخدوم جہاں کی حیات ہی میں جمع کیے گئے۔ اور ترتیب پائے۔ ان کے مرتبین کا یہ دعویٰ ہے کہ تہذیب و ترتیب کے بعد مخدوم جہاں کی خدمت میں پیش کیے جاتے تھے۔ اور حضرت جہاں مناسب سمجھتے حاکم اضافہ فرماتے اور جہاں کوئی شعریا رباعی کے لکھنے میں کوئی غلطی ہوتی تو خود درست فرمادیتے۔ اس لیے ان ملفوظات کے متعلق شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

مکتوبات

(۱) مکتوبات صدی۔ (۲) مکتوبات دو صدی (۳) مکتوبات سبب و شہادت

مکتوبات صدی | مخدوم جہاں کے ایک مرید خاص قاضی شمس الدین حاکم چوسہ کے نام ہیں جو اپنی غیر معمولی مشغولیت اور فرائض منصبی کی انجام دہی کی وجہ سے حضرت مخدوم جہاں کی خدمت میں حاضری سے محذور تھے۔ ان کے اصرار پر ان کی تعلیم کے لیے یہ مکتوبات لکھے گئے۔ خود مخدوم جہاں قاضی صاحب کو بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ وصال کے وقت جہاں اوروں پر نوازشیں کیں وہاں ان کو بھی بلا کر فرمایا "قاضی شمس الدین کو کیا کہوں، قاضی شمس الدین تو میرے فرزند ہیں۔ متعدد بار میں نے کبھی ان کو فرزند اور کبھی برادر لکھا ہے۔ انھیں کی وجہ سے میرا علم درویشی ظاہر ہوا۔ انھیں کے لیے مجھ کو کہنا اور لکھنا پڑا۔ ورنہ کون لکھتا۔" ۱۷

مکتوبات صدی میں تصوف کے تمام اہم مسائل زیر بحث لائے گئے ہیں۔ اور مکتوبات کی سمجھ کے مطابق دلائل و امثال سے بڑے محققانہ انداز میں سمجھائے گئے ہیں۔ یہ مکتوبات شمس الدین میں پر دقلم ہوئے۔ مخدوم جہاں کے مرید خاص اور کاتب حضرت مولانا زین بدر عربی نے ان مکتوبات کی نقل اپنے پاس رکھ لی تھی۔

مکتوبات دو صدی | اس کے جامع اور مرتب بھی حضرت زین بدر عربی ہیں۔ یہ مکتوبات مختلف مریدوں کے نام لکھے گئے ہیں کسی ایک شخص کے نام سے نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مباحث میں توار و دو تکرار پیدا ہو گیا ہے۔

۱۸ برادر مخدوم صباح الدین عبدالرحمن صاحب بزم صوفیہ نے مکتوبات کے ایک اور مجموعہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "انڈیا آفس میں حضرت مخدوم کے مکتوبات کا ایک اور مجموعہ ہے جس میں ۱۲۵ مکتوبات ہیں۔ اس میں خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کے نام خطوط ہیں۔ ان دونوں کو حضرت مخدوم الملک فرزند کہہ کر مخاطب فرماتے ہیں۔

۱۹ دیباچہ مکتوبات صدی جلد اول صفحہ ۳۔ ۲۰ راحت القلوب وفات نامہ صفحہ ۲۶۔

جس سے انڈیا آفس کیٹلاگ کے مرتب کو دھوکا ہوا ہے کہ وہ دونوں حضرات مخدوم الملک کے صاحبزادے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ وہ دونوں مرید ہیں۔

مکتوبات بہت دہشت | یہ مکتوبات حضرت مخدوم جہاں قدس اللہ سرہ العزیز نے اپنے سب سے زیادہ چہیتے اور عزیز مرید حضرت سیدنا مظفر بلخی قدس اللہ سرہ العزیز کو لکھے ہیں جن کے متعلق فرمایا ہے :-

”نن مظفر جان شرف الدین، جان مظفر تن شرف الدین
شرف الدین مظفر، مظفر شرف الدین۔“

کہا جاتا ہے کہ مخدوم جہاں نے حضرت مولانا کے نام دو سو سے زیادہ خطوط لکھے تھے۔ مگر حضرت مولانا ان کو عوام کی نگاہ سے پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے وفات کے وقت یہ وصیت فرمائی تھی کہ یہ تمام خطوط ان کے ساتھ قبر میں رکھ دیے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اتفاق سے یہ اٹھائیس خطوط الگ رکھے ہوئے تھے تو دفن ہونے سے رہ گئے۔ اور اب کتابی شکل اختیار کر رہی ہے۔

نامناسب نہ ہو گا اگر مکتوبات کے متعلق اہل قلم حضرات اور مشاہیر وقت کے اقوال نقل کر دیے جائیں :-

معین دروائی۔ صاحب تاریخ سلسلہ فردوسیہ :-

”مخدوم الملک کی تمام تصانیف اور ملفوظات یوں تو اہم اور مشعل ہدایت ہیں لیکن ان کے مکتوبات کی اہمیت، مقبولیت اور افادیت بالخصوص بہت زیادہ ہے۔“ ۱۷

سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب بزم صوفیہ :-

”مکتوبات صدی میں نقوش کے تمام اہم مسائل پر مختصراً مگر

معقازہ مباحث ہیں۔“ ۱۸

خلیق احمد نظامی۔ استاد شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علیگر۔
 ”طریقہ فردوسیہ کو ہندوستان میں پروان چڑھانے کا کام شیخ شرف الدین
 احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ نے انجام دیا۔ ان کے مکتوبات تصوف کا بڑا
 بیش قیمت ذخیرہ ہیں۔ ۱۷
 مولانا مناظر حسن گیلانی :-

”دینی و علمی برتیاں جو حضرت مخدوم کو بارگاہ ربانی سے اوزانی فرمائی گئی
 ہیں، ان سے تو دنیا واقف ہے۔ لیکن کم از کم میرا خیال تو یہی ہے کہ نثر نگاری میں
 سعدی شیرازی کے بعد کسی کا نام ہندی نہیں بلکہ ایران میں بھی اگر لیا جاسکتا ہے
 تو شاید وہ بہار کے مخدوم الملک ہی ہو سکتے ہیں۔ مکتوبات کی شکل میں جو ارقام فرمایا
 ہے فارسی زبان میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔“ ۱۸

سید ضمیر الدین احمد صاحب سیرۃ الشرف :-
 ”اگر ان مکتوبات کے مضمون کو خیال کرو اور ان کی غرض کو سوچو تو تم کو معلوم
 ہو جائے گا کہ سارے مکتوبات کا مضمون رشتہ خداوندی اور بندگی ہے۔“ ۱۹
 مولانا عبدالحق قدس اللہ سرہ العزیز :-

”حضرت مخدوم کی تصنیفات بہت عالی ہیں۔ آپ کی تمام تصنیفات میں
 مکتوبات کی شہرت بہت زیادہ ہے۔“
 حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز :-

”مکتوبات شیخ شرف الدین کفر صد سالہ ما، برکعت دست نمود۔“ (حضرت
 شیخ شرف الدین کے مکتوبات نے میرے سو سال کے کفر کو میری پتیلی پر رکھ کر
 دکھلادیا۔)

حضرت جلال الدین بخاری قدس اللہ سرہ العزیز :-
 ”حضرت شیخ شرف الدین کے مکتوبات ایسے ہیں کہ بعض مقامات ابھی تک

سمجھایا ہے کہ ہر مکتب خیال کے لوگوں کو پوری پوری تشفی ہو گئی۔

مخدوم جہاں کے عہد میں مکتوبات کو اہم موضوعات کے اظہار کا ذریعہ نہیں بنایا گیا تھا۔ وہ صرف خیریت اور حالات و حاجات کے بیان تک محدود تھے۔ مخدوم جہاں نے اسے مستقل ایک فن بنادیا۔ جو مضامین مستقل طور پر ایک ایک کتاب میں سمونے جاسکتے تھے انہیں ان چھوٹے چھوٹے خطوط میں لکھ کر عام کر دیا۔ ضخیم کتابوں میں خواہ مضمون کتنا ہی دلچسپ کیوں نہ ہو پڑھنے میں طبیعت پر گرائی ضرور ہوتی ہے۔ مگر ان مضامین کو مختصر کر کے اس انداز میں لکھا جائے کہ مقصد قوت نہ ہو تو وہ بہت ہی نافع ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مخدوم جہاں کے ملفوظات اور مکتوبات ان کی مستقل تصنیفات سے زیادہ شایع ہوئے چونکہ ملفوظات میں روزمرہ کے تذکرے ہیں اور مکتوبات قدرتی طور پر مختصر ہیں اس لیے اول میں سہولت بیان اور دوسرے میں اختصار ہے۔ برخلاف اس کے مستقل تصانیف میں ان باتوں کا خیال رکھنا ناممکن ہے۔ ان ملفوظات و مکتوبات میں مخدوم جہاں کی ذہانت و ذکاوت نمایاں ہے۔ آپ کے خیالات کا اچھوتا پن، آپ کی دقت نظری اور پھر آپ کے انداز بیان نے ان کو گنگا جہنی بنادیا ہے۔ ان کو شروع سے آخر تک تھوڑی دیر میں پڑھا جاسکتا ہے۔ ان کے پڑھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج کوئی بات معلوم ہوئی جسے پہلے نہیں جانتے تھے بار بار ان مکتوبات کو پڑھا جائے تب بھی ہر بار یہی محسوس ہوگا کہ آج ایک نئی چیز معلوم ہوئی۔

ساحب سیرۃ الشرف لکھتے ہیں :-

"مکتوبات و ملفوظات کو اٹھا کر دیکھو کہ مخدوم کی یہ خصوصیتیں ان کتابوں میں کسی درخشان نظر آتی ہیں۔ اور اس دقت تک نہ صرف بہار میں بلکہ تمام ہندوستان میں اولیت کا تمغہ پائے ہوئے ہیں۔ مخدوم کا ایک ایک مکتوب اور مخدوم کے ملفوظات کی ایک ایک بحث بڑی بڑی ضخیم کتابوں کا کام دیتی ہے۔ اس آزادی، شوخی اور قوت کے ساتھ بیان کا حق ادا کیا گیا ہے کہ یہ خاصہ طور سے کہا جاسکتا ہے کہ اس طرز بیان کا مخدوم بلا اشتراک اجارہ لیے ہوئے تھے۔" (سیرۃ الشرف صفحہ ۷۳۳)

مکتوبات مخدوم جہاں کو اعلیٰ انشا پر دازی کا نمونہ کہا جاسکتا ہے۔ اس لیے کہ اعلیٰ انشا پر دازی کی تمام خصوصیات ان میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ زبان کی سبے تکلفی، محاورات کا بر محل استعمال، روزمرہ، تمثیلات، اشارات اور استعارات وغیرہ سے بھی نہایت حسن کے ساتھ کام لیا گیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملے فصاحت و بلاغت کے بہترین نمونہ ہیں۔ گویا یہ ادبی جواہر ریز ہیں جو صفیٰ قرطاس پر بڑے سلیقہ سے سجائے گئے ہیں۔ فرید براں جا بجا فارسی اشعار کے بر محل استعمال سے اس کو لالہ زار بنا دیا گیا ہے۔ یہ خطوط قلم سنبھال کر نہیں لکھے گئے۔ بلا تکلف خلوص کے ساتھ لکھے گئے ہیں جس کا صرف ایک مقصد تھا کہ بندے کا رشتہ اللہ سے جوڑ دیا جائے۔

مکتوبات کی زبان نہایت صاف ستھری اور نکھری ہوئی ہے۔ تصنع اور تکلف کا دور دور تک پتا نہیں۔ خالق و مخلوق کا باہمی رشتہ اور اخلاق انسانی کے متعلق مضامین ان مکتوبات میں افراط سے پائے جاتے ہیں۔ مسئلہ توحید کو جس خوبی کے ساتھ سمجھایا ہے وہ انہیں کا حق ہے۔ مخدوم کی تعلیم، ان کا اللہ تعالیٰ سے تعلق، ان کا مخصوص انداز بیان، یہ وہ عوامل تھے جو مکتوبات کو تکمیل کے درجہ تک پہنچا سکے۔ یہ مکتوبات مخدوم جہاں کی تعلیمات کا خلاصہ ہیں۔ اس لیے مخدوم منا کی تعلیمات کا ذکر کرنا تفصیل حاصل ہے۔ غرض مکتوبات کی علمی و ادبی حیثیت مکمل ہے۔

مکتوبات کے مضامین پر اگر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ سارے مکتوبات کا ایک ہی موضوع ہے۔ اور وہ "رشتہ خداوندی اور بندگی" ہے۔ اس سلسلہ میں جتنے بھی مضامین لکھے گئے ہیں وہ سب کے سب اسی ایک نکتہ کی توضیح و تشریح ہیں۔ یعنی اللہ اور بندے کا رشتہ کیا ہے، بندگی کیا ہے؟ اس کے فرائض و ذمہ داریاں کیا ہیں، بندہ کا اپنے پروردگار کے ساتھ کیا اور کیسا برتاؤ ہونا چاہیے؟ یہی باتیں ہیں جو مختلف انداز میں مختلف پلوں سے دکھائی گئی ہیں۔ اس میں شائبہ نہیں کہ ضمنی طور پر اور بھی بحثیں آتی گئی ہیں جن سے آپ کے علمی تبحر کا اندازہ ہوتا ہے۔ مگر مکتوبات کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہاں رُوح ہے جو سارے مکتوبات میں کار فرما ہے۔ قرآن، تفسیر، حدیث، سیر، تاریخ، منطق اور فلسفہ وغیرہ

مقدمہ

جس جس سے بحث کی گئی ہے سب کا سب ایک ہی نکتہ کی توضیح و تشریح ہے۔ دنیا کی خرابی کا ذکر ہو یا عباد کی حق العباد کا تذکرہ ہو یا حق النفس کا، معاشرت و تمدن کا بیان ہو یا علم و جہل کا سب کی غایت و غرض ایک ہی ہے اور سب کی بازگشت اسی اصل کی طرف ہے۔

دنیا سے ادب میں شعر و شاعری کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جس قدر سوز و گداز اس سے پیدا ہوتا ہے اور کسی دوسری چیز سے نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ اسرار و رموز کے اظہار کے لیے اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں۔ اس لیے بھی اس سنسن کی اہمیت زیادہ ہے۔ مخدوم جہاں نے تعلیم شریعت و طریقت کا چونکہ بیڑا اٹھایا تھا اس لیے انھوں نے اس سے بہت کام لیا ہے۔

عام طور پر یہ سب کو معلوم ہے کہ مخدوم جہاں شاعر نہ تھے۔ مگر ان کے دوسے موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعری کا ذوق رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ فارسی کے ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جو فارسی شعرا کے دوا دین میں نہیں ہیں۔ اگر قیاس کیا جائے کہ وہ اشعار خود مخدوم جہاں کے ہیں تو بعید از عقل نہ ہو گا۔ جہاں کہیں آپ نے دوسروں کے اشعار لکھے ہیں وہاں ذکر کر دیا ہے کہ فلاں نے اس طرح کہا ہے۔ مگر جہاں کسی کا نام نہیں ہے وہاں اس طرح لکھا ہے "کسی دیوانے نے کہا ہے" یہ دیوانہ خود مخدوم جہاں ہیں۔ ایک جگہ تو نام کو بطور تخلص بھی استعمال کیا ہے۔

شرف زنا و تسبیح کے شد

تو فوای خواجہ شو خواہی غلامے

شاہ محمد نعیم فردوسی القادری

استاد شعبہ اردو۔ جامعہ سندھ

لطیف آباد حیدرآباد

۵ جنوری ۱۹۶۸ء

دیباچہ

(از ترجمہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ خَلْقِكَ وَرِضَاكَ
نَفْسِكَ وَزَيْنَةِ عَرْشِكَ وَمِدَادِ كَلِمَاتِكَ

اما بعد۔ حضرت والد ماجد سید شاہ برہان الدین احمد قدس سرہ العزیز کا وصال
۱۲ صفر ۱۳۱۱ ہجری میں ہوا۔ اُس وقت میری عمر تقریباً چھ سال کی تھی۔ اور حضرت جد
امجد جناب حضور سید شاہ امین احمد فردوسی سجادہ نشین مخدوم جہاں قدس سرہ کی مزید
شفقت نے فوراً اپنی آغوشِ تربیت میں مجھے لے لیا۔ جب میں سن شعور کو پہنچا تو پڑھنے لکھنے
کی ہدایت ہونے لگی۔ اور اپنی خاص توجہ سے بذاتِ خود پڑھانا لکھانا شروع کر دیا۔ آپ کے
فیضِ صحبت کا یہ حیرت انگیز اثر ہوا کہ تھوڑے عرصہ میں نثر و لاظہوری۔ قصائد عربی، قصائد
ظہیر فارابی۔ گلِ فردوس، گلِ بہشتی، مثنوی مولانا روم، مکتوباتِ امام مظفر، کیمیائے سعادت
اور مکتوباتِ صدی وغیرہ کے پڑھنے اور سمجھنے کی پوری استعداد پیدا ہو گئی۔ اس درمیان میں بہت
طریقت بھی لی گئی۔ اور فیوضِ باطنی سے سرفراز کیا گیا۔ وقتاً فوقتاً مسئلہ وحدت الوجود
اور حضراتِ خمس اور تزلّاتِ ستہ کی حدیث آتی گئی۔ آپ کی قلبی قوت ان مسائل کو بھی دل
نشین کرتی رہی۔ یکایک زمانہ بدلا اور ۴ جمادی الآخر ۱۳۲۱ھ کو آپ کا سایہ عاطفت
میرے سر سے اٹھ گیا۔ مَن مَنَعَ عَنِ النَّظِيرِ يَسْتَلِي بِالْأَثَرِ۔ اسی وقت خیال سرور پیدا
ہوا کہ آپ کی سوانح عمری لکھ کر سرمایہ آخرت جمع کروں، اور دلِ بیتاب کو تسلی دوں۔ مگر

مکرہات دنیاوی نے ایسا سخت تعاقب کیا کہ فرار کی طرف راہ نہ ملی۔ آخر گھر کر ایک محدود دائرہ میں تیرہ سال تک بے مذاقی کی زندگی بسر کرنا پڑی۔ مگر بزرگوں کا فیض رائگاں نہیں جاتا۔ باوجود میری خرابیوں اور تباہ حالیوں کے بھی اُس نے ۱۳۳۲ھ ہجری میں اپنا نمایاں اثر ظاہر کیا۔ اور پوری دستگیری اعانت و امداد فرمائی۔ چنانچہ میں نے قلیل مدت میں اس سوانح عمری کے مواد جمع کر کے حیات ثبات ایک پُر مغز کتاب لکھ ڈالی۔ جو بالفعل زیر طبع ہے پھر کیا تھا۔ دیوانہ راہوئے بس است۔ اب دل پر بے شغلی و بیکاری بار گزرنے لگی۔ اگر کبھی کبھی شعر و سخن کی طرف دل مائل ہوا تو دو چار غزل لکھ ڈالی۔ یا کبھی کبھی نثر میں جی چاہا تو طبع آزمائی کر لی۔ مگر اس سے وہ پیاس کب بھیتی ہے اور سیری کب حاصل ہوتی ہے۔ طبیعت ان باتوں کی متلاشی رہی جن کو سن چکے تھے اور آنکھیں دیکھ چکی تھیں۔ چنانچہ میں نے از سر نو نقوش کی اعلیٰ اعلیٰ کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا۔ سبحان اللہ! دیکھا تو ہر ایک کتاب اپنے اپنے رنگ میں ایک خزانہ معرفت نظر آئی۔ یہاں تک کہ مکتوبات صدی حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الحق والدین قدس سرہ کے دیکھنے کی لوبت آئی۔ اس کے حسن بیان، اس کی دل فریبی نے مجھے تو اپنا والد و شیدا بنالیا۔ اور اس کے رمز و غمزے بالکل تاب و توان چھین لی۔ پھر اس بات کا خیال کر کے بڑی حسرت اور نہایت درجہ افسوس ہوا کہ جس دیار میں ایسی دولت بے زوال اور ایسے ایسے جواہر بے مثال موجود ہوں، اس صوبہ اور اس علاقہ کے لوگ ایسے غیر مانوس ہوں کہ اُردو کتابیں دیکھیں اور اس چشمہ فیض سے محروم رہیں۔ غور کرنے سے اس کا سبب میرے ذہن میں یہی آیا کہ چونکہ فارسی کا مذاق اب کم ہو گیا ہے دل چسپی اس سے باقی نہیں رہی ہے۔ اس لیے ان کتابوں کی طرف لوگوں کی توجہ کم ہے۔ حضرت مخدوم کے دور میں اہل علم اور شرفا کی زبان فارسی تھی۔ سارے کاروبار اور تعلیم و تعلم میں اسی کو دخل تھا۔ بھاشا بہت کم استعمال ہوتی تھی۔ اب یہ زمانہ ہے کہ اردو زبان کو خود دعوے کمال ہے۔ بیپاری فارسی کو پوچھتا کون ہے؟ بلکہ میں نے اس کو بھی محسوس کیا کہ عام طور پر علم نقوش اور صوفیوں کے پاک احوال سے تیزی کے ساتھ بے خبری بڑھ رہی ہے۔ اور ایک ایسی گھٹا چھا رہی ہے جو اس آفتاب کو پھیلے گی۔ اگر یہی ہوا زردوں پر چلتی رہی تو ایک نہ ایک دن اس کے جھونکے باد صحر کا کام کریں گے اور باغِ طریقت کی بہار کو تاراج کر دیں گے۔ اس کا

علاج میری عقل ناقص میں سوا اس کے اور کچھ نہ آیا کہ اس کتاب کا ترجمہ سلیس اردو زبان میں کیا جائے تاکہ عام فہم ہو اور بے تکلف لوگ دیکھ سکیں۔ کیونکہ یہ کتاب ادا مردنواہی نقص و حکایات رموز و اشارات کا ایک بڑا خزانہ ہے۔ یہ کتاب بتدی، متوسط اور متنتی ہر طبقہ دالے کے لیے نسخہ، اکیکا فائدہ رکھتی ہے۔ "ہست قرآن در زبان پارسی" ایسی ہی کتابوں کی شان ہوا کرتی ہے۔ اگر قرآن شریعت اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسری زبانوں میں ترجمہ نہ ہوتا تو غیر ملکی لوگ احکام دین سے بالکل محروم رہتے۔ اسی طرح اب اگر اس کتاب فیض انتساب کا ترجمہ نہ ہوگا تو برادران اسلام عام طور پر مذاق لقنوں سے بے بہرہ ہوتے جائیں گے۔ ان خیالات نے مجھ کو ترجمہ پر مجبور کیا۔ اور میں نے ترجمہ لکھنا شروع کیا۔

حضرت مخدوم جہاں کی تصانیف بقولے سترہ سو تک پہنچی۔ مگر اس دیار میں آج بھی نسخے موجود ہیں۔ اور ہر تصنیف اپنی جگہ پر نہایت قابل قدر ہے۔ ان میں سے شرح آداب المریدین، فوائد رکنی معدن المعانی، مکتوبات دو صدی، مکتوبات لبست و ہشت، اور مکتوبات صدی بہت زیادہ مشہور و معروف تصنیفیں ہیں۔ شرح آداب المریدین ایک ایسی شرح ہے جو پیروں کی رہبری کرتی ہے۔ حضرت ضیاء الدین ابوالخیر سہروردی قدس سرہ صاحب متن آداب المریدین کو بذریعہ الامام اس شرح کی بشارت خاص طور پر ہوئی تھی۔ فوائد رکنی وہ مجموعہ ہے جس کی تفصیل مکتوبات صدی کا جلوہ دکھاتی ہے۔ معدن المعانی، جس کو بحر ذخار و دریا سے ناپیدا کنار کہنا کسی طرح نازیبا نہیں۔ مکتوبات دو صدی نقوش میں مفید اور پر حلاوت کتاب ہے۔ میرے پاس اس کا کامل نسخہ ظہری موجود ہے۔ مگر مطبوعہ نسخہ میں خدا جلے کیوں باؤں ترین مکاتیب کی کمی رہ گئی ہے۔ اس کتاب کو حاجی الحرمین الشریفین زاد اللہ شرفاً حضرت مولانا رکن الدین قدس سرہ نے ۱۰۶۹ھ ہجری میں جمع کیا ہے۔

مکتوبات لبست و ہشت حضرت مولانا امام مظفر قدس سرہ کے نام ہے۔ دراصل اس کا مجموعہ دو سو مکتوبات سے زیادہ کا تھا۔ اور حضرت مولانا قدس سرہ کو حکم تھا کہ اعیان کی نظر سے اس کو محفوظ رکھنا۔ چنانچہ آپ اس کو چھپائے رکھتے تھے۔ صاحب مناقب لاصفیاء بحوالہ برہان الاتقیاء تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ بمصدق الفقراء کفّٰ عنک ولجّدۃ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی قدس سرہ کو اپنے نام کے مکتوبات دیکھنے کے لیے دیے۔ سبحان اللہ آپ نے ان سے کس طرح کی لذت عشق پرستی لی ہے اور کس جوش مستی میں فرمایا ہے کہ مکتوبات

علاج میری عقل ناقص میں سوا اس کے اور کچھ نہ آیا کہ اس کتاب کا ترجمہ سلیس اردو زبان میں کیا جائے تاکہ عام فہم ہو اور بے تکلف لوگ دیکھ سکیں۔ کیونکہ یہ کتاب ادا مردنوا ہی قصص و حکایات رموز و اشارات کا ایک بڑا خزانہ ہے۔ یہ کتاب بتدی، متوسط اور متنتی ہر طبقہ دالے کے لیے نسخہ، اکیکا فائدہ رکھتی ہے۔ "ہست قرآن در زبان پارسی" ایسی ہی کتابوں کی شان ہوا کرتی ہے۔ اگر قرآن شریعت اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسری زبانوں میں ترجمہ نہ ہوتا تو غیر ملکی لوگ احکام دین سے بالکل محروم رہتے۔ اسی طرح اب اگر اس کتاب فیض انتساب کا ترجمہ نہ ہوگا تو برادران اسلام عام طور پر مذاق لقنوں سے بے بہرہ ہوتے جائیں گے۔ ان خیالات نے مجھ کو ترجمہ پر مجبور کیا۔ اور میں نے ترجمہ لکھنا شروع کیا۔

حضرت مخدوم جہاں کی تصانیف بقولے سترہ سو تک پہنچی۔ مگر اس دیار میں آج بھی نسخے موجود ہیں۔ اور ہر تصنیف اپنی جگہ پر نہایت قابل قدر ہے۔ ان میں سے شرح آداب المریدین۔ فوائد رکنی معدن المعانی، مکتوبات دو صدی، مکتوبات لبست و ہشت، اور مکتوبات صدی بہت زیادہ مشہور و معروف تصنیفیں ہیں۔ شرح آداب المریدین ایک ایسی شرح ہے جو پیروں کی رہبری کرتی ہے۔ حضرت ضیاء الدین ابوالخیر سہروردی قدس سرہ صاحب متن آداب المریدین کو بذریعہ الامام اس شرح کی بشارت خاص طور پر ہوئی تھی۔ فوائد رکنی وہ مجموعہ ہے جس کی تفصیل مکتوبات صدی کا جلوہ دکھاتی ہے۔ معدن المعانی جس کو بحر ذخار و دریا سے ناپیدا کنار کہنا کسی طرح نازیبا نہیں۔ مکتوبات دو صدی نقوش میں مفید اور پر حلاوت کتاب ہے۔ میرے پاس اس کا کامل نسخہ ظہری موجود ہے۔ مگر مطبوعہ نسخہ میں خدا جلے کیوں باؤں ترین مکاتیب کی کمی رہ گئی ہے۔ اس کتاب کو حاجی الحرمین الشریفین زاد اللہ شرفاً حضرت مولانا رکن الدین قدس سرہ نے ۱۰۶۹ھ ہجری میں جمع کیا ہے۔

مکتوبات لبست و ہشت حضرت مولانا امام مظفر قدس سرہ کے نام ہے۔ دراصل اس کا مجموعہ دو سو مکتوبات سے زیادہ کا تھا۔ اور حضرت مولانا قدس سرہ کو حکم تھا کہ اعیانہ کی نظر سے اس کو محفوظ رکھنا۔ چنانچہ آپ اس کو چھپائے رکھتے تھے۔ صاحب مناقب لاصفیاء بحوالہ برہان الاتقیاء تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ بمصدق الفقراء کفّس ولجدة حضرت نصیر الدین چراغ دہلی قدس سرہ کو اپنے نام کے مکتوبات دیکھنے کے لیے دیے۔ سبحان اللہ آپ نے ان سے کس طرح کی لذت عشق پرستی لی ہے اور کس جوش مستی میں فرمایا ہے کہ مکتوبات

شیخ شرف الدین کفر صد سالہ مارا برکت دست نمود " خیر حیب حضرت مولانا قدس سرہ کا وقت وصال آیا تو آپ نے وصیت فرمائی کہ اس خلیفہ کو ہمارے ساتھ دفن کر دینا۔ لوگوں نے اپنے علم میں آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ مگر ایک شیخ کامل مرد خدا کی جدائی میں کس کے ہوش بجا تھے، آخر ایک ملاحظہ چھوٹ ہی گیا۔ تجرید تکفین سے واپس آکر جو دیکھتے ہیں تو ایک ملاحظہ رکھا پاتے ہیں۔ کھول کر جو دیکھا تو اٹھائیں مکتوب کے جو اہر ریزے ملے۔ اب دوبارہ فرار میں رکھنے کی ہمت کس کی ہوتی ہے۔ نعمت خدا داد سمجھ کر لوگوں نے ان کی نقلیں کر لیں اور بے حد فوائد حاصل کیے۔ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ دونوں نسخے اس کے موجود ہیں حسب مناسبت الاصفیا حضرت مخدوم شیخ شرف الدین قدس سرہ کے باب میں فرماتے ہیں کہ "دقائق طریقت اور اسرار حقیقت و معرفت کے بیان میں آپ کا پارہ بہت بلند ہے۔ ہر مراتب ظہور میں آپ کی تشریح و توضیح دارے شفا کا کام کرتی ہے عشق و محبت کے معاملات میں تو ایسی ایسی باتیں لکھ جلتے ہیں کہ دل ٹھوہر جاتا ہے " علم تصوف میں آپ کی بے انتہا تصنیفیں ہیں۔

جس وقت شیخ اعز کا کوئی اور احمد بہاری سرشار ان توحید کی شہادت دیتی میں ہوتی تو حضرت پیر محمد جہاں نے کہا افسوس کے بعد فرمایا۔ "عجب لود کہ آن شہر آبادان بہاند " بخردوں نے سلطان فیروز شاہ تغلق اس کی خبر پہنچائی سلطان نے بذریعہ پر دانہ آپ کو طلب کیا۔ اسی اشار میں سید السادات حضرت سید جلال الدین بخاری قدس سرہ نے اپنے ایک خادم کی معرفت بادشاہ کے یہاں تبرکات بھیجے۔ بادشاہ نے متعجب ہو کر کہا "خیریت تو ہے، اب کی دفعہ یاد فرمائی میں اس قدر دیر کیوں ہوتی۔ خادم نے کہا سبب اس کا یہ ہے کہ شیخ شرف الدین مینری کے مکتوبات آج کل مطالعہ میں ہیں اس لیے حضور خلوت میں رہتے ہیں۔ اور وہاں کسی کو جلنے آنے کا حکم نہیں " یہ سننا تھا کہ بادشاہ نے فوراً اپنا حکم منسوخ کر دیا۔ پھر صاحب مناقب الاصفیا فرماتے ہیں کہ سید جلال الدین بخاری قدس سرہ سے کسی پوچھا کہ اب تو سن شریعت زیادہ ہوا کتب مبنی کا وہی ذوق و شوق ہے یا کوئی دوسرا شغل خاص ہے۔ آپ نے فرمایا "ہاں اب بھی مکتوبات شیخ شرف الدین کا مطالعہ کرتا ہوں۔ سائل نے عرض کی کہ مکتوب کیسے ہیں؟ جس سے آپ کی اتنی دل چسپی ہے۔ آپ نے فرمایا ایسے ہی ہیں کہ بعض بعض جگہ اب تک سمجھ میں نہیں آتی ہے "۔

حضرت مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ اخبار الاخبار میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مخدوم کی تصنیفیں بہت عالی ہیں۔ آپ کی تصنیفوں سے مکتوبات کی شہرت بہت زیادہ ہے۔ اور حق بھی یہی ہے۔

کہ اور تصنیفوں کے اعتبار سے اس میں لطافت و شیرینی بے حد ہے۔ آداب شریعت و اسرارِ حقیقت مکتوبات میں بے انتہا لکھے ہیں۔ آپ کے ملفوظات بھی ہیں جن کو معتقدوں نے جمع کیا ہے مگر مکتوبات کی بات ہی کچھ اور ہے۔

اب میں اصل مکتوبات صدی کی طرف پھر رجوع کرتا ہوں۔ حضرت زین ہدیر عربی قدس سرہ (خادم خاص) اس کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ قاضی شمس الدین حاکم نقیبہ چوتھے حضرت مخدوم غلام اللہ کے مریدوں میں سے تھے۔ متعدد علوٰیہ انکسار ان کے گزرے کہ شرفِ حضورِ مجلس سے مبالغہ روزگار نے محروم رکھا ہے اگر علمِ سلوک میں بقدرِ فہم اس ناپیر کے کوئی کتاب لکھ کر بھیج دی جائے تو ذریعہ حصولِ علم الہی و فوائدِ قلبی ہو۔ چنانچہ یہ التماس بہ و فورِ شفقت قبول کی گئی۔ اور مراتب و مقامات سالکان و احوال و معالجات مریدان کا لحاظ رکھ کر در باب توحید و تفرید و ارادتِ حقیقت و معرفت، عشق و محبت، گردش و روش، کشتش و کوشش، شریعت و طریقت، بندہ بودن و بندگی کردن، سلامتی و سلامتی، شیخی و مریدی، شہداء میں وقتاً فوقتاً خطہ بہار پر بہار سے قاضی صاحب کے پاس یہ مکاتیب روانہ فرمائے گئے۔ بندہ درگاہ و خدام و احباب نے نعمتِ غیر مترقبہ سمجھ کر ان کی نقل کر لی تاکہ طالبانِ اسرار و صادقانِ روزگار ان سے سرمایہ دینی جمع کریں اور سعادتِ ابدی و دولتِ سرمدی حاصل کیا کریں۔ بجز اللہ ہی غرض اور نیت اس مترجم پیچ میرز کی بھی ہے کہ برادرانِ عالمِ طریقت و برادرانِ اسلام کو دینی و دنیوی فائدہ اس ترجمہ سے حاصل ہو۔ حیاتِ ثبات جو میں نے لکھی ہے وہ مستقل ایک خاص انداز کی کتاب ہے۔ اپنے خیال کے موافق جس طرح چاہا، اس میں رنگ آمیزی کی ہے۔ مگر ترجمہ میں جو میں نے کیا ہے وہ آخر ترجمہ ہے اور ترجمہ بھی کس کا مکتوبات صدی کا اور مکتوبات بھی کس کے مخدوم الملک کے۔ اس لئے تن ترجمہ میں جو فرق ہو گا وہ ظاہر ہے۔ لیکن یہ کمی قابلِ گرفت نہیں ہو سکتی، کیونکہ بہتر تصنیف کا ترجمہ برا سے بڑا شخص کیوں نہ لکھے، متن کے اعتبار سے ضرور پسند ہو گا۔

دیکھنے کے لائق یہ بات ضرور ہے کہ جو ترجمہ لکھا گیا ہے اس سے بہتر اسلوب میں لکھنا آسان ہے یا مشکل؟ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ صرفِ فرزندیت کی نسبت کام کر رہی ہے، ورنہ کہاں مکتوب کہاں میں، اور کہاں یہ ترجمہ جس طرح حضرت مخدوم کی ذاتِ میری فکر سے برتر ہے اسی طرح آپ کی تصانیف بھی میری عقل و فہم سے باہر۔ غایتِ شفقت میں بار بار میرا تو یہ دل چاہتا ہے کہ آپ کے فضائل و مناقب سائے جہان پر تمام کرتا رہوں۔ اور آپ کے اوصاف و احوال سے

لے چوسہ ضلع بھنگلپور

تمام دنیا کو آگاہ کیا کروں۔ اگرچہ ان گنتی کے درقوں میں اس کا موقع کم ہے، یہ مختصر دیباچہ اس تفصیل کا متحمل کہاں، مگر ضروری احوال لکھنا فرضِ راہ بھی ہے اس لیے اجمالاً لکھتا ہوں۔

حضرت مخدوم کے تبحر علمی کی کچھ انتہا نہ تھی۔ معتبر ذرائع سے مجھے معلوم ہوا کہ آپ کے شرح و حواشی بزبان عربی بڑی بڑی کتابوں پر عرب و شام میں موجود ہیں اور ملفوظات بھی اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ کی معلومات کی کوئی حد نہ تھی۔ کیسے کیسے مشکل اور مختلف سوال کرتے تھے، اور آپ برجستہ جواب شافی دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ تعبیر گوئی جو ایک جزو نبوت ہے اس میں آپ کو اس قدر دخل تھا کہ اپنے وقت کے ابن سیرین سمجھے جاتے ہیں۔ معدن المعانی میں تعبیر خواہ ایک خاص باب ہے۔

حضرت عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ اپنے مکتوب صد و ہفتہ ہم میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے قطبِ روزگار شیخ خواجگی سدھوری کی زبان مبارک سے سنا، اور آپ نے شیخ المشائخ علامہ السوری قدس سرہ المتقی شیخ بدیع کی زبان مبارک سے سنا، اور آپ نے اپنے پیر قطبِ الاقطاب حجتہ الحق علی الخلق شیخ محمد عیسیٰ قدس سرہ کی زبان مبارک سے سنا کہ تعبیر گوئی مخدوم حبان قطبِ زمان شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ پر ختم ہو گئی۔

حضرت شاہ عزیز اللہ بتاریخی کیروی رحمۃ اللہ علیہ جو عہد شاہجہانی میں تشریف رکھتے تھے اپنی کتاب میں جس کا نام گوہرستانِ شاہ ہے تحریر فرماتے ہیں کہ فضائل حضرت مخدوم حبان کے متعلق کس قدر جامع اور معنی خیز الفاظ میں حضرت عبداللہ شطار قدس سرہ نے بیان فرمایا، کہ آپ فرماتے ہیں کہ ہم پر ایک حالت میں عالم انکشاف کھلا، اس معراجِ روحی میں عرشِ اعظم تک رسائی ہوئی، سابق و شریں پر میں نے اکابرینِ طریقت کے القاب لکھے دیکھے، حضرت بایزید بطنی کا لقب سلطان العارفین مسطور تھا، اور مخدوم شیخ شرف الدین کا لقب سلطان المحققین درج لوح نظر آیا۔ اور ان آنکھوں نے دیکھا۔ پھر آپ فرماتے ہیں، کیوں نہ ہو حضرت مخدوم کی بزرگی پر اصحابِ شریعت و طریقت کا اتفاق ہے۔ آپ کے نزدیک اپنے نفس سے بڑھ کر کوئی شے ذلیل و خوار نہ تھی۔ اس قدر آپ میں فراخ و صلی تھی کہ اللہ کے سوا مقصود ذہنی تھا ہی نہیں۔ دنیا اور دولتِ دنیا، عقبیٰ اور لغتِ عقبیٰ سب کی سب نظر میں بیچ تھیں۔ نفس کشی کی حد یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ چالیس سال کامل بوسے طعام سے قوتِ شامہ تک مزانہ لے سکی۔

اور بارہ برس تک آپ کو حوائج ضروری کی مطلق حاجت نہ پڑی، جس زمانہ میں آپ اس ریاضت شاقہ میں سرگرم تھے۔

سید العارفین سید علی ہمدانی سیر و سیاحت کرتے ہوئے آپ تک پہنچے ثروت زیار سے مشرت ہوئے۔ عند التذکرہ سید العارفین نے سوال کیا کہ سالک کی رسائی مقام صمدیت تک ہو سکتی ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ کچھ دنوں آپ یہاں تشریف رکھیں تو ممکن ہے کہ یہ راز منکشف ہو جائے۔ چنانچہ سید العارفین چھ ماہ تک آپ کی خدمت میں رہے۔ خیال کرتے ہیں تو یہ دیکھتے ہیں کہ حاجت بشری آپ میں بالکل باقی نہیں رہی ہے۔ یہ معاملہ دیکھ کر وہ عقدہ کھل گیا اور وہ مشکل حل ہو گئی۔ دل میں جو خدشہ تھا وہ بھی رفع ہو گیا۔

پھر تو اس قدر گردیدہ ہوئے کہ سند خرقہ خلافت آپ سے حاصل کی اور بے انتہا فیوض و برکات اس مرشدِ کامل کی صحبت سے جمع کیے۔ ان مرحلوں کے بعد اجازت ملی اور سید العارفین آپ سے رخصت ہو کر واپس ہوئے۔ پھر تحریر فرماتے ہیں کہ ہنگام ریاضت ایسا بھی ہوتا تھا کہ بیس بیس روز تک آپ کی رعب مبارک کو معراج ہوا کرتی، اور حبیب شریف محض بے حس و حرکت پڑا رہتا۔ چنانچہ ایک دفعہ لوگوں نے جو اس حال میں آپ کو دیکھا تو یہ سمجھے کہ اس جان سے تشریف لے گئے۔ خیر آپ کو اس مقام سے جب نزول ہوا تو یہ تقاضائے عجز و انکسار آپ نے صنعت پیری وغیرہ کی معذرت پیش کی۔

سید شاہ نجم الدین احمد فردوسی

خالقہاہ بہار شریف،

(ضلع پٹنہ)

ترجمہ دیباچہ جامع مکتوبات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بے انتہا حمد اور تمام تعریف اس دیباہ کبریائی کے یو خاں ہے جس نے عارفوں کے دلوں کو اپنے مشاہدہ جمال باکمال کے انوار اور جلال لایزال کے مکاشفہ سے آراستہ فرمایا، اور اپنے عجوبہ نظاروں اور نادرا سرار فیضی کے مطالعہ میں محو و مستغرق کر دیا اور ان کے دلوں کو اپنی تجلیات کی پاکیزہ شراب سے سرشار فرما کر ایسا مست کیا کہ وہ خود سے بے خود ہو گئے۔ اور اپنے شہود احدیت کے نور کو اُن کی ظاہری اور مادی آنکھوں سے دکھایا اور اپنی ذات کو ایسی شان میں معین فرمایا کہ وہ ظہور نور کے غلبہ میں خود کو، مخلوق کو اور جانِ جہان کو معدوم تصور کرنے لگے۔ انھوں نے دیکھا تو اُسے دیکھا۔ چلے تو اس کے ساتھ چلے، لیا تو اس سے لیا اور کہا تو اُس سے کہا۔

یہاں ہم ہیں نہ میں ہوں اور نہ یہی اور نہ وہ کوئی

وہی پہلے بھی تھا اور بس وہی ہے اور وہی ہوگا

اور ہزار ہا ہزار اعلیٰ درود اور اکمل سلام سرور عاشقان اور تاج بر عارفان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیع پاک پر جو جن کے طفیل اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو نبوت کا لباس پہنایا۔ اور جن کے صدقے میں اپنے اولیاء کو خلعت ولایت سے آراستہ کیا۔ اگر وہ نہ ہوتے تو کون ہوتا؟ نہ آسمان ہوتا نہ فرشتے۔ اگر وہ نہ آتے تو کون آتا؟ نہ آدم آتے نہ آدمی۔ اور وہ ایسے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مکان لامکان اور مقام قرب کرامت میں ہزار ہا شان بزرگی کے شمس طرح لباس محرمیت پہنایا کہ کوئی فرشتہ، نبی یا دلی اس سے واقف نہ ہو سکا۔ اور ان کے خیمہ جلال کو صحرا سے دھوکا نہات میں

نصب کیا۔ اور علم وجود کے دربار میں مخلوقات کو ان کا خادم بنایا۔ اور درود و سلام کے فیضان کی خوشبوئیں ان کے آل اہلبیت اور اصحاب پر جو اس منور ماہ کامل کے سامنے روشن ستارے اور تابان سیارے تھے نیز علمائے شریعت پیرانِ طریقت اور کاملانِ حقیقت پر جو ان کے وارث ہیں۔ خاص کر نعمتوں اور مہربانیوں کے دیکھنے والے اللہ پاک کے دربار میں مکاشفہ کی عادت رکھنے والے رنثار زمانہ ہمارے مولانا مخدوم و استاد راہِ خدا کے پیر و مرشد قطبونِ قطب عارفون کے بادشاہ شرف الحق شرف الحقیقت شرف الہدایہ یعنی حضرت شرف الدین احمد یحییٰ منیری پر۔ اللہ تعالیٰ آپ کی طویل زندگی سے مسلمانوں کو فیضیاء اور آپ کے دیدار کی نعمت سے مومنوں کو سرفراز رکھے۔ حمد و درود کے بعد ناخیر بندین بدرعہ بنی کتبہ کہ جب قاضی شمس الدین حاکم قصبہ چوتھے نے جو آپ کے مرید ہیں، مسلسل دربار بار در خواست کی جس کا مقصد یہ تھا کہ ”یہ بیچارہ وقت کی مجبوریوں اور زمانہ کی معذوریوں کی وجہ اپنے مخدوم کی مجلس سے دور اور پیر کے فیضِ خدمت سے جو دینی اور دنیاوی علوم کے حصول کا ذریعہ ہے محروم ہو گیا ہے، عاجزی و التماس کرتا ہے کہ علم سلوک کے ہر باب میں اس بند کی سمجھ کے موافق اگر کچھ تحریر کیا جائے تو اپنا حصہ اور ذوق چاہل کرے۔“ اس ضرورت کی بنا پر یہ چند سطرین حاجت برآری کی حد تک سائل کے سوال پورا کرنے کے لیے حضرت بندگی مخدوم نے، اللہ تعالیٰ ان کو عظمت عطا فرمائے، سالک کے مراتب مقامات اور مریدوں کے احوال و معاملہ میں توبہ ارادت توحید معرفت عشق و محبت سلوک و طریقت مجاہد و جہاد، بند ہونا اور بندگی کرنا تجرید و تفرید سلامتی و لامتی اور پیری مریدی وغیرہ کو مریدوں اور سالکوں کی ضرورت کے مطابق، مناسب دلیلوں میں بزرگوں کی حکایات اور کسی قدر ان کے احوال و اعمال کو اپنے قلم شفقت سے تحریر فرمایا اور مختلف اوقات میں خطہ ہمارے، اللہ تعالیٰ اس کو آفتوں اور ہلاکتوں سے محفوظ رکھے۔ آمین میں سائل مذکور کو ارسال فرمایا۔ اور آپ کے خادموں اور خدمت گاروں نے جو اس وقت ہا حاضر ان مکتوبات کو نقل کر کے اس مجموعہ کو اسی ترتیب سے مرتب کر لیا تا کہ جب توفیق رفیق ان کے شامل حال ہو تو ان کو عمل پر آمادہ کرے اور بھیدوں کو تلاش کرنے اور صدق و خلوص رکھنے والے اس دولت حاصل کریں اور اس کو سعادتِ ابدی اور نعمتِ سرمدی تصور کریں اور اس جہان کے درجہ کی ترقی اور اس جہان

کے لیے اپنا مولش جانیں۔ اور توفیق اللہ کی طرف سے ہے۔ قطعہ

قافنی سر نشانی ہوا اور عام لوگ
اک ذرہ اس خزانے سے مجھ کو بھی بخش دے
تری رحمت الہی بے کراں ہے
گنہ لے آئیں گرسارے گنہگار
نہیں ہوتا مکدر تیرا دریا
پاتے ہیں اس خزانہ بھینی سے مدد
عیسویں سے پڑھوں دل مرا کھوٹا ہر اے خدا
مجھے اک قطرہ اس کا دو جہاں ہے
تو اس دریا میں دھل جائیں دیکھار
چمک جاتا ہے ہر مقصد جہاں کا

شعری

زین بدر عربی



عظیم المرتبت حضرت سید شاہ نجم الدین احمد ثرانی الفردوسی قدس سرہ (مترجم مکتوبات صدی جلد اول)

آپ ہمارے حقیقی نانا اور حضرت سید شاہ برہان الدین احمدؒ کے منجھلے صاحبزادہ مرحلقہ
مشائخ اس صدر سردقتر علمائے دہرا علی حضرت سید شاہ امین احمد فردوسی المقلب بہ جناب محفور سابق
سجادہ مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کے چہیتے پوتے ۲۵ جمادی الاول ۱۳۳۲ھ اپنے آبائی مکان محلہ خانقاہ
میں پیدا ہوئے آپ جناب محفور کے گود کے پروردہ تعلیم و تربیت یافتہ مرید و خلیفہ ہیں۔ توحید خواص
کے اسرار نقوت کے باریک رموز و نکات خود اعلیٰ حضرت جناب محفور نے ظاہری و باطنی طور پر آپ پر
نثار کر دیئے تھے۔ بقول مخدوم جہاں علم کا سوتا قلب سے قلب میں کھلتا ہے وہ پورے طور پر کھول دیا گیا
تھا۔ فارسی زبان و ادب پر وہ دسترس تھی کہ بڑے بڑے انشاء پرداز تو اعداد ان دنگ رہ جاتے۔ قلم
برداشتہ فارسی کی عبارت ایسی چست لکھتے کہ لوگوں کو حیرت ہوتی۔ آپ کی مجلس میں ہمیشہ اور زیادہ
تر علمی تذکرے ہوا کرتے۔ اہل علم کا آپ کے گرد مجمع رہتا۔ نہایت خوش بیان تھے۔ عوس اعواس کے زمانے
میں چہرہ انور کھلتا ہوا ہوتا جیسے تازہ بہار آگئی ہو۔ جتنے مشائخین اہل خانقاہ علما فنلعا عوس مخدوم
کی حاضری کے لئے تشریف لاتے وہ سب کے سب نانا جان موصوت کی مہربانی میں ہوتے عجب شان
تھی جس مجمع میں جہاں پر بیٹھ جاتے ساری مجلس کا رخ آپ کی جانب ہو جاتا ہے۔ ”صدر ہر جا کہ
نشیند صدر است“ کتب بینی آپ کا عزیز ترین مشغلہ تھا۔ خاندانی واقفیت اور سینکڑوں برس قبل
کے علمی ماحول پر اگر مقالہ لکھوانا چاہتے تو فی البدیہہ ڈکٹیٹ کر دیتے۔ کتب بینی اور نظری ذہانت نے آپ
کے علم کو کہاں سے کہاں پہونچا دیا تھا۔ اس کا اندازہ اہل علم ہی کر سکتے ہیں۔ شعور سخن کا مذاق بھی بہت
گہرا تھا اردو فارسی دونوں زبانوں میں آپ کے کلام کا ایک خاص مقام ہے اردو شری نگاری کا اندازہ
تو اہل نظر کو اس ترجمے کی عبارت ہی سے ہو جائے گا۔ آپ کی تصنیف میں حیات ثبات ایک بیش بہا
سرمایہ ہے الامین نامی ادبی ماہنامہ کے ادارتی مجلس میں آپ کی خصوصی شمولیت رہی ہے۔ مخدوم جہاں

کی تصنیفات و منظومات سے عموماً اور مکتوبات صدی سے خصوصاً کس قدر قلبی لگاؤ تھا خود یہ ترجمہ اس کا شاہد ہے۔ محبت کا حقیقی مطلب تو یہی ہے کہ محبوب کے عادات و اطوار کو اپنالیا جائے اور حکم بھی یہی ہے **قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ** جب یہ ہو گا تب ہی **يُحِبِّكُمُ اللّٰهُ** کی سرفرازی نصیب ہوگی۔ حضرت ناناجان علیہ رحمۃ مکتوبات صدی کے والد و شفیقہ تھے اور یہ محبت سطحی محبت نہ تھی بلکہ اپنے آپ کو مکتوبات کے رنگ میں رنگ لیا تھا۔ مکتوبات صدی کے روز و نکات آپ میں رس بس گئے تھے۔ اور مخلوق و اخلاق اللہ کے آپ مرقع تھے فقر میں بھی آپ کا بلند مقام تھا۔ اقربا پروری اور غریبانواری میں اپنی مثال آپ تھے۔ تہم عزیزوں پر نگاہ کرم کی فراوانی تھی اور اس عزیز پر جو خصوصی شفقت تھی اس پر توجہ فرمے۔

اس راہ میں محبت شیخ اور قنایت تمام تعلیمات کا مغز ہے آپ کی قنایت کا یہ عالم تھا کہ آخر وقت میں زیادہ تر استغراق کیفیت اور مراقبہ کی حالت رہتی۔ اعلیٰ حضرت جناب حضورؐ کو دیکھنے والے جب آپ کی عیادت کو آتے تو بے ساختہ کہہ اٹھتے سبحان اللہ یہ تو بالکل جناب حضورؐ سے مشابہ ہو گئے ہیں۔ تاریخ دھال ۲۷ مئی ۱۹۶۲ء ہے۔

مرورہ بعثتہ

محمد علی ارشد ششدرنی الفردوسی۔

سردقراہل مسمانی حضرت سید شاہ محمد الیاس یاس بہاری مترجم مکتوبات صدی حصہ دوم

طبقہ صوفیا اور خانوادہ فردوسیہ کا کوئی حلقہ گوش اس سے ہرگز ناواقف نہیں کہ امین
الملک والدین اعلیٰ حضرت جناب محضور سید شاہ امین احمد فردوسی قدس اللہ سرہ کے جگر گوشے
اور آپ کے آغوش ولایت کے پرورش یافتگان کچھ اتنا اعلیٰ اور اسع مرتبہ رکھتے ہیں کہ شاید وہ باید
ان میں کی ہرستی مقدس اور محترم ہے ان میں کا ہر فرد شمع رشد و ہدایت ہے ان کے تقدس ان
کے علم و عرفان ان کی تحریر و تقریر ان کی ہر ادا میں اسی کتاب ولایت کی تابانی جلوہ افروز ہے۔
حضرت اقدس جناب یاس ۲۵ ذیقعدہ روز پنجشنبہ ۱۳۰۵ھ بہار شریف میں پیدا ہوئے
آپ امین الملک جناب محضور کے صاحبزادہ ہیں آپ کے گھر میں ظاہری اور باطنی کسی دولت کی کمی نہیں
تھی اس وقت علم و عرفان کا ایک ناپید کنارہ سمندر آپ کے یہاں بہرے رہا تھا اپنے والد ماجد کے
زیر سایہ تعلیم و تربیت پاتے رہے مدرسہ منصفیہ (بین) بھی گئے علوم سناری اور عربی سے فراغت کے
بعد ۱۹۰۷ء میں طب یونانی کی سند لکھنؤ تکمیل الطب کالج سے حاصل کی استاد الاطباء حکیم عبدالعزیز
صاحب جہوائی ٹولہ لکھنؤ آپ کی ذہانت تانت اور علمی لیاقت کے بڑے مداح تھے خاندان جہوائی
ٹولہ میں بڑے عظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے طب یونانی کے حصول کے بعد کچھ دن بہار شریف
میں رہے پھر نواسہ ضلع گیا جو آپ کی کسریال بھی تھی وہیں مطب کے ذریعہ کتب مواش کرتے رہے اور
بڑے بڑے علمی کارنامے انجام دیتے رہے اس کے باوجود شہرت سے غفلت نہ تھا۔

صیاد مسمانی حضرت جناب یاس کی عجیب شان ہے یہ جہان بحر توحید و معرفت کے غمّاص
ہیں، علم و ادب کے سمندر کے بڑے زبردست شنادر بھی ہیں۔ اردو فارسی شعر و شاعری میں مسلم الثبوت
استاد ہیں، بڑے قادر الکلام نثر نگاری میں بھی خاص قدرت حاصل ہے۔ مکتوبات صدی کا یہ ترجمہ
جس خوش اسلوبی سے آپ نے فرمایا ہے وہ آپ کے تبحر علمی کے اظہار کیلئے کافی ہے۔

انخرو د میں فوادہ کی سکونت ترک کر دی گئی تھی بہار شریف تشریف لے آئے تھے حلقہ

تصنیف بیت الشرف کو مکتوبات صدی کے بقیہ ساٹھ مکاتیب کے ترجمے کی فکر تھی آپ سے استدعا کی گئی درخواست کو شرف قبولیت بخشا گیا۔ حضرت نے ترجمہ شروع کر دیا کس روانی سے بلا تکلف لکھواتے تھے کہ دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی تھی اس ترجمہ کے دوران داڑھ کے درد کی شدید تکلیف تھی جو آخر وقت تک نہ گئی اور موتیابند کی وجہ سے بینائی بھی غائب تھی مگر داہرے عزم و استقلال کہ ترجمہ کا معمول ترک نہوا عزیزوں میں سے کسی کو طلب کر لیا گیا (عموماً یہ منجیلے ماہوں جناب شاہ عزیز احمد مدظلہ ہوتے جن کی خدمات ترجمہ کی تکمیل میں قابل قدر ہیں) متن پڑھنے کا حکم ہوا درد کی شدت سے چہرہ سرخ ہو رہا ہے مگر اٹا کر ایا جا رہا ہے۔ مکتوبات صدی اور اس کا ترجمہ اس تکلیف کی شدت میں کوئی آسان کام نہیں تھا آپریشن کے بعد جب روشنی کھل گئی تو مسودہ کی تصحیح سہجی مادی گئی۔

مکتوبات صدی کا اس سے بہتر ترجمہ ممکن نہیں تھا ترجمہ کی سادگی سلاست روانی پھر خود محمد منشا صاحب مکتوبات کا منشا کیا ہے یہ مجھ میں آجاتا ہے اپنی جانب سے مفہوم کو بیان کرنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے بلکہ یوں کہئے کہ ترجمہ سے اصل کی تاثیر کہیں جدا نہیں ہوتی یوں تو ترجمہ بہت دیکھنے میں آتے ہیں ادبی حیثیت سے ایک سے ایک بہتر مگر حضرت اقدس جناب یاس ہی کے ترجمے کو یہ خصوصیت حاصل ہے ایسے عظیم ترین دینی سرمایہ کا ترجمہ بھی ایسا ہی چاہیئے تھا فالحمد للہ وہ ناظرین کے سامنے ہے۔

ہمارے عظیم بزرگ جناب یاس: انا جاں سید شاہ نجم الدین احمد کے چچا ہیں ہم عمری کے باوث مدلوں میں بے انتہا الفت تھی بلکہ ایک جان دو قالب تھے یہ بھی اتفاق ہے کہ اس کتاب کے ترجمہ میں دونوں شریک ہیں۔

رمال ۱۴ ستمبر ۱۹۶۶ء بہار شریف میں ہوا۔ تدفین آستانہ مذہب جہاں میں ہوئی۔ اختصار پیش نظر ہے لہذا اس فقر پر ختم کرتا ہوں۔

داہان نگہ تنگ دگل حسن تو بسیار

گل چین بہار تو زادماں گلہ دارد

عمرہ بقلیہ

محمد علی ارشد شرمن مغلزوری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پہلا مکتوب

توحید کے بیان میں

میرے عزیز بھائی شمس الدین تم کو اللہ تعالیٰ دونوں جہان میں عزت دے معلوم ہونا چاہئے کہ بزرگوں کے نزدیک از روئے شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت اجمالاً توحید کے چار درجے ہیں اور ہر درجہ میں مختلف حالت اہل توحید کی ہوا کرتی ہے توحید کا پہلا درجہ یہ ہے کہ ایک گروہ فقط زبان سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ کہتا ہے مگر دل سے رسالت و توحید حق کا منکر ہے۔ ایسے لوگ زبان شرع میں منافق کہے جاتے ہیں۔ یہ توحید مرنے کے وقت یا قیامت کے دن کچھ فائدہ بخش نہ ہوگی۔ سراسر وبال اور نکال آخرت کا باعث ہوگی۔ خدا محفوظ رکھے۔ توحید کا دوسرا درجہ۔ اس کی دو شاخیں ہیں۔ ایک گروہ زبان سے بھی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ کہتا ہے اور دل میں بھی تقلیداً اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ ایک ہی ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔ جیسا کہ ما باپ وغیرہ سے اُس نے سنا ہے اسی پر ثابت قدم ہے۔ اس جماعت کے لوگ عام مسلمانوں میں ہیں۔ دوسرا گروہ زبان سے بھی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ کہتا ہے۔ اور دل میں اعتقاد صحیح رکھتا ہے۔ علاوہ اس کے علم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر سیکڑوں دلیلیں بھی رکھتا ہے۔ اس جماعت کے لوگ متکلمین، یعنی علمائے ظواہر کہلاتے ہیں۔

رودیدہ بدست آہر کہ ہر ذرہ خاک
حایت جہاں نما کرد دے نگر

(یعنی جاؤ آنکھیں مائل کرو۔ خاک کا ہر ذرہ ایک پیالہ ہے جس میں سارا جہان دکھائی دیتا ہے۔)

عام مسلمان و تکلمین یعنی علمائے ظاہر کی توحید وہ توحید ہے کہ شرک جلی سے نجات پانا اس سے وابستہ ہے۔ سلامتی و ثبات آخرت سے ملتی ہے۔ خلود و درخ سے رہائی، بہشت میں داخل ہونا اس کا ثمرہ ہے۔ البتہ اس توحید میں مشاہدہ نہیں ہے۔ اس لیے ارباب طریقت کے نزدیک اس توحید سے ترقی نہ کرنا، ادنیٰ درجہ پر قناعت کرنا ہے۔ عَلَیْکُمْ بِدِینِ الْعِجَازِ (یعنی بڑھی عورتوں کے دین کو اختیار کرنا لازم سمجھو) ایسے ہی موقع پر کہا کرتے ہیں۔

توحید کا تیسرا درجہ۔ موحد مومن بہ اتباع پیر طریقت مجاہدہ و ریاضت میں مشغول ہے۔ رفتہ رفتہ یہ ترقی اس نے کی ہے کہ نور بصیرت دل میں پیدا ہو گیا ہے۔ اس نور سے اس کو اس کا مشاہدہ ہے کہ فاعل حقیقی وہی ایک ذات ہے۔ سارا عالم گویا کٹھ پتلی کی طرح ہے۔ کسی کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ ایسا موحد کسی فعل کی نسبت کسی دوسری طرف نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ دیکھ رہا ہے کہ فاعل حقیقی کے سوا دوسرے کا فعل نہیں ہے۔ بیت

درین نوع ہم شرک پوشیدہ است کہ زیدم بیازرد و عمرم نکشت
(یعنی اس میں بھی شرک چھپا ہوا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ مجھ کو زید نے ستایا اور
عمر نے مار ڈالا۔)

اب ہم ایک مثال دیتے ہیں اس سے توحید عامیانہ، توحید متکلمانہ اور توحید عارفانہ سمجھوں کے مراتب کا فرق صاف صاف ظاہر ہو جائے گا۔

مثال۔ کسی سرائے میں ایک سوداگر اترتا۔ اُس کی شہرت ہوئی۔ لوگ اس کا مال و اسباب دیکھنے کو چلے اور ملاقات کے خواہاں ہوئے۔۔۔

ایک شخص نے زید سے پوچھا۔ بھئی، تم کچھ جانتے ہو۔ فلان سوداگر آیا ہوا ہے زید نے کہا۔ ہاں صحیح خبر ہے۔ کیونکہ معتبر ذرائع سے مجھے معلوم ہوا ہے۔ یہ توحید

عامیانہ کی مثال ہے۔

دوسرے نے عمرو سے دریافت کیا۔ اجی حضرت آپ کو اس سوداگر کا حال معلوم ہے۔ عمرو نے کہا۔ خوب ابھی ابھی میں اسی طرف سے آرہا ہوں۔ سوداگر سے ملاقات تو نہ ہوئی، مگر اُس کے نوکروں کو دیکھا، اُس کے گھوڑے دیکھے۔ اسباب وغیرہ دیکھنے میں آئے۔ ذرا شبہ اس کے آنے میں نہیں ہے۔ یہ توحید متکلمانہ ہے۔

تیسرے شخص نے خالد سے استفسار کیا۔ جناب اس کی خبر رکھتے ہیں کہ سوداگر صاحب سراے میں تشریف رکھتے ہیں۔ خالد نے جواب دیا۔ بیشک میں تو ابھی ابھی انہیں کے پاس سے آرہا ہوں۔ مجھ سے اچھی طرح ملاقات ہو گئی ہے۔ یہ توحید عارفانہ۔ دیکھو زید نے سنی سنائی پر اعتقاد کیا۔ عمرو نے اسپد اسباب وغیرہ دیکھ کر دلیل قائم کی۔ خالد نے خود سوداگر کو دیکھ کر یقین کیا۔ تینوں میں جو فرق مراتب ہے اس کے بیان کی اب حاجت نہ رہی۔ اہل طریقت کے نزدیک جس توحید میں مشاہدہ نہ ہو وہ توحید کی صورت اور توحید کا قالب ہے۔ مشاہدہ سے اعتقاد کو کوئی نسبت نہیں۔ کیونکہ اعتقاد دل کو خواہ مخواہ ایک چیز کا پابند کر لیتا ہے۔ اور مشاہدہ ہر بند کو کھول دیتا ہے۔ اور مشاہدہ سے استدلال کو بھی کوئی مناسبت نہیں۔ کیونکہ

پائے استدلال بیان پوچھ میں بود پائے چوبین سخت بے تمکین بود

(یعنی دلیل لانے والوں کا پاؤں لکڑی کا بنا ہوتا ہے۔ اور لکڑی کا پاؤں دیر

تک قائم نہیں رہ سکتا۔)

توحید کا چوتھا درجہ کثرت اذکار و اشغال و ریاضت و مجاہدہ کے بعد ترقی کرتے کرتے یہاں تک سالک ترقی کرتا ہے کہ بعض بعض وقت شش جہت میں اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو کچھ نظر نہیں آتا۔ تجلیات صفاتی کا ظہور اس شدت سے سالک کے دل پر ہوتا ہے کہ ساری ہستیاں اُس کی نظر میں گم ہو جاتی ہیں۔ جس طرح ذرے آفتاب کی پھیلی ہوئی روشنی

میں نظر نہیں آتے۔ دھوپ میں جو ذرہ دکھائی نہیں دیتا اس کا سبب یہ نہیں کہ ذرہ نیست ہو جاتا یا ذرہ آفتاب ہو جاتا ہے، بلکہ جہاں آفتاب کی پوری روشنی ہوگی ذروں کو چھپ جاتے کے سوا چارہ ہی کیا ہے جس وقت روشندان تابدان وغیرہ سے دھوپ کو بھری یا سائبان میں آتی ہے، اس وقت ذروں کا تماشا دیکھو، صاف نظر آتے ہیں۔ پھر آنگن میں نکل کر دیکھو غائب ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح بندہ خدا نہیں ہوتا تعالیٰ اللہ عن ذلک علواً کبیراً (یعنی اللہ اس سے بہت بلند تر ہے)۔ اور نہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ درحقیقت نیست ہو جاتا ہے نابود ہونا اور حیر ہے اور نہ دیکھا جانا اور شے ہے۔ نظم

پیش توحید او نہ کہ نہ لومت
ہمہ پیچ اندا پیچ اومت کہ اومت
کہ لودماز ماجد اماندہ
من و نور فتنہ و حسد اماندہ

(یعنی اُس کی توحید کے سامنے نیا اور پُرانا کیا سب پیچ ہی پیچ ہے۔ وہ ہی ہے جیسا کہ وہ ہے۔ لفظ مآ سے مآکب تک الگ ہے گا۔ من و تو بیج سے اُنکھ گیا اور خدا باقی رہ گیا) یا یون سمجھو کہ عالم ایک آئینہ ہے۔ اس آئینے میں سالک کو بعض بعض وقت خدا ہی خدا نظر آتا ہے۔ خدا کے مشاہدے میں سالک ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ عالم جو آئینہ حیرت ہے اُس کو نظر نہیں آتا۔ اُس سے اور آسان مثال سنو۔ تم خود آئینہ دیکھو اور اپنے جمال پر محو ہو جاؤ۔ پھر دیکھو تو سہی آئینہ تمہاری نظر سے ساقط ہو جاتا ہے یا نہیں ضرور ساقط ہوگا۔ ایسے موقع میں کیا تم کو یہ کہنے کا حق ہوگا کہ آئینہ نیست ہو گیا۔ یا آئینہ جمال ہو گیا یا جمال آئینہ ہو گیا۔ ہرگز نہیں نیست ہونا اور ہے نہیں دکھائی دینا اور ہے جس کی نظر میں آفتاب الزار حق اس شان سے ظہور کرے گا اُس کی نظر میں ساری ہستیان نہ ہوں گی تو کیا ہوں گی۔ قدرت کا مقدورات میں دیکھنا بلا فرق اسی طرح پر ہوتا ہے صوفیوں کے یہاں اس مقام کا نام الْفَنَاءُ فِی التَّوْحِيدِ یعنی توحید میں فنا ہو جانا ہے۔

گوید آنکس درین مقام فضول
کہ تجلی نہ داند اور حُلُول
یعنی وہ شخص یہاں فضول بکتا ہے۔ کیونکہ وہ تجلی اور حلول کا فرق نہیں پہچانتا۔

اس مقام میں اگر شطیات سالک سے سرزد ہوں گے تو اس کی خامی سمجھی جائے گی اس میں شک نہیں کہ خدا کی تجلی ہوتی ہے۔ اور خدا اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔ مگر انسان میں حلول نہیں کرتا۔ اس مقام میں پہنچ کر سیکڑوں سالک پھسل کر گر چکے ہیں۔ اس خوفناک جنگل سے جان سلامت لے جانا بغیر تائید غیبی و عنایت اذلی ناممکن ہے۔ اور پیر کی مدد بھی ضروری ہے۔ جو پیر حق رسیدہ ہو، صاحب بصیرت ہو، نشیب و فراز سے واقف ہو، ثمرت قبر جلال اور لطف جمال کا چمک چکا ہو۔ تاکہ اس درطہ ہلاکت سے مرید کو نکال سکے۔ دیکھو حضرت خواجہ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ جو مقام توکل کے بادشاہ ہیں۔ ایک دفعہ حضرت خواجہ منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کو دیکھا کہ بے زاد و راحلہ بادیہٗ خوئوار میں گشت کر رہے ہیں۔ پوچھا، یہاں آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ مقام توکل میں ثابت قدمی کا امتحان دے رہا ہوں۔ چونکہ اہل توحید کے نزدیک مقام توکل توحید کے مقامات میں سے ایک ادنیٰ درجہ کا مقام ہے۔ بتقاضای خلوص آپ کو ہمدردانہ جلال آگیا۔ اور اس عبارت لطیف کے ساتھ اس مقام توکل سے ترقی کرنے کی یوں ہمت دلائی :-

ضَيَعْتُ عُمْرَكَ فِي عَمْرٍ اِنْ بَاطِنَكَ فَاثِنُ الْفَنَاءِ فِي التَّوْحِيدِ (یعنی اگر عمر اسی مقام توکل کی داد دینے میں تمام ہو گئی تو درجہ کمال توحید کب حاصل ہو گا، اب تم سمجھ سکتے ہو کہ راہ توحید میں یا بروافق اور پیر مشفق کی کس وقت تک کس درجہ ضرورت ہے۔

بہر کیف درجہ چہارم کی توحید میں سالکوں کے احوال مختلف ہیں کسی پر ہفتہ میں ایک ساعت کے لیے فنایت طاری ہوتی ہے کسی پر ہر روز ایک ساعت یا دو ساعت کسی پر بیشتر اوقات عالم استغراق رہتا ہے۔

فنا فی التوحید کے بعد ایک مرتبہ ہے جس کا نام الْفَنَاءُ عَنِ الْفَنَاءِ ہے۔ اس مرتبہ کو بھی تعلق درجہ چہارم سے ہے۔ یعنی اس درجہ کا نام مرتبہ اکمل میں الْفَنَاءُ عَنِ الْفَنَاءِ ہے۔ اسی لیے اس کو درجہ پنجم نہیں کہا گیا۔ اس مرتبہ میں سالک کی حالت یہ ہوتی ہے کہ کمال استغراق کی وجہ سے اس کے احساس کو اپنی فنایت کی خبر نہیں ہوتی۔ اور نہ اُس کی اسگاہی باقی رہتی ہے

کہ ہم فنا ہوئے۔ یہاں تک کہ جمالی و جلالی تجلی کا فرق بھی نظر نہیں آتا۔ ایک جنبش میں سب باتیں غائب ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ کسی قسم کا علم باقی نہیں رہتا۔ اہل طریقت کے نزدیک تفرقہ کی دلیل ہے۔ مقام عین الجمع و جمع الجمع جب ہی حاصل ہو گا کہ سالک اپنے کو اور کل کائنات کو طور حق کے دریا سے نور میں گم کر دے اور اس کی خبر بھی نہ رکھے کہ گم کون ہوا۔

تو در گم شو کہ توحید این بود
گم شدن گم کن کہ تفرید این بود
تو اس میں کھو جا یہی توحید ہے اور اس کھو جانے کو بھی بھول جا..... اس کا نام تفرید ہے۔

اس مقام تفرید میں پہنچ کر حقیقت وحدت الوجود اس طرح پر منکشف ہوتی ہے کہ سارا محو ہو جاتا ہے۔ تجلی ذاتی کل قصوں کو طے کر دیتی ہے۔ اسم و رسم، وجود و عدم، عبارت اشارت عرش و فرش، اثر و خبر اس عالم اور اس دیار میں کچھ نہ پاؤ گے۔ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (یعنی یہاں ہر چیز کو فنا ہے)۔ اس مقام کے سوا اور کہیں جلوہ گر نہیں ہوتا۔ کُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (یعنی ہر چیز مٹ جائے والی ہے مگر اس کی ذات)۔ اس جگہ کے سوا اور کہیں صورت نہیں دکھاتا۔ اَنَا الْحَقُّ وَ سُبْحَانِي مَا عَظُمَ شَانِي (یعنی پاک ہوں اور میری شان بہت بڑی ہے) یہاں کے سوا اور کہیں اس کا نشان ظاہر نہیں ہوتا۔ توحید بے شرک مطلق جو تم نے سنا ہے، وہ اس دار الملک کے سوا اور کہیں نہ دیکھنے پاؤ گے۔

خیال کڑمیرا بنیاد بشناس
ہر آن کو در خدا گم شد خدا نیست

(یعنی یہاں دل میں انسا خیال نہ لاؤ، اور سمجھو کہ جو خدا کی ذات میں کھو گیا، وہ خدا نہیں ہے)۔ توحید وجودی علم کے درجہ میں ہو، یا شہود کے ابتدائی درجہ سے انتہائی درجہ تک پہنچے، ہر مرتبہ میں بندہ بندہ ہے، خدا خدا ہے۔ اسی لیے اَنَا الْحَقُّ وَ سُبْحَانِي مَا عَظُمَ شَانِي وغیرہ کہنا اگر صدق حال نہ ہو تو خود اہل طریقت کے نزدیک یہ کلمات کفریہ ہیں۔ اور جہاں صدق حال ہے بیشک وہاں کمال ایمان کی دلیل ہے۔

رَوَا بَاشِدَ اَنَا اللّٰهُ اَز درختے چرانبود رَوَا اَز نیک بختے
یعنی ایک درخت سے اَنَا اللّٰهُ کی صدا نکلتا جب درست ہے تو اگر کسی نیک بخت کے منہ سے
یہی آواز نکلے تو کیوں صحیح نہ ہوگی۔

خیر اس کو تو ہم پہلے ہی کہہ چکے کہ آئینہ و صورت کے درمیان نہ اتحاد کا دعویٰ صحیح نہ حلول کا
زعم باطل درست۔ اب تم چاروں درجوں کی توحید میں جو فرق ہے وہ اس مثال سے سمجھ سکتے ہو۔
اخر دہ میں دو قسم کے پوست اور ایک قسم کا مغز ہوتا ہے۔ پھر مغز میں روغن ہے۔

(۱) منافقوں کی توحید پہلے پھلکے کے درجہ میں ہے۔ کیونکہ وہ پھلکا کسی کام کا نہیں ہوتا۔
(۲) عام مسلمانوں اور مسکلموں کی توحید دوسرے پھلکے کے درجہ میں ہے یہ کچھ کار آمد ہوتا ہے۔
(۳) عارفانہ توحید مغز کے درجہ میں ہے۔ اس کا فائدہ اور اس کی خوبی ظاہر ہے۔

(۴) موحدانہ توحید روغن کے درجہ میں ہے۔ اس کی تعریف کی حاجت نہیں۔ دیکھو آخر دہ
توپورے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ مگر پہلے پھلکے سے روغن تک جو فرق ہے وہ صفات روشن ہے۔ اسی
طرح توحید تو ہر توحید کو کہتے ہیں۔ مگر درجات، ثمرات، قاعدے، ضابطے میں تفاوت ہر انداز میں
اے بھائی یہ مکتوب معمولی نہیں۔ اسی میں غور و فکر کی ضرورت ہے۔ اچھی طرح اس کو دیکھو
اور اس کی تہ کو پہنچو۔ کیونکہ یہ مکتوب جڑ ہے تمام مقامات و احوال و معاملات و مکاشفات کی۔
جب تم کلمات مشائخوں کے دیکھو یا ان کے اشارات پر نظر تمھاری پڑے، یا ان کی کتابیں
دیکھنے میں آئیں۔ اگر اس مکتوب کے اصول کو طوطا رکھو گے تو حل مطالب آسانی سے ہوں گے
کہیں پر مغالطہ نہ ہوگا۔ اور غلط فہمی تمھیں نہ ہوگی۔ ٹھیک ٹھیک سمجھ لو گے۔ اشعار توحید یہ
مشائخ طریقت رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو اپنے درجہ کے اعتبار سے نظم فرمائے ہیں
وہ بھی اسی اصول و قانون کی رو سے سمجھے جائیں گے۔ اور کہیں سے کسر نہ ہوگی۔

اے برادر عزیز بہت ممکن ہے کہ اہل توحید کی حالتوں کو دیکھ اور سن کر تمھیں غبطہ ہو
اور حسرتِ نایافت بے کل کر دے اور شکستہ خاطر ہو کر تم کو امید ہو جاوے۔ نہیں نہیں بلند ممتی سے

کام لو۔ ہم نے مانا کہ تم حیونٹی کی طرح خاکسار سی، مگر دل حضرت سلیمان کے ایسا پیدا کرو۔ اور اس راہ میں قدم رکھو۔ ہم نے فرض کیا کہ پتھر کی طرح سختی ہو، لیکن جگر شیر کا بنا ڈالو اور منزل مقصود کی تلاش میں گام زنی شروع کر دو۔ تم دیکھتے نہیں کہ کیا سے کیا ہوا اور کیا ہو رہا ہے۔ سات سات لاکھ برس کی طاعت و عبادت کو بادبے نیازی نے اس طرح اڑا پھینکا ہے کہ ہمارا منور ہو کر رہ گئی۔ اپنی خرابیوں کو تم نہ دیکھو اس بات کو دیکھو کہ آج خاک بے مقدار سے حضرت آدم صلی اللہ کیسے پیدا ہو گئے۔ ایک یتیم ہستی جس کے کفیل ابوطالب تھے وہ محمد رسول اللہ کیونکر ہو گئی۔ آذر بت تراش کے گھر میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا دھوکس طرح ظور پذیر ہوا۔ سبحان اللہ و بحمدہ اور اس بات کا تماشا دیکھو کہ مشرکوں سے موحدین، کافروں سے مومنین، عاصیوں سے مطیعین، مفسدوں سے مصلحین ہوا کرتے ہیں۔ قدرت کسی کی طاعت پر نظر نہیں کرتی۔ لطف کسی کی معصیت کو نہیں دیکھتا۔

نقل ہے کہ ایک زنا دار اپنے زنا کو آراستہ کر رہا تھا۔ غیب سے ایک بھید ظاہر ہوا جس سے زنا کی حقیقت اس پر کھل گئی۔ گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ حالت یہ تھی کہ دوڑتا جاتا تھا اور نعرہ مارتا تھا آئین اللہ۔ اللہ کہاں ہے؟ اس انکشاف راز کے باعث ایسا سوز و دروں پیدا ہوا کہ اس کو ذرا قرار نہ تھا۔ یہاں سے وہاں اس شہر سے اس شہر مارا مارا پھرتا تھا۔ اسی طرح گرتا پڑتا ملک شام میں جیل لبنان پر پہنچا۔ اس پہاڑ پر غوث قطب، ابدال، اوتاد وغیرہم رہا کرتے ہیں۔ جا کر کیا دیکھتا ہے کہ چھ آدمی کھڑے ہیں۔ اور ایک جنازہ سامنے رکھا ہے۔

یہ غریب بد حال ان لوگوں سے واقف دریافت کرنے لگا۔ ان لوگوں نے کہا واقعہ یہ ہے پوچھیے گا، پہلے نماز جنازہ کی امامت تو کیجیے۔ خدا کی شان وہ بے تحلف آگے بڑھ گیا۔ اور نماز پڑھادی۔ جب نماز پڑھا چکا تو وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم لوگ ان سات آدمیوں میں سے ہیں جن پر سارے عالم کے کل کاروبار کا دار و مدار ہے۔ اور جس میت پر آپ نے نماز پڑھی ہے وہ ہمارا دشمن منیر پیر تھے۔ قطب عالم کے عہد سے پر فائز تھے۔ وقت انتقال یہ دھیت فرمائی تھی کہ فسل دیکھو

جب فراغت ہو جائے تو جنازہ رکھ کر مقور انتظار کرنا۔ ایک صاحب اس گوشے سے آئیں گے۔
ان سے کہنا کہ نماز آپ ہی پڑھائیں۔ کیونکہ ہمارے بعد قطبیت کا درجہ انہیں حضرت سلامت
کو ملے گا۔ والسلام

دوسرا مکتوب

توبہ کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے عزیز بھائی شمس الدین اللہ تعالیٰ تم کو توبہ کرنے والوں کی بزرگی عطا فرمائے۔
ہمیں معلوم ہو کہ پہلی منزل اس راہ کی توبہ لفظ ہے۔ یعنی توبہ خالص و توبہ خاص الخاص۔ یہ توبہ
علیٰ قدر مراتب ہوتی ہے۔ اس میں کسی کی قید نہیں جیسا کہ حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا۔ توبوا
إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (یعنی اے مومنو تم سب اللہ کی طرف توبہ
کرو شاید تمہاری بہتری ہو جائے)۔ یہ آیت شریف صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں نازل ہوئی۔ وہ
حضرات ہمہ تن تائب تھے۔ کفر سے سخت بیزار، ایمان سے نہایت رغبت و دلچسپی رکھنے والے۔
گناہ پر ان حضرات نے لات ماری تھی۔ اور پس پشت ڈال دیا تھا، طاعت و عبادت میں مشغول
تھے۔ پھر سمجھوں کہ توبہ کا جو حکم ہوتا ہے اس کے معنی کیا ہوئے؟ ایک بزرگ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا۔
آپ نے جواب دیا کہ توبہ ادنیٰ اعلیٰ سب پر فرض ہے، ہر آن و ہر ساعت۔ مگر ہر محل میں توبہ کی صورت
بدل جاتی ہے۔ کافر پر کفر سے توبہ کرنا اور ایمان لانا فرض ہے۔ عاصیوں پر عصیت سے توبہ کرنا اور
عبادت میں مشغول ہونا فرض ہے۔ محسنوں پر فرض ہے کہ افعال حسن سے احسن کا قصد کریں، واقفان
راہ پر فرض ہے کہ وہ ایک مقام پر ٹھہرے نہ رہ جائیں۔ روش سالکانہ اختیار کریں۔ میمان آب و
خاک پر فرض ہے کہ صرف عالم اجسام کی سیر کافی نہ سمجھیں، طیر کی قوت حاصل کریں اور حقیقت مطلق سے
اڑ کر اوج علوی پر پہنچیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ سالک کا کسی مقام پر ٹھہرنا گناہ ہے۔ اس مقام سے اس کو

توبہ کرنا چاہیے۔ اور آگے قدم بڑھانا چاہیے۔ تَوْبُوْا اِلٰی اللّٰهِ کَا تَرْجِعُوْنَ اَیُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُوْنَ کی تفسیر یہی ہے۔ بات یہ ہے کہ جس مرتبہ میں سالک پہنچتا ہے اُس سے اعلیٰ مرتبہ موجود ہے۔
مرتبہ اعلیٰ سے ترقی کرنا اور مرتبہ اعلیٰ پر پہنچنا فرضِ راہ ہے ورنہ سلوک ناتمام رہے گا۔ اسی لیے شرع شریف میں حکم ہے کہ سَيُزِدُكَ سَبَقَ الْمَقْبُورِ دُونَ (یعنی مفردوں کے آگے سیر کر دو)۔

توبہ اگر صرف گناہ ظاہری سے ہوتی تو پیغمبروں کو توبہ کی حاجت کیا تھی۔ وہ تو گناہ صغیرہ و کبیرہ سے پاک ہیں۔ مگر ان حضرات سے بھی توبہ ثابت ہے اور وہ معنًا اپنی جگہ پر ٹھیک ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جب تجلی ربانی ہوئی۔ عالم بے خودی کے بعد جب ہوش آیا تو آپ نے فرمایا تَبْتُ الْبَلَدَ (یعنی میں نے تیری طرف توبہ کی)۔ یہ ظاہر توبہ کا محل نہ تھا۔ مگر آپ کو یہ خیال ہوا کہ اُرِیْ کُنَا اپنے اختیار سے ہمیں زیبا نہ تھا۔ کیونکہ عاشق صاحب اختیار نہیں ہوتا۔ دوستی میں اختیار ہر امر آفت در آفت ہے۔ اس لیے آپ نے توبہ کی اور کارِ حسن سے کارِ احسن کی طرف رجوع کیا۔ آپ ہی پر موقوف نہیں خود حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اِنِّیْ لَا اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ سَبْعَیْنَ مَرَّةً (میں ہر روز ستر بار استغفار کرتا ہوں) اس کا سبب یہ تھا کہ آپ کو ہر ساعت ترقی مقام ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ پر پہنچتے تھے۔ مرتبہ اول کو مرتبہ دوم سے کمتر سمجھتے تھے اس لیے آپ استغفار فرما کر صواب سے اصوب کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ یہیں سے اس جملہ کے معنی حل ہوتے ہیں کہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ۔ توبہ کے اصلی معنی رجوع کرنے کے ہیں۔ رہا یہ کہ صفتِ رجوع مختلف ہوا کرتی ہے۔ جس حال میں معاملہ جس مقام کا آدمی ہو گا اسی لحاظ توبہ ہوگی۔ حوام کی توبہ اس لیے ہوتی ہے کہ ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے، نافرمانی کی ہے اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو معاف کرے تاکہ عذاب سے بچیں۔ خاص لوگوں کی توبہ اس لیے ہوتی ہے کہ جس قدر نعمتیں عطا ہوئیں اور جس قدر رحم و کرم ہوا اور ہو رہا ہے اس اعتبار سے مطلق خدمت ادا نہ ہوئی۔ خاص الخاص لوگوں کی توبہ اس لیے ہوتی ہے کہ ہم اپنے کو صاحبِ قوت و طاقت کیوں سمجھے ہم نے اپنے کو موجود کیوں خیال کیا۔ عاجز و نیست کیوں نہ سمجھا۔ قوی ہے تو وہی ہے اور موجود ہے تو وہی ہے۔

جب توبہ کے مراتب معلوم ہو چکے تو ایک مسئلہ بھی سن لو۔ یہ مسئلہ تان کی جان ہے مسئلہ توبہ کے لیے ہمیشگی شرط نہیں ہے یعنی جب کسی گناہ سے آدمی توبہ کرے تو اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ گناہ اس سے عمر بھر سرزد نہ ہو۔ نیت البتہ صحیح ہونا چاہیے۔ جب توبہ کرے تو سچے دل سے قصد رکھے کہ اب یہ گناہ ہم نہ کریں گے۔ توبہ ہو جائے گی اور وہ شخص مابور ہو گا۔ اور اگر تائب سے پھر گناہ سرزد ہو جائے تو نئے گناہ کے قبل تک وہ تائب تھا۔ اور توبہ کا ثواب اس کو ملے گا۔ ان بزرگانِ دین سے بڑھ کر تو مقامات و احوال و معاملات کا تجربہ کسی کو نہیں ہے۔ دیکھو اس گروہ میں بھی بعض لوگ ایسے گزرے ہیں کہ توبہ کے بعد پھر گناہ میں مبتلا ہوئے اور پھر توبہ کی۔ ایک بزرگ کا قول ہے رحمۃ اللہ علیہ کہ میں نے ستر مرتبہ توبہ کی اور برابر گناہ ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ اکھڑوں مرتبہ جب میں نے توبہ کی تو استقامت حاصل ہوئی۔ بعدہ پھر مجھ سے گناہ ظاہری نہیں ہوا۔ ایک بزرگ کی اور نقل ہے کہ توبہ کے بعد وہ معصیت میں گرفتار ہو گئے۔ نہایت ان کو ندامت ہوئی۔ ایک روز دل ہی دل میں کہنے لگے کہ اگر ہم بارگاہِ الہی کی طرف رجوع کرتے ہیں تو نہیں معلوم کیا حال ہمارا ہو گا۔ ممکن ہے کہ آسمان ٹوٹ پڑے۔ ہاتھ لے آواز دی اَطَعْنَا فَشَكَرْنَا فَكَانَ ثَمَّ تَرْكُنَا فَاَمَهَلْنَاكَ فَاِنْ عُدْنَا اِلَيْنَا قَبِلْنَاكَ مِثْرًا طَاعَتِ تَوْنِے کی میں نے تیرا شکر کیا (یعنی تجھ کو بخرا دی)۔ پھر بے وفائی تو نے کی اور مجھ کو پھوڑ دیا۔ میں نے تجھ کو مہلت دی۔ اب اگر تیرے جی میں ہے کہ رجوع کرے تو میں تجھے صلح کے ساتھ قبول کر لوں گا۔ سبحان اللہ۔

اب اقوالِ مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین توبہ کے متعلق سنو۔ حضرت خواجہ ذوالنون مہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تَوْبَةُ الْعَوَامِ مِنَ الذُّنُوبِ وَتَوْبَةُ الْخَوَاصِّ مِنَ الْغَفْلَةِ وَتَوْبَةُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ مُرَدِّيَةِ عَمَلِهِمْ عَنْ بُلُوغِ مَا نَالَهُ غَيْرُهُمْ مِنْ مُرَدِّيَةِ الْحَسَنَاتِ عَوَامِ کی توبہ گناہ سے باز آنا ہے۔ خواص کی توبہ غفلت سے باز آنا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی توبہ اس مقام سے ہے جس مقام میں وہ فی الحال موجود ہیں اور دوسرے نبی کو اس سے برتر مقام مل چکا ہے۔

حقیقت توبہ کے متعلق حضرت خواجہ سہیل تستری رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے لوگ یہ خیال

کہتے ہیں کہ التَّوْبَةُ اَنْ لَا تَنْتَبِذَ ذَنْبَكَ۔ توبہ کی تعریف یہ ہے کہ اس گناہ کو تم نہ بھولو۔ اور ہمیشہ اس کی ندامت باقی رہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر بہت سے بہت بھی عملِ صالح تم سے ہوں گے، تو عجب پیدائے ہوگا۔ اور حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ایک جماعت کے ساتھ یہ خیال رکھتے ہیں کہ التَّوْبَةُ اَنْ تَنْتَبِذَ ذَنْبَكَ توبہ کی تعریف یہ ہے کہ جو گناہ تم نے کیا ہے اس کو بھول جاؤ۔ کیونکہ تائب کا درجہ محب کا درجہ ہے۔ وہ ایک گونہ دوستوں میں داخل ہے۔ ایک دوست کا دوسرے دوست سے سابق بے عنوانیوں کو دھرا تا ہر گز جفا سے کم نہیں یہ قول اور وہ قول دونوں بظاہر متضاد ہیں۔ مگر معنی میں وحدت نہیں ہے۔ معنی فراموش کرنے کے یہ ہیں کہ علالت اس گناہ کی دل سے نکل جائے۔ تائب ایسا ہو جائے کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں ہے۔ خیر، حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خاص حالت میں یہ جواب ملا تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہم نے بہت پڑھا مگر کسی چیز سے ہم کو اتنا فائدہ نہ ہوا جتنا اس شعر سے۔

اِذَا قُلْتُ مَا اَذْنَبْتُ قَالَتْ مَحَبَّتُهُ
وَجُودُكَ ذَنْبٌ لَا يُقَاسُ بِهَا ذَنْبٌ
(جب میں نے پوچھا۔ ہم نے کیا گناہ کیا، تو اس کی محبت نے جواب دیا تیرا جود ہی اتنا بڑا گناہ ہے جس کے مقابلے میں سارے گناہ ہیچ ہیں۔)

اللہ اللہ معشوق کی بارگاہ میں عاشق کا جود بھی گناہ ہے، اور باتوں کو کون پوچھتا ہے۔ اے بھائی کیا کہیں اجل تاک میں ہے جو دم آدمی زندہ ہے غنیمت ہے۔ اس وقت کی قدر کرنا چاہیے۔ کیا معلوم کس وقت ملک الموت پہنچ جائیں۔ توبہ سے غافل نہ رہو۔ ایک بڑا گناہ آدمی کسی بزرگ کی خدمت میں پہنچا اور کہا کہ گناہ کی ہمارے انتہا نہیں ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اب توبہ کر لیں۔ اُن بزرگ نے فرمایا کہ اے بوڑھے تم چوک گئے، آئے میں بہت دیر لگا دی۔ متعین جوانی میں آنا تھا۔ مگر بوڑھا صحبت یافتہ تھا، اور توبہ کے فوائد سن کر آیا تھا۔ کہنے لگا نہیں حضرت دیر سے کیا واسطہ، میں تو جلد سے جلد آیا ہوں۔ اے جناب توبہ وہ نعمت ہے

کہ اگر مرنے کے قبل نصیب ہو جائے تو کیا کمنا ہے۔ دیر ہونا بھی عین جلدی ہے۔ میں جلد سے جلد آیا ہوں۔ بھائی میرے، ہر چند تم گناہ سے آلودہ اور ملوث ہو رہے ہو، توبہ کرو تو سہی۔ دیکھو توبہ تمہاری کسی امید افزا ہوتی ہے۔ تم کو جاننا چاہیے کہ ساحرانِ فرعون سے تم زیادہ آلودہ تو نہیں۔ سنگِ اٹھاپ کھٹ سے تم زیادہ ناپاک نہیں۔ سنگِ طور سینا سے تم زیادہ جامد نہیں۔ چوپِ حنّانہ سے تم زیادہ بے قیمت نہیں۔ قطعِ نظر اس کے کوئی شخص حبش سے غلام لا کر اس کا نام کا فور رکھ دے تو اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے۔ دیکھو، جب ملائکہ نے کہا کہ ہم کو ان کے (انسان کے) فساد کی طاقت نہیں ہے۔ ندا آئی۔ ٹھیک ہے، یہ کمنا تمہارا اس وقت مناسب ہوتا جب ہم حاجت لے کر تمہارے دروازے پر ان کو بھیجتے، یا تمہارے ہاتھ ان کو بھیجتے۔ اگر خدا نخواستہ ایسا ہو تو ہرگز نہ چڑھنے دینا اور نہ خریدنا۔ شاید تم کو اس کا خوف ہے کہ معصیت ان کییری رحمت سے بڑھ جائے گی یا آلودگی ان کی ہماری قدوسیت پر دھبہ لگا دے گی۔ کیا ممکن۔ یہ وہ مشتِ خاک ہیں، کہ ہماری درگاہ میں مقبول ہیں۔ جب ہم نے قبول ہی کر لیا ہے تو معصیت و لوث کی کیا مجال ہے جو کچھ کر سکیں۔

سراسر ماہمہ عظیم بدیدی و خریدی تو ✓ ہے کالائے بر عیبت نے لطفِ خریدار

(میں سر سے پاؤں تک عیب ہی عیب ہوں تو نے ٹھوک بجا کر مجھ کو خریدا ہے۔

واہ کیا اچھی یہ عیب دار عین ہے، اور کیا خوب مہربان خریدا ہے۔ والسلام۔

تیسرا مکتوب

دشمن کے خوش کرنے کے بیان میں

بسم اللہ الرحیم

بھائی شمس الدین کو اللہ تعالیٰ ابدی نیک بختی نصیب کرے اپنی منت اور کرم سے میری طرف سے سلام و دعا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ توبہ کرنے کے بعد مرید کا کام دشمنوں کا

خوش کرنا رہ جاتا ہے، اور یہ بڑا کھڑا گ ہے۔ سنو، گناہ تین طرح کے ہوتے ہیں۔ اول اُن امور کا ترک جن کو خداوند تعالیٰ نے واجب کیا ہے جیسے نماز روزہ وغیرہ۔ ان کی یہی توبہ ہے کہ حتی المقدور تھنائیں ادا کی جائیں۔ دوسرے وہ جن کا خدا اور بندے سے تعلق ہے۔ مثلاً شراب پینا، زنا کرنا، سود لینا، آواز مرا میر کا سننا۔ ان گناہوں سے تائب ہونے کی یہی صورت ہے کہ تم اعترافِ ندامت کے ساتھ پکا ارادہ کر لو کہ پھر نہ کریں گے۔ تیسرا گناہ حق العباد ہے اور یہ نہایت سخت و دشوار ہے۔ اس کے چند طریقے ہیں۔ جان و مال، ذاتیات، عورت، لونڈی اور دین کے نقصانات۔ اگر تم نے مال کا گناہ کیا اور تمہیں اس کی واپسی کی قدر ہے تو تم پر واجب ہے کہ اس کو لوٹا دو۔ اور اگر ادائیگی سے مجبور ہو تو معافی چاہو۔ اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہو سکیں تو اس رقم کو اس روح پر صدقہ کر ڈالو۔ اگر یہ بھی نہیں ہو تو نیکیاں کرو۔ اور الحاح و زاری کے ساتھ خدا سے معافی مانگو۔ یہاں تک کہ وہ اپنے کرم سے قیامت کے دن تمہارے دشمنوں کو تم سے خوش کر دے۔ اگر تم نے کسی کی جان ماری ہے تو اس کے اقربا سے کہہ دو کہ وہ یا تو تم سے قصاص لیں یا معاف کر دیں۔ اگر یہ ناممکن ہو تو تضرع و زاری کے ساتھ خدا کی طرف رجوع کرو کہ قیامت میں تمہارے دشمنوں کو تم سے خوش کرادے۔ اور اگر تم نے ذاتیات کے نقصان پہنچائے ہیں کسی کی غیبت کی، تہمت جوڑی، گالیاں بکیں تو یہ لازم ہے کہ اس سے جا کر کہو "بھئی ہم نے تمہاری طرف جھوٹی باتیں لگائی ہیں معاف کرو۔" مگر ذرا سوچ سمجھ کر، ایسا نہ ہو کہ اس کا غصہ بھڑک اٹھے اور لینے کے دینے پڑ جائیں۔ کیونکہ جہاں اشتعال، غیض و غضب کا یقین ہو وہاں یہی اچھا ہے کہ خدا کی درگاہ میں سر رگڑو۔ اور معافی کے خواستگار ہو۔ اگر تمہارا دشمن زندہ نہ ہو تو اس کی روح پر ایصالِ ثواب کرو۔ اگر تم نے کسی کی بیوی یا شرعی لونڈی کے ساتھ بدنیتی کی ہے یا اس سے بھی تجاوز کر گئے ہو تو یہ موقع نہ معافی کا ہے اور نہ ظاہر کرنے کا۔ بہتر یہی ہے کہ اس معاملہ کو خدا ہی کے حوالہ کر دو کہ وہ روز قیامت اُن کو تم سے رہنا مند اور خوش کر دے۔ اور اگر ان کے اشتعال و غضب کا خوف نہ ہو، اگرچہ یہ انفاقی ہے تو معافی مانگ لو۔ اور دین کا گناہ وہ ہوا کہ کسی کی بیجا کفر کی یا کسی کو

گمراہ کر ڈالا ہو، یہ بھی سخت دشوار ہے۔ تمہیں چاہیے کہ حتی الامکان اس شخص سے اپنی دروغ بیانی کا اظہار کر کے معافی چاہو۔ اگر ناممکن ہو تو نادام ہو کر درگاہ خدادندی میں سرٹیک دو۔ یہاں تک کہ اس کو خدا تم سے خوش کر دے۔ الغرض جیسے اور جس طرح ممکن ہو دشمنوں کو خوش اور راضی کر دو۔ اور اگر غیر ممکن ہو تو صدق دل سے تضرع و زاری کے ساتھ بارگاہ خدادندی کی طرف رجوع کر دو۔ تاکہ قیامت کے دن تمہارے دشمن تم سے رضا مند اور خوش ہو جائیں۔ خدا کے فضل و کرم سے بڑی امید ہے کہ جب وہ بندے کی صداقت دیکھے گا تو اپنی رحمت سے اس کے دشمنوں کو خوش کر دے گا۔

اگر میرے کہنے پر تم نے عمل کیا اور ترک گناہ کا غم بالغرم کر لیا، لیکن گزشتہ گناہوں کی قصائیں ادا نہ کیں اور دشمنوں کو خوش نہ کیا تو تم پر عتاب خدادندی اب تک باقی رہا۔ ذرا خبردار رہنا کہ یہ گھائی سخت کٹھن اور نہایت خطرناک ہے۔ سونو خاجہ ابو اسحق اسفرانی رحمۃ اللہ علیہ بڑے علامہ تھے۔ آپ فرماتے ہیں۔ ”میں تیس برس تک خدا سے توبہ نصوح چاہتا رہا، مگر قبول نہ ہوئی۔ ایک دفعہ میں نے متعجب ہو کر کہا۔ تیس برسوں میں بھی ایک حاجت پوری نہ ہوئی۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ کوئی مجھ سے کہہ رہا ہے۔ تمہیں تعجب ہوتا ہے، لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ تم کیا مانگ رہے ہو، چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ تم کو اپنا دوست بنالے۔ کیا یہ کوئی معمولی مراد مانگی ہے؟“ بھائی جان! بندے کے لیے گناہ ایک بلا ہے۔ خدا کی پناہ، اس کی ابتدا سختی دل اور آخر کفر کی بدختیاں۔ ابلیس اور بلعم بائد کے قصوں کو بھولنا نہ چاہیے۔ دیکھو اول اول دونوں سے گناہ ہی سرزد ہوئے۔ آخر کفر کی نوبت آپہنچی۔ صلحا کہتے ہیں۔ ”گناہ سے دل سیاہ ہوتا ہے۔ اس کی پہچان یہی ہے کہ گناہ کا خوف دل سے جاتا ہے، طاعت و عبادت میں لذت نہ ملے۔ کسی کی اچھی باتیں دل کو بڑی لگیں۔“ اس لیے غفلت کا مطلق موقع نہیں جس قدر جلد سے جلد ممکن ہو توبہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ وہ گھات میں لگی بیٹھی ہے۔ میں نے مانا کہ تم توبہ کے بعد پھر بھی گناہ کر دو گے تو اس میں مضائقہ ہی کیا ہے۔ پھر توبہ کر لینا۔ اور دل سے یہ کہو کہ ممکن ہے کہ گناہ سے پیشتر ہی مجھے موت آدلوچے، اس طرح ہر بار جب گناہ سرزد ہوں توبہ کرتے چلے جاؤ۔ کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ جتنی طاقت گناہ کرنے میں

خرچ کرتے ہو، اتنی ہمت توبہ کرنے میں صرف کرو۔ آخر اس کے کیا معنی کہ توبہ کرنے میں عاجز اور گناہ کرنے میں مستعد۔ توبہ سے رُکنا شیطانی اغوا ہے۔ اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ جب ہم گناہ سے باز ہی نہیں آئیں گے، اور جبکہ توبہ پر ثابت قدمی نہیں، تو توبہ کس کام آئے گی۔ اسی توبہ کا حاصل ہی کیا۔ یہ سب شیطانی حکمے ہیں۔ کیا تم پر یہ باتیں تمام ہیں کہ گناہ کرنے تک زندہ رہو گے۔ بہت ممکن ہے کہ نئے گناہ سے قبل ہی تم مر جاؤ۔ اس قسم کا درمخص فضول اور لغو ہے، تمہارا کام صرف اس قدر ہے کہ توبہ سچے دل سے کرو۔ اس وقت نیت خالص رہنا چاہیے۔ رہا اس کی تکمیل اور اس پر ثابت قدم رکھنا خدا کے ہاتھ ہے۔ اگر اُس نے ثابت قدم رکھا، سبحان اللہ! اور اگر نہ رکھا تو یہ کچھ کم نہیں کہ پہلے گناہ بخش دیے گئے۔ تم بالکل پاک و صاف ہو گئے۔ اب اگر تمہارے سر پر بوجھ رہا تو صرف اسی نئے گناہ کا۔ کیا یہ فائدہ کوئی معمولی فائدہ ہے کہ گزشتہ گناہوں کی بخشائش ہو گئی۔ تمہارا فرض ہے کہ توبہ کیے جاؤ۔ گناہ ہوں تو ہوں، توبہ کرنے کے دو فائدے تھے، ایک تو گناہ گزشتہ کی معافی دوسرے آئندہ گناہ سے باز رہنا، توبہ کے بعد بقیہ محال اگر تم آئندہ گناہ سے باز نہ رہے تو کم از کم اتنا تو ہوا کہ گناہ گزشتہ معاف ہو گئے۔ حضرت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد تم نے نہیں سنا کہ تم لوگوں میں بہترین شخص وہی ہے کہ اگر گناہ زیادہ کرے تو توبہ بھی بہت کرے۔ توبہ کا لب لباب یہ کہ جب تم نے ارادہ کر لیا اور دل میں ٹھان لیا کہ اب گناہ نہ کریں گے۔ اور تمہاری سچائی ہاں گاہ خداوندی میں بھی مقبول ہو گئی اور حتی الامکان اپنے دشمنوں کو بھی تم نے خوش کر لیا۔ اور جو فرائض تھا ہوئے تھے بعد از امکان ادا ہو گئے، اور جو باقی رہے اُن کے لیے درگاہ خداوندی میں تم نے تضرع و زاری کی، بہترین طریقہ پاکی و طہارت کا میں تم کو بتاتا ہوں اُس پر عمل کرو اور اپنے کو سچا تائب بنا ڈالو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ باقاعدہ غسل کرو اور پاک و صاف کپڑے پہن کر چار رکعت نماز نہایت حضورِ دل سے ادا کرو۔ اس کے بعد سجدے میں جاؤ۔ اور ایسی جگہ ہو کہ محض تخلیہ ہو۔ خدا کے سوا تم کو کوئی نہ دیکھتا ہو۔ اور سر دریش کو خاک آلودہ کرو۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہوں۔ دل میں سوز و قلق ہو یہ آواز

لَا تَأْتِيكَ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ (جس نے گناہ سے توبہ کر لی وہ ایسا ہو گیا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں)

بلند جتنے گناہ تم کو یاد ہوں اُن کو دُہراؤ۔ اور اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہو کہ اے نفس وہ وقت آگیا کہ تو توبہ لُفوح کرے اور تو خدا کی طرف سچائی سے رجوع ہو۔ کیونکہ تجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ عذابِ خداوندی برداشت کر سکے۔ اور تیرے پاس وہ سرمایہ بھی نہیں جو تجھ کو خدا کے عذاب سے بچا سکے۔ اس قسم کے کلمات کی تکرار کرو۔ اور دونوں ہاتھ اٹھا کر اس طرح مناجات کرو۔ ”اے اللہ بندہ گنہگار بھگا ہوا تیرے در پر پھر آیا ہے۔ بندہ گنہگار رحمت کا طلبگار ہے۔ بندہ گنہگار عذر لایا ہے بیشک اس ناچیز سے خطائیں ہوئیں تو ان کو معاف فرما۔ اور اپنے فضل سے ہم کو قبول کر اور رحمت کی نظر سے ہماری طرف دیکھ۔ اے اللہ ہم کو بخش دے اور تمامی گناہ سے محفوظ رکھ کہ نیکی تیرے ہاتھ ہے۔ تو بخشنے والا اور بخشائیش کرنے والا ہے۔“

قطرہ چند از گنہ گر شد پدید در چناں دریا کجا آید پدید

نہ گرد تیرہ آں دریا ز مائے دلے روشن شود کار جہانے

(اگر گناہ کے چند قطرے ظاہر بھی ہوئے، تو اتنے بڑے سمندر میں کیونکر معلوم ہو سکتے ہیں اس دریا کا پانی ذرا بھی گدلا نہ ہوگا۔ اور جہاں والوں کا کام جس طرح چلتا ہے چلتا رہے گا۔)

اس کے بعد یہ دعا پڑھو یا مَجْبِيَّ عَظَائِمِ الْأُمُورِ يَا مُنْتَهَى هِمَّةِ الْمُؤْمِنِينَ يَا مَنْ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ أَحَاطَتْ بِنَاذِنَا أَنْتَ الْمَذْخُورُ لَهَا يَا مَذْخُورٌ لِحَبْلِ شِدَّةٍ كُنْتُ أَذْخُرُكَ بِهَذِهِ السَّاعَةِ قَتُبُ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔ (ترجمہ:- اے بڑے بڑے امور کو روشن کرنے والے۔ اے مومنین کی ہمت کو انتہا تک پہنچانے والے، اے وہ ذات کہ جب ارادہ کیا کسی کام کے ہونے کا تو کہہ دیا اس کو کہ ہو جا، پس ہو گیا۔ میرے گناہوں نے مجھ کو گھیر لیا ہے۔ اور ان گناہوں کو تو جمع کیے ہوئے ہے لے جمع کرنے والے۔ واسطے ہر شدت کے تجھ کو خزانچی بنایا اس گھڑی کے واسطے۔ پس رجوع کیا میں نے اس امید پر کہ تو میری توبہ کو قبول کرے۔ بیشک تو قبول کرنے والا مہربان ہے)۔ پھر خوب گریہ و زاری کرو۔ اور یوں مناجات کرو یا مَنْ لَا يَشْغَلُهُ سَمْعٌ عَنْ سَمْعٍ يَا مَنْ لَا يَغْلُطُهُ الْمَسْأَلُ

يَا مَنْ لَا يُبْرِمُهُ الْحَاخُ الْمَلْحِيْنِ اَزَقْنَا بِرَدِّ عَفْوِكَ وَحَلَاوَةِ رَحْمَتِكَ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (اسے وہ ذات کہ اس کو نہیں روکتا ہے ایک شخص کی بات کا مستند دوسرے

شخص کی بات کے سنتے سے۔ اسے وہ ذات کہ غلطی نہیں کرتی ہے سوال کے سمجھنے میں۔ اسے وہ ذات کہ

اُس کو مجبور نہیں کرتا ہے الحاح کرنے والوں کا الحاح۔ چکھا دے ہیں اپنی معافی کا مزہ اور اپنی رحمت کی

مٹھاس۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے)۔ پھر درود پڑھو اور اپنے اور جملہ مسلمانوں کے لیے مغفرت

چاہو۔ اور طاعت و عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔ کیونکہ تم نے توبہ و نفع کی اور سب گناہوں سے

پاک ہو گئے۔ اور ایسے پاک معصوم ہوئے جیسے آج کا پیدا۔ اللہ نے تم کو دوست بنا لیا اور بہت

کچھ اجر و ثواب تمہارے ہاتھ آئے۔ اور تم پر اس قدر رحمت و برکت نازل ہوئی کہ اس کو کوئی شخص

بیان نہیں کر سکتا ہے۔ تمہیں دنیا اور آخرت کی بلا سے نجات حاصل ہوئی۔ اب ایک نکتہ سنو۔ کہ اگر

باعیب قبول کرنا نہ ہوتا تو عیب دار پیدا ہی نہ کرتا۔ میرا اعتقاد یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام گندم

کھانے کی وجہ سے دنیا میں نہ بھیجے گئے۔ بلکہ خود خواہش خداوندی ہی ہوئی کہ وہ بہشت سے

دنیا میں جائیں۔ اس کے کیا معنی کہ قیامت کے دن سیکڑوں ہزاروں کبیرہ گناہ کرنے والے بہشت

میں بھیجے جائیں اور آدم علیہ السلام صرف ایک زُلت کے سبب بہشت سے باہر کر دیے جائیں۔

اگر آدم علیہ السلام کے آنے کا باعث ایک گناہ سمجھا جائے، تو پھر اس کی کیا وجہ کہ آن حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں مقام قَابِ قَوْسَيْنِ تک پہنچ کر پھر واپس تشریف لائے۔ یہ

جانا آنا دونوں اسرار سے خالی نہ تھا۔ حضور کے جلنے سے یہ ہوا کہ فرشتوں نے درود پڑھ کر

آداب احترام سیکھے۔ اور واپس آنے سے اہل زمین نے آپ کے بیان سے رموز شریعت سیکھے

وہاں پہنچ کر لَا أُحْطٰی ثَنَاءً عَلَیْكَ (تیری حمد کی کوئی انتہا نہیں) اگر در زبان ہوا۔ یہاں اگر

اَنَا أَفْضَلُ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ (میں عرب و عجم میں سب سے بڑا نصیب ہوں) سے گوہر نشان ہوئے

بہر حال جہاں تک ممکن ہو سجدے کیے جاؤ۔ اور نیاز مندانہ اور سائلانہ اس درگاہ میں حاضری دو۔

بندہ جب آیاتِ نَعْبُدُ کہتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے کہ جو کچھ لایا ہے اس کو

(۱۴) (میں کو پوجتے ہیں)

قبول کرو۔ اور جب اِثَالُکَ تَسْتَعِیْنُ (ہم تجھی سے مدد مانگتے ہیں) کہتا ہے تو ارشاد خداوندی ہوتا ہے کہ جو کچھ مانگتا ہے اس کو دو۔ بادشاہوں کے خزانے کو سائلوں سے رونق ہوتی ہے۔ اگر غور کیے دیکھو تو کوئی سائل خاک سے زیادہ خاکسار نہ پاؤ گے۔ آسمان و زمین عرش و کرسی سب چیزیں اس کو دی گئیں۔ مگر نیاز کا یہ حال ہے کہ ایک ذرہ بھی اس میں کمی نہ آئے۔ اور کوئی خزانہ خزانہ خداوندی کے مقابلے میں نہیں کہ تمام خلق کے لیے جس قدر ضروری تھا اس سے ہزار گونہ زیادہ دیا۔ اور دیتا رہے گا۔ مگر ایک ذرہ بھی اس سے کم نہ ہوگا۔ والسلام۔

بوجھتا مکتوب

تجدید توبہ کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے بھائی شمس الدین تم کو اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی بزرگی نصیب کرے۔ ہمیں معلوم ہو کہ مکرر سہ کر و دروفاستیں تمہاری متقاضی تھیں کہ کچھ نہ کچھ لکھا جائے۔ اور ہر سوال کے متعلق ارشاد و تنبیہ کی جائے۔ تقاضا اس حد تک تھا کہ تم شکستہ خاطر ہونے لگے تھے۔ اس لیے چند مکتوب مسلسل لکھے جاتے ہیں۔ ان کو کافی غور کے ساتھ پڑھنا۔ اور قاضی صدر الدین سے حل مطالب کر لینا۔ مجھے یقین ہے کہ جب قاضی صدر الدین وہاں موجود ہیں تو کوئی مشکل مشکل نہ رہے گی۔ آسان سے آسان ہو جائے گی۔ مگر ساتھ ہی ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ بقدر دعوت عمل بھی کرتے رہو۔ کیونکہ اصل کام عمل ہے اور ایک ساعت بھی تجدید توبہ سے غافل نہ رہو۔ اور دل میں یہ ہمت رکھو کہ حق سبحانہ تعالیٰ توبہ کی حقیقت تک پہنچا دے۔ کیونکہ بغیر توبہ کے عمل درست نہیں ہوتا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ایمان جو عمل کے لیے ایک بڑا سرمایہ ہے۔ اس میں علالت پیدا نہیں ہوتی۔ تم جانتے ہو، اس راہ طلب میں قدم کون رکھتا ہے، ایمان رکھتا ہے۔ اور ان احکام کے بوجھ کو کون اٹھاتا ہے، ایمان اٹھاتا ہے۔ اور اس خونخوار جنگل کو قطع کون کرتا ہے، ایمان کرتا ہے۔

اور اس بحرِ محیط سے پار کون ہوتا ہے، ایمان ہوتا ہے۔ اور شریعت دیدار کون پتیا ہے، ایمان پتیا ہے۔ اور یہ درِ عشق کس کو ہوتا ہے، ایمان کو ہوتا ہے۔ اور منزلِ مقصود کی تلاش کس کو ہوتی ہے، ایمان کو ہوتی ہے۔ اب اسی سے سمجھ لو کہ توبہ کو ایمان سے کیا تعلق ہے۔ اور ایمان کہاں تک ترقی کرتا ہے۔ ہر دل میں آفتابِ ایمان اسی قدر دکھائی دے گا جتنی جلا توبہ سے حاصل ہوگی۔ جس درجہ میں درگاہِ توبہ وسیع ہوگی، اسی قدر آفتابِ ایمان کی روشنی ہوگی۔ اب یہ بھی سن لو کہ توبہ کی حقیقت کیا ہے۔ اس کی حقیقت یہی ہے کہ طالب کے صفاتِ ذمیرہ صفاتِ حمیدہ سے بدل جائیں۔ صوفیوں کی اصطلاح میں اس کو گردش کہتے ہیں۔ تم نے سنا ہوگا کہ پیرانِ طریقت مریدوں کو چلے کا حکم دیتے ہیں۔ اس سے غرض کیا ہے۔ یہی کہ مرید ایک حال سے دوسرے حال میں ہو جائے۔ جب ایسا ہوا کہ مرید کی حالت بدل گئی، تو وہ ایک دوسری چیز ہو گیا۔ تم جس کو دیکھ رہے تھے وہ شخص نہ رہا۔ ایک دوسری ہستی نمودار ہو گئی۔ کیونکہ جب صفت بدل گئی تو وہ شخص بھی بدل گیا۔ اگرچہ صورتِ ادنیٰ شخصیت قائم ہے۔ مگر صورت تو کسی طرح قابلِ اعتبار نہیں ہو سکتی۔ ایسی ہی گردش کے بعد جو نورِ ایمان پیدا ہوتا ہے اس کا نام حقیقتِ ایمان ہے۔ اور قبل اس تبدیلِ صفات کے ساری کلمہ گوئی تقلیدی اور حرکتِ لسانی کے سوا کچھ نہ تھی۔ بہت افسوس ہے کہ ایک جہان اسی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ اور حقیقتِ ایمان سے بے خبر ہے۔ جس نے یہ کہا خوب ہی کہا۔ مثنوی :-

تا کہ بہ زبانِ خدا پرستی
تا کہ گردی تو مسلمان از درون
تا کہ بہ زبانِ نفس بر آری
این بہت مگر ہوا پرستی
کے توانی شد مسلمان از برون
ایمان بہ دل بہت دول نداری

(تو زباں سے کب تک خدا پرستی کا دعویٰ کرے گا۔ یہ تو نفس پرستی ہے۔ جب تک تو دل سے مسلمان نہ ہو گا ظاہری طور پر مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جب تک دل میں ایمان کا وجود نہیں تو صرف زباں سے کب تک رنٹا رہے گا۔) ایمان تقلیدی اور حرکتِ لسانی کا درجہ ہرگز ہرگز ایک خرننگ سے زیادہ نہیں۔ اب تمہیں بتاؤ ہمارا تمہارا جیسا تم کب کیا بوجھ اٹھائے گا۔ اور کیا راستہ چل سکے گا۔

سوار کی راہ الگ کھوٹی ہوگی، اور منزل سے الگ جدا رہے گا۔ تم نے یہ مثل نہیں سنی کہ ہاتھی کا بوجھ بچھ نہیں اٹھا سکتا۔ بیت :-

محرم دولت نہ بود ہر سرے بار مسجانہ کشد ہر خرے

ہر شخص دولت کا اہل نہیں۔ حضرت عیسیٰ کی سواری کا بوجھ ہر ایک گدھا نہیں اٹھا سکتا۔ رستم کا بوجھ رستم ہی کا گھوڑا ہوگا تو اٹھائے گا۔ دوسرے کا کام نہیں۔ ہاں بھائی ذرا دل کو مضبوط کرو۔ اور اس مقام کی دشوار گزار گھاٹیوں سے اور خوفناک منظر سے کہیں ایسا نہ ہو کہ گھبرا اٹھو، اور تمہارے دل میں ایک قسم کی رکاوٹ پیدا ہو جائے۔ یہاں تک کہ تم حیلہ شرعی ڈھونڈ کر اور اَلْفَقَامِ مِمَّا لَا يُطَاقُ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِينَ (یعنی جس چیز کی طاقت نہیں اس سے الگ رہنا پیغمبروں کی سنت ہے)۔ پڑھ کر بھاگ کھڑے ہو۔ اس امر کے متعلق مجھے زیادہ لکھنے اور کہنے میں اسی بات کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ورنہ کچھ اور کہتا۔ دیکھو دیکھو ہرگز ہرگز اس درگاہ سے ناامید ہونا زیبا نہیں۔ وہاں کام بے علت ہوا کرتے ہیں جس کسی کو نعمت ملتی ہے اس کی قیمت طلب نہیں کی جاتی۔ بہتروں کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ ابھی وہ بت کے سامنے سجدے میں تھے اور چشم زدن میں ملک و فلک کے دہم دگمان سے باہر جا پہنچے۔ یہاں دیکھو کہ سجدہ گاہ کی گرمی تک باقی ہے، اُدھر دیکھو تو جن دلس و ملک اس کا نشان ڈھونڈ رہے ہیں، اور مطلق پتہ نہیں مل رہا ہے کہ وہ کہاں سے کہاں پہنچ رہا ہے۔ آخر سرگردان و حیران ہو کر ان کو کہنا پڑتا ہے کہ اللہ اللہ وہ کیا تھا اور کیا ہو گیا جواب ملتا ہے کہ فَعَالٌ لِّمَآ يُؤَدُّ۔ میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں، اور جو چاہوں گا کروں گا۔ میری درگاہ میں چون دچرا کی مطلق گنجائش نہیں، اور علت کا بالکل دخل نہیں۔ یہاں کام کے لیے اسباب کی ضرورت نہیں کسی کو ابازید کا خطاب دیا جاتا ہے کسی کو ابو جہل کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ ایک کو اعلیٰ علیین پہنچا دیتا ہے اور ایک کو اسفل السافلین میں گرا دیتا ہے۔ اگر سبب پوچھو تو کچھ پتہ نہیں۔ اور اگر تم کو چون دچرا سے کام ہے تو اس کو عالم اسباب میں خرچ کرو۔ یہ وہیں کی بات ہے۔ وہیں اس کا گزر ہے۔ خیر حق تعالیٰ تمہیں اپنی حقیقت کی شناخت عطا فرمائے۔ اور تمہاری خودی کو تمہارے

دل سے دُور کر دے بِمِيتِهِ وَ كَمَالِ كَرَمِهِ وَ بِالْبَيْتِ وَالْإِلَهِ (یعنی اپنے احسان اور لاناہت بخشش اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی آل کے طفیل)۔ بھائی ہر چند تم حقیر اور خاکسار ہو، اگر ہمت بلند رکھو، مردوں کی ہمت کسی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتی۔ آسمان و زمین عرش و کرسی بہشت و دوزخ یہ سب ان کی ہمت کا بار نہیں اٹھا سکتے۔ مثنوی۔

نے در غم دوزخ و بہشت اند
چنگ در حضرت خدای زده
این طائفہ را چنین سرشتند
ہر چہ آن نیست پشت پای زده
تابہ چار دیو لا نہ ردنی راہ
کے رسی در سراے الا اللہ

اس جماعت کو دوزخ اور بہشت کی پروا نہیں۔ یہ لوگ ایسے ہی بنائے گئے ہیں۔ بارگاہِ خدادندی سے لو لگائے ہوئے ہیں۔ اس کے سوا ہر چیز ٹھکرا دی ہے۔ جب تک لا کی جھاڑ دے رہے ہوں صاف نہ کر دے الا اللہ کے مقام تک نہیں پہنچ سکتے)۔ مردوں کی ہمت کا باز جس وقت پرواز کرتا ہے تو بے خس و خاشاک اور پاک صاف صحت و صحت تلاش کرتا ہے۔ اور کوئی پاک و صاف اور وسیع فضا صحت ربوبیت اور صحت و وحدانیت کی فضا سے بڑھ کر ان کی نظر میں نہیں آتی۔ ان کی بلند ہمت کعبہ یا بیت المقدس کے ارد گرد نہیں پھرتی۔ اور زمین و آسمان کا طواف نہیں کرتی۔ سبحان اللہ عزوجل عجب کار و بار ہے کہ مرد اپنی جگہ پر ہاتھ پاؤں سمیٹے سر جھکائے ایک حالت سے بیٹھا ہے۔ اور اسرار اُس کے ہیں کہ کون دکان سے پرے چکر لگا رہے ہیں۔ داہرے ہمت مردانہ کہ یہ بات اب دُعاک (انسان) ہی کو نصیب ہوئی۔ اور سب اس سے محروم رہے۔ خدا :-

حقاً کہ بہ زہ نیا درد کرد
ترکِ فلک اسے پسر کما نم

خدا کی قسم آسمان جیسا شہ زور میری کمان نہیں جھکا سکتا۔ سچ ہے نفوت ایک ایسی حرکت ہے جس کو ذرا قرار نہیں۔ کیوں نہ ہو پانی جب ساکن ہوتا ہے، تو گندہ ہو جاتا ہے۔ اَلْمَاءُ إِذَا طَالَ مَكْنَتُهُ ظَهَرَ خُبْنُهُ۔ بخوبی ممکن ہے کہ صورت انسان ایک گوشہ میں بیٹھا ہو۔ اور اسرار اُس کے ملکوت و جبروت میں سیر کرتے ہوں۔ کیونکہ متحرک چیز جب تیزی کے ساتھ حرکت کرتی ہے تو

ساکن نظر آتی ہے۔ جیسے کھار کا چاک جس وقت حرکت میں ہوتا ہے ساکن دکھائی دیتا ہے حضرت
خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت سماع کے وقت کیوں کھڑے نہیں
ہوتے۔ آپ نے جواب میں یہ آیت پڑھی۔ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا مَدَآئِنَ وَهِيَ تَمْرٌ مَرَّةً
السَّحَابُ (تو پہاڑوں کو دیکھتا ہے کہ اپنی جگہ پر جے ہوئے ہیں۔ حالانکہ وہ بدلی کی طرح چل پھر
رہے ہیں) تم غایتِ سرعت کی وجہ سے ہمارے دُور کو نہیں دیکھتے۔ دیکھو نسیم سحر اس طرح گزر جاتی
ہے کہ ذرا بھی کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ والسلام۔

پانچواں مکتوب

طلب پیر کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے میرے بھائی شمس الدین اللہ تم کو دونوں جہان میں مشرف بنائے۔ تمہیں معلوم
ہو کہ مشائخ طریقت رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اتفاق ہے کہ تکمیلِ توبہ کے بعد مبتدی پر فرض ہے
کہ ایسا پیر سچتہ تلاش کرے جو نشیب و فراز راہ سے آگاہ، صاحبِ حال و مقام ہو۔ صفاتِ جلالی کے
قہر و غضب اور صفاتِ جمالی کے لطف و کرم کا مشاہدہ کر چکا ہو۔ اَلْعُلَمَاءُ ذُرَّةُ الْاَنْبِيَاءِ
جس کی شان میں پورا پورا صادق آتا ہو۔ اور ایسا طبیبِ خاذق ہو گیا ہو کہ مرید کے جملہ امراض و
عوارضِ باطن کا علاج جانتا ہو۔ اور سب کی دوا کر سکتا ہو۔ اب سنو کلام اللہ کا حکم ہے: كُونُوا
مَعَ الصَّادِقِينَ۔ صادقوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ یہ مرتبہ اول درجے میں پیغمبروں کو حاصل ہے صلوة
اللہ علیہم۔ بعد ان کے اُن کے خلفاء کا درجہ ہے۔ یعنی مشائخِ کرام کا۔ کیونکہ اَلْعُلَمَاءُ ذُرَّةُ
الْاَنْبِيَاءِ اور عُلَمَاءُ امَّتِي كَاَنْبِيَاءِ بَنِي اِسْرَآئِيلَ انھیں کے فرمان کا سرنامہ ہے۔ اور
قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلشَّيْخُ فِي قَوْمِهِ كَالنَّبِيِّ فِي اُمَّتِهِ۔ شیخ اپنی قوم میں خدای
سے عالم پیغمبروں کے وارث ہیں۔ سہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح ہیں۔

راہ اسی طرح دکھلانے والا ہے جس طرح اپنی امت میں پیغمبر۔ اور یہ ظاہر ہے کہ امت کو راہ طلب میں بغیر پیغمبر کے چارہ نہیں تو قوم کو بھی بغیر شیخ یعنی خلیفہ پیغمبر کے چارہ نہیں، اسی وجہ سے حضرات مشائخ کا قول ہے کہ لَا دِينَ بِنَا لَا شَيْخَ لَهُ (جس کا کوئی پیر و مرشد نہیں اُس کا مذہب ہی نہیں)۔ اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ رَأَيْتُمْ دُورًا بِالْأَيْنِ مِنْ بَعْدِي أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرُ (میرے بعد حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کی پیروی کرنا) اور پھر فرمایا أَصْحَابِي كَالْجُوزِ بِأَيْتِهِمْ رَأَيْتُمْ رَأَيْتُمْ (میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں۔ تم نے جس کی بھی پیروی کی راستہ پالیا)۔ اسی کی تائید میں ہے۔ یہ بات مسلم ہے ابتدا سے ہدایت میں نہ پیغمبر کی حاجت ہوتی ہے اور نہ شیخ کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ پہلی ہدایت کا بیج محض اللہ تعالیٰ کے دست عنایت و کرم پر موقوف ہے۔ جس دل کی زمین میں چلے ہووے وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يُشَاءُ (جس کی چاہتا ہے اللہ ہی ہدایت کرتا ہے)۔ مگر جہاں وہ بیج اُگ چلا اُس کی پرورش کے لیے پیغمبر کی حاجت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ حضرات اللہ کے نائب اور خلیفہ ہیں۔ اِنَّكَ لَتَهْدِي رَاٰی صَوَابٍ مُسْتَقِيمًا (بیشک تم سیدھا راستہ دکھاتے ہو)۔ یا شیخ کی ضرورت پڑتی ہے، کہ ان کی ذات بابرکات پیغمبروں کی نائب ہے۔ وَهَمَّ بِنَا خَلَقْنَا أُمَّةً يَهْدُونَ بِالْحَقِّ (اور میں نے جن کو پیدا کیا) وہ اپنی امت کو حق اور راستی کی طرف لے جاتے ہیں)۔ علاوہ ازیں مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کتابوں میں بکثرت عقلی دلائل موجود ہیں پہلی دلیل یہ سنو۔ کعبہ کی راہ ظاہر ظاہر اور کھلی ہوئی ہے، اور جانے والا ایسا ہے کہ اس کی آنکھوں میں روشنی بھی ہے۔ بلکہ پاؤں میں قوت اور جسم میں توانائی بھی موجود ہے۔ راستے کا یہ حال ہے کہ دکھائی دے رہا ہے۔ مگر آج تک نہ سنا کہ بغیر کسی راہبر یا راہ شناس کے کوئی شخص پہنچا ہو۔ پھر طریقت کی راہ جو غیر محسوس اور غیر معلوم ہے اور یہ شان رکھتی ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبران علیہم السلام اس راہ سے یقینی گزرے، مگر کسی کے نقش قدم کا پتہ نہیں ہے تو بالکل محال ہے کہ بغیر کسی راہبر یا راہ شناس کے اس کو قطع کر سکے۔ دوسری دلیل سنو۔ اکثر راستوں میں چور ڈاکو مارتے ہیں۔ بغیر محافظ کے جانے میں لٹ جانے کا خوف ہے۔ طریقت کی راہ میں بھی خود نفس کا فر اور اصلی شیطان اور نقلی

شیاطین یعنی بعض جنات اور بعض انسان راہزن ہیں بغیر کسی صاحب دل یا صاحب دلا کے جانا اپنی پونجی کو برباد کر دینا ہے۔ قسری دلیل سنو، اس راہ میں ایسا سقراط ہے کہ قدم پھسلتے ہیں۔ اور وہ گھاٹیاں ہیں کہ جاں بری محال ہے۔ سیکڑوں فلسفی، دہری، ملاحدہ، معتزلہ، اباحی اور اکثر بندہ نفس دہوا بغیر امداد شیخ کامل اور مقتدائے وصل کے محض اپنی عقل کے بھروسے پر اس راہ میں چلے پس فوراً ہی بھٹک کر دشتِ پُر خار میں ایسے اُجھے کہ نکل نہ سکے۔ دین و ایمان سب برباد ہو کر رہ گئے۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے۔ بیت :-

لوچوں موری و این راہیت ہچوں سویت رویان

مرد زہنسا بر تخمین و بر تقلید و بر عسیان

(تو چیونٹی کی طرح ہے۔ اور یہ راہ بال کی طرح باریک ہے۔ قیاس اور اندھی تقلید کو سامنے رکھ کر ہرگز نہ جانا)۔ دیکھو ان خوش نصیبوں کو جو کسی صاحب ولایت کے سایہ عاطفت میں کس مزے سے تمام گھاٹیوں کو صحیح و سالم عبور کر چکے ہیں۔ اور ہر نعرش اور ہر تہلکہ سے محفوظ رہے ہیں۔ اس سلوک میں یہ بات بھی ان پر کھل جاتی ہے کہ کون کہاں گرا۔ کون مقام کیسا ہے۔ چوتھی دلیل سنو، اس راہ کے چلنے والوں کو مصائب کا سامنا ہوتا ہے۔ طرح طرح کے امتحان کی نوبت آتی ہے۔ یہاں تک کہ دل پھوٹ جاتا ہے اور لپست ہو جاتا ہے۔ اگر شیخ کامل صفا نصرت نہ ہو تو اور بھی دل بٹھتا چلا جاتا ہے۔ یہ رنگ دیکھ کر شیخ رہبر وہ وہ نادر باتیں کرتا ہے کہ مرید کے جذبات تیز ہو جاتے ہیں۔ اور بہت بڑھ جاتی ہے۔ مرید راہ طلب میں جان جی دھو کر مستعد اور آمادہ ہو جاتا ہے۔ ورنہ خوف تھا کہ حق سے اُس کو دوری ہو جائے۔ اور راہ طریقت چھوڑ کر رسم و عادت کے خینگل میں قدم رکھے۔ اور ساری کوششیں اس کی ضایع ہو جائیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ قطع :-

آن ادلے ترکہ باعصا گردد

تا پیر ترا چو کمر با گردد

در سایہ پیر شو کہ نابینا

کاسے شود کوہِ عجب بر ہم زن

گراں نہ کنی کہ گفت عطار
ہر رنج کہ می کنی ہب اگر درد
کسی شیخ کی پناہ میں رہو۔ اندھے کے لیے لاکٹی رکھنا ضروری ہے۔ کاہ بن جا، اور
غور کی چٹان پاش پاش کر دے۔ تاکہ تجھ کو تیرا شیخ کربا کی طرح کھینچ لے۔ عطار نے جو یہ باتیں کہیں
اگر تو نہیں کرتا تو جتنی محنت و مشقت جھیلتا ہے سب برباد ہو جائے گی۔

پانچویں دلیل سنو کہ سالک کا گزرا ایسے مقامات پر بھی ہوتا ہے جہاں روح اس جسم خاکی
سے مجرد ہو کر لوز حق کے پر تو میں ڈوب جاتی ہے۔ چونکہ روح خلیفہ حق ہے عجب رنگ میں اپنے کو
دیکھتی ہے۔ ذوق سبحانی و انالحت سے اس عالم خلوت میں لبریز ہو جاتی ہے کہ ہم کو جو پاتا تھا پالیا۔
اور جو ملنا تھا مل گیا۔ بیشک ایسی حالت میں عقل و فہم کام نہیں کر سکتی ہے۔ خاص ضرورت صاحب
ولایت شیخ کی ہے۔ تاکہ اپنے لطافت و کرم سے نہ ایمان جلنے دے نہ توحید حلوی ثابت ہونے دے۔
نہ توحید اتحادی کی طرٹ رُخ کرنے دے۔ بلکہ توحید خالص اور ایمان کے رستے پر قائم رکھے۔
پہلی دلیل سنو کہ اثنائے سلوک میں مبتدی کو غیب کے عجائبات دیکھ کر طرح طرح کے شبہ پیدا
ہوتے ہیں۔ اور عجیب عجیب خبریں ملتی رہتی ہیں۔ علاوہ ازیں شیطانی، نفسانی اور جسمانی
حوال و کیفیات رنگ بدل بدل کر سامنے آتے ہیں۔ بچارے غریب مبتدی کو اتنی صلاحیت
اور واقفیت کہاں کہ غیب کی باتیں سمجھے۔ اور وہاں کے راز سے واقف ہو سکے۔ کیونکہ، جو
غیب الٰہ ہے وہی غیب کی زبان، غیب کی بات جان سکتا ہے۔ اور سمجھ سکتا ہے۔ کسی نے
خوب کہا ہے۔ بیت :-

تو چہ دانی زبان مرغاں را چون ندیدی گئے سلیمان را

(تو چڑیوں کی بولی کیونکر سمجھ سکتا ہے جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو کبھی دیکھا
نہیں)۔ ایسے موقع پر اگر شیخ مؤید بتائید الٰہی اور معلم بعلم تاویلات اور اس زبان و معانی کا
آگاہ نہ ہو تو مرید ہلکا بھکا ہو کر رہ جائے گا۔ ترقی نہیں کر سکتا۔ ساتویں دلیل سنو،
کہ اگر کوئی شخص دنیاوی بادشاہ کے ہاں کچھ رتبہ یا درجہ یا منصب یا تقرب حاصل کرنا چاہے۔

مگر اس کی صلاحیت نہ ہو کہ بادشاہ کے لائق کوئی کام انجام دے سکے۔ اور کوئی استحقاق بھی کسی حیثیت سے نہ رکھتا ہو، تو اس کو کیا کرنا چاہیے۔ یہی کہ اپنے کو کسی مقرب درگاہ کے ساتھ وابستہ کر دے تاکہ وہ مقبول و منظور نظر بادشاہ اُس کی عرض بادشاہ کے حضور میں پہنچا دے۔ اس صورت میں یقینِ کامل ہے کہ بادشاہ دنیا عدم استحقاق یا کم خدمتی کو اس شخص کے نہ دیکھے گا۔ بلکہ وہ اُس مقرب کے حقوقِ سابق اور حاضر باشی کا لحاظ کرے گا۔ اور اسی وسیلے سے اُس کی عرض قبول کی جائے گی۔ اور سائل کو حسبِ خواہش منصب و غیرہ عطا ہوگا۔ اگر یہی شخص ایک مدتِ دراز تک اپنے طور پر اس درجہ تک رسائی چاہتا تو ہرگز مقصود حاصل نہ ہوتا۔ تم اس کو یاد رکھو کہ مشائخِ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس درگاہ میں بادشاہِ دو جہاں کے ایسے مقرب اور مقبول ہیں کہ ان کی بات سنی جاتی ہے۔ جس نے اپنے کو ان کے ساتھ وابستہ کر دیا وہ مقصود و مطلوب تک پہنچ گیا۔ مشائخِ رضوان اللہ علیہم اجمعین نظر کی صفائی اور دل کی پاکی کے باعث رموز و اشاراتِ قرآنِ قدیم و احادیثِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ اور باطن کی راہ طے کر کے بیٹھے ہیں۔ مریدوں کے لیے اصول و ضوابطِ قاعدہ و قانون ان حضرات سے مقرر کر دیے ہیں۔ اور احکام جاری کیے ہیں۔ پہلا حکم۔ ایک شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ایسی بنیائی دی کہ اپنے افعال میں سے نیک کو نیک اور بد کو بد سمجھتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ بُری باتیں دُور ہو جائیں۔ لیکن اس غریب کو اس کی خبر کہاں کہ اس کا طریقہ کیا ہے۔ تو ایسی صورت میں اس کو چاہیے کہ مقرب اور مقبول درگاہ بندے کے ساتھ اپنے کو وابستہ کر دے۔ اور اپنے صفاتِ ذمیرہ کے بدلنے کا کامل ارادہ کرے تاکہ وہ بندہ مقبول اس دُور افتادہ اور گم شدہ کو قبول کر لے اور نفسِ امارہ کے مکر سے اس کو بچالے۔

دوسرا حکم۔ اگر مرید میں کچھ قصور و فتور پیدا ہو گیا ہو تو ازراہِ لطف و شفقتِ پیرایسی ترغیب دے کہ ہمتِ بلند ہو جائے۔

تیسرا حکم۔ بروں کی صحبت اور ہم نشینی سے اور بُری باتوں کو سننے سے مرید کو منع فرما۔

حالت یہ ہے کہ مرید سا لہا سال میں جو بات چل کر سکتا ہے، یہ حضرات ایک ساعت میں اس کے دل کو ویسا بنادیتے ہیں۔ اسی طرح اور باتوں کو بھی سمجھو۔ بہر حال پیر و مرید کا معاملہ نہایت نازک ہے۔ اس کے متعلق یہ ممکن ہے کہ مرید ایک پیر سے متزلزل مقصود تک نہ پہنچے، بلکہ دو تین یا چار یا اس سے بھی زیادہ صحبت شیخ کی اس کو ضرورت پڑے۔ بعد اس کے مقصود حاصل ہو۔ اور ہر پیر کی صحبت ایک مقام کے کشف کا باعث ہو۔ لیکن مرید کے لیے بہتر اور مناسب یہی ہے کہ ہرگز ہرگز یہ خیال دل میں پیدا نہ ہونے دے کہ موجودہ پیر سے میری ترقی ناممکن ہے۔ اور اُن کی رسائی اس مرتبہ سے زیادہ نہیں ہے۔ بلکہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ مرید اپنے پیر کو بہت بڑا کامل سمجھے اور اس کا یقین کرے کہ میرا حصہ حضرت کے یہاں اسی قدر تھا۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ ایک سچا پیر کسی مرید کی ترقی کا خواہاں نہ ہو اور اُس کو اپنے مقام میں الجھا رکھے۔ بہر کیف مسئلہ یہ ہے کہ مرید نے جب کسی پیر کی صحبت اختیار کر لی تو بغیر اجازت اس کی صحبت سے الگ نہیں ہو سکتا۔ اور دوسرے پیر کے یہاں رجوع نہیں کر سکتا۔ اس امر کی سخت نگہداشت رکھنا چاہیے، اور پیروں کی غیرت سے بچنا چاہیے۔ کیونکہ اگر بغیر اجازت یا بطریق بطلان اپنے پیر کو چھوڑ کر مرید دوسرے پیر کی طرف رجوع کرے گا تو وہ مرتد طریقت ہوگا۔ خیر، مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی یہ رکش رہی ہے کہ جب کسی مرید نے اُن کے ساتھ تعلق پیدا کر لیا تو تین سال کی مدت میں تین کام اس سے لیتے ہیں۔ اگر اس پر اس نے استقامت کی اور اچھی طرح انجام دیا تو مرید کو تقلید انہیں، بلکہ تحقیقاً فرقہ پہناتے ہیں۔ اور اگر مرید حسب فرمان کار بند نہ ہوا تو فرمادیتے ہیں کہ طریقت اس کو قبول نہیں کرتی۔ وہ تین باتیں یہ ہیں۔ ایک سال خلق اللہ کی خدمت کرنا۔ ایک سال اللہ تعالیٰ کی بکثرت بندگی کرنا۔ ایک سال دل کی پاسبانی کرنا۔ اور منشا یہ حکم بھی دیتے ہیں کہ ہاتھ دعا کے لیے اٹھا رہے۔ زبان سوال کے لیے کھلی رہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ فی اللہ عابد اللہ رد نے گڑ گڑانے والوں کی دعا کو درست رکھتا ہے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ سوال و دعا میں شرم کا بالکل پردہ اٹھا دینا اچھا ہے۔ اور

جو دل چاہے وہی مانگنا بہتر ہے۔ بلکہ جو چیز مانگی جائے ذلیل و حقیر نہ طلب کی جائے۔ اور جب تک حاجت پوری نہ ہو طالب درگاہ سے ملے نہ ملے اور اس کا یقین رکھے کہ وہاں سے جو کچھ ملا بے قیمت ملا، مفت ملا جس کسی کو ایمان عطا ہوا مفت عطا ہوا۔ اور جس کی بخشش ہوئی مفت ہوئی لینے والا ہو تو سارا جہان وہ بخش دے۔ هَلْ مِنْ سَائِلٍ هَلْ مِنْ دَاعٍ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ (کیا کوئی سائل ہے؟ کیا کوئی مانگنے والا ہے؟ کیا کوئی بخشش چاہنے والا ہے؟)۔ اے مانگنے والو مانگو، ہمارے کرم کی کوئی حد نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ تم مانگو۔ اگر نہ مانگو گے تو ہم تقاضا کریں گے۔ اس پر بھی نہ سنو گے تو ہم بے مانگے دیں گے۔ قطعہ

آنکہ نا خواستہ عطا بخشد ✓ گر تو خواہش کنی چہا بخشد

بادشاہ ست او اگر خواہد ✓ ہر دو عالم بیک گدا بخشد

(جو بغیر مانگے ہوئے دیتا ہے، اگر اُس سے تو مانگے گا تو کس قدر عطا فرمائے گا۔

اگر وہ چاہے تو دونوں جہان کی بادشاہی ایک فقیر کو بخش دے۔ وہ شاہنشاہ ہے)۔

اے بھائی یہ بات حیتِ در کرم کی ہے۔ یہاں استحقاق کا ذکر نہیں ہے۔ کریم کی ہی شان ہے کہ بلا استحقاق دے۔ استحقاق کے ساتھ جو دیتا ہے کریم نہیں کہلاتا۔ کیونکہ استحقاق ادا سے حق کو واجب کرتا ہے۔ اور جب ادا سے حق واجب ہوا، تو ایک قسم کا دین ٹھہرا۔ اور دین کا دینا کرم نہیں ہوتا۔ نہ کریم کی یہ شان ہوتی ہے۔

نقل ہے کہ ایک کافر نے جب حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کے وقت عرض کی۔ اے علیؑ اپنی تلوار تم مجھے دے دو۔ آپ نے تلوار اُس کو دیدی۔ پھر اس کافر نے کہا کہ اے علیؑ یا تو آپ بہت ہی بڑے شجاع ہیں۔ یا سخت نادان ہیں کہ اپنی تلوار دشمن کو دیدی آپ نے فرمایا کہ تو بے شک دشمن جان ہے، مگر سائلوں کے لہجہ میں تو نے سوال کیا ہے۔ اور حال یہ ہے کہ سائل کو محروم رکھنا کریموں کا دستور نہیں ہے۔ دے سلام

پچھٹا مکتوب

اہلیت شیخی کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے عزیز بھائی شمس الدین تم کو دونوں جہان میں اللہ عزت دے۔ تمہیں معلوم ہو کہ شیخی کا اہل کون ہے، اور مرتبہ مقتدائی کا مستحق کون۔ اس امر کی بنا بزرگان دین نے اجمالاً پانچ رکضوں پر رکھی ہے۔ اور ان پانچوں رکضوں کو اس آیت کریمہ سے نکالا ہے۔ قَوْلُهُ تَعَالَى فَوَحِّدًا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا الْتَيْنَاهُ مَرْحَمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔ (تو پایا ان دونوں [موسیٰ اور ان کے ساتھی] نے ایک بندہ [خضر] میرے بندوں میں سے جسے میں نے اپنی طرف سے رحمت عطا کی اور اُسے علم لدنی سکھایا) اس لئے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہ شان مریدی و معلمی حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا تو مقام شیخی و مقتدائی و معلمی کے اعتبار سے آپ کے پانچ مراتب ظاہر فرمائے۔

پہلا مرتبہ اختصاص مہدیت کا جو مِنْ عِبَادِنَا سے ظاہر ہے۔

دوسرا مرتبہ اس حقیقت کے قبول کرنے کی صلاحیت و استعداد تھی جس کا نزول بے واسطہ

حضرت خداوندی سے ہوتا تھا۔ یہ اَلتَّيْنَاهُ سے روشن ہے۔

تیسرا مرتبہ اس امر کی خصوصیت کو دکھا رہا ہے کہ مقام عنایت سے رحمت خاص کی

یافت حاصل تھی۔ یہ مَرْحَمَةً مِّنْ عِنْدِنَا سے واضح ہے۔

چوتھا مرتبہ۔ حضرت خداوندی نے بے واسطہ علوم سکھائے تھے۔ یہ عَلَّمْنَاهُ سے

صاف صاف نکلتا ہے۔

پانچواں مرتبہ۔ علم لدنی کی دولت عطا ہوئی تھی۔ جس کا انکشاف مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا

سے ہو رہا ہے۔

اب غور سے دیکھو تو یہ پانچوں مراتب جامع ہیں کمالات کے کل معانی کو اور شامل ہیں سب درجات و مقامات کی ترقی کو۔ اب اگر چاہو کہ اس کی پوری تشریح و تفصیل اس مکتوب میں کی جائے تو یہ ناممکن ہے۔ خلاصہ یہ کہ شیخ و مقتدا کا کمال یہی ہے کہ اس میں یہ خصائص موجود ہوں اور وہ ان صفتوں کے ساتھ موصوف ہو۔ اور اس کو ان مراتب کی سیر مستر ہو۔ یا یوں سمجھو کہ جتنے بہتر مقام اور جتنی پسندیدہ خصلتیں قرآن مجید یا حدیث شریف میں مذکور ہیں اس شخص میں پائی جائیں، تاکہ شیخی و مقتدائی کے لائق وہ سمجھا جائے۔ اب اس بات کو بھی سنو اور سمجھو کہ وہ پانچوں مقام کس وقت حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) مقام عبدیت اس وقت حاصل ہوتا ہے جب سالک ماسوی اللہ کی بندگی اور پرستش سے آزاد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مرتبہ ذات کی عبدیت ہونا آسان نہیں۔ اور مِنْ عِبَادِنَا کی دولت سے مالا مال ہونا کھیل تماشا نہیں۔

(۲) اٰثِنًا رَحْمَةً کی سعادت اسی وقت ملے گی، اور بے واسطہ قبولِ حقائق کی استعداد اسی وقت حاصل ہوگی، جب صفات بشریت بہرہ و جوہ نکل جائیں گی۔

(۳) رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا کے صدر پر اسی وقت جگہ ملے گی جب تُخْلِقُوا بِاِخْلَاقِ اللہ سے آراستہ ہوگا۔ (یعنی رحمت و شفقت وغیرہ خلق اللہ پر ایسی پیدا ہو جائے کہ اپنا عیال سمجھنے لگے۔ اور مقام پیری میں اس کے صفات الوہیت کی تجلیاں پر تو فگن ہونے لگیں۔

(۴) عَلَّمْنَاہُ کی کرامت سے مکرم اسی وقت ہوگا جب دل کی تختی سے عقلی، سمعی حتیٰ علوم دُھل جائیں گے۔

(۵) عِلْمٌ مِّنْ لَّدُنِّی اسی وقت عطا ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ عَرَفْتُ رَبِّیْ بِرَبِّیْ (میں نے اپنے رب کو اپنے رب سے پہچانا) اسی معنی کو ظاہر کرتا ہے۔ (یعنی اپنی ذات

میں تجلی ذاتی، اپنی صفات میں تجلی صفاتی اپنے افعال میں تجلی افعالی کا ظہور دیکھ کر مجھے عرفانِ خدا حاصل ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول سے بھی اسی معنی کا ثبوت ہے کہ کُنْ یَلِجْ مَلَكُوتُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مَنْ لَمْ يُولَدْ مَرَّتَيْنِ یعنی سالک کو جب تک ولادت دوم حاصل نہ ہوگی علم من لدنی سے مشرت نہ ہوگا۔ کیونکہ جو شخص ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے وہ اس جہان کو دیکھتا ہے۔ اور جو شخص اپنے سے پیدا ہوتا ہے (یعنی اوصاف بشریت سے باہر آکر موحد حقیقی بن جاتا ہے) وہ اُس جہان کو دیکھتا ہے۔ دنیا و عقبی سب کی حقیقت اس کی نظر کے سامنے ہوتی ہے۔ مَنْ لَمْ يُولَدْ مَرَّتَيْنِ اس شان کو بتا رہا ہے۔ (جتنے مراتب و درجات و مقام و صفات بیان ہوئے) باوجود ان کے مقامِ شیخی و مرتبہ مقتدائی کا کمال در کمال یہ ہے کہ اس کی حد بندی ناممکن اس کا انحصار دشوار اس کا شمار محال ہے۔ کیونکہ شیخی اور مقتدائی اس عامرہ اور بڑی دائرہ کا نام تو ہے نہیں۔ شیخ و مقتدا تو درحقیقت اس معنی کو کہتے ہیں جو مقعد صدق میں مقامِ عندیت کے ذرے لوٹ رہا ہو۔ اور عنایت و غربت حق غر و جل اس پر سایہ نگیں ہو۔ اور اس طرح اس کو دامن شفقت نے ڈھانپ لیا ہو کہ اُولَیِّاَئِی تَحْتَ قَبَائِی لَا یَعْرِفُهُمْ غَیْرِی۔ (اولیا ہمارے قبا میں چھپے ہوئے ہیں، سوائے ہمارے ان کو کوئی پہچان نہیں سکتا) کا مصداق بن گیا ہو۔ مولانا حمید الدین ناگوری فرماتے ہیں جو شخص اپنی جان کی وجہ سے زندہ ہے وہ مر جاتا ہے۔ اور جس کی زندگی محبوب کے ساتھ ہے، وہ مرتا نہیں۔ رباعی :-

مردان رہش زندہ بجان دگر اند مرغان ہواش ز آشیان دگر اند

منگر تو بدین چشم برایشان کیشان بیرون زد و کون از جهان دگر اند

(اُس کی راہ کے چلنے والے ایک دوسری جان کی بدولت زندہ ہیں۔ اُس کے عشق و محبت کے طائر وں کا گھول سلا ہی دوسرا ہے۔ تو ان کو اس آنکھ سے نہ دیکھ۔ یہ لوگ دونوں جہان سے باہر ایک اور ہی جہان کے رہنے والے ہیں۔)

ان باتوں کو سن کر تم بہت شش و پنج میں آگئے ہو گے۔ دل گھبرا گیا ہوگا۔ اور خیالات متشر

ہوں گے۔ دیکھو ابھی ابھی تمہارے کل شبہات اس سوال و جواب سے حل ہو جاتے ہیں۔ سوال۔
 مبتدی ایسا کامل و اصل شیخ و مقتدا کہاں اور کیونکر پاسکتا ہے اور غریب مبتدی کو ایسے منہتی کی
 متابعت کا موقع کس طرح مل سکتا ہے اور ایسے رسید شخص کی شناخت بیچارہ کون آنکھ سے کر سکتا
 ہے۔ فرید برآں مبتدی کو اس کا حق بھی نہیں دیا گیا ہے کہ اپنی رکبیک عقل سے مردان خدا کو جاننے
 اور اپنی کم بین نظر کا نشانہ و اصلان و مقربان درگاہ کو بنائے۔ اور اس کی اجازت بھی نہیں دی گئی
 ہے کہ جو شیخ و مقتدا ہونے کا دعویٰ کرے اُس کا مقلد بن جائے۔ ایسی حالت میں کیا صورت ہے
 کہ مبتدی اس بات کو جان لے کہ فلاں شخص مبتدی ہے یا فلاں شخص محقق کامل و منہتی ہے اور ایسا
 پہنچا ہوا ہے کہ اُس کی اقتدا کر سکتا ہے۔

جواب۔ جس طالب کے مقدر میں جس قدر رسائی لکھی ہوئی ہے اُس کو اسباب آلات
 بھی ایسے مہیا ہوتے ہیں جو مہیا ہونے کا حق ہے۔ اور اس کی ہمت مردانہ بھی ایسی محرک ہوتی ہے
 کہ اس کی راہ میں ایک تنکا بھی حائل نہیں ہوتا۔ جس طرح ایک طالب علم کے نصیب میں جس قدر
 علم ہے اُس علم کے حاصل کرنے کے لیے ازل ہی میں طلب بھی دے دی گئی ہے۔ اور اس کے اسباب
 بھی مقرر کر دیے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ جب اس کا وقت آتا ہے تو سامان بھی مہیا ہو جاتے ہیں۔
 اور کوئی مانع و حارج سب راہ نہیں ہوتا۔ ہو ہو اس طالب کے لیے بھی ایسا ہی سمجھو۔

سوال۔ کیا کوئی خاص بات ایسی ہے جس سے مدعی کو مدعی محقق کو محقق سمجھیں، اور
 اہل کو اہل نا اہل کو نا اہل جانیں۔

جواب۔ اس کی علامتیں تو بہت ہیں، مگر عبارت میں لانا دشوار ہے۔ کیونکہ ایسے
 الفاظ نہیں جو سب علامتوں کو گھیر لیں۔

سوال۔ یا قطعی فیصلہ کن کوئی ایسی بات ہے جس کے موجود رہنے سے محقق مانیں اور
 نہ موجود رہنے پر مدعی تصور کریں۔

جواب۔ اس قسم کی بھی کوئی بات کسی نے نہیں کہی ہے۔ الحاصل جس پر ازل میں عنایت

کی نظر ہو چکی ہے کہ اَلْعِنَايَةُ قَبْلَ الْمَاءِ وَالطَّيْنِ (خدا کی عنایت بندہ پر مٹی اور پانی کے خیر بننے سے پہلے ہو چکی ہے) وہ طالب ابتدا میں بغواسے وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا (جو لوگ ہمارے لیے محنت و مشقت بھیلے ہیں) قدم راہ طلب میں رکھتا ہے اور عنایت ربانی کے جذبات کی کچھ ایسی کشش ہوتی ہے کہ حرص و ہوا اور لذات و خواہشات نفسانی سے دل اُس کا بھر جاتا ہے ہمہ تن متوجہ حضرت صمدیت کی طرف ہو جاتا ہے۔ عنایت سابق و تقدیر ازلی بمصدق لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (البتہ انھیں ہم اپنا راستہ دکھاتے ہیں)۔ ایک شیخ دھل و مقتداے کامل کا جمال اس کے آئینہ دل میں ظاہر کرتی ہے۔ اب یہاں پر صرف ایک بات قابل لحاظ ہے۔ وہ یہ ہے کہ جس شیخ کا جمال طلب کو اپنی طرف کھینچے اس شیخ کو سالک ہونا چاہیے۔ مجذوب نہیں۔ کیونکہ مجذوب پیر بنانے کے لائق نہیں ہوتے۔ ان کے مقامات بہوشی میں طے ہوتے ہیں۔ اور سالک ہر مقام سے آگاہ ہو کر منزل مقصود کو پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ اگرچہ جذب اس راہ کے لوازمات میں سے ہے۔ مگر سالک کا مجذوب ہونا اور ہے اور مجذوب مطلق کا مجذوب ہونا دوسری حیثیت رکھتا ہے۔ خیر، جب خوش نصیبی سے ایسا ہوا کہ شیخ سالک کا جمال دل نے مشاہدہ کر لیا، پھر اب تاب کہاں فوراً طالب جمال شیخ و ولایت شیخ پر عاشق ہو جاتا ہے۔ اور سارا قرار و آرام اس کا جاتا رہتا ہے۔ ہر وقت ایک دھن بندھ جاتی اور تلاش پیدا ہو جاتی ہے، کہ ان بزرگ کو کہاں ڈھونڈیں، کہاں پائیں۔ یہاں تک کہ پالیتا ہے۔ اور پیر کے ساتھ عشق درزی کر دیتا ہے۔ سمجھ لو کہ یہی بے قراری اور یہی عاشقی مرید کی ساری سعادتوں کی کنجی ہے۔ اور حقیقت حال بھی یہی ہے، کہ جب تک مرید شان ولایت پر شیخ کے عاشق نہ ہوگا۔ اور اپنے کو اس کا پورا پورا محکوم نہ بناوے گا۔ اور اُس کے ارادہ کے تحت میں کام نہ کرے گا پیر کا مرید اُس کو نہ کہیں گے۔ بلکہ اپنی خواہش و مراد کا مرید اُس کو کہیں گے۔ اسی وجہ سے بزرگوں کا مقولہ ہے اِلَا مَرَادَةَ قَوْلِ الْإِمَامِ اَدَبُ (ارادہ کرنا، کل خواہشات کو چھوڑ دینا ہے اسی معنی کے راز کو کیا خوب کہا ہے سہ رباعی

اے دل اگر تیرا دلیر باشد آن باید کرد و گفت کو نر باید

گر گوید توں گری مگو از چہ سبب در گوید جان بدہ مگو چون شاید

(اے دل اگر تجھ کو محبوب کی رضا مندی حاصل کرنا ہے تو وہی کام کر جو وہ کہے۔ اگر وہ کہے تو لہو و تارہ۔ تو نہ پوچھ کیوں۔ اور اگر کہے جان بچھا کر دے تو نہ پوچھ کس لیے)

یہاں پر یہ مسئلہ اور بھی سن لو۔ مشائخ طبقات مرید کس کو کہتے ہیں اور مراد کس کو۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ بعضوں کا یہ خیال ہے کہ جب کوئی شخص کسی بزرگ صاحب ولایت کی صحبت میں رہا۔ اور اس کے حرکات و سکنات کی اُس نے متابعت کی تابع مرید ہوا۔ مبنوع مراد شیخ ہوا۔ اور بعضوں کا خیال یہ ہے کہ مرید اس کو کہتے ہیں جس کے سر پر کوئی شیخ صاحب ولایت یا عارف یا عالم قنبحی چلا دے اور اُس کو قبول کر لے۔ اب جس کے سر کے کچھ بال تراشے گئے اُس کو مرید کہتے ہیں۔ اور جس نے بال تراشے اس کو مراد و شیخ کہتے ہیں۔

بہر کیفیت اس مکتوب کو دیکھ سن کر تم کو یہ شبہ پیدا ہوا ہو گا کہ آدمیان گم شدہ نہیں ہیں ہرگز نہیں۔ ایسا خیال کبھی نہ کرنا۔ بزرگان دین ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے بہت سے ایسے بندے ہیں کہ بہ متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل کائنات سے ترقی کر چکے ہیں۔ اور تجلیات صفات جمالی و جلالی میں اُن کی ہستی گم ہو چکی ہے۔ اور اس مرتبہ پر پہنچ چکے ہیں کہ فَاذَا أَحْبَبْتَهُ كُنْتُ لَهُ سَمْعًا وَبَصَرًا وَيَدًا وَلِسَانًا۔ (جب اس کو دوست بناتے ہیں تو ہم اُس کے کان آنکھ ہاتھ اور زبان بن جاتے ہیں) اُن کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ہمت و شفقت کی نظر بیگانہ پر ڈال دیں تو وہ یگانہ ہو جائے۔ اور اگر عاصی کی طرف متوجہ ہو جائیں تو وہ مطیع ہو جائے۔ اور تحت ولایت پر اُس کو جگہ مل جائے۔ اس قوت کا سبب یہ ہے کہ یہ وہی چاہتے ہیں جو اللہ چاہتا ہے۔ رضا سے الہی میں اُن کی ذات وقف ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ مَنْ كَانَ لِلَّهِ كَانَ اللَّهُ لَهُ (جو اللہ کا ہو گیا اللہ اُس کا ہو گیا)۔ بزرگوں کا قول ہے کہ کوئی بقعہ و مقام ایسا نہیں ہے جہاں ایک صاحب ولایت نہیں ہے۔ جتنے بے دولت ہوتے ہیں سب اُس کی پناہ اور سایہ دولت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ ظاہر میں دیکھ لو کہ خلیفہ اور سلطان ہر عصر میں ایک ہی ہوتا ہے مگر کچھ بڑے کبار سی و عوام الناس ان گنتی

ہر شہر میں موجود رہتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ہمیشہ ہماری امت میں تین سو چھپن دلی موجود رہتے ہیں انھیں کے دم قدم کی بدولت عالم قائم رہتا ہے۔ راحت و رحمت اہل زمین پر انھیں کی برکت سے نازل ہوا کرتی ہے۔ حاضرین نے عرض کی یا رسول اللہ ان کی صفت کیا ہے۔ ارشاد ہوا اَلْزَّاهِدُونَ فِي الدُّنْيَا وَالْمُرَافِقُونَ فِي الْآخِرَةِ وَالْمُتَاضِعُونَ بِقَضَاءِ اللَّهِ وَقَدَرِهِ (وہ لوگ دنیا سے کنارہ کش ہیں اور عقبی کی طرف متوجہ ہیں۔ اور خدا کی مشیت اور قدرت کے ساتھ راضی ہیں۔

اے بھائی اب دوسری کہانی سنو۔ جو چیز جس کو ملنا تھی ازل ہی میں مل چکی۔ اور جس کو جہاں جہاں پہنچنا تھا ازل ہی میں پہنچ چکے۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ یہاں آکر کوئی آدمی نیا کام کرتا ہے۔ نہیں نہیں وہی کام کرتا ہے جس پر قلم چل چکا۔ ہر شخص قدم مارتا ہے اور کام نکلنے کا ایک بہانہ ہو جاتا ہے۔ تم جانتے ہو گے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار گوہر نبوت اس جہان میں جو تشریف لائے وہ تم لوگوں کا کام لے کر آئے ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ اس لیے تشریف لائے تھے کہ تمہارے دل کی آگ بھڑکا دیں۔ اور تمہارے نصیب کا فیصلہ کر دیں۔ تم یقین جانو کہ جو کچھ ہوتا ہے تقدیر ازی سے ہوتا ہے۔ آسمانی کتابیں پیغمبرانِ مرسل یہ سب کے سب ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔ درحقیقت ٹھیک ٹھیک تقدیر کے موافق کام ہوا کرتا ہے۔ انھیں باتوں پر نظر کر کے حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ واہ رے شان کی بے نیازی کہ صد یقوں کے دل کو تیغِ قہر سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اور ان کے جگر کو ایک قطرے کے انتظار میں پانی پانی کر دیا۔ مگر کسی کو شربت دیدار نصیب نہ ہوا۔ اللہ اللہ نازِ معشوقانہ کی کوئی حد بھی ہے۔ ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں آیا کہ اس وقت تو بندہ درگاہِ ہی کی ذاتِ اس مرتبہ پر فائز ہے کہ خود بدولت سے ہم کلامی کے مزے لوٹتی ہے۔ ندا ہوتی کہ آپ کہاں ہیں۔ اسی پر بھولے ہوئے ہیں۔ ذرا اس عصا کو پتھر پر مار کر تو ہمارے ایک ادنیٰ کرشمے کا تماشا دیکھیے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو پتھر پر مارا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اسی طرح کے لاکھوں موسیٰ ہیں کہ عصا ہاتھ میں ہے اور سر پر کلاہ ہے اور ابرینی ابرینی کی رٹ لگا رہے ہیں۔ والسلام

ساتواں مکتوب

ارادت کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادر مٹھس الدین۔ تم جانتے ہو کہ ارادت کس کو کہتے ہیں۔ ارادت دل کے اس میلان کا نام ہے جو خیال کو ایک خاص چیز کی طرف جمادے اور ایسی تحریک پیدا کر دے جس سے قصد طلب ظاہر ہو۔ یعنی اس چیز کی تلاش میں لگا رہے۔ اب اس بات کو دیکھو کہ جو چیز مراد و مقصود ہے وہ کیسی ہے۔ اگر اعلیٰ ہے تو ارادہ بھی بہتر و برتر ہے۔ اس لیے حقیقت ارادت کی یہ شان کہی گئی ہے کہ ہر قسم کی آمیزش دینی دنیاوی اغواض و تغیر و تبدل زمانی سے پاک ہو۔ اور اسباب و وجوہات کی رکاوٹیں اس میں حائل نہ ہو سکیں۔ اور کسی طرح کی خواہش اس پر غالب ہو کر اس کو منقطع نہ کر سکے۔ بلکہ وہ آدمی جس میں ارادت کی جلوہ گری ہوئی ہے ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف حضرت الہیت کی جانب متوجہ ہو جائے۔ اور جب تک منزل مقصود تک نہ پہنچے ہرگز ہرگز دم نہ لے۔ مثنوی :-

تا بہشت و دوزخ در رہ بود جان تو زین راز کے آگہ بود

چون بدون آئی ازان ہر دو مقام صبح این دولت بدون آید ز شام

(جب تک تیرے راستے میں بہشت و دوزخ کا خیال رہے گا اس بھید کی خبر تجھے نہیں ہو سکتی۔ جب ان دونوں جگہوں سے تو باہر نکل آئے گا تو رات کی تاریکی سے صبح کا جلوہ نمودار ہو گا)۔

بھائی، حق تعالیٰ کی ارادت کی منزل ایسی اچھوتی پاک صاف منزل ہے کہ اپنی راہ میں ایک تنکا بھی دیکھنا پسند نہیں کرتی۔ اور نہیں چاہتی کہ کسی غیر چیز کا سایہ بھی اس

سرزمین پر پڑے۔ ایسی لطیف ارادت میں کسی قسم کی شرکت ہو، اس کی گنجائش کہاں۔ لیکن انسان پھر انسان ہی ہے۔ اس غریب کو ہزار قسم کے آفات و بلا کا سامنا ہوتا ہے۔ اس کی ارادت ذرا مشکل سے درست ہو سکتی ہے۔ بعض آدمی ایسے ہیں کہ ان کے دل میں صحیح ارادت پیدا ہی نہیں ہوتی۔ بعض ایسے ہیں کہ ارادت میں تو ضعف نہیں ہوتا، مگر کمزوری تو اور دیگر موانع کے باعث ہر ایک شائبہ سے ارادت کو پاک صاف نہیں کر سکتے۔ بعض آدمی ایسے ہیں کہ درستی ارادت کے بعد مراد کو دُر پا کر تھک کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور دل ہار دیتے ہیں۔ مگر سب سے زیادہ اہم امر تو یہ ہے کہ ریاء و عجب صاحب ارادت کا بچپا نہیں چھوڑتے۔ ادھر مریدی کی شان اس میں آئی اور اُس نے گردن جھکائی فوراً ہی سر اٹھا کر کہنے لگا کہ واہ رے میں۔ پھر کیا تھا، یہ تمنا بھی پیدا ہونے لگی کہ ساری دنیا مجھے غوثِ قطبِ دلی کہے اور سمجھے۔ اللہ اللہ! بھائی مرید صادق دہی ہے جس کی ارادت ہر ایک آمیزش سے پاک ہو۔ اس میں دنیا طلبی ہو نہ درجاتِ عقبی کی تمنا ہو۔ صرف اللہ کی ارادت ہو۔ اگر ذرہ برابر بھی دُور کا لگاؤ باقی ہے تو ارادت ناقص رہے گی۔ یہاں پر نہایت مناسب ایک مثال ہم پیش کرتے ہیں جس سے پوری تشفی تمھاری ہو جائے گی۔ دیکھو غلامِ مکاتب ہوتا ہے۔ یعنی اس کے مالک نے اس کو کاغذ لکھ کر دے دیا ہے کہ جس وقت تو اتنا روپیہ دیدے گا آزاد ہو جائے گا۔ اگر اس غلام نے مثلاً بیچلہ ایک ہزار روپے کے نو سو تیار کر دیے بھی ادا کر دیے اور ایک روپیہ باقی رہ گیا تو غلام ہی رہے گا آزاد نہیں ہو سکتا۔ اَلْمُكَاتِبُ عَبْدٌ دَرَانٌ بَقِيَ عَلَيْهِ دَرَاهِمٌ (اگر ایک روپیہ بھی باقی رہ گیا تو وہ ابھی تک غلام ہی ہے)۔ مسئلہ شریعت ہے۔ اور یہی رنگ ارادت کا بھی ہے۔ اب سنو طریقت میں ارادت کا دہی درجہ ہے جو درجہ نیت کا شریعت میں ہے۔ جس طرح شریعت کی عبادت بے نیت کے قدر نہیں رکھتی۔ اسی طرح طریقت میں جو حرکت بغیر ارادت کے ہوگی اُس کا کچھ وزن نہ ہوگا۔ تم اس کو جانتے ہو کہ ارادت کی کتنی قسمیں ہیں۔ ارادت کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ارادت دنیا یعنی دن رات دنیا طلبی میں آدمی مستغرق رہے۔ یہ ارادت سراپا آفت اور مرضِ مسلک ہے۔ جہاں مبتدی کے دل پر اس ارادت کا غلبہ ہوا نہ اس سے کوئی نیکی ہو سکتی ہے نہ کوئی دین کا کام ہو سکتا ہے۔ ساری عراسی دنیا طلبی میں ضایع کرے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ قیامت کے دن سعادت و راحت جادوانی سے محروم رہے گا۔ وَحَبْلُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا كَانُوا يَسْتَعْجِلُونَ۔ (اُس کے اور اُس کے مقصد کے درمیان اس کی خواہشیں حائل ہوں گی)۔ میں یہی اشارہ ہے۔ بزرگانِ دین کا مقولہ ہے کہ جس مرید کا دل ابتدا میں دنیا کی طرف رہے گا اس سے صلاح و تقویٰ کا کام نہیں ہو سکتا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ طمع و حرص دنیاوی ایک سخت مفر چیز ہے۔ یہاں تک کہ جو شخص قوتِ وقت سے زیادہ کا طالب ہے ممکن ہے کہ قیامت کے دن یہ طلب اُس کی حسرت و ندامت کا باعث ہو۔

(۲) ارادتِ آخرت۔ یعنی آدمی دنیا کو بیچ سمجھ کر درجاتِ آخرت و سعادتِ ابدی کا خواہاں ہو۔ اور یہ اس کو اس قدر مرغوب و محبوب ہو جائے کہ اس کے لیے مجاہدہ دریاخت اختیار کرے۔ اور اپنی زندگی کو اسی کی طلب میں وقف کر دے تاکہ قیامت کے دن مراد حاصل ہو۔ یہ ارادت زہاد و عباد کا حق ہے۔ اس کا نام رغبت و رُہبت ہے۔ قرآن مجید نے خبر دی ہے کہ مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ (تم میں سے جو دنیا کی نعمتیں چاہتے ہیں اور تم میں سے جو لوگ عقبیٰ کے طالب ہیں)۔ سبحان اللہ ارادتِ آخرت کا کیا کمنا وہ کہیں افضل و بہتر ہے۔ دنیا کی ارادت کو اس سے کیا نسبت، آخرت باقی، دنیا بے دنی فانی۔ ان دونوں طلب سے نتیجہ یہ نکلا کہ طامعانِ ناعاقبت اندیش مریدانِ دنیا ہیں۔ اور متقیانِ خیر طلب مریدانِ عقبیٰ ہیں۔

(۳) ارادتِ حق۔ جب دیدہ بصیرت کھل جاتا ہے اور نظرِ دُرّ بین ہو جاتی ہے تو صاف نظر آتا ہے کہ جتنی چیزیں گُن کی تحت میں ہیں مخلوق و فانی و ذلیل ہیں اور ذلیل و مخلوق کا اتنی سرزنش کے بعد چل کرنا سوائے ذلت کے اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔ حکم گُن (ہو جا) کے

شیونات کو کیا دیکھتے ہو مُکبوتِ کون (جہان کے بنانے والے) اللہ تعالیٰ کی عزت کو دیکھو اور عزت کی ارادت کا جو آسمان ہے وہاں پہنچو، تاکہ دونوں جہان میں عزت پیدا ہو۔ قرآن قدیم کیا کہہ رہا ہے بغور سنو۔ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْغَنَةَ فَلْيَتَّخِذْ الْفَيْسَ (جو شخص اپنی عزت چاہتا ہے، تو ساری عزتیں خدا ہی کے لیے ہیں)۔ آدم بر سر مطلب جو شخص مرید حق ہے وہ دنیا کو ترک کر دیتا ہے۔ اور آخرت پر قناعت نہیں کرتا۔ بلکہ سوائے مراد و مقصود کے جو کچھ اس کے آگے آتا ہے سب کو زنا رویت اپنی راہ کا سمجھتا ہے۔ جیسا کہ ایک بزرگ سے سوال کیا گیا کہ مَا الطَّاعُونَ فَقَالَ مَا شَغَلَكَ عَنِ الْحَقِّ فَهُوَ طَاعُونَكَ (یعنی جو چیز تم کو حق کی طرف سے روکے، اور اپنی طرف متوجہ کرے وہی اس راہ میں بت ہے)۔ مرید کو چاہیے کہ کمر ہمت جان جی دھو کر باندھے۔ اور مردانہ واردین کی راہ میں قدم رکھے۔ اور کسی پیر مشفق کی اقتدا کرے تاکہ وہ پیر سلوک راہ طریقت میں اس کی مدد کرتا رہے۔ اور اس کو منزل کی آفت سے خبر دیتا رہے، اس میں خوبی یہ ہے کہ مرید کی منزل کہیں پر کھوٹی نہیں ہوتی ہے۔ اور قصور و تقصیر میں مرید نہیں پڑتا ہے۔ سچ پوچھو تو مرید کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی مہم نہیں ہے کہ پیر مشفق کو یہ ڈھونڈھ کر نکالے۔ بغیر پیر کے کام نہیں چلتا۔ دیکھو کھیت میں جو خبر گیری اور محنت سے دانہ ہوتا ہے اور خدمت و نگرانی سے درخت پھل دیتا ہے وہ بات خود رو پودے میں نہیں ہوتی ادل تو خود رو درخت اکثر پھل نہیں دیتے۔ اور اگر دیتے بھی ہیں تو ویسے مفرد اور و فریدار نہیں ہوتے۔ اسی طرح جو مرید حق کا طالب ہے اور بے پیرا ہے اُس کے کل احوال قلبی اور کل معاملات دینی سب کے سب طبعی اور رسم و عادات کے درجہ میں بلاغت اور نفع اور ترقی کی امید اُن سے فضول ہے۔ ظاہر ظاہر یہ بات ہے کہ مرید شروع شروع صلاح و فساد کو اپنے کیا سمجھ سکتا ہے۔ اس کی حالت ایک بیمار سے مشابہ ہے۔ اگر بیمار نے اپنے علاج سے استغنا کیا تو سمجھ لو کہ گیا گزرا۔ بیمار کو لازم ہے کہ ایک لائق طبیب کی طرف رجوع کرے، تاکہ طبیب اس کا علاج کرے۔ ہم تو ایسا سمجھتے ہیں کہ جس طرح امت کے لیے پیغمبر کی ضرورت ہے اور طفل شیر خواہ

کے لیے دایہ تعلیم کی حاجت ہے اور بیمار کے لیے طبیب، پیاسے کے لیے پانی بھوکے کے لیے روٹی، مرید کے لیے پیرِ شفق کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر وہ پیر واصل ہو۔ سلوک کی باریکی و تاریکی منزل سے واقف ہوتا کہ مرید کو صلاح و فسادِ راہ سے آگاہ کر سکے۔ اور جیسی بیماری ہو، ویسی دوا دے سکے اور بہتر علاج کر سکے، اس راہ میں مرید کا خود سے چلنا ایسا لغو فعل ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ بے دیکھے راہ چلنا اپنے کو ہلاک کرنا ہے۔ بزرگوں نے اس غلط فہمی کو یوں دفع کیا ہے اور کہا ہے کہ صرف تصوف وغیرہ کی کتاب دیکھ کر منزل طے نہیں ہو سکتی ہے۔ ایسا قاعدہ نہیں ہا ہے۔ یہ خیال ایسا ہے جیسے مردہ شخص سے کوئی آدمی تعلیم و تربیت چاہے۔ اس کا حاصل یہی ہوگا کہ دل اور مردہ ہو جائے گا۔ نظمِ عالم یوں ہے کہ مستعلمانِ علمائے اقدار کی، امتیانِ پیغمبروں کی متابعت کریں، مریدانِ پیرانِ صادق کے ساتھ وابستہ ہو جائیں، تاکہ نجات کی صورت نکلے۔ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ طریقت میں جو شخص اپنی راہ پر قناعت کرے گا اور تنہائی کو صحبت پر ترجیح دے گا تو وہ ایک بت پرست اور مغرور ہے۔ چاہے کہ وہ دولت مند ہو یا فیر و زبخت ہو، ناممکن ہے۔ مسئلہ، اس میں شک نہیں کہ پیر کی اشد ضرورت ہے اور ہزاروں فائدے اس کی بدلتے ہوتے ہیں، مگر یہ ممکن نہیں کہ جو شخص ازلی سرکش اور مرید ہے اُس کو پیرِ مرید صادق بنادے۔ جیسا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام مہجورانِ ازلی کو مومن مخلص نہ بنا سکے۔ ہاں حق تعالیٰ نے اسلام کی دولت جس کے نصیب میں رکھی تھی وہ دولت دعوت کی متابعت میں ظاہر ہوئی۔ اسی طرح اگر تصوف اور پیرِ طریقت کی نعمت مرید کی تقدیر میں ہے تو پیر کی صحبت اور خدمت سے مل جائے گی۔ سنتِ الہی اسی طور پر جاری ہے۔ اب تو ارادت اور ارادت کی حقیقت تم خوب سمجھ گئے ہو گے۔ اس کے بعد یہ بھی سن لو کہ صادقوں کی ارادت مخلصوں کی نیت ہم تم نہیں لا سکتے۔ اور یہ کام ہمارا تمہارا نہیں ہے۔ ہے، سچ پوچھو تو ہم سے تم سے زنا و داری اور بت پرستی کا حق بھی ادا نہیں ہو سکتا۔ ہم کو تم کو کلیسا بت خانہ میں جگہ نہیں مل سکتی۔ اور کوئی بُت یا بُت کدہ ہم کو تم کو قبول نہیں کر سکتا۔ جھوٹ جھوٹ اپنے کو یکتا ہے رذکار سچا مسلمان، مومن، نیکو کار نہ کہیں تو کیا کریں۔ مخلصین اور

صادقین میں شمار نہ ہوں نہ سہی۔ مدعی اور کا ذہن میں تو گنتی ہوگی۔ شعر

گردستہ گل نیاید از ما ہم ہمیت دم دیگ را بشایم

اگر ہم پھولوں کا گل دستہ بننے کے لائق نہیں تو چولہے کا ایندھن تو بن سکتے ہیں۔
 بزرگوں کا قول ہے کہ واللہ باللہ اس درگاہ میں بھوٹ بھوٹ بھی پڑا رہنا، اس سے اچھا ہے
 کہ دوسری درگاہ میں سچائی کے ساتھ سر رکڑا کریں۔ کم سے کم دوسری بارگاہوں میں یہ ہم لگی ہوئی ہے
 کہ اگر کامیابی نہ ہوئی تو سراسر ذلت ہے۔ اور یہ دربار تو ایسا ہے کہ بہر حال حاضری سرفرازی ہے۔
 یہاں کی ذلت عین عزت ہے۔ دوسرے یہ کتببات اگرچہ شاذ و نادر ہے۔ مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا
 ہے کہ آدمی خاص دھن میں جا رہا ہے۔ ناگاہ ارادت حق محک ہو گئی۔ اور کمند طلب گردن میں
 ڈال دی گئی۔ بے سمجھے بوجھے اور بے بلائے آدمی ادھر کھنچ جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ دو ہی صورتیں
 ہیں۔ ہاں، یا نہیں، اگر خدا نخواستہ طلبی نہ ہوئی تو امیدوار رہو۔ اور اگر طلبی ہو گئی تو ڈر کی کوئی
 بات نہیں۔ دیکھو تو سہی غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے اور تقدیر کیا دکھاتی ہے۔ والسلام

آٹھواں مکتوب

دلی کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے عزیز بھائی قاضی صدر الدین، اللہ تم کو اپنے دوستوں کی محبت روزی کرے۔ ہمیں
 معلوم ہو کہ دلی فعیل کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے۔ فاعل اس کا وہ ہستی ہوگی جس سے ہمیشہ
 طاعتیں جو دیں آئیں، اور گناہ سرزد نہ ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے فعیل مفعول کے معنی میں ہو۔
 ایسی صورت میں دلی وہ ہوگا جو خداوند غرور جل کے افضال و احسان کا ہر وقت دہم دم مورد
 بنارہے۔ یعنی دلی بہر حال جملہ دینی صوبوں اور گناہ سے محفوظ رہتا ہے۔ کیونکہ گناہ کا ارتکاب
 سخت ترین معصیت ہے۔ دلی کو حق تعالیٰ ہر طرح کی ذلت و معصیت سے بچائے رکھتا ہے جس

طرح پنمیر کی یہ شان ہے کہ معصوم ہو اسی طرح دلی وہ ہو سکتا ہے جو محفوظ ہو۔ یہ بھی سمجھ لو کہ معصوم اور محفوظ میں کیا فرق ہے۔ معصوم اُسے کہتے ہیں جس سے کبھی کسی قسم کا گناہ سرزد نہ ہوا ہو۔ اور محفوظ اُسے کہتے ہیں کہ شاید و نادری بھی اُس سے گناہ ہو جائے، مگر اس گناہ پر اس کو اصرار نہ ہو۔ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ (یقیناً درگزر کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اُن لوگوں کے لیے جو اپنی جہالت اور نادانی کے سبب گناہ کرتے ہیں پھر فوراً ہی مغفرت مانگتے ہیں)۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جتنے صفات حمیدہ اور پسندیدہ خصلتیں بیان کی جاسکتی ہیں وہ اولیاء اللہ میں ہونی چاہئیں يُقَالُ اُولٰٓئِیْ مَنْ فِيْهِ هٰذِهِ الْخُصْلَةُ (دلی وہ ہے جس میں یہ خصلتیں ہوں)۔ تو معلوم ہوا کہ دلی وہی شخص ہوگا جس میں صفات حمیدہ و خصلت پسندیدہ پائی جائیں۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ دلی وہ شخص ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کی بندگی میں سُستی نہ ہو۔ اور خلق کی خدمت میں دیر نہ لگائے۔ اور نہ اس سے ہچکے۔ اس کی اطاعت و دوزخ کے دُرسے یا آخرت میں بہشت کی امید و طمع سے نہ ہو۔ اُس کی نگاہ اپنی بڑائی پر نہ پڑے اور نہ اپنے اعمال کی کچھ وقعت یا قدر و قیمت اُس کی نظر میں ہو۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے۔ سب باغی:-

آنانکہ رہ عالم توحید بدیدند بیہوش سوے عالم توحید دیدند

در نفی چو دیدند ہمہ معنی اثبات اثبات بماندند ہمہ نفی گزیدند

(جن لوگوں نے توحید کے جہان کا راستہ دیکھا، تو اس باختہ ہو کر توحید کی طرف دوڑے

اثبات کے معنی جب نفی میں اُن کو نظر آئے اثبات چھوڑ کر کلی نفی قبول کر لی)۔

مشائخ رضوان اللہ علیہم کے اس بارے میں اشارۃً اقوال ہیں۔ خواجہ عثمان مغربی رحمۃ

اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اَلْوَبٰی قَدْ یَّکُوْنُ مَشْهُوْرًا وَّلَا یَّکُوْنُ مَفْتُوْنًا۔ دلی مشہور ہوتا ہے

مفتون نہیں ہوتا۔ اور ایک دوسرے بزرگ کا قول ہے۔ اَلْوَبٰی قَدْ یَّکُوْنُ مُسْتَوْرًا وَّلَا یَّکُوْنُ

مَشْهُوْرًا۔ ولی مستور ہوتا ہے مشہور نہیں ہوتا۔ یعنی اپنی شہرت سے گریز کرتا ہے۔ اس کے یہی ہوئے

کہ جس شہرت میں فتنہ ہو اُس سے محفوظ ہو۔ اور عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی معنی کو ملحوظ رکھ کر

فرمایا ہے کہ اس کی شہرت بغیر فتنہ کے ہو۔ کیونکہ فتنہ کے اندر کذب بھی شامل ہے اور دلی اپنی ولایت میں صادق ہوتا ہے۔ اس دور میں فتنہ خود دور رہتا ہے۔ نقل ہے کہ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرید سے پوچھا تم چاہتے ہو کہ اللہ کے دلی ہو جاؤ۔ مرید نے عرض کی ہاں آپ نے فرمایا لَا تَرْغَبْ فِي شَيْءٍ مِنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَفَرِّغْ نَفْسَكَ لِلَّهِ وَأَقْبِلْ بِوَجْهِكَ عَلَيْهِ۔ دنیا اور عقبیٰ کی طرف رغبت نہ کرو۔ اور خداوند تعالیٰ کی دوستی کے لیے اپنے نفس کو جملہ علائق سے فارغ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ جس وقت یہ اوصاف تم میں موجود ہو گئے۔ تم دلی ہو گئے۔ قطعہ

بگذار تو خویش را و آن گاہ	در عالم ما بیا سفر کن
بر بند تو چشم را ز دیدن	در حضرت ما بیا نظر کن
پس جان عزیز تو بشتن را	اے خواجہ بذر ما خبر کن
وز عالم خویش ہر چہ بودت	زین پیش برو و آن بدر کن

(اپنی خودی پھوڑ دے اس کے بعد ہمارے ساتھ ہمارے عالم کا سفر کر، کسی چیز کے دیکھنے سے آنکھیں بند کرے، ہماری بارگاہ میں ہمیں کو دیکھتا رہ۔ پھر اپنی پیاری جاں قربان کر کے ہم کو خبر کر۔ اور جو کچھ تیرا اپنا جمع کیا کر آیا تھا اس سے پہلے ہی سب کچھ بھینک دے)۔ یہ وہی نے کہا اس کو تم سمجھ یا نہیں۔ سنو، خداوند تعالیٰ نے دلیوں کو اپنی دوستی اور ولایت کے لیے منتخب کر لیا ہے۔ اور وہی دلی اللہ تعالیٰ کے ملک کے والی ہیں۔ اور مقبول بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے افعال کا اظہار اس عالم میں انھیں کے ذریعے اور واسطے سے کرتا ہے۔ اور انھیں طرح طرح کی کرامتوں کے ساتھ مخصوص کر لیتا ہے۔ اور طبعی بلا و آفت سے انھیں پاک کر کے نفس کی اتباع سے آزاد کر دیتا ہے۔ ان کی ہمت کا تقاضا سوا اسے ایک مقصود کے دوسرا نہیں۔ ان کا انس اس کی ذات کے سوا دوسرے کے ساتھ نہیں۔

دلی آج سے پہلے بھی تھے اور اب بھی ہیں۔ اور قیامت تک رہیں گے۔ اس سلسلے میں

دو گروہ کو اختلاف ہے۔ ایک معتزلہ کو کہ وہ ایک مومن پر دوسرے مومن کی فضیلت اور تخصیص سے انکار کرتے ہیں۔ اور دوسرے حشوی کو یہ اگرچہ ایک مومن کی دوسرے مومن پر تخصیص جائز رکھتے ہیں، مگر یہ کہتے ہیں کہ ایسے لوگ پہلے تھے اب نہیں ہیں، اور نہ ہوں گے۔ ماضی سے اقرار مستقبل سے انکار۔ اس کا کوئی حاصل نہ ہوا۔ کیونکہ مستقبل کا انکار عین ماضی کا انکار ہے۔ آئندہ کا انکار اس گزشتہ کے اقرار کو بھی بیکار کر دیتا ہے۔

اب سنو، خداوند تعالیٰ نے بارگاہ نبوت کے دلائل کو آج بھی باقی رکھا ہے۔ اور ان دلائل کے اظہار کے لیے اولیاء کی ذات بابرکات کو سبب ٹھہرایا ہے۔ اور ان کو اس عالم کا حکمران بنایا ہے۔ آسمان سے بارش انھیں کے قدم کی برکت سے ہوتی ہے۔ انھیں کے احوال پاکیزہ کا فیض ہے کہ نباتات زمین سے اگتے ہیں۔ کفار پر فتح و نصرت مسلمانوں کو انھیں کی بدولت ہوتی ہے۔ اس منیٰ کو کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ مثنوی

قدم در نہ درین رہ، چو مردان	کہ خدمتگار دست این چرخ گردان
از ان کالے کہ جانہا جو ہر اہوت	فلک از دیر گہ خاک در ا دست
خوشا نند در رہ سر نہادہ	زبان بربیدہ و در رہ فنادہ
تو خوش خفتہ دالیشان در رہ او	ہمی بوسند خاک در گہ او

رقصان شولے قراصنہ کہ اصل اصل کانی جو یاے ہر چہ ہستی می دان کہ عین آنی
 اس راستے میں بہادر وں کی طرح قدم رکھ۔ کیونکہ آسمان تیری خدمت کیلئے تیار ہے۔
 وہ کان کہ جس سے جان کے ایسے جواہرات نکلتے ہیں بہت دلوں سے آسمان اس کے دروازے
 کی خاک ہے۔ زمین پر سر رکھ کر چپ ہیں۔ زبان کاٹ لی ہے۔ تو میٹھی نیند میں ہے۔ اور وہ لوگ
 اس راستہ کی خاک چوم رہے ہیں۔ اسے جواہرات کے ٹکڑے، مارے فوشی کے ناپو کہ اصل کھان
 کی تم پیدا دار ہو۔ جس چیز کو تم ڈھونڈ رہے ہو یقین جانو کہ وہ بالکل تمھیں ہو۔

سنو، ان ولیوں میں سے چار ہزار ولی ایسے مستور و پوشیدہ ہیں کہ آپس میں ایک دوسرے کی

قدر و منزلت کو نہیں جانتے پہچانتے۔ بلکہ اپنے احوال و جمال کی بھی خبر نہیں رکھتے۔ ان کے کل احوال اپنے اور خلق کی نگاہ سے پوشیدہ ہیں۔ احادیث میں بھی ہے۔ اور بزرگان دین نے بھی ایسے لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ ان کے علاوہ تین سو دلی اہل خدمت ہیں جو اس عالم میں صاحب حل و عقد ہیں۔ ان کا لقب اختیار ہے اور چالیس وہ ہیں جن کو ابدال کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ چار وہ ہیں جن کو اوتاد کہتے ہیں۔ اور تین وہ ہیں جن کو نقبا کہتے ہیں۔ اور دودہ ہیں جن کو نجیب کہتے ہیں۔ ان سب کے علاوہ ایک ذات وہ ہے جن کو قطب یا غوث کا لقب ہے۔ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے ہیں۔ اور دنیا کے کاروبار میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ احادیث میں ان کا ذکر ہے۔ اور اجماع اہل سنت اس پر ہے۔ یہاں پر ایک شبہ ہوتا ہے۔ اور یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب آپس میں ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے ہیں۔ اور ایک کی ولایت دوسرے پر تمام ہے تو اپنی عاقبت کی فکر سے مطمئن اور بے غم بھی ہوں گے۔ اور عقبی سے مطمئن ہو جانا تو درست نہیں۔ جواب یہ ہے کہ ولایت کا علم ہونا اطمینان و بے فکری کا مقتضی نہیں۔ کیونکہ مومن کو اپنے ایمان کا علم و یقین ہے۔ پھر بھی عقبی سے بے فکر نہیں۔ اسی طرح پر سمجھو کہ ولی کو اپنی ولایت کی اطلاع ہے۔ مگر عاقبت سے یمن نہیں ہے۔ لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ نے درستی احوال و حفظ گناہ کی وجہ سے بطور کرامت اس کو حسن خاتمت و عاقبت سے آگاہ کر دیا ہو۔ جیسا کہ عشرہ مبشرہ رضوان اللہ علیہم کو اطلاع تھی۔ اور یہ علم ان کو کچھ نقصان دہ نہ تھا یعنی ان دسوں اصحاب کے بارے میں جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی کہ یہ بھٹی ہیں، تو اس گواہی نے انہیں خوف خاتمتہ سے مطمئن کر دیا۔ باوجود اس کے یہ سب دلی تھے۔ خوف خاتمتہ سے یمن ہونا ان کا ان کے دین کو نقصان رسالہ ہوا۔ اور اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ عشرہ مبشرہ رضوان اللہ علیہم کو نجات کا علم تو صاحب شرع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد سے ہوا تھا۔ اور آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی کے پیغام معلوم ہوتا تھا۔ اب وہ سلسلہ منقطع ہو چکا۔ دوسروں کو بلا وحی کس طرح معلوم ہو سکتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ

خداوند تعالیٰ نے دلیوں کے دل میں وہ لطافت دی ہے جس کی قوت سے وہ جانتے ہیں اور یہ بات دلیوں کے سوا دوسروں کو نہیں ہو سکتی۔ اعدا کا کیا ذکر ہے۔ ان کو کہاں میسر۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دلی کو ان کے اسرار کی وجہ خوف عاقبت سے ان کو اللہ تعالیٰ مطمئن کر دے کیونکہ لطافتِ سر کی وجہ سے ان کو اس کی تمیز حاصل ہے کہ فلاں بات بطور کرامت یا عطا کے عنایت ہوئی ہے اور بالکل حق ہے۔ از قسم فریب یا مکر یا استدراج نہیں ہے۔ مکر و استدراج کے پھندے میں تو وہ پڑ سکتا ہے جس نے کرامت ہی کو اصل کار سمجھ لیا ہو۔ اور اپنے کو صاحب کرامت جانتا ہو۔ مگر صاحب ولایت کی تو یہ شان ہے جو کرامت کی طرف نگاہ بھی نہ کرے۔ اور نہ اپنے کو کبھی اہل کرامت سمجھے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے صاحب ولایت بنایا وہ کرامت کو کوئی چیز نہیں سمجھتا۔ اور نہ اپنے کو صاحب کرامت جانتا ہے۔ ہزار فرق عادت ہوا کرے۔ دلی ہونا اور کرامت پر نظر کرنا صدقین ہیں۔ دلی ہو گا تو کرامت پر نظر نہ ہو گی۔ کرامت پر نظر ہو گی تو دلی باقی نہ رہے گا۔ بزرگوں نے کرامت کو اس حقیر نگاہ سے دیکھا ہے جیسا کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ دنیا میں بت بکثرت ہیں۔ ان میں سے ایک کرامت بھی ہے۔ کفار جب تک بت کی پرستش کرتے رہیں گے دشمن خدا بنے رہیں گے۔ اولیاء اللہ بھی جب تک کرامت سے منہ نہ پھیریں گے دلی نہیں ہو سکتے۔ عارفوں کے لیے کرامت ہی بت ہے۔ عارف اگر کرامت کے ساتھ قرار پکڑے تو جمالِ خداوندی سے محجوب اور درجہ سے معزول رہے گا۔ ہاں جب کرامت سے اُس نے اعراض کیا تو بیشک مقرب و موصولِ بارگاہِ خداوندی ہوا۔

زاهدان را جنت و فردوس باید بزم گاہ عاشقان را لذت اندر قعر زندان است پس
 لطیف این را عام و خاص و نیک بد یا بندہ قرار پیش رفتن کار مردان است پس
 زاهدوں کی منزل جنت الفردوس ہے۔ اور عاشقوں کو سوائے قید خانہ کے گڈھے کے
 کہیں لذت نہیں ملتی۔ اس کی مہربانی خاص و عام اور نیک و بد سب پاتے ہیں۔ اس کے قسر کا
 مقابلہ کرنا جو انمردوں ہی کا کام ہے۔

اسی مقام کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اگر دلی کو کرامت وغیرہ کی قسم کی چیزیں عنایت کیں تو اس کے دل میں خشوع و خضوع پہلے سے کہیں زیادہ ہوتا ہے اور عجز و انکسار بھی ترقی پذیر ہوتا ہے اور خوف و ہراس بھی بے حد و حساب پایا جاتا ہے سلطان العارفین ابو یزید بسطامی قدس اللہ روحہ ایک سفر میں دریا کے کنارے پہنچے گھاٹ پر کشتی نہ تھی۔ یہ دیکھ کر دل میں خیال ہوا کہ بغیر کشتی کے کس طرح اس پار جاؤں۔ فوراً پانی دو حصہ ہو گیا۔ اور راہ نمودار ہو گئی۔ آپ چیننے لگے اَلْمُكْرُو الْمُكْرُو اور واپس چلے آئے۔ سبحان اللہ کرامت سے کیا بیزاری تھی۔ سنو اس میں ایک رمز ہے۔ وہ یہ کہ ولایت اُسی وقت صحیح و درست ہوگی جب دوست جانی اور صیب قلبی کے سوا سب سے اعراض اور سب کا ترک ہوگا۔ کیونکہ ترک اور اخذ ایک دوسرے کا ضد ہے۔ اور اقبال و اعراض ایک دوسرے کا مخالف۔ جس نے کرامت کو ایک چیز سمجھ کر قبول کیا اور اس طرف مشغول ہوا مکرم (اللہ تعالیٰ) سے روگردانی کی۔ اور مقصود کے سوا دوسری طرف رخ کیا۔ لَا دِلَالَةَ مَعَ الْإِعْزَاضِ۔ روگردانی کرنے والے کو ہرگز درجہ ولایت نہیں مل سکتا۔ اے میرے عزیز بھائی، غالباً ہم نے جو کچھ کہا۔ تم نے گوش دل سے سنا ہوگا۔ ممکن ہے صحت و حقیقت معاملات پر نظر کر کے کچھ تشویش پیدا ہو گئی ہو۔ اور تم سوچتے ہو کہ ہائے کیا ہوگا۔ نہیں نہیں، ہرگز نہیں۔ اس بارگاہ میں تو مبتدی کی مطلق گنجائش نہیں۔ ہنوز آں ابر رحمت درخشان است۔ کیا تمہاری نظر اس آئیہ کریمہ پر نہیں ہے۔ ادا دیکھو، ساری بگڑی تمہاری بن گئی۔ کل بُرائیاں تمہاری نیکی ہو گئیں۔ سبحانہ اللہ حکم ہوتا ہے۔ قُلْ يُعْبَادِي الَّذِينَ اسْتَوْفُوا عَلَيَّ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ۔ (کہو، اے ہمارے وہ بندے جنہوں نے اپنے نفس پر اسراف کیا اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں)۔ ذرا دیکھو ہمارے رسول مقبول صیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ شانِ دل رُبابی کیا کہا جا رہا ہے! یہ ارشاد ہوتا ہے کہ آپ ہماری صفت اس عنایت پر محو ہو رہے ہیں کہ ہم نے اس شان کی نبوت اور اس مرتبہ کی رسالت آپ کو عطا کی ہے۔ اُجی صفت یہی نہیں ہے۔ آپ تو آپ ہی ہیں۔ آپ کے

علاموں کو بھی ہم نے خاک سے پاک کر دیا ہے۔ اور آپ کے کرم سے دھو دیا ہے۔ لیجئے اس دلی مبارک کے نمے لے کر ذرا ہمارے راز و نیاز سے ان آلودگانِ معاصی کو بھی آگاہ کر دیجئے تاکہ دل میں ان کی توبہ ایمان باقی رہے۔ اور شرمساری گناہ ہمارے در سے ان کو بھگا کر نہ لے جائے۔ بلکہ امید داری کی دوری کو یہ خوب مضمون سے پکڑے رہیں۔ بیشک ہم ان کے سب قصور معاف کرنے کو تیار ہیں۔ اگر آپ اپنی زبان معجز بیان سے یہ فرمادیں کہ اے اللہ تو ان کو بخش دے یعنی قَاعَفْتُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرُ لَهُمْ (پس ان کو معاف فرما اور ان کی توبہ قبول کر) کیونکہ ہزار سب کچھ سہی، مگر جب تک آپ چاہیں گے کہ ان کا قصور معاف ہو جائے جب تک آپ کی خواہش نہ ہوگی کہ یہ بخش دیے جائیں اس وقت تک ہم کہاں کچھ کرنے والے ہیں۔ جہاں آپ کی توجہ ان کی جانب ہو گئی پھر دیکھیے ہم کیا سے کیا کرتے ہیں۔ ہمارے دریائے رحمت کی موجیں ان کے گناہ کی آلودگی اور مہنیا کی پلیدی کو کس کس طرح دھو دیتی ہیں۔ اور ہمارے دل و صفائی نظر ان کو حاصل ہوتی ہے کہ ہمارا جمال باکمال یہ دیکھیں گے۔ اور ذرا ان کی نظر نہ جھپکے گی۔ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا۔ (بیشک اللہ سب گناہوں کو معاف کر دیتا ہے)۔ کی یہ شان ہے۔ اور مغفرت اس کا نام ہے کسی سوختہ جان نے کیا اب کہا ہے برائی

گر تو بختِ عشق در بند شوی دردِ گزری ز عشق خورِ سد شوی
پاکیزہ شود وجودت از لوثِ گناہ تا فابل اسرارِ خداوند شوی

اگر تو عشق کے حال میں پھنس جائے اور حرص و طمع سے الگ ہو جائے تو خوش رہے گا۔ تیری ذات گناہ کی آلائشوں سے پاک و صاف ہو جائے گی، یہاں تک کہ تو اسرارِ خداوندی سمجھنے کے قابل ہو جائے گا۔

لَقِيْنِ

سبحان اللہ! یہ فقرہ بھی داؤد علیہ السلام کی زبور میں آیا ہے۔ يٰۤاَدُوْدُ اَنْذِرِ الصّٰلِحِيْنَ فَاِنِّيْ غٰلِيْمٌ وَّلَيِّرٍ اَلْمُذْنِبِيْنَ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ۔ (اے داؤد صدیقوں کو تنبیہ کر دو کہ ہم بُری غیرت والے ہیں۔ اور گنہگاروں کو خوش خبری سنا دو کہ ہم گناہ بخشنے والے ہیں) تو میدی کی تمام آبادیوں کو جلا کر خاک سیاہ کرتا ہے۔ اور یاس و قنوط کے درخت کو ساحتِ وجود سے

اُکھاڑ پھینکتا ہے۔ واہ وا! لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ (اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو) کارا زاس سے کیا خوب منکشف ہوتا ہے۔ والسلام۔

نواں مکتوب

ولایت کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے بھائی صدر الدین اللہ تم کو اپنی دوستی کا شرف بخشے۔ تمہیں معلوم ہو کہ ولایت عام ایمان کو کہتے ہیں۔ جو شخص ایمان لایا وہ اولیاء اللہ سے ہوا۔ لیکن یہ ولایت عام ہے۔ ممکن ہے کہ اوامر کو ترک کرے اور نواہی کا مرتکب ہو۔ دوسرا درجہ وہ ہے کہ اوامر بجالائے اور نواہی سے پرہیز کرے۔ ایسا شخص بھی خدا کے ولیوں میں تو ضرور ہے۔ مگر اس عام ولی مومن کے اعتبار سے اس کو خصوصیت ہے۔ تیسرا درجہ خاص الخاص کا ہے۔ یعنی ولی مومن اوامر کی تعمیل کرے، نواہی سے دُور رہے۔ اس کے علاوہ اپنی جملہ مراد سے منہ پھیر لے۔ اس کی نگاہ اس پر نہ ہو کہ ہم کیا کریں۔ بلکہ وہ اس تاک میں رہے کہ دوست کیا چاہتا ہے۔ دوست کی مراد کو سب بات پر مقدم رکھے۔ اپنی خواہش بھی کوئی خواہش ہے۔ اپنی مراد بھی کوئی مراد ہے۔ یہ تو ہر شرک ہے۔ کیونکہ ہوا و حوص کی متابعت کفر کی جڑ ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہے اَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ۔ دیکھا تم نے دیکھا جنہوں نے اپنی خواہش کو خدا بنا رکھا ہے۔ اب یہاں پر ذرا تم شرک کو بھی سمجھ لو، تاکہ غلطی میں نہ پڑ جاؤ۔ سُن لو! اس گروہ (مشائخ کرام) کے نزدیک شرک کی دو قسمیں ہیں۔ ایک شرک جلی۔ اس کی تعریف یہ ہے کہ سوا خدا کے کوئی دوسرا معبود سمجھا جائے۔ خدا بجائے، یہ شرک اصل ایمان ہی کا دشمن ہے۔ نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْهَا (اس اللہ کی پناہ)۔ دوسرا شرک خفی وہ ہے کہ اپنی حاجت کے وقت اپنے دل میں سوا خداوند تعالیٰ کے کسی دوسرے کو اپنی حاجات کا مکتفی سمجھنا۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ خداوند تعالیٰ کے سوا دوسرے

کے وجود پر نظر کرنا بھی عارفوں کے نزدیک شرک ہے۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ اپنے احوال کو اپنی طر نسبت کرنا اور اپنے کام میں حیلہ اور تدبیر اختیار کرنا بھی شرک خفی ہے۔ یہ شرک کمال تو حید کا منافی تو ضرور ہے۔ مگر اصل تو حید کا منافی نہیں۔ رباعی۔

در قلم دھت تو چون افتادم از پیچ کسے ہی نیاید یادم

از آدمی و فرشتہ ہا در وحدت من بندہ نظر چومی کنم آزادم

دیری تو حید کے دریا میں جب میں اُترا تو سب کو بھول گیا۔ وحدت کے مقام میں فرشتے

اور آدمی پر نظر کرنے سے میں آزاد ہوں۔

سنو، ایک معروف و مشہور بات ہے کہ سرداروں کے یہاں بہت قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ خاص ہیں کچھ عام۔ ایک گروہ کے متعلق حکم رقم کا جاری کرنا ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ ایک گروہ ان سے اور خاص مرتبہ پر ہوتے ہیں، جو زیادہ اختیارات رکھتے ہیں۔ مگر دائرہ اس کا محدود ہوتا ہے۔ ایک گروہ خاص کے درجہ میں ہیں۔ ایک گروہ اس سے بھی زیادہ خاص ہیں جو ندیم ہیں۔ اور ایک گروہ ان سے بھی خاص مرتبہ پر فائز ہیں جن سے راز دنیا کی باتیں ہوتی ہیں۔ ایک گروہ ان سے بھی خاص ہوتے ہیں۔ جو ایسے دوست ہیں کہ ایک مفرد دوست کا درجہ ہے اپنے سردار دوست کے ملک و ملک میں اس طرح تصرف کرتے ہیں جیسا کہ وہ خود اپنی ملک میں تصرف کرتا ہے۔ دوست کی ملک کو بالکل اپنی ملک جان کر اس میں تصرف کرتے ہیں۔ یہ بات اسی وقت صحیح طور پر پیدا ہوتی ہے اور ایک دوست کی اطاک میں دوسرے دوست کو تصرف کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے کہ جاد بے جا کام کرنے پر ایک دوست دوسرے دوست کو کسی قسم کا الزام نہ دے۔ چنانچہ شریعت میں بھی اس کی مثال موجود ہے۔ دیکھو باپ کی شفقت و عنایت اپنی اولاد پر بغایت ہوتی ہے۔ اور سچی محبت ہوتی ہے اس لیے اگر باپ کم سنی میں اپنے لڑکے کا عقد کر دیتا ہے تو بعد بلوغ وہ لڑکا اس عقد سے انکار نہیں کر سکتا بزرگوں نے فرمایا ہے کہ امر و اذن میں فرق ہے۔ عام اولیا کو امر ہوتا ہے اور خاص کو اذن دیا جاتا ہے جیسا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حلتِ اشیاء میں ماذون تھے جس وقت ایک اعرابی نے

رمضان شریف کا روزہ افطار کر دیا تھا تو اس کا فدیہ حسبِ لیاقت اس کے طلب کیا گیا۔ اُس نے معذوری ظاہر کی تو آپ نے خود سامان فرما دیا۔ اور فقر کو دینا چاہا۔ اُس نے عرض کی یا رسول اللہ تم خود ہی سخت حاجت مند ہیں! آپ نے فرمایا تَاْكُلُهُ وَاَطْعِمُ عِيَالَكَ (تو خود کھا اور اپنے بال بچوں کو کھلا دے۔ اور پھر آپ نے فرمایا يَجْزِي لَكَ وَلَا يَجْزِي أَحَدًا بَعْدَكَ۔ (تیرے لیے جائز ہے اور تیرے بعد کسی کے لیے جائز نہیں)۔ اس بات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے رفعِ شریعت فرمایا۔ لیکن تصحیحِ شریعت کے لیے عوام کو امرِ دینی کی حدود میں بھی رکھا۔ تَاْكُلُهُ وَاَطْعِمُ عِيَالَكَ۔ یہ حکم آپ نے کیوں دیا! اس لیے تاکہ اپنی اس دوستی اور خصوصیت کو خلقِ اللہ پر ظاہر کر دیں۔ اور ان لوگوں کو دکھادیں کہ ہم ان اخواص میں ہیں کہ دوست کے ملکِ ملک میں جو چاہتے ہیں تصرف کرتے ہیں۔ سب کا سب ہمارا فعل جائز و درست ہی ہوتا ہے۔ خواجہ سنائی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

دریغا جو ہر ت در تنگ مردہ بزنگار طبیعت زنگ خوردہ

ازان بر ملکِ غلثیت نیست فرماں کہ دیوت بہت بر جائے سلیمان

اگر حاصل کنی آن انگشتری باز بفرمان آیدت دیو دہری باز

تو شاہی ہم در آخر ہم در اول دے در پردہ پنداری اول

دو می بینی یکے را د دو را صد چہ یک چہ دو چہ صد جملہ توئی خود

دافسوس تیرا کمال بے قدر رہا۔ طبیعت کی آلائشوں سے زنگ لگ گیا۔ اس لیے اپنی ملک پر تیرا حکم نہیں چلتا ہے۔ کیونکہ تیرا دیو حضرت سلیمان کی جگہ پر قابض ہو گیا ہے۔ اگر پھر وہی انگلی تیرے حاصل ہو جائے تو جن اور پری تیرے تابع ہو جائیں۔ تو بادشاہ ہے اول بھی آخر بھی۔ لیکن پردے میں تو اپنے کو اول سمجھنے لگا ہے۔ "اول جو ہر چیز کو دود دیکھے" تو ایک کو دود، دو کو ستود دیکھتا ہے ایک، دو، سو کیا سب تو ہی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ کل نبی نبوت میں برابر ہیں۔ مگر بعض کو بعض پر فضیلت بھی ہے۔ اسی طرح کل مومن ایمان کے حکم میں برابر ہیں۔ مگر بعض کو بعض پر فضل ہے۔ ایک جماعت عام کے ذبح میں

ایک گروہ مقام خصوصیت پر فائز ہے۔ اگر کوئی اس کا انکار کرتا ہے تو مشاہدہ کا انکار کرتا ہے۔ اس کو یوں سمجھو کہ دنیا دی بادشاہ کے یہاں بہت سے ملازم ہیں۔ اور سب ہی نمک خوار ہیں۔ ایک چار کشت ہے، ایک فراش ہے۔ ایک دربان ہے۔ ایک حاجب ہے۔ ایک خزانچی ہے۔ ایک آبدار ہے۔ ایک شہر کا محافظ و نگراں ہے۔ ایک وزیر ہے۔ ایک کو ایسی خصوصیت ہے اور اس مرتبہ پر فائز ہے کہ بادشاہ نے اپنی مہر تک اُس کے حوالے کر دی ہے، تاکہ اس کا حکم عین بادشاہ کا حکم اُس کی منادی عین بادشاہ کی منادی سمجھی جائے اور لوگ جان لیں کہ بیشک یہ بادشاہ کا نائب اور قائم مقام ہے۔ یہ بات جو میں نے کہی ایسی ہے کہ کسی عاقل پر پوشیدہ نہیں ہے۔ اسی طرح جتنے مومن ہیں اپنے اصل ایمان کے لحاظ سے برابر ہیں۔ مگر بہ اعتبار درجات و مراتب کے ایک کو ایک پر فضل ہے۔ جیسا اوپر بیان ہوا۔ ہر ایک مومن اپنے نیچے درجے والے سے اعلیٰ ہے اور اپنے بلند و عالی مرتبہ والے سے ادنیٰ ہے۔ یہ مقام ولایت اور مرتبہ ولایت دلیوں پر اس وقت منکشف ہوتا ہے جب مخصوص و مقبول بارگاہِ خداوندی ہو جاتے ہیں۔ اور اس مقام ولایت پر اُس وقت پہنچتے ہیں جب ظاہر و باطن اُن کا حق کے لیے یکساں ہو جاتا ہے۔ حق کے خلاف نہ کرتے ہیں اور نہ کچھ سوچتے ہیں۔ اور اپنی خودی سے علیحدہ رہتے ہیں۔ اور مخدوم کے نظارہ میں ایسے محور ہتے ہیں کہ اپنی خدمت کو بھول جاتے ہیں۔ اگر دونوں جہان کی نعمت انھیں دی جائے تو دوست پر نثار کر دیں۔ اور لطفِ دوست کے مشاہدہ میں ایسے مشغول رہتے ہیں کہ کسی سے کچھ امید نہیں رکھتے۔ اور دوست کی ہیبت ان پر ایسی طاری رہتی ہے کہ دوسرے کا خوف دہرا اُن کو نہیں ہوتا۔ اور دوست کے ساتھ ایسا انس رکھتے ہیں کہ سب سے متوحش رہتے ہیں۔ اور دوست کے ذکر کے ساتھ ان کو ایسی دلچسپی رہتی ہے کہ کوئی دوسرا اُن کو یاد نہیں آتا۔ یہ جمیع وجوہ ظاہر و باطن دوست کے ساتھ اُن کو ایسا استغراق رہتا ہے کہ ان کو کسی کا احساس نہیں ہوتا۔ کسی سوختہ جان نے اسی معنی کی طرت اشارہ کیا ہے۔ رباعی

اندر گزری ز خویش و محبوب شوی

ز ہمار در دہماں کہ محبوب شوی

در عشق اگر ز وصف مسلوب شوی

وصفت عرض ست در زمانیت شود

اگر تو عشق میں (اپنی) صفات سے چھوٹ جائے تو تیری خودی باقی نہ رہے اور تو خود ہی محبوب بن جائے۔ تیری صفات عارضی ہیں کسی نہ کسی وقت معدوم ہو جائیں گی۔ ہرگز ہرگز اس میں الجھانہ رہ ورنہ محبوب ہو جائے گا۔

جس میں یہ بات پیدا ہو جائے کہ مراد و اختیار کو اور اپنے کل معانی اور صفات کو فنا کر دے اور دوست کی صفت و مراد کے ساتھ وابستہ ہو جائے تو جو چاہے گا پالے گا۔ یہ بات اس میں اس سبب سے پیدا نہ ہوگی کہ دوست کے سوا اس کی ارادت ہوئی۔ بلکہ یہ بات اس میں اس وجہ سے ہوگی کہ دوست نے اپنی ارادت کو اس میں ظاہر کیا۔ تو جو کچھ اس سے ظاہر ہوا وہ دوست کی ارادت ہے، کچھ اس کی ارادت نہیں۔ اگرچہ لوگ تو یہ جانیں گے کہ جو اس نے چاہا وہی ہوا۔ مگر وہ خوب جانتا ہے کہ جو دوست نے چاہا وہ ہوا۔ باین وجہ اولیا، مخصوص و برگزیدہ حق ہوتے ہیں۔ منکر اس کو کہاں سننے والے ہیں۔ کہیں گے گمراہی کی باتیں ہیں۔ مثنوی۔

کسے کو علم لوت و لات داند بلا شک این سخن طامات داند
ز چشم کو رہینائی نیاید کہ از خفاش حشر بانی نیاید

(جو شخص لوت اور لات کے خیال میں پڑا ہوا ہے "لوت و لات بتوں کے نام ہیں" بیشک ان باتوں کو فریب اور بھوٹ سمجھے گا۔ اندھی آنکھ روشن نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ چمکا ڈر جس کو آفتاب پر نظر کرنے کی قدرت نہیں وہ گرگٹ کیونکر بن سکتا ہے۔ کیونکہ گرگٹ ہمیشہ آفتاب ہی کو دیکھتا رہتا ہے)۔ خیر اس مقام پر جب پہنچ جاتے ہیں تو انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم دلیوں میں سے ہیں بقول مشہور۔ یعنی اگر ولایت کے لیے بے مرادی شرط ہے تو اپنے کو یہ بے مراد جانتے ہیں۔ اور اگر بے اختیار شرط ہے تو اپنی ذات کو بے اختیار دیکھتے ہیں۔ کل مراد دوست سے پاتے ہیں۔ اپنی مراد کچھ نہیں رکھتے چنانچہ سلطان الانبیا و اولیا، صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ بھی یہی ہے وَ لَوْ اَقْسَمَ عَلٰی اللّٰهِ لَا بَرَّاهُ و لَوْ دَلِّلَ اس بات کی ہے کہ اولیا، قسم نہیں کھاتے۔ اور لَا بَرَّاهُ سے صاف ظاہر ہے کہ اگر قسم کھائیں گے تو ضرور پائیں گے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر فرمادیا کہ اولیا، جو کچھ

چاہیں گے پائیں گے، مگر خود سے نہیں چاہیں گے۔ کسی عارف نے اسی معنی کی طرف کیا خوب اشارہ کیا ہے۔ سراجی

عاشق جو بدورسید بیاک شود کوئین بہ نزد ہمتش خاک شود
دانگاہ بہر دو عالم از محبوبش بے واسطہ خطاب لولاک شود
(جب عاشق وہاں تک پہنچ گیا، نڈر بن گیا۔ اُس کی ہمت کے سامنے دونوں جہاں
خاک کے برابر ہو گئے۔ اُس وقت دونوں جہان میں اُس کے محبوب کی طرف سے بغیر کسی
واسطہ کے کُل لاک کا خطاب عطا کیا جاتا ہے۔)

دلیوں نے خود بینی سے اپنے کو بچائے رکھا ہے۔ وَ يَكُونُ مَحْفُوظًا عَنِ النَّظَرِ إِلَى
نَفْسِهِ فَلَا يُدْخِلُهُ عُجْبٌ۔ ولی ہمیشہ خود بینی سے محفوظ رہتا ہے تاکہ عُجب پیدا نہ ہو یا وجود
کہ وہ اس مقام پر پہنچتا ہے خود بین نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ اس مقام پر اپنی ہیچ اور خود فراموشی
کی وجہ سے پہنچتا ہے۔ اگر اُس نے اپنے کو دیکھا سبب نہیں رہا۔ پایا ہوا بھی کم ہو گیا۔ کسی سالک نے
کیا خوب کہا ہے۔ مثنوی

تا ترا یا تو بود در ذات است کعبہ با طاعت خرابات است
چون ز ذات تو بود تو دور است بتکہ از تو بیت معمور است
(جب تک تیرے وجود میں ہستی کا لگاؤ ہے تو کعبہ تیری بندگی سے شراب خانہ بن
جائے گا۔ جب تیری ذات سے تیری ہستی کھو گئی تو بیت خانہ تجھ سے کعبہ بن جائے گا۔
وَ يَكُونُ مَسْلُوبًا مِنَ الْخَلْقِ۔ اور دلیوں کو اللہ تعالیٰ نے خلق سے بے سرو کار رکھا
ہے۔ یعنی خلق کی طرف نہیں دیکھیں، تاکہ شہرت سے بچے رہیں۔ فَلَا يَفْتَنُونَهُمْ اور فتنہ
میں نہ پڑ جائیں۔ یعنی خلق کے نظارہ میں پڑ کر کہیں گر نہ پڑیں۔ دین کی تباہ و برباد کرنے والی
دو چیزیں ہیں۔ نگوہش و ستالیش، یعنی ملامت و تعریف۔ ملامت سے آدمی کو رنج ہوتا ہے
تعریف سے خوش ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص عابد ہے تو لازم ہے کہ معبود کے سوا ادا و نذر

نہ دیکھے۔ اگر اُس نے اپنے کو بڑا سمجھا، عجیب سے کام لیا۔ نفس پرست ٹھہرا۔ خدا پرست نہ ہوگا۔ اور اگر خلق کی مدح و ذم کی فکر میں رہا تو ریا پیدا ہوئی۔ خلق پر نظر ہوگی۔ خلق پرست ثابت ہوگا۔ نفس پرست اور خلق پرست حق سے جزا کی طمع رکھے بالکل محال ہے۔ وَیَكُونُ لِحَفُوظًا عَنْ آفَاتِ الْبَشَرِیَّةِ۔ وَإِنْ كَانَ طَبِيعُ الْبَشَرِیَّةِ قَائِمًا مَعَهُ بِاقْتِیَافِیَّةٍ۔
 دلی آفات بشریت سے محفوظ ہوتا ہے۔ ہر چیز کہ بشریت اس کی طبیعت میں موجود ہے۔ یعنی ناپسندیدہ

چیزوں سے اُس کا باز رہنا یا محفوظ ہونا، اس دھبہ سے نہیں ہے کہ اس میں کچھ خواہش ہی نہیں رہی اگر ایسا ہوتا تو ناپسندیدہ اور ناشایستہ حرکات سے باز رہنا کوئی محمود فعل نہیں ہوتا۔ کیونکہ ناشایستہ حرکات کی خواہش ہی سرے سے غائب ہونا یا عاجز رہنا یا آلہ گناہ کا نہ ہونا ایسی صورت میں مجبور کہا جائے گا۔ محمود و مشکور نہیں ہو سکتا۔ اور اُس کے نیک عمل کی جزا نہ ہوگی۔

آدمی کو طاعت میں ثواب اور معصیت میں عذاب کا سبب یہی ہے کہ دونوں آلے اور قوت اس کے پاس موجود ہیں۔ برخلاف فرشتوں کے کہ وہ آلہ معصیت نہیں رکھتے۔ اس لیے ترک گناہ اور بجا آوری طاعت سے یہ مشابہ و ماہور نہ ہوں گے۔ جو جو چیزیں از قسم حفظ نفس مطبوع ہیں، وہ اولیا کو بھی اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن عام کی پسند اور ان کی پسند سے یہی فرق ہے کہ عوام اپنی پسند کو فرمان حق پر مقدم رکھتے ہیں اور یہ لوگ حق کی مراد کو اپنی مراد پر مقدم رکھتے ہیں۔

اے بھائی اس حدیث کے درد و حسرت اور فوت سے خالی نہ ہو اور نا امید نہ ہو کہ عدل و فضل اس کی دو صفتیں چونکہ وہ عادل ہے اپنے احکام پر اُس کی نظر ہے۔ اور چونکہ وہ مفضل ہے ہمارے عجز پر نگاہ کرم ہے۔ جب نظر عدل کی اپنے حکم پر کرتا ہے پہلے پچھلے مخلوقات کے کام تمام ہو جاتے ہیں۔ اور جب اپنے فضل کی نگاہ ہمارے عجز پر ڈالتا ہے۔ ہماری بگڑی بن جاتی ہے کل گناہ حسنات بن جاتے ہیں۔ سارے عیب ہنر ہو جاتے ہیں۔ نومیذی کی کیا جگہ ہے۔

کسی بے چارے نے کیا خوب کہا ہے

نومیذ مشود لا تو امر در از انکہ فردا نظرش بہ حکم خود خواہد بود

(اے دل آج ناامید نہ ہو۔ کیونکہ کل اُس کی نظر اپنے حکم پر ہوگی) سالک ہمدم خواجہ ابراہیم ادہمؒ ایک روز کعبہ معظمہ کا طواف کر رہے تھے۔ عرض کی اَللّٰهُمَّ اَعْصِمْنِیْ مِنَ الذُّنُوْبِ۔ خداوند معصیت و گناہ سے مجھے بچا دے رکھ۔ ندا آئی کہ جو توجاہتا ہے سب یہی چاہتے ہیں۔ اگر میں دستارِ عصمت سے سب کو سرفراز کر دوں تو یہ مغفرت و رحمت کے زر و جواہر کس پر بچھا کر دوں گا۔ اگر گناہ کی آلودگی نہ ہوگی تو صابنِ رحمت سے کسے دھو دھا کر پاک و صاف کر دوں گا۔ اگر گناہ نگار نہ ہوں گے تو میرا لطف قبولِ توبہ کے اسرار کس سے کہے گا۔ کسی اُمیدوار نے خوب کہا ہے۔ سب باغی۔

عاصی شکستہ گرچہ مبیاک بود از بہرچہ در رہ تو غمناک بود

شویندہ چو فضلِ ستِ الواثِ را آلودہ بہ تحقیق بہ از پاک بود

(اگرچہ گناہ نگار بے شرم ہوتا ہے۔ تیرے رہتے کیوں غمگین رہے گا۔ جب تیری بخشش گناہ کے میل کھیل کو دھو ڈالتی ہے تو نا پاک لوگ پاک لوگوں سے کہیں بہتر ہیں۔)

اے بھائی جو اپنے ابراہیمؒ و احسان سے ہمارے ہمارے گناہ کی آلودگی اور منہا ہی کی نجاست کو پاک و صاف کرتا ہے، کل کے دن اولیاء و انبیاء کے حضور اور خلقِ ادین اور آخرین کے سامنے کیا ہماری تمھاری فضیلت و رسوائی جائز رکھے گا۔ کسی سوختہ جان نے خوب کہا ہے۔ سب باغی۔

عاشق بگنہ گرچہ گرفتار بود یا شفیقہ پُر بادہ خمتار بود

از غفلتِ بسیار چرا دارِ دباک معشوق چو پردہ پوش دستار بود

(عاشق اگرچہ گناہوں میں گرفتار ہے یا شراب کی بھٹی میں مست پڑا ہے۔ اس غفلت کی اس کو پردا نہیں۔ کیونکہ تجھ جیسا معشوق اس کے عیبوں پر پردہ ڈالنے والا موجود ہے۔)

والسلام۔

دسواں مکتوب

کرامت کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے میرے عزیز بھائی شمس الدین اللہ تعالیٰ تم کو اپنے اولیاء کے کرامات کی بزرگی بخشے
 تمہیں معلوم ہو کہ اہل سنت والجماعت کے فقہائے امت اور اہل معرفت کا اجماع ہے کہ کرامت
 کا صدور اولیاء اللہ سے جائز ہے، اگرچہ وہ حد معجزات تک کیوں نہ پہنچ جائے۔ اس مسئلہ میں
 معتزلہ کو اختلاف ہے۔ وہ کرامت کے قائل نہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ عام مسلمانوں کے ساتھ
 جن جن عنایتوں کا طور ممکن ہے مسلمانانِ کامل کے ساتھ بھی اس قسم کی باتوں کا طور ہو سکتا ہے
 مثلاً دعا کا قبول ہونا، یا کسی جنگل میں پیاس کے وقت چشمہ آب کا نمودار ہونا یا گر سنگی کی حالت
 میں کسی کا رحم کھا کر مہمان بنالینا۔ اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ آدمی جب ایمان لایا تو محلِ عداوت سے
 مقامِ ولایت پر پہنچ گیا۔ اگر ولایت کا تقاضا یہ ہے کہ خواہ مخواہ کرامت صادر ہو، جیسا کہ تم
 کہتے ہو، تو لازم تھا کہ کرامت میں بھی سب کے سب یکساں ہوتے۔ اس لیے کہ معنی ولایت میں سب
 برابر ہیں۔ اس کا جواب اہل حق نے اس طرح دیا ہے کہ ایک درجہ کی ولایت صرف ایمان لانے
 سے ہوتی ہے یہ عام ہے اس میں عامی اور مطیع اور نبی وغیرہ سب یکساں اور برابر ہیں لیکن
 ولایت خاص دوسری چیز ہے۔ وہ کمالِ ایمان کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے جب ولایت
 خاص ہوگی تو کرامت بھی خاص ہوگی، جیسا کہ بادشاہ کے ہاں سپاہ ہوتے ہیں اور چند قسم
 کے ملازم ہوتے ہیں: کمیتیت خدام ہونے کے سب برابر ہوتے ہیں۔ مگر وزیر و حاجب ہزاروں
 کراتیں ایسی ہوتی ہیں کہ دربان اور فراش کو نصیب نہیں۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ حق تعالیٰ نے
 جب چاہا کہ پیغامبروں کی پیغمبری کو ظاہر کریں تو انہیں معجزہ عطا فرمایا۔ ایسی صورت میں معجزے کے

قسم کی بات پیغامبر کے سوا دوسروں کے لیے کیونکر جائز رکھے گا۔ کیونکہ ایک ایسا اشتباہ پیدا ہوگا جس سے نبوت و ولایت کا فرق باقی نہ رہے گا۔ اور یہ شق بھی لازم آئے گی کہ پیغامبر اپنی پیروی کی وجہ سے نہ پہچانا جاسکے۔ بزرگوں نے اس کا جواب بھی یہ دیا ہے کہ دلی صادق وہی کتا اور وہی چاہتا ہے جو نبی چاہتا ہے۔ اور دلی صادق اس کا بھی اقرار کرتا ہے کہ جو کچھ میں نے پایا وہ نبی کی تصدیق سے پایا ہے۔ اور یہ بھی کہتا ہے کہ میں پیغامبر نہیں ہوں۔ پس دلی سے کرامت کا صادر ہونا نبی کے دعوے کی سچائی کے لیے ایک تائید ہے۔ (المحدث) وہ شبہ اس جواب سے دور ہو گیا۔ اور دوسری طرح پر اس کو یوں سمجھو کہ اگر دوسری دعویٰ میں اختلاف رکھتے ہوں تو ایک کی دلیل دوسرے کے لیے ہرگز کافی نہیں ہو سکتی۔ اور اگر دوسری ایسے ہیں کہ ایک ہی معنی کا دعوے کریں اور ایک دوسرے کی تصدیق کرے تو جو دلیل ایک کے لیے قائم ہوگی وہی دوسرے کے حق میں بھی دلیل ہو جائے گی جیسا کہ دراشت کے مسئلہ میں حکم ہے جس دلیل سے ایک وارث کو ترکہ ملے گا سب وارثوں کے لیے وہی دلیل کافی ہوگی۔ دوسری دلیل کی حاجت نہیں۔ کیونکہ عصیت اور استحقاق میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ اتفاق ہے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ جب دلی کو از قسم خرق عادت ایسی کرامت ملی جو معجزے کی حد تک پہنچ جائے تو ممکن ہے کہ دلی صاحب کرامت نبوت کا بھی دعوے کرے۔ جواباً میں یہ کہتا ہوں کہ یہ محال ہے۔ اس لیے کہ شرط ولایت صادق القول ہونا ہے۔ اور دعویٰ نبوت اصلیت کے خلاف سراسر کذب ہے۔ اور یہ مسلم ہے کہ کاذب دلی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ بقول تمہارے معجزہ ناقض عادت کا نام ہے اور صداقت پیغامبر کی دلیل ہے تو اس قسم کی بات پیغامبر کے سوا دوسروں کو کس طرح ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جب یہ بات عام ہو جائے گی تو کوئی حجت و دلیل صداقت کی نہ رہے گی۔ جواباً میں یہ کہتا ہوں کہ جو شبہ تمہیں ہوا ہے یہ بالکل بے اصل ہے کیونکہ معجزہ ناقض عادت کا نام ہے۔ اور کرامت بھی دوسرے پر دے میں وہی شے ہے تو درحقیقت دلی کی کرامت بھی عین

معجزہ نبی ہے۔ کیونکہ کرامت وہی دلیل پیش کرتی ہے، جو نبی کے معجزے نے دکھائی تھی۔ جب نبی کی شریعت باقی ہے تو لازم ہے کہ اس کی حجت و دلیل بھی باقی رہے۔ پس رسول کے صدق رسالت پر اولیاء اللہ قیامت تک گواہ رہیں گے۔ اور اگر تم یہ سوال کرتے ہو کہ کرامت اور معجزہ میں کیا فرق ہے تو سنو معجزے کے لیے اظہار شرط اور کرامت کے لیے استتار شرط ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ انبیاء کو معلوم ہے کہ یہ معجزہ مجھ کو ملا ہے اور قبل ظاہر کرنے کے فرمادیتے ہیں۔ مگر اولیاء نہیں جانتے کہ یہ کرامت مجھ کو ملی ہے اور نہ صدور کرامت کی خبر رکھتے ہیں۔ اور نہ کرامت سرزد ہونے کی پہلے سے خبر دیتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ولی محل ولایت پر اس وقت تک ثابت قدم نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے کو کمترین خلق نہیں جانتا۔ جب وہ اپنے کو ایسا ہیج جانتا ہے تو اُسے دعوے کرامت کب ہو گا۔ اور جب اُس کو دعویٰ نہیں تو کرامت کے آنے جانے کی خبر کیا ہو گی۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ جس شخص نے حق سے حق کے سوا طلب کیا، اس کے لیے مقام ولایت نہیں۔ جب اُس نے کرامت کا دعویٰ کیا دوست سے غیرو دوست کی خواہش کی۔ پس یہ بات ولایت کے منافی ہو گی۔ ولایت کا ثبوت اس سے نہ ہو گا۔

خیر جب تم اس قدر جان گئے تو اب یہ بھی سن لو کہ اگر کسی جھوٹے نے دعویٰ پیغمبری کیا، تو ناممکن ہے کہ خداوند تعالیٰ اُسے معجزہ دے جیسا کہ صادقوں کو عطا فرماتا ہے۔ کیونکہ نبی صادق ہیں اور اہل حق ہیں۔ اور ان پر ایمان لانا واجب ہے۔ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والا مبطل ہے۔ اُس پر ایمان لانا درست نہیں۔ پس اس کے سوا چارہ نہیں کہ ایک ایسی حق بات نبی کو عطا ہو جو مبطل سے جدا ہو۔ یہی معجزہ ہے۔ اگر دونوں ہی کو معجزہ ملا ہوتا تو محق اور مبطل کے درمیان فرق باقی نہیں رہتا۔ اور خلق پر ظاہر نہ ہوتا کہ ہمیں کس پر ایمان لانا چاہیے۔ اور صادق و کاذب میں ایسی مشابہت ہوتی کہ ہرگز تمیز نہ ہوتی۔

بہر حال مشائخ طریقت اور تمامی اہل سنت و جماعت کا اتفاق ہے کہ از قسم ناقص مادت معجزہ انبیاء کی طرح پر یا کرامت اولیاء کی مانند کسی کافر کے ہاتھ سے بھی

ظاہر ہو جائے۔ مگر ساتھ ساتھ اس کے جھوٹ ہونے میں کسی کو شبہ باقی نہ رہے گا۔ جیسا کہ فرعون نے چار سو برس کی عمر پائی اور اتنی مدت میں کوئی مرض اُسے لاحق نہ ہوا۔ پانی اُس کے پیچھے پیچھے قدم بلند ہوتا تھا۔ اور جہاں وہ کھڑا ہو جاتا تھا پانی بھی ٹھہر جاتا تھا۔ اور جب وہ چلتا تو پانی بھی چلنے لگتا۔ اب دیکھو، یہاں پر کوئی صاحب عقل شبہ میں نہ پڑے گا۔ کیونکہ اُس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ اور سب عقلا کا اتفاق و اقرار ہے کہ خداوند جسم یا جوہر یا کھلنے والا یا سونے والا آمد و رفت کرنے والا یا گوشت پوست رکھنے والا نہیں ہے۔ اگر اس قسم کے خرقِ عادات فرعون سے ہزاروں ظاہر ہوتے تو بھی کسی عاقل کو اُس کے کذبِ دعویٰ پر شک نہ ہوتا۔ اور نہ شبہ پڑتا۔ کیونکہ صرف خرقِ عادت کی وجہ سے آدمی کیونکر شبہ میں پڑ سکتا ہے۔ خود اُس کے اوصافِ بشری اُس کے کذبِ دعویٰ کے شاہد ہیں۔ اس لیے بمقابلہ کفار بہ وجہ چند در چند شبہ نہیں پڑ سکتا۔ اور ہمارے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جو سچوں کے بادشاہ ہیں، آپ خبر دیتے ہیں کہ آخر زمانہ میں دجال آئے گا۔ وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ شیشہ کے دو پہاڑ ایک اُس کے داہنی اور ایک اُس کے بائیں چلتے ہوں گے۔ جو پہاڑ کہ داہنی طرف ہو گا نعمت کی جگہ ہوگی اور جو بائیں سمت ہو گا عذاب کی جگہ ہوگی۔ وہ کہے گا کہ یہ بہشت ہے۔ اور یہ دوزخ ہے۔ جو شخص مجھ پر ایمان لائے گا میں اُسے بہشت میں داخل کروں گا۔ اور جو ایمان نہ لائے گا اُسے میں اس دوزخ میں جھونک دوں گا۔ حق تعالیٰ نے اُسے یہ قوت بھی دی ہوگی کہ جس کسی کو چاہے گا مار دے گا۔ اور جس کسی کو چاہے گا زندہ کر دے گا۔ اب دیکھو، یہ باتیں بھی معجزہ و کرامت کی قسم سے ہیں۔ اور خداوند تعالیٰ نے یہ سب باتیں دشمن کو بھی دی ہیں۔ تاکہ صاحب عقل جان جائے کہ جو گدھے پر سوار ہے خدا نہیں ہو سکتا۔ اور جو ایک حشمتی ہے خدا نہیں ہو سکتا۔ اور جو کھاتا اور سوتا ہے خدا نہیں ہو سکتا۔ یہ معجزہ اور کرامت نہیں ہے بلکہ استدراج و دکر ہے۔ استدراج کے یہ معنی ہیں کہ صاحب استدراج ہر چند وہ بے حرمتی کرتا رہے اُس کو ڈھیل دی جاتی ہے۔ اُس کو اس کی مراد پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس بے حرمتی اور دُوری کے ساتھ ہلاکت

میں پڑ جاتا ہے۔ جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے فرعون کے ساتھ کیا۔ اگر اس کی خواہش کے مطابق پانی جاری نہ فرماتا، خدائی کے دعوے سے باز آ جاتا۔ اور مکر کے معنی ہیں کہ نجات دکھلائی دے ہلاکت اس کا ثمرہ ہو، غرت نظر آئے ذلت حاصل ہو۔ ہدایت معلوم ہو، گمراہی کا پھل ملے دشمنوں میں یہ صفتیں ہوتی ہیں۔ یعنی دشمن کو اس قسم کی جو چیزیں دی جاتی ہیں، وہ سب کی سب استدراج و مکر ہوتی ہیں۔ پس اس قسم کی تقسیم تین طرح پر ہے۔ انبیاء کو دی جاتی ہے۔ اولیاء کو دی جاتی ہے اعداد کو دی جاتی ہے۔ انبیاء کو جو بات حاصل ہوتی ہے اُسے معجزہ کہتے ہیں، اولیاء کو جو عنایت ہوتی ہے اُسے کرامت کہتے ہیں۔ اور کفار کو جو ملتی ہے اُسے استدراج و مکر کہتے ہیں۔ اور بعض نسخہ میں ہے کہ عالم غیب سے ناقص عادات، جو انبیاء کے ہاتھ سے ظاہر ہوں اُسے معجزہ کہتے ہیں۔ اور اولیاء کے ہاتھ سے جو صادر ہوں اُسے کرامت کہتے ہیں۔ اور مجاہدین یا لڑکے یا عامہ خلق کے ہاتھ سے جو سرزد ہوں، اُسے عون کہتے ہیں۔ اور جو کفار سے ہو اُسے استدراج و مکر کہتے ہیں۔ اور صاحب استدراج اور صاحب مکر اس قسم کی باتیں جو کچھ پاتا ہے اُس پر نازاں ہوتا ہے اور بھروسہ کر لیتا ہے۔ اور اپنے کو اس کا مستحق سمجھتا ہے۔ اور دوسروں سے اپنے کو سر بلند و ممتاز جانتا ہے۔ اور صاحب کرامت کرامات سے بھاگتا ہے۔ اور ڈرتا ہے۔ اور فریاد کرتا ہے۔ اور اپنی ذات کو ذلیل و حقیر تصور کرتا ہے۔ یہاں تک کہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اس راہ میں اکثر حجاب اور دُوری اسی کرامت کی بدولت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ بندہ نے حق کے سوا دوسرے کے ساتھ جس قدر آرام و سکون اختیار کیا حق سے اُسی قدر قطعیت و دُوری ہو گئی۔ اور مثال اس کی یہ ہے کہ ماں جب چاہتی ہے کہ اپنے بچے کو گود سے علیحدہ کرے یا کہیں باہر چلا جائے تو ایک ٹکڑا مٹھائی کا بچہ کے ہاتھ میں دے دیتی ہے۔ اگر چالاک بچہ ہے تو مٹھائی دیکھنے کے ساتھ ہی ماں کے گلے میں لپٹ جاتا ہے۔ اور اگر نادان ہے تو مٹھائی لے کر خوش خوش چلتا ہوگا، نتیجہ یہ نکلے گا کہ یا کسی گدھے میں گرے یا کسی جانور کی لات کھائے۔ کیونکہ اُس نے حلوادیکھا ہے، ماں کی دُوری کا خیال نہیں کیا ہے۔ نادان

حلوے کراماں کو چھوڑا۔ اور اگر ماں کا دامن پکڑ لیا ہوتا تو علوا کہاں جاتا، وہ تو اس کی چیز تھی۔
 بزرگوں کی ایک جماعت کہتی ہے کہ کرامت ایک قسم کا رنگ ذر و عن ہے اور آرایش
 و پردش ہے۔ جیسا کہ بعض جگہ اونٹ کو پردش کر کے آراستہ کرتے ہیں۔ اور شہر میں پھراتے
 ہیں۔ خلق اُس کی شان و شوکت دیکھتی ہے۔ حالانکہ یہ سجادت نہیں ہے بلکہ اُس کی ذبح کیلئے
 پھری تیر ہو رہی ہے۔ اگر اس کا گلا کاٹنا نہ ہوتا، تو اُس کے ساتھ یہ عمل نہ کیا جاتا۔ چنانچہ مشائخ
 رحمۃ اللہ علیہ میں سے ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ عالم میں بُت بہت ہیں۔ اُن بتوں میں سے ایک
 کرامت بھی ہے۔ کفار کا تعلق جب تک بُت کے ساتھ ہے دشمن خدا رہتے ہیں۔ جب بُت سے
 اعراض و تبرا کر لیتے ہیں خدا کے دست ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح عارفوں کے لیے کرامت ہی
 بُت ہے۔ اگر کرامت کے ساتھ سکون ہو گا محبوب ہو جائیں گے۔ اور اگر کرامت سے اعراض
 و تبرا کر لیا مقرب و بنیاد رہیں گے۔ سراجی

ہرگز نہ شود اسے بت بگزیدہ من مہر ت زدل و خیالت از دیدہ من
 گرازیں مرگ من بجونی، یابی آن ذوق در استخوان بوسیدہ من

(اے میرے پیارے محبوب، تمہاری محبت و خیال میرے دل سے کبھی جدا نہیں
 ہو سکتا۔ میرے مرنے کے بہت دنوں بعد بھی وہی پیارا و محبت میری سڑی گلی ہڈیوں میں پادے گا۔
 یہ وہ باتیں ہیں جن کو کسی مکتوب میں ہم لکھ چکے ہیں، کہ ولایت کی صحت کا تعلق دوست
 کے سوا سب سے انقطاع اور اعراض اور حبیب کے سوا سب کے ترک سے ہوتا ہے۔ کیونکہ
 ترک و اخذ دونوں ضدین ہیں۔ جس نے کرامت کو قبول کیا، اور کرامت پر اعتماد کیا تو اُس نے
 دوست سے اعراض کیا۔ اور دوست کے سوا چاہا۔ وَلَا بَقَاءَ لِلْوَلَايَةِ مَعَ الْإِعْرَاضِ
 عَنِ الْحَبِيبِ وَالْإِقْبَالِ إِلَى غَيْرِ الْحَبِيبِ۔ (ولایت باقی نہیں رہتی محبوب کے رہتے ہوئے
 کسی دوسری طرف توجہ کرنے سے)۔ نقل ہے کہ ایک مرتبہ سلطان العارفین خواجہ بایزید بسطامی
 قدس اللہ سرہ اسی راہ سے گزرے جہاں کشتی کی حاجت تھی، اور کشتی موجود نہ تھی۔ آپ کے دل میں

یہ بات آئی کہ اس دریا سے پار اب کس طرح ہوں یا ایک پانی دودھ ہو گیا۔ اور راہ نمودار ہو گئی۔ آپ چخ اُسٹھے کہ اَلْمُكْرُ الْمَكْرُ۔ اور واپس چلے آئے۔ بیت

من بہ گریے قیامت خون خورم بریاد دوست
جوئے شیر آن را نما کو تشنہ کوثر بود

(میں قیامت کی گرمی اور تپش میں خون پیوں گا۔ اور محبوب کو یاد کروں گا۔ دودھ اور شہد کی ہنر اس کو دکھاؤ جو کوثر کا پیاسا ہو)۔

اور کسی دوسرے نے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ رباعی

حاشا کہ دلم از توجہ او اہد شد
یا یا کسے دیگر آشنا خواہد شد

از مہر تو بگسلد کرا دار دوست
دز کوئے تو بگذرد کجا خواہد شد

(خدا کی قسم میرا دل تجھ کو چھوڑ کر کیا کسی دوسرے سے مل سکتا ہے۔ اگر تیری محبت توڑ دی تو اور کون ہے جس کو دوست بنا سکے۔ تیری گلی چھوڑ کر اس کا کہاں ٹھکانا ہے)۔

اے بھائی، تم نے آخر یہ نہیں سنا۔ اِنَّ الْحُبَّ اَوَّلُهُ حَيَاتٌ وَاٰخِرُهُ مَمَاتٌ، وَاَوَّلُهُ خَطْلٌ وَاٰخِرُهُ قَتْلٌ۔ محبت کی ابتدا حیات ہے اور انتہا اس کی موت۔ اور محبت کی ابتدا مکر ہے اور انتہا اس کی قتل۔ وَاَوَّلُهُ كَرَامَةٌ وَاٰخِرُهُ غَرَاةٌ۔ اور ابتدا اس کی کرامت ہے اور انتہا اس کی پشیمانی ہے۔ اسی مقام کی بات ہے جو کسی نے کہا ہے کہ محبت کے لیے بلا لازم ہے۔ جیسا کہ دیگ میں نمک۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ بیت

آسایش بہت رنج کشیدن جوئے دوست
روزے طبیب بردر بیمار بگذرد !

(محبوب کے ملنے کی اُمید میں رنج و مصیبت اٹھانا اچھا ہے۔ کیونکہ بیمار ہی کے گھر طبیب آتا ہے۔ تم جانتے بھی ہو ایسا کیوں ہے؟۔ اس لیے ہے کہ جو معشوق اپنے عاشق پر ناز نہ کرے، یوں سمجھو کہ اُس نے جمالِ بالکمال کی داد نہ دی۔ (قسم خدا کی) وہ جمالِ حقیقی بھی ایسا ہی ہے کہ اگر فرداے قیامت یہ خطاب ہو کہ اے مشتاقو! ذرا میری طرف دیکھو۔ واللہ یہ سمجھوں کو کہنا پڑے کہ غرت از چشم برم روئے تو دیدن نہ دہم۔ میں اپنی آنکھ سے

بھی رشک کھاتا ہوں۔ اسے تیرا جلوہ دیکھنے نہ دوں گا۔ (اللہ اللہ) یہ آنکھ اور وہ جمال بیت
آنحیا حدیث و صفش زہن سار تا نگوئی کا نذر زبان نیاید و اندر دہان نگویند
(اُس کی تعریف کیا ہو سکے۔ منہ اور زبان اُس کے بیان سے عاجز ہیں)۔

اے بھائی، جس دن بساطِ محبت بچھائی گئی تھی، کل مراد جلا کر خاک سیاہ کر دی گئی۔
اسی وجہ سے سالکِ دل آدمِ صغی صلوٰۃ اللہ علیہ تین سو برس تک خونِ جگر روتے رہے۔ کیونکہ
جتنی مرادیں تھیں سب محبوب کے حصہ میں آئیں۔ اور ساری نامرادیاں محب کو دی گئیں، اسی مقام
کی بات ہے کہ بندوں پر رحیم و رحمان کی شان ہے، اور محبوں پر کامگار و سلطان کا رنگ ہے۔
دیکھو نا، نوح علیہ السلام ایسے برگزیدہ اور مقبول کے جگر پر لیس من اھلک (تیرے گھر لے
کا نہیں ہے)۔ کاتیر لگایا جاتا ہے اور خلیل اللہ کو خلعتِ خلعت پہنا کر نمودِ سرکش کو اُبھارا جاتا ہے
تا کہ منجیقِ بلا میں رکھ کر آگ میں ڈال دے۔ یعقوب منیر انہی سال تک بیت الاخران میں حلّے
رُلائے جاتے ہیں۔ اور مہتر یوسف کو مصر کے بازار میں چاروں طرف پھرا کر غلاموں کی صف میں
کھڑا کیا جاتا ہے۔ ہے ہے اسی راز کو کسی سوختہ جان نے کس طرح کہا ہے۔ نظم۔

این ہمہ می کند ولیک از بیم مرد راز ہرہ نے کہ آہ کند

زانکہ رویش لبانِ آئینہ بہت آہ آئینہ راست باہ کند

(وہ ساری مصیبتیں ڈالتا ہے۔ مگر کسی کی مجال نہیں کہ چون کر سکے۔ اس کا چہرہ آئینہ

کی طرح شفاف ہے۔ آہ آئینہ کو دھندلا کر دیتی ہے)۔

گیارہواں مکتوب

صدیقوں کے حالات کے بیان میں مع نماز قضاے حاجات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے عزیز بھائی شمس الدین صدیقوں کے احوال کو پاکی اور طہارت کا ایک دریا سمجھو۔

(تمہارا ہمارا منہ نہ تھا کہ اُن حضرات کا ذکر خیر زبان پر لائیں) مگر بزرگوں کا مقولہ ہے۔ حَدِیثُ
عَنِ الْبَحْرِ وَلَا خَرَجَ۔ یعنی اگرچہ تم دریا نہ ہو، لیکن دریا کا ذکر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں جن لوگوں
کی رہیں الطاف و عنایت الہی کا خزن اور دل اُن کے اسرارِ صمدیت کے معدن ہیں قیامت
اُن کے لیے ہو چکی، وعدہ اور وعید کا تماشا وہ دیکھ چکے۔ قیامت میں دوسروں کے حق میں جو کچھ وعید
(یعنی ہجر کے مصائب اور طرح طرح کی تکلیفیں ہیں) ان کو اس کا سامنا آج ہے۔ اگر دنیا و آخرت
ان کے زیرِ فرمان کر دی جائیں، جب بھی یہ نہ دنیا کی طرف رُخ کریں اور نہ عاقبت کی جانب متوجہ
ہوں۔ ایک رات سید الطائفہ خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے چاہا کہ مسجد شونیز یہ جو بغداد میں
دلیوں کی عبادت گاہ ہے۔ وہاں جا کر مشغولِ حق ہوں۔ مسجد کے دروازے کے سامنے دیکھا کہ ایک
شخص نہایت ہولناک کریمہ منظر کھڑا ہے۔ اُس سے آپ نے پوچھا کہ تو کون ہے کہ تیری طرف سے
میرا دل پھرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے کہا کہ میں ابلیس ہوں، آپ کو یاد ہو گا کہ ہمارے دیکھنے کی
آزد آپ نے کی تھی۔ آپ نے فرمایا، ہاں ٹھیک ہے۔ پھر آپ نے کہا کہ اچھا تجھ سے کچھ پوچھنا
چاہتا ہوں۔ اُس نے عرض کی، ارشاد ہو۔ آپ نے فرمایا کہ تجھے اللہ تعالیٰ کے دلیوں پر بھی
دسترس ہے؟ اُس نے کہا نہیں؛ آپ نے فرمایا، کیوں؟ اُس نے کہا کہ جب میں چاہتا ہوں
کہ دلیوں کو دنیا میں پھنساؤں تو وہ آخرت کی طرف قدم بڑھاتے ہیں۔ اور جب چاہتا ہوں کہ
انہیں آخرت میں الجھا رکھوں تو وہ حضرت خدادند کی طرف بھاگ جاتے ہیں۔ اور وہاں ان
جانب کا گزر نہیں۔ کسی نے اسی معنی کی طرف کیا خوب اشارہ کیا ہے قطعہ

ہرگز این عشق بازی در ازل آفتند تا ابد در جانِ ادشمے ز عشق آفرختند
داں دے راگز برے وصل او پرد آفتند ہچو بازش از دو عالم دیدگان برد آفتند

(روزِ ازل جس کے دل میں عشق و محبت کی چکاری سلگائی گئی، اُس کے دل میں قیامت
تک محبت کا چراغ جلتا رہا جس دل کو اُس کے وصال کے لیے آراستہ کیا، باز کی طرح دونوں جہان
کے نظارہ کرنے سے اُس کی آنکھیں سی دی گئیں)۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے ملعون تجھے ان بزرگوں

کے احوال و اسرار پر بھی کچھ اطلاع ہوتی ہے! اُس نے کہا کہ نہیں، مگر اس وقت میں کچھ جان جاتا ہوں جب کہ سماع میں اُن پر دعوائی کیفیت طاری ہوتی ہے مجھے کچھ پتہ چل جاتا ہے کہ اس وقت یہ کس رنگ میں ہیں۔ یہ کہہ کر چلتا ہوا۔ آپ سخت متفکر مسجد میں داخل ہوئے۔ یکایک گوشہ مسجد سے آواز آئی کہ اے فرزند ہوشیار ہرگز ہرگز اس دشمن کی باتوں میں نہ آنا اور فریفتہ نہ ہونا، کیونکہ اولیاء اللہ کی وہ ارفع شان ہے کہ ان کے اسرار و احوال سے جبرائیل و میکائیل کو خبر نہیں دی جاتی۔ اس دشمن پر کب خدا طاعن ہو کرے گا۔ خواجہ جنید نے مڑ کر دیکھا تو خواجہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ عینی اپنے پیر کو پا کر بہت خوش ہوئے۔ انشراح قلبی آپ کو پیدا ہوا۔ (دیکھو چھپانے کا یہ حال ہے) کہ خواجہ ادیس قرنی رضی اللہ عنہ کو اس عالم میں چر دیا ہے کہ لباس میں چھپا رکھا تھا۔ یہاں تک کہ سوائے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے انھیں کسی نے نہ پہچانا۔ اور قیامت کے دن بھی ستر ہزار فرشتے انھیں کی صورت کے بنائے جائیں گے، تاکہ کوئی انھیں جان پہچان نہ سکے۔ سبحان اللہ کیا شان تھی۔ یہ بات دیکھنے اور سمجھنے کی ہے کہ عالم میں چاروں طرف اُس وقت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ پاک کے فیضان سے ہر درد والے دل کی دوا اور درد ہوا کرتی تھی، مگر کسی کے دردِ دل کی یہ دھاک نہ بندھی جو تماشاً حضرت ادیس قرنی کے دردِ دل نے دکھایا۔ اللہ اللہ جس وقت دل ادیس بمقام قرن بند و محتاج ہو جاتا تھا، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس عبارت لطیف اور اشارہ معنی خیز سے اِتَّقِ الْاَاجِدُ نَفْسِ الشَّجْمِ مِنْ جَانِبِ الْيَمَنِ (البتہ میں پاتا ہوں خدا کی خوشبوئین کی طرف سے) فیضان کی کمک بھیجتے تھے تاکہ ان کی مدد فرمائے، اور اس ہیچ کو مستی سے بدل دے۔ اگر غور سے دیکھو تو اس عبارت میں ایسا بھید پوشیدہ ہے جو توحید کے راز کھول کر دلوں پر کھلی گرا رہا ہے نہ کسی کی زبان کو طاقت ہے کہ بیان کر سکے، نہ کسی کے کان کو قوت ہے کہ اس کو سن سکے اور سمجھ سکے۔ یہاں پر — عِلْمٌ مِّنْ عِلْمٍ وَجْهٌ مِّنْ جِهٍ — کہہ کر آگے بڑھنا پڑتا ہے۔ چونکہ گمنامی بھی ایک نعمت ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے صدیقیوں پر جو اپنے قبیلہ کے ہادی درہنما ہیں، قیامت کے دن

منجملہ اور احسانات کے یہ احسان بھی رکھے گا اَلْکُمْ اَخْتَلُ ذِکْرُکُمْ۔ یعنی کیا میں نے تمہیں گمنام نہیں رکھا تھا۔ اور تمہاری راہ کو خودی کے خوفناک منظر سے صاف نہ کر دیا تھا۔ تاکہ تنگ و نام کی دھڑکپڑ سے تمہارا دامن سلامت رہے۔ کیا خوب کسی شوریدہ سر نے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ سبائی

در بتکدہ میں کہ بت پرستان چہ کنند
باتنگ ہانت تنگ دستان چہ کنند
من مست توام مرا نکو باید داشت
در نہ دانی بت کہ مستان چہ کنند

دبخانہ کی طرف دیکھ بت پرست کیا کرتے ہیں؛ تیرے پھوٹے منہ کے ساتھ جن کے ہاتھ کی پنچ نہیں ہے، کیا کرتے ہیں؛ میں تیرا مستان ہوں، مجھ کو ٹھیک سے رکھ۔ نہیں تو تجھ کو معلوم ہے کہ مستوں کے کیا لچھن ہیں۔ دیکھو ابراہیم شبیر رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے وقت میں صدیقیوں کے مقتدا اور پیشوا تھے، وہ یہ دعا کرتے تھے کہ اَللّٰهُمَّ کَمَا اَنْشِیْتَ عَلَی النَّاسِ فَانْشِہُمْ عَلَیْ خَدَادِنَا جِیسا کہ خلق کے دل سے تو نے مجھے بھلا دیا ہے میرے دل سے بھی ان کو بھلا دے۔ تاکہ نہ کوئی مجھے پہچانے، اور نہ کسی کو میں پہچانوں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ بیت

خلق آفت تست زود بگریز
از سود و زیان شان پیرہیز

(خلق تیرے لیے آفت ہے اس سے دور رہ۔ اس کے نفع و نقصان سے پرہیز کر)
ارباب بصیرت کا قول ہے کہ خلق اگر انصاف کی نگاہ سے دیکھے تو اُسے معلوم ہو جائے کہ آپس کا میل جول، آپس کی جان پہچان سراسر دباں ہے۔ مگر یہ اُن لوگوں کے لیے دباں نہیں ہے جو آپس میں ربط و دوستی محض خداوند تعالیٰ کے لیے رکھتے ہوں۔ چنانچہ قرآن قدیم نے خبر دی ہے۔ اَلْاِخْلَاقُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ (آج احباب ایک دوسرے کے دشمن ہیں، مگر وہ لوگ جو متقی اور پرہیزگار ہیں)۔ پھر اس معاملہ پر بھی نظر کر دکھو الحسن نوری جن کا لقب قمر الصوفیہ تھا۔ جب آپ باتیں کرتے تو دہن مبارک سے نور بھڑتا۔ اور اس کی چمک آسمان کو روشن کر دیتی۔ اسی وجہ سے آپ کو لوگ نوری کہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا

کہ سال بھر تک آپ نے ایسا مجاہدہ کیا کہ حجرے سے باہر نہ نکلے، اور نہ کسی سے کچھ باتیں کیں۔ اس کے بعد یہ مناجات کی کہ اَللّٰهُمَّ سَتِّرْنِيْ فِيْ عِبَادِكَ وَبِلَادِكَ۔ خداوند مجھے عالم اور عالمیان کی نگاہ سے پوشیدہ رکھ، کیونکہ مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ خلق کے درمیان میں مشار الیہ سمجھا جاؤں۔ تاکہ ہماری جانب کوئی بھٹکنے نہ پائے۔ اللہ اکبر کسی اہل درد نے کیا خوب کہا ہے۔ رباعی

عشق آمد دجان فدائے جانان داد معشوق ز جان خویش مارا جان داد

زین گو نہ پیامہا کہ ادہنمان داد یک ذرہ بصد ہزار جان نتوان داد

دعشق پیدا ہوا، اور ہم نے اپنی جان معشوق پر فدا کر دی۔ معشوق نے اپنی جان سے ہم کو جان دی۔ اس لیے چپکے چپکے اس نے جو جو پیغام بھیجے، اگر اس کے ایک ایک حرف پر ہزار جانیں بھی تصدق کی جائیں، تو کافی نہیں۔ چنانچہ ہاتھ غیب نے مذا دی کہ اَلْحَقُّ لَا يَسْتُرُهُ شَيْءٌ یَّا نُورِی۔ اے نوری، تم فلک حقیقت کے آفتاب تاباں ہو۔ خلق اللہ پر تمھاری جلوہ گری ہمیں منظور ہے۔ تم ہزار پھینا بھی چاہو تو ہم کب پھینے دیتے ہیں۔ صد لقیوں کا قول ہے کہ اَلْخَوْلَةُ رَاحَتْ وَوَاحِدٌ لَا يَرْضَاهَا وَالشُّهُرَةُ دَافَةٌ وَكُلٌّ يَّتَمَنُّهَا۔ گمنامی اگرچہ دل کی راحت و آرام کا باعث ہے۔ مگر کوئی بھی اسے پسند نہیں کرتا۔ اور نہ اس سے خوش ہوتا ہے۔ اور شہرت میں آفت در آفت ہے۔ مگر ایک عالم ہے کہ اس کا آرزو مند ہے۔ اے بھائی ایسا نام جو مرنے کے ساتھ ہی مٹ کر غائب ہو جائے گا، وہ بھی کوئی نام میں نام ہے۔ اہل سعادت کی تویہ وصیت ہے کہ آج دنیا میں خلق کے سامنے جس نے قبولیت و شہرت حاصل کی ساتوں آسمان کے فرشتے اُسے سعادت مند نہیں سمجھتے۔ اور نہ خطبہ محبت اُس کی شان میں پڑھتے ہیں۔ البتہ جاہ و منزلت اُسے کہتے ہیں جو دین داری سے پیدا ہوتی ہے۔ یہی جاہ قیامت کے دن ظاہر و نمایاں ہوگی۔ جیسا کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ صدیقین کے سامنے خواجہ ادیس قرنی کے بارے میں خبر دی ہے کہ قیامت کے دن اہل سعادت کو خطاب و فرمان ہوگا کہ تم لوگ دار السلام میں جاؤ، اور ادیس قرنی کو میری طرف سے کہہ دو کہ آج قیامت کا دن ہے آفتاب کی

تابش سخت تیز ہے تم عرش کے سایہ میں چلے آؤ۔ (اور وہ زبان جو وہن کو ترسے دھوئی ہوئی ہے اس) سچی زبان سے اُمت گنہگار کی شفاعت چاہو۔ آج ہمارا یہ حکم ہے کہ قبیلہ ربیع اور مضر میں جتنی بکریاں ہیں اُن کے ایک ایک بال کی تعداد میں عاصیان اُمت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمھاری شفاعت کی بدولت فردوس بریں میں بھیجوں گا۔ دیکھو اولیں جب تک اس عالم میں رہے اپنے کو خلق کی نگاہ سے ایسا پھپھائے رہے کہ اس قبیلے میں کوئی آدمی ان سے بڑھ کر خوار و ذلیل نہ تھا۔ آپ کے قبیلے میں جتنے لڑکے تھے سب کے سب آپ پر ڈھیلے پھینکتے اور مضحکہ اڑاتے، تحفیف و اہانت کیا کرتے۔ اور علوم مرتبت کا یہ حال تھا کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ رسالت میں تحت نبوت پر جلوس فرما کر آپ کی شان میں یوں گوہر نشانی فرماتے ہیں کہ اِنِّیْ لَا جِدُّ لِنَفْسِ الرَّحْمٰنِ مِنْ جَانِبِ الْیَمَنِ۔ ہے ہے! اس راز کو کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ سراجی :-

اے عاشق اگر یہ کوئے ماگام زنی دردم باید کہ تنگ با نام زنی

سر رشته روشنی بدست تو دہند بر آتش خود چو شمع ہر گام زنی

(اے عاشق میری گلی میں اگر تو قدم رکھے، تو ضروری ہے کہ غرت و آبرو کو خیر باد

کہہ دے۔ ہزاروں چراغ تیرے ہاتھ میں دیدیں گے تاکہ تو شمع کی طرح اپنی آگ میں

... ایک ایک قدم اٹھائے)۔ خواجہ ادیس قرنی رضی اللہ عنہ کو ایک آدمی نے دیکھا اور

عرض کی کہ یا اُولَیِّیْنَ حَدِّثْنِیْ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا حِفْظَہُ

مِنْکَ۔ مجھے کوئی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کیجیے تاکہ میں آپ کے

داسطے سے یاد رکھوں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم کو اس کے برداشت کی صلاحیت نہیں جو ہمارے

نزدیک لوگ جمع ہوں اور ہمیں محدث یا قاضی یا مفتی بنائیں۔ اس سے کہیں زیادہ ایک

بڑے مہم کا سامنا ہے۔ اور ایک بڑے کام میں ہم مشغول ہیں۔ ہمیں معاف کرو اور معذور رکھو

جو آگ ہمارے دل میں بھڑک رہی ہے اور جو حال ہمارا ہو رہا ہے اس میں ہم کو محدثی نہیں

سو جھتی ہے۔ اس وقت لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی محبت دامن گیر حال ہے۔ یہ ذرا روادار ہیں کہ ہمیں دوسری چیز کی طرف مٹفت ہونے دے۔ حسرتِ نایافت نے ہماری ساری خواہجی کو آتشِ قہر سے جلا کر خاکِ سیاہ کر دیا ہے۔ قبولیتِ توحید نے ہمیں دونوں جہان سے نا آشنا اور بیگانہ بنا دیا ہے۔ اسرارِ صمدیت نے ہمارے دل میں ابدی ماتم دقت کر دیا ہے۔ اور ہمارے افلاس نے ہماری راہ کھوٹی کی ہے۔ اور مصیبتِ نایافت نے ہماری تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ اور اس حدیث سے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے رَبِّ اشْعَثْ

ذِي طَمَرَيْنِ نُوْا قَسْمٌ عَلَى اللَّهِ لَا بُرْهَ جُو تَعْرِيفِ تَخْلَقِي هِيَ اُس نے سرمدی غم و اندوہ میں ہمیں محبوس کر دیا ہے۔ اور اِنِّیْ لَا جِدَّ لِقَسَّ الرَّحْمٰنِ مِنْ جَانِبِ الْيَمَنِ کے اسرار نے ہمیں ابدی بیتِ الاحزان میں بٹھا رکھا ہے۔ کسی سوختہ نے کیا خوب کہا ہے۔

سوزِ دل خستہ از وصالِ نیشست دینِ شنگی از آبِ نالِ نیشست
نے رنگِ بود ما ز ہستی برخواست از جانِ ہوسِ عشقِ جمالِ نیشست

(تیرے وصال کے بعد بھی دل کی جلن کم نہ ہوئی۔ تیرے آبِ زلال نے بھی یہ پیاس نہیں بجھائی۔ ہمارے دہو دے سستی کا نشان نہیں مٹا۔ تیرے جمال کا عشق ہوس سے تسکین نہ پاسکا)۔ عرفا کہتے ہیں کہ حاشا و کلا خداوند تعالیٰ کے نزدیک کوئی آواز اپنے اوپر نوحہ کرنے سے زیادہ محبوب نہیں۔ پس آج کے دن چاہیے کہ صدیقانِ راہ صادقانِ دین پناہ خواجہ ادیس قرنی سے نوحہ گری سیکھیں۔ اسے بھائی بوشخص ایسا ہے کہ ہر لحظہ اپنے اوپر اس کو ماتم و نوحہ نہیں ہے وہ محض لاغی پُر از غفلت ہے۔ قیامت کے دن حسرت سے بھرا ہوا ایک مردار ہوگا۔ یہ ایک لغو طمع ہے جس میں آج کل ہر کوئی مبتلا ہے۔ کس قسم کا یہ غلیل دماغ ہے کہ مجھے دنیا میں جاہ و شہرت چاہیے اور دولت و حکومت چاہیے، اور غرت و ناز چاہیے اور سیر و تماشا علی الدوام چاہیے۔ پھر حضرت خداوند کی دوستی و محبت بھی چاہیے۔ ہذا مُحَالٌ یہ محال ہے۔ سراجی :-

جانباز کہ وصل ابدستان نہ ہند
شیراز قدح شرع بہ مستان نہ ہند
آجنا کہ ہم نے ہمہ مردان نوشتہ
یک جرعه از ان بہ خود پرستان نہ ہند
(جان کی بازی لگا دے کیونکہ اس کا وصال مکاروں کو حاصل نہیں ہوتا۔ شریعت کے پیالے سے مست اور نشہ خوردں کو دودھ نہیں دیتے۔ جس بھی میں جو اُمرد پیتے ہیں اُس کا ایک گھونٹ بھی خودی رکھنے والوں کو نہیں ملتا)۔

اے بھائی، جب تک ہو سکے عمر عزیز کسی صاحب کشف کی کفش برداری میں صرف کر دو۔ اور کسی صاحب دین کے سایہ دولت میں پناہ پکڑو۔ دین کے لیے کسی کو دوست بتالو۔ کیونکہ دین کے لیے یار اور دوست کا ملنا نادر ہے۔ اور یہ یقین جانو کہ دین کی راہ بغیر یار موافق کے طے نہیں ہو سکتی۔ اگر تم یہ کہتے ہو کہ مجھے دین کے کام میں کوئی دوست نہیں ملتا تو نفس کافر کے عشق کی جو قبا ہے اُسی کم نجت کی دھجیاں اڑا ڈالو۔ اور بے دینی میں اُس کے یار نہ بنو۔ دیکھو تمہاری عمر کو اُس نے برباد کیا۔ اور دین تمہارا غارت کر کے بیٹھا۔ قیامت سے تم بیگانہ ہو گئے۔ اور دنیا کے آشنا ٹھہرے۔ تمہاری دولت اور سعادت کا اُس نے قلع قمع کر دیا۔ اور دین کا محل خراب اور ویران کر گزرا۔ افسوس صد افسوس۔ تمہارا عشق اس کے ساتھ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ اور ہر ساعت اس کی دوستی کو بڑھتا ہی ہے۔ یقین جانو کہ نفس کافر کوین کا دشمن ہے۔ تم نے اگر اسے دشمن سمجھا تو نجات پاؤ گے۔ اور دین کی وفاداری دیکھو گے۔ خلق اللہ کو اپنی شان و شوکت نہ دکھلاؤ۔ فرشتے اس سے شرماتے ہیں۔ اور غیرت کرتے ہیں۔ کسی سوختہ سے کیا خوب کہا ہے۔ مباحی۔

از عشق میرے چو برب آمد جانم
گفتم نہ کنی بہ وصل خود مہا نم
گفتا اگر ت وصال مای باید
ذر خویش ممان تو تا ہمہ من مانم
را یک حسین کے عشق میں جب میرے لبوں پر جان آنے لگی، تو میں نے کہا کیا تم مجھ کو اپنا مہمان نہ بناؤ گے؟ اُس نے کہا۔ اگر میرے وصال کے خواہاں ہو تو اپنی خودی کھو ڈالو،

تاکہ میں ہی باقی رہ جاؤں۔

تھنای حاجات اور کفایت مہمات کے لیے یہ چار رکعتیں نماز میں وقت چاہو پڑھو۔
مگر شب آدینہ اس کے لیے بہتر ہے۔ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ ایک بار اور سوم مرتبہ یہ آیت پڑھو۔
لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ فَاسْتَجِبْنَا لَهُ وَنَجِّنَاهُ مِنَ الْغَمِّ
وَكَذَلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ ۝ اور دوسری رکعت میں فاتحہ ایک بار اور سو بار یہ آیت پڑھو۔
إِنِّي
مَسْنِي الضُّوْدَ أَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝ تیسری رکعت میں فاتحہ ایک بار اور سوم مرتبہ یہ آیت پڑھو۔
وَأَفْوَضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝ اور چوتھی رکعت میں فاتحہ ایک بار
اور سوم مرتبہ یہ آیت پڑھو۔ حَسْبِيَ اللَّهُ نِعْمَ الْوَكِيلُ ۝ نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۝ اور سلام
کے بعد اس آیت کو سوم مرتبہ پڑھو۔ رَبِّ إِنِّي مَغْلُوبٌ فَأَنْتَ الصِّرَاطُ اس نماز کو بہتر سمجھو۔ اور جلد مہم
اور حاجات میں پڑھو۔ کیونکہ اس نماز میں فتوح بہت ہیں۔ والسلام۔

بارہواں مکتوب

انوار کے بیان میں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

میرے بھائی شمس الدین تمھارے دل کو اللہ تعالیٰ اپنی معرفت کے انوار سے روشن کیے۔
تمھیں معلوم ہو کہ آئینہ دل جب صاف ہو جاتا ہے، اور طبعی زنگار جب مٹ جاتا ہے اور صفات
بشریت کی سیاہیاں دور ہو جاتی ہیں تو یہی دل ظہور انوار غیبی کے لائق ہو جاتا ہے۔ ابتدائے
حال میں وہ نور اکثر برق یا تیز روشنی یا صاف روشنی کی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ اس آئینہ دل میں
جتنا اچھا صیقل ہوگا، یہ انوار اپنا رنگ ردغن زیادہ دکھائیں گے۔ اس کے بعد وہی نور برق
کی طرح چمک جاتا تھا اس میں ایک ثبات و قیام چراغ یا شمع یا مشعل یا ایک روشن آگ کی طرح
پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر علوی نور پیدا ہوتے ہیں۔ ابتداءً یہ نور علوی چھوٹے بڑے ستارہ دل جیسے

ہوتے ہیں، پھر چاند کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ پھر آفتاب کی مثل نظر آتے ہیں۔ پس تم ہو شیاد ہو جاؤ کہ جو نور برق یا تیز روشنی یا صاف روشنی کی طرح ظاہر ہوتا ہے اکثر و بیشتر وضو اور نماز کی برکت سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ روحہ کے ایک مرید صاحب وضو کر کے حجرے میں داخل ہوئے۔ ناگاہ ایک نور دیکھا۔ دیکھتا تھا کہ چیخ اُٹھے۔ وضو کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ خداوند تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوا۔ یہ نعرہ اسی مستی میں تھا حضرت شیخ قدس سرہ اس حال سے واقف ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے نا تجربہ کار تو کہاں ہے، اُس نور کو تو سمجھا کیا ہے؟ اسے یہ نور تیرے وضو کا ہے۔ تیری بساط اور وہ درگاہ، چھوٹا منہ اور بڑی بات۔ دیکھو، اس وقت اُس مرید کے سر پر اگر پیر کا سایہ نہ ہوتا تو بیچارہ ہلاک ہو چکا تھا، خیر جو نور چراغ یا شمع یا مشعل کی مانند دکھائی دے، وہ نور شیخ کی دلالت و فیضان کا ہوتا ہے۔ یا فیضانِ بارگاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ہے۔ اس فیضان کی وجہ سے دل گویا چراغ و شمع کے مانند منور و تاباں ہو رہا ہے۔ اور اگر قندیل یا فانوس کی صورت میں دیکھو تو اُسے بھی یہی سمجھو، جیسا کہ کہا گیا۔ اور اگر غلیات کی صورت میں دیکھو، یعنی ستارہ، ماہتاب، آفتاب کی مانند، تو وہ انوار روحانی ہیں، جو آسمانِ دل پر بقدر صفائے دل ظاہر ہوتے ہیں۔ دل کے آئینے کو اگر ستارہ کی مقدار صفائی حاصل ہوتی ہے تو ستارہ ہی کے اندر سے نور روح ظاہر ہوگا۔ اگر ماہتاب نظر آئے تو اس کی دو صورتیں ہوں گی۔ اگر ماہ کامل دیکھو تو سمجھو کہ دل پورا پورا صاف ہو گیا۔ اور اگر کچھ نقصان پاؤ تو سمجھو کہ دل میں ہنوز کدورت باقی ہے جب آئینہ دل میں کماں درجہ کی صفائی حاصل ہو جاتی ہے تو روح کا نور خورشید کی مثال دکھائی دیتا ہے۔ جتنی صفائی زیادہ ہوگی اسی قدر وہ آفتاب زیادہ درخشاں ہوگا۔ اور روشنی اس کی ہزار گونہ زیادہ تاباں معلوم ہوگی۔ اگر چاند سورج دونوں ایک ساتھ نظر آئے تو چاند دل ہے جو نور روح کے پر تو سے منور ہو رہا ہے۔ اور خورشید روح ہے جس کو آنکھ دیکھ رہی ہے۔ مگر ابھی تک وہ نور حجاب اور پردے میں طلوع کر رہا ہے۔ کیونکہ خیال اُس کو

خورشید کی صورت میں دیکھ رہا ہے۔ ورنہ نور روح کی نہ تو کوئی صورت ہے نہ شکل۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انوار صفات خداوندِ غرہ جل کا پر تو بھی بمقتضائے مَنْ لَقَرَّ اِلَيْهِ شَبْرًا لَقَرَّ اِلَيْهِ ذَرَاْعًا (جو کوئی ہم سے ایک بالشت نزدیک ہوتا ہے ہم اُس سے ایک گز قریب ہو جاتے ہیں)۔ پیش قدمی کرتا ہے۔ (من آیم بجان گر تو آئی بہ تن۔ اگر تو جسم سے آئے گا، تو میں جان سے تیری طرف آؤں گا)۔ اور اسی حجابِ روحانی کی شکل میں اپنا عکس آئینہ دل پر ڈالتا ہے جو دل کی صفائی کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ کیونکر معلوم ہوا کہ جو نور نظر آیا یہ نور صفات خداوندِ تعالیٰ کا پر تو ہے۔ تو بزرگوں نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ انوارِ صفات حق کا مشاہدہ جب ہوتا ہے تو وہی نور اپنی تعریف آپ کرتا ہے اور خود اپنے کو پہچنا دیتا ہے۔ کیونکہ دل کو ایک قسم کی لذت و ذوق حاصل ہوتا ہے۔ اسی ذوق کی وجہ سے وہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں۔ وہ حضرت خداوندِ تعالیٰ کے انوارِ صفات سے ہے۔ کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ یہ ذوقی مسنی ہیں۔ ان کا عبارت میں لانا ذرا دشوار ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ انوارِ صفاتِ جمالی نور بخش ہوتے ہیں جلائے والے نہیں ہوتے۔ اور انوارِ صفاتِ جلالی جلائے والے ہوتے ہیں۔ اس میں نورانی ٹھنڈک نہیں ہوتی۔ اس مقام میں عقل و فہم کا خاتمہ ہے اس کے گرد بھٹکنے نہیں پاتے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دل کی صفائی جب کمال درجہ پر پہنچتی ہے تو سَبْرٌ نَبِيْہُمْ اَيَاتِنَا فِي الْاَفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ (ہم اُن کو اپنی نشانیاں جہاں اور اُن کی ذات میں دکھا دیں گے)۔ کی جلوہ گری ہونے لگتی ہے۔ اور یہ رنگ ہو جاتا ہے کہ اپنی ذات کو اگر دیکھتا ہے تو حق نظر آتا ہے۔ موجودات پر نگاہ کرتا ہے تو حق کو دیکھتا ہے۔ جیسا کہ کسی بزرگ نے کہا ہے مَا نَظَرْتُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا مَا رَأَيْتُ اللّٰهَ فِيْهِ میں نے کسی چیز کی طرف نگاہ نہیں کی، مگر جو کچھ دیکھا خدا ہی کو دیکھا۔ خیر جب نورِ روح پر حق تعالیٰ کے نور کا عکس پڑے گا تو اس کے مشاہدہ میں لذت و ذوق کی آمیزش ہوگی۔ اور نورِ حق تعالیٰ بے حجابِ روحی و دلی مشاہدہ میں آئے گا بے رنگی بے کیفی بے جسدی بے مثلی بے ضدی ظاہر ہوگی۔ اس صورت میں وقار و کمالت سالک کے

لوازمات میں سے ہے۔ اس مقام میں نہ طلوع ہے نہ غروب ہے، نہ عین ہے نہ لیسا، نہ بلند سی ہے نہ پستی، نہ مکان ہے نہ زمان، نہ قرب ہے نہ بعد ہے، نہ دن ہے نہ رات ہے، اس مقام میں نہ عرش ہے نہ فرش ہے، نہ دنیا ہے نہ آخرت۔ اس مقام کا کیا بیان ہو۔ قلم ٹوٹ گیا، زبان میں حرکت باقی نہ رہی۔ عقل چاہ عدم میں غرق ہو گئی۔ علم و فہم صحرا سے حیرت میں گم ہو گئے۔ اب تمہیں لازم ہے کہ اپنی زندگی کو حسرتِ نایافت میں گزار دو۔ کیونکہ حجابِ بعد میں پڑے ہو۔ اس قرب سے تو یہی بھلی، جس میں عجب یافت پیدا ہو۔ کچھ جانتے بھی ہو، یہ عجب مقدمہ زوال ہے۔ اور وہ حسرت، عطا و انعام کا وسیلہ ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ راہ کو خودی سے پاک و صاف کرنا چاہیے اور جامہ بشریت کی دھمیاں اڑانی چاہئیں۔ اور دیدہ خودی پر خاک ڈالنا چاہیے۔ کیونکہ اس راہ میں جس نے اپنی خودی دکھائی وہ محنت ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے عہدِ دولت میں ایک شخص ناعاقبت اندیش تھا، جس نے اپنے کو دیکھا۔ ہر چند کہ فرشتوں کا استاد اور سرکار تھا۔ مگر جب اپنی خودی ظاہر کی اُسے محنت و مونت بنا کر دنیا کی خانہ آرائی اس کے سپرد کی گئی، تاکہ ذلیل ہمت والوں کی نظر میں اس کا نکھار دکھاتا رہے۔ ارے معاذ اللہ! ایک نظر قہر میں ابلیس کا کام تمام کر چھوڑا۔ اور سبحان اللہ! ایک نگاہِ لطف میں مشیتِ خاک کو تاجدار بنا دیا۔ ابلیس کو ایسا مردود کیا کہ پھر قبول نہ کرے گا۔ آدم کو ایسا مقبول بنایا کہ پھر رد نہ کریگا۔ یہ جانتے ہو ایسا کیوں ہو سکتا ہے۔ سنو، جہاں کہیں حسین اور صاحبِ جمال ہوتے ہیں، کوئی بد صورت و سیاہ رُود کا ہونا بھی ضرور ہے، تاکہ حسن کا جوہر کھلے، جس جگہ خوش منظر جھروکا ہو اُس کے مقابل میں اگر کوئی مزبلہ نہ ہو تو وہ ناقص ہے۔ جہاں کہیں نورِ طہارت سے دل کی آرائش کی گئی ہے اس کے مقابل میں نفسِ خبیث کی نجاست بھی رکھی گئی ہے۔ جب دل کو غلبتِ طہارت سے آراستہ کیا گیا تو ساتھ ساتھ ظلم و جہول کا خطاب بھی دیا گیا۔ تاکہ انسان اپنے کو فراموش نہ کر جائے۔ سمجھتا رہے کہ میں کیا ہوں؟ طاؤس جب اپنے پردوں کو دیکھتا تو ایک ایک دیکھ کر اُسے تنہا ہوتی ہے۔ مگر پاؤں پر جب نگاہ پڑ جاتی ہے تو ساری خوشی کا فور ہو جاتی ہے۔ اور مرجھا جاتا ہے۔ والسلام

تیرھواں مکتوب

کشف کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے عزیز بھائی شمس الدین اللہ تمہیں کشف کے اسرار سے بزرگ و تربنائے بھیں
 معلوم ہو کہ حجاب اٹھ جانا کشف کی حقیقت ہے۔ صاحب کشف ان چیزوں کا ادراک کرتا ہے جو جو
 چیزیں پہلے اُسے معلوم نہ تھیں۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے فَكشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ
 یعنی تمہاری نظر سے میں نے حجاب اٹھادیا۔ یہاں تک کہ تمہاری آنکھیں روشن ہو گئیں۔ اور ان
 چیزوں کو دیکھنے لگے، جو تم نے پہلے نہ دیکھیں تھیں۔ حجاب ان موانع کو کہتے ہیں جن کے سبب
 انسان کی آنکھوں پر ایسا پردہ پڑا رہے کہ جمالِ حضرت خداوندی کے دیدار سے محروم رہے۔ عالم
 حجاب بہت ہیں، جیسا کہ دنیا و آخرت۔ اور ایک روایت ہے کہ اٹھارہ ہزار عالم ہیں۔ اور دوسری
 روایت ہے کہ انہی ہزار عالم ہیں۔ خیر، اٹھارہ ہزار ہوں یا اسی ہزار کل عالم آدمی کی ذات میں
 موجود ہیں۔ ہر ہر عالم کے لحاظ سے آدمی کو آنکھیں ملی ہیں۔ تاکہ اس آنکھ سے حالت کشف میں
 اس عالم کا مشاہدہ کر سکے۔ وہ انہی ہزار عالم فرداً فرداً وہی عالم میں موجود ہیں۔ ان دونوں
 عالم کو نور و ظلمت کہو، ملک و ملکوت کہو، غیب و شہادت کہو، جسمانی و روحانی کہو، دنیا و آخرت
 کہو، سب ایک ہی چیز ہے۔ صرف نام مختلف ہے۔ خیر، جب سالک صادق جذباتِ ارادت کے اثر
 سے طبعی عادات و نفسانی خواہشات کے تحت الثریٰ سے نکل کر اعلیٰ علیین شریعت پر پہنچتا ہے اور
 نہایت سچائی سے قدم راہِ طریقت میں رکھتا ہے۔ اور اُس کے پورے قوانین و ضوابط کی پابندی
 کے ساتھ کسی پیر کی پناہ میں آجاتا ہے تو اسی ہزار حجابوں میں سے جیسے جیسے حجاب اٹھتا جاتا ہے ہر
 مقام کے اعتبار سے مرید کو ایک نئی آنکھ ملتی جاتی ہے۔ اور ہر مقام کے احوال اُس کی نظر

سامنے ہوتے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے مقام عقل میں اُس کو بنیائی حاصل ہوتی ہے۔ جتنا حجاب اٹھتا ہے معقولات کے معانی منکشف ہوتے ہیں، اور اسرارِ درویشِ معقولات کھلتے ہیں اسی کو کشفِ نظری کہتے ہیں۔ اس پر زیادہ اعتماد نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ جو چیز نظر آرہی ہے جیسے دہاں رسائی نہ ہو وہ بھروسے اور اعتماد کے لائق نہیں ہو سکتی۔ ع

نے ہرچہ تو بینی بہ تو بخشند اے دل

(ایسا نہیں ہے اے دل جو چیز تو دیکھے تجھ کو بخش دیں)۔ بہت سے حکماء اور فلسفی اس مقام میں رہ گئے، اور اسی مقام کو مقصودِ حقیقی کا وصول سمجھا۔ بہر کیف جب مرید سالک کشفِ معقولات (کشفِ نظری) سے گزرتا ہے، اور ترقی کر جاتا ہے تو اُس کو مکاشفاتِ دلی حاصل ہوتے ہیں۔ اور اسی کو کشفِ شہودی کہتے ہیں۔ اس مقام میں مختلف قسم کے انوار کشف ہوتے ہیں۔ اس کے بعد مکاشفاتِ سری پیدا ہوتے ہیں اسی کو کشفِ الہامی کہتے ہیں۔ تخلیقِ عالم کے اسرار اور ہر چیز کے وجود کی حکمت سالک پر تمام ہوتی ہے۔ اسی معانی کی طرف کسی نے کیا خوب اشارہ کیا ہے۔ سرباغی

اے کردہ غمت غارت ہوشِ دلِ ما دردِ تو شدہ خانہ بدوشِ دلِ ما
سرے کہ مقدسان ازان بخیر اند عشق تو فرد گفتہ بگویشِ دلِ ما

(تیرے عشق و محبت نے ہمارے ہوش اڑا دیے۔ تیرے درد و غم نے ہمارے دل میں گھر بنا لیا۔ وہ بھید جس سے فرشتے بھی بے خبر ہیں تیرے عشق نے ہمارے دل کے کان میں بتا دیا)۔ بعدہ مکاشفاتِ روحی پیدا ہوتے ہیں۔ اسی کو کشفِ روحانی کہتے ہیں۔ اس مقام میں بہشت و دوزخ اور ملائکہ کا دیکھنا۔ ان لوگوں کی باتیں سننا، ان باتیں کرنا۔ ان معاملات کا سامنا ہوتا ہے۔ اور جب روح کو بالکل صفائی حاصل ہو گئی جسمانی کدورتیں ساری زائل ہو گئیں، تو عالمِ نامتناہی ظاہر ہوتا ہے۔ اذل اور ابد کا دائرہ سالک کے پیش نظر ہوتا ہے۔ اس مرتبہ میں حجابِ زمان و مکان کا اٹھ جاتا ہے۔

یہاں تک کہ جو واقعات زمانہ ماضی میں گزرے ہیں، ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ ابھی پیش نظر ہیں۔ بلکہ بعض آدمی تو ایسے ہیں کہ آفرینش موجودات کی ابتدا اور اس کے مراتب اُس کی نظر کے سامنے ہوتے ہیں، اور اسی طرح آنے والے واقعات بھی ادراک ہوتے ہیں۔ چنانچہ حارثہ رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر جواب دیا۔ اِنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی اَهْلِ الْجَنَّةِ یَتَرَادُوْنَ وَ اِلٰی اَهْلِ النَّارِ یَتَغَاوَدُوْنَ۔ میں دیکھتا ہوں جنت والوں کی طرف تو وہ بڑھ رہے ہیں۔ اور جب دوزخ والوں کی طرف دیکھتا ہوں تو وہ جھپٹ مار لے کر نظر آتے ہیں۔ پس جب حجاب زمان و مکان دنیاوی اٹھ جاتے ہیں اور آخرت کے زمان و مکان کشف ہو جاتے ہیں، تو اس مقام میں جہت کا حجاب باقی نہیں رہتا۔ پس پشت سے بھی وہ شخص دیکھتا ہے، جیسا کہ سامنے سے۔ کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں جس طرح سامنے کی چیزیں دیکھتا ہوں اسی طرح پشت کی چیزیں بھی دیکھتا ہوں اس مقام میں پہنچ کر کشف و کرامت اختیاری چیز ہو جاتی ہے۔ روشن ضمیری یا دور کی باتوں پر مطلع ہونا، پانی یا آگ پر چلنا یا ہوا پر اڑنا۔ یا آبن و احد میں زمین کا طے کرنا۔ یا اس قسم کی اور باتوں کا پیدا ہونا سب ہی از قسم کرامت ہیں، مگر کوئی اعتبار کی چیز نہیں۔ کیونکہ یہ سب باتیں دین دار اور غیر دین دار دونوں کو حاصل ہو سکتی ہیں۔ روح جب مجاہدہ کی وجہ سے اپنے کو صاف کر لیتی ہے تو یہ باتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن صبا سے فرمایا۔ وَمَا تَرَىٰ۔ تو کیا دیکھتا ہے؟ ابن صبا نے کہا۔ اَمْرَی الْعَرْشُ عَلَی الْمَاءِ۔ پانی پر عرش کو دیکھ رہا ہوں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ ذَاکَ الْعَرْشُ اِبْلِیْسُ) وہ ابلیس کا عرش ہے۔ دیکھو اس قسم کی چیزیں دجال میں بھی ہوں گی۔ حدیث شریف میں ہے۔ دجال کو آدمی کے مارنے پر قدرت ہوگی اور پھر اسی کو زندہ کرنے پر قابو بھی ہوگا۔ مگر حقیقت جسے کرامت کہتے ہیں وہ اہل دین کے سوا دوسرے کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ (سنو) کشف روحی سے مکاشفات نفعی پیدا ہوتے ہیں

یہ روح تو کفار کو بھی ہوتی ہے اور مسلمانوں کو بھی مگر خفی خاصانِ حق کے سوا دوسروں کو نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ خفی روح حضرت حق ہے۔ جیسا کہ خود ارشاد ہوتا ہے۔ اُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ اِنَّ لَوِ الْاٰكِلِيْنَ اِلٰهًا لَّكَانَ اِلٰهًا مَّجْنُوْنًا۔ (ان لوگوں کے دلوں میں [اللہ نے] ایمان لکھ دیا اور اپنی روح سے ان کی مدد کی) اور پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتا ہے۔ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُوْرًا نَّهْدٰى بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا۔ (ایسے ہی ہم نے بھی تمہاری طرف ایک روح اپنے امر سے۔ تم نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ایمان۔ مگر ہم نے اس روح کو ایک نور بنا دیا۔) (کیونکہ) ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں)۔ جل جلالہ۔ اشارۃً اس کو یوں سمجھو کہ رستم کا بوجھ رستم ہی کا گھوڑا اٹھا سکتا ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ روح خفی دونوں عالم کے لیے واسطہ اور ذریعہ ہے۔ عالمِ خداوندی سے بھی اس کو تعلق ہے، اور روحِ نیت سے بھی۔ تاکہ دل مکاشفاتِ حضرتِ خداوندی کے لائق ہو۔ اور عکس اس اخلاق کا عالمِ روحِ نیت پر ڈالے۔ اس وقت تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ (اخلاقِ حاصل) کرو اللہ کے اخلاق سے)۔ کی خلعت سے مشرت ہوگا۔ اسی کو کشفِ صفائی کہتے ہیں۔ اس مقام میں سالک پر ایک عالمِ علم کا کھل جاتا ہے۔ اور علومِ دینی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر سمعی صفت کشف ہوگی سماع اور کلامِ حق اور خطابِ حق ظاہر ہوگا۔ اور اگر بصری صفت کھلے گی رویت و مشاہدہ حق حاصل ہوگا۔ اور اگر جمال کی صفت کھلے گی جمالِ حضرت کے مشاہدہ میں ذوقِ نصیب ہوگا۔ اور اگر جلال کی صفت کھلے گی، حقیقی فنا ظاہر ہوگی۔ اور اگر قیومی کی صفت کھلے گی حقیقی بقا نصیب ہوگی۔ اور اگر وحدانیت کی صفت کھلے گی، وحدت ظاہر ہوگی۔ بعینہ اسماے صفائی کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔ اور سمجھنا چاہیے۔ کسی نے اس مقام کو اشارۃً کیا خوب کہا ہے۔ رُبَّ بَاحِی

تا برہر کوئے عشق تو ممترا راست

میردو جهان بکلیہ کشف دل ماست

دانجا کہ قدم کہ دل مقبول است مطلوب ہمہ جہانیاں حاصل است

(جب تیرے عشق کی بارگاہ ہماری منزل ہے تو دونوں جہان کے اسرار ہمارے دل پر کھل گئے ہیں۔ جہاں ہمارے دل نے قدم رکھا ہے، وہاں سارے جہان کا مطلوب ہمیں حاصل ہو گیا ہے)۔

اے بھائی وہاں کام بے علت ہوا کرتے ہیں۔ نو میدی ذرہ بھر جائز نہیں۔ لطف کی ہوا ہے کہ چل رہی ہے۔ چشم زدن میں گرے پڑوں کا کام ہو رہا ہے۔ ایک مرتبہ شب قدر میں مہتر جبریل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ آج کی شب ذرا دنیا میں دیکھو تو کیا رنگ ہے جس حکم جبریل علیہ السلام نے دنیا کی طرف نگاہ کی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سارا جہان تو پڑا سوتا ہے مگر ایک نہایت سن رسیدہ بت پرست بصد ذوق و شوق بت کے سامنے سرسجدہ ہے۔ اور الحاج ذاری کے ساتھ اپنی مرادیں مانگ رہا ہے۔ مہتر جبریل علیہ السلام نے چاہا کہ اگر حکم ہو تو ہم اس کو کچل ڈالیں اور فرشتہ زمین کو ایسی خنجرستی سے پاک و صاف کر دیں۔ ندا آئی کہ اے جبریلؑ ہوشیار۔ اگرچہ یہ خداوند جان کر مجھے نہیں پہچانتا مگر میں تو اس کو اپنا بندہ سمجھ رہا ہوں۔ خیر دوسرے سال جب شب قدر آئی، تو جبریل علیہ السلام کو پھر خطاب ہوا کہ جاؤ آج شب کو پھر تو دیکھو کہ جاگتا کون ہے اور سوتا کون ہے؟ جبریلؑ نے دنیا کی طرف جب نگاہ کی تو کیا دیکھتے ہیں کہ محراب میں ایک نہایت ضعیف شخص ایک پاؤں پر کھڑا ہے اور خداوند تعالیٰ کی درگاہ میں بصد نیاز زاری کر رہا ہے۔ فرمان ہوا کہ تم جانتے ہو یہ کون بندہ ہے۔ سنو، یہ وہی ہے جو کہاں بے خودی میں پارساں بت کے سامنے سرسجدہ تھا۔ اور بیگانہ بنا ہوا تھا۔ آج کی شب وہی ہے کہ میری بارگاہ میں نا آشنا سے آشنا اور بیگانہ سے بیگانہ ہو رہا ہے۔ والسلام

بہودھواں مکتوب

تجلی کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے میرے بھائی شمس الدین۔ اللہ تعالیٰ تم کو اپنے صفات کی تجلیات مرحمت فرمائے۔
اس میں شک نہیں کہ دراصل تجلی اسی کا نام ہے جس کا تعلق ظہور ذات و صفات خداوندی سے ہے۔
جل جلالہ وجل شانہ۔ مگر یہ بھی سمجھ لو کہ روح کی بھی تجلی ہوتی ہے۔ اور یہ ایسی نازک بات ہے کہ اکثر
سالک کو غور و پندار پیدا ہو گیا ہے۔ کیونکہ وہ تجلی روح کو یہ سمجھا کہ حق کی تجلی ہے۔ ایسے موقع میں
اگر شیخ کامل اور صاحب تقرب کا سایہ سر پر نہ ہو تو اس منجد ہمارے عبور و شوار ہے۔ پس ہر طالب
صادق کو لازم ہے کہ کسی شیخ صاحب تقرب کا وسیلہ اور اس کا دامن پکڑے تاکہ اس کی دست
گرفتگی کی بدولت منزل مقصود تک پہنچے۔ چنانچہ قرآن قدیم نے بھی خبر دی ہے کہ وَاعْتُوا
الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا۔ (گھروں میں دروازوں سے داخل ہو)۔ اور کسی نے اسی معنی کی طرف
یوں اشارہ کیا ہے۔ سب جاعی

بے واسطہ واسطہ گراہ روی از راہ بغیتی و سوسے چاہ روی

دُر پیر دی کش کنی زمین قدش در یک دو زمان بعالم شاہ روی

(اگر کسی رہبر کے بغیر چلو گے راستے سے بھٹک کر کنویں میں گر پڑو گے۔ اگر کسی کی
پیر دی کر دے تو اس کے قدموں کی برکت سے بہت جلد شہنشاہ کی منزل تک پہنچ جاؤ گے)۔

اب تمہیں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ تجلی ربانی کیا اور تجلی روحانی کیا ہے۔ دونوں میں کیا
فرق ہے۔ (اس کو ہم آگے لکھتے ہیں)۔ ایک دوسری بات بھی کام کی ہے، اس کو پہلے سنو۔ یعنی جب
آئینہ دل وجود ماسویٰ کی کدورتوں سے مہفیا و مجلا ہو جاتا ہے اور کمال درجہ کی صفائی حاصل ہو جاتی ہے

اُس وقت دل جمالی حضرت غرت کے آفتاب کی جلوہ ریزی کے لائق ہو جاتا ہے۔ اور ذاتِ صفاتِ خداوند تعالیٰ کا جامِ جہاں نمایں جاتا ہے۔ لیکن اسے بھائی یہ کچھ ضرور نہیں کہ جس کا دل صاف ہو جائے گا اُس کو تجلی ذاتی و صفاتی کا مشاہدہ بھی ہونے لگے گا۔ کیونکہ ذلک فضلُ اللہ یؤتیہ من یشاء (یہ خدا کی بخششیں ہیں جس پر چاہتا ہے کرتا ہے) دیکھو دوڑنے والا ہی گورخر کو پکڑتا ہے۔ مگر یہ لازم نہیں کہ جو دوڑے وہ گورخر کو پکڑ ہی لے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دل کی صفاتی کے بعد اتنی روحانی ترقی سالک کو ہوتی ہے کہ انوارِ روح بہ شانِ تجلی ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اس وقت سالک سے صفاتِ بشریت بالکل غائب ہو جاتے ہیں۔ اس موقع پر دو کیفیت طاری ہوتی ہے۔ (۱) روح کو رتبہٴ خلافتِ حق حاصل ہوتا ہے۔ اس باغِ دستانِ تختِ خلافت پر اپنا جلوہ دیکھ کر کبھی دعویٰ اَنَّا لِحَقِّ (میں خدا ہوں) بھی کرنے لگتی ہے۔ (۲) اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تمامی موجودات کو روح اپنے پایہٴ تخت کے سامنے سر بسجود پاتی ہے اور اتر جاتی ہے سمجھتی ہے کہ ہم ہی ہم ہیں۔ جیسا کہ منشا اس حدیث کا ہے۔ اِذَا تَجَلَّى اللّٰهُ بِشَيْءٍ خَضَعَ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ رَّجَبُ اللّٰهِ تَعَالٰی کسی کو اپنی تجلی دکھاتا ہے تو اُس کے لیے ہر چیز تابع ہو جاتی ہے۔ اور اس قسم کی بہت سی غلطیوں میں پڑ جاتی ہے۔ بغیر عنایتِ خداوندی و حمایتِ پیرِ یہ ہم سر نہیں ہو سکتی۔ اب تجلی ربانی اور تجلی روحانی کے درمیان بوفرق ہے اُس کو سنو، پہلی بات یہی ہے کہ تجلی روحانی پر حدوث کا دھیان لگا ہوا ہے۔ اس کو فنا کرنے کی صلاحیت و قوت نہیں ہے۔ اگرچہ جس وقت اس تجلی کا ظہور ہوتا ہے صفاتِ بشری بالکل زائل ہو جاتے ہیں، لیکن ہمہ تن فنا نہیں ہوتے پھر جب اس تجلی کو حجاب ہوتا ہے فی الفور صفاتِ بشری ظاہر ہو جاتے ہیں۔ لیکن حق سبحانہ تعالیٰ کی ذاتی صفاتی تجلی ان آفتوں سے بڑی ہے۔ کیونکہ اس کا خاصہ ہے کہ نفس کو مغلوب کر دے اور صفتِ باطل کو جلا دے۔ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَّقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوًّا (کہہ دو حق سامنے آگیا اور باطل کا وجود اٹھ گیا۔ باطل تہس نہس ہونے والی چیز ہے)۔ دوسری بات یہ ہے کہ روحانی تجلی جس وقت ہوگی دل میں ظلمانیات بھی ظاہر ہوگی اور شائبہٴ شک

شبہ سے دل کو چھٹکارا نہ ہوگا۔ اور معرفت کا پورا پورا ذوق حاصل نہ ہوگا۔ اور حق جل جلالہ کی تجلی بالکل اس کے برعکس ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ تجلی روحانی سے غور پیدا ہوتا ہے اور عجب خودی بڑھتی ہے۔ طلب میں نقصان پیدا ہوتا ہے اور خوف و غم کم ہو جاتا ہے۔ حق سبحانہ کی تجلی کی بات ہی دوسری ہے۔ ہستی نیستی سے بدل جاتی ہے اور در طلب بڑھ جاتا ہے اور پیاس زیادہ ہو جاتی ہے۔ اب تم ان باتوں کا لب لباب اور پختہ پن لو کہ انسان ذات و صفات باری تعالیٰ کا آئینہ ہے۔ جب انسان کا دل آئینہ کی طرح صاف ہو جاتا ہے اُس وقت حضرت خداوند تعالیٰ جس صفت کے ساتھ چاہتا ہے تجلی کرتا ہے۔ اگر حیات کی صفت میں تجلی ہوگی خضر و الیاس علیہما السلام کی طرح حیاتِ جاودانی ملے گی۔ اور اگر بہ صفت کلام تجلی ہوگی موسیٰ کی طرح متکلم ہوگا۔ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا۔ (اور خدا نے حضرت موسیٰ سے باتیں کیں) اور اگر رزاقی کی صفت میں تجلی ہوگی حضرت مریم کی شان ظاہر ہوگی۔ وَهِيَ تِلْكَ الْمُجْنُونَةُ (اپنی طرف کھجور کی ڈال ہلاؤ)۔ اور یہ صفت خلاق تجلی ہوگی تو وہ بات پیدا ہوگی جو عیسیٰ علیہ السلام کو تھی۔ وَإِذْ مَخْلُقٌ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنْفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي۔ اور اگر امانت (مارنا) کی صفت میں تجلی ہوگی، ایسا ہوگا کہ خواجہ ابوتراب بخشی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کو جیسا پیش آیا۔ یعنی جب اُس مرید کی نظر خواجہ بایزید قدس اللہ روحہ پر پڑی، ایک نعرہ کیا، اور جان بحق تسلیم ہوا۔ جس شخص میں امانت کی شان آتی ہے وہ بہت جس شخص کے ساتھ صرف کرے گا فوراً ہلاک ہو جائے گا۔ اور صفات کو بھی اسی پر قیاس کرو۔ مشاہدہ اور مکاشفہ اور تجلی میں نہایت باریک فرق ہے بغیر بصیرت اور کافی تامل کے نہیں سمجھ سکتے۔ (جب وقت آئے گا خود سمجھ لو گے)۔ لکھنا طوالت سے خالی نہیں۔ اب تمہیں یہ بھی جاننا چاہیے کہ تجلی اور استتار دو لفظ ہیں جو اس طائفہ (مشائخ) کے یہاں مشہور ہیں۔ تجلی کے معنی لغت میں کشادہ ہونا، اور استتار کے معنی پوشیدہ ہونا ہے۔ (مشائخ رحمۃ اللہ علیہ کی) مراد تجلی سے کشادہ ہونا حق کا

اور استعار سے مراد پوشیدہ ہونا حق کا ہے۔ مقصود اس سے ذات حق نہیں لیتے۔ کیونکہ اُس ذات کے لیے تغیر و تلون جائز نہیں۔ مثلاً یوں سمجھو کہ اگر کسی شخص پر کوئی مسئلہ روشن ہو جائے تو کہیں گے کہ یہ مسئلہ کشادہ ہو گیا۔ حالانکہ مسئلہ کوئی کشادہ ہونے والی چیز نہیں۔ بلکہ عقل و فراست اُس کی کشادہ ہوتی ہے، جس کے ذریعہ سے اس مسئلہ کو وہ جانتا ہے۔ اسی علم کے کشادہ ہونے کو مسئلہ کا کشادہ ہونا کہا جاتا ہے۔ اور اس کا نہیں جاننا مسئلہ کا پوشیدہ رہنا کہا جائے گا۔ (جب سالک کا) دیدہ ہر انہی طرف مشغول رہے گا غیب کا دیدار پوشیدہ رہے گا۔ اسی کو استعار کہتے ہیں۔ اور جب حق کی طرف سے دیکھے گا اور اس کی ملک جانے گا، گویا اُس نے بشریت سامنے سے ہٹا دی اور غیب کا مشاہدہ کیا، اسی کو تجلی کہتے ہیں۔

اے بھائی جس دن انسان کو خلوت و جود عنایت ہوا تھا، حکم ہوا تھا کہ راہ طلب میں جاؤ اور یافت کا خیال اٹھا دو۔ (سبحان اللہ) مرید طلب میں اور مطلوب پر دہ غرت میں نہ طلب ختم ہوگی نہ مطلوب ظاہر ہوگا۔ جانتے ہو، یہ کیا ہے؟ جہاں کہیں جہاں ہوگا غمزہ و تازہ لگا ضروری ہے۔ جہاں کہیں حسن ہوگا، وہاں کوئی ذلیل و گرفتار بھی ہوگا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

مائیم طرب شمرده غمنا سے ترا بادیدہ پذیرفتہ ستمنا سے ترا

با این ہمہ در راہت اگر خاک شوم شایستہ نباشیم قدمنا سے ترا

(ہم ہی ہیں، جس نے تمہارے غم کو خوشی سمجھا ہے، تمہارے ظلم کو سرائیکھوں پر لیا، اس کے باوجود اگر تمہارے راستہ میں ہم مرثیں تو بھی ہماری خاک اس قابل نہیں کہ تمہارے پاؤں کو چھو سکے)۔ سنو برادر جس شخص نے روش درست کی بلا طلب اُس کو نعمت ملے گی۔ اور بد راہ چلا، تو ہزار کچھ مانگے گا نہ پائے گا۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہتے ہیں، ان بزرگ نے کہا نہیں۔ (سائل نے پوچھا۔ کیوں؟ ان بزرگ نے جواب دیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے دیدار چاہا، مگر نصیب نہ ہوا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں چاہا، مگر دیکھا۔ (سنو) اس آیت گیل کی بات سرسری نہیں ہے اور آدم و آدمی کے کام

مجازی نہیں۔ مصنوعات و موجودات بہت تھیں مگر کسی مصنوع اور موجود کے ساتھ یہ معاملہ نہ ہوا۔ جو نوازش تیرے ساتھ ہوئی۔ اگر عنایت کسی سبب پر موقوف ہوتی تو اس کے مستحق نوزانی شخصیت اور ملکوتی جوہر ہوتے۔ کیونکہ ان کا لباس عصمت و طاعت، قدس و طہارت تھا۔ مگر بات کچھ اور ہے۔ ایسا نہ سمجھو کہ جس سے خدمت لی جائے وہ محبت کے لائق بھی ہو۔ اور جو حاشیہ لبساط کا سزا دار ہے وہ مقام انبساط کے قابل بھی سمجھا جائے۔ والسلام۔

پندرہواں مکتوب

وصول کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے میرے بھائی شمس الدین اللہ تعالیٰ تم کو دواصلین کی بزرگی کا درجہ عطا فرمائے۔ تمہیں معلوم ہو کہ حضرت حق سے وصول یعنی ملنا اور پیوستہ ہونا کچھ ایسا ملنا نہیں ہے جیسا کہ جسم کا جسم سے یا عرض کا عرض سے یا جوہر کا جوہر سے یا علم کا معلوم سے یا عقل کا معقول سے یا شئی کا شئی سے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** (اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ بلند و برتر ہے) لفظ وصول شرعاً و عرفاً مستقل ہے اور اس طائفہ مشائخ کے یہاں بھی مشہور ہے پس خداوند غرور جل سے ملنے کے کیا معنی ہیں۔ تم کچھ سمجھے؟ سنو خداوند تعالیٰ سے ملنے کے یہ معنی ہیں کہ خداوند تعالیٰ کے سوا سب سے انقطاع اور دوری ہو۔ پس اسرار کا حق تعالیٰ سے مشغول ہونا اتصال ہے جس قدر غیر حق سے فراغت ہوگی اتنا ہی تقرب ہوگا۔ اور حق تعالیٰ سے جس قدر فراغت ہوگی اسی قدر انقطاع اور بعد ہوگا۔ حق کے ساتھ جس قدر مشغولیت رہے گی اتصال اور نزدیکی ہوگی۔ ہمارے اس بیان کی تصدیق حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے **كَأَنِّي أَنْظَرُ إِلَى عَرْشِ رَبِّي بَابِ مَنْ أَسْأَلُ (جیسا کہ میں اپنے رب کا عرش دیکھ رہا ہوں)۔ جتنا حارثہ کو دنیا سے انقطاع تھا حق تعالیٰ کے ساتھ اتصال تھا۔ اگر آپ کے خیال میں کوئی چیز باقی ہوتی**

تو آپ فرماتے اَعُوذُ بِكَ مِنْكَ (میں تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں)۔ تو بات معلوم ہو گئی کہ آپ کے خیال میں کوئی چیز غیر حق موجود نہ تھی۔ پس دنیا کے انفصال سے عقیقی کا اتصال ہوا۔ اور دونوں جہان کے انفصال سے حق تعالیٰ کے اتصال کی دولت ملی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ طوالت کعبہ کے دور جذبات میں سلام کا جواب نہ دے سکے۔ جب آپ سے شکایت کی گئی، تو آپ نے جواب دیا کُنَّا نَرَى اللَّهَ فِي ذَلِكَ الْمَكَانِ۔ یعنی میں خداوند تعالیٰ کے دیدار میں یہاں مشغول تھا۔ چونکہ شخصیت آپ کی مشغول شریعت تھی اور اسرار مشغول حقیقت شغل حقیقت نے آپ سے شریعت فراموش کرادی۔ نہ گھر (کعبہ) کی خبر ہی نہ اس سلام کرنے والے کی خبر ہوئی۔ شغل حق نے انھیں ایسا منحور کر دیا تھا کہ اغیار کے سلام کی خبر مطلق نہ ہوئی۔ صاحب خانہ کی تعظیم نے ایسا بے خبر بنا دیا تھا کہ گھر (کعبہ) نظر سے ساقط تھا۔ آپ نے کُنَّا نَرَى اللَّهَ فِي ذَلِكَ الْمَكَانِ (میں اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہوں اس مکان میں) فرمایا۔ اور اس بیچارے سلام کرنے والے کو اس مقام کی خبر کہاں۔ شکوہ و عتاب پر آمادہ ہو گیا۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس معاملہ سے آگاہ تھے، آپ نے کچھ باز پرس نہ کی اور یہی سکوت حضرت عبداللہ کے صدق دعوائے کے لیے کافی دلیل ہو گیا۔ اور ایسا ہی فقہا کا بھی قول ہے کہ تَوَلَّى الْبَيَانَ فِي مَوْضِعِ الْحَاجَةِ الْبَيَانَ بَيَانٌ۔ (ضرورت بیان کے موقع پر ترک بیان بھی خود ایک بیان ہے)۔ حال کلام یہ ہے کہ وہ بڑا خوش نصیب صاحب دولت ہے جس کا مرجع و منتہی درگاہ حضرت خداوند تعالیٰ ہے، جیسا کہ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی (تیری منزل کی انتہا رب تک ہے)، سے ظاہر ہے۔ اللہ اکبر! عَمْدُ الْاَمْنِ بِرَبِّكُمْ (کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟) کے قبل ہی روحانی سرشت اور انسانی خمیرمایہ نور خاص کی تراوش سے تیار ہوا۔ اِنَّ اللَّهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فِي ظُلُمَاتٍ ثُمَّ مَرَّشَ عَلَيْهِمْ مِنْ نُّوْرِہ (اللہ نے مخلوق کو تاریکیوں میں پیدا کیا، پھر اپنے نور سے اُس پر چھڑکا دیا)۔ انسان کو روز ازل وہ شراب پلا دی گئی ہے کہ ہرگز سرور اور اثر اُس کا کام جان سے جانے والا نہیں۔ بلکہ اس کی زندگی اور اُس کی حیات

اسی ذوقِ دستی کے ساتھ ہے، مگر اس لڑکے کا قصہ ہمیشہ اپنے مرکزِ معدن کی طرف ہے اس لیے اس عالم کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ اور اس شراب کو چھوڑ نہیں سکتا۔ کسی بزرگ نے کیا خوب کہا ہے۔ مری جاعی۔

عشاق تو از ازل مست آمدہ اند سرمست زیادہ است آمدہ اند

نئے می نوشند و پندے می نوشند کالیشان زالست پست آمدہ اند

دیرے عاشق روزِ ازل سے جو مست ہیں اور اسی شراب سے بیوش ہیں شراب پیا کرتے ہیں، اور کسی کی نصیحت نہیں سنتے۔ کیونکہ یہ لوگ روزِ ازل ہی سے شرابی واقع ہوئے ہیں۔ جو لوگ کہ پروانہ کی طرح عاشقِ جانباز ہیں اور جاذبہ الوہیت نے عہدِ است ہی کے دن کمندِ محبت ان کی گردنوں میں ڈال دی ہے، آج کے دن سراپردہٴ جمال اور شمعِ جلال کے گرداگرد ہزار ہزار قوتِ بازو سے پرواز کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ مَن تَقَرَّبَ اِلَیَّ شَيْئًا تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ ذَرَّاعًا۔ (جو کوئی میری طرف ایک بالشت آیا، میں اُس کی طرف ایک گز..... بڑھ گیا) کا شاندار استقبال اپنی شانِ ظاہر کرتا ہے۔ اور جَذْبَةٌ مِنْ جَذَبَاتِ الْحَقِّ تُوَازِنُ عَمَلِ الْمُتَّقِلِّیْنَ (جذباتِ حق میں سے ایک شورِ یدِ گی ہے جو دونوں جہان کے کام کے برابر ہے۔) کے ہاتھوں سے انھیں کنارِ وصال میں کھینچ لیتا ہے۔ اور کہاں شفقتِ فرمان ہوتا ہے کہ بے بندہٴ ضعیف اس کمزور پر وبال سے میرے سراپردہٴ جمال کے گرداگرد کب تک اڑتا رہے گا۔ ان پر وبال کی ادنیٰ اڑان ہمارے ہوائے ہویت تک نہیں پہنچ سکتی۔ ان پر وبال سے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوا فِیْنا کَے میدان میں کام لے، تاکہ حَسْبُ دَسْتُوْر کُنْهَدِ یَنْهَدِیْہُمْ سُبُلَنَا (البتہ ہم اُن کو اپنا راستہ دکھاتے ہیں)۔ ایک دوسرا پر وبال شوارعِ انوار سے میں تجھے عنایت کروں۔ تو نے یَنْهَدِ اللّٰہُ لِنُؤْمِرَہٗ مَنْ یَّشَآؤُ (اللہ اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے) نہیں سنا ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ مری جاعی۔

لے دل این راہ بہ قیل و قالت ندہند

جز برد نیستی وصال ندہند

تا با پر و بالی پر و بال ندہند

دنگاہ دران ہوا کہ مرغان پیرند

(اے دل یہ راستہ لڑائی جھگڑے سے بزور نہیں مل سکتا۔ جب تک اپنی ہستی کھو نہ سیکھے گا وصال ناممکن ہے۔ پھر اس کی فضا میں جہاں اُس کے طائر اڑتے ہیں جب تک تو اپنے پردہاں کے ساتھ ہے وہ تجھے اپنے پردہاں نہ دیں گے۔

اگر ملائکہ اعلیٰ علیین اور جن و انس سب کے سب جمع ہو کر چاہیں کہ ایک بندہ کو صفات خداوند تعالیٰ کی تجلی سے سرفراز کریں نہیں کر سکتے۔ اور ایک جذبہ حق بساطِ ادا دینی کے قریب لے جاسکتا ہے۔ اسی وجہ سے ایک جذبہ تمامی خلق کی طاقت سے کہیں بہتر ہے۔ اور جو بند قیدِ خودی سے چھٹکارا پا چکے ہیں اور عالم الوہیت میں جذبات کے لہر و لعل سے روش میں آچکے ہیں۔ ایک نفس اُن کا دوزخ جہان کے معاملہ کے برابر ہے۔ اسی تجربہ کی طرف کسی نے کیا خوب اشارہ کیا ہے

صوفیان در دے دُودِ عید کنند عنکبوتان گس قدید کنند

(حضرات صوفیہ ایک ہی سالس میں دُودِ عیدیں مناتے ہیں، مکڑیاں مکھی شکار کیا کرتی ہیں)۔ صوفی قافی کو ہر دم ایک نیا وجود ملتا ہے۔ پھر جذبہ کے تصرف سے وہ وجود محو ہو جاتا ہے۔ اور اس محویت سے عالم الوہیت کی ایک دوسری سیر ہوتی ہے۔ یَحْجُو اللہُ مَا لَيْشَاءُ وَ يُثَبِّتُ (اللہ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے)۔ پس ہر دم ایک نیا محو و اثبات حاصل ہوا کرتا ہے۔ اور یہی صوفی کی دوسری عید ہے۔ ایک عید محو سے اور دوسری اثبات سے۔ سالک کو اگر اس مقام میں رُوح اللہ و کلیم اللہ کما جائے تو بجا ہے۔ اور یہ خلعت اُس کے جسم پر درست و چست ہوگی۔ اسے بھائی یہ مرتبہ دستارِ خواجگی کے ساتھ ملنا ذرا مشکل ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ وہ عزیز (آدم علیہ السلام) جس وقت بہشت میں آیا، چاروں طرف اُس نے غور سے دیکھ کر دل میں سوچا کہ یہ چلتا پھرتا پاؤں جو مجھے ملا ہے، قید میں نہیں رہ سکتا۔ اور یہ عشق سے پُر خمار سر جو مجھے ملا ہے تاج شاہی کا بار نہیں اٹھا سکتا۔ مجھے الف کی طرح قد دیا گیا ہے اس لیے الف کی موافقت میں ایک بار

پاؤں پر کھڑا رہنا چاہیے۔ الفت کی شان مجرّد ہے۔ علت و اسباب کو آگ لگا دینا چاہیے۔ چیلنج مردانہ دار عاشقانہ لبیک کی اور آنکھوں میں کھوپڑی نکلا۔ جس وقت بہشت میں داخل ہوا تھا تاج دخلت کے ساتھ مقریوں کی صوف میں تھا۔ اور جب راہ طلب میں آیا تو مترپوش تک میسر نہ تھا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

دانی چہ بود شرط خرابات نخست تاج دکر دکلاہ در بازی چہیت
(تو جانتا ہے کہ شراب خانہ میں داخل ہونے کی پہلی شرط کیا ہے۔ تاج و تخت کو ہارنا اور بادشاہی سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے)۔ آدم کے ہرزہ و جود سے یہ عشق کا نعرہ بلند ہوا ہے
دل در غم عشق مبتلا خواہم کرد امروز بخون دل قضا خواہم کرد

والسلام

سولہواں مکتوب

سالک و مجذوب کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے میرے بھائی شمس الدین اللہ تم کو سالکوں کی بزرگی عطا فرمائے۔ تمہیں معلوم ہو کہ اس راہ طریقت میں چلنے والوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سالک دوسرا مجذوب۔ مجذوب وہ لوگ ہیں کہ جذبہ نے انہیں مرتبہ ولایت تک پہنچا دیا ہے۔ مگر غلبہ شوق میں اس طرح ٹھہرتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ وہ ہر مقام سے گزر چکے ہیں اُن کو اس کی خبر نہیں، کہ راہ کا حال کیا ہے مقام کی کیفیت کیسی ہے، خیر کس شے کا نام ہے، شر کس بلا کو کہتے ہیں۔ نفع کی صورت کیا ہے ضرر کس بات میں ہے۔ اس لیے مجذوبان پیر بنانے کے لائق نہیں۔ شیخی کے لائق وہ ہستی ہے کہ اگر جذبہ شوق کے ساتھ راہ طے کرتی ہے، مگر نہایت سکون و آہستگی سے۔ یعنی ہر مقام کی داد و انصاف دیتے جاتے ہیں۔ اور آگے بڑھتے جاتے ہیں۔ احوال خیر و شر اور صلاح و فساد

کل اُن پر کھول دیے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی راہ پر چلتے چلتے بے راہ بھی ہو جاتے ہیں، تاکہ راہ اور بے راہی سے پورا دقوت حاصل ہو جائے۔ اتنے مرحلوں کے بعد اس کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے کہ ایک جماعت کی راہبری سالک کر سکے۔ خیر، سالک یہ کیونکر سمجھے کہ ہم راہ پر چل رہے ہیں۔ اور منزل طے ہو رہی ہے۔ سنو، بزرگوں نے اس کی نشانیاں بتائی ہیں وہ یہ ہیں۔ عالم ہزاروں ہیں۔ ہر عالم سے سالک کو گزرنا ہے۔ اور اس کی سیر کرنا ہے۔ منجملہ اس کے ایک عالم خاک ہے۔ اس مقام کی سیر میں کیا واقعہ پیش آتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ لہنتوں سے کوچوں سے پھاڑوں کی طرف جارہے ہیں۔ نتیجہ اس سیر سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ سرگرائی اور تیرگی دور ہوتی ہے۔ سبکی اور لطافت پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرا عالم آب ہے۔ اس مقام کی سیر میں سبزہ زار، درختان سرسبز کشت زار آب رداں، چشمے دریا وغیرہ نظر آتے ہیں۔ تیسرا عالم باد ہے۔ اس مقام کی سیر میں ہوا پر چلنا، اڑنا، بلند یوں پر جانا، وادیوں میں پرواز کرنا نظر آتا ہے۔ چوتھا عالم آتش ہے۔ اس مقام کی سیر میں چراغ، شعلے آتش کدے دکھائی دیتے ہیں۔ پانچواں عالم افلاک ہے۔ اس مقام کی سیر میں سالک دیکھتا ہے کہ ہم ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف جاتے ہیں۔ اور یہ دیکھتا ہے کہ آسمان کس طرح پرچکر کھارہا ہے۔ اور فرشتے بھی نظر آتے ہیں۔ چھٹا عالم ملکوت کو اکب ہے۔ اس مقام کی سیر میں ستارے، ماہ، خورشید النوار اور ان کے مشابہ چیزیں نظر آتی ہیں۔ ساتواں عالم حیوان ہے۔ اس مقام کی سیر میں سالک ان مختلف حیوانات کی شکل کو دیکھتا ہے۔ جن جن چار پائے اور درندے کی صفوں کو سالک نے دور کیا ہے۔ اس مقام میں قابل خیال یہ بات ہے کہ اگر سالک ان سبع و بہائم پر اپنے آپ کو غالب دیکھے تو یہ سمجھے کہ واقعی خدا نے ہمیں ان صفات سے نجات دی۔ اور اگر اپنے کو ان کا مغلوب دیکھے تو یہ سمجھے کہ ابھی وہ صفات ذمیمہ ہم میں باقی ہیں۔ اسی طرح جتنے عالم ہیں تمام کی سالک سیر کرتا ہے اور ان سے گزرتا ہے۔ ہر عالم کی

مناسبت سے مشاہدات ہوتے ہیں۔ اور اس کے اسرار کھلتے ہیں۔

اے بھائی! یہ جان تاواں اور وہ مقصود جان۔ ایسا ہی جو انمرد ہو تو یہ کہے کہ جان جائے
تو جائے مگر مقصود تک ہم ضرور پہنچیں گے۔ یہ وہ گوہر شب چراغ ہے جس کی غرت اسی سے ظاہر ہے
کہ دربان اس کا موج دریا سے خوشوار ہے۔ یہ وہ گوہر ہے جس کے لاکھوں طالب ہیں اس پر جان
فدا کر رہے اور سر کے بل قبر دریا میں غوطے لگاتے ہیں۔ دیکھو اگر کوئی شخص اپنی غفلت کے ساتھ
اس درگاہ میں قدم رکھنا چاہتا ہے تو وہ یعنی جو اس درگاہ کا دربان ہے، فوراً ٹوکتا ہے اور
کہتا ہے کہ مجھے جان رکھو کہ میں کون ہوں۔ وہی ہوں کہ آسمانِ اول کے فرشتوں نے آدابِ تسبیح
مجھ سے سیکھے۔ اور دوسرے آسمان کے فرشتوں نے آدابِ تمہیل مجھ سے جانے۔ اور اسی طرح اور
آسمان والوں نے میرے دستِ افہامیت کے پائے غرت کو افلاک کے سرود پر رکھا۔ باوجود
اس کے چشمِ زدن میں میں نے ساری دولت کو لات مار دی اور لعنت کا ٹیکا پیشانی پر لگا لیا
ہے۔ اتنے ایشیا کے بعد اس لائق ہوا ہوں کہ شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے کوچہ کی
سرہنگی و درباری مجھے ملی ہے۔ ہاں، اگر تاجِ اخلاص سر پر رکھ کر آئے ہو تو چلے چلو، ورنہ میری
کنندہ سے کہاں بھاگ سکتے ہو۔ دیکھو بھائی یہ حال ہے۔ تاہم یہ نہ سمجھو کہ وہ یعنی جس کی یہ
شان ہے ہر سہت ہمت کے لیے ہلتا بھی ہو۔ نہیں ہرگز نہیں۔ وہ بڑا ہی متکبر ہے۔ جب تک
کوئی صدیق دنیا میں پیدا نہیں ہوتا، اور کوئی چالاک و پاک باز اس راہ میں قدم نہیں رکھتا
وہ کب اپنی جگہ سے اٹھنے والا ہے۔ والسلام

سترھواں مکتوب

غلط گاہ سالک کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادر شمس الدین تمہیں معلوم ہو کہ صوفیوں میں ایک جماعت ایسی بھی ہے کہ ریاضتِ شاقہ کر چکی ہے اور خواہشاتِ نفسانی سے کوسوں دُور ہے۔ ایک مدت دراز تک خلوت نشینی اس کا کام رہا ہے، دل کا یہ حال ہو گیا ہے کہ اہم ذات اللہ اللہ کے سوا کسی طرف رُخ نہیں کرتا۔ نگہبانی دل میں اس قدر مبلغِ کوشش کی ہے کہ سوائے ذکرِ خداوندِ غرِ دل کے کوئی خطرہ دل پر نہیں گزرنے پاتا۔ اس جماعت کے لوگوں پر کشفِ احوال ہوا کرتے ہیں۔ اور اسرارِ ملکوت کھلتے رہتے ہیں۔ علو مقام کا ان کے یہ حال ہوتا ہے کہ اصحابِ کرامت میں داخل ہیں غیب کی خبر دیا کرتے ہیں۔ اور وہ راست ہوا کرتی ہے۔ بیمار سے بیمار کی طرف توجہ کرتے ہیں، تو اس کو شفا ہو جاتی ہے۔ دشمن کی طرف اگر ہمت باندھتے ہیں تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ ان حالتوں کو دیکھ کر ابلیس کو رشکِ حسد پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ اس فکر میں لگ جاتا ہے کہ جس طرح ممکن ہو حضرت سلامت کو اپنے دامنِ تزویر میں لا کر شیطانِ محسّم بنا چھوڑیں۔ چنانچہ اُن پر اسرارِ شریعت کو ظاہر کرنا شروع کرتا ہے۔ سوائے ایک از کے کل راز کو کھول دیتا ہے۔ وہ ایک الیسا راز ہے کہ خود اس لعین پر بھی پوشیدہ رہا۔ اور اسی سبب سے کمبخت نے آدم صلوٰۃ اللہ علیہ کو سجدہ نہ کیا۔ وہ ایک پٹی تو یہ پڑھاتا ہے کہ مقصود ترکِ معصیت سے یہی ہے کہ خواہشاتِ نفسانی دُور ہو جائیں اور صفاتِ بشریت مغلوب ہو کر رہے تاکہ سالک کو خدا سے تقرب حاصل ہو۔ دوسرا فقرہ اس کا یہ چلتا ہوا ہوتا ہے کہ مقصود ریاضت سے یہ ہے کہ ذکرِ حق دل پر غالب ہو جائے اور ذکرِ خداوندِ تعالیٰ سے دل میں ایسی جلا پیدا ہو کہ ساری ظلماتِ بشریت دُور ہو جائیں تاکہ حقیقتِ معرفت سالک کو حاصل ہو۔ اور غرضِ شریعت درزی سے یہی ہے

کہ کعبہ وصال تک پہنچیں۔ جب وہاں تک سائی ہو گئی تو زاد و راہ کی کیا حاجت باقی رہی۔ ان تو بہت کے بعد اس قوم کو یہ خلل دماغ پیدا ہو جاتا ہے کہ نماز ادا کرنے کو حجاب سمجھنے لگتی ہے۔ خیال یہ ہوتا ہے کہ ہم تو خود ہر وقت مشاہدے میں ہیں۔ مقصود نماز، رکوع و سجود سے تو دل کی غفلت دور ہوتا، حضور پر پیدا ہوتا ہے۔ جب ایک ساعت بھی غفلت نہیں ہوتی اور عالم ملکوت پیش نظر ہے۔ ارجح انبیاء بہترین صورت میں دکھائی جا رہی ہیں، اب ہم کو ان بیگاریوں کی کیا حاجت باقی رہی۔ معاذ اللہ معاذ اللہ یہی بعینہ ابلیس کا واقعہ ہے۔ کمال قرب میں وہ ایسا بھولا کہ سجدہ آدم کی اُس نے پروا نہ کی۔ اور آدم علیہ السلام کو اپنے سے حقیر سمجھا۔ اس سجدے کو بے سود سمجھ کر باز رہا۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ قرآن شریف میں قصہ ابلیس محض افسانہ کے طور پر بیان ہوا ہے۔ نہیں، ہرگز نہیں، بلکہ ایسی ہی قوم کی تنبیہ کے لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ یہ لوگ جان لیں کہ مقرب سے مقرب بھی ہو تو وہ فرمانبرداری میں تقصیر نہ کرے۔ اور بزرگوں کا جو یہ خیال ہے کہ شریعت کی راہ میں چلنا بھی عین حق طلبی ہے۔ بالکل بجا و درست ہے۔ اب سنو اصلی راز جو ابلیس نے اس قوم پر ظاہر نہ کیا اور خود بھی غافل رہا، وہ کیا ہے؟ یہ ہے کہ نماز وغیرہ سے غرض صرف صفات بشریت کا دور ہونا اور تقرب خدا حاصل ہونا نہیں ہے بلکہ دوسرا مقصود یہی ہے کہ پانچ وقت کی نمازیں گویا درجہ کمال کے لیے پانچ مسماں ہیں۔ اگر اس مسماں کا سہارا نہ ہو گا تو سالک اس مقام سے گر جائے گا۔ ممکن ہے کہ یہاں پر یہ شبہ واقع ہو کہ آخر نماز کے مسماں ہونے کا سبب کیا ہے اور کس مناسبت سے نماز کو مسماں کہا گیا ہے۔ جواب اس کا بزرگوں نے یہ دیا ہے کہ اس کی وجہ کا انکشاف قوت بشری سے ماہر ہے۔ یوں سمجھو کہ یہ از تقسیم خاصیت ہے۔ عقل اس کی دریافت سے عاجز و قاصر ہے۔ مثلاً مقناطیس کو دیکھو لو ہے کہ اپنی طرف کھینچ لیتا ہے کسی کو اس کی خبر نہیں، کہ ایسا کیوں ہے۔ علاوہ ازیں بزرگوں نے اس قوم کے لیے ایک بہت ہی واضح مثال دی ہے۔ وہ یہ ہے کہ۔ ایک شخص نے پہاڑ پر چھوٹا سا مکان بنا لیا تھا اور طرح طرح کی نعمت اس میں لاکر اُس نے رکھ دی تھی۔ جب اُس کا آخر وقت ہوا صاحبِ جزا دے صاحبِ کُ اس نے وصیت کی کہ اے فرزند میرے بعد جس قسم کا تغیر و تبدل اس مکان میں تم کرنا چاہو تمہیں ہم اجازت

دیتے ہیں۔ مگر وہ کئی مٹھے جو خوشبو گھاس کے ہیں اگر وہ سوکھ بھی جائیں تو انھیں اس مکان سے باہر نہ پھینک دینا۔ خدا کی شان وہ غریب چل بسا۔ بر خور دار سلمہ اس مکان میں رہنے لگے۔ فصل بہار کی آمد آمد ہوئی پہاڑ کا پہاڑ جنگل کا جنگل..... ہر ابھرا ہو گیا ہے۔ انواع انواع اقسام کے خوش رنگ و خوشبودار پودے نکل آئے۔ صاحبزادے عمر دراز نے سوچا کہ اباجان نے غالباً ان گھاس کے مٹھوں کو اس لیے یہاں رکھ چھوڑا تھا کہ مکان میں خوشبو رہے۔ اب اس خشک گھاس کی کیا ضرورت باقی رہی۔ جہاں ایسے ایسے گل پھول موجود ہیں۔ حکم دیا کہ ان کو بدر کر دو اور کافی مقدار تر و تازہ گلہ سٹوں سے مکان سجھا ڈالا۔ ادھر اس پُرانی گھاس کا دور کرنا تھا کہ ایک سیاہ سانپ سوراخ سے نکلا اور نور نظر سلمہ کو دس کر چلتا ہوا۔ پھر کیا تھا فوراً حضرت ختم ہو گئے۔ دیکھو اس گھاس میں دو فائدے تھے، ایک تو خوشبودار گھاس کی خوشبو بھی تھی۔ دوسرے ایک خاصیت اس میں یہ تھی کہ جہاں کہیں وہ رہے سانپ اس کے گرد پھٹکنے نہ پائے۔ وہ گھاس گویا ایک قسم کا منتر تھی۔ اس خاصیت سے کوئی شخص واقف نہ تھا۔ صاحبزادے بلند اقبال نے اپنے کماں عقل پر غرہ کیا، آخ جان غریزہ کھو بیٹھے۔ یہ خرابی کیوں واقع ہوئی؟ اسی لیے ہوئی کہ ایک مقصد کے سوا دوسرا مقصد اس گھاس کے رکھنے کا وہ نہ سمجھا۔ یہ بہت بڑی غلطی ہے کہ جو بات انسان کے دائرہ عقل میں نہ آئے وہ یہ سمجھے کہ قدرت بھی اس سے عاری ہے۔ کیا اس آئیہ شریفہ کی خبر نہیں ہے کہ وَمَا أَوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيْلًا (ہم نے تم کو بہت تھوڑا علم دیا ہے)۔ وہ صاحبان کشف و کرامت اسی غلطی میں مبتلا ہوئے۔ ایک بھید اسرار شریعت سے جو ان پر ظاہر ہوا، وہ سمجھے کہ اس کے سوا دوسرا راز نہیں۔ جیسا ابلیس سمجھا تھا۔ یہ بہت ہی بُرا دھوکا ہے جس میں سالکان اور روزندگان طریقت پڑ جاتے ہیں۔ اور ایک سخت گھائی ہے جس میں اکثر لوگ ہلاک ہو کر رہ گئے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ سرباعی۔

افگند دلم رخت بنزل گا ہے کا بنجانہ برد بصد دیلاں رہا ہے
چون من دو ہزار عاشق اندر رہا ہے می کشتہ شوند در نیاید آہا ہے

ایک ایسی منزل کی طرف میرے دل نے قدم اٹھایا ہے، جہاں سیکڑوں رہبر بھی اگر ساتھ ہوں تو وہاں کا راستہ نہیں مل سکتا۔ میرے جیسے ہزاروں عاشق روزانہ مار ڈالے جاتے ہیں اور مجال نہیں کہ ایک آہ بھی منہ سے نکال سکیں۔

دیکھو، بہت ہوشیار رہنے کا مقام ہے جس سالک کا قافلہ لوٹا گیا ہے وہ اسی بادیہٴ نوخوار میں لٹا ہے۔ اس ہلاک شدہ قوم نے شریعت درزی سے صرف ایک ہی مقصود جانا۔ حالانکہ اس میں دوسرے اسرار بھی پوشیدہ ہیں۔ کیسا عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے کہ انہیں کھلی کھلی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ ذرا غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر شریعت درزی میں دوسرے اسرار نہ ہوتے تو خود حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنی نماز کی کیا حاجت تھی کہ پاسے مبارک درم کر جاتے تھے۔ کیا آپ یہ نہیں فرما سکتے تھے کہ نماز اُمت پر واجب، پیغمبر پر واجب نہیں۔ آخر آپ نے یہ کیوں ظاہر فرمادیا کہ نبی کے لیے نوبیاں بیک وقت جائز ہیں، مگر اُمت کے لیے بیک وقت چار بیوی سے زیادہ جائز نہیں۔ پھر آپ نے روزہ وصال خود رکھا، اور اُمت کو منع فرمایا۔ بہر کیف علماء ہوں، مشائخ ہوں، صوفی ہوں، کوئی صاحب ہوں، جن کو واقعی کمال حاصل ہوا وہ جانتے ہیں کہ شریعت کا کوئی رکن بھید سے خالی نہیں۔ اور ہر رکن سے سعادتِ آخرت وابستہ ہے۔ اگر بزرگوں کے معاملات پر غور کر دو تو سمجھو کہ شریعت کے ساتھ ان کے کیا کیا آداب رہے ہیں۔ مرنے دم بھی آدابِ شریعت سے منہ نہیں موڑتے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا جب وقت آخرا ہوا، صوف کا عالم طاری تھا حسبِ حکم ایک صاحبِ وضو کرائے میں مشغول ہوئے۔ عجب اتفاق کہ وہ صاحبِ لیش مبارک میں غلال کرنا بھول گئے۔ آپ نے خود سے ان کا ہاتھ پکڑا اور اس سنت کو پورا کیا۔ حاضرین نے عرض کی کہ اے میرے دین کے سردار ایسے نازک وقت میں تو اس قدر تکلیف کی اجازت نہیں۔ آپ نے کہا ہے، مگر یہ بھی تو دیکھو کہ اللہ کس کی بدولت ملا۔ اسی شریعت درزی نے وہاں تک پہنچایا۔ بیشک جواہل کمال ہوتے ہیں ان کی یہی روش رہی ہے۔ البتہ اہل غور و تہوڑی بات میں پھول جاتے ہیں۔ ان کا عجب حال ہے جس چیز کو نہیں دیکھتے سمجھتے ہیں کہ وہ چیز ہی نہیں ہے۔

کیا نماز کے اسرار کو جاننا کھیل تماشا ہے۔ بڑے بڑے حقیقت آشنا بھی نہیں جانتے کہ پانچ وقت کی نماز کیوں ہوئی؟ تکبیر تحریمہ و قیام و قعود اور دیگر ارکان کیوں مقرر کیے گئے۔ اور یہ ترتیب کیوں رکھی گئی کہ صبح کی نماز فرض دو رکعت، ظہر و عصر کی نماز فرض چار چار رکعت۔ مغرب کی نماز فرض تین رکعت، عشا کی نماز فرض چار رکعت اور رکوع ایک بار سجدہ دو بار ہر بات میں ایک بھیجا اور خاصیت ہے۔ باوجود حصول کمال اگر نماز کی بھی نگاہداشت رہے گی تو البتہ موت کے وقت اثر ظاہر ہوگا۔ اور اس کا راز کھلے گا۔ اگر نماز کی پابندی نہ ہوگی تو کوئی کمال وقت پر کام نہ آئے گا۔ بے نمازی صوفی موت کے وقت جب اپنی حالت خراب دیکھتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں کہ ہاے وہ کمال کیا ہو گیا۔ جواب ملتا ہے کہ مسمار نہ تھا جڑ مل گئی۔ ابلیس کے ساتھ کیا ہوا؟ یہی ہوا کہ سارا کمال ایک نافرمانی کھو بیٹھی۔ یہی وہ گھائی ہے جہاں سالک مغرور ہو کر لٹ جاتے ہیں اور اصلی راز ان پر نہیں کھلتا۔ مثنوی۔

مرد بے دانش در راہ گمراہ کہ راہ دور و تار یک بہت پر چاہ
چراغ علم و دانش پیش خود دار و گرنہ در چہ افق سرنگوں سار
فغان زین صوفی کو در خار ماندہ دے در علم خود بے کار ماندہ

(بغیر کسی رہبر و پیشوا کے راستہ نہ چل، کیونکہ راستہ دور اور اندھیرا ہے اور بیچ میں کنواں ہے۔ علم و عقل کا چراغ ہاتھ میں رکھ، نہیں تو کنویں میں اوندھا گر پڑیگا۔ ہائے وہ صوفی جو جھاڑ جنگل میں پھنس کر رہ گیا، اس کا علم کوئی کام نہ دے سکا)۔

اے بھائی، جو لوگ واقعی خوش نصیب اور حق رسیدہ ہیں۔ ان کو دوا نہ نکھیں ملتی ہیں۔ ایک آنکھ سے صفات آفات نفسانی دیکھتے رہتے ہیں۔ اور دوسری آنکھ سے صفات کرامت یزدانی، ملاحظہ کرتے رہتے ہیں۔ جس وقت اُس کی توازش و اکرام کا مشاہدہ کرتے ہیں، ناز کرتے ہیں اور جب عجز و آفات خاک پر نظر پڑتی ہے، پانی پانی ہو جاتے ہیں۔ (اللہ اکبر۔)

گئے بر طارم اے انشینم گئے بر لپٹ پائے خود نہ بینم

(میں کبھی سب سے اونچے آسمان کی بلندی پر پہنچ جاتا ہوں۔ اور کبھی اپنے پشت پا کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اسی شوریدہ عراق سوختہ آتش فراق پر بد و نمایندہ کی حالت "جس وقت طاری ہوتی تو کس دردناک لب لہجہ میں کہہ گزرتا کہ یَا لَیْسَیْنِی کُنْتُ تُرَابًا وَ لَکُمُ اعْرَافُ هَذَا الْحَدِیْثِ کاش کہ میں خاک ہوتا اور مجھ کو محبت سے کچھ سروکار نہ ہوتا۔ اور جب "ازدیر بایند" کی شراب پیتا تو مستی میں یہ لغوہ مارتا کہ ملائکہ ملکوت اور ساکنان ملائکہ اعلیٰ کہاں ہیں حاضر آئیں اور میرے تختِ دولت کے سامنے ہاتھ باندھ کر سیدھے کھڑے ہو جائیں اسی راز کو کسی نے کہا ہے۔ فرد گیمیم جاے نشیب بہت دگاہ گاہ بلند گیمیم داغ فراق ست دگاہ باغ وصال (کبھی میری جگہ پستی میں ہے، کبھی بلندی پر۔ مجھ کو کبھی جدائی کے داغ کا مقابلہ کرنا ہے اور کبھی آنکھوں کے سامنے وصال کا پھلا پھولا بارغ نظر آتا ہے)۔

اب تصویرِ عالمِ محبت و طلب کا دوسرا رخ بھی دیکھ لو۔ اس مردِ خدا (آدمؑ) نے جس وقت ساری ملکوتی طاعت کی پونجیوں کو آتشِ عشق سے جلا کر خاکستر کر دیا تھا۔ اور بہشت کا مالک بنایا گیا تھا، اسی محبت کی بدولت اس پر ایک سخت دقت آپڑا۔ اور ایک بڑی مہم کا سامنا ہو گیا۔ ندا ہوئی کہ عاشق یوں چین سے نہیں رہتا۔ اور اس آسانی سے نہیں کھاتا پیتا۔ یہاں سے جادو اور جاکر قوتِ بازو اور جاں فشانی سے روزی حاصل کر دے۔ کیا تماشہ ہے کہ خوشی میں اس قدر کم دقت گزرا۔ اور تین سو برسین غم و حسرت میں گزارنی پڑی۔ اللہ اللہ۔ فرد گرچہ کئی قسم سے رازما رازے شکایت نہ کسے رازما

(اگرچہ ہمارے جیسے بہتوں پر تمہارا قرد و غصہ جاری ہے۔ مگر کسی کے لب پر کوئی

مشکوٰۃ نہیں ہے)۔ والسلام

اٹھارھواں مکتوب

غلط گاہ عوام کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادر مٹمس الدین تمہیں معلوم ہو کہ بعض بعض عوام الناس محض شہوں اور خیالاتِ فاسد کی بدولت دینداری اور دین سے ایسے محروم ہیں کہ گمراہ ہو رہے ہیں۔ ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ خداے غرور جل طاعت سے خلق کے بے نیاز ہے۔ اُس کو ہمارے عمل کی حاجت نہیں۔ طاعتِ معصیت اس کی بے نیازی کی بارگاہ میں سب کی سب مساوی و برابر ہے۔ پھر خواہ مخواہ ہی کیوں ہم اپنے کو ایک مصیبت میں ڈالیں۔ اور نماز و روزہ وغیرہ کی تکلیف برداشت کیا کریں۔؟

جواب :- اس شہ سے سراسر جہالت کی بو آتی ہے۔ غالباً اس گروہ نے دل میں یہ جانا ہے کہ شریعت جس کام کا حکم دیتی ہے اس سے اللہ تعالیٰ کا فائدہ ہے۔ لغو بالثدیہ بالکل محال و باطل ہے۔ بلکہ دین کا جتنا کام آدمی کرتا ہے سب میں بہ نفسِ نفیس اسی کا فائدہ ہے کہ وَمَنْ تَزَكَّىٰ فَإِنَّمَا يَتَزَكَّىٰ لِنَفْسِهِ۔ وَمَنْ عَمِلْ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ۔ اس بد بخت جاہل کی مثال ہو بہ ہو دہی ہی ہے کہ ایک بیمار کو طبیب پرہیز کا حکم دے، بیمار پرہیز نہ کرے اور یوں کہے کہ ہماری بد پرہیزی سے طبیب کا بگڑتا کیا ہے۔ پھر خوب اطمینان سے ہر طرح کی چیز کھانا شروع کر دے۔ اس میں شک نہیں کہ طبیب کا نقصان کچھ نہ ہو گا۔ مگر بیمار صاحبِ جلد سے جلدِ قبر کا کونا بسائیں گے طبیب کو کوئی ذاتی غرض تو تھی نہیں کہ اپنی رضا مندی کسی سبب سے چاہتا۔ وہ تو صرف اس کی شفا و صحت کا خواہاں تھا۔ اگر مریض طبیب کے حکم پر چلتا تو اچھا ہو جاتا۔ چونکہ کتنا نہ مانا۔ موت سر پر کھیل گئی۔ دیکھو طبیب کا کچھ نہ بگڑا، مریض کی جان مفت گئی۔

۱۔ جس نے صفائی اور پاکیزگی حاصل کی اس نے اپنے کو پاکیزہ بنایا۔ اور جس نے نیک کام کیے تو اپنے لیے کیے۔

دوسرے گروہ کا یہ خیال فاسد ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا کریم و رحیم ہے، ہزار ہم گناہ کریں ہم کو ضرور بخش دیگا۔ کون شریعت کی زنجیر میں اپنے کو اس طرح جکڑے؟

جواب :- بیشک وہ بڑا کریم و رحیم ہے۔ مگر صرف کریم و رحیم ہی سمجھنا شیطان کا دھوکا ہے، جیسا کہ کریم و رحیم ہے ویسا ہی وہ شدید العقاب بھی ہے، اور حکیم و قدیر بھی ہے۔ تم بین بین دیکھ رہے ہو کہ ہزاروں آدمی تکلیف میں ہیں، ہزاروں آدمی غریب محتاج ہیں۔ حالانکہ قرآن الہی میں کوئی کمی نہیں ہے۔ ہر طرح کا سامان عافیت وہ کر سکتا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔

دیکھو کسان جیب تک دانہ نہیں چھیٹتا، ایک گہیوں اس کو ہاتھ نہیں آتا۔ اور کوئی آدمی زندہ و تندرست نہیں رہ سکتا جب تک غذا نہ کرے پانی نہ پیے۔ اور بیمار اچھا نہیں ہوتا جب تک علاج نہ کرے۔ جس طرح ان چیزوں کے لیے اسباب مقرر ہیں۔ دین کی سعادت کے لیے بھی اسباب ہیں۔ ذرا خیال کرنے کی بات ہے کہ مسلمان ہو کر آدمی نشہ خواری کرے۔ پوری کامرنگ ہو، زنا میں مبتلا ہو، سود کھایا کرے۔ نماز سے بھاگا بھاگا پھرے، روزے سے جان چرائے، زکوٰۃ سے منہ موڑے۔ اور طرح طرح کے بُرے بُرے کام کیا کرے۔ باوجود اس امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ کریم و رحیم ہے۔ ہمارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور گناہوں کا بدلہ نہ لے گا۔ یہ کہنا اس کا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ ایسے شخص کو تین قسم کا مرض لاحق ہوتا ہے کفر، جہل، کاہلی۔ کفر وہیل یہ دونوں تو روح کے لیے سراسر زہر ہیں۔ ان کا تریاق اگر ہے تو علم و معرفت ہے۔ اور کاہلی ایک ایسی بیماری ہے کہ اگر اس کا علاج نہ ہوا تو انسان ہلاک ہو کر رہ جائے گا۔ اس کا علاج نماز پڑھنا اور ہر قسم کی طاعت بجالانا ہے۔ اب بتاؤ جو شخص زہر کھائے گا اور تریاق استعمال نہ کرے گا کیسے بچ سکتا ہے۔ یا امراض گرم میں لاپے سے شہد وغیرہ کھالے گا تو زندہ نہ رہے گا۔

زیادہ تر دل کی بیماری کا تعلق خواہشات نفسانی سے ہے۔ خواہ اس کو شکم سے تعلق ہو خواہ اس کو صلب سے لگاؤ۔ شکم کو فقرہ حرام کی فکر ہوتی ہے۔ صلب کو بواہوسی تماش مینی سوچتی ہے۔

اس صورت میں دو حالتوں کے لیے دو حکم ہیں۔

۱۔ جو شخص نفسانی خواہشات پر چلا، مگر گناہ کو اس نے گناہ سمجھا۔ ایسا شخص ہلاکت کے قریب ہے۔ اس لیے خوفِ ہلاکت ہے۔

۲۔ جس نے گناہ کیا اور گناہ کو گناہ نہ سمجھا، اس کے لیے خوفِ ہلاکت نہیں ہے بلکہ وہ ہلاک ہو چکا ہے۔ کیونکہ گناہ کو گناہ نہ سمجھنا کفر ہے۔ اور کفر جان کے لیے ستم قاتل ہے۔

تیسرے گروہ کی یہ حالت ہے کہ ریاضتِ بدنی میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور یہ خیال دل میں پیچیدہ رکھتے ہیں کہ غصہ اور بھوک اور مردانگی و دیگر صفاتِ ذمیرہ سب کے سب ریاضت سے نیست و نابود ہو سکتے ہیں۔ اور شریعت کا منشا بھی یہی ہے۔ یہ سوچ کر کچھ دنوں تک تو محنتِ شاقہ اور ریاضت کی چلتی ہے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد حضرت سلامت جو غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں، نہ غصہ غائب ہوا نہ شہوتیں ناپید ہوئیں۔ سخت گھبرائے، کہنے لگے کہ ایسی ریاضت کا حاصل ہی کیا ہوا؟ اگر شریعت درزی سے اتنا بھی فائدہ نہ ہوا تو کیا ہوا؟ پس ہمارا سلام لیجیے۔ فرد

دگر بے سی کسانش سفید نتواں کرد
گلیمِ بختِ سیہ را کہ بافتند سیاہ

کیونکہ سیاہ کبیل نہ اجلا ہوا ہے اور نہ ہو گا۔ آدمی بھی جس صفت پر پیدا ہوا ہے اس کا بدلنا ناممکن ہے۔ پھر ہم کیوں اپنے کو اس پریشانی میں ڈالیں۔

جواب۔ شریعت نے کہاں اور کب یہ حکم دیا ہے کہ شہوت و صفاتِ بشریت کو بالکل نکال ڈالو۔ بلکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یوں فرمایا ہے کہ میں بشر ہوں مجھ کو بھی غصہ آتا ہے۔ چنانچہ غصہ کا اثر چہرہ اور پر ظاہر ہوتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے غصہ سے دالوں کی قرآن شریف میں تعریف کی ہے۔ وَالْكَافِرِينَ الْغَيْظُ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ (جو لوگ غصہ پی جاتے ہیں، اور قصور معاف کر دیتے ہیں، جس کو بالکل غصہ نہ ہو گا) اس کو اس آیت شریف سے کیا برکت ہو گی۔ علیٰ ہذا القیاس قوتِ مردانگی اگر بُری چیز ہوتی تو پیغمبروں کو نہ ملتی۔ خود ہمارے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نوحل تھے۔ قوتِ مردانگی تو ایسی

نعمت ہے کہ اگر زائل ہو جائے تو اس کا علاج کر کے لٹانا چاہیے تاکہ یوی بچوں پر حمیت ہمدردی پیدا ہو، کثرتِ توالد و تناسل اور نیک نامی کی بقا اسی طاقت کے باعث ہوتی ہے۔ غصہ کی خوبی اس کے موقع پر دیکھو۔ خصوصاً جنگ میں جس وقت کفار کا مقابلہ ہو۔ غصہ دم دانگی یہ دونوں صفیتیں ایسی ہیں کہ پیغمبروں نے ان کو عزیز رکھا ہے۔ لیکن جس طرح خود ان پر غالب ہے ہیں امت کو بھی حکم دیا ہے کہ ان صفیوں کو مغلوب رکھیں، غصہ ہو، مگر شریعت کے دائرہ سے باہر نہ ہو۔ قوتِ مردانگی رکھے، لیکن شریعت کی حد سے تجاوز نہ کرے۔ دیکھو ایک خاص طریقہ کے شکار میں گھوڑے اور کتے کی ضرورت پڑتی ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ گھوڑا کتا دونوں تعلیم یافتہ ہوں، ورنہ گھوڑے کی ایک پشتک میں شکاری صاحب پشت بر زمین رسید ہوں گے اور کتا مالک کو کاٹ کھائے گا۔ شکار ہوا ہو جائے گا۔ غصہ اور شہوت کی مثال گھوڑے کتے کی سی ہے۔ آخرت کی سعادت شکار نہ ہوگی۔ یہ دونوں صفیتیں انسان میں رہنی چاہئیں۔ البتہ ان کا مغلوب ہونا ضروری ہے۔ نابود ہونا تو بالکل بُرا ہے۔ ان کے غالب ہونے میں بے شک خوفِ ہلاکت ہے۔ ورنہ سراسر فوائد ہیں۔ ریاضت کا مقصد یہ گروہ جو یہ سمجھا کہ صفاتِ نفسانی ناپید کر دیے جائیں یہ بالکل غلطی ہے۔ بلکہ ریاضت سے غرض ان صفیوں کا مغلوب ہونا ہے۔ مغلوب ہونا بہت ممکن ہے۔ ایسا برابر ہوا، اور ہو رہا ہے۔

چوتھے گروہ پر یہ حماقت سوار ہوتی ہے کہ سب کام تقدیر پر موقوف ہیں جو سعید ہوتا ہے، وہ مان کے پیٹ سے، جو شقی ہوتا ہے، وہ ماں کے پیٹ سے۔ ازل ہی میں سب کچھ ہو چکا، اس میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ عمل کی حاجت نہیں۔ جو ہونا ہے خود سے ہو رہے گا۔

جواب۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت یہ فرمایا کہ سعادت و شقاوت ازلی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی۔ کیا ہم لوگ اس پر ایمان لا کر عمل سے منہ موڑ لیں۔ ارشاد ہوا (نہیں) اَعْمَلُوا وَكُلُّ مُبْتَدَأٍ لِّمَآ خُلِقَ لَهُ۔ عمل میں کوتاہ دستی

نہ کر دے۔ اگر تمھارے نصیب میں سعادت ہے نیک کام کرنے کی تم کو توفیق پیدا ہوگی۔ بات یہ ہے برادر کہ سعادت کا ظہور طاعت سے ہوتا ہے اور شقاوت کا ظہور معصیت سے۔ مثلاً جس کے نصیب میں بھوکا مرنے ہے، اُس کو روٹی یا دوسری غذا نہ ملے گی، یہ دروازہ اُس پر بند رہے گا۔ اسی طرح جس کی قسمت میں تونگری ہے اُس پر کاشتکاری اور تجارت کا راز کھول دیا جاتا ہے۔ اور وہ اس کام میں لگ جاتا ہے۔ جس کی تقدیر میں یہ لکھا ہے کہ فلاں سرزمین مغرب میں اس کی موت آئے گی مشرق کی راہ اُس پر بند ہو جاتی ہے۔ ادھر کا وہ قصد ہی نہیں کرتا۔

حکایت۔ ایک دفعہ ملک الموت حضرت سلیمان ابن داؤد پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ یکایک حاضرین میں سے ایک کی طرف ذرا تیز نظر سے اُنھوں نے دیکھا دیکھتے ہی وہ آدمی ڈر گیا۔ بعد اُٹھ کر ملک الموت رخصت ہو کر چلے گئے۔ آخر اس شخص کے دل میں ایسا ڈر سمایا کہ بعد از موت حضرت سلیمان علیہ السلام سے اُس نے درخواست کی کہ یا حضرت (ہوا کو) حکم دیا جائے کہ فوراً مجھے زمین مغرب میں پہنچا دے۔ جب وہ جا چکا، اور اس کی روح وہ قبض کر چکے تو پھر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ اس وقت اس شخص کو تم نے اس تیزی سے کیوں دیکھا تھا۔ ملک الموت نے کہا، مجھے حکم خداوندی تھا کہ دوسرے گھنٹہ میں فلاں سرزمین مغرب میں اس کی روح قبض کی جائے۔ مگر میں حیران تھا کہ اس حکم کی تعمیل ہو تو کیونکر ہو۔ آخر مجبور ہو کر کڑی نظر سے اس کو میں نے دیکھا چونکہ اس کی تقدیر میں وہاں مرنے تھا۔ اس لیے اس کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ اور اس درخواست کرنے پر وہ مجبور ہوا کہ مجھے سرزمین مغرب میں پہنچا دیجیے۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا اس کی بات مان لینا۔ اتنے اسباب جمع ہوئے ہیں تو وہ حکم ازلی پورا ہو کر رہا ہے۔ علاوہ ازیں جس کے نصیب میں سعادت ہوتی ہے اُس کے دل میں نور ایمان ہوتا ہے۔ وہ عبادت اور ریاضت کرتا ہے۔ صفاتِ ذمیرہ کو مغلوب رکھتا ہے۔ قرآن شریف میں آیا ہے۔ فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشَوْحْ صَدْرَهُ ۖ لِلَّهِ سُلَامٌ ۚ وَاللَّهُ حَسْبُ شَخْصٍ کی ہدایت کا

ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام قبول کرنے کے لیے کھول دیتا ہے۔

مجبوری اب ہم کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ جس گروہ کے نصیب میں دوزخ میں جانا ہے اس کے دل میں یہ بات ڈال دی جاتی ہے کہ سعادت و شقاوت ازلی ہے، عمل کی کچھ حاجت نہیں۔ عمل ایک فضول کام ہے۔ یہ سوچ کر وہ گروہ عمل سے باز رہتا ہے۔ پھر جس کی تقدیر میں جہالت ہوتی ہے لکھنے پڑھنے سے کیسا بھاگتا ہے۔ مال مٹول کرتا ہے اگر نصیب میں اس کے علم ہوتا ہے تو خود اس کا ہونہار پن، خود اس کی معنوی سرداری اس کے دل میں ڈال دیتی ہے کہ بغیر طلب و محنت علم حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح کاشتکاری گندم وغیرہ کا حال ہے۔ جب تک زمین جوتی نہیں جاتی، بیج پھینٹا نہیں جاتا، آب پاشی نہیں کی جاتی، کٹاؤ نہ نہیں کاٹتا۔ جس کاشتکار کے نصیب میں غلہ کاٹنا نہیں ہے وہ اپنی بد بختی سے نہ زمین سیچتا ہے نہ تخم ریزی کرتا ہے۔ پس سمجھ لو کہ ایمان و طاعت سعادت کی نشانی ہے اور کفر و معصیت شقاوت کی علامت ہے۔ ممکن ہے کہ اس قسم کے احمق لوگ یہ بھی کہتے ہوں کہ ایمان و طاعت محدث کو سعادت ازلی، اور کفر و معصیت محدث کو شقاوت ازلی سے کیا مناسبت ہے؟ اس کے یہ معنی ہوئے کہ گروہ مذکور اپنی رکیک عقل سے اس کی اصلی وجہ دریافت کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ عقل مختصر اس کی، کہاں اس بات کی تحمل ہے کہ اسرار کو جان سکے اور انداز کر سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شبہ یا محبت نے خرابی پیدا کی ہے۔ بلکہ حماقت غالب ہو کر اپنا کام کر رہی ہے۔ حضرت عیسیٰ پیغمبر علیہ السلام نے واقعی بہت صحیح فرمایا کہ مادر زاد بینا کے علاج سے یا مردہ کے زندہ کرنے سے کبھی عاجز نہ آئے۔ مگر کسی احمق نے اگر انکار کیا تو اس کا علاج ہم سے نہ ہو سکا۔

اے بھائی، انسان کا معاملہ نہایت نازک ہے۔ ابھی جبریل و میکائیل کے درجے میں ہے، ابھی سگ و نوک کے رتبے میں ہے۔ یعنی اگر علم و حکمت کی روش پر اس کا عمل ہے تو وہ فرشتہ ہے۔ دیکھو، حضرت یوسف علیہ السلام کو ماہذا ابشوا ما ان هذا الا ملک

کبریا (یہ آدمی نہیں بلکہ کوئی بڑا فرشتہ ہے)۔ ۷

گر قدم تہ شد بقیق استوار گرد ز دریا، نم از آتش برآر
 (اگر بقیق پر تیرے قدم جم گئے، تو دریا سے دھول اور آگ سے تری لے آئیگا۔
 اور اگر متابعت ہو اے نفسانی ہے اور شیطانی کھوٹوں کی تاک جھانک ہے تو، تو ملعون
 ہے۔ دیکھو بلغم با عور کی حالت۔ مَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلُهُ عَلَيْهِ يَلْهَثُ اَوْ
 تَتْرُكُهُ يَلْهَثُ۔ (دکٹے کی مانند ہے، اگر اُس پر بوجھ ڈالا جائے جب بھی اور اگر چھوڑ دیا
 جائے جب بھی ہانپتا ہے)۔ ۷

اے شدہ خوشنود بیک بارگی چون خرد گادے علف خواری
 (تو بیک بیک خوش ہو گیا جس طرح گدھے اور گائے کو چارہ ملنے سے خوشی ہوتی ہے)
 حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی يَا دَاوُدُ كُنْ كَالطَّيْرِ الْمَحْذَرِ وَلَا تَأْمِنْ
 وَلَا تَسْتَقِرَّ (اے داؤد اس چڑیا کی طرح ہو جا جو اپنے دھن کو چھوڑ کر الگ ہو جاتی ہے)۔
 بڑا ہی نادان وہ مرغ ہے جو قفس تنگ میں رہنا پسند کرے اور ہرے بھرے باغ کا قصد
 نہ کرے جس انسان میں بلند پروازی نہیں ہے اور وہ اس تنگنا سے دہر میں آسودہ ہو رہا ہے
 تو وہ گویا ایک معمولی پر دار جانور ہے، جو قفس میں بند کر دیا گیا ہے اور دانہ پانی دیکھ کر خوش
 ہو رہا ہے۔ ارواح انسانی کا تو حال یہ ہے کہ رات دن ہر سانس کے دریچے سے سرنکالتی
 ہے اور چاہتی ہے کہ اڑ چلیں۔ ۷

آنکہ درین پردہ نوازش ہست خوشتر ازین حجرہ سرایش ہست
 اوج بلندست در دمی پر م باش کہ از ہمت خود بگذرم
 (اس پردے میں جس کو خوش الحانی دی گئی ہے۔ اس حجرے سے کہیں بہتر اس کے لیے
 ایک گھر بنا ہوا ہے۔ ایک بہت اونچے مقام پر میں اڑتا ہوں، تو ٹھہر جا، تاکہ میں اپنی ہمت
 سے آگے بڑھ جاؤں۔ والسلام۔

انیسواں مکتوب

امراض ظاہر و باطن کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادر مٹمس الدین سلمہ اللہ حقیقہ سمجھو اور یقین جانو کہ انسان دو جوہر مختلف سے پیدا ہوا ہے۔ ایک علوی و دوسرا سفلی۔ جس طرح جوہر سفلی، یعنی یہ جسم جو آب و آتش خاک و باد سے بنا ہے اس کو مرض قبول کرنے کی صلاحیت ہے۔ اسی طرح جوہر علوی، یعنی ارحام کو بھی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں۔ جس طرح امراض سفلی کے لیے اطباء ہیں کہ ان کے علاج سے مرض دور ہو جاتا ہے صحت حاصل ہوتی ہے اور ہلاکت سے آدمی بچ جاتا ہے۔ اسی طرح امراض علوی کے لیے بھی اطباء ہیں جن کے علاج سے جملہ امراض باطنی اگرچہ وہ محسوس نہیں ہوتے۔ اور عقل میں نہیں آتے۔ مگر سب کے سب دفع ہو جاتے ہیں۔ اور ہلاکت کے محل سے نجات ہوتی ہے۔ جوہر سفلی کے امراض و علل کے طبیب تو حکماء ہیں۔ اور جوہر علوی کے امراض و علل کے طبیب انبیاء ہیں۔ ان کے بعد مشائخ ہیں۔ کیونکہ یہی لوگ انبیاء کے خلیفہ ہیں۔ اسی مقام کی بات ہے کہ اَلشَّيْخُ فِي قَوْمِهِ كَالنَّبِيِّ فِي اُمَّتِهِ (اپنی قوم میں شیخ کی وہی حیثیت ہے جو نبی کی اپنی امت میں)۔ جس طرح کہ جوہر سفلی کا مرلین بغیر طبیب حاذق کے ہلاکت کے بالکل قریب ہے۔ اسی طرح جوہر علوی کا مرلین بھی بغیر پیغمبر یا شیخ کامل اور راہ رفتہ اور خلیفہ پیغمبر کے جس کی شان اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ (امت محمدی کے عالم پیغمبروں کے وارث ہیں)۔ ہے ہلاکت کے قریب۔ ہم جیسے کلمہ نبیوں کے دقت میں جس طرح اطباء جوہر سفلی کم اور ناپید ہو گئے طبیبان جوہر علوی بھی کم اور گم ہو گئے۔ ناچار ہم جیسے بے دولت و بد نصیب کی ہلاکت کے سوا بات کیا باقی رہی ہاں اور تو کوئی چیز ایسی نہ رہی جس سے صحت و حیات و فلاح و نجات کی امید کی جائے۔ مگر

یہی آیت پاک کہ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ (خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔) (مگردار صبح) کہ امیدوار رہنا اور اُس کی شرطوں کو پورا کرنا اور اُس کے اسباب مہیانا کرنا کیسی بات ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ خداوند تعالیٰ کی قدرت سے باہر ہے، نہیں، باہر نہیں ہے، مگر کارخانہ حکمت کے خلاف ضرور ہے۔ (جب اس طرح قلعی کھل گئی تو بتاؤ اب ہم کو کیا کرنا چاہیے)۔ ہم اپنے سر پر خاک ڈالیں اور اپنی مصیبت پر ماتم کریں، اور اس بات کو خوب سمجھیں کہ ہمارے پاس اب سوائے غرور و پندار کے کچھ نہ رہا۔ (یوں ہزار دہزار لاکھ دو لاکھ میں کوئی آدمی کام کا نکل آیا تو اِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ۔ الشاذ کا معدوم میں داخل ہے۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اب اس کو سنو، کہ) ہم نے پیغمبر یا شیخ کی طبیب سے مثال کیوں دی۔ اس لیے کہ جس طرح طبیب نبض دیکھ کر بیمار کے علت و مرض سے واقف ہو کر مختلف ادویہ اور شربت بیمار کی قوت کا اندازہ کر کے بتاتا ہے، اور کسی دوا سے دو ماشہ اور کسی سے تین ماشہ اور کسی سے چار ماشہ لے کر معجون تیار کرتا ہے۔ اور بعض خیر کا استعمال جائز اور بعض کا استعمال خطرناک کہتا ہے، تاکہ طبیعت مریض کی اعتدال پر آجلے اور مائل بہ صحت ہو جائے۔ اور ہلاکت سے محفوظ رہے۔ اسی طرح پیغمبر وقت یا نایب پیغمبر کو جب وقوف ہو جاتا ہے کہ اس شخص کے اعتقاد میں کیا کیا مرض لاحق ہے تو احکام شریعت سے ایک ایسا نسخہ تجویز کر دیتا ہے کہ وہ بیمار باطن استعمال کر سکے اور اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ کبھی دو رکعت کبھی تین رکعت کبھی چار رکعت سے ایک معجون مرکب تیار ہوتی ہے اور کوئی چیز حلال اور کوئی حرام کر دی جاتی ہے تاکہ عقیدت کی تشویشیں، خواہشات کے اختلافات اور امراض کی رنگا رنگی شریعت کے ساتھ اعتدال پذیر ہو اور صحت عاجل ہو۔ خطرہ ہلاکت سے نجات ملے۔ نم کو تعجب ہو گا کہ احکام و شریع کہاں، نسخہ و معجون کہاں۔ ان دونوں میں کیا مناسبت ہے۔ ہاں برادران دونوں میں خاص مناسبت ہے۔ مگر یہ صیغہ راز کی بات ہے۔ جب تک بصیرت حاصل نہیں ہوتی آدمی سمجھ نہیں سکتا۔ دیکھو اگر جو ہر سفلی کا بیمار طبیب کی مخالفت اختیار کرے گا اور اس کے کہنے کے خلاف کھانا پینا چاہے گا تو مرض ضرور بڑھتا جائے گا اور ہلاکت کی نوبت

آئے گی۔ اسی طرح جو ہر علوی کامرہن اگر شریعت کی مخالفت شروع کرے گا۔ اس کے حکم کے خلاف کام کرے گا۔ تو یقینی مرض ضلالت روز بروز قوی تر ہوتا جائے گا۔ اور بے شبہ جہالت کی موت مرے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ جب قیامت کے دن زندہ کیا جائے گا تو بیماری لیے ہوئے اٹھے گا۔ مگر اب کیا ہوتا ہے۔ وہ درد تو آج لا علاج ہو گیا۔ دوا اس کی عذاب و دوزخ ہے وہیں ابداً سہرا رہنا ہے اور جلنا ہے۔ اور اگر برعکس اس کے اس نے احکام صاحب شرع کی نگرداشت کی تو اہی سے اجتناب رکھا۔ اور امر کو بجالایا تو ایسی تندرستی باطنی حاصل ہوتی ہے کہ جینا تو جینا ہی ہے مرنا بھی جینا ہو جاتا ہے۔ ایک مستند قول سنو اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا يَمُوتُوْنَ بَلْ يَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰى دَارٍ۔ اولیاء اللہ مرتے نہیں، بلکہ اس مکان سے اُس مکان میں نقل کرتے ہیں۔ موت ظاہری کے بعد بھی ان کی عقل کامل رہتی ہے، کالبہ درست رہتا، بوارح مضبوط رہتے، روحانی غذاؤں سے حقوق اپنے پورے کر لیتے ہیں۔ قیامت کے بعد ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ روح دریاں کا فرار ہے گا۔ اب ثابت ہو گیا کہ جس طرح جسم کے طبیب حکما رہیں۔ دل کے طبیب انبیاء ہیں اور ان کے بعد ان کے خلفاء۔ اب کیا ہو مادر زاد بد نفسی ہم کو نگل چکی۔ اور ادب کرنے ان کو ڈب دیا۔ محبت رسول برحق ناپید ہو گئی۔ کیونکہ وہ دروازہ ہی مسدود ہو چکا ہے۔ اور خلیفہ پیغمبر کاملنا بھی دشوار ہو گیا۔ کیونکہ ان کی ذات بابرکات بھی عالم میں کم کم ہے۔ اور اگر کوئی بزرگ شاذ و نادر میں بھی تو چھپے ہوئے ہیں۔ ہم مدبر ہو چکے، کسی مقبول کو ہم ڈھونڈ کر نکالیں تو کیونکر نکالیں اور ہم وہاں تک پہنچیں تو کیونکر پہنچیں۔ گویا یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ در بھی بند ہی ہو گیا۔ خسرو کی جان پر رحمت نازل ہو۔ کیا خوب کہا ہے

در مجلس وصال دریا کشد مستیاً چون دور خسرو آمدے در سوختن

دیرے وصال کی مجلس میں مست لوگ خم کے خم لٹکے رہے ہیں۔ جب خسرو کی باری آئی تو منکے میں شراب ہی ختم ہو گئی۔ اسی صورت میں ہم جیسے بیماروں، مر لہیوں، خاکساروں، بد فیصلوں کے لیے سوا اس کے کوئی چارہ نہیں ہے کہ ان کی کتابیں جس میں عقائد و معاملات ان کے لکھے ہوئے ہیں

اور روش و طریقے ان کے درج ہوں اُن کو دیکھیں اور اپنا امام و پیشوا اُسی کو بنائیں۔ اگر آفتاب دولت ہم بد نصیبوں کے وقت میں غروب ہو گیا تو خیر یارے چراغ تو ہے ہذا اکثر ہوتا ہے (یہ ہملوگوں کے لیے بہت ہے) کسی نے کیا خوب کہا ہے

از بخت بدم اگر فرد شد خورشید از لوزِ رخت مہا چراغے گیرم

اگر میری بد بختی کے سبب سورج ڈوب چکا تو اسے چاند سے محبوب تمھارے چہرے کی چمک سے میں چراغ کا کام لوں گا۔ اگر خدا نخواستہ کہیں ان کی کتاب دیکھنا بھی نصیب نہ ہوا تو اُس وقت کیا تم کیا تم، کیا فرعون، کیا نمرود، کیا ابولہب، کیا ابوجہل سب برابر۔ (دوسرا رخ یہ ہے کہ) ناامیدی کی کوئی وجہ نہیں۔ خون جگر پیتے رہو، جان کنی کرتے رہو، خوب اضطراب پیدا کرو۔ ابھی طرح شور و فریاد سے کام لو۔ دیکھو تو سہی، کس طرح لطف کی ہوا افتادگانِ خاک کو اڑا لیتی ہے۔ اور گلشنِ تقرب میں پہنچا دیتی ہے۔ دیکھو سات لاکھ برس سے طاعت و عبادت کے ملک میں کیسے کیسے سالکانِ سجادہ نشین تھے۔ اور خالقانہ عصمت میں کیسے کیسے حضراتِ غرت و حرمت کے مصلے پر تکیہ لگائے بیٹھے، اور دل ہی دل میں سمجھ رہے تھے کہ خلافتِ حقہ اس دائرے سے باہر جاتی کہاں ہے۔ ناگاہ نسیمِ لطف کے ایک بھونکے نے آب و خاکِ پامال کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا نہا ہوئی اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَمْرِ مِنْ خَلِیْفَۃً اور ان کی کچھ پروانہ کی۔ جانتے ہو ایسا کیوں ہوا؟ اس لیے تاکہ کوئی مطیع اپنی طاعت و عبادت پر ناز نہ کرے۔ اور کوئی مفلس و افتادہ نومید نہ ہو۔ اسی پر موقوف نہیں، جماعتِ ساحرانِ فرعون کی طرف نظر کرو۔ دیکھو عنایتِ سابق نے لطف سے کیسا کام کیا، کچھ نہ دیکھا کہ یہ لوگ جادوگر ہیں اور کام ان کا جادوگری و خذلان و بطلان ہے۔ اسی حال میں جس وقت وہ ساحری اور جادوگری میں مشغول اور تمام نجاستوں سے مملو تھے، موحدِ حقیقی بنا کر تختِ توحید پر بٹھا دیا اور تاجِ معرفت سر پر رکھ دیا۔ کیسا عجیب و غریب تماشا سائے جہان کو دکھا دیا کہ ہم جب کسی افتادہ و تباہ کار کو قبول کرتے ہیں تو اس بات کو نہیں دیکھتے کہ وہ کون ہے اور جب کسی سر بلند کو نظر سے گراتے ہیں اس وقت بھی کچھ خیال نہیں کرتے کہ وہ کیا، اور کس کس درجے کے لائق تھا۔ و السلام

بیسواں مکتوب

اولیاء پر انبیاء کی فضیلت کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے عزیز بھائی شمس الدین: تمہیں معلوم ہو کہ ہر وقت بحیثیت دجہہ بالاتفاق جملہ مشائخ طریقت رضوان اللہ علیہم اجمعین دلی اللہ جتنے ہیں سب پیغمبروں کے تابع ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کو اولیاء پر فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ ولایت کی جو نہایت (ختم) ہے نبوت کی ہدایت (شرع) ہے۔ ہر نبی درجہ ولایت پر فائز ہے۔ مگر کوئی دلی نبی نہیں ہو سکتا۔ اس امر میں علمائے اہل سنت و جماعت ہوں یا محققین اہل طریقت کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ سب کے سب متفق ہیں۔ مگر ملحدوں کا ایک گروہ ہے کہ وہ اولیاء کو انبیاء پر فضیلت دیتا ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ اولیاء ہر وقت مشغول بحق ہیں، اور انبیاء بشیر اوقات دعوتِ خلق میں مصروف رہتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ہر گھڑی جو شخص اللہ کے دھیان میں رہے گا ضرور اس شخص سے افضل ہو گا جو بعض بعض وقت خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

جواب۔ انبیاء علیہم السلام کا یہ غایت کمال ہے کہ دعوتِ خلق سے ان کی مشغولی حق میں حجاب واقع نہیں ہوتا۔ مشاہداتِ روحی و سرری اپنی جگہ پر قائم ہیں اور یہ کام بھی ہو رہا ہے۔ دوسرا گروہ جاہلوں کا ہے۔ اس کو صوفیوں کی محبت کا دعویٰ ہے۔ اور ان کی جانب حسن ظن بھی ہے، اور ان کا اتباع بھی کرتے ہیں۔ مگر اس خیالِ خام میں پڑ گئے ہیں کہ مقامِ ولایت مقامِ نبوت سے برتر ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ نبی کے ہاں پہلے وحی آتی ہے بعد اس کے نبی کو علم ہوتا ہے۔ اور دلی سے برتر اسرارِ راز و نیاز کی باتیں ہوتی ہیں۔ بلکہ دلی ان اسرار سے واقف ہوتا ہے جن کی نبی کو خبر تک نہیں ہوتی۔ یعنی علم من لدنی دلی کو مل جاتا ہے۔ جیسا کہ خضر علیہ السلام کو تھا۔ موسیٰ

علیہ السلام کو یہ علم نہ تھا۔ اور کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام ولی تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جب تک ظاہر وحی نہ آئی احکام و اسرار وغیرہ سے آگاہ نہ ہوئے۔ خضر علیہ السلام کو علم لدنی تھا، غیب جانتے تھے۔ اسی وجہ سے اس کی نوبت آئی کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کی شاگردی قبول کی۔ اُستاد یعنی شاگردوں سے افضل ہوتا ہے۔ یہ باتیں بالکل لغو اور مہمل ہیں۔ جو لوگ مذہب کے سردار ہیں اور جن کے دین پر اعتماد ہے وہ لوگ ان باتوں سے بیزار ہیں ان کے نزدیک کوئی شخص دنیا میں ایسا نہیں ہے جو انبیاء علیہم السلام سے بلند مرتبہ ہو، یا ان کے رتبہ کے برابر ہو۔ تاہم اس بات کا جواب بزرگوں نے دیا ہے۔

جواب: خضر علیہ السلام کو فضل مقید تھا۔ یعنی اُن کو علم من لدنی تھا نبوت نہ تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فضل مطلق تھا، کیونکہ پیغمبر اولو الغرم تھے فضل مقید فضل مطلق پر کیونکر غالب ہوگا، اور اُس کو کس طرح باطل کرے گا۔ دیکھو پارسا بی بی مریم رضی اللہ عنہا کو اس کی فضیلت حاصل ہے کہ بغیر مس بشر کے اللہ تعالیٰ نے اُن کو فرزند (عیسیٰ علیہ السلام) عطا فرمایا۔ باوجود اس کے حضرت بی بی عائشہ صدیقہ و حضرت بی بی سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما پر ان کی فضیلت نہیں ہے۔ فضل مقید فضل مطلق پر کیونکر غالب ہوگا۔ یہ دونوں بیبیاں

نساء عالم سے، از آدم علیہ السلام تا یوم قیام قیامت افضل و اعلیٰ ہیں۔ قطع نظر ان باتوں کے ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اگر اولیاء اللہ کے باطنی اور ظاہری احوال و قلبی واردات و برکات ریاضت و مجاہدہ سب کے سب کو ایک پلے پر رکھو، اور نبی نے ایک قدم جو راہ صدق میں رکھا ہے اس کے اخلاص کو ایک پلے پر رکھو تو نبی کا پلہ اتنا بھک جائے گا کہ ولی کا پلہ بالکل بے وزن نظر آئے گا۔ ولی اللہ راہ طلب میں آتے ہیں۔ چلتے ہیں تو ہزار مشکل سے منزل مقصود تک پہنچتے ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام بغیر جد و جہد خدا رسیدہ ہو جاتے ہیں۔ اور مطلوب پا لیتے ہیں۔ دعوتِ خلق میں بھی جو مشغول ہوتے ہیں تو وہ مشغول ہونا ان کا باذن اللہ ہوتا ہے۔ لاکھوں آدمی ان سے ہدایت پاتے ہیں۔ مشرک موحّد کافر مومن بنتا ہے۔ اگر دنیا اولیاء اللہ سے

بھری پڑی ہو، اور نبی عالم میں ایک ہی ہو جب بھی ولیوں کی تمام فضیلتیں ایک جامع ہو کر نبی کے فضل کی برابری نہیں کر سکتیں۔ اولیاء اللہ جب منتہائے کمال کو پہنچتے ہیں اور مشاہدات کی خبر دیتے ہیں، اس وقت حجاب بشریت سے نکلتے ہیں۔ رسول کو جس دن خلعت نبوت ملتا ہے اسی وقت مشاہدہ کی بات چیت اُس سے سرزد ہوتی ہے۔ نبی کی ابتدا جب دلی کی انتہا ہے پھر اس کو اس پر قیاس کرنا ہی فضول امر ہے۔

خواجہ ابونیر رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے سوال کیا کہ انبیاء کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا مہیات مہیات! ہماری طاقت ہے کہ اس بارگاہ میں کچھ دخل دے سکیں۔ جہاں تک ہماری فہم و ادراک کام کرے گی وہ ہمارے مرتبے کی بات ہوگی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح اولیاء کا مرتبہ عام خلق پر پوشیدہ ہے اسی طرح انبیاء کا مرتبہ اولیاء کی نظر سے نہاں ہے۔ اولیاء صحراے ربوبیت میں میر کرتے ہیں، انبیاء ہوائے ہونیت میں اڑتے ہیں۔ کہاں سیر کہاں طیر پھر خواجہ ابونیر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرّاً مجھ کو عروج حاصل ہوا۔ بہت عجائب قدرت دکھائے گئے کسی طرف میں نے رخ نہ کیا۔ بہشت و دوزخ بھی دیکھا، کچھ التفات نہ کیا۔ یہاں تک کہ کل پردہ و حجاب اٹھا دیا گیا۔ اس وقت میں ایک مرغ ہو گیا اور ہوائے ہونیت میں اڑنے لگا۔ اڑتے اڑتے میدانِ احدیت میں مشرف ہوا۔ وہاں درجہ ازلیت نظر آیا۔ غور سے جو دیکھا، تو وہ مجھ سے باہر نہ تھا۔ مجھے بڑی شکستگی پیدا ہوئی۔ عرصہ کی بارخدا یا جب تک وہم منی مجھ میں باقی ہے، تجھ تک رسائی محال ہے۔ اس ترقی پر بھی میں خودی سے پھٹکا رہا نہیں پاتا ہوں اب مجھ کو کیا کرنا چاہیے۔ حکم ہوا خودی کے پیچھے سے جب ہی تیری رہائی ہو سکتی ہے کہ تو میرے دوست (حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کی متابعت میں ثابت قدم رہے۔ اور اپنی آنکھوں میں اُن کی خاکِ قدم کا سرمہ لگاتا رہے۔ دیکھو، یہ معراج بایزید تھی۔ کہاں قرب و کرامت کا درجہ بایزید کو عطا ہوا تھا۔ مگر بادِ بود اس مرتبہ کے جو حکم اُن کو ہوا اُس سے بمقابلہ درجہ دلالتِ بارگاہ رسالت کی شان کیا ظاہر ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں معراج کی حالت پر غور کرو۔ دیکھو،

بنی کو جو معراج ہوئی وہ کھلم کھلا شخصیت کے ساتھ ہوئی، یعنی جسمانی ہوئی۔ اور ولی کی معراج کو تعلق ہمت و اسرار کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جو خیر انبیاء کو اظہار کے ساتھ رولہ ہے اولیاء کو اسرار کے ساتھ ہوگی۔ دوسرے انبیاء کا جسم مبارک صفا و پاکیزگی و معنی قربت میں اولیاء کے دل اور سر کے مقابلہ میں ہے۔ اب دیکھو کتنا فرق ہے درمیان اُس شخص کے جس کو شخص کے ساتھ معراج ہوا اور جس کی معراج از روئے سرہ ہو۔ اب تم فضل انبیاء کو اولیاء پر جب اچھی طرح جان چکے تو تو ایک مسئلہ اور بھی اسی کے مناسب سن لو۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ بالاتفاق اہل سنت و جماعت و جمہور مشائخ طریقت انبیاء معصوم و اولیاء محفوظ فرشتوں سے بھی افضل ہیں۔ بخلاف معتزلہ کے کہ یہ لوگ ملائکہ کو انبیاء پر فضیلت دیتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ فرشتوں کا مرتبہ زیادہ بلند ہے خلقت ان کی نہایت لطیف ہے۔ اللہ کے وہ بہت مطیع فرماں بردار ہیں۔ یہ صفت انبیاء کی نہیں ہے۔ اس لیے فرشتے افضل ہیں۔ جواب ہمارا یہ ہے کہ مطیع ہونا، رتبہ رفیع ہونا، خلقت لطیف ہونا اس کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو افضل بنایا ہے۔ ہاں وہ شخص افضل ضرور ہے جس کو خدا فضیلت دے۔ دیکھو اگر فضیلت طاعت و عبادت پر موقوف ہوتی تو اس کے مستحق امتان پیشین کے لوگ ہوتے۔ مگر وہ اس امت سے افضل نہیں ہیں۔ باوجودیکہ عبادت کی اُن کی انتہا نہ تھی۔ اور اگر فضل رتبہ و ہر پر موقوف ہوتا، تو ابلیس لعین کو حضرت آدم علیہ السلام پر فضیلت ہوتی، کیونکہ آدم کی تخلیق خاک ظلمانی سے ہوئی اور ابلیس آتش نورانی سے بنایا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ فضل اسی کو ہے جس کو خدا افضل بنائے اور جس کو قبول کرے۔ دوسرے ملائکہ کی طاعت و معرفت گویا اضطراری ہے، کیونکہ نہ اس قسم کی بھوک ہے نہ قوت مردانگی نہ دل میں حرص و طمع ہے، نہ طبیعت میں مکاری و غداری ہے، نہ حصول رزق کے لیے حیلہ و تدبیر کی ضرورت ہے۔ غذا اُن کی طاعت و عبادت ہے، مشرب اُن کا اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے۔ انسان کو دیکھو اس کی سرشت میں کھانے کی رغبت، عورت کی خواہش ہے۔ گناہ اُس سے ہوتے اور ہو سکتے ہیں۔ دنیاوی ساز و سامان ہر وقت دل کو بے کل کرنے والے، حرص و مکاری رگڑ پے میں دوڑی ہوئی،

شیطان کو اتنا دسترس حاصل کہ خون کے ساتھ ساتھ چکر لگا رہا ہے۔ نفس امارہ ایک خبیث سیکڑوں شر کی جڑ۔ ایسی ذات جس میں اتنی بللے ناگمانی موجود ہوں وہ حتی الامکان اپنے کو شہوت رانی سے محفوظ رکھے، فسق و فجور سے پرہیز کرے، باوجود حرص دنیا سے منہ پھیرے، اوسو اس شیطانی ہزار ترغیبیں وہ گناہ نہ کرے، نفس لاکھ غرور و حب جاہ و غیر کی راہ دکھائے وہ اصلی روش پر قائم رہے۔ عبادت پر اس کو قناعت ہو اطاعت پر مداومت ہو، نفس پر جہاد کرے، شیطان سے لڑائی رکھے۔ درحقیقت ایسا شخص افضل ہوگا، یا وہ افضل ہوگا جس میں خواہشات نفسانی نہ ہوں، شیطان اُس کو بہکانے کے غذا کی اُس کو حاجت نہ ہو، زن و فرزند کی اس کو فکر نہ ہو، اپنے بیگانے سے اُس کو سروکار نہ رہے۔ اسباب آلات کا وہ محتاج نہ ہو، امید و بیم کی کشاکش سے اُس کو واسطہ نہ ہو۔

بحان اللہ! کیا بارگاہ رسالت ہے اور کیا شانِ محمدی ہے۔ ذرا جبریل علیہ السلام کے مراتب پر نظر رکھ کر اس بات کو دیکھو تو سہی کہ تمام عمر کی جان توڑ عبادت کے صلہ میں ان کو کیا ملتا ہے یہ دولت دی جاتی ہے کہ معراج کی شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے براق کی وہ خدمت کرتے ہیں اور اس کو سجا کر سامنے لاتے ہیں، اور اسی خلعت شاہی پر ان کو ناز ہوتا ہے۔ پھر ہم ہی کہیں گے کہ فرشتے اس شخص سے افضل کیونکر ہو سکتے ہیں جو نفس امارہ کو مارتا ہے، رات دن ریاضت و مجاہدہ کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس پر عنایت کہ اپنا دیدار اُس کو دکھاتا ہے۔ ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رکھتا ہے۔ حاصل کلام یہی ہے کہ خدا جس کو فضل دے وہی افضل ہے اور جس کے سر پر فضل کا تاج رکھے وہی بادشاہ ہے۔

حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مثنوی۔

بہین چندین ہزاران سال ابلیس	نبودش کار جز تسبیح و تقدیس
ہم طاعات او برہم ہنسادند	زا استغنائے حق برباد دادند
دلش خونناہ جاے محنت آمد	تنش دستار خوان لعنت آمد
ہمہ جاہناے صدیقان بخون بہت	کہ می دانند کہ آن سرکار چون بہت

جگر خون می شود زین یاد مارا
راستغناے حق فریاد مارا
تو می خواهی ز تسبیح و نمازے
کہ تا خوشنود گردد بے نیازے
نمازت توشہ راہ درازست
دلے اواز نمازت بے نیازست
خدا را کبریائی بے نیازیست
ترا جز نیستی دیگر چہ بازیست

(غور کر، لاکھوں برس تک سوائے تسبیح پڑھنے کے شیطان کا کوئی کام نہ تھا۔ اس کی ساری عبادتیں توڑ مروڑ کر رکھ دیں۔ خدا کی استغنائیت نے سب کو برباد کر دیا۔ اُس کا دل خون ہو گیا۔ اُس کے سر پر لعنت کی پگڑی باندھ دی گئی۔ یہاں صدیقیوں کی جان دہشت سے خون ہو رہی ہے۔ کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ کس سرکار سے پالا پڑا ہے۔ جب اُس کو ہم یاد کرتے ہیں تو ہمارا کلیجہ خون ہو جاتا ہے۔ خدا کے استغنا کی ہم دہائی دیتے ہیں۔ تو چاہتا ہے کہ نماز اور تسبیح کے ذریعہ اس جیسا بے نیاز تجھ سے راضی ہو جائے۔ نماز کا درجہ زاد راہ سمجھ۔ مگر وہ تیری نماز سے بے پروا ہے۔ خداوند تعالیٰ کی ذات میں بے نیازی و کبریائی کی صفت ہے۔ تیرے پاس سوائے نیست و نابود ہو جانے کے کیا دھرا ہے۔)

بہر کیفیت نبی کے مقابلہ میں ولی کی کوئی ہستی نہیں ہے۔ مگر جو ولی محفوظ ہے وہ فرشتوں سے افضل ہے۔ مرتبہ ولایت ایک ستر ہے اسرار حق سے، مجاہدہ و ریاضت پر یہ موقوف نہیں۔ اس قدر پردہ استعار میں شان ولایت رہتی ہے کہ ولی کو ولی کے سوا دوسرا پہچان نہیں سکتا۔ کیونکہ اگر اظہار ولایت سب عقلا پر جائز ہوتا تو دوست دشمن کا فرق نظر آجاتا اور واصل غافل کی تمیز ہو جاتی۔ مرنی خداوندی نے اس موتی (ولایت) کو صدفِ خواری میں عام خلق سے چھپا رکھا۔ اور امتحان گوناگوں کے دریا میں ڈال دیا۔ طالبِ صادق اس تہ کو پہنچ کر حبان پر کھیلتا ہے۔ دریاے خواری میں غوطے لگاتا ہے۔ قعر میں اترتا ہے تاکہ مراد اس کی پوری ہو۔ دنیا میں جو حال اُس کا ہو، اس کی پروا نہیں کرتا۔ ایک جانباز نے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مثنوی:-

بگذرا ز جان و عقل یک بے
تایہ فرمان حق رسی بارے
عشق و آہنگ آن جہان کردن
شرط نبود حدیث جان کردن
با حیات تو دین بردن ناید
شب مرگ تو روز دین زاید
آن ہو اے کہ پیش ازین باشد
رسم و عادت بود نہ دین باشد

(دفعۃً جان اور عقل کھو بیٹھ۔ تاکہ خدا کے فرمان کے لائق تیرا دل ہو جائے عشق کرنا۔ اور اس جہان کا ارادہ کرنا، اس میں جان کی بات چیت کہاں۔ تیرے جیتے جی کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ البتہ جان کھونے اور مرنے کے بعد ہی مقصد ہاتھ آسکتا ہے۔ اس سے پہلے دل میں جو جو خواہشیں ہوں گی وہ سب رسمیں ہیں دین نہیں ہیں)۔

اے بھائی، ہر چہ یاد اباد، غم عشق اور دردِ طلب سے خالی نہیں رہنا چاہیے۔ کثرتِ محصیت و خلافت درزی کی وجہ سے نومید ہونا بھی زیبا نہیں۔ دیکھو، اس معاملہ کو دیکھ کر غولِ ملکی و بشری کا رخانہ ایزدی میں سرگردان و حیران ہو رہے ہیں۔

واقعہ۔ ایک شخص مدین پہنچتا ہے، اور حضرت شعیب علیہ السلام کے یہاں نوکری کرتا ہے۔ ان کی صاحبزادی حضرت صالحہ سے اس کا عقد اس شرط پر ہوتا ہے کہ دس سال گلہ بانی اور شبانی کرنا ہوگا۔ چار دنا چار دہ غریب اس مدت کو پوری کرتا ہے۔ اس کے بعد مع اہلیہ پیدل روانہ ہوتا ہے۔ ایک دادی نوخوار میں پہنچ کر، تھک کر بیٹھ جاتا ہے۔ جاڑے کا موسم ہے گھٹا ٹپ بادل چھایا ہوا ہے، اندھیرا گھپ ہو رہا ہے، بھوک سے فشار ہے، سردی سے جان کے لالے پڑ رہے ہیں۔ ہزاروں آفات و بلا کا سامنا ہے۔ مجبور ہو کر وہ غریب الدیار اہلیہ کو تنہا خدا پر پھوڑ کر آگ کی تلاش میں باہر نکلتا ہے۔ لطفِ قدیم ناگاہ خلعتِ نبوت سے آراستہ کرتا ہے۔

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال کہ آگ لینے کو جائیں ہمیری مل جائے
وَاضْطَعْنَتْكَ لِنَفْسِي۔ ہم نے تمہیں اپنا دل بہلانے کو خاص کر لیا ہے۔ کیا خوب کہا ہے یہ

حق بہ شبان تاج نبوت دہد ورنہ نبوت چہ شناسد شبان

(خدا ایک چرواہا ہے کو پیغمبری کا تاج پہناتا ہے۔ ہمیں تو ایک چرواہا پیغمبری کے لائق کب ہو سکتا ہے)۔ یہ لطف و عنایت کا پہلو تھا۔ قمر و جلال کے رنگ کو بھی دیکھ لو، طہم باغ و بشریت سے گزر چکا تھا، ملکوت کی میر کیا کرتا تھا، عالم ولایت میں بڑا نامدار شخص تھا۔ لشکر ہوا پر قبضہ تھا۔ باد بے نیازی عالم قمر سے لسی چلی کہ اس آندھی نے اُس کو اڑا پھینکا اور مردار خوار کتوں کی زنجیر میں باندھ دیا۔ عالم میں منادی کر دی گئی کہ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَمْلَحْ عَلَيْهِ يَلْمِثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْمِثْ (اُس کی مثال کتے جیسی ہے، اگر اُس پر بوجھ لا دو تو ہانپتا ہے اور اگر چھوڑ دو جب بھی ہانپتا ہے)۔

اب ایک نئے رنگ کی بات سنو، بھائی قسم ہے اس کی غرت و جلال کی کہ جیسی رحمت بہشت و آرام بہشت کی وجہ سے نیک بندوں پر ہے ویسی ہی عنایت دوزخ اور عذاب دوزخ کے سبب سے عام خلق پر ہے۔ ان لوگوں پر سختی اور اُن کو دُر در انا نہیں ہے۔ دیکھو تو سہی کس درجہ تشفی بخش یہ فقرہ ہے۔ يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے سختی کا ارادہ نہیں کرتا) ہمیں دیکھتے ہو تم کہ سونے کو آگ پر کس لیے رکھتے ہیں، تاکہ کھوٹا پن اس کا جل جائے، کھرا سونا نکل آئے۔ اسی معنی کے لحاظ سے عاصی کو دوزخ میں لے جاتے ہیں، تاکہ پاک ہو کر اس پاک بارگاہ میں حاضر ہو۔ اس لیے ہمیں کہ درد میں غمناک رہے، جلا جلا کے مارا جائے۔ کیا خوب کہا ہے اس رازدار عبد الست نے:-
مُعَايِنَا فِي الْاَسْوَءِ لَا يَمْنَعُهُ عَنْ اِيْجَادِنَا مُعَايِنَا كَيْفَ يَمْنَعُهُ عَنْ تَطْهِيرِنَا بِالْحَقِّو وَ
الْعُفْرِ اِنْ دَلَّ عَلٰى اِزْلٰى فِيْ يَارِىْ تَعَالٰى هِمَارٌ سَے گناہ سے واقف تھا اودہ جانتا تھا کہ یہ لوگ گناہ کریں گے جب یہ علم اس بات سے مانع نہ ہوا کہ وہ ہم کو پیدا ہی نہ کرتا تو مصیبت لواحد اس ہماری جس کو ہم اس عالم میں کر رہے ہیں کیونکر مانع ہوگی عفو و بخشش سے۔ اس بنا پر ہر گھڑی لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ كِيْ صَدَاغُوشِ جَانِ مِيْنَ پَنچ رہی ہے اور جان اس سے کھلی پڑتی ہے۔

یہ جو حدیث شریف میں آگیا ہے **كُلَّمَا تَذُنُّ بِنُورِ الذَّهَبِ اللَّهُ يَكْتُمُ وَجْهَهُ بِقَوْمٍ يَذُنُّ بِنُورٍ لَيْسَتْ تَغْفِرُ دُونَ اللَّهِ فَيَغْفِرُ لَهُمْ**۔ اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ایک دوسری قوم پیدا کرتا جو گناہ کرتی اور اللہ سے بخشش چاہتی اور وہ ان کو بخشتا۔ سبحان اللہ یہ حدیث گناہگاروں عاصیوں کے لیے ایک عجیب بشارت تازہ ہے۔ مثنوی۔

مشولے عاصی بیچارہ ناامید کہ چون پیدا شود اشراقِ خورشید

اگر آفتد بہ قہر بادشاہ ہم آفتد نیز برکنج گدائے

کسے کو برہنہ افتاد بر راہ درو بہ تابد آن خورشید در گاہ

چو کار غلصان آمد خطرناک گنہگار ان بر نداین گویے چالاک

اے گنہگار ناامید نہ ہو، کیونکہ جب آفتاب چمکے گا جیسا بادشاہ کے محل پر دیا ہی ایک فقیر کی جھونپڑی پر بھی پڑے گا۔ جو کوئی راستے میں ننگا پڑا ہو اس کو بھی دھوپ خوب لگے گی۔ غلصوں کا کام بڑا خطرناک ہے۔ گنہگار لوگ نہایت حسرتی سے اس گیند کی بازی جیت لیں گے۔ والسلام

اکیسواں مکتوب

انبیاء علیہم السلام کی نغز شوں اور آدابِ قبول کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے بھائی شمس الدین تمہیں اللہ تعالیٰ بزرگ بنائے سنو کہ پیغمبران علیہم السلام کی نغز شوں کے بارے میں کہ ان سے گناہ صغیرہ ہو سکتا ہے یا نہیں لوگوں کا اختلاف ہے۔ عام اہل سنت و جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ ان سے نغز ش ہو سکتی ہے۔ یعنی گناہ صغیرہ بلا قصد ممکن ہے اور کبیرہ تو ممکن ہی نہیں۔ انبیاء علیہم السلام سے کفر سرزد نہیں ہو سکتا، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ البتہ مبتدعین کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ جس طرح عام

مومنین سے گناہ کبیرہ اور کفر ممکن ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام سے بھی ممکن ہے۔ وہ اس کی دلیل یہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے متعلق خبر دی ہے **وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ**۔ اے اللہ تو مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پوجا سے بچائو۔ اگر اصنام کی پرستش پیغمبروں سے ممکن نہ ہوتی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ دعا کیونکر مانگتے۔ بلکہ اسی دعا کرنا ہی محال تھا۔ کیونکہ دعا ممکن الوقوع کے لیے ہوتی ہے۔ جس کا وجود ہی محال ہو اس کے لیے دعا مانگنا کیا۔ جواب یہ ہے کہ اس دعا سے اُن کی اولاد مر رہے وہ خود نہیں۔ اگرچہ آپ اس سے مامون اور بری تھے مگر اپنے آپ کو شامل کر دیا، تاکہ آپ کی شمولیت سے برکت ہو اور دعا مقبول و مستجاب ہو جائے جیسا کہ ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حکم ہوا۔ **وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ** الآیہ۔ اپنے اور کل مومنین کے لیے استغفار مانگو کیا لغو ذب اللہ حضور سے گناہ سرزد ہوئے تھے۔ مگر اسی برکت کا پہلو یہاں بھی تھا۔ یہ تو شرعی جواب ہوا۔ مگر اصل حقیقت کے نزدیک اصنام پرستی اور بت کو سجدہ ہی شرک و زنا نہیں، بلکہ خدا کے سوا کسی غیر سے طمع رکھنا، ڈرنا یا آرام لینا ہے۔ بزرگوں کا یہ مفہوم بطور لطیفہ کے ہے حقیقتہً نہیں کیونکہ بتوں میں نفع پہنچانے اور ضرر رسانی کی طاقت ہی نہیں۔ جب کافر نے بتوں سے طمع رکھی، خوف کیا اور اعتقاد جمایا تو حقیقی توحید خراب و برباد کر دی۔ اب وہ مومن موحّد جو خدا پر ایمان لا چکا ہے، اور خدا نے اس کو خبر بھی دی ہے کہ میرے سوا ساتوں آسمان و زمین میں کوئی بھی نفع و ضرر رساں نہیں ہے۔ پھر اس نے اگر خدا کے سوا اپنا عقیدہ غیر حق سے درست و واجب گردانا، غیر حق کے ساتھ آرام و سکون اور خوف کیا، تو اپنے اعتقاد سے پھر گیا اور کفار کے فعل کی طرح یہ فعل اس سے سرزد ہوا، تو اگرچہ اس کا اعتقاد ایمان پر درست ہے، لیکن یہ شرک ہو گیا۔ یعنی جس میں نفع نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں اگرچہ وہ خود بت نہیں، مگر جب خوف درجا اور امید و بیم کا تعلق اس کے ساتھ کیا، تو وہ بھی بت کی طرح بن گیا۔ تو حضرت خلیل علیہ السلام کی دعا کا مقصد یہ ہوا کہ خداوند مجھے محفوظ رکھے کہ میں تیرے

کسی کے ساتھ آرام نہ کروں کسی غیر حق سے نفع و نقصان کی امید نہ رکھوں اور بجز تیرے کسی سے خوف نہ کروں۔ فرد :-

چون بجز او درد و عالم نیست کس یا کہ سازد نیست سود او ہوس

(جب تیرے سوا دونوں جہان میں کوئی نہیں، تو پھر کسی سے ملنے جلنے کی تمنا کرنا دیوانگی اور ہوس ہے) ہذا معنی دُعَاءِ الْخَلِيلِ وَلَيْسَ التَّعَوُّذُ مِنَ الْكُفْرِ الَّذِي هُوَ صِدْقُ الْإِيمَانِ اَدْعَاءُ خَلِيلِ کے یہی معنی ہیں، نہ کہ اس کفر سے توبہ کرنا جو ایمان کا ضد ہے) لیکن عام مومنین پر قیاس کرنا اس لیے باطل ہے کہ عداوت کا محل کفر ہے اور محبت کا محل ایمان۔ کافر خدا کا دشمن اور خدا کا کافر کا دشمن ہے۔ مگر اس عالم امتحان میں اس حال پر پردہ پڑا ہوا ہے جس وقت کافر کا خاتمہ کفر پر ہوتا ہے اُس وقت اُس پر یہ راز کھل جاتا ہے کہ خدا اس کا دشمن تھا۔ اور اگر عنایتِ خداوندی سے ایمان پر خاتمہ ہو جائے اُس وقت یہ بھید ظاہر ہو جائے گا کہ خدا اس کا دوست تھا۔ مگر یہ معاملہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جائز نہیں۔ کیونکہ یہ لوگ احباب میں ہیں خاص الخاص ہیں۔ خصوصیت کا کوئی مقام نبوت سے بڑھ کر نہیں۔ یہ خاص ترین دوستوں میں ہیں۔ ان کی محبت خدا کے ساتھ مسلم ہو چکی ہے اور کفر سے مامون ہو چکے ہیں۔ جب اُن کے ساتھ محبت الہی تحقیقی ہے تو اس میں تغیر و تبدل ممکن نہیں۔ رد و بدل تو مخلوقات کی صفات ہیں۔ وہاں یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ حق تعالیٰ جس کا دوست ہے اس کا دشمن نہ ہو گا۔ اور جس کا دشمن ہے اُس کا دوست نہ ہو گا۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص جو خدا کا حقیقہ دوست ہے مگر بظاہر دشمنوں کی صف میں ہے جیسے ساحرانِ فرعون۔ یہ لوگ بظاہر دشمن تھے مگر سلطانِ محبت الہی نے غلبہ کیا، یہ خدا کے دوست بن گئے۔ اور ابلیس بعینِ صورتِ خدا کا دوست بنا ہوا تھا سلطانِ عداوتِ حق کا غلبہ ہوا اس میں دشمنوں کی صفت آگئی۔ اسی معنی کے اعتبار سے کسی کہاؤ بیت کس پہ داند تا درین بحر عمیق سنگ یزہ قدر دار دیا عقیق

(کسی کو اس کی کیا خبر کہ اس اتھاہ سمندر میں سنگ یزہ بیش قیمت ہے یا عقیق)۔ یہاں

ایک خاص بات ہے۔ اس کو گوش دل سے سنو۔ اللہ تعالیٰ کی محبت و عداوت دونوں بے علت ہے۔ نہ کسی وجہ سے وہ کسی کا دوست، نہ کسی سبب سے وہ کسی کا دشمن ہے۔ محبت و عداوت ازلی ہے۔ بندے کا خلاف یا موافق ہونا وقتی۔ اب سمجھو کہ محبت و عداوت سابق ہوئی، اور خلاف و موافقت لاحق ہوئی۔ سابق کی علت لاحق نہیں ہو سکتا۔ جب عالم محبت میں یہ رنگ ہے تو سمجھ لو سارا جہان پیچ در پیچ ہے۔ اس رباعی کو پڑھ کر دل خوش کر لو رباعی :-

در گوش دلم گفت فلک بہانی ہر حکم کہ حق کند تو از من دانی

بر گردش خود اگر بی دست رسم خود را بر ہاندے ز سر گردانی

(آسمان نے میرے دل میں پوشیدہ یہ بات کہی کہ جو فرمان خدا کے یہاں سے ہوتا ہے، میں اُس کو انجام دیتا ہوں اور تو مجھ کو بدنام کرتا ہے کہ میں نے ایسا کیا ہے۔ ارے بھائی اگر اپنی گردش پر مجھے خود اختیار ہوتا تو میں رات دن کے اس چکر سے اپنے کو پہلے ہی چھڑا لیتا)۔ لیکن گناہ کبیرہ انبیاء علیہم السلام سے سرزد ہونے کے متعلق ایک گروہ یہ کہتا ہے اور یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آخر کیونکر کیا۔ اہل سنت و جماعت کے نزدیک تو انبیاء علیہم السلام سے کفر ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ گناہ کبیرہ بھی کفر ہے۔ جب ایک کبیرہ جائز ہوا تو دوسرا بھی جائز ہو سکتا ہے، تو برادران حضرت یوسف علیہ السلام کے کبیرہ کا جواب یہ ہے کہ وہ نزولِ وحی سے پیشتر کا واقعہ ہے۔ اور وہ اَلْأَوَّلُ مِنَ الْعُودِ کا درجہ رکھتا ہے۔ دوسرے یہ کہ کس قدر جلد آپ لوگوں نے توبہ کر لی اور صلاح و تقویٰ کی طرف آگئے۔ انبیاء علیہم السلام سے زُلت (لغزش) البتہ ممکن ہے۔ زُلت کی تعریف یہ ہے کہ اس گناہ کے قبل قصد اور نہ گناہ کے بعد اس پر قرار ہو۔ جیسے کوئی پھسلنے راستے میں چلے اور اچانک گر پڑے اور جلد سے جلد اٹھ کھڑا ہو جائے۔ نہ گرنے سے قبل اس کی نیت گر پڑنے کی تھی نہ گر پڑنے کے بعد پڑے رہنے کی۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کی شان اس سے کہیں زیادہ اعلیٰ و ارفع ہے۔ زُلت کے موقع پر بھی عتاب میں آجاتے ہیں لَعَلَّوْا مَرَّ قَبْلَهُمْ وَارْتَبَاعَ

مَنْزِلَتِهِمْ اپنے مرتبے کی بلندی اور مقام کی ادنیائی کی وجہ سے بڑے لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں میں پکڑے جاتے ہیں۔ اور چھوٹے لوگ بڑے گناہ پر پوچھے نہیں جاتے۔ اَلْمُخْلِصُونَ عَلٰی خَطَرٍ عَظِيمٍ (مخلص لوگ بڑے خطرے میں ہیں) بڑے گناہوں پر نہ پکڑا جانا چھوٹے پن کی دلیل اور چھوٹی باتوں پر باز پرس اور عتاب بزرگی اور بڑائی کی دلیل ہے۔ وَكَانَ زَجْرًا بِغَيْرِهِمْ یہ غروں کے لیے تنبیہ ہے، تاکہ عام لوگ ہوشیار ہو جائیں اور سمجھیں کہ جب بڑوں کے ساتھ ایسا معاملہ ہے تو ہم جیسوں کو کون پوچھتا ہے۔ عتاب میں ایک راز اور بھی ہے کہ یہ زیادتی محبت کی دلیل ہے۔ جب تک عشق و محبت باقی ہے طرح طرح کے عتاب اور ناز معشوقانہ ہوتے رہیں گے۔ عالم محبت میں یہی چلن برابر جاری رہے گا۔

اِذَا ذَهَبَ الْعِتَابُ فَلَيْسَ وَدٌّ وَيَبْقَى الْوَدُّ مَا يَبْقَى الْعِتَابُ

(جب عتاب نہیں تو محبت نہیں رہی۔ جب تک محبت باقی ہے عتاب بھی باقی رہے گا)۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ حضرت مہرِ داؤد علیہ السلام کے ساتھ ایک زلّت کے مقابلہ میں کیا معاملہ ہوا۔ آپ چالیس دنوں تک سرسجدہ ہو کر اس طرح روتے رہے کہ وہاں گھاس اُگ آئی۔ اور اتنی لمبی ہو گئی کہ آپ اُس میں چھپ گئے۔ پھر بھی جب توبہ کی قبولیت کا حال معلوم نہ ہوا تو آپ نے ایک ایسی آہ اُٹھا کر کہی کہ سب گھاس جل گئی اور خاک سیاہ ہو گئی۔ آپ دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر روتے چلتے تھے، یہاں تک کہ دونوں ہتھیلیاں خون میں لت پت ہو گئیں پھر آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہا اَللّٰهُمَّ اِنْ لَمْ تَنْجِنِيْ فَاَنْزِعْ عَيْنِيْ۔ اے اللہ اگر تو مجھ پر رحم نہیں کرتا تو میرے آنسوؤں پر بخشش فرما۔ فرمان ہوا يَا دَاوُدُ تَذْكُرُ عَيْنُكَ وَتَنْسَى خَطِيئَتَكَ اے داؤد تو اپنے آنسوؤں کو یاد رکھتا ہے اور اپنا گناہ بھول جاتا ہے۔ اس سے تم خبردار ہو جاؤ کہ بڑوں کے ساتھ بڑے بڑے خطرے اور اُن کے ساتھ سخت تر معاملے ہیں۔ کسی نے اسی موقع پر کہا ہے

کشتہ شدگان لبِ خونخوارہ معشوق تار و ز قیامت ہمہ رنگین کفست اند

(محبوب کے خونخوار ہونٹوں کے کشتوں کا کفن قیامت تک زندگین ہے)۔ اسے بھائی گورستان

جانا چاہیے، بزرگوں اور عامۃ المؤمنین کے مزارات کی زیارت کرنا چاہیے۔ اس میں بڑے بڑے فائدے

ہیں۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: **مَنْ يَزُورُنَا يَمُوتُ بِمَنْزِلَتِهِ** (الحدیث) قبروں کی زیارت

دلوں میں گداز پیدا کرتی، آنکھوں سے آنسو جاری کرتی اور آخرت کی یاد دلاتی ہے۔ اس لیے ان

کی زیارت کیا کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے اپنی سختی دل کی شکایت کی۔

آپ نے فرمایا: **اطَّلِعْ فِي الْقُبُورِ وَاعْتَبِرْ بِالنُّشُورِ** گورستان پر نظر کرو اور حشر و نشر پر اعتبار

کرو۔ ہفتے میں ایک دفعہ زیارت قبور مستحب ہے۔ جیسا کہ حضرت نے ایک صحابی سے فرمایا: **يَا بَنِيَّ**

اَذْهَبْ كُلَّ جُمُعَةٍ إِلَى الْمَقْبَرَةِ۔ اسے غریزہ ہر جمعہ کو مقبروں کی زیارت کیا کرو۔ بلکہ ترک

زیارت کے لیے وعید آئی ہے (عتاب عذاب کا وعدہ) خدا جانے اس وعید کا کیا مطلب اور

مقصد ہے۔ زیارت کے لیے بہترین اور افضل تین دن ہیں۔ دو شنبہ، پنجشنبہ اور جمعہ کا دن بعد

نماز جمعہ۔ اور موسم متبرکہ جیسے عشرہ ذی الحجہ، عیدین، عاشورہ۔ اور متبرک مقدس راتیں جیسے

شبِ برات وغیرہ۔ جو چاہے کہ زیارت قبور کو جائے وہ گھر پر دو رکعتیں نماز پڑھے جس میں سورہ

فاتحہ کے بعد آیت الکرسی ایک بار سورہ اخلاص تین بار پڑھے۔ سلام کے بعد کہے۔ **حَسْبُكَ اللَّهُ**

اس نماز کا ثواب فلاں شخص کی روح کو پہنچا دے۔ حق تعالیٰ اس کی روح کو ایک نور پہنچا دے گا۔

اور اس نماز پڑھنے والے کے حق میں بہت ثواب لکھے جائیں گے۔ جب گورستان پہنچے تو جوتے

اتار لے پشت قبلہ کی طرف اور منہ میت کی جانب کر کے جس طرح سلام مردی ہے پڑھنا چاہیے۔

یعنی۔ **السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِينَ**

وَالْمُسْلِمَاتِ بِرَحْمَةِ الْمُتَّقِينَ مِنْ مَنَّا وَالْمُتَأَخِّرِينَ **وَإِنَّا لَنَشَاءُ اللَّهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ**

أَسْأَلُ اللَّهَ لَنَا وَلكُمْ الْعَافِيَةَ۔ اے شہر خوشاں کے رہنے والے مسلمان مرد اور مسلمان

عورتیں، اللہ اگلوں اور پچھلوں پر ہمارے، رحم و کرم فرمائے۔ انشاء اللہ ہم تم لوگوں سے

ملین گئے۔ تمہارے اور اپنے لیے آرام و سکون کے طالب ہیں۔ اور اگر شہید کا مزار ہے تو یوں لکھیے
 سَلَامٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔ تم پر سلامتی نازل ہو تم نے جو صبر کیا۔ آخرت
 کا عالم کیا اچھا مقام ہے۔ اور اگر مسلمانوں اور کفار کا مدفن ایک ہی جگہ واقع ہو تو اس طرح کہے
 اَلْسَلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی۔ اُس پر سلامتی جس نے راہ ہدایت کی پیروی کی۔ اس کے بعد
 بیٹھ کر پڑھے۔ بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰی مِلَّةِ سُلُوْلِ اللّٰهِ۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں رسول
 خدا کے دین پر۔ حدیث شریف میں ہے کہ اس قبر کے مُردے سے تاریکی اور تنگی گور کی چالیس برس
 تک کے لیے اللہ تعالیٰ اٹھا دے گا۔ پھر کہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْکَ لَهُ لَهُ الْمُلْکُ
 وَلَهُ الْحُکْمُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَهُوَ حَیُّ لَا یَمُوْتُ اَبَدًا اَبَدًا اُذْ وَ الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ بِیَدِہِ
 الْخِیْرُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ حدیث میں ہے کہ اللہ اس گور کو روشن کر دیتا ہے اور پڑھنے
 والے کو بخش دیتا ہے، اور ہزاروں ہزار نیکیاں اور درجے اس کے لیے لکھے جاتے ہیں۔ اس کے
 بعد سورہ فاتحہ اور آیت الکرسی پڑھے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے۔ جو کوئی آیت الکرسی پڑھے کہ
 مردوں کو بخشے گا خداوند کریم اس کی برکت سے ہر مردے کی گور میں پورب سے پچھتم تک نور
 کا چالیس طبقہ کھول دے گا اور قبر کو کشادہ کر دے گا۔ اور ہر مردے کا درجہ اونچا کر دے گا۔
 اور پڑھنے والوں کو ساتھ پیغمبروں کا ثواب عنایت فرمائے گا۔ اور ہر ایک جوف کے بدلے
 میں ایک فرشتہ پیدا کرے گا جو قیامت تک اُس مُردے کے نام سے تسبیح پڑھتا رہے گا۔
 پھر دس مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اور پڑھے۔ اگر وہ مُردہ بخشا نہ گیا ہو گا تو اس کی برکت سے بخشا جائے گا
 اور اگر وہ بخشا جا چکا ہو گا تو پڑھنے والا بخش دیا جائے گا۔ اُس کے گناہ اُس مردے کی وجہ سے
 بخش دیے جائیں گے۔ اور اگر اس سے کچھ زیادہ پڑھنا چاہے تو سورہ لیسین، سورہ ملک،
 اِذَا زُلْزِلَتْ الْاَرْضُ اور اَلْہٰکُمُ التَّکَاثُرُ بھی منقول ہے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ مُردے پر
 کوئی رات پہلی رات سے زیادہ سخت نہیں۔ اس لیے چاہیے کہ اُس کے نام کا صدقہ دے۔
 اگر صدقہ دینے کی توفیق نہ ہو تو دو رکعت نماز ادا کرے، ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد اَللّٰہُمَّ

ایک بار قل ہوا اللہ احد دس بار، اور اَللّٰہُکُمُ التَّکَاثُرُ دس مرتبہ پڑھے۔ اور کہے کہ خداوند اس نماز کا ثواب میں نے فلاں مُردے کو بخش دیا۔ خدا اس نماز کی برکت سے اس بندے کی گور میں ایک ہزار فرشتے نُور کی مشعلیں لیے بھیجے گا۔ اور اُس کو تحفہ دے گا ایک ہزار شہید کا ثواب۔ والسلام۔

بانیسواں مکتوب

اصل نقیصہ کے بیان میں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

میرے بھائی شمس الدین۔ اللہ تم کو بزرگ بنائے سمجھو کہ نقیصہ کا ضابطہ اور قانون دیرینہ ہے۔ یہ کوئی نئی چیز نہیں۔ اس پر پیروں اور صدیقیوں کا عمل رہا ہے۔ بُری عادتیں اور زمانے میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں ان کی وجہ سے زلزلے والوں کی آنکھوں میں صوفیوں کا حال بُرا دکھائی دیتا ہے۔ اُن کی پاک دامن پر دھتے لگانے کا خاص سبب یہی ہے کہ خود صوفیوں نے اپنی روش بدل دی ہے۔ اور خلافتِ اصول عادتوں میں مبتلا ہو کر نقیصہ کو بدنام کر دیا ہے۔ ورنہ نقیصہ تو دین و ایمان کی جان ہے۔ اہل طریقت کے یہاں نقیصہ کی تین قسمیں ہیں۔ صوفی، متصوف اور مشتبہ۔ صوفی وہ ہے جو اپنی ہستی فنا کر چکا اور اللہ کے ساتھ باقی ہے۔ خواہشاتِ نفسانی کے قبضے سے باہر اور حقائقِ موجودات کا ماہر ہے۔ متصوف کی یہ شان ہے کہ ریاضت و مجاہدہ میں اس لیے مصروف و سرگرم رہتا ہے کہ صوفیوں کے مراتب چل کر سکے۔ اور قدم بہ قدم اُن کی راہ چل کر اپنے معاملات اُن کے ساتھ درست کرنا چاہتا ہے۔ اور مشتبہ کی یہ حالت ہے کہ اس میں صورتِ صوفیوں کے اکثر عادات ہوں، مگر معنی نہیں۔ روزہ، نماز، درود و وظائف ذکر و اشغال یا اور کوئی عمل وہ اس غرض سے نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ سے ملے۔ بلکہ ان تمام آرائشوں کا

ملین گئے بھٹارے اور اپنے لیے آرام و سکون کے طالب ہیں۔ اور اگر شہید کا مزار ہے تو یوں کہے
 سَلَامٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔ تم پر سلامتی نازل ہو تم نے جو صبر کیا۔ آخرت
 کا عالم کیا اچھا مقام ہے۔ اور اگر مسلمانوں اور کفار کا مدفن ایک ہی جگہ واقع ہو تو اس طرح کہے
 السَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰی۔ اُس پر سلامتی جس نے راہ ہدایت کی پیروی کی۔ اس کے بعد
 بیٹھ کر پڑھے۔ بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں رسول
 خدا کے دین پر۔ حدیث شریف میں ہے کہ اس قبر کے مُردے سے تاریکی اور تنگی گور کی چالیس برس
 تک کے لیے اللہ تعالیٰ اٹھا دے گا۔ پھر کہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْکَ لَهُ لَهُ الْمُلْکُ
 وَلَهُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَهُوَ حَیُّ لَا یَمُوْتُ اَبَدًا اَبَدًا ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ بیدار
 الخیر وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ حدیث میں ہے کہ اللہ اس گور کو روشن کر دیتا ہے اور پڑھنے
 والے کو بخش دیتا ہے، اور ہزاروں ہزار نیکیاں اور درجے اس کے لیے لکھے جاتے ہیں۔ اس کے
 بعد سورہ فاتحہ اور آیت الکرسی پڑھے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے۔ جو کوئی آیت الکرسی پڑھے کہ
 مردوں کو بخشے گا خداوند کریم اس کی برکت سے ہر مردے کی گور میں پورب سے پچھم تک نور
 کا چالیس طبقہ کھول دے گا اور قبر کو کشادہ کر دے گا۔ اور ہر مردے کا درجہ اونچا کر دے گا۔
 اور پڑھنے والوں کو ساتھ پیغمبروں کا ثواب عنایت فرمائے گا۔ اور ہر ایک جوف کے بدلے
 میں ایک فرشتہ پیدا کرے گا جو قیامت تک اُس مُردے کے نام سے تسبیح پڑھتا رہے گا۔
 پھر دس مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اور پڑھے۔ اگر وہ مُردہ بخشا نہ گیا ہو گا تو اس کی برکت سے بخشا جائے گا
 اور اگر وہ بخشا جا چکا ہو گا تو پڑھنے والا بخش دیا جائے گا۔ اُس کے گناہ اُس مُردے کی وجہ سے
 بخش دیے جائیں گے۔ اور اگر اس سے کچھ زیادہ پڑھنا چاہے تو سورہ یسین، سورہ ملک،
 اِذَا زُلْزِلَتْ الارضُ اور اَللّٰھُمَّ التَّکَاثُرُ بھی منقول ہے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ مُردے پر
 کوئی رات پہلی رات سے زیادہ سخت نہیں۔ اس لیے چاہیے کہ اُس کے نام کا صدقہ دے۔
 اگر صدقہ دینے کی توفیق نہ ہو تو دو رکعت نماز ادا کرے، ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد اَللّٰھُمَّ

ایک بار قل ہوا اللہ احد دس بار اور اَللّٰہُکُمُ التَّکَاثُرُ دس مرتبہ پڑھے۔ اور کہے کہ خداوند اس نماز کا ثواب میں نے فلاں مُردے کو بخش دیا۔ خدا اس نماز کی برکت سے اس بندے کی گور میں ایک ہزار فرشتے نور کی مشعلیں لیے بھیجے گا۔ اور اُس کو تحفہ دے گا ایک ہزار شہید کا ثواب۔ والسلام۔

یائسیواں مکتوب

اصل نقیصہ کے بیان میں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

میرے بھائی شمس الدین۔ اللہ تم کو بزرگ بنائے سمجھو کہ نقیصہ کا ضابطہ اور قانون دیرینہ ہے۔ یہ کوئی نئی چیز نہیں۔ اس پر پیروں اور صدیقیوں کا عمل رہا ہے۔ بُری عادتیں اور زمانے میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں ان کی وجہ سے زمانے والوں کی آنکھوں میں صوفیوں کا حال بُرا دکھائی دیتا ہے۔ اُن کی پاک دامن پر دھتے لگانے کا خاص سبب یہی ہے کہ خود صوفیوں نے اپنی روش بدل دی ہے۔ اور خلافتِ اصولِ عادلوں میں مبتلا ہو کر نقیصہ کو بدنام کر دیا ہے۔ ورنہ نقیصہ تو دین و ایمان کی جان ہے۔ اہل طریقت کے یہاں نقیصہ کی تین قسمیں ہیں۔ صوفی، متصوف اور مشتبہ۔ صوفی وہ ہے جو اپنی ہستی فنا کر چکا اور اللہ کے ساتھ باقی ہے۔ خواہشاتِ نفسانی کے قبضے سے باہر اور حقائقِ موجودات کا ماہر ہے۔ متصوف کی یہ شان ہے کہ ریاضت و مجاہدہ میں اس لیے مصروف و سرگرم رہتا ہے کہ صوفیوں کے مراتب حاصل کر سکے۔ اور قدم بہ قدم اُن کی راہ چل کر اپنے معاملات اُن کے ساتھ درست کرنا چاہتا ہے۔ اور مشتبہ کی یہ حالت ہے کہ اس میں صورتِ صوفیوں کے اکثر عادات ہوں، مگر معنی نہیں۔ روزہ، نماز، درود و وظائف ذکر و اشغال یا اور کوئی عمل وہ اس غرض سے نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ سے ملے۔ بلکہ ان تمام آرائشوں کا

مقصد جاہ طلبی اور خطوط نفسانی ہے

بدنام کنندہ نیکو نامے چند

یہ نیک نام لوگوں کو بدنام کرنے والے ہیں۔ اس کے باوجود امید کی جاتی ہے کہ ان لوگوں میں سے ایک بھی ہو جائے، اور ان کے سایہ دولت میں دو جہان سے گزر جائے۔ تم دیکھتے نہیں کہ لشکر میں مرد میدان ایک ہی ہوا کرتا ہے، باقی لوگ طفیلی ہوتے ہیں شہر میں خلیفہ وقت اور سلطان ایک ہی ہوتا ہے اور لوگ اس کی دولت کے سایے میں بسر اوقات کرتے ہیں۔ یہ بھی قاعدہ ہے کہ ہر گروہ میں محقق کی تعداد کم ہوتی ہے اور متبعین ہزاروں ہوتے ہیں۔ لیکن ہر گروہ کی نسبت اسی کی طرف کی جاتی ہے تو وہ شخص اکثر اسی میں شمار کیا جاتا ہے۔ شریعت کا فتویٰ یہی ہے کہ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ جس نے کسی قوم کی روش طریقہ اختیار کیا اس کا شمار اسی قوم میں ہوگا۔ بہر حال اگر نقیصہ کی ابتدا پر غور کرو گے تو اس کو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت ہی سے پاؤ گے۔ اس عالم میں پہلے صوفی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ ان کو حق تعالیٰ نے خاک سے پیدا کیا۔ پھر اجتہاد اور اصطفا کے مقام پر پہنچایا۔ خلافت عطا فرمائی۔ پھر صوفی بنایا۔ ان خاص معاملات کو اشارات کے طور پر سنو کہ کس طرح صوفی بنائے گئے۔ مرید کو آغاز ارادت میں چلہ کرنا پڑتا ہے۔ اول اول طاعت و مکہ کے درمیان میں چلہ کیا خمر ت طینۃ ادم پیدائی اربعین صباح۔ میں نے اپنے ہاتھ سے آدم کی مٹی کو چالیس دنوں میں خمیر کیا۔ جب یہ تجرید کا چلہ ختم ہو چکا تو حق سبحانہ نے اس میں روح عنایت فرمائی۔ اور عقل و دانش کا چراغ اس کے دل میں روشن کر دیا۔ پھر کیا، دل سے زبان تک وہ باتیں آنے لگیں کہ منہ سے انوار و اسرار کے پھول جھڑنے لگے۔ جب آپ نے اپنا یہ رنگ دیکھا تو مستی میں جھوم گئے۔ خدا کا شکر و احسان بجالائے۔ حضرت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے مَنْ أَخْلَصَ اللَّهُ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا أَظْهَرَهُ اللَّهُ يَتَابِعُ الْحِكْمَةَ مِنْ قَلْبِهِ

لسانہ جس نے خلوص قلب کے ساتھ چالیس دن خدا کے لیے خاص کر دیے اللہ تعالیٰ اُس کی زبان اور دل سے حکمت کے چشمے جاری فرمائے گا۔ پھر آپ نے بجا آوری شکر و احسان کے بعد آسمان کا قصد کیا۔ اور پہلے ہی جلوس میں ملائکہ کے سجود کی سلامی گزری۔ آپ کو اول خلافت میں یہ اعزاز مرحمت ہوئے۔ پھر اٹھ کھڑے ہوئے اور مسافروں کی طرح بہشت کا قصد کیا۔ اور تمام بہشت کو دیکھا بھالا۔ یہاں کے رموز و اسرار سے آگاہی حاصل کی۔ کہا گیا کہ میں اپنے جی سے کوئی بات نہ کر لینا۔ پھونک پھونک کر قدم رکھنا۔ ذرا سنبھل کے چلنا۔ مرید کو خود کوئی اختیار نہیں۔ آپ نے سب کچھ سن لیا۔ مگر از خود رفتگی اور انبساط کے عالم میں رد کے نہ رکے، جرات کر بیٹھے۔ پھر کیا تھا، غیب سے تمثیر عتاب کھنچی اور عَصَا اَدَمُ رَبِّہٖ فَعَوٰی۔ آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور بہک گیا۔ آپ چونک پڑے۔ عرقِ ندامت میں ڈوب گئے۔ اب بجز استغفار کے کوئی چارہ نہ تھا۔ جان و دل سے اس کام میں لگ گئے۔ مَا بَنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا اے میرے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ صوفیوں کے استغفار کی اصل یہیں سے شروع ہوتی ہے جو کچھ اسبابِ خواجگی مرحمت ہوا تھا سب تھین لیا گیا۔ خلعتِ خلافت اتار لیا گیا۔ اب جسمِ ننگا بے ستر تھا اور زبان پر استغفار۔ کہا گیا، اے آدم، اسی مفلسی اور ذلت کے ساتھ دنیا کا سفر کر۔ کیونکہ مرید کے لیے ضروری شرط ہے کہ جب اُس سے کوئی لغزش صادر ہوتی ہے تو اُس کو سفر کرنا پڑتا ہے۔ حضرت آدم نے تنہا دنیا کے سفر کا قصد کیا۔ جسمِ ننگا تھا۔ حکم ہوا اے آدم ہر ایک درخت سے ایک ایک پتا بھیک مانگ۔ تین پتے آپ کو ملے۔ ان کو سی کر گڈری بنالی۔ اُسے پہن کر خود کو چھپا لیا۔ اور اس خاکدانِ دنیا میں تشریف لائے مگر تین سو برس تک روتے رہے۔ پھر دریائے رحمتِ خداوندی جوش میں آیا اور درجہٗ اصطفا عطا گیا۔ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اَدَمَ اب کیا تھا تصفیہٗ کامل ہو گیا۔ صوفی صافی بن گئے۔ وہ مرقع جو در یوزہ گری کے بعد پہنایا گیا تھا، آپ اُس کو نہایت عزیز رکھتے تھے۔ آخر عمر میں وہ مرقع حضرت شیت علیہ السلام کو آپ نے مینا دیا۔ اور خلافت بھی سیر دی۔ چنانچہ نسلاً بعد نسل اسی طریقہ پر عمل ہوتا رہا۔ اور تصوف

کی دولت ایک نبی سے دوسرے نبی کو یکے بعد دیگرے منتقل ہوتی رہی۔ صوفیوں کا یہ بھی معمول ہے کہ کسی خاص جگہ پر بیٹھ کر آپس میں مل جل کر راز و نیاز کی باتیں کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ صوفی صانی اول حضرت آدم علیہ السلام کی اس خلوت در انجمن کے لیے خانہ کعبہ کی بنیاد پڑی۔ یعنی دنیا میں پہلی خانقاہ کعبہ مکرم ہے۔ اس سے پہلے کسی خانقاہ کا وجود نہ تھا۔ خرقہ اور خانقاہ کی اصل حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے قائم ہوئی۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام نے دنیا میں صرف ایک مکمل پر اکتفا کیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود ہمیشہ وہی ایک مکمل رکھا جو پہلی ملاقات میں حضرت شعیب علیہ السلام نے اُن کو عنایت فرمایا تھا۔ طریقت میں پیر کے لیے بہت بڑی شرط یہ ہے کہ مرید کو اپنا خرقہ پہنانے کے لائق بنادے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ جامہ صوف پہنا کرتے تھے۔ خانقاہ کی تاریخ تو معلوم ہو چکی۔ اسی بنا پر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے بیت المقدس کو خانقاہ بنایا۔ چنانچہ اور اور ملکوں میں بھی خانقاہیں بنائی گئیں جن میں عبادت کی جاتیں۔ اور اسرار الہی کا بیان ہوا کرتا۔ پھر جب دور مبارک حضرت سیدنا و نبینا سلطان الاولیاء والا بنیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا آ پہنچا حضور نے اسی طرح مکمل اختیار کیا۔ **مِلَّةَ اِبْنِکُمْ اِبْرٰہِیْمَ** (تمہارے باپ ابراہیم کا یہی طریقہ رہا۔ اور اُن کی روش بھی یہی رہی)۔ اور اسی خانقاہ کعبہ کا قصد کیا۔ علاوہ اس کے خود مسجد نبوی میں ایک گوشہ معین کر دیا۔ صحابہ میں وہ گروہ جو سالکان راہ طریقت بعنوان خاص تھا، اُن سے دین راز کی باتیں ہوا کرتیں۔ ان میں بعض پیر تھے اور بعض جوان۔ جیسے حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت سلمان، حضرت معاذ و ہمال و ابو ذر و عمار رضی اللہ عنہم۔ ان حضرات کو خاص خاص اوقات میں آپ وہاں بٹھاتے اور اسرار الہی کی باتیں کرتے۔ ایسی باتیں ہوا کرتی تھیں کہ بڑے بڑے فصحاء عرب اور عام صحابہ اس کے مغز تک پہنچ نہیں سکتے تھے۔ اس خاص جماعت صوفیہ کے لوگ قریب قریب ستر اشخاص تھے۔ حضرت مہر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی معمول تھا کہ جب کسی صحابہ کی غرت و تکریم فرماتے تو ان کو ردائے مبارک یا اپنا پیرا ہن شریف عنایت فرماتے۔

صحابہ میں وہ شخص صوفی سمجھا جاتا تھا۔ اب تم جان سکتے ہو کہ تصوف اور طریقت کی اول اول
ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی، اور اس کا تتمہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا۔ اب زیادہ طول کی ضرورت نہیں۔ بہر حال اس مکتوب کو دیکھ کر تمہارے دل میں شاید یہ
خیال گزرا ہو کہ کہاں ہم اور کہاں تصوف، تو مجھ سے سن لو کہ اس طرح کی بے دلی ہرگز مناسب
نہیں۔ دل کو قوی رکھو، اپنی مفلسی پر مطلق نظر نہ رکھو۔ کارخانہ الہی محض فضل و کرم پر موقوف
ہے کسی کے عمل پر نہیں۔ تم دیکھتے نہیں کہ راج و ساجد کتنے ہزار تھے، تسبیح و تحمید گو کئی لاکھ
تھے، متحیران اسرار کی کتنی تعداد کثیر تھی، سوختگان غمت و جلالت کے افراد کس قدر تھے۔ لیکن
ہوا کیا۔ آخر یہی نا، کہ خاکِ ناچیز سے ایک قوم بے باک پیدا کی گئی۔ اور سب عابد و مطیع پر اس
کو فضیلت حاصل ہو گئی۔ اور اس بات کو دیکھو تو سہی کہ خطابِ اَلْسُنُتُ بِرَبِّکُمْ (اے مشیت
خاک، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟) یہ کون سی خدمت کا صلہ اور کون سی شفاعت کی بدولت
ہوا۔ اکثر دیکھو گے کہ ایک پُرانا شرابی چشم زدن میں کہاں سے کہاں پہنچتا ہے۔ یہی مقبولیت
کا شکار اور مشاہدہ ذوالجلال میں غرق نظر آتا ہے۔ ہمہ دم نوازش پر نوازش ہو رہی ہے ہر لحظہ
وصل در وصل کے فرے ہیں۔ اور کبھی قدیم مناجاتی کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا ہے کہ آنکھوں پر
حجابات کی پٹی بندھی اور گردن میں دھتکار بھٹکار کی ڈوری پڑی ہے۔ حسرت و اندوہ کا سامنا
ہے، دم بدم خونِ جگر کا پینا ہے۔ کبھی ایک شخص بتانے سے لایا جاتا ہے اور اغراز و قبول کے
گل بوٹے اس کے طبوس پر بنائے جاتے ہیں۔ کبھی ایک شخص مسجد سے باہر نکال دیا جاتا ہے۔
اور لعنت کا طوق اس کے گلے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ جس طرح لطف کام کر رہا
ہے، اسی طرح قہر بھی اپنے کام میں سرگرم ہے۔ والسلام۔

تیسواں مکتوب

طلب طریقت کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادر مٹمس الدین، اللہ تم کو طالبین کی بزرگی کا درجہ عطا فرمائے۔ تم اس بات کا یقین کرو کہ جو شخص طریقت کی راہ کا طلبگار ہو اس کے پاس شریعت کی پونجی ہونا ضرور چاہیے تاکہ قصبہ شریعت سے شہر طریقت میں پہنچے۔ طریقت میں جہاں قدم درست ہو ملک حقیقت میں پہنچ جاتا۔ آسان ہے جس بے علم نے شریعت ہی کو نہیں سمجھا ہے وہ طریقت کو کیا پہچانے گا۔ اور جب طریقت ہی سے شناسائی نہیں ہے تو حقیقت تک کیونکر رسائی ہو سکتی ہے۔ اس لیے بے علم و معرفت اور نادانیت شریعت کو اس راہ میں چلنے کی اجازت نہیں۔ اگر اپنی خود رانی سے کوئی ایسا کرے گا تو بھٹک کر رہ جائے گا۔ اور اسی چکر میں اس کی جان بھی چلی جائے گی۔ بالکل ناممکن ہے کہ وہ منزل مقصود تک پہنچ سکے۔ اگر بغرض محال کو رانہ و جاہلانہ مجاہدہ و ریاضت سے کچھ نظر آ گیا تو اتنا غرور پیدا ہو گا کہ اور جہالت بڑھے گی اور حماقت تیز ہوگی کہ ایمان تک رخصت ہو جائے گا۔ اور شیطان کے پھندے میں پھنسا رہے گا۔ تم اس بات کا یقین کامل کر لو کہ اللہ تعالیٰ کسی جاہل کو ولی نہیں بناتا۔ مَا تَتَّخِذُ اللَّهُ وَلِيًّا جَاهِلًا مشائخوں کا قول ہے۔ اور قرآن شریف میں بھی اس طرف اشارہ ہے وَ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَبِيٍّ مِنَ الَّذِينَ (خداوند جل و علا جاہل کو دوست کبھی نہیں بناتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جہالت سے بڑھ کر کوئی چیز ذلیل نہیں ہے۔ یہ ساری ذلتوں کی جڑ ہے۔ اللہ کی راہ میں قدم رکھنا دل لگی نہیں۔ بزرگوں کا قول ہے کہ سالک کو جب بارہ چیزوں کا علم ہوتا ہے تو وہ اس راہ کے لائق سمجھا جاتا ہے۔ علم توحید، علم معاملات، علم معرفت، علم حالات، علم مکاشفہ، علم مشاہدت، علم خطاب، علم سماع، علم وجد، علم معرفت روح،

علمِ معرفتِ نفس، علمِ معرفت۔ پھر ان علوم کے اصول و فروع کی واقفیت بھی ضروری ہے۔ تم
 بزرگانِ دین کو کیا سمجھتے ہو۔ اپنی دستارِ فضیلت تہ کر کے رکھو۔ وہ اصحابِ صاحبِ علمِ شریعت
 صاحبِ علمِ طریقت صاحبِ علمِ حقیقت ہوتے ہیں۔ اور اس وقت بھی موجود ہیں۔ اور آئندہ بھی
 ہوں گے۔ مگر اس کا تو کوئی جواب ہی نہیں کہ اس شان کا کوئی نہیں ملتا۔ جو لوگ اپنے آس پاس
 کے پیروں کو چھوڑ کر فیض سے محروم رہتے ہیں اُن کی مثال اس قافلے کے مانند ہے کہ پیاس سے
 کسی دادی میں تڑپ کر مر جائے اور دجلہ بغداد اور رودِ نیل مصر سے کچھ فائدہ نہ اٹھاسکے۔
 در باد یہ تشنگاں بمر دند چہ سوداگر جہان فرات بہت

بیابان میں تڑپ تڑپ کر مر گئے اگر ساری دنیا میں دجلہ و فرات کی طغیانی ہے تو کیا فائدہ۔؟
 ان بزرگوں کی ہمت کا حال سُن کر تمہیں تعجب ہوگا۔ ان کے نزدیک سالک کو ایسی دُھن بندھی
 رہنی چاہیے کہ اگر دنیا مع تمامی نعمتوں کے اور عقبیٰ مع جنت کے اس کو دی جائے اور طرح طرح کی
 بلائیں اُس پر برسائی جائیں تو وہ دنیا مع تمامی نعمتوں کے کفار کو دیدے اور عقبیٰ مع جنت کے مومنوں
 کے والے کر دے اور بلا و محنت کو شوقِ دل سے قبول کرے۔ اُس کی توبہ کا یہ حال کہ دنیا بھر تو
 حرام سے توبہ کرتے ہیں تاکہ عذابِ دوزخ سے بچیں۔ مگر وہ حلال سے توبہ کرتے ہیں تاکہ بہشت
 سے محفوظ رہیں۔ ارادت کا یہ رنگ ہو کہ سارا جہان تو راحت و نعمت چاہتا ہے، مگر وہ اللہ ہی
 کو چاہے۔ اور اسی کے دیدار کا طالب ہو۔ تمام خلق اپنے کار و بار میں زیادتی چاہتی ہے مگر وہ
 کمی چاہے۔ اگر خود بخود مال و دولت مل جائے تو ایشیا کر دے۔ اگر کچھ میسر نہ ہو تو اس پر شکر کرے
 اور سنو، کچھ انھیں پر منحصر نہیں، طالبِ صادق کی دوسری دوسری نشانیاں بھی ہیں۔ اگر اس کی مراد
 پوری نہ ہو، تو بڑی خوشی منائے گویا ہزاروں قید و بند سے وہ آزاد ہوا۔ اُس کو اپنے نفس کے
 ساتھ ایسی عداوت ہو کہ اگر ستر برس تک ایک چیز اپنے مطلب و خواہش کی نفس مانگتا رہے اور
 گڑا گڑا تارہ جائے تو وہ ہرگز نہ دے۔ اُس کے معاملات اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسے درست ہوں
 کہ غافیت و بلا، منع و عطا اور رد و قبول اس کی نظریں سب برابر ہوں۔ توکل میں اس قدر کچھ فرج

کہ نہ مخلوق کے آگے دست سوال پھیلائے نہ خالق سے کسی چیز کی درخواست کرے۔ مخلوق سے تو اس لیے کہ وہ معنیٰ شرک ہے اور خالق سے اس لیے طلب گار نہ ہو کہ وہ خود ہی دانائے حال ہے۔ کہنے میں شرم مانع ہو۔ زہد اس درجہ ہو کہ کل کائنات اس کی اگر ایک مرقع یا ایک کتل ہی ہو تو یہ اپنی گدڑی میں اتنا مگن اور درست رہے جس طرح اور دوسرے لوگ بادشاہت میں۔ دن کو نماز و روزہ اور کسب میں مشغول رہے۔ رات کو مناجات و مجاہدہ و ریاضت میں اپنے آپ کو دقت کر دے۔ باوجود ان کمالات کے اگر اس طاعت و عبادت پر اُس کے نفس کی نظر پڑ جائے اور اپنی بڑائی کا خیال اس کے ذہن میں آجائے تو ستر سال کی عبادت کو ایک روٹی پر بیچ ڈالے اور وہ روٹی خود نہ کھائے، بلکہ کسی کتے کو کھلا دے۔ یہ کیوں؟ تاکہ وہ عجب جو پیدا ہوا ہے دل سے نکل جائے۔ ایک بزرگ کا فقہ سنو، سبحان اللہ کیا ہمت اور کیا قلب ہے۔

حکایت۔ ایک بزرگ نے بیس پچیس جج کیے تھے۔ کون سی بات تھی جو پیدا نہ ہوئی تھی۔ آپ کے نفس کو اس قدر اعلیٰ و ارفع مقام دیکھ کر کچھ حظ حاصل ہوا۔ پھر کیا تھا، آپ سربازار مکہ معظمہ میں نکل آئے اور پکار پکار کے کہنے لگے۔ "کوئی ہے جو ہمارے بیس پچیس جج کو ایک روٹی کے بدلے میں خرید لے" کہیں ایک عارف نے اس کو سن لیا اور سمجھ گیا کہ یہ بات کس مقام کی ہے وہیں اس پر ایک دھول جھائی اور کہا "یہ کیا فضول گوئی کر رہے ہو کہ اس قدر گران بیچنے کی دُھن تمہیں بندھی ہے۔ بیس پچیس جج کی بھی کوئی ہستی ہے۔ دیکھو تو کہ تمہارے باوا آدم نے بہشت جیسی نعمت کی راہ طلب میں کچھ بھی قدر نہیں کی اور ایک دانہ گہوں کے غصن بیج ڈالا۔ تمہارے ان جج میں کیا لعل لگے ہوئے ہیں جن کی قیمت ایک روٹی مانگتے ہو۔ یہ نقلیں یہ مثالیں ہمارے تمہارے لیے ایک سبق ہیں۔ اس راہ میں ہر طالب صادق کو ہوشیار رہنا چاہیے۔ اپنے نفس کو مجاہدے کی بھٹی میں اکسیر کی طرح پھونک کر کشتہ بنانا چاہیے تاکہ مسخنی ہو جائے اور حق کے سوا کسی کو دھیان میں نہ لائے۔ ایسا حق بن ہو جائے کہ دائیں بائیں اٹھتے بیٹھتے اس کو حق کے سوا کچھ نظر ہی نہ آئے۔ جس کی حالت ایسی ہوگی اُس کو البتہ سالک کہیں گے اور اس کو حق بن کا

خطاب ملے گا۔ ہفت اقلیم دنیا ہو یا ملک آخرت اُس کی ہمت کی آنکھ کنکھوں سے بھی اُدھر نہیں دیکھتی۔ اس کا جسم شوق وصال میں گھل رہا ہے اور لقاے سیرہی سے اُس کا دل مقام قدس میں ناز کر رہا ہے۔ زن و فرزند کی فکر دنیا و آخرت کا اندیشہ اس کے دل میں نہیں گزرتا۔ ایسا آدمی اگرچہ بظاہر دنیا میں معلوم ہوتا ہے مگر اس کا دل حضرت قدس و طہارت میں ہوتا ہے، یہاں رہ کر وہاں کا باشندہ ہو جاتا ہے۔ یعنی منزل مقصود طے ہو جاتی ہے۔ مشاہدہ جمالِ یارِ حاصل ہو جاتا ہے۔ حق پوچھو تو یہ کوئی معمولی مراتب بیان نہیں کیے گئے۔ مگر واضح رہے کہ یہ دولت ہر شخص کو میسر نہیں ہوتی۔ یہ نعمت پیر کے طفیل میں ملتی ہے۔ جو شخص کسی صاحبِ ولایت کی پناہ دولت میں آ جاتا ہے، وہ ان منزلوں کو آسانی سے طے کر لیتا ہے۔ کیونکہ مشائخین و بزرگانِ دین و علمائے سلف رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا اتفاق ہے کہ بغیر پیرِ سچے کے کوئی شخص اللہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ مگر شاذ و نادر مثنوی۔

تا نیفتد بر تو مردے را نظر از وجود خویش کے یابی خبر
گر تو بنشیننی بہ تنہائی سے راہ نتوانی بریدن بے کسے
پیر باید راہ را تنہا مرو از میر عمیان درین دریا مرو

(جب تک تجھ پر کسی مردِ خدا کی نظر نہ پڑ جائے تجھ کو اپنے وجود کی خبر نہیں ہو سکتی۔ اگر تو گوشہ تنہائی میں مدتوں بیٹھے جب بھی بغیر کسی راہبر کے یہ راستہ طے نہیں ہو سکتا۔ دیکھ ایک پیر رہنما کا ہونا ضروری ہے۔ خبردار تنہا نہ جانا۔ اس دریا میں اندھوں کی طرح نہ ڈوب جا۔ تم سمجھے پیر کی ضرورت کس قدر ہے۔ نقل ہے کہ خواجہ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید وضو کر رہے تھے۔ جب وضو کے بعد اپنے حجرے میں داخل ہوئے تو ایک نور نظر آیا دیکھتے ہی ایک نعرہ مارا کہ اللہ کو دیکھا۔ پیر کو اطلاع ہو گئی کہ اس وقت مرید کو دھوکا ہوا ہے۔ حاضر ہوئے اور فرمایا کہ ارے نادان نادانف یہ نور تو تیرے وضو کا ہے۔ تو کہاں اور کہاں خداوندی کہاں؟ نہ دیکھیں حضرت موسیٰ اور دیکھے تجھ سا مبتدی۔ اس مقام میں اکثر سالک مغرور ہو جاتے ہیں۔

اور سمجھتے ہیں کہ تجلی حق دیکھی۔ اگر شیخ کامل اور صاحب تصرف نہ ہو تو اس مہلک بھنور میں سے نجات
مشکل ہے بغیر رہنمائی پیر اور علمائے راہ کے اس مقام میں پہنچ کر ایسا مغرور و متکبر مکار و شیطان
بن جاتا ہے کہ سارے جہان کو دعوائے باطل سے بھر دیتا ہے۔ اور سنی سنائی باتیں یاد کر کے اول
فول بکنے لگتا ہے۔ اور دل میں سمجھتا ہے کہ ہم منزل مقصود تک پہنچ گئے غضب تو یہ ہے کہ اس کے
دل میں تصرف و کرامت کا دعویٰ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مملکت میں
ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ آخر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اباحت و زندقہ میں پڑ جاتا ہے۔ کسی نے
اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ سرباغی :-

پوشیدہ مرقع اندا این خلے چند
برگفتہ بطامات الف لائے چند
نارفتہ رہ صدق و صفا گامے چند
بدنام کنندہ نکو نامے چند

(ان چند مبتدیوں نے گدڑیاں پہن رکھی ہیں اور مکاری و فریب سے لام کاٹ بکا کرتے ہیں
صدق و صفا کی راہ میں ایک قدم بھی نہیں چلے، یہی وہ لوگ ہیں جو نیک ناموں کو اپنی اس روش سے
بدنام کرتے ہیں)۔ تو جو شخص راہ طریقت میں آنا چاہے اور در طلب اس کا دامن پکڑے تو اس کے
یہ ضروری ہے کہ وہ اپنا ایک پیر بنالے۔ مگر پیر ایسا ہو کہ پیروں اور مشائخوں کے نزدیک مشاۃ اللہ
اور ممتاز ہو۔ اس کی پیشوائی اور مقتدائی پر پیروں کا اتفاق ہو مملکت خداوندی میں جائز القہر
نافذ المشیئت اور صاحب الاشراق ہو۔ جب ان صفتوں کا پیر مل جائے تو اس کی اقتدا کرے
اور اُس کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ کرے تاکہ جتنے بھی راستے کے روڑے اور رکاوٹیں ہوں
اُس کی راہ سے ہٹا دے۔ اور اُس کے نفس کے عیب اُس کو دکھا دے اور راستے کی دشواریوں
اُس کو خبردار کر دے۔ تاکہ پوری طرح مرید اپنی خود رانی سے باہر نکل آئے جیسا کہ ہے۔ مثنوی

پیر مالا بد راہ آمد ترا
در ہمہ کارت پناہ آمد ترا
چوں تو ہرگز راہ نشناسی ز چاہ
بے عصایش کے توانی برد راہ
کوہ ہائے آتشیں در رہ بے بہت
این چنین کارے نہ کار ہر کسے بہت

(ایسا پیر جو راہ رفتہ اور واقف کار ہے تیرے لیے ضروری ہے۔ تاکہ ہر ایک کام میں وہ تجھے اپنی پناہ میں رکھے۔ تو ہرگز ہرگز راستے کے کنویں سے واقف نہیں بغیر کسی کی دستگیری کے کنویں میں گر پڑنے کا بہت ڈر ہے۔ کتنے دہکتے ہوئے آگ کے پہاڑ راہ میں ہیں۔ اس سے پار اتارنا ہر شخص کا کام نہیں۔ مگر مرید کے لیے ضروری شرط یہ ہے کہ جب کسی پیر سے مرید ہو جائے تو اپنی خواہش اور مراد کو نہ کر کے رکھ دے۔ لغت میں ارادت کے معنی تو چاہنے کے ہیں، مگر بزرگوں کے دُقر میں اس کے معنی "نہ چاہنے" کے ہیں۔ یعنی ناخواستن۔ "مشائخ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں، مرید کو چاہیے کہ پیر کے تحت تصرف میں مُردے کی طرح رہے۔ جس طرح غُسال مُردے پر اپنا تصرف کرتا ہے جدھر چاہتا ہے پھیرتا ہے وہ کچھ بولتا نہیں۔ اسی طرح مرید کو بھی پیر کا مطیع ہونا چاہیے جب کہیں کام نکلے گا۔ مرید کو پیر کا فرماں بردار اس درجہ ہونا چاہیے کہ پیر کے ایک اشارے پر جان و مال و دولت دینی و دنیاوی کل لٹا دے، بذل کر دے، ترک کر دے۔ اور جو حکم بھی دے اس کو پورا کرے۔ یہاں تک کہ اگر زہر کھانے کو وہ کہے تو مرید فوراً کھلے ہرگز ہرگز حیلہ و عذر نہ کرے اور دفع الوقتی عمل میں نہ لائے بے تامل حکم کی تعمیل کرے۔ اس حکم میں اپنا علمی و عقلی قانون نہ لگا شیخ بوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ نے اپنے پیر شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ میں نے آج خواب میں یہ دیکھا کہ حضور نے کسی امر کے متعلق یہ فرمایا کہ اس طرح پر ہے، میں نے خواب میں کہا کہ یہ کیونکر۔ شیخ ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر میری طرف سے منہ پھیر لیا۔ اور فرمایا کہ اگر چون و چرا کی جگہ تمہارے دل میں نہ ہوتی تو تم خواب میں بھی اس طرح جواب نہ دیتے۔ کہیں چون و چرا کے ساتھ بھی مریدی درست ہوتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ سنو برادر، اگر کوئی یہ کہے کہ پیری مریدی میں بڑا کھڑاگ اور معاملہ نازک ہے اس لیے نباہ مشکل ہے کنارے ہی رہنا بہتر ہے۔ تو ہم قرآن شریف کی یہ آیت پڑھیں گے۔ عَسَىٰ اَنْ تَكُوْنُ هُوَ اَشْيَاؤٌ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ اَنْ تَحِبُّوا شَيْْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ بہتری وہ باتیں ہیں تم جن سے کراہت کرتے ہو وہ حقیقتہً تمہارے حق میں

بہتر ہیں اور بہتری یا تیش ایسی ہیں جن کو تم بہتر سمجھتے ہو اور وہ تمہارے حق میں خراب ہیں۔ اللہ دانا اور بنیاد ہے تم کچھ نہیں جانتے۔ جو مرید سعادت قریں ہے۔ اور یہ دولت اُس کے نصیب میں ہے اُس کی راہ بالکل صاف ہے۔ کوئی روک ٹوک نہیں۔ سب کا ساختہ پردہ خستہ ہے۔ حاسد کی نظر بد اُس کے جمال پر نہیں پڑتی۔ اور گردِ آفات اُس کے دامنِ دولت سے دُور رہتی ہے۔ مگر جو بے دولت ہے اور شقاوت جس کا حصہ ہے اُس کی راہ میں کانٹوں کا انبار ہے۔ عقبات بے شمار ہیں۔ قدم قدم پر آفت دہلا کا سامنا ہے۔ برادرِ مہم یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ کمتدِ عنایت جس کی گردن میں پڑی ازل ہی میں پڑی۔ اَلْسَعِيدُ مَنْ سَعَدَ فِي بَطْنِ اُمِّهِ۔ اور قبرِ وحدت نے جس کو مردود کیا اور اپنے سے دُور کیا ازل ہی میں کیا۔ اَلشَّقِيُّ مَنْ شَقِيَ فِي بَطْنِ اُمِّهِ کسی نے اسی معنی کی طرٹ اشارہ کیا ہے۔ جو نیک بخت ہوا اپنی ماں کے پیٹ میں نیک بخت ہوا اور جو بد بخت ہوا اپنی ماں کے پیٹ میں بد بخت ہوا۔

این واقعہ مانو د ا مروزہ
این رنگِ گلیم ما بہ گیلان کردند

(یہ ہمارا واقعہ آج کا نہیں ہے۔ ایک مدت گزر چکی کہ ہمارے کمنل کے رنگ کو گیلان میں رنگ چکے ہیں)۔ ایسی حالت میں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ امید دار رہو اور اپنی بد بختی کو روکتے رہو۔ ہر چند مال و دولت و اسبابِ عیب دار ہے اور اُس درگاہ کے لائق نہیں۔ مگر ہمیں امید ہے کہ یہ نا چیز تحفہ قبول ہوگا۔ سنو بھائی، یہ جو بے پروائی و آزادی و بے فکری ہم لوگوں میں ہے، کیوں ہے؟ اس کا خاص سبب ہے۔ بات یہ ہے کہ جس دن حضرت آدم علیہ السلام سے زلت سرزد ہوئی اُسی دن آدمیوں کا قافلہ لٹ گیا۔ اور قاعدے کی بات ہے کہ لٹنے کے بعد قافلہ بالکل نڈر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اب رہا ہی کیا ہے جس کا خوف ہو۔ اس معنی کے مناسب ایک نقل بھی سنو۔ ایک اندھے کو لوگوں نے دیکھا کہ موسمِ گرما کی تیز دھوپ میں بیٹھا ہوا بادام و خرما کھا رہا ہے۔ اس کو کہا خیریت تو ہے اتنی گرمی کی شدت میں ایسی گرم گرم چیزیں کھانا چہ معنی دارد؟ اُس نے جواب دیا۔ جو ہوتا تھا وہ تو ہو ہی چکا۔ اب آنکھیں کہاں جو آشوبِ چشم کا ڈر ہو۔

بالکل اطمینان ہے۔ اگر کچھ اور بھی ملے تو کھا سکتے ہیں۔ برادر عزیز اس بات کو ذرا گوش دل سننا۔ معصیت تو معصیت ہی ہے طاعت بھی آفت سے خالی نہیں۔ بہت سی طاعت و عبادت ایسی ہے کہ اللہ سے بندے کو دُور کر دیتی ہے۔ تماشا یہ سنو کہ بہت سی معصیت ایسی ہے جس سے عبد کو معبود کا تقرب حاصل ہوتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کس طاعت میں فراق ہے اور کس میں وصال؟ آپ نے فرمایا جس طاعت کی ابتدا میں امن ہو اور آخر میں عجب ایسی طاعت عابد و معبود میں جدائی ڈال دے گی۔ اور جو معصیت ایسی ہے کہ اس کے اول میں خوف ہے اور آخر میں عذر وہ مخلوق کو خالق سے نزدیک کر دیتی ہے۔ بزرگوں کا قول ہے اِلَّا عُتِبَ اسْرُ وَاِنْ اَقْلَّ ثَمَنُ الذَّنْبِ وَاِنْ جَلَّ عَذْرُ اِگرچہ حقوڑا ہو، بڑے بڑے گناہوں کی قیمت ہو جاتا ہے۔ ابلیس لعین نے اپنی طاعت پر نظر کی عجب پیدا ہوا، ڈینگ مارنے لگا، ایسا ویسا بکنے لگا۔ حکم ہوا خاموش یعنی مردود۔ دیکھو حضرت آدمؑ سے بھی نافرمانی ہوئی، مگر اقبال جرم کیا، اور اقرار کیا کہ ہم سے بیشک گناہ سرزد ہوا۔ آمرزش چاہی۔ ندا ہوئی۔ اچھا اچھا، ہم نے بخش دیا۔ یہ بات عالم کو دکھا دی گئی کہ جس معصیت کے بعد عذر ہو کیا قدر رکھتی ہے اور جس طاعت کے بعد عجب ہو کس قدر بے قیمت و قدر اور ذلیل شے ہے۔ والسلام۔

پرو بیسواں مکتوب

ارکانِ طریقت کے بیان میں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

میرے بھائی شمس الدین اللہ تمھیں منتہائے مقصود تک پہنچنے کی سعادت مرحمت فرمائے۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ارکانِ طریقت بے اصل نہیں ہیں بلکہ ان کی ایک زبردست اصل ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے لَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ

بِالْمَوَاقِلِ حَتَّىٰ أُجِيبَهُ. فَإِذَا أَحْبَبْتَنِي كَذْتُ أَنِّي سَمِعُوا وَبَصَرًا وَبَصَرًا وَبَصَرًا. إِلَىٰ الْخَبَرِ. بِنَدِ
 مومن کو اداسے نوافل سے خدا کے ساتھ اتنا تقرب اور ایسی مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے کہ اس کو
 اللہ اپنا دوست بنا لیتا ہے۔ پھر اُس کی خودی اس طرح دُور ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے
 کانون سے سنتا، اور اُس کی آنکھوں سے دیکھتا اور اسی کے ہاتھوں سے سارے کام انجام
 دیا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی زبان سے بولتا ہے۔ دیکھو بچوں کے ساتھ مادرِ مہربان کیا کرتی
 ہے۔ اس کو گود میں لے کر چلتی ہے، اُس کی طرف سے کوئی چیز اٹھا لیتی ہے۔ اس کو ہلاکت سے
 بچاتی ہے۔ اس کی اچھائی بُرائی کا خیال رکھتی ہے۔ اُس کی جانب سے باتوں کا جواب دیتی
 ہے وغیرہ وغیرہ۔ تم کو یقین کر لینا چاہیے کہ قربِ نوافل کوئی معمولی درجہ کی بات نہیں ہے۔
 ایسا شخص موردِ الطافِ ربانی ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی کل مہمات کو سر کر دیتا ہے۔
 وہ خلقِ اللہ کے لیے قبلہ حاجات ہو جاتا ہے اُس کی خاکِ قدم آنکھوں کا سرمہ بنتی ہے
 اُس کی ران سواری کے گرد و غبار کو عبیرِ راہ بنا دیتے ہیں۔ ایک پر لطف قصہ سنو تو شاید کچھ
 سمجھو۔ حکایت۔ ایک دفعہ بھرے میں سخت خشک سالی پڑی۔ لوگ نماز و دعا و زاری کیلئے
 میدان میں جانکلے۔ ہزار چیتے چلاتے ہیں مگر فریاد سنی نہیں جاتی۔ آسمان پر بدلی کا نام نہیں کہیں
 کوئی بوند دکھائی نہیں پڑتی۔ اتفاقاً اُدھر سے کوئی شخص گزر رہا تھا۔ دیکھتا ہے کہ ہزاروں شیواں
 جمع ہیں۔ دعا کے واسطے ہاتھ اٹھے ہوئے ہیں اور آنکھیں کھلی ہوئی ہیں، آسنو برس رہے ہیں لیکن
 پانی نہیں برستا۔ اُس کا جی نہ مانا۔ اُس کی شفقتِ عام موجزن ہوئی۔ کہنے لگا۔ "اے اللہ لطیف
 اس بھید کے جو ہماری آنکھ میں ہے پانی برسا۔" اتنا کہتا تھا کہ جھوم کے بدلی آئی اور ٹوٹ کے
 پانی برسنے لگا۔ اس جماعت میں ایک شخص جو یہ سب کچھ سن اور دیکھ رہا تھا، دوڑتا ہوا اس کے
 پیچھے ہولیا۔ یہاں تک کہ ایک مقام میں پہنچ کر اُس سے باتیں کرنے کا موقع ملا۔ اُس نے کہا:
 "اے شیخِ عصر، ہماری ایک غصہ ہے۔" وہ بولا "فرمائیے" اُس نے التماس کی کہ "وہ کون سا سر
 حضور والا کی چشمِ مبارک میں پہنا ہے جس کو شفع لاسنے سے پانی فوراً برسا۔" اُس نے کہا "اے بھائی

ہم نہ دلی نہ شیخ نہ پیر نہ فقیر۔ جیسے سب غوام الناس ہیں ویسے ہی ایک بندہ گنہگار ہم بھی ہیں۔
 غرت اتنی سی بات ہے کہ ان آنکھوں نے حضرت سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ
 علیہ کو بایزید سمجھ کر دیکھا ہے۔ یہ دیکھنا جو رنگ نہ دکھائے یہ دیکھنا جو کماں ظاہر نہ کیسے تجسّے
 اب ان بزرگوں کے مراتب کو دیکھو کہ اس کی کچھ انتہا نہیں ملتی ہے۔ تم اس کو باد کر دو کہ ان کے
 قدموں کی خاک آنکھوں کے لیے کھل اچھا ہر کام کرتی ہے۔ اھ زبان ان کی یاد بھاری کی طرح
 برتن حیات ہے جس طرح موتیہ بیمار کا پانی مردہ زمین کو لباس حیات پہنا دیتا ہے اور خاڑستان
 کو کھمبہ بنا دیتا ہے۔ اسی طرح مکتوبات ان کی زبان سے نکلتی ہے وہ مردہ دلوں کو زندہ بنا دیتی
 ہے۔ اور دائمی گفتار حق کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایسے ہی با اثر ہو۔ اگر باتیں ان بزرگوں کی نل
 کے لیے جان ہیں تو کل افعال و صفات ان کے بند شاد و صل کنندہ مہمات ہیں۔ رحمۃ اللعالمین
 کی، مست خاص ہیں۔ رحمۃ اللعالمین کے شیدا ہیں۔ ان کی رحمت و شفقت کی روشنی بھی تمام پھیلی
 رہتی ہے۔ خود نہ کھائیں گے، خلق اللہ کو ضرور کھلائیں گے۔ خود اچھا کپڑا نہ پہنیں گے حاجت مند
 کو پہنائیں گے۔ تم بھی تمکیمی باتیں سنیں گے، مگر اس نشتر کو برداشت کریں گے۔ غلام ہیں گے مگر غلام
 سے بدلہ نہ لیں گے، بلکہ اس کی شفاعت کرنے کو تیار ہوں گے۔ جفا کے عوض وفا کریں گے۔ دشنام
 کے مقابلہ کو دعا و ثنا سے آمادہ ہوں گے۔ تم جانتے ہو اس قدر بے نفسی کا باعث کیا ہے۔ اس کا
 عرث سبب یہ ہے کہ اللہ نے ان کو محفوظ بنا لیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں۔
 اولیاء اللہ محفوظ ہوتے ہیں۔ ان بزرگوں کے دل کے صحرائے بادراحت چلتی ہے اور خلق خدا
 کے دل و دماغ کو تازہ کرتی ہے۔ ان کی شفقت کی مثال آفتاب ہے۔ دوست دشمن سب
 اس کی روشنی سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ تو اس میں وہ لوگ گویا زمین ہو رہے ہیں۔ ساری دنیا
 ان کو روئے دند سے بھی تو وہ اُٹ نہ کریں گے۔ خلق اللہ سے بدلہ لینا ان کا کام نہیں۔ یہاں پر وہ
 بالکل کوتاہ دست ہو جاتے ہیں۔ تمام عالم کی عیاں داری کرنے کو تیار ہو جائیں گے۔ مگر اپنے کھانے
 کپڑے کا بار کسی پر نہ ڈالیں گے۔ سخاوت میں ان کو ایک دریا سمجھو۔ دوست دشمن دونوں کو برابر

میراب کرتے ہیں۔ از غریب تا شرق سارے جہان کے لیے وہ ایک چشمہ رحمت ہیں کہ یہ لوگ
 شیریں کلام ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہوں آزاد مرد ہیں۔ دیکھتے ہیں جانتے ہیں سمجھتے ہیں کہ ہر شے کا مرجع
 و مآب کہاں ہے۔ مقام جمع میں اُن کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں، بلکہ ہر بُنِ موان کا چشمہ بصیرت کا
 کام دے رہا ہے۔ دیکھو، جن جن صفات کو ہم نے بیان کیا اگر یہ صفتیں اہل طریقت میں پائی نہ
 جائیں تو یوں سمجھو کہ اس شخص نے ابھی راہ طلب میں قدم ہی نہیں رکھا ہے، چاہتا ہے کہ بھیس
 بدل کر بھیک ملے تاکہ بے درد سر روٹیاں ہاتھ آئیں اور عمامہ و دستار سے غرور جاہ حاصل ہوتا کہ
 لوگ تعظیم و توقیر سے پیش آئیں۔ حقایق و معارف کی باتیں جو وہ کرتا ہے گویا منہ چڑھاتا ہے۔ کہاں
 وہ کہاں اسرارِ حقیقت و معرفت۔ اللہ تعالیٰ ایسے دلیسوں کو رازدار نہیں بتاتا۔ ہاں، وہی ان
 رموز سے آگاہ ہوتے ہیں جو دل سے تارک لذات و شہوات ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ آنکھ
 کان، پاؤں وغیرہ بزرگانِ دین بھی رکھتے ہیں اور عوام الناس بھی رکھتے ہیں، مگر پاک دل خاصانِ
 خدا کے سوا کوئی نہیں رکھتا۔ اس دل پاک کی حکومت ان کے کل جو ارح پر رہتی ہے، مگر ہم لوگ
 جن لفاظوں کو دیکھ رہے ہیں بزرگوں کے معنی سے یہ بے خبر ہیں۔ خود ان کی زبان، ان کا ہاتھ ان
 کا پاؤں، ان کی آنکھ، ان کا کان ناپاکی دل کو ان کے ظاہر کر رہا ہے اور گواہی دے رہا ہے کہ
 یہ مدعی کذاب ہیں۔ اگر ان کا بس چلے تو لوگوں کے منہ سے نوالہ پھین کر اپنے حلق میں داخل کریں۔
 اور کسی کے لباسِ فاخرہ سے اپنی گدڑی کو بدل ڈالیں۔ بار بار ان کی یہ خواہش کہ سارا عالم ہمارا
 غلام بن جائے۔ اور غلامی کا اقرار کرے، اور ہمارا کلمہ پڑھے۔ حالانکہ صدقے کا پترا بدن پر
 ہے، اور مفت کی روٹی معدے میں مہنم ہو رہی ہے۔ مگر غرور کو نہ پوچھیے۔ کیا ممکن کہ اپنی تمامی
 عمر میں بغیر باطنیابطہ ٹھاٹھ بدلے ہوئے بازار تو نکل جائیں۔ عمامہ کلاہ وغیرہ جب تک سب لیس
 نہ ہو جائے، کیا مجال کہ صرف ایک چیز پر وہ قناعت کریں۔ اور ادھر ادھر چیل قدمی کر سکیں۔
 خیال یہ ہے کہ خلافتِ شان گھر سے باہر قدم رکھیں گے تو درزی کیا کیسے گا چار کیا تصور کرے گا
 بازاری کیا سمجھیں گے بالکل آبرو دمٹ جائے گی۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ

سنو برادر، ایسے ہی لوگوں کو اہل نظر خود پرست کہتے ہیں۔ ہرگز حق پرست نہ کہیں گے۔ گوشہ نشینی غزلت گزینی، خلوت قربی، صلاح و تقویٰ اگر اس لیے ہے کہ دنیا اس کو پرہیزگار سمجھے اور اس کی طرف رجوع کرے۔ اس کی مثال اُن زنانِ فاحشہ و بدکارہ کی ہے جو اپنے کو دن بھر اس لیے سنوارا کرتی ہیں تاکہ تماش بینوں کا ان کے یہاں جھگٹ ہو۔ بیت

یا بروہم چون زنان رنگے و بولے پیش گیر یا نہ چوں مردان در آئے دگولے چون مردان فلک

(یا عورتوں کی طرح بناؤ سنگار اختیار کرو یا جو ان مردوں کی طرح میدان میں آکر بازی مارو) اس راہ میں جس کو مرد ہونے کا دعوئے ہو، اس کو چاہیے کہ ہر بن مونسے زبان کا کام لے اور ہر زبان دل کی تابع رہے (یعنی بطور خفا سر سے پاؤں تک ذکر خدا میں مشغول رہے، زبان ہلنے نہ پائے)۔ تیغ حیا دہ کام کر گزرے کہ زبان شرم سے کٹ جائے۔ اگر چاہے بھی کہ داستانِ حقیقت شروع کریں تو دل حق منزل فوراً زمانہ گزشتہ کا آئینہ اس کو دکھائے کہ حضرت سلامت آج شیخِ صوفی بن کر بیٹھے ہیں۔ کل کی بات ہے کہ گھوڑوں پر خاک روئی کیا کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر زبان میں گرہ پڑ جائے۔ کہنے لگے سچ ہے، یہ گندی زبان اس لائق کہاں کہ مقامِ قدس کی باتیں کرے۔ اور حق سبحانہ تعالیٰ کا نام لے۔ یہ سوچ کر دم نہ مارے۔ اہل طریقت کی ایک نشانی اور ہے۔ مگر ذرا ٹیڑھی کھیر ہے۔ یعنی اس کو ایک دھن ایسی بندھی رہے۔ اور ایک سوئی اس درجہ ہو کہ گھر سے نکلے تو پھر اسی راستے سے گھر واپس نہ آ سکے۔ راہ بھول جائے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس کو طریقت کی بات نہیں کرنا چاہیے۔ سنو، صوفی اور عالمِ ظاہر میں فرق ہے۔ صوفی کا دل زبان کے آگے ہوتا ہے، اور عالمِ ظاہر کی زبان دل کے آگے ہوتی ہے۔ صوفی پر دل حق منزل کی حکمرانی ہوتی ہے۔ آج کل کا حال یہ ہے کہ واعظان و ناصحان و سالکان اس دور میں گناہ کی راہ چلتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ صراطِ مستقیم پر چل رہے ہیں۔ یہ بات نابینائی کے سبب پیدا ہوتی ہے۔ راہ حق میں نابینا وہی ہے کہ زبان سے عصا کا کام لے۔ کبھی اس پر طعن مارے۔ کبھی اس پر تشنیع کرے اور دعویٰ کرے کہ میں صاحبِ بصیرت ہوں۔ اس وقت ہمارے مخاطبہ علمائے نہیں ہیں

جو علم کی روش پر ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ اپنی دھن میں جو کچھ کہتے ہیں قرآن و حدیث سے کہتے ہیں

..... ان کا کتابیجا دورست ہے۔ اس گھڑی ہماری مخاطبت اُن

حضرات سے ہے جو صورتہ مشائخ بنے ہیں۔ افسوس صد افسوس، کیا دنیا سے شرم ناپید ہو گئی۔

سنو بھائی، زبانی جمع خرچ کوئی چیز نہیں ہے۔ جب تک قلبی حالت درست نہ ہوگی کچھ نہ ہوگا۔

آنکھ کھول کر دیکھو۔ دل میں اگر ایمان ہے تو کفر زبانی سے کچھ نہیں بگڑتا۔ اَلَا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهُ

مُطْمَئِنٌّ بِاِلٰهِيْمَانٍ۔ مگر وہ شخص جس نے کراہیت سمجھی اور اُس کا دل ایمان سے اطمینان حاصل

کیے ہوئے ہے۔ قرآن شریف ہے۔ اور کفر قلبی جہاں ہے وہاں ایمان زبانی کچھ کام نہیں آتا۔

کلام پاک سے سنو۔ قَالُوا نَشْهَدُ اَنَّكَ لَرَسُولُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَ

اللّٰهُ يَشْهَدُ اَنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَكَاذِبُونَ۔ اُن گوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو خدا کا رسول

ہے۔ اور اللہ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق لوگ سخت تھوڑے

ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ زبان شریعت کے گھر کی مالک ہے اور امر و نواہی زبان ہی کے ذریعہ

سے ظاہر ہوتے ہیں۔ دین اسلام کی تفصیلات اسی کے واسطے سے بیان ہوتی ہے۔ مگر بات

یہ ہے کہ جب بندہ حق میں محو ہو جاتا ہے، تو اس وقت زبان نا محرم ہو جاتی ہے۔ ہائے ہائے

اس گل حقیقت زمرہ پنج بوستان شریعت کو نہیں دیکھتے کہ پہلے پہلے کیا کہا۔ اور جب قرب حقیقی

ہوا تو کیا فرمایا۔ جس کا قول یہ تھا کہ اَنَا فَصَحُ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ۔ لَا اُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ

میں عرب و عجم کا سب سے زیادہ فصیح ہوں۔ مگر تیری تعریف جیسا کہ چاہیے بیان کرنے سے قاصر

ہوں۔ کہہ کر تو حیرت ہوتی ہے۔ مقام تمہید سے مقام توحید کہیں زیادہ برتر ہے۔

برا در عزیز، غور کرنے کا مقام ہے کہ جب مقام تمہید میں خاصان حق عجز ظاہر فرماتے ہیں

تو مقام توحید میں کون دم مار سکتا ہے۔ ایک بزرگ نے اسی معنی کو بیان کیا ہے۔ قطعہ

ہم تو علیہی کہ صلائی شدہ بہت

افصح کو نین چون لالی شدہ بہت

در نظر عشق کمال سلوک

لاجرم از گفتن مدح و ثنات

(عشق کی نظر میں سالکانِ کامل کو تو بھی جانتا ہے کہ بے راہ ہو گئے ہیں۔ اس لیے تیری حمد و ثنا کہنے سے دونوں جہان کے فصیح کی زبان خاموش ہے)۔ آغازِ عشق میں تو اسی کا فرما ہے کہ ہر وقت ذکرِ یار ہو۔ مَنْ أَحَبَّ شَيْئًا أَكْثَرَ ذِكْرُهُ۔ جو شخص کسی چیز کو دوست رکھتا ہے تو اکثر اُسی کا ذکر کیا کرتا ہے۔ مگر جب عشق کامل ہو جاتا ہے تو دوری میں بھی ایک خاص قسم کی حضورِ پید ہو جاتی ہے۔ اس لیے ان بزرگوں کا قول ہے کہ اَبْعَدُهُمْ عَنِ اللَّهِ أَكْثَرُهُمْ ذِكْرُ اللَّهِ۔ اللہ کا زیادہ ذکر کرنا، اللہ سے اُن کو دور کر دیتا ہے۔ اور دل ہی دل میں یہ رباعی پڑھتے ہیں رباعی

از عاقلے حدیث تو کم کہنے راہِ سر گفتگوئے محکم کہنے

پس سوختہ چند فراہم کہنے برگفتہ بگریمے و ماتم کہنے

(میں عقلمندوں سے تیری بات کم کرتا۔ اور گفتگو کا راستہ بند کر دیتا۔ پھر چند دل جلوں کو جمع کرتا۔ اور جو کچھ میں نے کہا تھا اُس پر ماتم کرتا)۔ سنو بھائی، جب تک انسان ہمہ تن ظاہر و باطن مومن نہیں ہوتا کام کا نہیں۔ اسی واسطے مومن حقیقی کمیاب ہیں۔ ایک جہانِ ایمان کا دروازہ کھولتا ہے اور زنجیرِ در کھڑکاتا ہے۔ مگر جو شخص دروازہ تک پہنچتا ہے، کچھ ضرور نہیں کہ سلطان کے محلِ سرا تک پہنچے۔ دیکھو، مشرک کو ہزار بار غسل دو اور صاف کپڑے پہناؤ، پھر بھی نجاست نہیں جاتی۔ اِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ (میشک مشرک لوگ ناپاک ہیں) دل کی طہارت طہارت ہے اور اسی کا اعتبار بھی ہے۔ زبان و دل کے کس کس فرق کو ہم بتائیں۔ عیاں را چہ بیاں۔ واہ بے دل! دوزخ میں بھی ہزاروں ہزار زبانیں خدا خدا کہنے والی ہوں گی۔ مگر ایک خدا شناس دل نہ ہو گا۔ ہزاروں ہزار فصیح زبانیں درازوں کی گونگی ہو جائیں گی۔ مگر ان زبان درازوں میں کوئی دل نہ ملے گا۔ ان باتوں کو سن کر تمہیں تو ایک خاص قسم کے تفکر نے گھیرا ہو گا۔ تو اب ہم سے سنو، مانا کہ تاجِ دولت ہم لوگوں کے سروں پر نہیں ہے۔ مگر آتشِ نو میدی سے دل کو داغنا بھی مناسب نہیں۔ قرآن مجید کا فتویٰ یہ ہے لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا ہے)۔ احکام کا بوجھ ہر شخص پر اس کی طاقت کے موافق رکھا جاتا ہے۔

خیال کر دو کہ تاج دولت نہ دے کر بار غم بھی سر پر رکھا جائے، اور نو میدانگر دل بھی پسپا جائے یہ کیونکر ہو سکتا ہے جس سے ایک من کا بوجھ نہیں اٹھ سکتا، اُس پر دو من کا بوجھ کس طرح ڈال دیا جائے گا۔ اس درجہ بھی بد نصیب ہم لوگ نہیں ہیں کہ طالع میں نحس ستاروں کے سوا سعد کا گزر ہی نہ ہو اور دُود و بد بختیاں جمع ہو جائیں۔ یہ جان سکتے ہیں کہ قدم راسخ ایسا نہیں ہے کہ دین کی راہ میں کام دے۔ مگر دم ختم تو ایسا ہے کہ خوب دون کی لیں اور سخی بگھاریں، ہزار میں ایک معلوم ہوں۔ ہے ہے 'اے برادر عزیز! تم کہہ سکتے ہو کہ اس مکرم سے بڑھ کر ہمارا کوئی خریدار ہو سکتا ہے ہرگز نہیں۔ اور اتنی قیمت کوئی دے سکتا ہے، ممکن نہیں۔ بیت

سراسر من ہمہ علیم بدیدی و خریدی تو نہ ہے کالا پر عیب نہ ہے لطف خریدار

(سر سے پاؤں تک میں عیب ہی عیب ہوں۔ تو نے دیکھ بھال کر خریدا ہے۔ کیا اچھا عیب دار مال اور کیا خوب مہربان خریدار ہے)۔ اس کے کرم کی کچھ انتہا ہے۔ ہم اگر بڑھاپے میں بھی حاضر درگاہ ہوں، تو حکم ہوتا ہے کہ ساری مملکت تیری خدمت کے لیے ہم ٹھیک کر دیتے ہیں۔ اور کہیں خوش نصیبی سے عالم جوانی میں اس کے ذکر سے اُس پکڑیں تو ساری حکومت میں ڈنکے کی جوت ہماری بادشاہت کا اعلان کر دیا جائے۔ جس سختی سے ادا مردنواہی کا حق تجھ سے ہم نے طلب کیا تھا اُسی طرح اپنے کرم سے ہم انصاف بھی کر رہے ہیں۔ اگر تجھ سے کچھ بھول چوک بھی ہو گئی ہے تو ہم اُس کو دہراتے نہیں ہیں، بلکہ اس سے درگزر کرتے ہیں۔ اور اگر ضرورت سے زیادہ تجھے مشقت اٹھانی پڑی ہے تو مابعد دولت تجھ سے عذر کرتے ہیں کہ اس کا خیال نہ کرنا۔ ہم بڑے حکیم ہیں۔ اپنی حکمت اپنے بھید سے واقف ہیں۔ جب وقت آئے گا ان اسرار کو ہم ظاہر کریں گے۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ! کیا نوازش و اکرام ہے۔ اے بھائی! جس قدر تم نے سنا، اس کے دریاے کرم سے ایک قطرہ ہے۔ اس کے کرم کی کوئی انتہا بھی ہے۔ مثلاً اگر تمام منکرینِ عالم کو اور شیاطینِ جہاں کو اور اُن کے ذریعات و متبعین کو اعلیٰ علیین میں پہنچا دے اور تاج سلطنت ابدی ان کے سر پر رکھ دے جب بھی ابر کرم سے ایک لہندی سمجھو بلکہ اس سے بھی کم۔ والسلام

پچیسواں مکتوب

شریعت و طرغیت کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے میرے بھائی شمس الدین اللہ تم کو سیدھا راستہ دکھائے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ شریعت اس راہ کا نام ہے جس کو انبیاء علیہم السلام اپنی امت کے لیے مقرر فرماتے ہیں۔ اس کام میں اللہ اُن کا مددگار اور پشت پناہ ہوتا ہے۔ کل نبیوں کا ہمیشہ یہی معمول رہا کہ خلق اللہ کو انھوں نے پہلے توحید کی طرف بلایا۔ اس دعوت میں سب انبیاء برابر ہیں۔ سمجھوں کی ایک پکار ہے۔ ایک دین، ایک معبود ہے۔ باتفاق ایک زبان ہو کر سمجھوں نے اپنی اپنی امتوں کو یہی کہا۔ **وَاللّٰهُمَّ اِلٰہَ وَاحِدٌ**۔ اللہ ایک اور اکیلا ہے۔ اور یہی فرمایا **فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاطِيعُوْا وَاَللّٰہُ سَعْدُ** اور اُسی کی بندگی کرو۔ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ کے عہد مبارک تک کل نبیوں کی خدائی باتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ وحی الہی کے موافق دعوتِ خلق ہوا کرتی تھی۔ وحی الہی کے الفاظ و معانی بواسطہ حضرت جبریل علیہ السلام نبیوں نے سنا سمجھا اور اُن کو دل میں جگہ دی۔ اُن کی سماعت اس سے بہرہ اندوز ہوتی رہی۔ اُن کی عقل اس سے انوار کا اقتباس کرتی رہی۔ سب نبی اصل دعوت میں ہم خیال ہیں۔ ہاں، لغات و عبارات و استعارات و ارکانِ شریع میں البتہ اختلافات ہیں۔ دعوتِ توحید کے علاوہ دوسری دعوتِ عبودیت کی ہوتی ہے۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام خلائق کے طیب ہیں۔ ہر زمانے میں وحی الہی کے موافق اپنی امت کے لیے حسبِ مصلحت وقت قاعدہ ملت وضع فرماتے ہیں۔ پس خدائی باتیں جو نبیوں تک پہنچیں اور آپ حضرات نے ان کو قبول کیا ان کا نام وحی دعوت ہے۔ اور جو لوگ سنتے ہیں اور اتباع کرتے ہیں ان کو امت کہتے ہیں۔

اور ادا و نواہی و اصول و فروع دعوت کو شریعت کہتے ہیں۔ اور اس راہ میں چلنے کو اطاعت کہتے ہیں۔ جملہ احکام پر گردن رکھنے کو اسلام کہتے ہیں۔ اسلام پر ثابت قدم رہنے کو دین کہتے ہیں۔ اب تم غالباً اس کو سمجھ گئے ہو گے کہ شریعت دین کی ایک راہ کا نام ہے جو پیغمبروں کے ذریعہ سے قائم ہوتی ہے۔ لغت میں کشادہ راہ کو شارع کہتے ہیں۔ راہ شریعت کو بھی خدا نے ایسی کشادہ بنایا ہے کہ اس سے ہزاروں راستے نکلتے ہیں۔ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اور اس طرف اشارہ کیا ہے۔ سَتَفْرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً كُلُّهَا هَالِكَةٌ إِلَّا وَاحِدَةً فَإِنَّهَا نَاجِيَّةٌ۔ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ جس میں بہتر گمراہ ہیں اور ایک نجات پانے والا ہے۔ ناجی فرقہ اہل سنت و الجماعت کا ہے۔ اور اس کی تین قسمیں ہیں۔ صوفیائے کرام، محدثین، فرخندہ فرجام، فقہائے عظام طریقت کی راہ بھی شریعت ہی سے نکلی ہے۔ شریعت و طریقت میں جو فرق ہے اس کو ہم بیان کرتے ہیں۔ تم اسی سے سمجھتے جاؤ۔ شریعت میں توحید، طہارت، نماز، روزہ، حج، جہاد، زکوٰۃ اور دوسرے دوسرے احکام شریع و معاملات ضروری کا بیان ہے۔ طریقت کہتی ہے کہ ان معاملات کی حقیقت دریافت کرو۔ ان مشروعات کی نہ تک پہنچو، اعمال کو قلبی صفائی سے آراستہ کرو۔ اخلاق کو نفسانی کدوروں سے پاک کرو جیسے ریاکاری ہے، ہوائے نفسانی ہے، ظلم و جفا ہے، شرک و کفر ہے وغیرہ وغیرہ۔ اچھا، اس طرح نہ سمجھے ہو تو یوں سمجھو ظاہری طہارت، ظاہری تہذیب سے جس امر کو تعلق ہے وہ شریعت ہے۔ تزکیہ باطن تصفیہ قلب سے جس کو لگاؤ ہے وہ طریقت ہے۔ پکڑے کو دھو کر ایسا پاک بنا لینا کہ اس کو پہن کر نماز پڑھ سکیں، یہ فعل شریعت ہے۔ اور دل کو پاک رکھنا کہ درت بشری سے یہ فعل طریقت ہے۔ ہر نماز کے لیے وضو کرنے کو شریعت کا ایک کام سمجھو اور ہمیشہ با وضو رہنے کو طریقت کا دستور العمل تصور کرو۔ نماز میں قبلہ رد کھڑا ہونا شریعت ہے۔ اور دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہو جانا طریقت ہے، جو اس ظاہری سے جن معاملات دینی کا تعلق ہے اس کی رعایت

ملفوظ رکھنا شریعت ہے۔ اور جن معاملات دینی کو قلب و روح سے تعلق ہے اس کی رعایت کرنا طریقت ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا یہی معمول رہا کہ دین کا جو کام خود کرتے ہیں وہی امت کو بھی حکم دیتے۔ مگر بعض بعض اخلاق و اعمال ایسے مہتمم بالشان و کوہ وقار ہیں کہ اگر امت پر ان کا بوجھ ڈالا جائے تو ضعیف الحال امت پس جائے۔ اس لیے آسانی کے خیال سے امت کو ان کی تکلیف نہیں دیتے، اپنا درد خاص بنا لیتے ہیں۔ اور معمول کر لیتے ہیں جیسے نماز تہجد، صدقہ نہ لینا، سیر ہو کر نہ کھانا، دنیا سے اعراض کرنا جس سے زندگی باقی رہے اتنے ہی کھانے پر قناعت کرنا۔ مکان و لباس بھی محض بقدر ضرورت رکھنا وغیرہ وغیرہ۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جس امر کے لیے امت کو مکلف بنایا جائے وہ شریعت ہے۔ اور جو کام ایسا ہے کہ تخفیف امت کے لیے انبیاء علیہم السلام اپنی ذات کو اس کا پابند کر لیں۔ اور لازمہ احوال بنالیں وہ طریقت ہے۔ جو اعمال خاص انبیاء علیہم السلام کے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم امت کے لیے ممنوع و مخطور ہے۔ اس میں جان و ایمان کا خطرہ ہے۔ جیسا کہ قرآن قدیم نے تفصیل کر دی ہے کہ خَالِصَةً لِّكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ۔ آپ کے لیے یہ خاص ہے اور مومن کے لیے نہیں۔ دوسری قسم وہ ہے کہ سنت پسندیدہ ہے جو شخص اس کو اختیار کرے گا درجہ عوام سے زمرہ خاص میں داخل ہوگا۔ عالی مرتبہ ہوگا، کمال ترقی ہوگی۔ سنو، شریعت میں اگر صحیح عذر ہو تو رخصت ہو جاتی ہے، جیسے بجائے وضو اور غسل تیمم کی اجازت ہے۔ سفر میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر طریقت کہتی ہے کہ رخصت ضعیف مالوں کے لیے ہے۔ مناجات عاجزوں پر تخفیف کے لیے ہے۔ چنانچہ ارباب طریقت قوت و ہمت جد و مبالغت سے کام لیتے ہیں۔ رخصت و مباح کی راہ سے اپنے کو باز رکھتے ہیں۔ حلال چیزوں کو بھی ڈر ڈر کے استعمال کرتے ہیں۔ حرص و طمع سے کنارے رہتے ہیں۔ شریعت میں راحت و آسائش کی ڈیوڑھی پر روک تھام ہے خصوصاً نفسِ امارہ سے بہت بچاؤ ہے دیکھو، اگر مرید اپنے کو مباحات کی اجازت دیکھا تو اس کا نفس دیر ہو جائے گا۔ روزہ نہ پڑھے

وہ مشتبہات کو بھی مباحات کے سلسلے میں لے آئے گا۔ پھر اُس پر قناعت نہ کرے گا آگے بڑھ کر محرمات میں مبتلا کر دے گا۔ یہاں تک کہ دین بھی برباد ہو جائے گا۔ اتنی تقریر کے بعد ہمیں امید ہے کہ تم شریعت و طلاق کو خوب سمجھ گئے ہو گے۔ شریعت کی ضرورت اور طلاق کے فوائد کا بھی تم نے اندازہ کر لیا ہو گا۔ برادر عزیز، بغیر شریعت کے طلاق کا قصد کرنا ویسا ہی ہے کہ ایک شخص کو ٹھے پر جانا چاہیے مگر وہی کو توڑ ڈالے اور دیوار پکڑ کر اوپر چڑھے۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ دو چار ہاتھ بمشکل اوپر جائے گا پھر پھیل پھیل کر گرے گا یا یوں سمجھو کہ ایک شخص کو یہ خط سمائے کہ ہم پھر ایسا اچھا لے سکتے ہیں کہ نظر سے غائب ہو جائے ہزارہ زور خرچ کرے گا کوشش کا خاتمہ کر دے گا نا کامیاب رہے گا۔ بمشکل اچھا لے گا دھم سے آتا رہے گا۔ بغیر شریعت حیم خاکی پتھر سے بدتر ہے۔ وہ شخص فضا کے طلاق میں اُڑ نہیں سکتا یہ کوشش لاجمل ہوگی۔ یا یوں سمجھو کہ ایک شخص حج کو جائے، خلافت سمت کعبہ کے رخ کے سالہا سال بھی چلتا رہے گا تو بیت اللہ شریف تک نہ پہنچے گا۔ کیونکہ ہر مقصد کے لیے راستہ مقرر ہے۔ ہر مقصد کے لیے شرط ہوا کرتی ہے۔ ہر صحبت کے لیے اہلیت اور نسبت کا ہونا ضروری ہے۔ قصد و صحبت کے لیے شرط و نسبت جملہ احکام شریعت ہیں۔ جب مرید راہ شریعت میں داخل ہوتا ہے، حقوق شرعی کو بقدر امکان ادا کرتا ہے، اُس وقت توفیق خیر اُس کی رفیق ہوتی ہے عوام کے دائرے سے وہ نکلتا ہے۔ سلوک طلاق اختیار کر کے خواص کے ہمراہ ہو جاتا ہے۔ برادر عزیز، اب بلا شک تم نے شریعت و طلاق کو پہچان لیا ہو گا۔ تم کو چاہیے کہ گرتے پڑتے مطابقت و موافقت میں ان پاک بزرگوں کے جو صاحب شریعت و طلاق گزرے ہیں، حتیٰ الوسع دد ایک قدم بھی چلو اور مفلس دیے لڑا کی طرح درگاہ میں اس بادشاہ بے کس لوازہ عاجز افراز کے باوجود اس دوری و حجاب کے بھی عرض کرنے سے باز نہ آؤ۔ اور اس بات پر پکا عقیدہ رکھو کہ خزانہ فضل میں جو کیمیا ہے لطف ہے، اس کا ایک ذرہ بھی اگر مشرکوں کے شرک پر کافروں کے کفر پر پھر تک دیں تو توحید ہی توحید نظر آئے۔ اور قدح غیب میں

جو شربتِ جان پرور ہے اُس کا ایک قطرہ بھی اگر خلق کے حلق میں ٹپکا دیں تو ایسے شیر و شکر ہو کر سب مل جائیں کہ مخالفت و منکر کا وجود ہی غائب ہو جائے۔ وہ تم کو اس عنایت کی نظر سے دیکھتا ہے جو تم پر ازل میں ہو چکی ہے۔ آپ خاک ہونے کی حیثیت سے نہیں دیکھتا۔ اگر تمہاری آلودگی پر اُس کی نظر ہوتی تو سمجھ لو کہ رہی سہی پونجی بھی غائب تھی۔ مگر وہاں کی مقبولیت کوئی معمولی بات ہے۔ اگر تمہارا بال بال شیطانِ مبہم بن جائے اور ہر ہر عضو فرعون کی طرح دعویٰ باطل پیش کرے اور ہر ذرہ وجودِ نمرود کا جانشین ہو کر بیٹھے۔ اور چاروں طرف تمہارے دوزخ کی آگ شعلہ زن ہو، تم کچھ کہہ سکتے ہو کہ تمہارا حال اس وقت کیا ہو! قسم خدا کی اگر تم پر اس کی نظر عنایت ہے تو کوئی چیز کوئی شخص تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ والسلام۔

چھبیسواں مکتوب

شریعت اور حقیقت کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے بھائی شمس الدین، اللہ تم کو بزرگ بندے تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ شریعت و حقیقت دو لفظ معنی خیز ہیں، جو صوفیوں کے یہاں مستعمل ہیں جس طرح شریعت میں اعمال ظاہر جب درست ہو جاتے ہیں تو انسان اہل حقیقت طلب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انکشافِ احوالِ باطن کے بعد آدمی اہل حقیقت کہلاتا ہے۔ یہ تو اظہر من الشمس ہے کہ ظاہر کو باطن کے ساتھ ایک خاص قسم کا لگاؤ ہے جب ہسل پر غور کرو گے تو دونوں کو الگ الگ نہ پاؤ گے۔ دیکھو ایمان کے لیے اقرار باللسان و تصدیق بالقلب شرط ہے۔ نہ تو صرف تصدیق سے ایمان کامل ہوگا۔ نہ فقط اقرار سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ کلمہ توحید میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ دو جملے ہیں۔ حقیقت کے رموز و اشارات لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ میں مستتر ہیں۔ اور شریعت کی جلوہ گری مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ سے ہے۔ صحتِ ایمان دونوں جلوں پر موقوف ہے۔ اب اگر کوئی چاہے کہ

صرف ایک جملہ سے ایمان کی منزل طے کرے تو بالکل ناممکن ہے۔ ہاں حکم میں البتہ شریعت حقیقت سے جدا ہے۔ زبان سے اقرار کرنا اور شے ہے۔ دل سے تصدیق کرنا اور خیر ہے۔ اقرار و تصدیق میں جو فرق ہے وہی فرق شریعت و حقیقت میں ہے۔ مگر علمائے ظاہر کا خیال ہے کہ شریعت عین حقیقت ہے اور حقیقت عین شریعت۔ یہ سمجھنا مغالطہ سے خالی نہیں۔ اس عقیدے میں بہت بڑا نقصان یہ ہے کہ انسان باطنی ترقی سے محروم رہ جاتا ہے۔ اگرچہ مومن باقی رہتا ہے اس میں کچھ کلام نہیں۔ اس سے زیادہ افسوس کے قابل ان لوگوں کی حالت ہے جو شریعت کی راہ کی پروا نہیں کرتے اور اہل حقیقت بن کر بیٹھے ہیں۔ دعویٰ اُن کا یہ ہے کہ جب حقیقت منکشف ہو گئی تو شریعت کی ضرورت کیا باقی رہی؟ نعوذ باللہ من ذلک۔ یہ مذہب ملحدانہ ہے۔ ایسے مذہب و اعتقاد پر خدا کی پھٹکار ہو۔ تقواری تفصیل حقیقت شریعت کی اور سنو تو سمجھ جاؤ گے حقیقت کی تعریف یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے تا قیام قیامت نہ اس میں رد و بدل ہو نہ ہو سکتا ہے۔ حکم اس کا ایک طرح پر جاری ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی معرفت ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ شریعت کی توصیف یہ ہے کہ اس میں تغیر و تبدل ہوتا رہا جیسے ادا و نواہی ایک نبی کے وقت میں بعض چیز حلال دوسرے نبی کے وقت میں حرام۔ یا ایک شخص کے لیے حلال دوسرے کے لیے حرام۔ مگر کوئی وقت ایسا نہیں ہے کہ حقیقت موجود نہ ہو۔ شریعت کو بندے کے افعال سے تعلق ہے حقیقت خدا کی ذات پاک سے وابستہ ہے وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (جن لوگوں نے ہمارے لیے مشقت اٹھائی ہم اُن کو اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں)۔ اس آیت پاک میں مجاہدہ اصل شریعت ہے۔ اور ہدایت حقیقت ہے۔ بندہ نے جب احکام ظاہر کی محافظت کی تو اللہ تعالیٰ نے احوال باطن کی محافظت فرمائی۔ شریعت کو تعلق کسب سے ہوا۔ حقیقت نہ سے وہی شان ظاہر ہوئی۔ شریعت کی مثال مادہ کی ہے۔ اور حقیقت کی مثال قلب کی۔ مادہ کا قوام قلب میں اور قلب کی منزل مادہ ہے۔ شریعت قالب کے درجہ میں ٹھہری حقیقت بمنزلہ جان۔ جس طرح زندگی بغیر جان و قالب دونوں کے

ناممکن ہے۔ اسی طرح ایمان کی بقا بے شریعت و حقیقت محال ہے۔ اگر سچ پوچھو تو یہ دولت قیمت اس گروہ صوفیہ کے سوا اور کہاں؟ شریعت و حقیقت دونوں معاملات ان کے نہایت سچل سراپا درست یہ زبانی جمع خرچ نہیں، بلکہ اظہار حقیقت حال ہے۔ اور سنو، علم حقیقت کے تین رکن ہیں۔ خدا کی ذات کا علم و حدانیت کے ساتھ اور اس کو بے شبہ و بے نظیر جاننا۔ خدا کی صفات کا علم مع احکام خداوندی۔ خدا کے افعال و حکمت کا علم۔ اسی طرح علم شریعت کے بھی تین رکن ہیں۔ کتاب اللہ سنت رسول اللہ۔ اجماع امت۔ اب ہم صاف صاف یہی کہیں گے کہ بغیر شریعت و رزی اہل حقیقت ہونے کا دعویٰ کرنا سراسر زندیقیت ہے۔ اور حقیقت سے بے خبر رہ کر صاحب شریعت بن جانا شان منافقانہ ہے۔ دراصل دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اسی لیے اولیاء اللہ کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ علم درسی، یعنی علم شریعت سے آراستہ، مجاہدہ و ریاضت میں، اقل و اخلاص کا گہرا رنگ، عمل خالص کی نورانیت۔ رفتہ رفتہ یہی عمل صلح ان کو علم وراثت کا عرن بنا دیتا ہے۔ جس کو علم حقیقت کہتے ہیں۔ علم وراثت عطائے محض ہے۔ اس کو درس و تدریس سے کوئی سروکار نہیں۔ جیسا کہ وعدہ لطیف سے ظاہر ہے۔ مَنْ عَلَّمَ بِمَا عَلَّمُ وَرَّثَهُ اللَّهُ عِلْمَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔ جس نے جانا، وہی جانا، ہو اس کو بتایا گیا ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ وارث بنا دیتا ہے اس علم کا جس کو کوئی جانتا نہیں۔ اسی علم وراثت یعنی علم کی حقیقت کی بدولت ان بزرگان دین کے اعمال و اقوال و افعال و احوال میں ایسا نمایاں تغیر نظر آتا ہے کہ علمائے ظاہر رنگ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اور یہ باتیں ان کی سمجھ سے باہر ہوتی ہیں۔ اپنے مقام کی رُوس سے کتابوں کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہیں۔ ان باتوں کا کہیں نشان نہیں پاتے۔ حیران ہو کر انکار کر بیٹھتے ہیں۔ اور بول اٹھتے ہیں کہ یہ بات خلاف روایت ہے۔ اس کا کہیں وجود ہی نہیں۔ معاذ اللہ! کتنا بڑا یہ ظلم ہے کہ ایک فقیہ نے نوا کے گھر میں جو چیز نہ ہو وہ اس کا مدعی بن جائے کہ جو شے ہمارے پاس نہیں وہ محمد شاہ بادشاہ کے محل میں کبھی نصیب نہیں۔ ان کو اس کی خبر نہیں کہ سنت اللہ کس طور پر جاری ہے۔ سنو! اللہ تعالیٰ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ اپنے دوستوں کو مقام ستری میں پہنچا کر غلط الہام اور غلط

مکاشفات میں اُن کو مبتلا کر دے۔ کیونکہ ان بزرگوں کا دل جب انوارِ مری سے متجلی ہو جاتا ہے تو اُس پر جو بات ظاہر ہوتی ہے سب حق کی طرف سے ظاہر ہوتی ہے۔ گویا اُن کی زبان اُن کے سر کی شمع ہوتی ہے۔ اور سر کو حق سے خاص تعلق ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں جو بات ان بزرگوں سے سرزد ہوگی وہ راست و صواب ہوگی۔ مثنوی

با علم و عمل زبانِ شانِ راست میزانِ صفتِ اندبے کم و کاست
باحق جمع و ز خود پریشان لا یخبر فہم شعارِ ایشان

د علم اور عمل کے ساتھ ان کی زبانیں سچی ہیں۔ یہ لوگ ٹھیک تر ازو کی طرح ہیں۔ اپنے سے جدا اور خدا سے ملے ہوئے ہیں۔ ان کی روش ایسی ہے کہ ان کو کوئی پیمان نہیں سکتا لیکن ہم کو تم کو جو ان کی باتیں خلافتِ روایت اور خلافتِ کتاب و سنت معلوم ہوتی ہیں یہ ہماری کج فہمی کا باعث ہے۔ دیکھو جو شخص اَوَّل (پہلا) ہوتا ہے وہ ایک کو دودیکھتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ جو ہم دیکھ رہے ہیں یہی ٹھیک ہے۔ موجدانِ حقیقی کے نزدیک جتنے ظاہر ہیں سب کے سب اَوَّل روزگار ہیں ہزار وہ کہا کریں کہ ہم سچ کہہ رہے ہیں، مگر ماننے کی بات نہیں گویا دعوائے راست بیانی کج فہمی کی دلیل ہے۔ چنانچہ یہ حال دیکھ کر بزرگانِ دین نے یہ روش اختیار کی ہے کہ اہل ظاہر کی بکواس کا خیال نہیں کرتے۔ معاف فرماتے ہیں۔ قاعدے کی بات ہے کہ اگر نابینا سے کوئی لغزش ہو جاتی ہے تو آنکھ دالے مزد و چشم پوشی کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں قرآن شریف کا حکم بھی یہی ہے کہ: وَاعْرِضْ عَنْ الْجَاهِلِينَ (جاہلوں سے الگ ہو جاؤ)۔ قطع نظر ان باتوں کے اس قدر شور و غوغا کا ایک خاص سبب بھی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو لوگ اس علمِ نقیص کے جاننے والے تھے رخصت ہو گئے اور طریقت کی روش پر ٹھیک ٹھیک چلنا مفقود ہو گیا۔ ہاں، شاذ و نادر کی بات دوسری ہے۔ خیر جب یہ ہوا کہ اہل حقیقت چھپ گئے اور جو خزانہ علم ان کے پاس تھا وہ دفن کر دیا گیا۔ اب جو اس معرکہ میں مرد میدان بنتا ہے اور اس مذہب کا دعویٰ کرتا ہے، حقیقت حال یہ ہے کہ معنی حقیقت سے وہ خود بے خبر ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ عام خلق اللہ نے اس مذہب ہی سے انکار کر دیا کہنے لگے

کہ علم بقوت کی کوئی اصلیت ہی پائی نہیں جاتی۔ سچ ہے کہنا ان کا۔ کیونکہ جب اہل حقیقت نہ ہے اور اس کا علم نہ رہا تو اس مذہب کو بیان کون کرتا ہے۔ چنانچہ علم حقیقت پر عمل کرنا بھی اٹھ گیا۔ عمل علم کے بعد کی چیز ہے۔ اور علم کا حصول بیان پر موقوف ہے۔ افسوس صد افسوس نہ اہل حقیقت ہے نہ علم رہا، نہ بیان رہا، نہ عمل رہا۔ یہ مرنے صرف علم حقیقت ہی کو دامن گیر نہ ہوا، بلکہ علم شریعت بھی انہیں بلاؤں میں گھر گیا ہے۔ ہم تمہارے لیے بہت زیادہ مناسب سمجھتے ہیں کہ تم اپنا عقیدہ ان بزرگان دین کی طرف سے بہت پاک و صاف رکھو۔ اور دل میں سمجھو کہ یہ حضرات کبھی خلاف شریعت کوئی کام نہیں کرتے۔ جو شخص آداب شریعت سے ایک ادب بھی ترک کرنا پسند نہ کرے وہ ذہن دو واجب کیوں کر ترک کرے گا۔ سیکڑوں حکایتیں آداب شریعت میں ان بزرگان دین کی اس قدر مشہور و معروف ہیں کہ زیادہ بیان کی ضرورت نہیں۔ ایک بزرگ کہا کرتے تھے کہ ہم خدا سے عمر ابدی چاہتے ہیں تاکہ تمام خلق ہمیشہ کی ناز و نعمت میں مشغول رہے اور ہم دنیا کی بلاؤں میں گرفتار نہ رہ کر آداب شریعت میں ثابت قدمی کی منزلیں طے کرتے رہیں۔ سچ ہے شریعت کی قدر جو یہ بزرگان دین جانتے ہیں کوئی کیا جانے گا۔ اور آداب شریعت کا جو ان کو خیال ہے کیا کسی کو خیال ہوگا۔ اللہ اکبر! اتنی بڑی فقر کی دولت آخر کس کے طفیل میں ان کو ملی ہے۔ اسی پاک شریعت کے طفیل میں۔ سنو بھائی! شریعت ہو یا حقیقت۔ دونوں منزلیں کڑی ہیں۔ مگر دل ہارنا چہ معنی دارد راہ طلب میں بھی کوئی سُستی کرتا ہے۔ کامیابی عطا ہے۔ عمل پر موقوف نہیں۔ اہل معرفت کا قول ہے کہ ملائکہ مقربین یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ہماری اطاعت و فرمانبرداری اگر ارام و نوازش خاص کا سبب ضرور ٹھہرے گی۔ خلاف درزی ایسی شے ہے جس سے غرت و قدر جاتی رہتی ہے اس لیے خداے قدوس کے حضور میں بے محابا یہ بول اُٹھے کہ ہم مطیع ہیں۔ آدم عاصی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دکھایا کہ ایسا سمجھنا غلط قسمی ہے۔ ہماری نوازش و اکرام کا اگر سبب ہے تو ہمارا فضل و کرم ہے۔ کسی کی طاعت کسی کی عبادت نہیں۔ بھائی دیکھتے نہیں ہو کہ ساتوں آسمان و زمین کے فرشتوں کو جو طاعت سے آراستہ تھے ان کو یہ حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کریں۔ کون آدم؟ وہ آدم

جو عبادت کی عین سے بھی سرکار نہیں رکھتا اور طاعت کی طے سے بھی جس کو واسطہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کیا معاملہ ہے۔ تم یہ سن کر حیران ہو گے کہ قصہ کیا ہے۔ ایسا کیوں ہوا۔ بھائی، تم کہاں ہو اس سے بڑھ بڑھ کر معاملات ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ مگر ہمیں نہیں خبر کہاں ہے؛ اس کی قدرت کا اس کو ایک ادنیٰ کرشمہ سمجھو کہ اگر وہ چاہے تو ایک لمحہ میں ہزاروں آدمی اور ہزاروں عالم پیدا کر کے رکھ دے اور سیکڑوں کو حبیب، سیکڑوں کو اپنا خلیل بنالے۔ ہم جو کہہ رہے ہیں یہ بات دیکھنے میں ایک پہاڑ سی معلوم ہوتی ہوگی۔ مگر یقین جانو کہ جو قدرت عرش سے فرش تک اور عرش سے عرش تک بے تکلف حکمران ہے۔ واللہ ایسے ایسے کاموں کو ایک ذرہ حقیر کے برابر بھی نہیں سمجھتی۔ والسلام

ستائیسواں مکتوب

رسول علیہ السلام کی متابعت میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادر مٹمس الدین سلمہ اللہ تعالیٰ تم یقین جانو کہ سعادت ابدی و غرت سرمدی انسان کے لیے خداوند جل و علا کی محبت کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس دولت و خلعت کا محل حضرت سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا دربار شاہانہ ہے۔ یہ دولت و خلعت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی موافقت پر موقوف ہے۔ دیکھو قرآن شریف کس طرح گہریر ہے۔ فَا تَبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ۔ میری پیروی کرو واللہ تم کو دوست بنائے گا۔ یعنی اپنے شاہنشاہ کی فرمانبرداری کا طوق گلے میں ڈالو اور حلقہ اطاعت کانوں میں پہن لو۔ حکم سرکاری بجالاؤ۔ نواہی سے دور رہو۔ اور سراپا قہر ایمان کو طاعت کے گلہ سنتوں سے سجا ڈالو۔ سنتوں سے واقفیت قائم نہ مائل کرو۔ اور اس پر ایسا عمل کرو جیسا عمل کرنے کا حق ہے۔ پھر دیکھ لو گے کہ وہ عہد نامہ دوستی جو لکھا گیا ہے۔ اور خطبہ عقد محبت جو پڑھا گیا ہے، یہ سند اتباع حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم

یقینی نافذ ہو کر رہے گا۔ اور ضرور عمل سمجھا جائے گا۔ جب یہ فرمان شاہی اور یہ وثیقہ سندی و نری تمہارے پاس رہے گا تو یہاں بھی مزا لوٹو گے اور عیش کرو گے۔ پھر جس وقت حضرت محبوب حقیقی کے دربار میں حاضری ہوگی تو وہاں بھی فی مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیکٍ مُّقْتَدِرٍ (مَقْعَدِ صِدْقِ کے مقام میں خدا سے بلند و برتر کے پاس)۔ ذرا سمجھنے کی بات ہے، مَقْعَدِ صِدْقِ عہدِ پاکِ مقتدر کا دلچسپ گوارہ، خوشنما چہر کھٹ کیا کسی دوسرے مہمانِ عزیز کے لیے آراستہ ہوا ہے۔ نہیں صرف تمہارے لیے۔ یعنی غلامانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے، مقامِ صِدْقِ میں پہنچ کر الشاکرِ تمہاری شان کی کوئی حد بھی ہوگی، پہلی ہی منزل میں آٹھوں بہشت ہیں۔ عیش و آرام سیر و تفریح حورانِ جنت کے حسنِ دل افروز کا نظارہ، چاندی، سونا، یا قوت و مردارید کے جواہر نگار شاہی محل میں جلوس، کوثر و تسنیم کی لہروں کے سرور بخش مناظر، درختوں کے پھل پھول، سبزی کی وہ دلکش بہار، شرابِ طور کا دہر مسلسل، انواع و اقسام کے خوانِ پر نعمت کی لذتیں۔ یعنی کَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا (ان لوگوں کے لیے جنت الفردوس اتنے کی جگہ ہوگی)۔ مگر یاد رہے کہ درِ طلب میں صدق و اخلاص ہے تو یاد جو دان سامانوں کے تم گھبرا اٹھو گے اور کہنے لگو گے کہ دلِ بریان بہ مرغِ بریان نیا سایہ۔ و جگر سوختہ و دل خون شدہ بہ خور و قصور ننگرد۔ جلا ہوا دل مرغ کے کنا سے لذت نہیں اٹھاتا۔ جس کا کلیجہ بھن گیا۔ اور دل خون ہو گیا ہو، وہ حورانِ جنت اور بہشتی محل کی طرف نہیں دیکھ سکتا۔ یہ خیال آتے ہی فوراً اس بہشت کو چھوڑ کر تمہارا قدم آگے چل نکلے گا۔ اور اس منزلِ اعلیٰ پر پہنچا دے گا جس کا وصف خوش بیانوں کی توصیف سے باہر ہے۔ جس کے لیے بیش بہا خزانے کے انمول موتی و ہنم و گمان و عقل سے روپوش ہیں۔ یعنی جس بہشت کی یہ شان ہے اَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطُورٌ عَلَى قَلْبٍ بَشَرٍ (نیک بندوں کے لیے مقرر کیا گیا، وہ ایسا مقام) ہے کہ جس کو کسی آنکھ نے دیکھا نہ ہو، اور نہ کسی کے کان نے اس کی تعریف سنی ہو، اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کی آرائش کا خیال تک گزرا ہو۔ پھر یہاں کی نورانیت تم کو بھی سراپا نور بنا کر وصلِ حقیقی کے رنگ میں رنگ ڈالے گی۔ اور

معراج کمال پر پہنچا دے گی۔ اب کیا پوچھنا ہے، وہ وہ راز دنیا زدہ وہ رموز اشارات کا دفتر عشق و حسن کے مابین کھلے گا کہ ذائقِ مَنْ ذَاق (چکھا جس نے چکھا) کے سوا اور کچھ تعبیر نہیں ہو سکتی۔ سبحان اللہ! یہ خطاب جان فزا کہ مِنَ الْمُلْكِ الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ إِلَى الْمُلْكِ الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ، اس ہمیشہ زندہ رہنے والے کے ملک کی طرف سے اُسی ہمیشہ زندہ رہنے والے کے ملک کی طرف جس کو کبھی موت نہیں ہے، کس اصل حقیقی کو ظاہر کر رہا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ جو معاملہ تمھارے ساتھ ہوا اور ہو گا اور ہو رہا ہے۔ عشق و محبت کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ حقیقت میں نظر سے ذرا مَحَبَّتُهُمْ وَيُحِبُّونَهُ (خدا ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے، اور وہ خدا کو دوست رکھتے ہیں) کی شان دیکھو۔ کیا اس علو مرتبت کی کوئی حد بھی ہے، کیا اس غرور شان کی کوئی انتہا بھی ہے۔ تم سمجھے؟ اس محبت کو عاذرہ حقیقت کہتے ہیں۔ کہاں یہ رنگ، کہاں ہماری تمھاری یہ حالت کہ بغیر طمع بہشت و خوف دوزخ ایک غل بھی خالص بوجہ اللہ نہیں ہوتا۔ افسوس! کیا وہ خداے برتر اگر بہشت و دوزخ پیدا نہ کرتا تو مسجود و معبود نہ ہوتا۔ نہیں نہیں، ضرور ہوتا۔ ہم پست ہمتوں کے حسبِ حال واقعی کسی غریز کا قول کس قدر صحیح ہے کہ دوزخ اگرچہ صورۃً مظہرِ قہر و جلال ہے، مگر اس کا پیدا کرنا تخلیق بہشت سے کہیں زیادہ دلیلِ رحمت ہے۔ کیونکہ اصحابِ لذات و شہوات کو اگر صرف بہشت کی ترغیب دلائی جاتی تو پورا کام نہ نکلتا۔ لہٰذا سے وہ خوف پیدا نہیں ہوتا جو عذابِ ہیجانی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ خوابِ فحلت میں سونے والے خوش آئند آواز سے صرنا آنکھ کھول کر رہ جاتے ہیں۔ ہاں مہیب آواز سے البتہ چونک پڑتے ہیں۔ عذابِ دوزخ سے اس لیے اُن کو ڈرایا گیا ہے۔ تاکہ ہوشیار ہو جائیں۔ یہ مقابلہ لذتِ باقی، خالی چٹخارے کو بھول جائیں۔ ایسا خوف ان کے دل پر طاری ہو کہ لذات و شہوات کی طرف سے منہ موڑ لیں۔ اور آخرت کی طرف دل سے متوجہ ہو جائیں۔ اس سے زیادہ ہم لوگوں کے لیے رونے کا مقام یہ ہے کہ دل میں نہ طمع بہشت ہے اور نہ خوف دوزخ ہے۔ اگر بہشت کی طمع یا دوزخ کے خوف سے بھی عبادت کریں تو بھی غنیمت سمجھو۔ ہم تم سے کیا کہیں کہ اخلاص سے عبادت کا کیا حال ہوتا ہے۔ عبادت محبوب ہو جاتی ہے۔

اور تعظیماً لامر اللہ کا اس میں پختہ رنگ آ جاتا ہے۔ ایسی ہی عبادت کے بعد مستی محبت کا ظہور ہوتا ہے۔ جہاں یہ مستی پیدا ہو گئی ایسے شخص کے ضمیر پر ہمیشہ دودِ زخ کا دھم بھی نہیں گزرتا۔ نہ فوت کا غم نہ یافت کی خوشی۔ سچ ہے سلطانِ محبت و شوق کا جب تسلط ہو جاتا ہے تو حدیثِ راحتِ ہمیشہ اور زحمۃ دوزخ کا دہاں ذکر کہاں؟ کیا خوب کسی نے کہا ہے

شریتِ وصل را بہشتِ نخسے بہت در رہ عاشقان بہشتِ بسے بہت

(شریتِ وصل کے مقابلہ میں بہشت ایک تنکے کے برابر ہے۔ عاشقوں کے راستے میں ایسی

ایسی بہشت بہت ملتی ہیں)۔ جس وقت حضرت خواجہ ممشاد دینوری قدس سرہ کا انتقال ہونے لگا تو ایک مرید نے دعا کی۔ "یا اللہ تعالیٰ میرے پیر خواجہ ممشاد کی مغفرت کیجیو اور بہشت بریں میں جگہ دیجیو"۔ آپ نے فوراً آنکھ کھول دی اور غضبناک ہو کر فرمایا کہ "کیا دہیات خرافات تک رہے ہو۔ تیس برس سے برابر کہا جا رہا ہے کہ یہ دیکھو بہشت ہے پسند کرتے ہو۔ مگر ہم نظر اٹھا کر بھی اُدھر نہیں دیکھتے یہ بھی کوئی دعائیں دعا ہے؟ اللہ اکبر! کیا شان تھی؟ بھائی اصل بات یہ ہے کہ یہ حضرات حقیقی متقی ہیں۔ پاک عالم سے آئے پاک عالم میں جائیں گے۔ کون عالم؟ جس کا نام مقعدِ صدق ہے۔ ایسی حالت میں بہشت دوزخ کا ذکر کس شمار میں آسکتا ہے۔ یہ اس خاص مقام کی بات ہے۔ اِنْ عَلِمَ مَنْ عَلِمَ وَجْہِہْلَ مَنْ جْہِہْلَ (جس نے جانا اُس نے جانا اور جو نادان رہا وہ نادان رہ گیا)۔ لکھا ہوا ہے کہ دیکھو روحِ انسانی کا شہباز بلند پر دازِ مینہ پدا (وہیں سے چلنا شروع ہوا) کے اُشیانے سے اس شکار گاہِ ہستی میں اس بے اڑ کر آیا ہے کہ تدریدِ معرفت اور کبکِ محبت کو شکار کرے۔ اس کے بعد اُدجعیٰ اِلٰی رَبِّکَ سَاضِیۃً مُّزِیۃً ط (اُس کی مرضی کے ساتھ راضی ہو کر اپنے رب کی طرف لوٹ جا) کے طبل کی آواز جب اُس کو دی جائے تو فوراً اڑ کر اپنے پالنے والے کے پاس جا پہنچے اور اِلَیْہِ یَعُوذُ (اسی کی طرف داپسی ہے) کے درختِ دصال کی شاخ پر دم لے۔ برادرِ عزیزِ معرفت محبت کا بیج ہے۔ جتنی معرفت زیادہ ہوگی اُس کی آگ تیز ہوتی جائے گی۔ اسی سوختہ عشق کو لذت و سرور اور رویتِ محبوب و مشاہدہ مطلوب زیادہ حاصل ہے

جس کی معرفت زیادہ ہے۔ ہائے ہائے محبوب جانِ مطلوب دل نے جب یہ دیکھا کہ میرے عاشقوں کی جانیں آتشِ اشتیاق میں گھل رہی ہیں۔ میری محبت میں نہ ان کو اپنی جان کی پر داسے نہ مال کی نہ زن کی فکر ہے نہ فرزند کی تو ان کی تشفی کے لیے کیا روح پرور شربتِ وصال بھی یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ (وہ ان کو دوست رکھتا ہے اور یہ اُس کو دوست رکھتے ہیں) بندگی دوستی کے برابر کبھی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ بندگی کے لیے ذلت کا مقام ہے اور دوستی کے لیے عزت کا مقام ہے۔ بندہ بہر حال ذلیل ہے۔ اور محبوب بزرگ و برتر ہے۔ ذلیل عزیز کے برابر نہیں ہو سکتا۔ ایک بزرگ نے کہا ہے کہ اگر خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو کہا اَتَّخِذَ اللّٰهُ اَبْرَٰهِيْمَ خَلِيْلًا (یعنی اللہ نے ابراہیمؑ کو دوست بنایا)۔ اور اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو کہا وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيْمًا (اللہ نے موسیٰؑ سے کلام کیا) اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ (یعنی وہ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ اُس کو دوست رکھتے ہیں)۔ اور یُحِبُّهُمْ میں محبت کا جو لفظ آیا ہے قدیم ہے۔ جس سے محبت کی جائے گی وہ محدث ہے۔ اور یُحِبُّونَهُ میں محب محدث اور محبوب قدیم ہے۔ اور خدا کی باتیں بھوٹ سے میرا ہیں۔ اور اس کی گواہی شک و شبہ سے پاک ہے۔ ہم سے سنو، حضرت خواجہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ يَتَجَلَّىٰ لِخَلْقٍ عَامَّةٍ وَ لِابْنِ بَكْرٍ خَاصَّةٍ (اللہ تعالیٰ ساری مخلوق پر تجلی فرماتا ہے عام طور سے اور حضرت ابابکر صدیق رضی اللہ عنہ پر خاص طور سے) اس خصوصیت کا آخر سبب 'وجہ باعث' ! اللہ اللہ! وہ ہر صبح کو ساکنانِ ملائکہ اعلیٰ کا متعجب ہو ہو کر یہ کہنا کہ کون سا دل جلا ہے جس کے جگر سوختہ کی بو آتی رہتی ہے۔ حضرت حق کی طرف سے جواب دیا گیا کہ تم نہیں جانتے! یہ دولت اس دور میں ابوبکر صدیق کے حصے کی ہے۔ واہ رے شانِ معرفت اور اللہ رے ذوقِ عشق! سچ ہے معرفت کے الوار و آثار کی کچھ انتہا نہیں۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ معرفت ایک پردہ نشین محبوبہ ہے۔ اپنی صورت دکھانا پسند نہیں کرتی۔ گاہ گاہ صرف جلوہ دکھایا کرتی ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ عالمِ غیب سے یکایک ایک بجلی ظاہر ہو کر حمکی

عشاق کی جانیں جل بھن کر خاکستر ہو گئیں۔ پھر وہ برق نظر سے ایسی غائب ہوئی کہ پتہ نہ مل سکا۔ جہاں کی تھی وہیں لوٹ گئی۔ اب اس آگ کا حال ہے کہ بھرک رہی ہے۔ اور شعلہ اس کا لٹک رہا ہے۔ نہ دل و جان کے لیے کہیں آرام ہے نہ صورتِ قرار ہے نہ ٹھہرنے کی طاقت ہے نہ قرار کی قدرت ہے۔ ایک زبان ہو کر سمجھوں نے یہ نالہ و فریاد شروع کی لَا مَعْلَكَ الْقَرَّامُ وَلَا مِنْكَ الْفَنَاءُ (نہ تیرے ساتھ آرام و سکون ہے اور نہ تجھے چھوڑ کر بھاگنے کی طاقت ہے) ایسے ہی موقع پر بزرگوں نے کہا ہے کہ ایک طالب کا گزر کسی صدیقِ وقت کے پاس ہوا۔ طالب نے درخواست کی کہ حضور میرے لیے یارِ گاہِ الہی میں دعائے حصولِ معرفت فرمائیے۔ اس صدیقِ مخلص نے کہاں صدق و اخلاص سے طالب کے لیے دعا کی۔ دعا کو درجہ قبولیت حاصل ہوا۔ ادھر وہ طالب کہ جو اس باختہ ہے۔ بد حال و خستہ خراب ہے، حیرت زدہ ہے۔ سر گرداں و پریشان ہے۔ صدیق نے جب طالب کا یہ حال مشاہدہ کیا۔ کہاں شفقت و رحمِ مناجات کی کہ یا اللہ یہ معاملہ کیا ہے۔ حکم ہوا کہ جس وقت تو نے اس طالب کے لیے دعائے معرفت کی تھی، ہزاروں لاکھوں ساکنانِ راہ نے مجھ سے معرفت چاہی تھی۔ محض ذرا سی جھلکِ جمالِ معرفت کی میں نے دکھا دی۔ کوئی بے خود، کوئی سرگرداں، کوئی متحیر ہو کر رہ گیا۔ برادرِ عزیز بات یہ ہے کہ جب ساکنانِ عالمِ تقدس مَا عَبَدُ نَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ (جو تیری بندگی کا حق تھا ہم ادا نہیں کر سکے) کہہ گزاریں۔ اور باشندگانِ مُلْكِ غَرَّتْ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ (ہم نے تیری معرفت کا حق نہیں پہچانا)۔ کی رٹ لگائیں، تو اب کس کا جگر ہے کہ اس ولایت میں قدم رکھے۔ یہ بیان اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے۔ مگر دل میں اس کا یقین کامل رکھو، کیونکہ مہمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مُردے پر جیسا دس من بوجھ و لیسا سو من ع

بارستہ دستاں بزد ہر کہ در افتاد

(جو غائب ہو جاتا ہے وہ رستم سے پنجہ بازی کرتا ہے) وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ
 مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَاللّٰهُ حَسْبُكَ چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے مخصوص کرتا ہے) کی شان کو
 نہیں دیکھتے ہو۔ سب کام ہمیں سے سنو رہے ہیں۔ ہماری تمھاری اس میں نہیں ہے۔
 ساحرانِ فرعون کا حال تم جانتے ہو۔ جب جادو جگانا ہوتا ہے تو پہلے اپنے کو نجس
 کرتے ہیں۔ تاکہ جادو تیز سے اپنا کام کرے۔ اسی حال میں وہ لوگ تھے کہ ان کی
 عین حالت کفر و نجاست میں ایک ایسی ہو اسے رحمت باغِ لطف سے چلی کہ نہ سحر رہا
 نہ ساحری، نہ کفر رہا، نہ کافری۔ دن کو کفر و انکار تھا تو رات کو ایمان و استغفار ہے
 سبحان اللہ و مجدہ۔ ہماری دعا ہے کہ خداوند غرور جل اپنے فضل و کرم سے سعادت
 کی راہ تم پر کھول دے۔ سنو بھائی، دنیا سے طلب کی رسمیں نرالی ہیں۔ جب طالب کو
 اپنی معصیت نظر آتی ہے اور اپنے اسرار و معانی کو باطل سمجھنے لگتا ہے اور گلی کوچوں
 کے کتوں سے بھی اپنے کو ذلیل و خوار تصور کرنے پر مجبور ہوتا ہے اور بت خانہ، گبر و
 رسا کی جاروب کشی اپنی ریش دراز سے کرنا دل سے پسند کرتا ہے اور ناکائی نامرادی
 کے سنگ و خشت سے سر توڑنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت کہیں طالب میں کچھ
 بات پیدا ہوتی ہے۔ طالب کو غلاموں کی طرح خاکساری چاہیے۔ دعووں سے پاک
 خود ستائی سے دور رہنا اس کا شیوہ ہے۔ ذرا غور کرنے کی بات ہے کہ اگر تم ہزار تاج
 خسروانہ بھی سر پر رکھ لو تو اس سے کیا ہوگا۔ چہرے پر جو گدائی اور مفلسی برس رہی ہے
 اور بے لوائی کا رنگ چھا رہا ہے، اس کا علاج تمھارے پاس کچھ ہے؟ کیونکہ آخر تم
 خاک ہو، خاک کی ہی اصلیت ہے۔ ہاں، اگر ادھر ادھر سے گرداڑ کر پڑ گئی ہوتی اور خسار
 پر جم جاتی تو اس کو پانی سے دھو لینا اور حسن و جمال کا رنگ روغن دکھانا ممکن تھا۔ مگر جب رنگ
 ہی ایسا بے رنگ ہے تو ہزار دریا میں غوطہ کیوں نہ لگاؤ ہوتا کیا ہے۔ والسلام

اٹھائیسواں مکتوب

نماز کی مشغولی اور تعلیم کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادر مٹمس الدین، اللہ تعالیٰ تمہیں غرت عطا فرمائے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ ایمان جب کامل ہو گیا اور توبہ درست ہو گئی تو مرید کو چاہیے کہ ہمیشہ با وضو رہے۔ ہرگز ہرگز ایک ساعت بے وضو نہ رہے۔ رات کا وقت جاڑے کا موسم سرد سے سرد پانی کیوں نہ ہو۔ اور ہر وضو کے بعد دو رکعت تحیت الوضو ضرور ادا کرے۔ اس کو فوت ہونے نہ دے۔ پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا کرے۔ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرتا ہے۔ اس لیے کہ اَلْمُنْتَظِرُ لِلصَّلَاةِ كَأَنَّهُ فِي الصَّلَاةِ۔ (جو کوئی نماز کا انتظار کرتا ہے وہ ایسا ہے گویا نماز ہی میں ہے) ہر نماز کے بعد وہ درود اور وظیفہ جس کو خود اس نے اپنا معمول کر لیا ہے یا جس درود کو اس کے پیر نے فرمایا ہے بجنور قلب پورا کیا کرے۔ اور سنو، جب مرید رات بہتے صبح کے قبل بیدار ہو، حوائج ضروری اور طہارت واجبہ سے فرصت کر کے بعد وضو شکرانہ وضو کی نماز پڑھے اور متوہار کے اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنَ الذُّنُوبِ كُلِّهَا صَغِيرَهَا وَكَبِيرَهَا سَبْرَهَا وَجَهْرَهَا۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ بِرَحْمَتِكَ (میں اللہ سے توبہ مانگتا ہوں، اپنے کل گناہوں سے پھوٹے اور بڑے۔ ظاہر اور چھپے ہوئے۔ اے اللہ مجھ کو اپنی رحمت سے بخش دے)۔ اور جب صبح صادق ظاہر ہو دو رکعت نماز سنت فجر ادا کرے۔ پہلی رکعت میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ دوسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھے۔ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ سنت کے بعد یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِكَ تَهْدِيْ بِهَا قَلْبِيْ (اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں تیری رحمت جو میرے قلب کو راستہ دکھائے)

وقت القلوب میں مسطور ہے کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کو پابندی کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ اور ستر بار کہے اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ اللّٰہُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ التَّوْبَةَ (میں توبہ مانگتا ہوں اُس اللہ سے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ زندہ اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ اے اللہ، میں تجھ سے توبہ کے لیے سوال کرتا ہوں)۔ اس کے بعد نماز فرض فجر بھنور قلب اور باجماعت ادا کرے۔ نماز تمام کر کے وقت القلوب میں جو دعائیں آئی ہیں ان میں مشغول ہوں۔ اسی قدر دعا کی عادت کرے جس کی پابندی ہو سکے۔ ہر وقت توبہ کرتا رہے۔ توبہ کو کسی دقت نہ بھولے جس قدر عمر ہو و لعب میں گزری ہے اُس کی مغفرت چاہتا رہے۔ اور دقتوں میں زیادہ بُر نہ لگایا کرے۔ باتیں کم کیا کرے۔ ہاں خدا اور رسول کے ادا و نواہی کو ابدتہ کہہ سکتا ہے۔ یا مسلمانوں کی اصلاح کے لیے دعا کر سکتا ہے۔ یا ایسی بات کرے جس میں برادران اسلام کا نفع ہو، یا ایسی بات ہو جس سے بے علم کو علم حاصل ہو۔ اس قسم کی باتیں ذکر کے درجہ میں ہیں۔ جہاں تک ممکن ہو قبلہ رُؤیہ کرے۔ اگر اس کا موقع نہ ہو کہ کسی صاحب دل کی زیارت یا پیر کی صحبت یا عالم ربانی کی مجالست میسر ہو سکے تو مصلے پر بیٹھ کر اور اد وغیرہ میں مشغول رہنے سے یہ کہیں بہتر ہے۔ اگر اس قسم کی دولت نصیب نہ ہو تو مصلے پر بیٹھ کر مسجد یا گھر میں ذکر کے ساتھ مشغول رہنا بہتر اور فاضل تر ہے۔ اور بھی سنو! جب آفتاب نکل کر تھوڑا بلند ہو جائے، دو رکعت نماز اشراق پڑھا کرے۔ کم سے کم اشراق کا یہ درجہ ہے۔ نماز صبح کے بعد جائے نماز پر اس وقت تک بیٹھنا کہ آفتاب نکل آئے اور طلوع کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا، ان اعمال کی بہت فضیلت آئی ہے۔ اور جب آفتاب بہت زیادہ بلند ہو جائے تو نماز چاشت ادا کرے بہ اتباع سنت جس قدر اُس نے اپنے لیے لازم کر لیا ہے۔ اور دیکھ لے کہ اس کو ہمیشہ نباہ بھی سکے گا۔ ان کاموں کے بعد بزرگوں نے کہا ہے کہ مرید کو چاہیے کہ برادران اسلام کی حاجت برآری کے لیے اُٹھے، جیسے بیمار کی عیادت یا جنازہ کی شرکت یا بر و تقویٰ میں مدد کرنا۔ اگر اس قسم کے کسی کام کا موقع نہ ہو تو قرآن شریف کی تلاوت

کیا کرے یا نماز نفل پڑھا کرے، یا ذکر میں مشغول ہو جائے۔ اگر اس کا بھی موقع نہ ہو تو فَبِأَذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَإِنْ تَشَاءُوا فِي الْأَمْرِ مِنْهُ (جب نماز ادا ہو جائے تو زمین پر پھیل جاؤ) پر عمل کرے۔ یعنی فکر معاش میں مشغول ہو جائے۔ کھانے پینے کا سامان مہیا کرے۔ اور اگر ان چیزوں کی بھی ضرورت نہ ہو تو وَفِي النَّوْمِ سَلَامَةٌ (سو جانے میں سلامتی ہے) پر عمل پیرا ہو۔ یعنی سو رہے۔ پھر جب نماز ظہر کا وقت آجائے تو جاگ اٹھے۔ طہارت کرے۔ پہلے چار رکعت سنت پڑھے۔ اس کے بعد فرض ادا کرے۔ پھر دو رکعت سنت پڑھے اور جائے نماز پر دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے۔ اگر دل فکر ماسوی اللہ سے فارغ ہو، خدا کا شکر بجالاتا ہے یہاں تک کہ عصر کا وقت آجائے۔ اور دل فارغ نہ ہو تو فراغ دلی کی کوشش کرے۔ کیونکہ فراغ دلی بھی عین ذکر ہے۔ نماز فرض مسجد میں ادا کی جائے اور نماز نفل گھر میں۔ کہ دین کی سلامتی اور خاطر جمعی اس میں ہے۔ خیر، جب عصر کا وقت آجائے مرید چار رکعت سنت ادا کرے۔ بعد اس کے چار رکعت فرض پڑھے۔ ذکر و فکر میں مشغول ہو۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جائے۔ عصر و مغرب کے درمیان میں دنیاوی کام نہ کرنا۔ عبادت میں مشغول رہنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص آخر شب میں اٹھے اور طلوع آفتاب تک عبادت کرتا رہے۔ اور مرید کو چاہیے کہ نفس کے ساتھ محاسبہ کرے اور یہ کہے کہ ایک روز عمر تیری گزری، تجھ کو کیا حاصل ہوا۔ ایسا مبارک دن گزر گیا، تجھ کو کیا ملا؟ پھر نماز مغرب کی تیاری کرے۔ پہلے تین رکعت فرض بعدہ دو رکعت سنت پڑھے۔ اس کے بعد میں رکعت صلوٰۃ اوابین ادا کرے۔ اگر ممکن ہو تو بیسویں رکعت پڑھا کرے، ورنہ جس قدر ہو سکے مقرر کرے تَتَجَاوَىٰ الْجُنُوبُ عَنْ الْمَصْنَجِيعِ (ان کے پہلو بستر سے لگے رہتے ہیں) کے مصداق وہی لوگ ہیں جو درمیان مغرب و عشاء یا دُحًّٰق میں رہتے ہیں۔ اور اس وقت کو زندہ رکھتے ہیں۔ اور جب عشاء کی نماز کا وقت آئے چار رکعت سنت پھر چار رکعت فرض ادا کرے۔ اور دو رکعت سنت پڑھے۔ وتر کو آخر شب کے لیے اٹھائے کھے اگر اٹھ جانے پر قادر ہو اور جاگنے کا اعتماد ہو۔ اور سمجھتا ہو کہ نیند ضرور ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر

خوف سونے کا ہو تو عشاء کے ساتھ ساتھ وتر پڑھ لے۔ اس طرح پر عمل درآمد جو شخص کرے گا وہ غافل نہ سمجھا جائے گا۔ اور خاصروں میں اس کا شمار نہ ہوگا۔ بلکہ اُس کو حاضر باش سمجھیں گے۔ بعد عشاء قرآن شریف کی ان سورتوں کو پڑھے جن کا ذکر قوت القلوب میں ہے۔ اور اگر اس کو ان سورتوں کا نام معلوم نہیں ہے، یا وہ سورتیں یاد نہیں ہیں تو ڈھائی سو مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ لیا کرے ہزار آیت اس حساب سے ہوتی ہے۔ بعد اس کے ذکر و طہارت کے ساتھ سورہ ہے۔ مگر جب تک نیند کا غلبہ نہ ہو سونے کا قصد نہ کرے۔ اور رات رہتے صبح ہونے کے قبل بیدار ہو جائے۔ آخر حصہ رات کا استغفار کے لیے نہایت موزوں ہے۔ اور سب وقتوں سے رات کے افضل ہے۔ اور اگر مرید آخر شب میں نماز تہجد پڑھا کرے تو اور بہتر ہے۔ کیونکہ اس نماز میں معنی استغفار اور معنی تلاوت قرآن دونوں موجود ہیں۔ اس طرح پر جو شخص عمل کرے گا اور ثابت قدم رہے گا تو امید قوی ہے کہ برکت سے اُس کے باطن کی راہ یعنی طریقت کی راہ اس پر کھل جائے گی۔ اور مرید کو چاہیے کہ طریقت کی راہ شریعت کی موافقت میں چلے۔ اور جس شخص کو ایسا دیکھو کہ مدعی طریقت ہو کر شریعت کے موافق نہیں چلتا تو سمجھ لو کہ اس کو طریقت سے کچھ حاصل نہیں ہونے والا ہے۔ اس لیے اسفل السافلین میں جا کر رہے گا کہ اوپر آنا اس کا دشوار ہے۔ یہ مذہب تو محدودوں کا ہے کہ طریقت کا قیام بغیر شریعت کے وہ جائز رکھتے ہیں کہتے ہیں کہ جب حقیقت منکشف ہو جاتی ہے تو شریعت کی پابندی باقی نہیں رہتی۔ ایسے اعتقاد پر خدا کی پشیمانی سنو! ظاہر اگر باطن کے مطابق نہیں ہے تو یہ نفاق کی علامت ہے۔ یعنی ظاہر میں زہد و تقویٰ اور باطن میں دنیا طلبی و ریاکاری۔ اور باطن آراستہ ہو ظاہر خلاوت حکم شریعت ہو یہ زندیقیت کی نشانی ہے۔ اگر شریعت پر عمل ہے اور باطن طریقت سے بے بہرہ ہے ایسا شخص نقصان دہ و تباہ کن ہے۔ اور باطن کی درستگی چاہنا بغیر عمل ظاہر کے ہو بے جا کرنا ہے۔ ظاہر باطن کے ساتھ اس طرح شیر و شکر ہے کہ اس کو کوئی شخص جدا نہیں کر سکتا۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ حقیقت ہے نماز رسول اللہ ﷺ ایت۔ بصورت ایمان جس کو قائم رکھنا ہے وہ ایک جملہ کو دوسرے

جملہ سے علیحدہ کر کے مومن باقی نہیں رہ سکتا۔ ایسی خواہش اس کی بالکل باطل اور بے حاصل ہوگی۔
 برادرِ غریب، خلاصہ یہ ہے کہ طالبِ مرید کو چاہیے کہ اس میں تم ہو یا کوئی دوسرا ہو، روزِ بروزِ منت
 کی درستگی اور دل کی صداقت سے راہِ طریقت کی منزلوں کو طے کرتا جائے۔ بہت عالی رکھے
 سیرت اتنی پسندیدہ ہو جائے کہ مصفاً نظر آئے بخلت ایسی حسین دکھائی دے کہ مجلاً معلوم
 ہو۔ اربابِ سعادت اور بزرگانِ دین کی صحبت سے اپنے اخلاق کو درست کرے اور اس پر
 یقین رکھے کہ دارِ مدار اس کام کا ارادت دریاضت پر ہے۔ ارادت کی حقیقت یہ ہے کہ
 تھوڑا یا بہت جو کچھ پیر کا حکم و اشارہ ہو۔ اس کی مخالفت نہ کرے۔ اس لیے کہ پیر کے حکم کی
 بجا آوری برکات کا سبب ہے۔ اور ریاضت کی راہ یہ ہے کہ نفس کی مخالفت پر کمر بستہ
 ہو جائے۔ کیونکہ نفس امارہ کی موافقت سے ساری آفتیں برپا ہوتی ہیں۔ اور فرائض کا جس
 طرح حکم دیا گیا ہے اسی طرح اس پر عمل کرے۔ اور عادت پرستی چھوڑ دے۔ عبادت کو عبادت
 کی طرح انجام دے۔ تعلقاتِ دنیاوی کو دل سے نکال پھینکے۔ جو اس ظاہر و باطن کی طرح حقیقت
 کرتا رہے۔ کھانا کم کھائے، پانی کم پیے۔ کم سویا کرے۔ یہ سب ریاضت میں داخل ہے۔ ہرگز ہرگز
 ابتداءے ریاضت و مشاغل میں کوئی مرید کسی مقام کا طالب نہ ہو اور اس کو نہ دیکھے کہ کشف
 و کرامت ہم سے کیوں سرزد نہیں ہوتی، اور فلاں فلاں مقصد میں جو مشکلات واقع ہیں وہ کیوں
 حل نہیں ہوتیں۔ یا یہ نہ سمجھے کہ ہم کو یہ حاصل ہوا، وہ حاصل ہوا، بلکہ ہر حال میں پیرِ شفیق کی طرف
 رجوع کرے، اور اپنے خیالاتِ فاسد کو کنارے کر دیا کرے۔ جب مرید سلوک میں ثابت قدم
 اور صاحبِ استقامت ہو جاتا ہے تو ایسے شخص سے امید ہوتی ہے کہ مقامِ وصول و تکمیل
 تک پہنچے گا۔ قاعدے کی بات ہے کہ درخت کی پرورش جب باقاعدہ ہوتی ہے تو پھل بھی چھا
 ہوتا ہے۔ اگر درخت پر آفتاب کا سایہ نہ ہو اور تربیت اس کی پوری نہ کی جائے۔ ظاہر ہے کہ
 درخت کی کیا حالت ہوگی۔ اسی طرح اگر مرید پر پیر کی شفقت نہ رہے اور عمل اس کا درست
 نہ ہو تو اس کو ریاضت کا کیا پھل ملے گا۔ بہر حال یہ باتیں قاعدہ و ضابطہ اور اصول کی بھیتیں۔

اب ایک ایسی بات بھی سنو جس کے سننے سے تمام ناامیدی پر پانی پھر جائے۔ وہ بات یہ ہے کہ طالب جہاں تک ہو کام کیے جائے۔ طالب کو بہت ایسی خرابی کا سامنا ہے۔ اس لیے اعضا و جوارح آلودہ مصیبت ہیں۔ خیر ہیں تو ہوا کریں۔ اس سے تم اپنی راہ کھوٹی کیوں کرتے ہو؟ چلے چلو۔ ہے ہے: اس راز کو تم نہیں جانتے ہو۔ جوارح کی صفت اگر فسق و فجور ہے تو دل کی صفت ایمان و ایقان۔ وہاں دل سے کام ہے، جوارح نظر انداز۔ وہاں دل کا اعتبار ہے جوارح بے کار، وہاں دل منظور نظر ہے جوارح مجبور و بے خبر۔ وہاں جو کچھ ہے دل ہے۔ جوارح کچھ نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰی صُوْرِكُمْ وَاَلَا اِلٰی اَعْمَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِكُمْ وَبَنِيَّاتِكُمْ وَاللّٰهُ تَعَالٰی تمہاری صورتیں اور تمہارے کاموں کو نہیں دیکھتا وہ تو تمہارے دلوں و بنیتوں کو دیکھتا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ طور سینا یعنی کوہ طور دنیا میں ایک ہی ہے۔ اور حضرت موسیٰ جنہوں نے اُرنی کہہ کر لن ترانی سنی تھی جہاں میں ایک ہی گڑے ہیں۔ نہیں برادر عزیز، اگر غور سے دیکھا جائے تو ہر قالب کوہ طور کا حکم رکھتا ہے۔ اور ہر دل اپنے وقت کا موسیٰ ہے۔ اور کیسا موسیٰ، جس پر اِنِّیْ اَنَا اللّٰہ کی ہر آن تجلی ہوا کرتی ہے۔ وہاں کے کاروبار کو تم اپنے کارخانے سے ملاتے ہو، اس سے اس کو کیا نسبت؟ ذرا انصاف سے کہنا، اور اس بات کو دیکھنا کہ اگر لاکھوں برس طاعت و عبادت کرتے رہو، وہ بھی کس جانفشانی اور کسی جگر گدازی سے کہ آنسو کا دریا جاری رہے، خون جگر آنکھوں سے ٹپکتا رہے، درد دل بیتاب کرتا رہے۔ مگر تم اپنی سچی طلب کے دھن میں ایسے جان توڑ مجاہدہ کو نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھو اور پہنچ سمجھو۔ اس معاملہ کے بعد تمہارا ذکر اس بارگاہ میں کہیں آجائے، قبولیت کی تو بات ہی دوسری ہے، اس کا کیا ذکر، ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ساری طاعت و عبادت کے بارے میں اگر اتنا بھی ادھر سے کہہ دیا جائے، یہ کس کام کی ہے؟ بالکل مجھے پسند نہیں، تو سمجھ لو کہ بڑی سے بڑی لبت تمہیں مل گئی اور وہ ریاضت شاقہ اب کام آگئی۔ اور وہ محنت خوب ٹھکانے لگی۔ اور بڑے سے بڑا بدلہ مل گیا۔ اس نقل سے شاید یہ عقدہ حل ہو جائے گا کہ ایک دفعہ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ

علیہ وسلم نے حضرت ابی کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مجھ کو حکیم خدا دے دیں ہو اسے کہ تمہیں قرآن شریف سناؤں، کیونکہ تمہارا پڑھنا مقبول بارگاہ ہو گیا ہے۔ حضرت ابی کعب یہ بشارت سن کر غایت خوشی میں بول اٹھے۔ اَوَذُکَوتُ ثُمَّ کیا مجھ ناچیر کا ذکر بھی وہاں ہوتا ہے۔

تاظن نہ بری کہ عاشق دے توام
من خاک کعب پے سگ کوئے توام

اس کا گمان بھی نہ کر دو کہ میں تمہارا عاشق ہوں۔ ارے، میں تو تمہاری گلی کے کتے کے پاؤں کی خاک ہوں۔ اور سنو، ایک دفعہ حضرت خواجہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ خاص رنگ میں تھے۔ کہیں اس آیت شریف کی آواز سمع مبارک تک پہنچی اِحْسَنُوا فَنُّهَا وَلَا تُكَلِّمُون (یہاں دور ہو جاؤ، خاموش رہو)۔ سات لاکھ برس کی چیخ چلا ہٹ کے بعد دوزخیوں پر یہ خاص جھڑکی ہو گئی کہ دور ہو جاؤ، چپ رہو۔ حضرت شبلیؒ نے سن کر اس سے خاص مزہ لیا۔ اور فرمایا۔ بڑی خوش خبری ہے ان کے لیے بلا سے اتنی طویل مدت تک عذاب سخت ہوتا رہا۔ اس معشوق حقیقی نے آخر ان کو دُرُ درایا تو سہی۔ وہ فرحت بخش آواز انہوں نے اپنے کانوں سے سن لی۔ وہ بے واسطہ خطاب ان پر ہو تو گیا حضرت شبلیؒ نے یہ تقاضاے عشق و محبت اس پر نظر نہ کی کہ کس درجہ سخت لب لہجہ میں جھڑکی ہوئی ہے، بلکہ صرف اس کو دیکھا کہ اگرچہ سخت سے سخت کہا گیا ہے، مگر کس نے کہا ہے اور کس ادا سے کہا ہے اور کہنے والا کیسا دل ربا، اور کون جان جان ہے

سبحان اللہ! بیت

کیے باما سخن گوی و پس آنگاہ
بکش گر کشت خواہی بادشاہ

دہم سے کوئی بات کرے۔ اس کے بعد اسے بادشاہ اگر تو چاہتا ہے تو قتل کر دے۔

مثنوی: رہبر تو اگر چہ یار بود
رسد آنجا کہ یاد یار بود

وصل را چوں پدید شد حال
سرد شد گفتگو سے دلالہ

اگر تیرا رہبر تیرا مددگار ہو، تو وہاں پہنچا دے گا جہاں سے دوست کی یاد شروع ہوتی ہے جب وصال کا سرد سامان درست ہو گیا تو بیچ میں کٹنی کی آمد و رفت سرد پڑ گئی۔ والسلام

انتیسواں مکتوب

طہارت کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے بھائی شمس الدین۔ خداے تعالیٰ کی رضا مندی طلب کرنے کی راہ میں تم مضبوطی سے قائم رہو۔ کاتبِ حروف یعنی اس فقیر دعا گو کی طرف سے سلام و دعا پہنچے۔ برادرِ عزیز تم اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ دونوں جہان میں آدمی کی قدر طہارت سے ہوتی ہے۔ ہر قسم کی دولت ہر طرح کی سعادت کا زینہ ہی طہارت دیا کی ہے۔ اور آلائش و آلودگی وہ بُری شے ہے کہ پیغمبروں، اور صدیقیوں کی راہ سے بہت دُور ہے۔ چنانچہ شریعت کا فتویٰ اسی پر ہے کہ بُنی الاسلام علی النظافۃ (بنائے اسلام ہی پاکی پر ہے) وہ کسی قسم کی آلودگی کو قبول نہیں کر سکتا۔ اور نہ جمال اپنا کسی آلودہ روزگار کو دکھا سکتا۔ کب کی بات ہے کہ اس آیت کی تہا رانہ سیاست نے جتنے جتنے آلودہ نجاست ہیں سمجھوں کو حلقہٴ اسلام سے باہر کر دیا ہے۔ لایمستہ الا المطہرون (پاک لوگوں کے سوا اس کا چھونا منع ہے) اور خاکِ مصیبت ہمارے سردوں پر ڈال دی ہے ہر کیفیت اس راہ کا دستور العمل یہ ہے کہ بدن کپڑا پاک صاف کھانا پانی حلال ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ تو اس خمسہ کا گناہ مصیبت و خلافِ شرع سے پاک و مصفا ہونا ضروری ہے پھر دل بھی اوصافِ ذمیمہ سے جیسے نجل ہے، حسد ہے، حقد، ان کے علاوہ جتنی بھی بُری صفات ہیں سمجھوں سے پاک و صاف ہونا لازمی ہے۔ خیر اجمالاً تین قسم کی طہارت ہوتی۔ تن، جامہ و لقمہ جب وہ صاف ہو گیا، تو مرید نے ایک قدم دین کی راہ طے کر لی۔ (۲) تو اس خمسہ جب خلافِ د معصیت سے پاک ہو گئے تو مرید نے دو قدم دین کی راہ طے کر لی۔ (۳) جب دل اوصافِ صمیمہ سے پاک ہو گیا، تو مرید نے تین قدم دین کی راہ طے کی۔ توبہ کی حقیقت یہاں پر کھلتی ہے۔ اور مرید

حقیقۃً اس مقام پر پہنچ کر تائب ہو جاتا ہے۔ اصطلاح تصوف میں گردش اسی کو کہتے ہیں۔ یعنی پلیدی اور آلودگی دور ہو گئی۔ پاکی ظاہر ہوئی۔ گویا سمجھنا چاہیے کہ مرید میکدہ تھا مسجد ہو گیا۔ بیتخانہ تھا صومعہ ہو گیا۔ دیو تھا آدمی ہو گیا۔ خاک تھا زہِ خالص ہو گیا۔ شبِ تاری تھا روزِ روشن ہو گیا۔ اب مرید کا کیا کہنا ہے۔ اس مقام میں پہنچ کر مرید کے آسمانِ دل پر آفتابِ ایمان طلوع ہوتا ہے، اور اسلام اپنا جمال دکھاتا ہے۔ دربارِ معرفت میں مرید کی رسائی ہوئی ہے۔ مگر بغیر ان طہارتوں کے جن کا ذکر اوپر گزرا مرید اگر قائمِ اللیل ہے تو ہوا کرے یا صائم الدہر ہے تو ہوا کرے، یا عابد و زاہدِ دقت ہے تو ہوا کرے۔ سارا عمل رسم و عادات، یا ماں باپ کی تقلید پر محمول ہو گا۔ اسلام یعنی ایمان حقیقی کی شان ہی کچھ اور ہے۔ یہ جو باتیں لکھی گئیں ذرا غور طلب ہیں۔ اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے اور بار بار دیکھنے کی حاجت ہے۔ کیونکہ یہاں پر ایک شبہ یہ بھی واقع ہوتا ہے۔ آخر اتنے لاکھ آدمی جو ایمان و اسلام کے مدعی ہیں اور طہارت کے درجہ سے گرے ہوئے ہیں۔ کیا یہ مسلمان نہیں ہیں؟ یا ان کو مسلمان ہی کہنا نہ چاہیے؟ جواب۔ خبردار، کبھی زبان پر نہ لانا کہ مسلمان نہیں ہیں۔ بلکہ حکمِ ظاہرِ شریعت سب مسلمان ہیں۔ اور اعتقاد کا مسئلہ بھی یہی ہے۔ ہاں، جہاں پر راہ کی بات کا بیان ہو گا تو صاف صاف کہنا ہی پڑے گا۔ اس عالم کے احکام ہی کچھ اور ہیں۔ کیونکہ یہ عالم باطن ہے جس طرح علم کی دو قسمیں ہیں دہی اور کسی۔ اسی طرح طہارت دپا کی کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) خود بخود دل میں ایسی بات پیدا ہو کہ جو ارح اور جو اس خمسہ طہارت سے آراستہ ہو جائے۔ اس کو فضلِ محض اور کفایت کہتے ہیں۔ خواص اس کے لیے مخصوص ہیں۔ (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ مجاہدہ و ریاضت کے لیے جامہ و بدن کی طہارت سے شروع کرتے ہیں اور پھر دل کو انوار کی منزل تک پہنچا دیتے ہیں۔ صرف پڑھ لینے اور جان لینے سے تو کوئی بات حاصل نہیں ہوتی۔ عملِ صالح، عبادت و ریاضت کرنا ہی پڑتا ہے۔ برادرِ عزیز! تم کو لازم ہے کہ راہِ طہارت میں ثابت قدم ہو جاؤ۔ اور بقدرِ وسع و طاقت اپنے دین و دقت تجدید و ضو کی عادت کر لو۔

ایک بعد طلوع آفتاب دوسرے بعد نماز عصر تیسرے بعد نماز عشا۔ اور شب جمعہ کو رات بھر اس طرح جاگتے رہو کہ بعد نماز عشا تجدید وضو کرو۔ پھر دو گنا ادا کرو۔ نماز تسبیح پڑھ لو، پھر متواتر وضو کرو۔ دس مرتبہ یا پندرہ مرتبہ یا بیس مرتبہ۔ سبحان اللہ اگر بیس بار ہو تو کیا بات ہے۔ نہیں تو جس قدر ممکن ہو۔ ہر وضو کے بعد دو گنا ضروری ہے۔ جن دعاؤں کے بارے میں لکھا ہے مریدان کو پڑھے۔ جب مقوڑی رات باقی رہے غسل کرے۔ اس کام کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے۔ یہ عمل کوئی معمولی عمل نہیں۔ انشاء اللہ یہ عمل کرو گے تو خداوند کریم طرح طرح کی پاکیزگیوں سے تمہیں آراستہ کرے گا۔ اور ظاہر و باطن کی آلائش کو دور کر دے گا۔ ایک بات اور ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہر حال میں سمجھتے رہو کہ حق تعالیٰ دانا بینا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نام رقیب بھی ہے۔ جب بندہ اُس کی صفت سے واقف ہو جاتا ہے تو اس میں شرم پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ ایسا کام کرنا نہیں چاہتا جو اللہ کو ناپسند ہو۔ کیونکہ ہر ارادے میں کوئی کام کیوں نہ کیا جائے اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ ایک بزرگ سے سوال ہوا کہ اس کی دلیل اور اس کی نشانی کیا ہے کہ آپ کو معرفت الہی حاصل ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جب کبھی خراب قسم کا اندیشہ دل میں پیدا ہوتا ہے تو اندرون دل سے یہ آواز آتی ہے کہ تجھے خدا سے شرم نہیں آتی۔ اور بعض آسمانی کتاب میں یوں آیا ہے ”اے میرے بندے تو نے لباس حیا پہن لیا ہے۔ جتنے عیوب تجھ میں ہیں، سمجھو کہ خلق اللہ سے چھپاؤں گا۔ اور جس جس مقام میں تجھ سے گناہ سرزد ہوئے ہیں وہاں کے باشندوں کے دل سے میں نے اس کو بھلا دیا۔ غرض اس سے یہ ہے کہ قیامت میں تیرے گناہوں پر گواہی نہ گزرے۔ اور لوح محفوظ سے بھی تیری بُرائیاں دھو دی گئیں۔ تاکہ حشر کے دن نہایت آسانی کے ساتھ تیرے حساب کتاب میں اختتام کروں تاکہ تجھ پر جواب دینا سہل ہو۔ لقل ہے کہ جب مومن گنہگار پل صراط سے گزرے گا اور پاؤں اُس کا لڑکھڑائے گا، خدائے برتر کی طرف سے ایک دالانامہ پہنچے گا۔ اس میں

لکھا ہوگا کہ جو کچھ تو نے کیا وہ کیا اور جو کچھ تجھ سے ہوا وہ ہوا، میرے کرم نے روا نہیں رکھی کہ اس وقت ان کی پردہ دری کی جائے۔ جا جا میں نے تجھ کو اپنے فضل سے بخش دیا۔ بیت
 یک نظر از دوست صد ہزار سعادت غنیمت و وقت اتم کے آن نظر آید
 دوست کی ایک نظر میں ہزاروں سعادتیں بھری ہوئی ہیں۔ میں اُس وقت کا منتظر ہوں کہ وہ کب آتا ہے۔ والسلام۔

تیسواں مکتوب

طہارت کے بیان میں (بہ عبارت دیگر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے میرے عزیز بھائی شمس الدین۔ اللہ تعالیٰ تم کو دونوں جہان میں شرف و بزرگی بخشے تمہیں معلوم ہو کہ طہارت کی دو قسمیں ہیں، ظاہری اور باطنی۔ جس طرح طہارت جسمانی کے بغیر نماز درست نہیں، اسی طرح طہارت دل کے بغیر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ جس طرح بدنی طہارت کے لیے پاک پانی چاہیے، دل کی طہارت کے لیے پاک توحید کی ضرورت ہے۔ نہ کہ ملوث کی۔ اکل حلال، صدق مقال، جملہ حواس کا معصیت و خلاف سے پاک ہونا اور دل کا اوصاف ذمیرہ بغض و حسد، حق دیکھنا وغیرہ سے پاک رہنا۔ اسی لیے بزرگوں نے کہا ہے

توحید نہ کار آب و خاک بہت کان در دل صاف جان پاک بہت

(مقام توحید حاصل کرنا آب و خاک کا کام نہیں۔ اس کی جگہ توصات دل اور پاک جان

میں ہے)۔ اس گروہ کے لوگ یعنی مشائخ کرام ہمیشہ جس طرح جامہ و تن کو ظاہری نجاست سے

پاک رکھتے ہیں اسی طرح اپنے دل کو صفات مذمومہ سے پاک رکھ کر توحید سے آراستہ کرتے

ہیں۔ اس لیے اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّوَابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ (اللہ توبہ کرنے والوں اور

پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے)۔ کی نعمت اُن ہی کے لیے ہے۔ اور حضرت رسالت صلی اللہ

علیہ وآلہ وصحبہ وسلم اپنی دعاؤں میں جو فرمایا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِي مِنَ النِّفَاقِ (اے اللہ میرے دل کو نفاق سے پاک کر) اشارہ اسی طہارت باطنی کی طرف ہے۔ کیونکہ یہ متیقن ہے کہ آپ کے دل مبارک میں نفاق کا نقشہ نہیں جم سکتا تھا، مگر وہ نظر جو کرامات درجات پر اپنے پڑ جاتی تھی۔ مقام توحید میں گویا غیر کا وجود دیکھتی تھی، اس دعا کا باعث یہی ہوتا تھا۔ چنانچہ مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اگر ابتدا میں کرامات کو مریدوں کی آنکھوں کا سرمہ بنایا تو منتہائے کمال میں وہی کرامات مکرّمہ اللہ تعالیٰ سے ایک حجاب نظر آتی ہے۔ اسی مقام کی باتیں ہیں جو خواجہ بایزید قدس سرہ الغری نے فرمایا۔ اِنْفَاقُ الْعَارِفِينَ اَفْضَلُ مِنْ اَخْلَاصِ الْمُرِيدِينَ (عارفوں کا نفاق مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہے)۔ کیونکہ مرید کے لیے جو ترقی مقام کا درجہ ہے وہ کامل کے لیے حجاب ہے۔ مرید کی ہمت کا یہ تقاضہ کہ کرامات حاصل ہونا چاہیے۔ اور کامل کی ہمت اس کی مقتضی کہ مکرم ملنا چاہیے۔ کیا خوب قرآن مجید نے خبر دی ہے۔ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا (یعنی وہ دودھ جو تمھاری غذا ہے اگرچہ نجاست اور خون کے درمیان ہے، مگر دونوں کے لوث سے ہم اُس کو بچا لے رکھتے ہیں۔ گویا اس معنی کی طرف اشارہ ہے کہ وہ توحید جسے ہم پسند کرتے ہیں نہ دنیا سے لوث ہو نہ آخرت سے۔ ہر طرح پاک و صاف لے کر ہماری درگاہ تک آؤ۔ اس وقت البتہ مقبول ہو سکتے ہو۔ جس نے کہا خوب کہا ہے۔

نے در غم دوزخ و بہشت اند این طالعہ را چنین سرشت اند

(ان کو دوزخ و بہشت کی فکر نہیں ہے۔ اس گروہ کے خمیر ہی میں یہ بات ڈال دی گئی ہے)۔ اور بات بھی یہی ہے۔ مقربان بارگاہ کا ایک خطرہ یا غیر کی جانب ان کی ایک نظر برابر ہے۔ ساتھ اس زد گردانی کے جو دور رہنے والوں میں لاکھوں برس سے پیدا ہو گئی ہو۔ مثال اس کی دنیاوی بادشاہوں کے یہاں دیکھو کہ چرواہے اور دربان وغیرہ لاکھوں یہودہ باتیں بولتے اور غیردوں کی صحبت رکھتے ہیں مگر انھیں کوئی برا نہیں کہتا۔ اگر

کوئی مصاحب یا ہم نشین جو مقرب بارگاہ ہے ذرا بھی اس نظر سے غیر کو دیکھے یا غیر کے ساتھ صحبت رکھے تو ساری بُرائیاں اس کے سر آئیں گی۔ سنو، مقام طہارت بغیر کثیر مجاہدہ کے مرید کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور بہترین قسم کا مجاہدہ طہارت ظاہر کے آداب کی نگہداشت ہے۔ ہر حال میں بقدر وسعت ثابت قدم رہنا ہے۔ اس لیے کہ ظاہر کو باطن سے خاص لگاؤ ہے۔ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نقل ہے۔ آپ کہا کرتے تھے، ہم اللہ تعالیٰ سے دنیا میں عمر ابدی چاہتے ہیں تاکہ اہل بہشت نعمت بہشت میں مشغول رہیں اور ہم بلائے دنیا میں گرفتار رہ کر حفظ آداب شریعت پر قائم رہیں۔ یہ بزرگ بغداد کی مسجد جامع میں گوشہ نشین ہو گئے۔ جب آپ کا وصال ہوا، ایک دن رات میں ساٹھ غسل فرمائے۔ یہاں تک کہ وفات آپ کی غسل ہی کے وقت ہوئی۔ اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی نقل ہے کہ مرض الموت میں آپ نے ساٹھ بار غسل کیے۔ یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ اور خواجہ ابوزید قدس اللہ سرہ الغریز کی نقل ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب دنیا کا اندیشہ ہمارے دل پر گزرتا ہے تو ہم وضو کرتے ہیں۔ اور جب اندیشہ عقبی کا آتا ہے تو غسل کرتے ہیں۔ اس لیے کہ دنیا محدث ہے اس کا اندیشہ حدث کے درجے میں ہے۔ حدث کے بعد وضو کرنا واجب ہے۔ اور عقبی شہوت کا محل ہے۔ وہ جنابت کا درجہ ہے اس لیے غسل واجب ہے۔ خلاصہ یہ کہ مشائخ رحمہم اللہ نے طہارت ظاہر و باطن کی مداومت پر تاکید فرمائی ہے اور بے حد اصرار کیا ہے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ طہارت سب کاموں کی جڑ ہے۔ طریقت کا منشا یہ ہے کہ دل آئینہ کی طرح مصفا اور منور ہو جائے، تاکہ اس میں عالم خلق اور عالم ارواح کا عکس نظر آنے لگے۔ اور صاحب طریقت زمرہ عوام سے نکل کر خواص کی صفات سے آراستہ ہو۔ لیکن ہم جیسے ملوث کہ دنیا کے بندے اور عادت کے پابند اور غفلت کی راہ کے زنا دار ہیں سوائے غفلت پرستی کے کوئی کام نہیں کرتے اور آتش پرستوں کی طرح محض غافل کے شمار میں ہیں۔ مردان دین کی راہ نہیں چلتے اور توحید کے دعوے کرتے ہیں۔ یہ حالت

بے باکی اور نابینائی کے سبب ہے۔ ہمارا تو حال یہ ہے کہ یہود و ترسا کے کلیسا و بت خانہ کو ہم سے عار ہے۔ دوسری بات یہ سنو کہ توحید ہر موجد کی توحید کو کہتے ہیں۔ مگر ایک شخص کی توحید سے دوسرے شخص کی توحید کو اتنا فرق ہے جیسے فرش سے عرش کو۔ اس کی وضاحت یوں سمجھو کہ ایک شخص صرف اتنا جانتا ہے کہ وضو اور نماز میں اتنے فرائض ہیں۔ اس کو بھی علم کہیں گے۔ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے علم کو بھی علم ہی کہیں گے۔ لیکن دونوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ اب اگر یہ سوال پیدا ہو کہ ایسا کیوں ہوا؟ ایک شخص ایسا علامہ اور دوسرا اس قدر کم علم؟ جو اب یہ ہے کہ ذٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ (یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے)۔ کسی کی مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں یوں کہے کہ ایک شخص کو ایسی عزت تو نے کیوں دی؟ دوسرے کو محروم کیوں رکھا؟ جب بادشاہ دنیا کو یہ اختیار حاصل ہے کہ ایک کو وزیر ایک کو دربان اور ایک کو چرواہا بنائے تو وہ مالک دو جہان جس کو چاہے دین کی دولت عطا کرے۔ وہ چاہے تو جلاہوں، خاک ردہوں، کنجڑوں، ظالموں اور حرام خوردوں کی جماعت سے کسی کو قبول کرے۔ یہ کہنے کی کس کو طاقت، کس کو یارا کہ ایسا کیوں کیا؟ اَهُؤْ لَا اِيَّاهُ مِنَ اللَّهِ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا۔ (کیا ہمارے درمیان ان لوگوں پر اللہ نے یہ سب احسان کیا ہے؟)۔ وہاں تو یہ رنگ ہے کہ فضیل بن عیاضؒ اگرچہ راہزن ہیں، حکم ہوتا ہے کہ اس کو لاؤ یہ میرا مقبول بندہ ہے۔ اور بلعم باعور جس نے چار سو سال تک ریاضت و مجاہدہ کیا اور سجادہ نشین رہا ہے حکم ہوا کہ اس کو دور کر دو کہ راندہ درگاہ ہے۔ غم نے اگرچہ بت پرستی کا شیوہ اختیار کیا، مگر ہم اس کو چاہتے ہیں۔ غرازیل اگرچہ سات لاکھ برس تک عبادت کر چکا ہے ہم اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ وہ مردود بارگاہ ہے۔ اس میں کسی کو مجال چون و چرا نہیں۔ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ (وہ جو کرتا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس کا سبب پوچھے)۔ بیت

گرگ از رمر برد آنچه مراد دل او بود گو باد یہ پیاسے ہمی مرد شبان را
 (بیمار نے جس کو چاہا گلہ سے اٹھا کر لے گیا۔ اب چر دے سے کہو جنگل جنگل پھر تار ہے)۔

یہ دیکھتے اور جانتے رہو، یاد ہو اس کے سو گونہ بہتری کی امید رکھو۔ اگر وہ لطف کی ایک نظر ڈال دے تو میرے سب عیب ہنر ہو جائیں۔ اور سب نقصان کمال کا رنگ اختیار کر لیں۔ میری بد صورتی جمال بن کر چمک اٹھے۔ بھائی، تم نہیں دیکھتے کہ ایک مُشتِ خاک جو ہمہ تن ذلیل و خوار اور بے حد پامال راہ میں پڑی تھی دفعۃً اُس کی طرف لطف و کرم کی آنکھیں کھلیں ارشاد ہوا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاٰمْرِ مِنْ خَلِیْفَۃً (میں زمین پر اپنا نائب بنانا چاہتا ہوں)۔ دیکھو کیا سے کیا ہوا؟ جب تک اس دنیا میں دردِ بلا کی کڑیاں بھیلے رہو، غم و اندوہ کی سختیاں اٹھایا کرو۔ یہ کوئی سرسری باتیں نہیں۔ ان میں بہتیرے اسرار پوشیدہ ہیں۔ بزرگوں نے کہا ہے اگر یہ درد، یہ بلا، یہ غم اور یہ محبت نہ ہوتی تو نعمتِ بہشتی کی کسی کو خاک بھی لذت نہ ملتی۔ دیکھو، حضرت آدم علیہ السلام جس وقت بے مشقت بہشت میں گئے انھیں کچھ لذت نہ ملی۔ جب وہ دن آئیں گے کہ تختِ فردوسی پر تم بیٹھو گے، اور راہِ طلب کا ایک ایک کانٹا اپنے پاؤں سے نکالو گے تو اس وقت تم کو اس بات کی حسرت ہوگی اور تم کہو گے کہ افسوس صد افسوس! یہی کانٹا جو میرے پاؤں میں چبھا تھا کاش میری رگ جان میں پیوست ہو جاتا کہ ہزار گونہ لذت زیادہ حاصل ہوتی۔ کیونکہ اس راہ کے چلنے والوں کو لذت اسی وقت حاصل ہوگی جب اُن کا مقصود ان کو مل کے رہے گا۔ اُس وقت یہ بات صادق آئے گی کہ مرید مراد تک پہنچا، قطرہ دریا سے جامِ مرغِ آشیانہ تک پہنچ گیا۔ سب دین اٹھ گیا۔ کام کی انتہا یہاں تک پہنچی۔ اَلْعَبْدُ وَالرَّبُّ وَالرَّبُّ وَالْعَبْدُ (بندہ اور خدا، خدا اور بندہ رہ گیا)۔ والسلام



الکتب سوائل مکتوب

نیت کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے بھائی شمس الدین۔ لکھتے والے کی طرف سے سلام و دعا کے بعد مطالعہ کرو۔ اس بات کا تم یقین کامل کر لو کہ مرید کے افعال، مرید کے اعمال کی قدر نیت کی درستی سے ہوتی ہے۔ نیت کا درجہ اعمال و افعال کے لیے ایسا ہے جیسے جان قالب کے واسطے ضروری ہے۔ اور نور آنکھ کی بینائی کے لیے لابی ہے۔ جو قالب کہ بے جان ہو، یا جو آنکھ کہ بے نور ہو ظاہر ہے کہ وہ کس شمار میں ہے۔ اسی طرح اعمال و افعال مرید کے ہیں۔ اگر نیت کی درستگی ان میں نہیں ہے تو وہ رسم و عادات میں داخل ہیں۔ رسم و عادات اہل بصیرت کے نزدیک بے دینی کا شعبہ اور ایک قسم کی گبریت ہے۔ اسلام سے اس کو سروکار نہیں۔ تباہ و برباد ہونے کی صورت ہے۔ نجات سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔ جانتے ہو، صدق نیت کی کلی کہاں سے ظاہر ہوتی ہے؟ اخلاص کی شلخ سے پھوٹی ہے۔ جس طمع شعاع آفتاب سے اور ضو آگ سے نمایاں ہوتی ہے۔ نیت جب دنیا کے لگاؤ سے پاک ہو جاتی ہے، تو اس گروہ کے لوگ یعنی اہل تصوف اس کو اخلاص زاہدانہ کہتے ہیں۔ اور جب آخرت کے لگاؤ سے پاک ہو جاتی ہے تو اس کو اخلاص عارفانہ کہتے ہیں۔ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ جس شخص میں جتنا علم ہوگا اور جیسی اس کی معرفت ہوگی نیت کی درستگی اسی مرتبہ میں ہوگی۔ چند مثالوں سے اس کو سمجھ سکتے ہو۔ (۱) ایک شخص ہے کہ دل میں اس کے خواہشات و محبت دنیا غالب ہے۔ اس صورت میں جو فعل جو عمل اس سے صادر ہوگا دنیاوی ہوگا۔ کچھ نہ کچھ اس میں ضرور دنیاوی غم و پوشیدہ رہے گی۔ ہر چند نماز کیوں نہ پڑھے، روزہ کیوں نہ رکھے۔

مَنْكُم مِّنْ يُّوَدِّ الدُّنْيَا (تم میں سے جو لوگ دنیا چاہتے ہیں) ایسے ہی لوگوں کے لیے کلنگ کا

نیکہ ہے۔ ایسی عبادت و ریاضت کا پھل خسارت و حرمان کے سوا کچھ نہیں۔ (۲) دوسرا شخص ہے کہ اُس کے دل میں چاہ اور محبت آخرت کی غالب ہے۔ اس صورت میں جو عمل جو فعل اس سے وجود میں آئے گا اُخروی ہوگا۔ درستگی نیت کے باعث اس کا کھانا پینا اُس کا سونا بیٹھنا بھی عبادت سے خالی نہ ہوگا۔ بہشت اس کے لیے آرام گاہ ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَ لَهُمْ جَنَّتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا (جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اچھے کام کیے اُن کی منزل جنت الفردوس ہے)۔ اُنہی کی شان میں ہے جیسا اس مستند فرمان سے ظاہر ہے۔ (۳) پھر ایک تیسری جماعت کے لوگ ہیں جن کا نام سلطانِ مہت ہے۔ نہ دنیا میں ان کا قدم جمتا ہے نہ آخرت میں اُن کا سر اُٹھتا ہے۔ حضرت حق کے سوا مقصود و مطلوب و مقصود ہی دوسرا نہیں رکھتے۔ اُن کی یہ شان ہے کہ بیت :-

ما را بجز این جهان جہانے دگر بہت جز دوزخ و فردوس مکانے دگر بہت

(ہمارے لیے اس جہان کو پھوڑ کر ایک دوسرا ہی جہان ہے۔ دوزخ و بہشت کے سوا دوسرا ہی مکان ہے)۔ پس جو عمل اور فعل کہ ان سے وجود میں آئے گا خالصاً بوجہ اللہ ہوگا۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ۔ (میں تجھی کو پوجتا ہوں اور تجھی سے مدد چاہتا ہوں)۔ اصل معنی میں اسی قوم کا نماز پڑھنا درست ہے۔ اور اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَاِیْ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (میری نماز اور قربانیاں اور میرا مرنا اور جینا پروردگارِ عالم ہی کے لیے ہے) اسی گروہ کے لیے حقیقی معنی میں مسلم ہے۔ دیکھو قرآن شریف ان کے لیے کیا جلوہ ریزی کرتا ہے۔ دَیْرُبُنْدُ وَ جَمَّہُ (اور وہ اسی کا مشاہدہ چاہتے ہیں)۔ سمجھ لو کہ ان کے لیے اگر ثواب ہے تو لقاءِ باری تعالیٰ ہے۔ اور ان کا اجر اَنْتُمْ اَوْلِیَاۤیَ حَقًّا۔ (تم ہمارے سچے دوست ہو) کے سوا دوسرا نہیں۔ ان کو جو کچھ ملتا ہے یہاں ملتا ہے۔ کیا اس کو انسان کی عقل و فہم کا پیمانہ ناپ سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ یہ لوگ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ (اللہ جس کو جس قدر چاہتا ہے روزی دیتا ہے) کا طغرائے شاہی رکھتے ہیں۔ اور یہ سند ان کے ہاتھ میں مل چکی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص اسی نیت کے تراذ میں تو لاجاتا ہے اور تو لاجائے گا۔ جان لو کہ نیت کا سرچشمہ اخلاص کے دریا سے ہے اور اسی سرزمین میں اس کی پیدائش ہے۔ اسی لیے اس حدیث کی جبروتیت نے کہ **إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُورِكُمْ وَلَا إِلَى أَعْمَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَنِيَّاتِكُمْ**۔ (اللہ تمہاری صورتوں اور کاموں کو نہیں دیکھتا۔ مگر تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے) دوسرے کے جگر کو کباب کر دیا ہے۔ اور اس حدیث کی ہیبت سیاست نے **وَيُخْشِرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى نِيَّاتِهِمْ** (قیامت کے دن لوگوں کا حشر ان کی نیتوں پر ہوگا) صد لقیوں کے خون کو پانی کر دیا ہے۔ ہم کو تم کو کوئی خبر نہیں، کل قیامت کے دن جہان دا لے اس قدر جینیں ماریں گے جو کسی کے دہم میں بھی نہیں آسکتی۔ ع

فردات کند خمار کا مشب مستی

(یعنی آج رات میں تو شراب کی مستی ہے، کل جب خمار ٹوٹے گا تو معلوم ہو جائے گا)۔ جب سامنے سے پردہ اٹھ جائے گا تو ظاہر ہو جائے گا کس نے کیا رکھا ہے۔ شرک یا توحید کفر یا اسلام جیسا کہ کہا جائے۔ شعر

سَوِّفَ تَرَىٰ إِذَا تَجَلَّىٰ الْغُبَارُ أَتَحْتَكُ فَرَسٌ أَمْ حِمَارٌ

(یعنی غبار چھٹ جانے پر بہت جلد نظر آجائے گا کہ تیری ران کے نیچے گھوڑا ہے یا گدھا)۔ مرید کو دن رات اسی کی فکر ہونی چاہیے کہ رسم و عادت کو کس طرح پھوڑے تاکہ نیت درست ہو جائے۔ اور اُس کے اعمال و افعال رسم و عادت سے اُس وقت جدا ہوں گے جب کسی شیخ کے جوتوں کی خدمت کرے گا۔ اور جو کچھ بھی کرے کسی بزرگ کے حکم سے کرے۔ یعنی ایسی صورت میں اگرچہ اُس کے کام مکر و نفاق اور عادت سے ملے ہوئے ہوں مگر چونکہ ایک بزرگ کے فرمان کے اندر ہے اس لیے اس کا انجام خلوص ہی ہوگا۔ اور یہ ایک مثال سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ جب بچہ تختی لکھتا ہے تو پہلے اچھے حروف نہیں ہوتے۔ مگر چونکہ ایک استاد اُس کو برابر بتاتا ہے اس لیے وہ خراب حروف لکھنے سے اچھے حروف لکھنے تک پہنچا دیتا ہے۔

اور یہ مشاہدہ ہے۔ اور اگر بُرا لکھتا نہ چاہے اور صند کرے کہ ہم تو اُسی وقت قلم ہاتھ میں لیں گے جب ابن مقلہ کی طرح لکھنے لگیں۔ تو یہ بالکل ناممکن ہے۔ اسی طرح دین کا کام ہے خدا تک پہنچنا اور آخرت کی نیک بختی حاصل کرنا بغیر کسی فرق کے۔ اور ایسا ہی لوگوں نے کہا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ میں عبادت نہیں کر سکتا جب تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا صدق بچہ میں نہ آجائے۔ یہ ویسا ہی ہے جیسے کوئی احمق کہے کہ میں اس وقت حرف لکھوں گا جب اپنے میں ابن مقلہ کی خطاطی کا کمال پاؤں گا۔ اگر اُس کے اعمال و افعال مکر و نفاق کی عادت نہ کریں گے تو کبھی مردوں کے کمال کے مدارج تک نہیں پہنچ سکتا۔ جس طرح سات برس کے بچے سے کہا جائے کہ نماز پڑھ اور روزہ رکھ۔ تو یہ نماز اور روزہ سوائے عادت اور باپ کے ڈر کے کچھ نہیں ہے۔ اس کے باوجود بھی اُس کو کمال حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ یوں کہ کوئی پیر پختہ ہو جو اُس لڑکے کو ان ملے جلے عملوں سے گزار کر اخلاص کے درجے پر پہنچا دے۔ اور اگر کوئی پیر نہ ملا تو عادت جڑ پکڑے گی اور پُرانی ہو جائے گی جس سے بھلائی کی کوئی امید نہیں، مگر شاذ و نادر ہی۔ تم نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی بغیر پختہ استاد کے حرف مشق کرے گا تو پچاس برس تک بھی اُس کا بُرا حرف خوبصورت نہیں ہو سکتا۔ اور ہم نے جو یہ کہا کہ کسی بزرگ کے بونے کی خدمت کرے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو توں کو سیدھا کرے۔ کیونکہ اس کو تو ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں کہ کس طرح جو تاسیدھا کیا جاتا ہے۔ ایک عزیز صاحب دولت کا قول ہے کہ سات برس تک ایک بزرگ کو ہم دیکھا کیے اور برابر جی چاہتا رہا کہ آپ کی پاپوش کو کلیجے سے لگائیں۔ مگر میری ایک دن بھی ہمت نہ پڑی کہ حضرت کی پاپوش کو چھو بھی سکیں۔ برا در عزیز! اگر کوئی صاحب دل تم کو قبول کرے تو اس وقت تم البتہ سچے مرید کہے جاسکتے ہو کہ تمہاری جان اس کے عشق میں جن کر خاک ہو جائے۔ جب تم اس طرح خاکستر ہو جاؤ گے تو وہ تمہیں اکسیر بنا کر اٹھائے گا۔ بھائی! یہ دین کی راہ ہے۔ کام اس کا بازی نہیں ہے، کھیل نہیں ہے، تماشا نہیں ہے۔ اسی مفہوم کے لحاظ سے کسی نے خوب کہا ہے۔

اے پسر کارِ عشق بازی نیست
زان کہ این رہ رہ مجازی نیست
(اے لڑکے عشق کوئی کھیل نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا راستہ معمولی راستہ نہیں ہے) ع
نہ بازی کن کہ عاشقی کار تو نیست

(جا اور کسی دوسرے کھیل میں لگ جا، کیونکہ عشق تیرا کام نہیں ہے)۔ کیا کوئی مرید تصنع سے
بیلے جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پیرانِ راہ رفتہ مریدوں کو خوب پہچانتے ہیں۔ کیونکہ ایک
زمانے میں وہ خود بھی تو مریدی کر چکے ہیں۔ مثنوی۔

دیبا دانیم و بردِ رازی دانیم
ما عشقِ حقیقی و مجازی دانیم
(ہم دیبا پہچانتے ہیں اور رازی کی چادر جانتے ہیں۔ ہم عشقِ مجازی اور حقیقی کو خوب
پہچانتے ہیں)۔ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ مرید میں زمین کی صفت ہونا چاہیے، تاکہ پیرِ آسمان بن کر
کبھی اُس پر پانی برسائے۔ کبھی آفتاب کی گرمی پہنچائے۔ کبھی ابر کے سایہ میں رکھے۔ کبھی
اُس کے الطاف کی خوشبودار ہوا اُس پر چلتی رہے تاکہ اُس کی کھیتی پختہ ہو کر اُس کو مال دار
بنادے۔ جو خوش قسمت صاحبِ دولت یعنی اقبال مند ہے۔ اس کے لیے سب سامان
مہیا ہو جاتے ہیں۔ اور اگر بد بخت مادرِ زاد ہے تو دنیا میں کوئی طاقت اس کو کسی مرتبہ
پر نہیں پہنچا سکتی۔ وَلَنْ تُجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا (خدا کی روش میں تو کوئی تبدیلی نہیں
پائے گا۔ خیر، جتنی باتیں کہی گئی ہیں بغیر صحبتِ شیخ حاصل نہیں ہو سکتیں۔ اب جب ایسا ہے کہ
اہلِ دل کی صحبت ہی مفقود ہے تو مریدوں کو کیا کرنا چاہیے۔ وَانْ تَمْ يَصِيبُهَا وَاِیْلُ فَظْلٌ
اگر اُس کو بارش کا پانی نہ پہنچ سکے تو شبیم ہی سہی)۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ اگر دولتِ صحبت کسی
صاحبِ دل کی میسر نہ ہو تو کم سے کم اتنا ضرور ہونا چاہیے کہ روزانہ ایک جزدان کی کتاب کا
یا ان کا تذکرہ یا ان کے اقوال آدمی پڑھ لیا کرے۔ اس معنی میں کیا خوب کسی نے کہا ہے
از بخت بدم اگر فرد شد خورشید
از نورِ رخت مہا چراغِ گیرم
(میری بد نصیبی سے اگر سورج ڈوب چکا تو اے محبوب تیرے رُخ ہی سے میں کوئی چراغ روشن

کروں) جب یہ بات مسلم ہو گئی کہ افعال و اعمال کی قدر نیت کے اعتبار سے ہوتی ہے اور نیت کا علم نہایت پاکیزہ و لطیف ہے تو یہ قدر و سمت ہوشیار اور بیدار ہونا چاہیے اور تصحیح نیت میں پوری کوشش کرنا چاہیے۔ انشاء اللہ تعالیٰ امید ہے کہ بات حاصل ہو جائے گی۔ اور مصیبت سے اپنے خائف طاعت سے اپنی شرمندہ رہنا چاہیے۔ حضرت ابو بکر و راق رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ جس وقت دو رکعت نماز ہم ادا کرتے ہیں جب سلام پھیرتے ہیں تو اپنی طاعت سے ایسے شرمگین و خجل ہو کر واپس آتے ہیں کہ اگر کوئی دیکھے تو یہ سمجھے کہ ہم کہیں سے چوری کر کے آرہے ہیں۔ سبحان اللہ کیا صدق طلب ہے۔ دیکھو مرید جب تک اس مقام میں نہیں پہنچتا لذت طاعت کا اس کو مذاق صحیح حاصل نہیں ہوتا۔ ایک دفعہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رفیق کے ساتھ کعبہ کا قصد کیا۔ عائد سفیان ثوری کی یہ تھی کہ ہمیشہ رویا کرتے تھے۔ رفیق نے کہا کہ کیا حضور خوب گناہ سے رویا کرتے ہیں۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے ہاتھ بڑھا کر ایک سوکھی گھاس اٹھالی اور کہا اس میں تو شک نہیں کہ گناہ ہمارے بے حساب ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک اس پر کاہ کے برابر بھی اس کا کھٹکا نہیں ہے۔ ہاں اس کا ڈر البتہ ہے کہ جس توحید کو ہم اس دربار میں لے جا رہے ہیں، یہ توحید ہے یا عین شرک۔ اللہ اکبر کیا شان تھی اور کس مرتبہ کے لوگ گزے کہ دولت کا خزانہ لے کھتے تھے، مگر خیال یہ تھا کہ ہم مفلس و بے نوا ہیں۔ اور ایک ہم لوگ ہیں کہ ذرہ برابر بھی کوئی بات حاصل نہیں لیکن دماغ یہ ہے کہ ہمیں دیگرے نیست۔ من ہم شخیم۔ والسلام

بتیسواں مکتوب

نماز کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے بھائی شمس الدین کو بقا اور ہمیشہ کی نیک بختی نصیب ہو جو سنو غزیم یوں تو مرید کا طریقہ رکھا گیا ہے کہ بس عمل میں دل کا تصفیہ، نفس کا تزکیہ زیادہ دیکھے اور حضور قلب زیادہ پائے اس کو کرتا رہے۔ اور نماز نفل ہو، یا تلاوت قرآن شریف ہو یا ذکر و فکر ہو، جو ہو، یہ اختیار اس کو کس وقت ہے جب پیر حاضر نہ ہو۔ اور اگر پیر موجود ہے تو خود سے کسی وظیفہ کو اختیار کرنے کا حق مرید کو حاصل نہیں۔ سنو برادر منجد اور ادراغ اعمال و عبادات کے نماز کی بات ہی کچھ اور ہے۔ اس میں اسرار و اسرار معاملات در معاملات ہیں۔ وہ بھی کیسے کیسے جن کا بیان کرنا ناممکن بزرگوں نے کہا ہے۔ مَنْ لَمْ يُذِقْ لَمْ يَعْرِفْ جس نے اس مزے کو چکھا نہیں، جانا نہیں۔ روح الارواح جو ایک پر مغز اور پر لطف کتاب ہے، اس میں درج ہے کہ پانچ وقت کی نماز میں مشب معراج کی یادگار ہیں۔ حضور مہتر عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم طہارت سے یہ تحفہ لائے ہیں جس عالم کا نام قاب قوسین ہے۔ دیکھو کیا مزے دار بات اس سے نکلتی ہے یعنی تمھاری غرت و قدر کا قد و قامت بہت پھوٹا اور کوتاہ ہے۔ اتنا بلند رتبہ کہاں سے لا سکتے ہو کہ تمھیں معراج

جسمانی نصیب ہو۔ اور یہ حشمت و دبدبہ بھی تم نہیں رکھتے کہ براق حرام تھا اے دروائے
 پر سیر ملکوت کے لیے بھیجا جائے۔ تو اب کیا صورت اس کی تھی کہ یہ امت مرحومہ
 دولت عظمیٰ سے مالا مال ہو سکے لطیف حضرت رحمۃ اللعالمین نماز معراج المؤمنین سنائی
 گئی۔ دیکھو، تمہیں معراج کس طرح نصیب ہوتی ہے۔ پہلے تم نے طہارت کی، پاک صاف
 کپڑا پہنا۔ اس کے بعد خراماں خراماں مسجد آسمان رفعت میں داخل ہوئے وہاں اول اول
 مومنان ملک صفت کے ساتھ بندگانہ و عاجزانہ کھڑے ہو گئے۔ پھر اس وقت تک واپس نہ ہو
 جب تک اچھی طرح خلوت راز میں نشست کی نہ ٹھہری۔ سبحان اللہ و بحمدہ۔ اس کے علاوہ ان باتوں
 کو غور کرو حضرت رب العزہ جل و علانے اپنے لطف و کرم سے ہر نماز میں کل ارکان شرع جمع کر دیے
 ہیں۔ یعنی روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد۔ ان کے اشارات کو بھی سنو۔ نماز میں جو شخص کھڑا ہوا اُس نے
 روزہ بھی رکھا۔ اور روزہ پر کچھ اضافہ بھی کیا۔ جس طرح روزہ میں آدمی نہیں کھاتا پیتا ہے، نماز
 میں بھی نہیں کھاتا پیتا، مگر روزے میں سونے کی اجازت ہے۔ چلنے پھرنے کی اجازت ہے، اور
 دوسرا دوسرا کام کرنے کی اجازت ہے۔ نماز میں جو روزہ ہے اس میں ان باتوں کی اجازت نہیں۔
 اس لیے یہ روزہ، روزہ رمضان سے اور بڑھا چڑھا ہوا ہے۔ زکوٰۃ کا قاعدہ یہ ہے کہ جب
 دس سو درم یعنی چالیس روپیہ یا اتنے کا سونا چاندی موجود ہو تو پانچ درم سال بھر کے بعد کسی
 درویش کو دے دیا کریں تاکہ اس حاجت مند کی حاجت پوری ہو۔ نمازی جس وقت اَللّٰهُمَّ
 اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلسَّامِعِ الْمُوْمِنِيْنَ (اے اللہ تو مجھے بخش دے اور
 میرے ماں باپ اور میری نسل کو، اور سارے مسلمانوں کی بخشش فرما)۔ پڑھتا ہے تو سب کے
 سب کو آسودہ کرتا ہے۔ نماز میں حج کا لطف بھی ہے۔ حج میں اگر احرام و اہلال ہے تو نماز میں
 تحریمہ و تہلیل ہے۔ نماز میں جہاد کا انداز بھی ہے۔ دیکھو نمازی نے جب وضو کیا تو گویا اُس نے
 زرہ پہن لی۔ اور جماعت جب کھڑی ہوئی تو امام کی حالت سپہ سالار کی ہو گئی اور مقتدیوں کی حالت
 شکر کے مثل سمجھو کہ صفت باندھ کر کھڑے ہیں۔ مقام جنگ گویا محراب ہے۔ سب لوگ امام کی

اقتدار میں قدم جمائے ہوئے ہیں۔ اور نصرت دفع کے طالب ہیں۔ جہاد میں جب فتح نصیب ہوتی ہے تو مال غنیمت تقسیم ہوتا ہے۔ اور نماز میں امام جب سلام پھیرتا ہے تو فضل و جلال تقسیم کرتا ہے۔ یعنی السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جن مومنین مخلصین نے نماز ادا کی اُس نے زکوٰۃ بھی دی۔ اگرچہ اُس کے پاس مال نہ تھا۔ اور اُس نے حج کیا، گو اس کو استطاعت نہ تھی۔ اور اُس نے روزہ بھی رکھا اگرچہ اس کو قدرت نہ تھی۔ اور اُس نے جہاد بھی کیا گو اُس کو قوت سے مرد کار نہ تھا۔ اسی سے اب سمجھو کہ نماز کیا خیر ہے؟ اور اس میں کیا کیا راز و نیاز ہیں۔ اس لیے اس کا سخت ادب درکار ہے۔ ہرگز ہرگز بے باکی یا آزادی کے ساتھ نماز کے حضور میں قدم نہ رکھنا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبران علیہم السلام جو گوہر نبوت و عصمت ہیں۔ سمجھو کہ اسی خلوت کی آرزو میں ان کی عمر بسر ہو گئی اور نقاب خاک ڈال کر منہ چھپا لیا، کہ نماز کی معراج کمال تک کسی طرح پہنچے۔ اور ہزاروں ہزار طالب ایک دکانہ کی اس آرزو میں کہ اس کا حق کیونکر ادا ہو سر زمین گور تک پہنچ گئے۔ بیت

ہفتہ رکعت نماز ازل و جان ملک ہشترہ ہزار عالم دان

دسترہ رکعتیں دل اور جان سے اگر ادا کی جائیں تو اُس کو اٹھارہ ہزار عالم کی ملکیت سمجھو۔ بزرگوں کا مقلد ہے کہ جب مرید کی نماز و نیاز میں اجتماع ہو جاتا ہے۔ اس وقت مرید حالت تفرقہ سے بہراہ بری نوز نماز مقام جمع میں پہنچتا ہے۔ اب اُس کی حالت کیا ہوتی ہے کہ بدن اس کا بمقابلہ کعبہ اور دل برابر عرشِ اعلیٰ اور لطیفہ سر اس کا مشاہدہ رب العزۃ میں غرق ہوتا ہے۔ صاحب شرح معرفت نے جن لوگوں کو نماز میں حضور قلب نصیب ہے اُن کی اس طرح تعریف کی ہے۔ خَرَقَتْ النُّجُوبُ اَنْوَارُ هُمْ وَجَّالَتْ حَوْلَ الْعَرْشِ اَسْوَارُ هُمْ وَجَلَّتْ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ اَقْدَارُ هُمْ (ان کے انوار نے پردوں کو پھاڑ دیا۔ اور اُن کے اسرار نے عرش کی جولانی کی اور اُن کی قدر صاحب عرش کے نزدیک روشن ہو گئی) جس وقت مرید صادق کا نور ایمان غلباتِ شوق کے باعث عرش کے گردا گرد جولانی کرتا ہے

اس قدر اُس کی غرت و رفعت بلند ہوتی ہے کہ جو جو مقام وصول و قدس مختلف ہے باوجود اس کے کہ وہ ملکی طہارت بھی رکھتی ہے اس مقام برتر تک نہیں پہنچ سکتی ہے۔ ہاے ہلے! کَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَفِي جَوْفِهِ أَرْزُزٌ كَأَرْزِزِ الْمُرْجَلِ (آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت نماز پڑھتے تھے تو آپ کے قلب سے دیگ کے جوش مارنے کی آواز آتی تھی) جس وقت آپ نماز میں ہوتے تو قلب مبارک سے ایسی آواز آتی کہ جس طرح دیگ کھولتی ہے۔ سبحان اللہ! کیوں نہ ہو جس وقت آپ اس شان سے کمر عبودیت کو مضبوط کر کے نماز کا تحریمہ باندھتے جسم مبارک دل کے محل میں دل منزل روح کے مقام میں، روح پر فتوح سر کی منزل میں پہنچتی اور شان عظمت و جلال ذوالجلال کشف ہوتی ہے تو گویا حقیقت کی رو سے جو ارح نورانی مقام فتدنیٰ میں اور روح پاک مقام قاب قوسین میں۔ اور سر حقیقت آشنا مقام اذذنیٰ میں ہوتا۔ آپ جو کچھ معراج میں دیکھ سُن چکے تھے ان سب باتوں کا نماز سے وقت سر کو مشاہدہ ہوتا۔ کلام بے واسطہ آپ سنتے، اور غیب کے صیغہ راز پر مطلع ہوتے۔ انھیں ذوقیات کا یہ اثر تھا کہ جب جب آتش شوق کا شعلہ دل مبارک میں بھڑکتا، اور آپ کا سر طالب دصال ہوتا تو آپ نالہ پر درد سے کام لے کر فرماتے یَا بِلَالُ اِرْحَنَا بِالصَّلَاةِ (اے بلال! نماز سے مجھ کو راحت پہنچاؤ)۔ اے بلال! دل میرا جل رہا ہے، جلد اذان دو اور نماز کا سامان کر دو کہ اس کو راحت ملے۔“ کیون نہ ہو برا در غریزہ، جانتے ہو نماز میں عاشقوں کا قبلہ کون ہے؟ سنو، عاشقوں کا قبلہ جمالِ باکمال دوست کے سوا کچھ نہیں۔ نہ صخرہ، نہ کعبہ، نہ عرش۔ اس عالم مجازی میں تم کو ایک عشق حقیقی کی مثال دیتے ہیں۔ اس سے تمہاری سمجھ میں بات جلد آجائے گی۔ حضرت خواجہ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے وقت کے سلطان المشائخ تھے اُن کو اپنے پیر سے کامل عشق تھا۔ جب قبض کی حالت آپ کو پیدا ہوتی اور آپ اپنے پیر کے فرار پر انوار پر حاضر ہوتے فوراً بسط حاصل ہو جاتا۔ اسی حالت قبض میں ایک دفعہ آپ اس قبر پر

حاضر ہوئے۔ کشفِ اسرار سے ملکیت ہو کر بہ حالتِ بسطِ فرمانے لگے۔ بیت

مایہ شادی است، این معدنِ جود و کرم
قبلہ ماروے دوست قبلہ ہر کس حرم

ایہ شیشِ و کرم کا خزانہ ساری خوشیوں کا سرمایہ ہے۔ سب لوگوں کا سجدہ گاہ تو خانہ کعبہ ہے مگر میرا

قبلہ دوست کا چہرہ ہے۔ پیچھے جس کا قبلہ معشوق کا روئے منور ہو وہ ہر وقت نماز کے مزے

میں ہے۔ وَفِي صَلَواتِهِمْ دَائِمُونَ (وہ لوگ ہمیشہ نماز میں ہیں)۔ آتشِ اشتیاق بھڑک

اٹھی۔ جہاں محبوب سامنے آگیا۔ بے رکوع اور بے سجود نماز کے مزے لینے لگے۔ یہ لوگ عشق

میں مذہب کو نہیں دیکھتے۔ سب عاشقوں کو برابر سمجھتے ہیں۔ نہ کسی فرقے کو اس دائرے سے الگ

کرتے ہیں اور نہ کسی گروہ کو اس کا حق دار سمجھتے ہیں۔ یہ دولت جن کو میسر ہو جائے۔ رباعی

در عشق نماز بے رکوع است و سجود
یکسان است در دامنِ ترسا و جہود

چون قبلہ بجز جہاں معشوق نہ بود
عشق آمد و نحو کرد ہر قبلہ کہ بود

عشق کی نماز بغیر رکوع و سجدے کے ہوتی ہے۔ یہاں مومن و کافر یہودی و ترسا

سب برابر ہیں۔ سوائے معشوق کے رخ کے جب یہاں کوئی سجدہ گاہ نہیں ہے۔ عشق کے آنے

ہی جتنے کعبے تھے سب مٹا دیے گئے۔ ایک غریز کا قول ہے کہ وجودِ صخرہ و کعبہ سے پہلے

محبانِ ازلی کا قبلہ بارگاہِ حضرتِ لم یزل تھا۔ اور جو لوگ احاطہِ قدس کے رہنے والے

تھے اور فضائے انس کے باشندے تھے، ان مشتاقوں کا قبلہ بھی وہی تھا، جو حق و قیوم

لا یزل ہے۔ اس فنا کی جگہ اور رنج و غم کے محل میں صخرہ و کعبہ کو جو قبلہ بنایا گیا صرف تسکین

و تسلی کے لیے، تاکہ طالبانِ دس سالکانِ راہ کے دل مطمئن رہیں۔ برادرِ غریز جانتے ہو سالک

راہ کو کون سی چیز نماز کی طرف لاتی ہے۔ یا کون سی شے مناجات کی راہ اس پر کھولتی ہے

حالت یہ ہوتی ہے کہ پہلے اس کے دل ہی کو اپنی طرف کھینچ لیا جاتا ہے۔ بعدہ بے نیازی کی

شان دکھادی جاتی ہے۔ پھر کیا ہے۔ بدن تو نماز میں مشغول، دل میں سوز و گداز پیدا، جان

مشغولِ راز و نیاز ہوتی ہے۔ حال اس کا ادہامِ بشری سے بعید اور قدم اس کا بساطِ قرب سے

قریب ہوتا ہے۔ اس حال میں اس کو غیر کے ساتھ ملتفت ہونے کی پروا کب ہے۔ اسی معنی کی طرف حضرت خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے۔ **لَوْ عَلِمَ الْمُصَلِّي مَعَ مَنْ يُنَاجِي مَا التَفَتَ**۔ (اگر نماز پڑھنے والا یہ جان لے کہ کس کی بارگاہ میں مناجات کر رہا ہے تو ہرگز کسی کی طرف متوجہ نہ ہوگا)۔ اس قسم کا نماز پڑھنے والا ایسی نماز پڑھتا ہے کہ نماز پڑھنے کے وقت فانی الصفت ہو جاتا ہے۔ اور فانی الصفت کو غیر کے ساتھ التفات ناممکن۔ دیکھو حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ ایک دفعہ نماز میں مشغول تھے۔ تیرا آپ کی ران سے کھینچ لیا گیا، آپ کو مطلق خبر نہ ہوئی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ مشاہدہ محبوب میں ایسا استغراق حاصل تھا کہ اپنے اوصاف سے فانی تھے۔ فانی الصفت کو جراحات کی تکلیف کب ہو سکتی ہے۔ عقوبت و تکلیف کا درد بخیر بھی اگر ایسے شخص پر رکھ دیا جائے تو اُس کو خیر نہ ہوگی اور تمام بہشت کی نعمتیں ایک نعمہ بنا کر اُس کے منہ میں ڈال دی جائیں تو بھی اُس کو خاک لذت نہ ملے گی۔ برادر عزیز اب تک دردِ اذہ کرم بند نہیں ہوا ہے۔ دُورِ دُورِ جلد اپنی خبر لو۔ برادرِ عزیز! بہشت کا جامہ وہ جامہ ہے کہ دھبے سے کبھی پاک صاف نہیں رہ سکتا۔ اس لیے وہ کیا اور اس کی طلب کیا مگر اس فیاضِ کرم ہی ایسا ہے کہ نہ خواجہ کو چھوڑتا ہے نہ غلام کو۔ نہ تو نگر کو نہ درویش کو۔ دیکھو، جس وقت آفتاب اپنے بُرج سے طلوع ہوتا ہے، اگر تمام اہل عالم ایک دل ہو کر اور کمرِ ہمت باندھ کر اس بات پر اڑ جائیں کہ آج آفتاب سے کچھ نہ کچھ نورِ بزرور لیں گے تو ممکن نہیں کہ ذرہ برابر بھی نور لے سکیں۔ مگر جس وقت وہ براہِ کرم خود سے روشنی پھیلاتا ہے تو جیسی چمک دمک اُس کی بادشاہوں کے کوشک اور محلِ سرا میں ہوتی ہے بعینہ وہی بات فیروں کے کلبہ میں اور درویشوں کے زاویہ میں پائی جاتی ہے۔ قطع نظر اس کے خاک و آب کو دیکھو اور اس دولت کو دیکھو **يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ** (وہ اُن کو دوست رکھتا ہے اور وہ لوگ اس کو دوست رکھتے ہیں)۔ پھر اللہ **وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا** (جو لوگ ایمان لائے اللہ ان کو دوست رکھتا ہے) کو دیکھو۔ پھر **وَسَقُومُهُمْ سَبُّهُمْ شَرًّا** (اور ان کے پروردگار نے اُن کو شرابِ طہور

پلائی۔) کو دیکھو کسی فرشتہ مقرب کو یہ بزرگی اور یہ خلعت جو تم کو میسر ہے ہرگز نصیب نہیں ہے اس میں شک نہیں کہ فرشتگان مقرب ہیں، معصوم ہیں، پاک ہیں، مقدس ہیں، مسیح ہیں، روحانی ہیں۔ لیکن بھائی میرے آب و گل کی بات ہی دوسری ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ قصائد و قدرے اس مشتبہ خاک کے ہاتھ میں ایسی مستحکم کمان دیدی ہے کہ جبریل و میکائیل علیہما السلام بھی اس کو کھینچ نہیں سکتے۔ بیت

حقاً کہ بڑہ نیا در دے کرد ترک فلک اے پسر کمانم

(خدا کی قسم آسمان میری کمان کو نہیں جھکا سکتا) سچ ہے کہ جہاں انسانی آفتاب کی روشنی پڑ گئی سب چراغ چھپ گئے کسی کی مجال نہیں کہ اپنی فوقیت دکھا سکے۔ اور اپنی شان ظاہر کرے۔ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا الْاَيَّهٖ۔ (جب بادشاہ کسی گاؤں میں داخل ہوتے ہیں تو اُس کو خراب کر ڈالتے ہیں۔ والسلام

تینتیسواں مکتوب

روزہ کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادر م شمس الدین سلمہ اللہ تعالیٰ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جو لوگ محقق ہیں جن کے قول و فعل میں صدق و اخلاص ہے، وہ کہتے ہیں کہ جس طرح قوت جسمانی کھانے پینے پر موقوف ہے اسی طرح روحانی طاقت بھوک کے پیاسے رہنے سے پیدا ہوتی ہے۔ الْجُوعُ طَعَامُ اللّٰهِ فِيْ اَرْضِهٖ (بھوک خدا کی زمین میں خدائی غذا ہے)۔ پھر فرماتے ہیں کہ روزہ دار میں معبود جلّ ذکرہ کی ایک صفت خاص پائی جاتی ہے وَهُوَ يُطْعَمُ وَلَا يَطْعَمُ (حق سبحانہ تعالیٰ کھلاتا ہے مگر خود نہیں کھاتا)۔ روزہ دار کا اس صفت باری تعالیٰ کے ساتھ موصوف ہونا کیا معمولی بات ہے! اہل دانش و بینش کا اس پر اتفاق ہے کہ سچے روزہ دار کو یقینی مقام تقرب حاصل ہوتا ہے۔

اور بشریت کی کڑی منزل کے سخت مرحلوں سے وہ نکل آتا ہے۔ گویا روزہ دار اس حکم کے تحت میں آجاتا ہے کہ تَخْلِقُوا بِإِحْلَاقِ اللَّهِ (اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق ہو جاؤ)۔ یعنی خود نہ کھانا دوسروں کو کھلانا۔ اس عمل سے اس میں محبوب قدیم کی وہ صفت خاص پیدا ہوتی ہے جس کا ذکر ہوا۔ اور صفات بشریت سے وہ کنارہ اختیار کرتا ہے۔ پھر کچھ نہ پوچھو دو قسم کی دولت اور دو طرح کی نعمت اُس کو ملتی ہے۔ حضرت خواجہ دنیا و آخرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا فتویٰ ہے لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ الْخ (روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں ایک افطار کے وقت اور ایک خدا کے دیدار کے وقت) روزہ دار کے لیے دو قسم کی فرحت رکھی گئی ہے۔ ایک فرحت تو اُس کو روزہ کھولنے کے وقت حاصل ہوتی ہے۔ اور دوسری فرحت اُس وقت حاصل ہوتی ہے جس وقت وہ جمالِ باکمال اپنے خداوند اپنے رب اپنے مالک کا دیکھتا ہے۔ اس عالم میں دل کی آنکھ سے لقا ہوتی ہے اور آخرت میں اس چشمِ سر سے روزہ دار دیکھے گا۔ جو دیکھنے کا حق ہے۔ روزہ کھولنے کے وقت روزہ دار حقیقی کو کیوں فرحت ہوتی ہے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ اس قالبِ انسانی کی ترکیب مختلف عنصر سے ہے۔ غلباتِ شوق میں طالب کی یہ حالت ہوتی ہے کہ نفسِ مطمئنہ کے گھوڑے پر سوار بے آب و دانہ جا رہا ہے۔ نہ خود کھاتا ہے، نہ مرکب کو کھانے دیتا ہے، کیونکہ دیدار کی طلب ہے اور اس طلب میں شرطِ گرسنگی ہے۔ صَوْمُ مَوَ اِلِرُؤِیْتِہ (اُس کے دیدار کے لیے روزہ رکھو) جانے کی منزل دور ہے وراقِ الیٰ رَبِّکَ الْمُنْتَہٰی (منزل کی انتہا تیرے پروردگار تک ہے) مرکب نے جب ایک منزل طے کی دن تمام ہوا۔ نمازِ شام کا وقت آپہنچا۔ بھوکا پیاسا چلتے چلتے گھوڑا تھک گیا روزہ دار نے جو افطار کیا گویا اس کو بھی دانہ پانی ملا۔ راکب مرکب دونوں کی جان میں جان آگئی۔ سامانِ طاقت و قوت سے اتنی مسرت ایسی خوشی سوار کے دل میں پیدا ہوئی کہ بمقابلہ اس کے تمام شادیاں رنج و غم کے برابر ہیں۔ کیونکہ یہ قوت

وطاقت بہترین مقصد اور مبارک راہ میں خرچ ہوگی۔ رہی دوسری فرحت، ہمارا خیال تو یہ ہے کہ شاید ہی اس کو کوئی بیان کر سکے، اس لیے یہ فرحت ذوقی ہے۔ مَنْ لَمْ يَذُقْ لَمْ يَعْرِفْ (جس نے نہیں چکھا نہیں جانا) اس کی شان ہے۔ دیکھو ستر ہزار پردوں کے بعد آفتاب دیدار ہے۔ اس پر پردے دو قسم کے ہیں۔ نور اور ظلمت کے ان میں سے ایک پردہ بھی اگر ہٹتا ہے تو برقی جمال دیکھنے والے کی بصارت کو جلادیتی ہے۔ اِنَّ لِلّٰهِ سَبْعِيْنَ اَلْفَ حِجَابًا مِّنْ نُورٍ لَّوْ كُشِفَ اَحَدُیْ لَہُمْ لَآخِرَتٌ مِّنْ سُبْحَاتٍ وَجِہِہٖ مَا اَدْرَاکُہٗ بَصَرًا۔ (اللہ کے لیے ستر ہزار نور کے پردے ہیں۔ اگر ایک بھی کھلا تو جلادے گی اُس کے چہرے کی کرن۔ اس کو کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی)۔ باوجود ہزاروں حجاب کے صرف ایک پردہ ہٹنے سے جب سوز کا یہ رنگ ہے تو کوئی سوختہ جان کیا بیان کر سکتا ہے۔ اس جملہ کے یہی معنی ہیں کہ عیاں را چہ بیاں "نقل ہے کہ ایک شیخ طریقت نے اپنے واقعات میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ معروف کرنی قدس اللہ سرہ العزیز کو دیکھا کہ عرش کے نیچے غایت سُکر میں نعرہ لگا رہے ہیں حضرت غرت سے ملائے کہ کو خطاب ہوا کہ مَنْ ہٰذَا یَہٰ کون ہے وَہُوَ اَعْلَمُ حالانکہ وہ خوب جانتا ہے۔ فَقَالُوا یَا اِلٰہِنَا ہٰذَا عَبْدُكَ مَعْرُوفٌ (کرنی) فرشتوں نے کہا اے میرے اللہ یہ تیرا بندہ معروف ہے۔ فَقَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ عَبْدِیْ مَعْرُوفٌ قَدْ سَكَّرَ مِنْ شَرَابِ مَحَبَّتِیْ لَا یَفِیْقُ اِلَّا بِرُؤِیَّتِیْ۔ خداے عزوجل نے فرمایا میرا بندہ معروف کرنی میری شرابِ محبت میں مست ہے۔ اس کو افاقہ اور سکون بغیر میرے دیدار کے نہیں ہو سکتا۔ تو معلوم ہوا کہ اس کا دیکھنا کتنا مشکل ہے اور کیسی بڑی دولت ہے۔ اور کس درجہ نفس کشی کی ضرورت ہے۔ صاحبِ شریعت علیہ السلام نے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جَوْعُوا بِطُوبٰی نَفْسِکُمْ وَاطْمَآؤُنَا الْکِبَادُ کُمُ وَاَعْمَؤُنَا الْجَسَادُ کُمُ لَعَلَّکُمْ تَرَوُنَّ رَبَّکُمْ عِیَانًا۔ شکم گرسنہ، جگر تشنہ، بدن برہنہ

رکھو تو امید ہے کہ اپنے پروردگار کو کھلم کھلا دیکھو گے یعنی اس عالم میں دل کی آنکھ سے ایسا دیکھو گے کہ شاید وہ باید۔ مثلاً جس کو اس عالم میں لقا ہوئی وہ پہنچ گیا، اور جو پہنچا اپنا شناسا ہو گیا۔ فنا کے مقام سے گزر کر بقا کے مقام سے بھی گزر گیا۔ یہاں تک کہ انوارِ خسارہ محبوب نے برقِ طور کا کام کیا، اور جلا کر اُس کو خاکِ ستر بنا دیا۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ (حق پہنچ گیا اور باطل رخصت ہو گیا)۔ کی شان نمایاں ہوتی ہے۔ جس وقت عارفِ سالک اس مقام پر آتا ہے، اُس وقت کسی عبادت کی اس کی طرف نسبت کرنا ضلالت من الضلال (گمراہوں میں سے ایک گمراہ ہے) کے دائرے میں آتا ہے۔ اور جو شخص اس حال میں اس طرف کچھ اشارہ کرے اُنْمِی مِنَ الْعُمِّيَّاءِ (اندھوں میں سے ایک اندھا کہا جائے گا۔ کسی غریب نے کیا خوب کہا ہے۔) پس مجھے کہ رازِ مطلق گفت رامت جنید کو انا الحق گفت

(اُس محبوب نے رازِ مطلق ظاہر کر دیا۔ جس نے انا الحق کہا سچ ہے) آدم بر سرِ مطلب اور غریب! روزہ کا کیا کہنا ہے۔ کشف المحجوب میں بھی حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ روزہ جو ارجح کے لیے بلا ہے اور دل کے لیے صفا ہے اور جان کے لیے دلا ہے۔ اور ستر کے لیے بقا ہے۔ اتنے بہترین سامان مہیا ہوں کہ دل کو صفا، جان کو دلا، سر کو بقا حاصل ہو۔ اسی صورت میں اگر جسم مبتلا ہے بلا رہے تو کیا مضائقہ ہے اور کیا نقصان ہے۔ اسی معنی کی طرف حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے حَاكِيًا عَنِ اللَّهِ تَعَالَى كُلُّ عَمَلٍ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ إِلَى سَبْعِينَ إِلَّا الصَّوْمَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزَى بِهِ جو عمل کہ انسان کرتا ہے اُس کا اجر دو گنا ملے گا یہاں تک کہ ایک کا ستر تک اضافہ ہو گا۔ مگر روزہ ایسا عمل ہے کہ خاص میرے لیے ہے اور اس کی جزا خاص میں دے دیں گا۔ اور اس کی جزا میں خود ہوں گا۔ دیکھو اس کی بلاغت کو إِلَّا الصَّوْمَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزَى بِهِ۔ یعنی الصَّائِمُ لِي۔ اہلِ عرب کا قاعدہ ہے کہ صفت کا ذکر کرتے ہیں، مگر مراد ان کی اس سے موصوف ہوتا ہے۔ یہاں پر دو بات وجد کرنے کے قابل ہے۔ ذرا بارگاہِ غرت پر نظر کرو اور انسان

ذرہ بے مقدار کو دیکھو۔ اگر یہ کہا جاتا کہ تیری حقیقت کیا ہے، تو تو میرے در کا کتا ہے تو یقین جالو، یہ ایسی نوازش ہوتی کہ دولت رکھنے کی جگہ نہ ملتی۔ چہ جائے کہ بادشاہ عالم جل جلالہ وجل شانہ روزہ دار کی شان میں یہ فرمائے کہ تو میرے لیے ہے اور تیری جزا میری لقادرو دیت ہے۔ جس طرح مقتولانِ محبت کے لیے کہا گیا ہے۔ مَنْ قَتَلْتَهُ مَحَبَّتِي قَدْ يَتُّهُ رُؤْيَاً۔ (شہیدانِ محبت کا خون بہا میری رویت ہے)۔ سبحان اللہ! برادرِ عزیز! روزہ سے دل میں ایسی صفائی حاصل ہوتی ہے کہ چار پایوں، درندوں کی خصلت و نجاست انسان سے دور ہوتی ہے۔ اور لطیفہ سر سے اس قسم کی ظلمتیں نکل جاتی ہیں۔ ایسی حالت میں روزہ کو کوئی معمولی چیز نہ سمجھنا چاہیے۔ روزہ اور گرسنگی میں عجب عجب کمالات ہیں۔ طبقاتِ صوفیہ میں جذباتِ معرود و مشہور ہیں۔ یہ لوگ جب چاہتے ہیں کہ کلامِ خداوند جل و علا دل ہی دل میں سنیں تو چالیس روز بھوکے رہتے ہیں۔ تیس دن کے بعد مسواک لے کر قہر افطار کرتے ہیں۔ اس کے بعد دس روز اور بے آب و دانہ رہتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لامحالہ خداوند غر دجل ان کے دل کی خلوت میں باتیں کرتا ہے۔ اس کی ایک زبردست اصل ہے۔ انبیاء کے لیے جو چیز بہ اظہارِ روا ہے، اولیاء کے لیے بہ اسرارِ جائز ہے۔ دیکھو ایک بزرگ کے قول سے اور بھی گرسنگی و فاقہ کی تفصیل نکلتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ مَنْ حَكِمَ الْمُرِيدُ أَنْ يَكُونَ لَهُ ثَلَاثَةُ أَشْيَاءَ نَوْمُهُ غَلْبَةٌ وَكَلَامُهُ ضَرْدَةٌ وَآكُلُهُ فَاقَةٌ (مرید میں تین صفت لازمی ہے۔ جب تک نیند کا غلبہ نہ ہو نہ سوئے، جب تک ضرورت نہ ہو بات نہ کہے جب تک فاقہ نہ ہو کھانا نہ کھائے)۔ اب رہی یہ بات کہ فاقہ کس کو کہتے ہیں۔ فاقہ بعضوں کے نزدیک دو رات دن، بعضوں کے نزدیک تین رات دن، بعضوں کے نزدیک ایک ہفتہ بعضوں کے نزدیک چالیس روز ہے۔ برادرِ عزیز کہیں ایسا خیال بٹھارنا ہو کہ لاکھوں کر دروہ آدمی جب روزہ رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت پہنچ جائے گی۔ اور اس میں کمی نہ آئے گی۔ اَلْعُظْمَةُ لِلَّهِ۔ تم روزہ رکھو نہ رکھو در کرم ہر وقت کشادہ ہے۔ دسترخوانِ نعمت

ہر گھڑی بچھا ہوا ہے۔ چاہے تم کھاؤ یا نہ کھاؤ۔ تمہارے نہ کھانے کا یہ فائدہ البتہ ہے کہ جس وقت تم کھا لیتے ہو تو خودی کا غلبہ خود تمہارا وجود تمہارے سامنے پیش کرتا ہے۔ جب تمہاری نظر اپنے اوپر ہوئی تو محبوب حقیقی سے لامحالہ حجاب واقع ہوا۔ اور حضوری غائب ہوئی۔ اب تمہیں بتاؤ کہ نہ کھا کر حضوری حاصل کرنا بہتر ہے یا کھاپنی کر غفلت و حجاب میں پڑا رہنا افضل ہے۔ بہر حال مردانگی کی تعریف تو یہ ہے کہ اس محقق کے قول پر عمل کرو۔ توجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ **اَلدُّنْيَا يَوْمٌ وَلَنَّا فِيهَا صَوْمٌ**۔ دنیا درحقیقت ایک دن سے زیادہ نہیں۔ اور ایک دن کا روزہ کیا دشوار ہے۔ اور ایک دوسرے بزرگ نے فرمایا۔ **صَمُّ عَنِ الدُّنْيَا وَجَعَلُ فِطْرُكَ الْمَوْتَ** (دنیا سے روزہ رکھ اور موت سے افطار کر)۔ بھائی کچھ سمجھتے ہو کہ یہ سارا حکم انسان ہی کو کیوں ہوا؟ اس کا سبب ہم سے سنو، بشر تمام مخلوقات کا خلاصہ ہے۔ اور اسرار کا منبع و سرچشمہ ہے۔ کاروبار اس کے کوئی معمولی نہیں۔ آسمان و زمین و عرش و کرسی، بہشت و دوزخ سب اسی کے طفیل سے وجود میں آئے۔ مقصود صرف اس کی آفرینش تھی۔ ورنہ نہ ہوتے۔ یاد ہو اس کے پھر یہ رنگ کیوں اختیار کیا گیا۔ سنو، **فِعْلُ الْحَكِيمِ لَا يَخْلُو عَنِ الْحِكْمَةِ**۔ (حکیم کا کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا) ازل ہی میں یہ حکم جاری ہو گیا، کہ ان منزلوں میں تمہارا گزر ہو گا۔ اور ان جگہوں پر تمہاری نظر پڑے گی۔ ہر مقام میں ضیافت کا سامان مہیا ہے گا۔ تاکہ میرے دوست جب وہاں پہنچیں تو اپنے حظ و نصیب سے بر خوردار ہوں۔ اس عالم میں گویا تم سے کہا جا رہا ہے کہ میری اس عنایت ازنی و لطف سابق پر نظر کرو جو ہر چیز کی تخلیق کے قبل تمہارے ساتھ ہو چکی ہے خطاب ہوتا ہے کہ اے انسانو، تم مہلا تو آب و گل ہو، مگر تفصیلاً مخزن اسرار ہو۔ بظاہر تو خاک گندہ نظر آتے ہو۔ مگر غور سے دیکھا جائے تو دوست بھی اور بندہ بھی۔ تم ایسا نہ سمجھنا کہ یہ سوال و جواب ادا مردنواہی کے معاملات درمیان میرے اور تمہارے آج نئے ہیں نہیں نہیں قدیم و ازلی ہیں۔ عالم نہ تھا اور آدم نہ تھے، مگر مخاطبت میری تمہارے ساتھ ہے وجود تمہارا

موجود تھی۔ میرا احسان تم پر قدیمانہ ہے۔ اور وہی میرے کرمِ عمیم کا باعث ہے۔ نقل ہے کہ ایک شخص کسی خلیفہ کے نزدیک آیا۔ خلیفہ نے اُس کو نہ پہچانا۔ پوچھا تم کون ہو۔ اُس نے جواب دیا کہ ہم وہی شخص ہیں کہ فلان سال حضورِ والا نے ہمارے ساتھ بڑا بڑا احسان کیا تھا۔ خلیفہ خوش ہو گیا۔ اور کہا۔ مَرْحَبًا مِّنْ قَوْسَلٍ اَلَيْتَنَا يَا حُسَيْنًا۔ (خوش آمدید اے وہ شخص جو ہمارے ہی احسان کو اپنے لیے وسیلہ بناتا ہے)۔ پھر حکم دیا کہ اس کو دربارِ شاہی میں داخل کریں۔ اور خلعت و انعام سے مالا مال کر دیں۔ سرباعی :-

گر آبِ دہی نہاں خود کا شتہٗ در پست کنی بنائے خود ساختہٗ

من بندہ ہما تم کہ تو پنداشتہٗ از دست میفکن کہ چو برداشتہٗ

(اگر تو سیراب کرتا ہے تو تو نے ہی درخت لگایا ہے۔ اگر تو پست کرتا ہے تو تو نے

ہی بنیاد ڈالی ہے۔ میں جیسا بندہ ہوں تجھے خوب معلوم ہے۔ (ہاں اے پروردگار) مجھے

ذلیل نہ کرنا جب تو نے غت دی ہے)۔ والسلام



چونتیسواں مکتوب

زکوٰۃ کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادرِ شمس الدین تمہیں معلوم ہو کہ عبادت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک بدنی، دوسری مالی۔ مالی عبادت کو بدنی عبادت پر فضیلت ہے۔ کیونکہ مالی عبادت سے دوسرا شخص بھی منتفع ہوتا ہے۔ عبادات میں اس گروہ صوفیہ کا حال کچھ نہ پوچھو۔ جان و مال دونوں کو وقف کر دیتے ہیں۔ بلکہ ماسوی اللہ سے کچھ غرض ہی نہیں رکھتے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ الْفَقِيرُ مَالُهُ مُبَاحٌ وَدَمُهُ حَذَرٌ (فقیر کا مال مباح ہے اور اُس کا خون معات ہے) کوئی جرم نہیں۔ درویش صادق وہی ہے جو نہ اپنے خون کا دعویٰ کرے اور نہ مال کا۔ اگر کوئی شخص اُس کو قتل کرے تو وہ یہ سمجھے کہ حکم خداوندی یہی تھا۔ جان جلنے کو یوں تصور کرے کہ ہماری زندگی اسی قدر تھی۔ انسان سے خون بہا کا طالب نہ ہو۔ اس کا خون بہا کچھ اور ہے۔ یعنی مَنْ قَتَلْتُ فِي مُحَبَّتِهِ فَأَنَا ذَنْبُهُ۔ (جو میری محبت میں مارا جائے اُس کا خون بہا میں خود ہوں)۔ اور اگر اُس کے مال پر قبضہ کیا جائے تو وہ یہ سوچ کر الحمد للہ کہے کہ بڑا حجاب سامنے سے دُور ہوا۔ اور اسی بنا پر بزرگوں کا قول ہے کہ دنیاوی مال و دولت کے باعث زکوٰۃ دینا کوئی بڑا کام نہیں کیونکہ زکوٰۃ وہی شخص دے گا جس کے پاس سودِ دم نقد سال بھر رہ جائے۔ ایسا شخص اس گروہ کے نزدیک بخیل ہے۔ اور بخلت صفت پسندیدہ نہیں ہے۔ معاذ اللہ۔ دو سودِ دم کو مقفل کرنا اور بچائے رکھنا کیا معمولی بخل ہے۔ اس کے بعد پانچ درم اس سے نکال کر فقیروں کو دینا اور باقی کو پھر محفوظ رکھنا۔ نقل:۔ ایک فقیر نے حضرت ابوبکر شبلی قدس سرہ سے بطور آزمائش سوال کیا کہ اچھا فرمائیے تو سہی زکوٰۃ کتنے درم سونے چاندی پر واجب ہوتی ہے؟ اپنے

فرمایا کہ تم کون سا جواب چاہتے ہو۔ مذہب فقہا کی رو سے یا مذہب فقہاء کے اعتبار سے؟
 فقیر نے کہا دونوں طور پر جواب ارشاد ہو۔ آپ نے فرمایا فقہاء کا مذہب تو یہ ہے کہ دو سو درم
 پر جب ایک سال گزر جائے تو پانچ درم نکال دے۔ اور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ جو کچھ مال
 دولت ہو سب خدا کی راہ میں لٹا دے۔ اس کے بعد جان غریز شکرانہ میں پیش کرے۔ فقیر نے
 کہا کہ میں نے تو ائمہ دین سے مذہب حاصل کیا ہے، اس میں تو یہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ
 میں نے مذہب صادق رب العالمین سے حاصل کیا ہے اس میں وہ نہیں ہے۔ دیکھو، حضرت ابو بکر
 صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جو کچھ تھا حضور میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کر دیا
 اور جگر گوشہ کو شکرانہ میں نذر کیا۔ نوادر الاصول میں ہے کہ خداوند غرور جل نے خواہ امت
 کو ہزار جزو پر تقسیم کیا، بعدہ دنیا ان کے سامنے پیش کی گئی تو سو جزو دنیا کی طرف مائل ہو گئے
 اور کہنے لگے دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ آج دانہ پھیس گئے تو کل کاٹیں گے۔ دنیا کے ساتھ ساتھ
 دین ہونا چاہیے۔ اب رہے سو جزو، ان کے آگے عقبی لائی گئی۔ نوے جزو نے عقبی کی طرف
 میل کیا۔ ان کا خیال ہوا کہ خداوند غرور جل نے اس کو ملک کبیر کہا ہے۔ بندہ حقیر کے لیے ملک کبیر
 بہت کافی ہے۔ رہ گئے دس جزو ان کو بلا و امتحانات میں مبتلا کیا گیا۔ نو جزو نے کہا، ابی مَسْنٰی
 الضُّر (مجھ کو نقصان نے پھولیا ہے) یہ ابتلا باعث حجاب ہو گیا۔ ایک جزو باقی رہے ان کو حضرت
 صمدیت سے خطاب ہوا کہ مطلوب تمہارا کیا ہے۔ اور محبوب تمہارا کون ہے؟ ایک زبان ہو کر سب
 یٰحٰی اُٹھے کہ اَنْتَ مَعْبُودُنَا وَمَقْصُودُنَا، اَنْتَ مَطْلُوْبُنَا وَمَحْبُوْبُنَا۔ (تو میرا پروردگار ہے
 اور تو میرا مقصود ہے، تو میرا مطلوب ہے اور تو میرا محبوب ہے) ندا ہوئی۔ اَنْتُمْ اَحِبَّائِیْ
 دَاَنْتُمْ اَصْدِقَآئِیْ۔ (بیشک تم میرے محبوب ہو، بیشک تم میرے دوست ہو۔) خیر سنو،
 برادر غریز! انسان جب ایمان لایا، دل کو اُس نے بذل کیا۔ اور جب نماز ادا کی بدن کو بذل
 کیا۔ اور جب اُس نے زکوٰۃ دی مال کو بذل کیا۔ یہ تینوں صفتیں دوستوں کی ہیں۔ محبت میں
 صدق دعوے کی دلیل بھی یہی ہے کہ جس چیز کی نسبت محبت کے ساتھ ہو وہ اُس کو بذل کر

تاکہ اس کا تعلق ماسوی اللہ سے بالکل منقطع ہو جائے۔ پھر کیا ہے انوارِ نظرِ رحمتِ ربانی کی شعاع
جہاں ادھر پہنچی اس نے دیکھا کہ غیر سے اس کا دل فارغ ہے غربت قبول کے ساتھ وہ مخصوص کیا
گیا۔ اور ہمیشہ کے تحت پر اُس کو جکڑ لگئی۔ بھائی! کچھ جانتے ہو کہ زکوٰۃ دینے میں کیا اشارہ
ہے۔ دیکھا گیا کہ اکثر لوگ مال و دولت میں غرق اور بہتیرے مال جمع کرنے کی فکر میں مشغول ہیں۔
بارگاہِ رسالت میں نو بہوت سے اس کا انکشاف ہوا کہ شمعِ غیرتِ الہی دل کو غیر کے ساتھ
مشغول دیکھنے کا ضرور اس راہِ طلب سے دور کر دے گا۔ اور درگاہِ خدا سے نکال دینگا۔
کم سے کم اتنا تو ہو کہ اگر کل دولت اللہ کی راہ میں لٹائی نہ جاسکے، دو سو درم سے پانچ
درم تو راہِ خدا میں دیے جائیں۔ جلتے ہو شرعِ شریف میں یہ کرم کیوں کیا۔ اور یہ مہربانی
کس لیے فرمائی۔ مجرد تمھاری ضعیف حالی پر رحم کیا ہے۔ کیونکہ مَنْ كَانَ اَضْعَفُ كَانَ الرَّبُّ
الْطَفُّ۔ (جو زیادہ ضعیف ہے، حق تعالیٰ اُس پر زیادہ مہربان ہے۔ بھائی حقیقت حال
یہ ہے کہ اس گروہ سے زکوٰۃ شریعت کی ملاقات ہی ناممکن ہے۔ اس لیے کہ تجرید و تفسید
ان کی راہ ہے۔ نقل ہے کہ اصحابِ صفہ میں سے ایک صحابی کا عہدِ مبارک میں انتقال ہوا
ایک دینار ان کی گڈری میں پایا گیا۔ جھنورِ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی۔ ارشاد فرمایا لَسَّ
كَيْتًا۔ قیامت میں ان کو ایک داغ دیا جائے گا۔ دوسری دفعہ ایک اہل صفہ نے رحلت کی تو دو
دینار نکلے۔ آپ نے فرمایا لَسَّ كَيْتَانِ ان کے لیے دو داغ ہیں۔ دیکھو ایسا حکم ان کے لیے
کیوں ہوا؟ صرف اس وجہ سے کہ یہ حضرات دعوائے تجرید و تفسید رکھتے تھے۔ بادیہ و صدق نیت
از رُفے ظاہر بھی ایک دو دینار کا نکلنا بھی گناہ میں داخل ہوا۔ برادرِ عزیز، پہلے قدم میں جو شخص
جان پر کھیل گیا، اُس کے نزدیک مال کی کیا حقیقت ہے؟ مگر یہ کام ہمارا تمھارا نہیں ہے۔ جن
کو یہ دولت دی گئی ہمارے اور تمھارے جیسے پیدا لشی بد بختوں کو مشابہت بھی ان حضرات سے
ہو جائے تو انشاء اللہ قیامت کے دن وہی دستگیر ہوگی مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ یعنی
جو کسی گروہ کے مشابہ ہو گیا، اس کا شمار اسی گروہ سے ہو گا۔ اور بہت کچھ صلاح و فلاح کی امید

ہو سکتی ہے۔ ورنہ ہم لوگوں کی مٹی پلید ہے۔ بھائی، ہمیشہ گناہ سے استغفار کیا کرنا۔ اور طاعت سے شرمندہ رہنا۔ جس طرح معصیت کو مغفرت کی حاجت ہے۔ اسی طرح طاعت کو بھی ضرورت ہے۔ تم کو تعجب ہوگا کہ طاعت کو اور مغفرت درکار ہے۔ سنو طاعت بھی آفت سے خالی نہیں ہے۔ اگر یہ راز تم پر کھول دیا جائے، تو یہ اعتبار معصیت عبادت سے تم زیادہ ڈرنے لگو۔ اللہ اللہ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمائیں رَإِنِّیْ لَاسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِی الْیَوْمِ مِائَۃً مَّرَّۃً میں روزانہ سو مرتبہ طلب مغفرت کرتا ہوں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ دامن نبوت غبار معصیت سے بالکل پاک تھا۔ آخر اس استغفار کا سبب طاعات کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتی ہیں کہ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت شریف کے معنی کو ہم نے پوچھا وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَّا اَتَوْا وَقَلُوْا ^{بِهِمْ} وَجَلَّةٌ اور جو لوگ کہ دیدیتے ہیں جو ان کو خدا نے دیا ہے۔ پھر بھی ان کے دل ڈرتے ہیں۔ اور عرض کی یا رسول اللہ یہ آیت کس کے حق میں ہے؟ جو شخص شراب پیے، زنا کرے، ارشاد ہوا نہیں۔ یہ آیت اس شخص کے حق میں ہے جو نماز پڑھے، روزہ رکھے، صدقہ دے اور دینا کاپنیا رہے۔ اس خیال سے کہ نہیں معلوم یہ عبادت ہماری قبول ہوگی یا نہیں۔ ان بزرگوں کا قول ہے کہ آدمی نہ ڈرے تو کیا کرے۔ یہ تو صرف اس کا کرم ہے کہ ہمارا پردہ فاش نہیں ہوتا۔ ورنہ نفاق کا حال یہ ہے کہ آپس میں سلام کلام اس طرح کرتے ہیں جس سے بغایت رسمی محبت ظاہر ہوتی ہے۔ مگر دل سے دل خار کھاتا ہے نہیں پسند کرتا کہ دد دل مل جل کر اوقات بسر کریں۔ بتاؤ یہ حقیقت اگر کھول دی جائے تو سب سے پہلے بیٹا باپ سے کزارہ کرے گا اور ماں بڑکے سے بھاگے گی نظم۔

مادر پسر نہ زاد ز من خاکسار تر

در شہر دنسیت ز من نابکار تر

جائے دگر ز حلقہ دربر کنار تر

ہستم درون حلقہ دعویٰ میان خلق

مغ یا مغان بطوع زمین راست گوئے تر
سگت یا سگان زمین بد فاسازگار تر
این برست جائی شکر کہ در موقت جلال
نومیدہ تر کسے بود امیدوار تر
دشمن میں ہم سے زیادہ بُرا کوئی شخص نہیں ہے۔ کسی کی ماں نے مجھ جیسا خواب بڑھکا پیدا
نہیں کیا۔ (۲) ہم اپنے بھوٹے دعوے کی وجہ سے لوگوں کے بیچ میں گھرے ہوئے ہیں۔ ادرا یک
دوسری جگہ ہمارے لیے کشادہ آغوش ہے۔ (۳) شرابی شرابی سے ہم سے کہیں زیادہ سچی باتیں کرتا
ہے۔ کتے کتوں کے ساتھ ہم سے کہیں زیادہ وفاداری برتتے ہیں۔ (۴) یہ شکر کا مقام ہے کہ
اُس کی عظمت و جلال کی جلوہ گاہ میں جس کو سب سے زیادہ ناامیدی ہوتی ہے اُسی کو زیادہ
امیدوار بنایا جاتا ہے۔ والسلام



پنٹیسواں مکتوب

حج کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادر م شمس الدین سلمہ اللہ تعالیٰ تمہیں معلوم ہو کہ حج میں مالی اور بدنی دونوں عبادت کی شرکت ہے۔ حج کے متعلق گردہ صوفیہ کا حال کچھ نہ پوچھو۔ اس میں بڑے بڑے اسرار اور عجیب عجیب معاملات ہیں۔ درحقیقت زیارت کعبہ معظمہ زیارت خداوند جل و علا ہے۔ یعنی مکان کی زیارت سے، لیکن کی زیارت حاصل ہوتی ہے۔ اس عزت و توقیر کا منشا اس کا کرم عظیم ہے۔ حق تو یہ ہے کہ طالبانِ صادق کا مقصود حج خانہ سے خداوند خانہ ہے۔ خانہ صرف درمیان میں بہانہ ہے۔ دیکھو حضرت سلطان العارفین یا زید بسطامی قدس سرہ العزیز کیا فرماتے ہیں میں پہلی دفعہ جب حرم محترم گیا، صرف جمال کعبہ کی بہار لوٹی۔ دل میں سوچا کہ خالی گھر دیکھنے کا کیا حاصل ہر قسم کی عمارتیں تو بہت دیکھنے میں آئی ہیں۔ میں تو صاحب خانہ کا متلاشی ہوں۔ واپس چلا آیا۔ دوسرے سال پھر گیا، حرم میں پہنچا، دل کی آنکھ کھولی، مکان و مکین دونوں پر نظر پڑی۔ خیال ہوا کہ این چہ معنی دارد۔ عالم الوہیت میں شرکت کہاں اور عالم وحدت میں دوئی کا وجود کیونکر؟ پھر محبوب، خانہ اور میں۔ تین تین کا مجموعہ۔ پناہ یہ خدا۔ ایک کے سوا اس راہ میں جو شخص دودیکھتا ہے وہ علیحدہ ہے۔ واسے بر حال ماکہ میں دوسے بڑھ کر تین تک پہنچ گیا۔ میرے لمحہ ہونے میں کیا شک باقی رہا۔ یہ سوچتے ہی فوراً لوٹا۔ اور تیسرے سال پھر گیا۔ حرم میں پہنچا۔ لطف محبوب نے مجھ کو آغوش میں لے لیا۔ اور سائے حجابات میرے دل کی آنکھ سے دور کر دیے۔ شمع معرفت میرے قلب میں روشن کی اور میری ہستی کو الٰہی تجلیات سے جلا ڈالا۔ بعدہ میرے لطیفہ سر میں یہ خطاب ہوا کہ اَنْتَ زَاہِرٌ حَقًّا

فَحَقُّ عَلَى الْمَرْوَرِ أَنْ يُكْرِمَ زَائِرَهُ۔ (تو سچے دل سے میری زیارت کرنے آیا ہے۔ تو جس کی زیارت کی جاتی ہے اس پر حق ہے کہ زیارت کرنے والے پر بخشش کرے)۔ بیت

تا چشم بر کشادم نوز رخ تو دیدم تا گوش بر کشودم آواز تو شنیدم

(جب میں نے آنکھ کھولی تو تیرا ہی جلوہ دیکھا۔ جب میں نے کان لگایا تو تیری ہی آواز سنی) خیر عاشقانہ رنگ کا یہ بھی تقاضا ہے کہ محبت صادق کے لیے جمالِ کعبہ اس محبوب بے نشان کا ایک نشان ہے۔ آخر کریں تو کیا کریں۔ وہاں پہنچ کر اپنے دل کو تسلی دیتے ہیں کہ مَنْ مُنِعَ عَنِ النَّظَرِ قَسَلَتْ بِالْأَثَرِ۔ جو شخص محبوب کا جمال دیکھنے سے محبور ہے لامحالہ اُس کی نشانی سے دل بہلاتا ہے۔ تم نے محبوں کا حال سنا ہو گا کہ صبح شام خانہ یلی کے چاروں طرف چکر لگاتا اور در و دیوار کو چومتا پھرتا اور ان اشعار کو پڑھتا تھا۔

أَطُوفُ إِلَى جَدَائِرِ دِيَارِ لَيْلِي أَقْبِلُ ذَا الدِّيَارِ وَذَا الْحَيْدِ اسْرَا
فَمَا حُبَّ الدِّيَارِ شَفَعَنَ قَلْبِي وَلَكِنْ حُبَّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَا

(میں یلی کے گھر کی دیواروں کے چاروں طرف گھومتا ہوں۔ میں چومتا ہوں اس گھر کے رہنے والے کو۔ گھر کی محبت نے میرا دل نہیں بھایا ہے۔ مگر اُس نے جو اس گھر میں مقیم ہے)۔ اسی طرح طالبانِ صادق جب خانہ کعبہ میں پہنچتے ہیں تو جبینِ نیاز اس آستانہ کی خاک پر غایتِ شفقت میں ملے ہیں۔ اور دردِ دل سے نالا کرتے ہیں۔ اس آرزو اور اس امید میں رہتے ہیں کہ شاید گھر دیکھتے دیکھتے صاحبِ خانہ بھی نظر آجائے اور ”در چشم طلبگار عیانم“ (میں ڈھونڈنے والوں کی آنکھ میں ظاہر ہوں) کا جلوہ ظاہر ہو۔ بھائی، وہ بیت اللہ ہے اس کے ساتھ جو شفقتِ دل میں نہ پیدا ہو مقوڑا ہے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ جب محبِ جان لیتا ہے کہ اس کا مقصد اس در سے پورا ہو گا تو پھر وہاں سے ٹالے نہیں ملتا۔ اگر مدتِ العمر میں ایک لمحہ کے لیے بھی وہاں سے گھبرا کر اُٹھ جائے تو صاف صاف سنا دیا جاتا ہے کہ بسم اللہ جہاں جی چاہے تشریف لے جائے۔ جدھر کی ہوا سر میں سمائے اُدھر کی

راہ لیجیے۔ مجھے کوئی غرض نہیں۔ واضح رہے کہ مجھ سے الگ ہو کر اگر کلیم اللہ کا پاؤں بھی پکڑو گے تو وہ دستگیری نہ کریں گے۔ اگر روح اللہ کے قدم پر سر بھی رکھو گے تو وہ قبول نہیں کریں گے۔ سن لو! اگر جان کی سلامتی چاہتے ہو تو کھسک جاؤ۔ اور اگر سارا جہان درکار ہے تو اس در سے ٹپکنے کا نام نہ لو۔ برادر عزیز زہے نصیب ان کے جو بیت اللہ میں اپنی عمر گزار دیں۔ اللہ اکبر! جہاں کی ایک دفعہ کی حاضری بڑی سے بڑی دولت ہو، وہاں کی تمام عمر جبہ سانی کیا رنگ لائے گی۔ اس معنی کی طرف اپنے سخن گہریار میں حضرت سید مختار احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے۔ حَجَّةٌ مَبْرُورَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا۔ حج پسندیدہ بارگاہ بہتر ہے دنیا سے اور جو کچھ دنیا میں ہے۔ کیوں نہ ہو حَوَالِيْہِ مِنْ كُلِّ فِجٍّ عَمِيقٌ (اس کے گرد اگر دہر طرف کشادہ عمیق راہیں ہیں)۔ دیکھو سفر حج میں انسان اہل و فرزند کی محبت دل سے نکال دیتا ہے۔ اور ہمہ تن متوجہ الی اللہ ہو جاتا ہے۔ اس قدر سختی مجاہدہ کے بعد جس وقت جمالِ کعبہ دیکھتا ہے ایسی خوشی اس کو ہوتی ہے اور ایسی قلبی راحت اس کو ملتی ہے کہ اور سامانِ عافیت اس کی نظر میں سراسر تکلیف نظر آنے لگتے ہیں۔ اگر کہیں اس کی خوش نصیبی سے نسیم عنایت چل گئی، اور اس کے حجابِ وجود کو اس کی نظر سے..... دور کر دیا، پھر کیا ہے، جو عرشِ کدل کا کعبہ ہے، آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ اب اس کا حال یہ ہے کہ محرابِ قدس کی طرح سے عرشِ مجید کے گرد اگر دھواں کر رہا ہے۔ اس مقام میں ایسی لذت ہوتی ہے کہ لذاتِ بہشت کا بمقابلہ اس کے کوئی شمار نہیں اس سے ترقی کر کے سر کی نگاہ کون و مکان سے اگر گزر گئی اور محسوسات و معقولات کو اس نے نظر انداز کر دیا، تو وہ ہے اور محبوب کا دیدار ہے۔ اب اس کا حال نہ پوچھو۔ نہ اور اک وہاں تک پہنچ سکتا ہے۔ حَجَّةٌ مَبْرُورَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا (پسندیدہ بارگاہ حج دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب سے اچھلے)۔ کہو کیسا چسپیدہ ہوا۔ بلکہ خَيْرٌ مِّنَ الْعُقُبَى (آوت سے بھی اچھا)۔ بھی کہا جائے تو زیبا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ حَجَّةٌ مَبْرُورَةٌ مَا لَهَا جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ (حج پسندیدہ کی جزا سوائے بہشت کے نہیں ہے)۔ یعنی جب

محب محبوب کی محبت میں بال بچوں کے تعلقات سے جدا ہو گیا اور جان و دل کی بازی لگادی۔ اُس وقت اس کا مطلوب رضا اور لقا کی خلعت سے مشرف کرے گا۔ یہ اُن لوگوں کا کہا ہوا ہے کہ اگر دیدار کا وعدہ بہشت میں نہ ہوتا تو طالبوں کے دل پر بہشت کا خیال بھی نہیں آتا۔ اور کوئی شخص اپنی خواہش سے جنت میں قدم نہ رکھتا۔ اسے بھائی بہشت گویا کہ ایک سیپ ہے جس میں محبوب کی رضا مندی کا موتی ہے۔ سمندر میں ہوشیار ڈبکی مارنے والا جب غوطہ لگاتا ہے تو گوہر شاہوار کے سوا کچھ نہیں باہر لاتا۔ ایک صاحب تحقیق نے کہا ہے۔ قطعہ

شریت وصل را بہشت خستہ است در رہ عاشقان بہشت بستہ است

نزدِ شان خود بہشت دوزخ نیست تا پر دمرغ دامن دادانہ یکے بہت

یعنی وصال کے شربت کے مقابلہ میں بہشت ایک تنکے کے برابر ہے۔ عاشقوں کے راستے میں ایسے ایسے بہشت ہزاروں ہیں اور ان کے نزدیک بہشت و دوزخ کوئی چیز نہیں ہے جب چڑیا اڑائی تو پھندا اور دانہ برابر ہے۔ یہ اڑنے والے طائر ہویت کی فضا میں اڑتے ہیں۔ تاکہ بارگاہِ صمدیت کا قرب حاصل ہو۔ جب تک چڑیا اڑتی ہے اس کو دانے پانی کی پروا نہیں ہوتی۔ غرض یہ کہ جہاں کہیں شوق و محبت کی باتیں ہیں وہاں بہشت کی نعمتیں اور دوزخ کی تکلیف کا ذکر کہاں۔ حضرت محمد بن فضیل فرماتے ہیں، مجھ کو سخت تعجب ہوتا ہے کہ دنیا میں اس کا گھر لوگ کیا ڈھونڈتے ہیں۔ دل میں اُس کا جلوہ کیوں نہیں دیکھتے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ گھر ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی گھر نہ ہو لیکن مشاہدہ تو یقینی ہوگا۔ اگر وہ پتھر جس پر سال بھر میں ایک دفعہ اس کی نظر پڑتی ہے اس کی زیارت فرض ہو جاتی ہے (حجر اسود) مراد ہے۔ پھر اس دل کی زیارت جس پر تین سو ساٹھ مرتبہ نظر پڑتی ہے اور دین فرض کیوں نہ ہوگی۔ اس زمانے میں ہم جیسے بد بختوں کو نہ گھر کی زیارت نہ دل کی زیارت نصیب ہے۔ مصیبت کی خاک سر پر اچھالنا ہے۔ اپنی سخت بد نصیبی پر رونا چاہیے اور حیلے تدبیر سے ہاتھ دھولینا چاہیے۔ کیا خوب کہا ہے۔ بیت۔

من دریغ صبحِ طرب دلِ طالبِ شہا سے غم بدرِ ز مادر زاد را از حیلہ کے مقبل کہنم

(یعنی میری تمنا ہے کہ خوشی کی صبح دیکھوں اور دل مصیبت و غم کی باتیں چاہتا ہے جو ازنی بد نصیب ہے اس کو میں اقبال مند کیونکر بنا سکتا ہوں)۔ اپنے اور اپنی عبادت کے گھنڈے سے نفرت کرو۔ اپنے اس ایمان کو کفر کے برابر سمجھو۔ اپنی عبادت کو بت پرستی جانو اور اپنی ذات کو نمزداد اور فرعون تصور کرو۔ اور دعووں سے کنارہ کش رہو۔ کیونکہ غرت ربوبیت کی بارگاہ اسی بارگاہ ہے کہ جو کوئی اس کے کنارے پہنچ گیا اس کے سارے دعوے خست ہو گئے، اور اس کی کل پونجی پھینک دی گئی اور اس کی نیکیوں پر گمراہی کا رنگ چڑھ گیا۔ اور اس کی عبادتیں گناہوں کے برابر ہو گئیں۔ اگر بولنے میں بیکتاے روزگار ہے تو اس کی زبان گونگی ہو جائے گی۔ اور اگر عالم ہے تو جاہل بن جائے گا۔ اگر اس کی عظمت کی طرف تم دیکھو گے تو کل موجودات کو نیست و نابود پاؤ گے۔ اور جب اس کی قدرت و عظمت کی شہنشاہی پر آنکھ ڈالو گے تو جتنی چیزیں معدوم ہو چکی ہیں ان کو موجود دیکھو گے۔ دیکھو۔ یہ امر مسلم ہے کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسا کوئی شخص پیدا نہ ہوگا۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ایسا پیدا کرنا اس کی ید قدرت سے باہر ہے۔ نہیں نہیں، اگر وہ چاہے تو ہر لحظہ میں ہزاروں منظر جمال حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مانند پیدا کر دے۔ اور ہر سالس میں ان کو ایسی معراج ہو کہ قاب قوسین تک رسائی ہو جائے۔ کیا شانِ عظمت و جلال میں اس سے کچھ زیادتی ہوگی؟ ناممکن۔ بالکل محال۔ اسی طرح اگر وہ چاہے تو ایک آن میں لاکھوں کو پیدا کر کے رکھ دے تاکہ دعویٰ اَنَّا رَبُّکُمْ الْاَعْلٰی (میں تمہارا بزرگ، برتر پروردگار ہوں) سے جہان میں وہ شور و فساد برپا کر دیں۔ پھر بھی اس تخلیق سے کیا جمال و کمال میں اس کے ذرہ برابر بھی کمی ہو سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ اور سنو، اگر وہ چاہے تو روئے زمین میں جتنے مشرک و کافر ہیں سبھوں کو دریائے رحمت میں غرق کر دے۔ اس سے ہر گز یہ نہ سمجھنا کہ صفتِ قہر میں اس کے کمی آئی یا آ سکتی ہے۔ اور سنو، اگر وہ چاہے تو جہان میں جتنے نبی و دلی ہیں ایک ڈوری میں قہر کی باندھ کر ابد الابد تک عذاب الیم میں مبتلا کر دے۔ کیا اس سے صفتِ رحمت میں اس کی کچھ بھی کمی پیدا ہوگی بالکل نہیں

برادر عزیز: تم سن کر حیران ہو گے، کہ خدا میں ایسی ایسی صفتیں بھی ہیں۔ اللہ اللہ، بشر کیا سمجھے اور کیا جانے۔ اس سے بھی کہیں زیادہ ارفع و اعلیٰ اس کی شان ہے۔ قدرت و عظمت کا جہاں علم بلند ہوا، مکونات، مقدورات اور مخلوقات کی کچھ ہستی بھی باقی رہ سکتی ہے؟ ناممکن۔

نقل:- ایک شخص نے اپنے رٹکے کو مکتب خانہ میں بھیجا۔ جب شام کو وہ رٹکا گھر آیا تو باپ نے پوچھا۔ "کو آج استاد نے کیا پڑھایا۔" اُس نے کہا ابھی تو الف ہی کی نوبت ہے جس کا مطلع صاف ہے۔ اور بالکل مجرد ہے۔ جہاں ایسی بڑی بڑی کتابیں ہو رہی ہوں، وہاں اس کا شمار ہی کیا ہے؟ والسلام۔

چھتیسواں مکتوب

دعا کرنے اور سورہ تہا سے قرآن شریف پڑھنے کے بیان میں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

میرے عزیز بھائی شمس الدین۔ اللہ تمہاری دعاؤں کو قبول کرے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس امر میں اہل معاملات کا اختلاف ہے کہ دعا کرنا ادنیٰ ہے یا خاموش رہنا۔ کیونکہ ازل میں جو حکم جاری ہو چکا، وہ ہو کر رہے گا۔ بعض کا قول ہے کہ دعا بہ نفس نفیس خود عبادت ہے۔ حدیث شریف میں ہے الدُّعَاءُ مَخُّ الْعِبَادَةِ (دعا عبادت کا مغز ہے)۔ پھر جو چیز عبادت بنائی گئی ہے ترک کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ مانا کہ دعا قبول نہ ہو، اور حاجت پوری نہ ہو، کم از کم اتنا تو ہو گا کہ ایک عبادت پر عمل ہو جائے گا۔ اور دعا میں ایک قسم کی حاجت مندی اور نیاز مندی کا اظہار ہے۔ اس بارگاہ الہی میں۔ چنانچہ خواجہ حازم اعرج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دعا سے باز رہنا ہم پر بہت زیادہ شاق ہے۔ دعائی ہماری بلا ہے۔ مستجاب ہونہ ہو ہم دعا کرنا نہیں پھوڑ سکتے۔ اور ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ دعا کرنے سے خاموش رہنا بہتر ہے۔ اور راضی برضا رہنا اولیٰ ہے۔ کیونکہ حکم سابق ہے جو ہو چکا وہ ہو چکا۔ اس لیے امام واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبول کرنا اس چیز کا بہتر ہے جس کا حکم ازل میں ہو چکا۔ اس وقتی جھگڑے کا کیا فائدہ کہ ہم کو یہ چاہیے، ہم کو وہ چاہیے۔ اے خدا ہم کو اتنی دولت دے اے اللہ! ہم کو اس قدر ادا عطا فرما۔ وغیرہ وغیرہ۔ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی کہی ہوئی بات فرماتے ہیں۔ مَنْ شَغَلَهُ ذِكْرِي عَنْ مَسْأَلَتِيْ اَعْطَيْتُهُ اَفْضَلَ مَا اَعْطَيْ السَّائِلِينَ (جس شخص کو ہمارا ذکر سوال کرنے سے باز رکھے ہم اُس کو سوال کرنے والوں سے کہیں زیادہ دیتے ہیں)۔ بہر کیفیت، دعا کرنا اور خاموش رہنا یہ دو قسم کے خیال اکابروں میں پائے جاتے ہیں اور

دو نول کے پاس دلیلین بھی ہیں۔ یہاں پر ارباب علم کیسوی اختیار کرنے میں تامل کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جب دونوں باتیں اپنی جگہ پر صحیح ہیں تو ہم ایک کو دوسرے پر ترجیح کیوں دیں۔ یہ کیوں نہ کہیں کہ جیسا وقت حکم دے ویسا کرنا چاہیے۔ بعض وقت ایسا کرتا ہے کہ دعا کرنا خاموش رہنے سے کہیں افضل و بہتر معلوم ہوتا ہے۔ دعا کرنا بھی کمال درجہ کا ادب ہے بعض بعض حالتوں میں دعا کرنے سے خاموش رہنا زیادہ عمدہ ہے۔ یہ بھی ادب ہی ہے ان دونوں باتوں کا علم اپنے اپنے وقت پر ہوتا ہے۔ اگر طالب اپنے دل میں اشارہ دعا کی طرف پائے، تو دعا کرنا بہتر ہے۔ اور اگر چپ رہنے کی رغبت ہو تو سکوت افضل ہے۔ بزرگوں کا خیال ہے کہ رعایت احوال کی بہت ضروری ہے۔ اگر دعا کرنے میں بسط پیدا ہو اور وقت ختم ہو تو دعا کرنا مناسب ہے۔ اگر دعا کے وقت اپنے دل میں انقباض اور رکاوٹ پائے تو ترک دعا اولیٰ ہے۔ اور اگر ایسا موقع آجائے کہ نہ دل کو بسط ہو نہ قبض، ایسی صورت میں دعا و سکوت دونوں برابر ہیں۔ ہاں اس وقت علم کا غلبہ ہو تو دعا کرے۔ کیونکہ دعا عبادت بھی ہے اور اگر اس وقت معرفت کا غلبہ ہو اور حال غالب ہو تو سکوت و سکون ہی بہتر ہے۔ دعا و سکوت کے متعلق بزرگوں کی جو تقریر ہے اور جو کچھ ان کے اقوال سے پیش کیے گئے اس سے سمجھنا چاہیے کہ دعا و سکوت میں افضل کون ہے۔ اچھی طرح غور کرو اس میں اور خوب ڈوبو تا کہ فائدہ حاصل ہو۔ اور اخبار و حکایات اس بارے میں بہت ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ حدیث: یہ بات بالکل درست درامت ہے کہ بند اپنے خداوند کو یاد کرتا ہے اور پکارتا ہے۔ اگر اس بندے کو خدا تعالیٰ دوست رکھتا ہے تو فرماتا ہے کہ اے جبریل اس بندے کی حاجت بر آری میں تاخیر کرو اس لیے کہ میں یہ بات اچھی معلوم ہوتی ہے کہ اس کی آواز سنتے رہیں۔ اور اگر بندہ اپنے پروردگار کو یاد کرتا ہے اور خدا اس کو دشمن رکھتا ہے تو یہ حکم دیتا ہے کہ اے جبریل اس بندے کی حاجت پوری کر کہ اس کی آواز سنتا ہوں کو ناپسند ہے۔ حضرت یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ کو ہم نے خواب میں دیکھا تو عرض کی کہ تیری بارگاہ میں کب تک ہم التجا کرتے رہیں۔ کیونکہ تو قبول ہی نہیں کرتا۔ ہمیں جواب ملا کہ اے بھئی تیری آواز سننا ہم کو مطبوع ہے اور حدیث میں ہے۔ فرمایا اسی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ کہ بندہ جب اپنے خداوند کو پکارتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس بندہ سے خشم ناک رہتا ہے تو اس کی پہلی آواز سن کر اللہ تعالیٰ منہ پھیر لیتا ہے۔ پھر تیسری بار بندہ پکارتا ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ ملائکہ کو ندا کرتا ہے کہ دیکھو فرشتو! اور ہا میرا بندہ اس بات پر کہ جو کچھ ہو مگر اللہ کے سوا دوسرے کو نہ پکاریں گے۔ اس لیے میں نے قبول کیا اس کی دعا کو۔ حضرت بھئی معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ مناجات میں اپنے کہا کرتے تھے۔ کیونکہ ہم تجھ کو یاد نہ کریں گے، تو ایسا بڑا کریم و رحیم ہے۔ خداوند اگر تیغِ قر عدل کی نیام سے کھینچ لے تو بغیر ان معصوم اور فرشتگانِ مقرب نیستی کو ہستی پر ترجیح دینے لگیں۔ اور اگر خزانہ رحمت تو بخش دے، تو کافرانِ روم و ہند ٹھنڈی چادر تان کر سکھ کی نیند سو رہیں۔ اور جان و دل نثار کرنے لگیں۔ اے اللہ! ختمِ کتب و افاضتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم فاقہ سے پتھر پیٹ پر نہ باندھا تو مقامِ مخالفت میں بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پتھر نہ پھینکا۔ طاعت ہماری گرچہ تھوڑی ہے۔ اس کو قبول کرے کہ تیرے یہاں سودا سلف خرید و فروخت کا معاملہ نہیں ہوتا۔ گناہ ہمارے گرچہ بہت ہیں۔ اس کو تو بخش دے کہ غصہ تجھ پر غالب نہیں ہو سکتا۔ بندگی ہم نے نہیں کی ہے مگر بندہ ضرور ہیں اور اپنے افعال سے نہایت پریشان و پرالگندہ ہیں۔ تیرے گنہگار ہیں اور تجھی سے پناہ طلب کرنے والے ہیں۔ اگرچہ عیب ناک ہیں، مگر تیری ملک ہیں۔ اے بادشاہ تیری ذات سے انکار کرنے والے لوگ موجود ہیں۔ اپنی شانِ جباری کی سیاست جو لوگ تیری ہستی کے مقر ہیں، ان پر جاری نہ کر۔ اے جبار! تیرے بڑے گردن کش موجود ہیں جن کو تجھ سے جنگ ہے، مومنانِ صلح جو کو اپنے در سے نہ نکال۔ تو بڑا بے نیاز ہے۔ اس لیے ہم کو سخت خوف ہے۔ اور تو بڑا بندہ و نواز ہے اس واسطے ہمیں بے انتہا امید بہ مطیع لوگ نہایت شرمندہ ہو رہے ہیں، ان کو دلاسا دے۔ عاصی لوگ دل شکستہ

نور ہے ہیں، ان کے سینے پر مرہم رکھ، دستگیری فرما۔ پائمال نہ کر بخش دے۔ گوش مالی سے بچا !
 اے اللہ تیرے لائق تو ہم نہیں ہیں۔ مگر اس بار گاہ رسالت کی امت ہیں۔ جس رسول کریم کی ہمارے
 لیے خواہش ہے کہ عذاب دوزخ سے ہم محفوظ رکھے جائیں۔ اور تیرا کرم ایسا ہی گزرے گا کہ ہم محفوظ
 رہیں گے۔ دوزخ میں نہ جانے پائیں گے۔ اگر اس کی صلاحیت نہیں ہے کہ جہاد میں ہم بر آئیں اور
 صفت جنگ میں ہم کھڑے ہو کر مردانہ وار کفار کو تہ تیغ کریں تو اتنا ہے کہ ہر روز تیرے در پر
 پانچ مرتبہ حاضر ہوتے ہیں اور زمین پر سر ٹکراتے ہیں۔ پروردگار! اگر تو نے کوئی گناہ ہمارے گنا
 سے بدتر بخش دیا ہے تو ہمیں بھی محروم نہ کر۔ اگر کسی شخص کی ناقص طاعت تو نے قبول کی ہے، تو
 ہماری اس طاعت ناپسندیدہ کا طمانچہ ہمارے منہ پر نہ مار۔ اگر تو ہمارا رفیق نہ بنے گا تو اس دنیا کی
 راہ دراز اور پیچ در پیچ کیونکر طے ہوگی۔ اگر تو ہمارا شفیع نہ ہوگا تو بد بختوں کے دفتر سے ہمارے نام کو
 کون ملے گا۔ تو ہر وقت بخش سکتا ہے۔ فردا سے قیامت پر موقوف نہیں۔ یہ کیوں نہ کریں کہ ہم
 تجھ سے آج ہی داد خواہ ہو کر فائدہ اٹھائیں۔ اس لیے ہماری عرض ہے کہ بغیر انتظار فردا آج
 ہی ہم کو بخش دے۔ مناجات ...

- | | | |
|---|-------------------------------|------------------------------|
| ۱ | دلہم را از کرم حاجت روا کن | خداوند ا امید ما و ناکن |
| ۲ | دلہم را زندہ گردان از حضور | منور دار حیا کم را بنور |
| ۳ | از خواب غفلتم بیدار گردان | دلہم را محرم اسرار گردان |
| ۴ | تو را از ذوق ایمان دہ درال دم | چون جان را منقطع شد از جہانم |
| ۵ | نیا یاد از جہانے جسم باکم | چون با ایمان فرد بردی بکن کم |
| ۶ | دران ہنگام چون نظر راہ گانیم | خداوند ا ہمہ بے چارہ گانیم |
| ۷ | سعید از ما کدام بہت شوقی کیست | کہ داند تا بہ معنی متقی کیست |

مثنوی

از تو بخشودن بہت و بخشیدن از من افتادن بہت و بخشیدن

۶ دل گم گشتہ را رہے ہمارے
۱۵ بدمانیک شد چو پذیرفتی
۱۱ بستہ خویش کن میر خواہم
مردم دیدہ را درے بکشتائے
نیک مابد شدہ چو بگرفت
تشنہ خویش کن مدہ آبم

ترجمہ مناجات :- (۱) اے خدا میری مرادیں بر لا۔ اپنی بخشش سے میرے دل کی حاجتیں پوری فرما۔ (۲) اپنے لڑے میری جان روشن کر دے۔ اپنی زیارت سے میرے دل کو زندہ کر دے۔ (۳) میرے دل کو اپنے بھیدوں کا راز داں بنادے۔ غفلت کی نیند سے مجھ کو جگا دے۔ (۴) جس وقت جان کا تعلق دنیا سے کٹ جائے، اے اللہ اُس وقت تو مجھ کو ایمان کی لذت عطا فرما۔ (۵) جب ایمان کے ساتھ میں زمین میں دفن ہو جاؤں گا، تو گناہوں کا کوئی ڈرنہ رہے گا۔ (۶) اے خدا ہم لوگ بے کس اور بے بس ہیں۔ تری رحمت کی طرف ٹٹکنکی باندھے ہوئے ہیں (۷) کون جانتا ہے کہ درحقیقت پرہیزگار کون ہے۔ کیا خبر کہ ہم میں ~~نیک~~ نیک بخت کون اور بد بخت کون ہے۔ مثنوی کا ترجمہ :- (۸) تیرا کام بخشش کرنا ہے۔ ہمارا کام گناہ اور پھسلنا ہے۔ (۹) بھٹکے ہوئے دل کو راستہ دکھا۔ آنکھوں کے سامنے رحمت کا دروازہ کھول دے۔ (۱۰) ہماری برائیاں بھی نیکیاں بن گئیں جب تو نے ہم کو قبول کر لیا اور ہماری نیکیاں عذاب جان ہو گئیں جب ہم مجرم قرار دیے گئے۔ (۱۱) تیری ہی لو لگی رہے۔ میری آنکھوں کی نیند اڑا دے۔ اپنا ہی پیا سا بنادے۔ پانی کی ہم کو ضرورت نہیں۔ حضرت سفیاں بن عیینہ رضی اللہ عنہ کی نقل ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ گناہ و معصیت کے باعث تم دعا کرنے سے باز نہ آؤ۔ کیونکہ حق سبحانہ تعالیٰ نے اجابت کی اس ابلیس کی دعا کو، جو بدترین خلق اور کفر و کافری کا پیشوا تھا جس وقت اُس نے یہ کہا رَبِّ انْظُرْنِي اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ۔ قَالَ فَاَنْتَ مِنَ الْمُنْظَرِ مِنْہٗ (اے خدا قیامت تک کے لیے مجھ کو چھوڑ دے۔ کہا تو پھٹا ہوا ہے)۔ یہ رنگ دیکھ کر بہت کچھ امید ہوتی ہے کہ جس خدا نے امام کفر شیطان کی دعا قبول فرمائی ہے۔ مومن عاصی اگر اس کے دربار میں گرا گرٹائے گا تو کیا وہ محروم رکھے گا۔

ہرگز نہیں۔ اگر تم یہ کہو کہ دعا کا فائدہ ہی کیا ہے۔ کیونکہ قضا و قدر کا رد نہیں۔ جواب۔ بلا
 جو دعا سے رد ہوتی ہے یہ بھی تو قضا و قدر ہی کی وجہ سے ہے۔ یعنی دعا سبب واقع ہوتی ہے
 رد بلا کا اور رحمت کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے جس طرح تیر کے لیے ڈھال رو ہے۔ اسی طرح
 دعا بلا کے لیے سپر ہے۔ ایک کا رد دوسرے سے ہوا کرتا ہے۔ تقدیر و قضا و قدر پر اعتقاد
 کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان تیغ و تبر کے وار کو روکے نہیں اور دانہ چھینٹ کر پانی نہ دے۔
 اور اگر کوئی کہے بھی کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟ تو وہ یہ جواب دے کہ اگر زندگی ہوگی تو اس
 تیر و تلوار سے کیا شدنی ہے۔ اور غلہ ہونے والا ہوگا تو خود ہوگا پانی دینے اور خبر گیری کرنے
 کی کیا ضرورت ہے۔ یہ خیال غلط ہے سمجھنا چاہیے کہ جس چیز میں خیر مقدر ہے اُس کے
 لیے اسباب بھی معین ہے۔ اور جس چیز میں شر پوشیدہ ہے اس کے واسطے بھی ذرائع
 اور دفع کرنے کی تدبیریں ہیں۔ اس پر غور کرو اور اس کی تہ کو پہنچو۔ اس سے یہ ہوگا کہ دل
 میں جس قدر تشویش اور الجھاؤ پیدا ہوا ہے جاتا رہے گا۔ اس فیصلہ کے بعد ایک بات کار
 آمد اور سنو، بارگاہ الہی میں دعا کرنا ہو، یا سوال کرنا ہو، اس امر کی نگہداشت بہت ضروری
 ہے۔ بعضوں کے نزدیک تین بار بعضوں کے نزدیک پانچ بار بعضوں کے نزدیک سات بار
 دعا یا سوال کرنا چاہیے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت پیغمبر صلی
 اللہ علیہ وسلم جب دعا فرماتے تھے تو لفظ تین بار سوال فرماتے۔ یہاں پر ایک بات
 اور بھی قابل خیال ہے یعنی جب دعا یا سوال شروع کرو تو پہلے تین بار درود شریف پڑھ لیا کرو
 اور جب ختم کرو جب بھی درود شریف پڑھ لینا چاہیے حضرت ابوسعید درانی رحمۃ اللہ علیہ
 یہ مروی ہے اس ترکیب سے امید اجابت ہے۔ اب رہا قرآن شریف کی سورتوں کے متعلق
 بزرگوں نے کیا کیا فرمایا ہے۔ ائمہ کبار و علمائے بزرگوار حسب ذیل سورتوں کے بارے میں یہ
 فرماتے ہیں۔ اگر کسی شخص کو کوئی حاجت پیش آئے تو اُس کو چاہیے کہ صبح کی سنت و فرض
 کے درمیان اکتالیس مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھے / اور اگر کوئی دشمن کے شر سے بچنا چاہے تو

ایک ہزار مرتبہ سورہ قیث ید ا پڑھے۔ اور قضاے حاجت کے لیے اکتالیس مرتبہ سورہ النعام پڑھنا بھی بہت مفید ہے۔ اور سات ہزار بار سورہ اخلاص پڑھنا بھی بہت بہتر ہے۔ دشمن کے دفع کرنے کے لیے ایک ہزار مرتبہ سورہ نوح پڑھنا اکیر ہے۔ جو شخص بعد نماز عصر کے سورہ نازعات پڑھے وہ صرف ایک وقت کی نماز کے وقفہ تک ہزار میں رہے گا۔ اس سے زیادہ نہ رکھا جائے گا۔ اور جو شخص نماز عصر کے بعد پانچ مرتبہ سورہ عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ پڑھا کرے اُس کو آسمان والے اسیر اللہ کہیں گے۔ یعنی خدا کی محبت کا قیدی ہے۔ اور اگر کوئی شخص کسی کام میں عاجز رہ جائے اور کسی طرح اس سے بنائے نہ تو بعد نماز عشاء سو بار یا فتاح یا فتاح پڑھے۔ خداوند غرور اپنے فضل سے کوئی راہ نکال دے گا۔ دشواری مہمات کے لیے اکتالیس بار سورہ یس پڑھنا بہت مفید ہے۔ اور جو شخص بعد نماز جمعہ بات کرنے سے قبل سات بار سورہ فاتحہ سات بار سورہ اخلاص سات سات بار مَعُوذَتَین پڑھے گا اللہ تعالیٰ اُس کو دوسرے جمعہ تک غم سے شفقت سے بلاؤں سے محفوظ رکھے گا۔ تنگی معاش کی شکایت ہو تو سورہ دھر ہر شب جمعہ کو پڑھا کرے۔ جو شخص بعد فراغت نوافل و ادعیہ دیگر تخلیہ میں چلا جائے اور ہاتھ اٹھا کر سو مرتبہ یا رب یا رب کہے جو کچھ اللہ تعالیٰ سے چاہے گا پائے گا۔ اگر اسی طرح ہزار بار کہے تو یقینی حاجت پوری ہوگی۔ برادر عزیز ہر حال ناامیدی نا پسندیدہ ہے۔ اور امید پسندیدہ ہے۔ جب امید پسندیدہ ہوئی تو امیدوار رہنا بہت زیادہ پسندیدہ ہوگا۔ دیکھو جو گناہگار ناامید نہیں ہیں اُن کو جمیع وجوہ مغفرت کی بشارت دی گئی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِیْعًا (اللہ سب گناہوں کو بخش دے گا)۔ یہی بات ہے جس نے یہ کہا ہے۔ بیت۔

چون مغفرت بہت وعدہ حضرت اد از کردہ گناہ خود پہ باک بہت مرا

جب اُس نے مغفرت کا وعدہ کر لیا ہے تو اپنے گناہ کا مجھ کو کیا غم ہے۔ برادر عزیز کن

کن عنایتوں کا ذکر کیا جائے ذرا اس خطاب کو دیکھو یا عبادِی الذین اسرفوا۔ (اے میرے بندو جو اپنی حد سے بڑھ گئے ہو)۔ یہ نہیں کہا یا ایہا الذین اطاعوا۔ (اے وہ لوگ جنہوں نے بندگی کی)۔ اور نہیں کہا یا ایہا الذین تابوا (اے وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی)۔ اور نہیں کہا یا ایہا الذین اتقوا (اے وہ لوگ جنہوں نے پرہیزگاری کی)۔ یہ بشارت ہیں تمہیں اور تمام گناہگارِ ان عالم کے لیے کافی ہے۔ بات یہ ہے برادر کہ بندگانِ مطیع و متقی و تائب کا بھروسہ اپنے اعمال پر ہے۔ اور سمجھتے ہیں کہ یہ عمل صالح ہمارے کام آئے گا۔ اور کوئے سلامت تک پہنچائے گا۔ مگر غریب سیاہ رو گناہگار تباہ کار شرمسار اپنی بد بختی سے نہ یہاں سر اٹھاتے ہیں نہ وہاں سر اٹھائیں گے۔ اس لیے مَنْ كَانَ أَوْعَفُ كَانَ الرَّبُّ بِهِ الْوَفَا (جو زیادہ کمزور ہے اُس کے لیے خدا زیادہ مہربان ہے) کا نتیجہ نکلا۔ قطعہ

بسیار شود اگر گناہم

نومید نیم ز حضرت تو

در دنیا و آخرت پناہم

زیرا کہ بغفور و رحمت تست

(تیری درگاہ سے نا امید نہیں ہوں۔ اگر میرے گناہ بہت ہیں۔ کیونکہ تیری رحمت اور عفو دنیا و آخرت میں مجھ کو پناہ دینے والی ہے)۔ اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔ والسلام۔

سینسیواں مکتوب

عبادت کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے بھائی شمس الدین اللہ تم کو عبادت کرنے والوں کی بزرگی عطا فرمائے یقین معلوم ہو کہ عبادت دلوں کی پونجی، متقیوں کا زیور، مردوں کا ہنر، ہمت والوں کا پیشہ اور جاہل عمر ہے علاوہ ازیں علم کا ثمرہ، اہل بصیرت کا طریقہ، نیک بختی کا جادہ اور حنیت کی راہ ہے۔ لیکن بڑی بڑی سختیوں، بے انتہا مصیبتوں کا سامنا ہے۔ ڈاکو بکثرت درپے ہوتے ہیں۔ رفیق اور ساتھی بہت ہی کم۔ یہ سب اس لیے کہ بہشت کا راستہ ہے۔ چنانچہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ حَفَاةُ الْجَنَّةِ بِالْمُكَايَرَةِ وَحَفَاةُ النَّارِ بِالشَّهَوَاتِ۔ بہشت کو مکروہات اور دشواریوں سے اور دوزخ کو آسانی اور خواہشوں سے گھیر ڈالا ہے۔ ان سختیوں کے علاوہ بندہ کمزور، زمانہ سخت، دینیات کے کام میں کوتاہی، فراغت دلی مفقود، عمر مختصر، موت قریب۔ اس پر دور و دراز کا سفر۔ ایسی صورت میں عبادت کو ایک ایسا زار اور راہ سمجھو کہ جس کے بغیر چارہ ہی نہیں۔ خدا نخواستہ اگر یہ موقع ہاتھ سے جاتا رہا تو پھر اس کا حصول ہی ناممکن۔ اس لیے یہ کام سخت مشکل اور اس کا خوف و خطر بہت بڑا ہے۔ یہی سبب ہے کہ بہت تھوڑے آدمی ایسے ہیں جو اس راستہ کا قصد کرتے ہیں۔ اور جو لوگ اس راہ میں آتے ہیں کم ایسا ہوتا ہے

کہ اس پر قائم رہیں۔ بعضوں نے سلوک اختیار بھی کیا تو ہر شخص کا منزل مقصود تک پہنچنا ضروری نہیں ہاں، جو پہنچ گیا کامیابی اُسی کو ہوئی۔ معشوق اسی کی آغوش میں آیا۔ تخت مراد پر اسی نے جلوس کیا۔ دنیا بھر کی آفتوں سے اس کو نجات مل گئی۔ ملک ابد اسے ہاتھ آیا۔ جوشِ مستی میں خوشی خوشی کہنے لگا۔ سرباعی :-

تبارِ سرِ ماسایہ شاہنشاہِ مست کوئینِ غلامِ دچاکِ درگہِ مست
گلزارِ بہشتِ دُورِ خارِ رہِ مست زیرا کہ یردِ دو کوئینِ منزلِ گہِ مست

(جب ہمارے سر پر ہمارے بادشاہ کا سایہ ہے۔ دونوں جہاں ہمارے در کے غلام ہیں۔ باغِ بہشت اور حورانِ جنت ہمارے راستے میں کاشا ہیں۔ کیونکہ دونوں جہاں کے پرے ہماری منزل ہے) بزرگانِ راہِ رفتہ کا قول ہے کہ بندہ کے اصل حجاب اور مانع چار ہیں۔ (۱) دنیا۔ (۲) خلق۔ (۳) شیطان۔ (۴) نفس۔ دنیا حجابِ آخرت، خلق حجابِ عبادت، شیطان حجابِ دینِ نفس حجابِ خدا ہے۔ جب مرید زہد و عبادت پر کمر بستہ ہوا حجابِ دنیا سے باہر نکلا۔ جب غرلت و گوشہ نشینی اختیار کی حجابِ خلق اس سے دُور ہوا۔ جب اتباعِ دیرِ دینی سنت پر فدا ہونے لگا حجابِ شیطان سے اس کو رہائی ہوئی۔ جب مجاہدہ نفس میں اُس نے قدم رکھا اور تابعداریِ نفس سے منہ موڑ لیا حجابِ نفس کو چیر کر نکل آیا۔ پھر کیا کہنا ہے کشف در کشف مشاہدہ در مشاہدہ ہے۔ اور اس میں کچھ دیر نہیں لگتی۔ آنا فانا اپنے کو صحرا بے شوق اور عرصہ محبت میں پڑا پاتا ہے۔ پھر وہاں سے ریاضِ رضواں اور بزمِ گاہِ انس میں پہنچ جاتا ہے۔ پہنچتے ہی انعامِ داکرامِ منعم و مکرم (خداوند تعالیٰ) سے پاتا ہے۔ اور اس وقت یہ حال ہو جاتا ہے کہ جسم تو دنیا میں ہے لیکن دل عقبیٰ میں ہے۔ اس لیے اس گروہ کی صفت یوں بیان کی گئی ہے أَبْدَانُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَقُلُوبُهُمْ فِي الْعَقْبَى۔ (ان کے جسم دنیا میں اور ان کے دل عقبیٰ میں) اب جبکہ اس دارِ فانی سے خداوندِ باقی کی درگاہ میں بندہ مقبول کی رسائی ہوئی اور ریاض و رضواں میں اس کو جگہ ملی، اس وقت وہ فقیر و حقیر، وہ تاخیر و ضعیف اپنے کو ایک ملکِ کبیر کا مالک پاتا ہے

اور مملکت عظیم پر حکمران دیکھتا ہے۔ انعام و اکرام کی کچھ انتہائیں ملتی ہے۔ پھر تو اس کے مزے کو کوئی اُس کے دل سے پوچھے۔ یہ نوازشیں وہ ہیں جو حد و سعت و بیان سے باہر ہیں۔ ان باتوں کو سُن کر تم بھی یہی کہو گے کہ اس سعادتِ عظمیٰ کا کیا کمنا ہے۔ اور اس دولتِ لازوال کی کیا بات ہے۔ سبحان اللہ! کیا وہ بندہ نیکِ بخت ہے؟ اور کیا اُس کے معاملات پسندیدہ ہیں۔! جانتے ہو یہ حافی طالب کو کیونکر حاصل ہوتے ہیں کہ بدن دنیا میں رہے اور دلِ غیبی میں پوٹھن سایہ دولت میں کسی پیرِ نخبہ کے رہے گا اور اُس کی خدمتِ صحبت سے فائدہ اٹھائے گا اُس وقت یہ مرتبہ اس کو ملے گا۔ سُن لو صحبت میں رہنا بھی کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لیے شرائط ہیں۔ ظاہر و باطن پیر کی طروت سے اپنے دل میں اعتراف پیدا نہ ہونے دے۔ نہ اُس کی طرف سے انکار آنے دے۔ اعتراف و انکار یہ دونوں باتیں مرید کی شورِ بختی کی دلیں ہے جو قول و فعل جو حال جو صفت ایسی دیکھے جس سے دل کو تشویش پیدا ہو، فوراً حضرت مومنی علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے قہقہے کو یاد کرے کہ ع

سالک بے خبر نہ ہو ذرا ہر درم منزل ما

(رہبر راستے کے ادبِ پنج سے خبردار ہوتا ہے)۔ اس سے یہ ہو گا کہ خود رانی دُور ہو جائے گی اور اطمینانِ قلب حاصل ہو گا۔ مرید کا پیر سے پھر جانا، یعنی مردودِ ولایت شیخ ہونے کا مسئلہ نہایت نازک ہے۔ اس سے آدمی مرتدِ طریقت ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کو کوئی شیخ وقتِ منزلِ مقصود تک نہیں پہنچا سکتا ہے۔ ہاں، جو مرید صادق کسی پیر کی خدمت میں ایک حد تک تعلیم و تربیت پا چکا ہے اور بعض بعض مجبوریوں نے اس کو حاضریِ صحبت سے معذور کیا ہے اس کے لیے دوسورتیں ہیں۔ اگر پیرِ زندہ ہے تو اُس کی اجازت سے دوسرے شیخ کے ہاں رجوع کر سکتا ہے یا پیر کا دوسال ہو گیا ہے جب بھی دوسرے بزرگ کی خدمت میں حصولِ مقصد کے لیے حاضر ہو سکتا ہے۔ اس میں کسی قسم کا مضائقہ نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت خواجہ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ نے کیا، کہ بعد وفاتِ حضرت خواجہ ابوالفضل حسن قدس اللہ سرہ العزیز و آپ کے

پیر تھے خدمت میں حضرت شیخ ابوالعباس نقیاب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے۔ اگر کوئی مرید کسی پیر سے قولاً یا فعلاً ناجائز بات ظاہر ہوتے دیکھے تو اس کو چاہیے کہ اپنے عجز کا اعتراف کرے کہ بے موت مارا نہ جائے جس شیخ کا جمال شرع شریف سے آراستہ ہے اگر ایک زلت اس سے سرزد ہوئی تو وہ حقیقت حال نہیں ہے، بلکہ محض برسبیل استحسان اس نے مرید کو دکھایا ہے۔ یہاں پر مرید کو بہت ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ نہ اس روش پر چلنا چاہیے نہ کوئی مقصود کی راہ بنانا چاہیے۔ نہ یہ کہنا چاہیے کہ حضرت سلامت کے کل معاملات یوں ہی ہیں۔ مرید جو کچھ دیکھے اس کو نظر انداز کرے۔ نگاہ اس کی پیر کے قلبی معاملات کے جمال پر ہونا چاہیے۔ اور اگر مرید کسی پیر کو دیکھے کہ رات دن افعال خلاف شریعت میں مبتلا ہے یا بیشتر اوقات بڑے فعل اس سے صادر ہوتے ہیں، تو ایسی صحبت سے کنارہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ ایسے شخص کا ساتھ درد و سوز کی آگ کو بجھاتا ہے۔ اور ایمان کا قلع قمع کر ڈالتا ہے۔ اور ترقی کی راہ روک دیتا ہے۔ آدم بر سر مطلب۔ خلاصہ یہ ہے کہ عبادت کے لیے علم ضروری ہے۔ علم قطب ہے اور دار و مدار اسی پر ہے۔ بزرگوں کا قول ہے علم اور عبادت ایسے دو جوہر کے مصنفوں کی تصنیف، معلموں کی تعلیم، ناسخوں کی نصیحت سے جو کچھ تم دیکھتے سنتے ہو سب انہی کی بدولت ہے۔ بلکہ کتب عادی کا زوال پیغمبر و رسل کی تشریف آوری سب کے باعث یہی دونوں ہیں۔ یقین جانو کہ علم و عبادت کے دائرے سے جو کام باہر ہے وہ باطل ہے۔ اس کام سے کچھ پھل ملنے والا نہیں، اور اس کھیتی سے کچھ حاصل ہونے کی امید نہیں۔ اسی وجہ سے حضرت خواجہ حسن بھری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے طلب کرو اس علم کو جیسا طلب کرنے کا حق ہے تاکہ عبادت سے باز نہ رہ جاؤ۔ اور مشغول ہو جاؤ عبادت میں جس طرح مشغول ہونے کا حق ہے۔ تاکہ علم سے بے بہرہ نہ رہ سکو۔ جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ بغیر ان دونوں کے حاصل کیے انسان کو چارہ نہیں ہے تو دونوں کے حصول کی فکر کرنا چاہیے۔ مگر پہلے علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اصل رہنما علم ہی ہے۔ اس لیے حضرت پناہ بر سلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ علم امام ہے عمل کا۔ اور عمل اس کا تابع ہے۔ اور پھر دوسری

بلکہ آپ نے فرمایا ہے کہ عالم کا سونا بہتر ہے جاہل کے نماز پڑھنے سے کہ جاہل بے علم ہے وہ فساد زیادہ کرے گا باعتبار صلاح کے۔ اور یہ بھی آپ نے فرمایا کہ علم کا الہام نیک نیکوں کو ہوا کرتا ہے۔ اور بد بخت علم سے محروم رہتے ہیں۔ بد بختی کا سبب صرف یہ ہے کہ انھوں نے علم نہیں سیکھا۔ اور بے علم جو شخص عمل کرتا ہے اُس کا نتیجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن مفید نہ ہوگا۔ یہی سبب ہے کہ زہاد سلف طلب علم میں بہت جدوجہد کرتے تھے۔ اور سب کاموں پر اس کو مقدم رکھتے تھے۔ اس بات کو جانتے تھے کہ مدارِ کارِ عبودیت علم ہی پر ہے۔ ہم تو یہاں یہ کہیں گے کہ اگر کوئی بے علم حق سبحانہ تعالیٰ کی عبادت بمقابلہ ملائکہ ہفت آسمان و زمین کرے جب بھی وہ بُرے کا بُرا کرے گا۔ کوئی خوبی اس میں نہ آئے گی۔ برادرِ عزیز! تم جانتے ہو کہ جب یہ رنگ ہے تو کیا کرنا چاہیے۔ کبھی گداز کبھی سوز کبھی ساز ہونا چاہیے۔ کیونکہ سالکانِ طریقت کی روش یونہی رہی ہے۔ ان پر وہ حالت بھی گزری ہے کہ اس وقت عرشِ دُکری کو بھی اگر ان کے شرابِ تعلیم میں باندھ دیا جائے تو کنکھیوں سے نہ دیکھیں گے۔ اور بہشت و دوزخ کو اپنے علومِ راتب کی جو بارگاہ ہے اس کی خادی بھی پسند نہ کریں گے۔ عین فرح و بسط میں بے خود ہو کر یہ نعرہ لگاتے ہیں سُبْحَانِی مَا اَعْظَمَ شَانِی (میری پاکی ہے۔ میری شان بہت بڑی ہے)۔ ادما یک وقت یہ حالت بھی اُن کی ہوتی ہے کہ سگِ خاک کے برابر اپنے کو سمجھتے ہیں۔ اور مغانِ آتش پرست کو اپنی ذات پر فضیلت دیتے ہیں۔ ہر طرح کے لعن و طعن کا سزا دار اپنے کو سمجھتے ہیں۔ اور سب عیب اپنے میں موجود پاتے ہیں جو شخص ان کو پتھر مارتا ہے اُس کا منہ شکر سے بھرتے ہیں۔ اور جو شخص ان پر لعنت کرتا ہے اُس کو دعلے خیر سے یاد کرتے ہیں۔ اور جو شخص دستِ جفا سے آزار پہنچاتا ہے اُس کے ساتھ وفا کرتے ہیں۔ تم نے نہیں سنا ہے کہ دہی خدا کا خاص بندہ جو کمالِ فردیت و مشاہدہِ جمالِ احدیت کے عالم میں سُبْحَانِی مَا اَعْظَمَ شَانِی کا نعرہ مارتا تھا، دمِ واپسین (وقتِ رحلت) اُس نے کیا کیا۔ اپنی گردن میں دھاگا بیٹھا شروع کیا۔ لوگوں نے پوچھا، اے ہر طریقت و حقیقت کیا کرتے ہیں۔ اُس نے جواب دیا کہ 'زُتار' توڑتے ہیں۔ اور اسی وقت یہ بھی اُس نے کہا تنگری تنگری۔ ہم دہی ترکِ نو مسلمان ہیں، ہم دہی

ترکِ نومسلمان ہیں۔ سب جاغی۔

گہ باکت پر سیم و گہ درویشم گہ بادل پر نشاط دگہ دل ریشم
 گہ باز پسین خلق و گہ در پیشم من بو قلمون روزگارِ خویشم
 (کبھی تو میری مٹھی سونے چاندی سے بھری ہوتی ہے۔ اور کبھی مفلس و تلاش ہوں۔ کبھی
 میرا دل خوشی میں مست اور کبھی گھائل رہتا ہے۔ کبھی لوگ مجھ کو پیچھے دھکیل دیتے ہیں۔ اور کبھی اُن
 کے آگے ہوں۔ میں اپنے زمانے کا ایک تماشہ بنا ہوا ہوں)۔ دالسلام۔

اُتسیواں مکتوب

بندگی کرنے اور بندہ ہونے کے بیانیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

میرے بھائی شمس الدین، خدا کی بندگی اور عبادت میں زندہ رہو۔ سنو، اے برادر عزیز، فرزند آدم جو خلاصہ آفرینش ہے اُس کی سعادت و غرت جانتے ہو کس بات میں ہے؟ بندگی میں ہے اور اُس کے در پر سرانگندگی میں۔ بلکہ بندہ بودن اس انسان کے وجود میں لانے کا مقصود ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِعِبَادُونَ (جنات اور انسان کو نہیں پیدا کیا، مگر اس لیے کہ وہ عبادت کریں)۔ سنو، جب آدمی بندہ بن جاتا ہے تو اُس کو آزادی نصیب ہوتی ہے حضرت خواجہ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا مَا الْحُرِّيَّةُ (حریت یعنی آزادی کیا ہے؟)۔ آپ نے جواب دیا عبودیت۔ سائل نے کہا میرا سوال تو آزادی کے بارے میں تھا۔ آپ نے فرمایا جب تک تم بندہ نہ ہو جاؤ گے آزاد نہیں ہو سکتے۔ اور حقیقت حال بھی یہی ہے۔ تو جو شخص آزاد نہیں ہوتا دھل سے دل شاد نہیں ہو سکتا۔ طوق عبودیت جس کی گردن میں ہے اُس کو کیا سمجھتے ہو؟ وہ سردارِ عالم ہے۔ محققوں کا قول ہے کہ اگر خداوند ذوالجلال والاکرام کے خزانے میں عبودیت سے بہتر کوئی خلعت ہوتا تو وہ ضرور بالفرد قَابِ قَوْسَيْنِ اَوْ اَذْنِی کے مقام میں حضرت خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنایا جاتا۔ قطع نظر اس کے جس وقت آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملک بادشاہی عطا ہو رہی تھی آپ ہرگز یہ نہ فرماتے کہ اُرِیدُ اَنْ اَكُوْنَ مَلِكًا نَبِيًّا بَلْ اُرِیدُ اَنْ اَكُوْنَ عَبْدًا نَبِيًّا میں نہیں چاہتا کہ میں بادشاہ اور نبی ہوں۔ بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ ایک بندہ اور نبی ہوں)۔

ہر عروج ہمت کو عبودیت کی چو کھٹ پر آپ نے رکھ دیا۔ اور بندگی کو دونوں جہان کی بادشاہی پر ترجیح دی۔ یعنی مَا تَرَاغُ الْبَصَرُ وَ مَا طَعَنُ (آنکھ نہیں چھپکی اور نہ بھٹکی) کی شان ظاہر فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خانہ کعبہ سے خلوت خانہ اَوْدُنِ میں بلائے گئے اور اس مقام میں پہنچائے گئے کہ حضرت جبریل علیہ السلام جن کا لقب ناموس اکبر ہے اور جن کو پچھ لاکھ پر پرہیز دار غطا ہوئے ہیں خود تو اس مقام تک کیا پہنچتے اُن کے وہم و گمان تک کی رسائی نہ ہو سکی۔ اگر غور سے دیکھو تو اس معراج وصال کے لیے بھی وہی خلعت عبودیت تیار کیا گیا تھا اور قالب مبارک کو پہنایا گیا تھا۔ سُبْحَانَ الَّذِي اَسْوَىٰ بِعَبْدِهِ نَيْلًا۔ (پاک ہے وہ ذات جس نے ایک رات اپنے بندے کو سیر کرائی۔ یعنی معراج کے لیے بلایا)۔ اس لیے حضرت خواجہ سمیل تسری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت آفریدگار جل و علایں نقطہ عبودیت سے زیادہ پیاری کوئی چیز پیدا نہ کی۔ کیونکہ اس کا نام دل ہے اور وہی خزانہ معرفت ہے۔ اگر خداوند غر و جل کے نزدیک کوئی چیز دل سے زیادہ عزیز ہوتی تو اپنی معرفت کے جواہرات کو ضرور اس میں رکھتا۔ واہ رے دل لَا يُسْعِي نِي سَمَائِي وَ لَا اَرْضِي ذَلِكُنْ يُسْعِي قَلْبُ عَبْدِي الْمُؤْمِنِ۔ ارشاد ہوتا ہے کہ آسمان ہماری معرفت کے لائق نہ ٹھہرا۔ زمین بھی اس کام کی نہ تھی۔ یہ بندہ مومن کا دل تھا کہ ہماری جلوہ گاہ بن گیا۔ سچ ہے کہ رستم کو رستم کا گھوڑا اٹھا سکتا ہے۔ اور سنو! تم جانتے ہو کہ عالم اجسام و صورتیں کوہ سے زیادہ ثابت قدم اور عظیم الجثہ کوئی چیز نہیں۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو خیال کرو اسی آفتاب حقیقت کی ایک تجلی میں کوہ طور کا کیا حال ہوا۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اور جہاں یہ حال ہے کہ ہر روز تین سو ساٹھ مرتبہ دل مومن پر تجلی ربانی ہوا کرتی ہے مگر نعرہ هَلْ مِنْ قَوْلٍ (اور بھی اس سے زیادہ) بلند ہوتا ہے۔ یعنی اَلْعَطَشُ (ابھی ہماری پیاس نہیں کھچی ہے۔ انسان کو دل کیا ملا لاکھ دولت کی ایک دولت ملی۔ دیکھو موجودات بہت تھے مصنوعات بے شمار تھیں۔ مگر کسی ایک کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہے جو اس آبِ گل کے ساتھ ہے۔ اسی سے سمجھو کہ رب الغریت نے جب چاہا کہ اس نقطہ خاک کو لباس وجود پہنائیں اور تختِ خدانت پر بٹھائیں

تو ملائکہ بے ساختہ بول اٹھے۔ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنَ يُفْسِدُ فِيْهَا۔ (کیا تو وہاں اپنا خلیفہ بنانا

ہے جو وہاں فساد مچائے گا) لطفِ قدیم نے جواب دیا۔ لَيْسَ فِي الْحُبِّ مَشْوَرَةٌ (محبت کے

معاملہ میں مشورے کی حاجت نہیں)۔ عشق کے ساتھ تدبیر جمع نہیں ہو سکتی۔ سنو فرشتو، تمہاری

تسبیح و تہلیل کی کیا وقعت کیا غرت ہو، اگر ہم قبول نہ کریں اور ان کو گناہ سے کیا ضرر پہنچے گا جب

ساقی لطف ہمارا ان کے ہاتھ میں ساغرِ عفو دے رہا ہے۔ فَادْلِكُ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ

حَسَنَاتٍ (اللہ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے)۔ اے ملائکہ مقربین اس سے بھی

اور واضح سنو۔ تم میں راست روی ہے تو ہوا کرے اور یہ کج روی تو تمہاری بلا ہے۔ ہم ان کو

چاہتے ہیں۔ ہم نے ان کے لیے بساطِ رحمت بچھا دی ہے۔ مانا کہ ان کی پیشانی پر داغِ معصیت

ظاہر ہوگا، اس سے کیا شہابی ہے۔ محبت ہماری آپ لطف سے اس کو دھو ڈالے گی۔ شاید تمہارا

یہ خیال خام ہے کہ معاملات میں صرف ان ہی کو سرکار ہمارے ساتھ ہے۔ مگر تم اس راز کو کیا

جانو کہ از روئے محبت خود ہمارا سرکار ان کے ساتھ ہے۔ خیر کسی نے کیا خوب کہا ہے

وَإِذَا الْجَبِيْبُ أَتَى يَذْنِبُ وَاحِدٌ جَاءَتْ فَحَاسِنُهُ يَأْتِي شَفِيعٌ

(جب دوست ایک گناہ لے کر آیا ہے تو اس کی خوبیاں ہزاروں شفاعت کرنے والوں

کو لا کر کھڑا کر دے گی)۔ نقل ہے کہ ایک روز حضرت علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ غایتِ ہوش

میں فرما رہے تھے کہ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَہُ وَلَمْ يَقُلْ بِطَاعَتِهِمْ وَلَا لِعِبَادَتِهِمْ جُرَدُ

الْمُحَبَّةِ مِنْ كُلِّ عِلَّتِهِ (وہ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ اس کو دوست رکھتے ہیں۔ نہ کہا

ان کی بندگی کو اور نہ کہا ان کی عبادت کو۔ ہر چیز پر محبت ہی غالب رہی)۔ حاضرین میں سے

ایک شخص نے عرض کی کہ ہم دوستی کے قابل کب ہیں؟ شیخ نے کہا ہم سے کیا پوچھتے ہو اسی

سے پوچھو جس نے یہ کہا ہے۔ برادرِ عزیز! یہی نقطہ عبودیت ساکنانِ ہفت زمین کے سامنے

بھی پیش کیا گیا تھا۔ آسمان والوں نے کہا کہ یہ نعمہ ہمارے خلق سے نہیں اتر سکتا۔ زمین والوں

نے جواب دیا کہ یہ بوجھ ہم سے نہیں اٹھ سکتا۔ جب اس ذرہ بے مقدار کے سامنے پیش کرنے

کی ذہنت آئی تو سمندر کو یہ ایک گھونٹ سمجھ کر پی گیا۔ اور کہنے لگا ابھی پیاس کبھی نہیں اور چاہئے
 حاصل کلام یہ ہے کہ انسان کی نجات اور ترقی درجات بندگی کرنے پر موقوف ہے اور یہی سبب
 ہے کہ مشائخ قدس اللہ اسرارہم مشاہدات کا ذریعہ مجاہدات کو ٹھہرایا۔ ان کا قول ہے کہ:۔
 الْمُسَاهِدَاتُ مَوَارِثُ الْمُجَاهِدَاتِ۔ (مشاہدہ مجاہدہ کا ترکہ ہے) یہ بات کسی عاقل
 پر پوشیدہ نہیں ہے کہ مجاہدہ و ریاضت میں ایک قسم کی تاثیر ہے۔ انسان تو انسان ہی ہے حیوانا
 تک اس سے متاثر ہوتے ہیں جن حیوانوں میں اس کی صلاحیت ہے وہ ریاضت قبول کریں تو بعد
 ریاضت ان کی حالت ہی دوسری ہو جاتی ہے۔ اور ان کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ
 اگر ایک روپیہ کی چیز ہے تو بعد تعلیم وہی شے ہزار روپے کی ہو جاتی ہے۔ انسان فضل و اہل
 موجودات ہے۔ اس میں بہت زیادہ ریاضت کا اثر ہو سکتا ہے۔ اور شخص مرتاض یہ سبب
 ریاضت کے صفات سہمی و سبعی سے نکل کر اعلیٰ درجات ملکیت تک پہنچ سکتا ہے۔ بلکہ اس ولایت
 ملکیت سے ترقی کر کے عالم قدس و طہارت تک اس کی رسانی ہو سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ فرشتوں
 میں کمال قدس ہے، مگر مقام معین سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتے۔ یہاں آبِ خاک کا معاملہ ہی
 دوسرا ہے۔ وَ اِنَّ لِلّٰهِ اَمْرًا يَنْتَظَرُ (تمہارا منتہا حضرت رب تک ہے) اس نوع انسان
 میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو کسی پاک مقام میں نہیں ٹھہرتے۔ بلکہ دونوں جہان میں ان کے دل کو
 قرار و آرام نہیں ملتا۔ بزرگوں کا قول ہے اَلْشُّكُوْنُ حَرَامٌ عَلٰی قُلُوْبِ اَوْلِيَائِہ (اولیاء کے
 دل کے لیے آرام حرام ہے) برادر عزیز بندگی عجیب چیز ہے۔ دیکھو، یہ بات تو اظہر من الشمس
 ہے کہ ضعیف کو قوی کے مقابلہ میں، عاجز کو قادر کے مقابلہ میں، فقیر کو غنی کے مقابلہ میں،
 بندے کو خداوندِ غرور و جل کے مقابلہ میں کوئی وسیلہ بندگی و سرافکندگی کے سوا نہیں۔ بے نفسی
 و خاکساری بھی اسی بندگی کی شاخ ہے۔ مردانِ راہ خود اپنے کو اپنی نظریں اس قدر ذلیل
 و خوار سمجھتے ہیں کہ عام مسلمان گبر و جہود و ترسا کو بھی نہ سمجھتے ہوں گے۔ ان کا خیال ہے کہ وہی
 شخص اس راہ کام دہو سکتا ہے جو گبر و جہود کے در کی خاک اپنی ریش دراز سے ہمارے اور

اور اس کے دل میں اس بات سے مطلق ننگے عار پیدا ہونے نہ پائے۔ اگر ذرہ برابر بھی ننگ پیدا ہو اور وہ یہ سمجھے کہ ہماری خواہگی کے دامن میں ذلت کا دھبہ آیا تو یوں سمجھو کہ ایک قدم بھی وہ اس راہ میں نہیں چلا ہے۔ اہل طریقت کا اجماع ہے کہ جو شخص اپنے کو فرعون سے اچھا سمجھے وہ مدبر و بد نصیب ہے۔ اور یہ بھی ان کا قول ہے کہ خلق اللہ کی آنکھ سے اپنے کو گرانا آسان ہے۔ مرد وہ ہے جو اپنے کو اپنی آنکھ سے گرا دے۔ ہر ذرے سے جب تک وہ نکالنا نہ جائے گا، اور جب تک سب کے ہاتھوں میں کھوٹا ثابت نہ ہو چکے گا، ہر تر از دین جب تک اس کی بے وزنی ثابت نہ ہوگی ہرگز اس کا خیال نہ کرو کہ عبودیت کی شان اس میں آئی۔ اور اگر خوف و مصیبت کے خوف سے کاہلی و سستی اختیار کرے تو مردانگی اسی میں ہے کہ طالب اس کے پورا کرنے میں ہر موثر تغیر آنے نہ دے۔ طلب حق کی راہ وہ راہ ہے کہ اس بارگاہ میں پشتہ ناچیز شردل نظر آتے ہیں اور مورِ ضعیف میں صفتِ سلیمانی پیدا ہوتی ہے ہمارا تمہارا یہاں پر کیا ذکر ہے۔ ہم پر تم پر تو خود سے اُنکھ کر روئی کھانا اور پانی پینا بھی جبر ہے ہاں اُس کی قدرت اگر کار فرما ہو تو کچھ مشکل نہیں۔ پہلے قدم میں دنیا دوسرے قدم میں آخرت طے ہوتی ہے۔ تیسرے قدم میں **فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ** (مقعد صدق کے مقام میں خداے بزرگ برتر کے پاس) کے آستانہ پر پہنچتے ہیں۔ ایک عزیز نے کیا خوب کہا ہے

تو مراد دل وہ و دلیری میں روبرو خورش خوان و شیریں میں

(تو میری ذل دہی کر پھر میری بہادری دیکھ۔ اپنی لومڑی کہہ کر پکارا اور شیر کی جرات مجھ میں دیکھ) برادر عزیز! زمانے کا عجیب حال ہو رہا ہے۔ ہر شخص کی نظر اپنے علم و عبادت پر ہے۔ اور اپنی پونجی میں مست ہے۔ فردا سے قیامت جس وقت شانِ ربوبیت اپنے استحقاق کا دیوانِ عام قائم کرے گی، انبیاء علیہم السلام کو دیکھو گے کہ باوجود کمال و جمال و جلالِ حال اس طرح تشریف لائیں گے کہ حدیثِ علم بالکل غائب ہوگی۔ **قَالُوا بُيِّنْتَ لَنَا آيَاتِي** پاک ذات ہے ہم بالکل جاہل ہیں۔ اور ملائکہ ملکوت کو دیکھو گے کہ عبادت کے صومعہ میں

اگ لگا کر کہہ رہے ہیں مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ (جو تیری عبادت کا حق تھا ہم سے ادا نہ ہو سکا)۔ اور عارفانِ عالم و موحدانِ جہاں کو دیکھو گے کہ مفلس و بے نوا کی طرح خالی ہاتھ بھاڑے ہوئے آتے ہیں اور کہے جاتے ہیں مَا عَمْرُنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ (تیری معرفت جس کی مستحق تھی ہم تجھ کو نہ پہچان سکے)۔ برادرِ عزیز! اُس کی عزت نے غرقوں کو ذلت کا جامہ پہنا دیا ہے۔ اور اُس کی عظمت و جلال نے تمام جلال پر چھوٹے پن کا دھبہ لگا دیا ہے۔ اور اُس کے کمال نے کل کمالات پر نقصان کی مہر کر دی ہے۔ اور اُس کی ہستی نے سب ہستیوں کو نفیت بنا رکھا ہے۔ اور اُس کی الہیت نے عالم و عالمیان کو بندگی و سرافکندگی سے آراستہ و پیراستہ کر دیا ہے چشمِ بصیرت کھولو اور دیکھو، حضرت آدمؑ پر نگاہ کرو، نوحؑ کی فریاد سنو، خلیلؑ کی ناکامی دیکھو، مصیبتِ یعقوبؑ کی حدیث کو گوشہ دل میں جگہ دو، یوسفؑ ماہِ رُو کے قید خانہ کا نظارہ کرو۔ زکریاؑ کے سر پر آ رہ ملاحظہ کرو، یحییٰؑ کی گردن پر تیغِ جفا کی برش کا معائنہ کرو۔ سب سے بڑھ کر جگر سوختہ دل کباب گشتہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چشمِ عبرت سے دیکھ کر اس آیت شریف کو پڑھو كُلُّ شَيْءٍ إِلَيْكَ إِلَّا وَجْهَهُ (ہر چیز مٹ جانے والی ہے مگر اُس کی پاک ذات)۔ والسلام

انتالیسواں مکتوب

بندگی کرنے کے بیان میں دوسرے طور پر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے بھائی شمس الدین، اللہ تمہارے ظاہر و باطن کو اپنی بندگی سے آراستہ کر
سلام و دعا کا تپ حروف کی طرف سے پہنچے۔ تم اس بات کو دل نشین کر لو کہ انسان کے دل
میں اپنی بندگی کا غم ہونا چاہیے۔ اور اس کو لازم ہے کہ بندگی اچھی طرح بجالائے۔ بندہ
ہونے کی جو شان ہے وہ شان اس میں پیدا ہو جائے۔ انسان کی اسی میں بھلائی ہے ورنہ
خدا کو اس کی پروا کیا ہے۔ اُس کی خداوندی کا حکم ہر وقت جاری ہے۔ جانتے ہو کہ بندگی
کرنے کے کیا معنی ہیں جس کام کا حکم ہو اس کے کرنے کے لیے بے چین ہو جاؤ اور فوراً انجام دو۔
اور بندہ ہونا کس کو کہتے ہیں؟ جس حال میں رہو خوش رہو، چون و چرا زبان سے نہ نکلے۔ شربت
لے، یا زہر دیا جائے، چپ چاپ خوشی سے پی جاؤ۔ دم نہ مارو، اور اس کا دہم بھی نہ آنے دو
کہ مجھ کو یہ چاہیے، اور یہ نہ چاہیے۔ کیونکہ بندہ کی یہ شان ہی نہیں کہ خداوند پر اس کو کسی قسم کا
اعتراف پیدا ہو۔ اور جو کچھ ادھر سے کیا جائے اس سے اعتراف بھی نہیں ہو سکتا۔ دیکھو، ایک
بزرگ سے پوچھا گیا کہ بندگی کس کو کہتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا، 'اعتراف سے منہ موڑ لینا۔
اور خواہش خداوندی پر راضی رہنا۔ اور اگر زہر دیں تو شربت سمجھ کر نوش جان کر لینا۔ پیشانی پر
ہرگز زبل آنے نہ دینا۔ برادر عزیز! ہم تم سے کیا کہیں کہ بندہ ہونا کس قدر مشکل کام ہے۔ دیکھو سات
لاکھ برس تک اس مرد دربار گاہ نے بندگی کی، مگر ایک ساعت کے لیے بندہ نہ ہو سکا۔ سنو،
درحقیقت بندہ وہی ہے کہ اپنے اغراض سے پاک ہو۔ بہت پندار حفظ نفس سے آزاد ہو گیا۔
ایک دوسرے بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ بندگی کیا چیز ہے؟ آپ نے کہا جب تم آزاد

ہو جاؤ اس وقت سمجھو کہ بندہ ہو گئے۔ ایک بزرگ نے کیا خوب کہا ہے کہ دنیا میں عبد اللہ زار
عبدالوہاب، عبدالرحمن، عبدالرحیم ہزاروں پاؤ گئے۔ یعنی چونکہ وہ رزاق ہے، داہب ہے،
رحمن ہے، رحیم ہے اس لیے غرض سے اُس کے بندے ہوئے ہیں۔ مگر ایک عبداللہ تم کو
شاید ہی ملے۔ اس ذاتِ پاک کو من حیث الذات معبود و مقصود سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں ہے
صفات کا بندہ ہونا آسان ہے ذات کا بندہ ہونا مشکل ہے۔ برادرِ عزیز! جو شخص اللہ تعالیٰ
کو اس خیال سے پوجتا ہے کہ اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو ہماری حاجت پوری نہ ہوگی، تو وہ اپنی
غرض کا بندہ ہے حق کا بندہ نہیں ہے۔ حضرت ابوعلی سیاح رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر تم
سے یہ پوچھیں کہ بہشت چاہتے ہو یا دو رکعت نماز؟ ہرگز ہرگز بہشت کا نام نہ لینا۔ یہی کہنا کہ
دو رکعت نماز ہم چاہتے ہیں۔ اس لیے کہ بہشت نفس کا حصہ ہے، وہاں آرام و عافیت ہے۔
جہاں غرض اور مطلب کی بات ہے اس جگہ مکر و دلاؤں تاک میں ہیں۔ دیکھو حضرت موسیٰ علیہ
السلام جب حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ ہوئے اور اعتراض کرنا شروع کر دیا دو مرتبہ تک حضرت
خضر علیہ السلام نے معاف کیا، اور طرح دے دی۔ یعنی جب کشتی میں چھید کیا گیا اور لڑکا جان سے
مارا گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام معترض ہوئے اور اپنی شرط پر ثابت قدم نہ رہ سکے۔ مگر حضرت خضر
علیہ السلام نے اس کا خیال نہ کیا۔ لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیوار بنانے پر فرمایا کہ
لَوْ شِئْتُ لَا تَخْذُتْ عَلَيْهِ أَجْرًا (اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اجرت لے سکتے تھے، کیوں
آپ نے دیوار مفت بنا دی؟ تو حضرت خضر علیہ السلام نے کہا هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنَكَ۔
(اب ہم سے اور تم سے جدائی ہے) اب ہمارا تمہارا ساتھ چھوٹا۔ دیکھو جس وقت تک غرض و
مطلب کی بات درمیان میں نہ تھی باوجود اعتراض دونوں ساتھ ساتھ رہے۔ غلطیاں معاف ہوتی
رہیں۔ مگر جب اجرت کا قصہ پیش ہوا تو ایک منٹ کے لیے بھی صحبت قائم نہ رہی۔ اہل نظر نے جیب
یہ دیکھا کہ اپنے مطلب کی فکر بُری بلا ہے تو اپنی ہستی اور کل خواہشات کو درمیان سے اٹھادیا۔
اور کہنے لگے کہ ہم بندے ہیں اور بندے کی ملک میں، بندے کے حصہ میں، بندے کے تصرف میں

کوئی چیز نہیں ہوتی۔ کیونکہ الْعَبْدُ وَمَا فِي يَدِهِ مِلْكُ الْمُؤَلَاہُ (بندہ، اور جو کچھ بھی اس کے پاس ہے اُس کے آقا کی ملک ہے) جب یہ رنگ ہے تو یوں ہونا چاہیے کہ قبول ہے تو سر آنکھوں پر، اُدب ہے تو سر آنکھوں پر، نواخت ہے تو سر آنکھوں پر، گداخت ہے تو سر آنکھوں پر۔ اگر جلادیں تو بجان و دل منظور۔ اور اگر موافقت کریں تو بسر و چشم قبول۔ یہ تو بتاؤ تم کو کیا سکتے ہو؟ قاضی کا گھر کھو دیا لوگے یاد یوار سے سر نہراؤ گے۔ فیصلہ جو ہو چکا وہ ہو چکا۔ ایک عزیز محترم نے کیا خوب اسی طرٹ اشارہ کیا ہے۔ بیت :-

خواہیم بکیش خواہ بزن خواہ بدار
یک رویہ شدہ بہت مر مرا با تو کار

(تو مجھ کو مارے یا قتل کرے یا اپنے پاس رکھے۔ میں جان و دل سے اپنے کام کو ترے سپرد کر چکا ہوں۔ ان باتوں کو دیکھ کر سالکانِ راہ کا اندازہ رہا کہ بہشت و دوزخ کا وہم بھی دل میں آنے نہ دیا۔ وہ یوں سمجھے کہ یہ دونوں چیزیں معدوم ہو گئیں محض مفلس و بے لڑا کی طرح بندہ دار اس راہ میں قدم رکھا۔ اور اپنے خدا کے سوا کسی کو نہ دیکھا، نہ جانا اور نہ چاہا۔ شاید اس نقل سے تم کو کچھ پتہ مل سکتا ہے۔ ایک درویش کو کسی عزیز پر تمیز نے دیکھا کہ آرہے ہیں۔ پوچھا جناب کہاں سے تشریف لاتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا۔ اللہ! اس کے بعد پوچھا کہاں تشریف لے جائیں گے؟ جواب ملا۔ اللہ! پھر انھوں نے دریافت کیا مقصود و مطلوب آپ کا کیا ہے؟ کہا۔ اللہ! غرض جو سوال کرتے سب کے جواب میں وہ اللہ ہی اللہ کہتے تھے۔ رباعی :-

من نام ترا بر کف خود بنگارم
پس دیدہ بران نام نہم خون بارم
از بسکہ دو دیدہ در خیالت دارم
در ہر چہ نگہ کنم توئی پند دارم

(میں تیرا نام اپنی ہتیلی پر لکھوں۔ پھر آنکھیں اس نام پر رکھوں اور خون روؤں۔ برابر میری دونوں آنکھیں تیرے خیال میں محو ہیں۔ میں جس کو دیکھتا ہوں تو ہی نظر آتا ہے۔) برادر عزیز! اس خیال سے طاعت کرنا کہ اس کا بدلہ ملے گا اور اس نیت سے عبادت کرنا کہ اجر و ثواب

حاصل ہو گا، اس کو زہر قاتل سمجھو۔ عیدیت و عبودیت کے نیاز و ناز کو لوگ سمجھے نہیں۔ ہم ایک بات تم سے کہتے ہیں اس سے تم سمجھ جاؤ گے۔ اس بلند درگاہ اس بارگاہ عالی رتبہ کی یہ شان ہے کہ ہزار سال تم وہاں سر بھی رگڑا کرو اور ساری دنیا کے لوگ جتنی طاعت و عبادت کر سکتے ہیں وہ بھی تم خود تنہا کیا کرو، اس پر بھی یہ حکم ہو کہ اونا بیکار تو کسی کام کا نہیں۔ میں تجھے پسند نہیں کرتا، تو میرے لائق نہیں۔ وہاں کا اتنا کمنا، وہاں کی اتنی جھڑکی سمجھو کہ تمام طاعت کا اجر اور کل عبادت کا ثواب ہے۔ جو کچھ پانا تھا وہ تم پا چکے اور جو کچھ ملنا تھا وہ تمہیں مل چکا۔ نقل ہے کہ اہم ماضیہ میں ایک شخص نے سا لہا سال طاعت و عبادت کی تھی اور عمر مجاہدہ و ریاضت میں گزاری تھی۔ پیغمبر وقت کے پاس وحی آئی کہ اس عابد سے کہہ دیجیے اس قدر تکلیف عبادت و زحمت ریاضت اٹھانا فضول ہے۔ تیرا مادی تو جہنم ہے۔ پیغمبر وقت نے جب یہ حکم خداوندی اس کو سنایا تو اس شخص نے طاعت و عبادت اور بڑھادی اور خوشی سے پھولانہ سمایا۔ لوگوں کو یہ حال دیکھ کر بڑا تعجب ہوا۔ اس سے کہنے لگے سچ تو کہو بات کیا ہے کیا تم دوزخی نہیں ہو؟ اس نے جواب دیا کہ دراصل ہمارا خیال یہ تھا کہ غالباً ہم دوزخ کے قابل بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ دوزخ بھی اس کی مملکت میں ایک بڑی شے ہے۔ اب جب بذریعہ وحی خداوندی اس کا یقین ہو گیا کہ اتنی رعایت اس پیچ میرز کے ساتھ کی گئی ہے کہ جہنم میں جگہ مقرر ہوئی ہے، ہماری خوش نصیبی، ہماری غرت و دولت کی کیا انتہا رہی۔ ہم کو تو اس خوشی میں رقص کرنا چاہیے۔ برادر عزیز، واقعہ ہے کہ جب تک انسان اپنے کو بے قدری کی ترازو میں فاسق و فاجر سمجھ کر نہ تولے گا اس سے بندگی درست نہ ہوگی۔ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ اگر ان کی رو میں سگان مزابل کے پاس بھی جائیں تو ایسی ذلیل و خوار دکھائی دیں کہ مرگھٹ کی طرح ان کو اپنے پاس پھسلنے نہ دیں۔ صرف یہ قیاسی بات نہیں ہے بلکہ ایسا ہو بھی چکا ہے۔ نقل ہے کہ ایک درویش شب کے وقت اپنی مناجات میں کہہ رہے تھے کہ الہی تیری محبت جو میرے دل میں ہے اس کے ذریعہ سے مجھ کو قبول فرما۔ اور اگر میری محبت قابل قبول

نہیں ہے تو بندگی کی وجہ سے مجھ کو قبول کر۔ اور اگر بندگی بھی پسند نہیں ہے تو اپنے در کا کتا سمجھ کر مجھے قبول فرما۔ صبح کو در دیش راستے میں جا رہے تھے، ایک کتے نے زبان حال سے کہا کہ حضرت سلامت رات تو آپ کا مزاج ہی نہیں ملتا تھا۔ نہیں نہیں، پھر بھی بڑی بلند پروازی آپ کو گزرے۔ یعنی سگ در گاہ ہونے کی تمنا کر بیٹھے۔ دیکھیے، ہوشیار ہو جائیے ایسی لغو و فضول بات سے آئندہ احتیاط کیجیے گا۔ اگرچہ ہم بہ لباس سگی ہیں مگر ابتدا سے پیدائش سے اس وقت تک ہر مو بھی اس کی خواہش کے خلاف کوئی خواہش ہمارے دل میں پیدا نہیں ہوتی ہے۔ یہ سن کر در دیش نے سر پر خاک ڈالی اور کہنے لگے۔ بیت

لے کاش کہ در پائے سگان تو شوم گرد
آن بخت نہ دارم کہ سگ کوئے تو گرم
(یہ تو ہمارے نصیب نہیں کہ تمھاری گلی کے کتے بنیں۔ کاش ان کتوں کے پاؤں کی خاک ہی ہو جائیں) برادر عزیز، ایک تو خود خاک کی اصلیت ذیل و خوار و بے قیمت، اس پر تکلف یہ تو ا کہ مصیبت و خلاف نے اس کے دل میں گھر کر لیا۔ مزید براں ظلمی و بھولی کا لباس پہنا دیا گیا۔ ایسی حالت میں غرور و تکبر کہاں تک زیبا ہو سکتا ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ تم کو ایسی بصیرت دے کہ اپنے کو ویسا ہی سمجھو جیسے تم ہو۔ بفضلہ و کرمہ۔ یہ خاک دان منزل اندوہ اور بیت الاخران ہے۔ اس میں چند روز کے لیے تم مقید ہو۔ اگرچہ تم طرح طرح کی آفات میں مبتلا ہو اور بے نوائی اور مفلسی کا عالم ہے۔ مگر کچھ غم نہ کرو۔ وہ زمانہ بھی آتا ہے کہ انرجی (پلٹ آؤ) کا شاندار خطاب ہو گا، اور رضائے الہی اپنے سایہ محبت میں لے کر جو اہرامت تک تمھیں پہنچا دیگا۔ پھر اس وقت تم دیکھو گے کہ تمھاری کیا عزت اور کیا مرتبہ ہے۔ فردائے قیامت جس وقت حضرت آدم علیہ السلام و صلوٰۃ اللہ علیہ اپنے فرزندوں کے ساتھ بہشت میں جائیں گے، بہشت کے دروازوں سے غایت ہجوم و اندوہ کے باعث آواز آنے لگے گی۔ اس وقت ملائکہ کا عجیب حال ہو گا۔ نہایت تعجب سے وہ دیکھیں گے اور کہیں گے کہ ہاں یہ وہی شخص ہے جو ننگا مادر زاد بہشت سے باہر کر دیا گیا تھا۔ برادر عزیز اس راہ کے جو مرد ہیں وہ جانتے ہیں کہ عشق کی ملا

عشق کا اندوہ و غم کس قدر قدر قیمت رکھتا ہے۔ بیت

مرادے سمت اگر ساعت غمش بنود
بہ غم کنان شود و غم ہی ستاندام

میرے سینے میں ایسا دل ہے کہ اگر دم بھر بھی اس میں غم نہ ہو تو غم دینے والوں کے نزدیک جائے اور اُن سے غم قرض مانگے۔ کیا کرنا ہے سنت الہی اسی طرح پر جاری ہے۔ دنیا داروں کے لیے دولت ہے، نعمت ہے، سرور و خوشی ہے۔ عزیزانِ راہ کے لیے بلا و محنت و شور و فتن ہے۔ ایک کو وہ ایک کو یہ نعمت و عافیت دنیاوی ہر کس و نا کس کو میسر ہوتی ہے مگر بلا و محنت راہِ عشق کی ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتی۔ دیکھو فرعون مدبر چار سو سال تک صحیح و تندرست بال ملک و عافیت زندہ رکھا گیا۔ اس کو کبھی بخار تک نہ آیا۔ یہ آسان تھا۔ لیکن اگر وہ یہ چاہتا کہ جو درد و سوز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دلِ اشتیاق منزل کو دیا گیا ہے وہ اُس کو دیا جائے تو یہ لاکھ برس نہ ہوتا۔ برادرِ عزیز، نعمتِ دنیا کی بھی کوئی حقیقت ہے کہ ایک جان ہزار سودا، ایک تاج ہزار گردنِ افراشتہ۔ اور محنت و اندوہ عشق کی یہ شان ہے کہ لاکھ میں ایک اس کا طالب ملے گا اور سر آنکھوں پر اس کو اٹھائے گا۔ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ جس وقت حضرت زکریا علیہ السلام کے ہر مبارک پر آ رہ چل رہا تھا بالفرض و التقدير اگر کوئی شخص اس وقت اُن سے پوچھتا کہ واقعی کیسے تو اس موقع میں آپ کی دلی خواہش کیا ہے؟ تو قہر ہے اس کے غرت و جلال کی کہ ہر بنو اور ہر ہر اعضائے وجود سے ان کے سہی آواز نکلتی کہ ابد الابد تک آ رہ سر پر چلتا رہے اور ہم اس کا فرالیتے رہیں۔ والسلام۔

چالیسواں مکتوب

کلمہ طیبہ کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادر م شمس الدین سلمہ اللہ تعالیٰ۔ تم جانتے ہو کہ مرید کو کیا چاہیے۔ اس کو لازم ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کی حمایت میں اپنی جائے پناہ بنالے غلوت ہو انجمن ہو، پوشیدہ ہو، ظاہر ہو ایک چشم زدن میں اس کلمہ کے حصار سے باہر نہ جائے۔ خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث قدسی ہے۔ لا الہ الا اللہ حصنی فمن دخل حصنی امن من عذابی۔ آپ فرماتے ہیں کہ پروردگار جل و علانے یوں فرمایا لا الہ الا اللہ میرا حصار ہے جو شخص میرے حصار میں آگیا عذاب عتاب سے میرے محفوظ رہا۔ اس میں شک نہیں کہ جب تک مرید منزل مقصود تک نہیں پہنچتا ہے بیسیوں قسم کا ڈر کھٹکا اس کو راہزوں سے ہر قدم پر ہے۔ اگر ایسے محفوظ حصار اور قلعہ استوار میں وہ آگیا ہے تو بے خوف ہو گیا۔ اور یقینی دل اس کا مطمئن رہے گا۔ حکمت خداوندی کا یہی تقاضا ہوا کہ نفی و اثبات کے کلمہ سے ایک حصار بنایا جائے تاکہ رندگان راہ توحید جب اس حصار کے اندر آجائیں تو شر سے جمیع قطاع الطرق یعنی نفس و شیطان وغیرہ کے ایمن ہو جائیں۔ مقام توحید کے معاملات بہت نازک ہیں جس وقت مرید کی چشم باطن پر عالم توحید منکشف ہوتا ہے عالم ایجاد کے کل موجودات اس کو غیر نظر آتے ہیں۔ اس وقت غیر کی نفی کو وہ شرط توحید سمجھتا ہے۔ آخر آتش غیرت لہک اٹھتی ہے اور ماسوی اللہ کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتی ہے۔ نفی و اثبات اگرچہ صفات بشریت سے ہے اور مرید

جب تک صفات بشریت سے نہیں نکلتا عالم توحید میں نہیں پہنچتا۔ فقہا کے نزدیک نفی بعد اثبات ہے اور اہل لغت کے نزدیک اثبات بعد نفی ہے۔ مگر عرفا کے نزدیک نفی و اثبات دونوں شرک ہے۔ کیونکہ اثبات میں تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ ثبوت، ثابت، اثبات اسی طرح نفی میں نفی، نافی، منفی کی ضرورت ہے۔ جس مقام میں دوئی شرک ہے یعنی فوراً آدمی مشترک ملحد سمجھا جاتا ہے وہاں تین اور تین چھ چیزوں کا گزر کیونکر ہوگا۔ اور کس طرح وہ شخص مخلص و موحد باقی رہے گا۔ برادر عزیز، ہم تم سے کیا کہیں۔ وحدۃ الوجود کی حقیقت یہی ہے کہ جو دیگر معدوم ہے تو بڑے تماشے کی بات ہے کہ جو چیز سرے سے موجود نہ ہو اس کی نفی کیا ہوگی۔ اور جب نفی کرنے والا خود نہیں ہے تو اثبات کیا کرے گا۔ شیخ ہر دی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

از نفی و ز اثبات بُردن صحرائست
عاشق چو بدین جابر سد نیست شود
کین طائفہ را دران میا سودا نیست
نے نفی و نہ اثبات نہ تو را جات نیست

نفی و اثبات کے مقام سے ان کا میدان باہر ہے۔ جہاں اس گروہ کا کاروبار ہے۔ جب عاشق اس جگہ پہنچ جاتا ہے اس کی ہستی فنا ہو جاتی ہے۔ نفی و اثبات اور تو کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ یہ مقام درتبہ کی بات ہے۔ کہاں توحید کا درجہ یہی ہے۔ منتہیوں کی قدم گاہ ہیں پر ہے۔ کیوں نہ ہو لا الہ کے بادیہ کو وہ قطع کر چکے ہیں۔ اور الا اللہ کے کعبہ میں پہنچ چکے ہیں۔ مِنْهُ بَدَأُ وَاِلَيْهِ يَعُودُ (یعنی اسی سے شروع ہوئے اور وہیں لوٹے گا شربت چکھ چکے ہیں۔ خواجہ سنائی رحمۃ اللہ علیہ کیا خوب فرماتے ہیں۔ مثنوی

تابہ جارد ب لانه ردی راہ
کے رسی در مقام الا اللہ

اے صدف جوے جوہر الا
جامہ جان را بنہ بسا جل لا

بر نہ گیر دھبان عشق دوئی
چہ حدیث بہت این حدیث توئی

احب تک لا کی جھاڑو سے راستہ صاف نہ کرو گے الا اللہ کی بارگاہ میں نہیں

پہنچ سکتے۔ اے اَلَا اللّٰہ کے نبی کا صدف ڈھونڈنے والے لاکے سمندر کے کنارے اپنی جان کے لباس کو اتار دے، عشق کی دنیا میں دوئی کا گزر نہیں۔ جو کچھ ہو سب تم ہی ہو۔ یہاں پر ہم تم کو قریب الفہم مثال دیتے ہیں۔ دیکھو جب کوئی جانور نمک کے تودہ میں پڑ جاتا ہے تو آخر وہ بھی نمک بن جاتا ہے۔ ایک مخلوق میں جب یہ صفت ہے کہ دوسری مخلوق کو اپنا ہم رنگ بنائے تو سلطانِ حقیقت میں یہ اثر اور یہ قوت کیوں نہ ہوگی کہ حاکمِ استغراق میں سالک کو ایسے مشاہدہ کی دولت سے مشرف کرے کہ صفاتِ بشریت اس سے زائل ہو جائیں۔ اور عالمِ ملکوت میں پہنچ جائے پھر مقامِ ملکی سے بھی اس کو آگے بڑھا دے یہاں تک کہ از روئے صفات وہ نیست ہو جائے تخلی ذاتی کا اس پر تصرف ہونے لگے۔ اُس کی بولی کلامِ حق اس کی شنوائی سماعِ حق ہو جائے۔ وہ صرف درمیان میں ایک بہانہ معلوم ہو ایک غریزے کیا خوب کہا ہے۔ بیت

در شہرِ نکوئی یا تو باشی یا من
شوریدہ بود کارِ ولایت بد دق

(در بارِ حسن میں یا تو رہے یا میں رہوں۔ ایک ملک میں دو شخص کی حکمرانی سے کام بگڑ جاتا ہے)۔ برادرِ غریزہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ثَمَنُ الْجَنَّةِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ جنت کی قیمت ہے یہ کلمہ طیبہ۔ اس لیے کہ جس نے توحید کی نظر سے دیکھا وجودِ موجودات اُس کو غیر دکھائی دیے۔ اور ماسوی اللہ در حقیقت فانی و نیست ہے۔ گہرا کردہ پریشان ہو گیا۔ کمرِ بہت باندھ کر عالم و حدانیت کی طرف دوڑ گیا۔ ایسے شخص نے گویا بہشت کی قیمت ادا کر دی اور صدقِ عبیدی کا خلعتِ تقدیق اُس نے پہن لیا۔ اور ثَبَّتْ حَقَّتْ عِنْدِي (مجھ کو حق کا ثبوت مل گیا)۔ کی شراب و فاس نے پی لی۔ دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا ہے اِذَا قَالَ الْعَبْدُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ صَدَقَ عَبْدِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا أَشْهَدُ يَا مَلَأَ بَيْتِي إِنِّي قَدْ غُفِرَتْ لِي بِصَدَقَ مَا قَالَ مَا نَعَدَمُ مِنْ ذَنْبٍ۔ (جب بندہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہتا ہے آفریدہ گارِ برتر خداوند غفور و جل فرماتا ہے

کہ بہت ٹھیک کہا میرے بندے نے کہ واقعی نہیں ہے خدا سوا اسے میرے۔ اسے فرشتوں تم گواہ رہو، اس بندے کے صدق قول کی وجہ سے کل گناہ اس کے ہم نے عفو کیے۔ برادر عزیز! تم کچھ سمجھے کہ فرشتے کیوں گواہ بنائے گئے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جس وقت آدم علیہ السلام کو خلافت مل رہی تھی یہ حضرت گھبرا کر بول اُٹھے تھے اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ۔ اسے معاذ اللہ ایسا شخص خلیفۃ اللہ ہو گا جو دنیا میں جا کر فساد و خون ریزی کرے گا اب ان کو دکھایا جا رہا ہے کہ جس کو تم بُرے سے بُرا سمجھے تھے وہ ہمارے نزدیک اچھے سے اچھا ہے۔ یعنی جب ان کے دل میں ہماری محبت ہے تو گناہ ان کو کیا کر سکتا ہے۔ سچ ہے محبت میں عیب بھی ہنس ہو جاتا ہے۔ برادر عزیز! لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ بھی ہے۔ تم جانتے ہو آپ کی کیا شان ہے؟ قرآن شریف سے سنو۔ فَاعْلَمُوا أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (کہہ دیجیے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں)۔ اول تو آپ کے آگے حجاب بشریت کا پردہ برائے نام تھا، مزید برآں آپ کے ظہور کے وقت جو نور تقویٰ ہوا اس کی شعاع کی لطافت نے جو کچھ رہا سہا حجاب باریک تھا اس کو بھی محو کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جو چیز دوسروں کے لیے غیب تھی آپ پر عیاں ہو گئی۔ اس لیے تقدیر غیب کے لیے اظہار بلفظ قول کی ضرورت ہوئی اور مشاہدہ و عیاں کے مقابلہ میں علم سے تعبیر کی گئی۔ اور سنو، بزرگوں کا قول ہے کہ جب سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ولایت نبوت سے عالم وحدانیت کی طرف نظر بصیرت کرتے تھے کہاں عشق و محبت و حیرت سے چاہتے تھے کہ آپ کی ذات نیستی کے گوشہ میں چھپ جائے اور جوڑ جوڑ الگ ہو کر غائب ہو جائے۔ اور عالم انسانیت سے کہیں باہر نکل جائیں۔ مگر لطیف محبوب حقیقی شمع بن کر روک تھام کرتا۔ اور تبلیغ رسالت کے لیے اس عالم سے اس ولایت نبوت میں پھر پہنچا دیتا۔ اس مقام میں نزول فرما کر کبھی کبھی آپ حضرت سید لقیہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کرتے تھے۔ کَلِمَتِيْ يَا حَبِيْرَاءُ۔ (یعنی اس وقت اسی

ایسی باتیں اپنے مصلحت وقت کے متعلق مجھ سے کیجیے۔ اگرچہ یہ مقام بہت بلند تھا۔ مگر درحقیقت

ایک بڑی مترل ہے۔ فہم من فہم (جس نے سمجھا سمجھا) سچ ہے عروج کے ساتھ نزول بھی

ضروری ہے، انسان کے لیے۔ بغیر اس طور کے چارہ بھی نہیں ہے۔ برادر عزیز، کلمہ طیبہ کی غیب

منزلت ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے یَوْمَ تَنفُخُ الرُّجُلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنِّ الْمِيزَانَ فَنُجُجُ

لَهُ لِسَعَةً وَتُسَعُّونَ سَجَلًا بِكُلِّ سَجَلٍ مِنْهَا اَمَدَ الْبَحْرِ مَكْتُوبٌ فِيهَا خَطَايَا هُ

وَذُنُوبُهُ فَنُوضَعُ فِي كِفَّةِ الْمِيزَانِ وَ يُخْرَجُ قَرَطَاسٌ مِقْدَارُ اَنْمَلَةٍ فِيهَا اَشْهَدُ

اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ فَنُوضَعُ فِي كِفَّةِ اُخْرٰى

فَنُخْرَجُ وَ عَلٰى خَطَايَا هُ۔ (جب خلق اللہ عرصہ حشر میں حاضر ہوگی اور میزان عدل نصب کی جائے

گی اس مجمع میں ایک شخص لایا جائے گا۔ سیاہ نامہ اعمال اُس کے ترازوے ذرہوں گے۔ ہر ذرہ

اتنا لمبا ہوگا کہ جہاں تک نظر جاسکے۔ وہ سب ذرہ ایک پلہ میں رکھے جائیں گے۔ اس کے بعد

خزانہ غیب سے ایک کاغذ برآمد ہوگا جس کی بساط ایک انگل کے برابر ہوگی۔ اس میں کلمہ لا

اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ لکھا ہوگا۔ یہ کاغذ دوسرے پلہ پر رکھ دیا جائے گا۔ اس کا وزن اتنا ہوگا کہ اس پلہ

سے وہ پلہ جھک جائے گا۔ اور وہ شخص جہنم کے وعیدوں سے اور اس کے درجات سے نجات

پائے گا۔ بارخ فردس میں اس کو جگہ ملے گی۔ درجات و کرامات کے ساتھ وہاں اُس کو اتارا جائے

گا۔ مثل مشہور ہے ہر کراچاشت دادند امیدست کہ شامش دہند جس کو صبح کو کھانا مل جاتا ہے

اُسے امید ہوتی ہے کہ شام کو بھی ملے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو پہلے پہل جب بہشت میں حبس

دی گئی تو کیوں نہیں امید کی جائے کہ یہ طفیل حضرت سید مختار علیہ السلام ان کی اولاد مسلم بھی جنت

میں جائے گی۔ برادر عزیز، تم کو چاہیے کہ رات دن اس کلمہ کے ورد میں ایسے مستغرق رہو کہ رب باتوں

پر غالب آجائے۔ دیکھو بھائی دیر کرنے کا موقع نہیں رہا۔ قافلہ گزر گیا، وقت تنگ ہے اور فرہبت

تھوڑی، خوف و خشیت کے رنگ میں ڈوب جانا چاہیے۔ اگر دس بیس رکعت نماز ادا ہو جائے

تو یہ سمجھو کہ اور بھی گناہ میں اضافہ ہوا۔ کیونکہ حق نماز ادا نہ ہوا۔ نہ کہ نماز پڑھ کر قرانی بن جاؤ۔

مرد قرانی کا یہ قاعدہ ہے کہ اگر رات کے وقت دو رکعت نماز پڑھتا ہے تو صبح کو وہ چاہتا ہے کہ ساری فضیلت کو ہم تمام کر دیں۔ حالانکہ اس کو اس کی خبر نہیں کہ ذرات وجود اس کے زبان حال سے کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ نداء آ رہی ہے کہ اے نادان تو کہاں ہے۔ اس بارگاہ کا رنگ ہی کچھ اور ہے۔ وہاں کعبہ سے تہخانہ بناتے ہیں اور عابد سہفت صد ہزار سالہ کو ملعون و مردود گردانتے ہیں۔ اپنی نماز کو تو کیا لیے پھرتا ہے۔ خیر بھائی، آدمی کو مردِ محقق بننا چاہیے نہ کہ قرانی مرد۔ مردِ محقق کی تعریف یہ ہے کہ پورب سے پچھیم تک کوئی چپہ زمین کا اُس کے سجدے سے خالی نہ رہے اس پر بھی وہ یہی سمجھے کہ اس بے نیاز کی درگاہ کے لائق کچھ نہ ہوا۔ اور ابتدا سے مفلس و بے نوا بنا رہے۔ دیکھو بھائی خشیت اس کا نام ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ہم نے جو غور کیا تو اپنی تمام عمر میں چالیس گناہ خوفناک دیکھے۔ ہر گناہ سے تین ہزار توبہ کر چکے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک دل مطمئن نہیں ہے۔ کھٹکا لگا ہوا ہے۔

برادرِ عزیز، اگر تم سے ہو سکے تو اس کی کوشش کرو کہ خود نمائی سے متفرق پیدا ہو جائے۔ اس کو ایک بڑا عظیم الشان کام سمجھو۔ دیکھو، مردانِ خدا جو اس راہ میں آئے ان کا کیا حال رہا ہے۔ اپنی ذات کے ساتھ ان کو ایسی جنگ رہی جس کی صلح تا حینِ حیات نہ ہو سکی۔ والسلام

تمام شد حصہ اول ترجمہ مکتوبات صدی

دعا: بحیات یاری تعالیٰ غراسمہ

خدا یا رحمت دریائے عام است
 و زانجا قطرہ مارا تمام است
 اگر آلالیش خلق گنہگار
 بدان دریائے دشوئی بیکبار
 نہ گرد متیرہ آن دریا زمانے
 دے روشن شود کار جہانے

(ترجمہ)

ہمیں اک قطرہ اس کا بیکراں ہے	تری رحمت الہی بحر جاں ہے
تو اس دریا میں سب ڈھل جائیں اکبار	گنہ لے آئیں گر سارے گنہگار
چمک اٹھتا ہے ہر مقصد جہاں کا	نہیں تار یک ہوتا ہے وہ دریا

تمت بالخیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اکتالیسواں مکتوب

ظاہر اور کھلے ہوئے ایمان کے بیان میں

برادر اغوش الدین اللہ تعالیٰ اخلاق اور ایمان سے تم کو آراستہ کئے۔ جانو کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے اَلْاِيْمَانُ عُرْيَانٌ وَلِبَاسُهُ الْقُوَى الْاِيْمَانُ نُرْغَا اور برہنہ ہے اور اس کا لباس تقویٰ اور پیرہیز گاری ہے۔ ایمان کا دروازہ بند نہیں ہے۔ ایمان تو بندشوں کا کھولنے والا ہے۔ ایمان تمام قفلوں کی کنجی ہے۔ خود قفل نہیں۔ عقل بھی ایک قفل ہے اور ایمان اس قفل کا کھولنے والا ہے۔ مرید کو چاہئے کہ ان تمام چیزوں سے جو پیدائش کے زمرہ میں ہیں بالکل برہنہ ہو جائے تاکہ ایمان کا حسن اُس پر ظاہر ہو لیکن تم تو اپنی ہی ہستی کے عاشق اور فرغیتہ ہو بھلا تم کو یہ توفیق کہاں کہ سرداری اور برتری کی ٹوپی سر سے اتار سکو اور نیک نامی اور شہرت کو برائی اور بدنامی بدل سکو، اور سلامتی کو ملامت کے ہاتھ بیچ ڈالو۔ تم روزانہ مدرسہ سے خراماں آتے ہو اور عبادت خانوں میں جاتے ہو تاکہ برتری اور سر بلندی کی ٹوپی پہنو، اور پارسائی کے دربار میں تمھارے علم اور مرتبہ کو بلندی چال ہو۔ زبان دراز ہوئی ہے تاکہ گفتگو (اور ڈونگ مارنے کا میدان اور کشادہ ہو جائے۔ اس کا مقصد یہی تو ہے کہ تمھاری زبان درازی کی دھاک لوگوں کے دلوں پر بیٹھ جائے۔ اور تم عوام پر اپنے علم کی فضیلت ثابت کرو اور خواص پر اپنی معرفت کا سکہ جماؤ۔ اے بھائی بحقیقت تو یہ ہے کہ ایسی کھوٹی پونجی کے سہارے ہم کو اور تم کو خدا کی درگاہ میں جانے کا راستہ ہرگز نہیں مل سکتا۔ جو لقمہ باز کے حلق اور معدے کیلئے پیدا کیا گیا ہے ہم چڑیوں کے حلق سے کیسے تر سکتا ہے۔ جو کپڑے دولت مندوں اور اقبال والوں کیلئے بنائے گئے ہیں ہم جیسے مفلس اور ناداروں کے بدن پر کیونکر ٹھیک ہو سکتے ہیں۔

جامہ بر اندازہ تن دوختند

ہر نظرے را کہ بر افروختند

(جس نظر کو بصارت کی نعمت عطا ہوئی ہے۔ اُس نے بدن کے اندازے سے کپڑا بتایا ہے۔)
 حال یہ ہے کہ روزانہ باریک سے باریک باتیں نکلتی ہیں اور زمانہ ہے کہ اندھیرا ہوتا جاتا ہے۔ سنو، باریکی
 سوز و گداز میں پیدا ہونی چاہیے نہ کہ گفتگو میں۔ اگر کہیں ایسا ہوا کہ ہماری گویائی اور بکواس نے کل قیامت
 کے دن اپنا انصاف چاہا، تو ہمارے ساتھ وہی کیا جائے گا جو فرعون، نمرود، ابوجہل اور ابولہب کے ساتھ
 کیا گیا۔ جو لوگ کہ دیندار بنائے گئے ہیں ان میں کسی طرح کلافت و گداز نہیں ہے کیونکہ اس قسم کی بُری
 نسبتیں ان کی ذات گرامی سے جدا کر دی گئی ہیں۔ اور ان بزرگوں کا دامن دنیا کی آلائشوں سے ایک دم
 پاک و صاف ہے۔ اور جن جن چیزوں پر حدوث کا داغ لگا ہوا ہے ان کے ہاتھ بھی اس سے آلودہ نہیں
 ہیں۔ ان کے دلوں پر ایک تجلی خداوندی چمکی اور اسی تجلی کی روشنی میں انھوں نے اس کو دیکھا۔ اور اس کے
 دیدار میں مستغرق ہو کر اپنے کو بھول گئے۔ اور اس کی ہستی کی خوشی میں اپنی ہستی سے بے خبر ہو گئے۔ اور بالکل
 اسی کے موافق ہوئے۔ بولے، مگر اس طرح کہ گویا نہ بولے۔ ستا بھی مگر ایسا کہ گویا نہ ستا۔ چلے بھی لیکن اس طرح کہ گویا نہ چلے
 اور بیٹھے بھی یوں کہ گویا نہ بیٹھے۔ ان کی ہستی میں ان کا کوئی وجود باقی نہ رہا۔ ان کی زبان بند ہو گئی۔ بولنے والے گونگے
 ہو گئے۔ ان کے کانوں کی قوت سماعت جاتی رہی، سننے والے بہرے ہو گئے۔ مخلوقات کے احوال سے بے خبر اور
 خدا کے دربار میں صاحبِ فہم و ادراک بن گئے۔ اور وہ درجہ عطا ہوا کہ کوئین کو ان کے مقامات کی خبر نہیں ہوئی
 یہ لوگ دل سے خدا کے ساتھ اور جسم سے لوگوں کے ساتھ ہیں۔ ان کا وجود دنیا والوں کے لیے مفید ہوتا ہے
 مگر وہ اپنے لیے کچھ نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ اپنی ہستی کو فنا کر چکے ہوتے ہیں۔ لوگوں کو کام کرنے کا حکم نہیں دیتے
 بلکہ ان کے رجحان اور ذوق پر حکم لگاتے ہیں۔ پرندوں کو اڑ جانے کا حکم نہیں دیتے بلکہ ان کو نیچے اترنے کا
 حکم دیتے ہیں۔ گدھ بہت اونچا اڑتا ہے لیکن مردار پر اتر آتا ہے۔ باز اونچا نہیں اڑتا، لیکن جو شکار
 کرتا ہے زندہ کرتا ہے کیونکہ اسے زندہ شکار میں ہی لذت اور مزہ ملتا ہے۔ اس لیے زندگی ہی تلاش
 کرنا چاہیے کیونکہ جب تک جان اس زندگی سے آشنانہ ہو زندگی سے لطف اندوز نہیں ہو سکتی۔ جو
 شخص اس جان سے جیتا ہے وہ اسباب کا غلام ہوتا ہے۔ اور جو خدا کے ساتھ جیتا ہے سارے اسباب
 اُس کے غلام ہوتے ہیں۔ خدا کے ساتھ زندہ رہنا عالم توحید کے سوا نہیں ہو سکتا۔ اور اس کا راز اپنے کو
 نہیں دیکھنا، اور خود کو کھو دینا ہے۔ "مَنْ يَرَى نَفْسَهُ فَقَدْ أَشْرَكَ" (جس نے اپنے کو دیکھا اُس نے شرک
 کیا) اپنے کو دیکھنا گویا اپنی شخصیت کو ظاہر کرنا ہے اور اس کے اظہار پر حد ضروری ہے۔ کیونکہ حدِ شریعت ظاہر

ہونے پر کی جاتی ہے تم نہیں دیکھتے کہ جس تخم سے خدا بچے پیدا کرتا ہے، وہ جب تک اپنی جگہ پر ہو شریعت کا کوئی حکم اس پر لاگو نہیں ہوتا۔ اس پر غسل واجب نہیں لیکن جب اپنی جگہ سے ہٹ کر باہر نکل آئے اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔ وہ خواہ جائز یا ناجائز صورت میں برآمد ہوا ہو۔ ہر لینے والا جو اپنی گفتار سے ظاہر ہو گیا چاہے کلمہ کبریاٰ اَللّٰہُ پڑھے یا اَنَارُکُمْ اَلْاَعْلٰی دوزلوں کی حیثیت ایک ہے یہی ہے حضرت امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید کرو، جیسا کہ آپ نے فرمایا اِنْ صَلَّیْتَ اَشُوکْتُ وَاِنْ لَمْ اُصَلِّ کَفَرْتُ (اگر میں نے نماز پڑھی تو شرک کیا اور نہ پڑھی تو کفر کیا) جو علم تم کو تمہاری ہی طرف دوڑے وہ علم درحقیقت تمہاری ہی آنکھوں پر پردہ ڈالتا ہے! اور جو علم تم کو خدا کی طرف لے وہی حقیقت اور معرفت کا علم ہے۔ وہ علماء جو اپنی عقل و سمجھ کے دائرے میں مقید ہیں ان کا علم محسوسات اور ظاہری چیزوں کے ذریعہ حاصل ہوا ہے جو کوئی محسوسات کی حد میں گھر کر رہ گیا ہے، محبوب ہو گیا ہے اور غیبی فائدوں سے محروم رہ گیا ہے۔ اور وہ علم جو زندگی کے چشموں سے ابلتا ہے اُس کو ظاہری حواس کی مدد کی ضرورت نہیں ہوتی جو اس کے عالم میں جو کچھ ہوتا ہے اُس کے وقوع زمانہ کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اور وہ علم جو تم کو تمہارے ساتھ الجھائے نہ رکھے اور دوسروں کو بھی تمہارے ساتھ الجھنے کا موقع نہ دے وہ علم حجابِ اہ نہیں ہے۔ استاد ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے بالکل سادہ لوح اور اُن پر صبر کر علم حاصل کیا ہے لیکن جو اپنے علم میں مغرور رہا اور اس سے ذرا بھی نہ کھسکا اس سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ اپنے حرفوں ہی کے حجاب میں مبتلا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے پاس بادام ہے۔ وہ بادام کا پھلکا تو دیکھتا ہے لیکن بادام کا مغز نہیں دیکھتا۔ زندگی اور طاقت پھلکے میں نہیں ہے پھلکا تو صرف مغز کا لباس ہے تاکہ مغز (یعنی معنی) ہر نا اہل پر ظہر نہ ہو سکے۔ یہ باتیں علمائے ظاہر کے دفتروں میں نہیں۔ اگر یہ باتیں علمائے ظاہر کے سامنے بیان کرو تو کہیں گے یہ سب اہیات ہے اور شریعت میں دھبہ لگاتا ہے۔ اور ایک دوسری جماعت کہے گی یہ تو جبر یہ فرقہ والوں کا نظریہ ہے۔ اب تم سمجھو کہ یہ نہ جبر ہے نہ قدر ہے اور نہ ترکِ شریعت ہے بلکہ خالص توحید کسی نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

بندہ جاے رسد کہ محو شود بعد ازان کار جز خدائی نیست

(بندہ خدا کی تلاش میں ایسی جگہ پہنچ جاتا ہے کہ خود کھو جاتا ہے اس کے بعد خدا کا کام ہے)

جہاں پہنچا ہے۔ اسے بھائی! بہت ممکن ہے کہ تجا نہ مسجد بن جائے۔ اور ہو سکتا ہے کہ کسی دن
 نزلیہ صدر مقام ہو جائے۔ ہاں، معمولات خداوندی کے اسباب اسی طرح جاری ہیں کہ لوہے کا رنگ
 آلودہ مگر اکبھی آئینہ بن کر چمکنے لگتا ہے اور اس میں پیروں کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ لیکن کب؟
 جب ایک ہرمنند استاد آگ کی دہکتی بھٹی میں اسے جھونکتا ہے اور گھن پر رکھ کر خوب کوٹتا ہے اور پیل پیل
 صاف کرتا ہے۔ اس کے بعد سیقل گر اسے خوب رگڑ کر چمکا دیتا ہے اور پہلی جو چیز اس سے ظاہر ہوتی ہے
 وہ سیقل گر کا حسن و جمال ہے۔ ٹھیک اسی طرح بشریت کے وجود کو ریاضت و محنت و مشقت کی بھٹی میں
 ڈال دیتا چاہیے اور مجاہدہ کے گھن پر کوٹنا چاہیے۔ اس کے بعد عشق جیسے سیقل گر کے سپرد کرنا چاہیے
 تاکہ انسانیت کی آلودگی کا رنگ صاف کر دے۔ فوراً عالم باطن کا عکس اس میں نظر آنے لگے گا۔ اور بہت
 ممکن ہے کہ اپنی صورت دیکھنے کے لیے بادشاہ کو اس آئینہ کی ضرورت پڑ جائے۔ جیسا کہ کسی نے
 کہا ہے

ما آئینہ ایم دا و جمالے دارد اور از برائے دید او دریا بیم
 دہم آئینہ ہیں اور وہ حسن رکھتا ہے ہم اس کو اسی کی خود بینی کے لیے تلاش کرتے ہیں۔ والسلام
 بسم اللہ الرحمن الرحیم

میاں یسوان مکتوب

ایمان کی صداقت میں

برادر افرخمس الدین معلوم کرو کہ ایمان کی سچائی اللہ تعالیٰ کی بزرگی کو قائم رکھنا ہے
 اور بزرگی کے قیام کا نتیجہ خداوند تعالیٰ سے شرم کرنا ہے جب ایمان ہوگا تو اس کا مشاہد ہوگا اور جب ہد
 صبح ہوگا تو تعظیم بجائے گا جب باطن میں تعظیم ہوگی تو ظاہر بھی اس کی متابعت کرے گا۔ باطن میں تعظیم دیکھے گا تو
 ظاہر کو اس کے خلاف کہنے سے شرم آئے گی۔ اس گروہ کے نزدیک مشاہدہ کے معنی باطن کا دیکھنا ہے ظاہر نہیں
 اور یہ بات اگرچہ بہت چھوٹی ہے لیکن دونوں جہان کا علم اس میں سمویا ہوا ہے خلاصہ یہ کہ جس مرتبے تک اسرار
 خداوندی کا مشاہد ہوگا ماسوا کا وجود اس سے جدا ہوتا جائے گا جب کمال استغناء لہی کا مشاہد ہوگا ساری
 خواہشیں اور لالچ اس سے دور ہو جائیں گی جب کمال قدرت کا مشاہدہ کرے گا تو سارا خوف اس کے دل سے جاتا

ہے گا۔ اور جب خدا کے اکرام و مہربانی کا مشاہد ہو گا تو خدا کے ساتھ اس کو اتنی محبت ہوگی کہ کسی اور کی محبت اس کے دل میں باقی نہ رہے گی۔ اور جب خدا کے انتہائی فضل و عطا کا مشاہد ہو گا تو افعال و احوال کے دیکھنے کی طاقت اس کے وجود میں باقی نہ رہے گی۔ اور جب خدا کے کرم و بخشش کا مشاہد ہو گا تو اس کو خدا کی ذات کے ساتھ اس قدر سرور و نشاط ہو گا کہ سارے جہان کو اس کی ضرورت لاحق ہوگی۔ اور جب خدا کے قہر کا مشاہد ہو گا تو ساری عقل و سمجھ اس کے دل و دماغ سے نکل جائے گی۔ اور جب خدا کے کاموں کی بے بسی کا مطالعہ کرے گا تو اس کو اپنے کسی کام پر بھروسہ نہ رہے گا۔ اور جب اس کی بزرگی اور جلال کا مشاہد ہو گا تو اس کو بے تعلقی کا خوف و ہراس ایسا ہو گا کہ اس کو کسی طرح قرار و آرام حاصل نہ ہو سکے گا۔ اصل بعید یہ ہے جیسا کہ کہا ہے

پس نہ در محل و چندین جوس پس نہ در کاس و چندین گس

خلوت خود ساخت عدم خانہ را باز گذار این دہ و دیرانہ را

د محل میں کوئی نہیں ہے اور اس قدر گھنٹیاں بچ رہی ہیں۔ پیالے میں کچھ نہیں ہے اور اس قدر کھیاں بھنک رہی ہیں۔ عدم آباد میں اپنا گھر بنایا (تو) اس دنیا کی دیران بستی کو چھوڑ دو) پھر اگر ایمان میں اس درجہ کی صداقت نہ ہو کہ مشاہد ہو سکے تو کم سے کم ایمان میں اتنا صدق ہو کہ اگر ہم خدا کو نہیں دیکھتے تو خدا ہم کو دیکھ رہا ہے۔ اس وقت کم سے کم اس کی اتنی تعظیم تو کرے جتنی مخلوق کی کرتا ہے۔ پس اس وقت جبکہ وہ یہ نہیں چاہتا کہ مخلوق اس کے کاموں کو دیکھے تو وہ یہ بھی نہ چاہے گا کہ خالق اس کے کاموں کو دیکھے۔ اور یہ جو ہم نے کہا اس سلسلہ فہموں کی زبان ہے لیکن ارباب حقیقت کے نزدیک یہ بھی کفر ہے کہ خداوند تعالیٰ سے اتنی ہی شرم کرے جتنی مخلوق کی کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوے کہ اس کے نزدیک خلق اور خالق دونوں برابر ہیں۔ اور اور خود باللہ جس شخص کا اعتقاد ایسا ہو وہ کافر ہے۔ اے بھائی! پھر ہم سیاہ رویوں کا حال جس کو مخلوق کی شرم خدا کی شرم سے کہیں زیادہ ہے، تو پھر ہم اور تم کہاں اور ایمان کہاں؟ ایمان یہاں سے ہے جیسا کہ کہا گیا ہے

چون مرد دین نبودم کیش مغان گزیدم وین رفت از میان ز نار می نہ بینم

(ہم دین اور شرع کے آدمی نہ تھے اس لیے بت پرستوں کا مذہب اختیار کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین تو چلا ہی گیا، ہم زنا رہی نہ باندھ سکے)۔ اگر بزرگوں کے شرعی حیلے اس مسئلہ میں نہ ہوتے تو ہم اور تم کبھی کے درگاہ خداوندی کے رائدہ دربار ہو جاتے اور بتخانوں میں بھی ٹھکانا نہ ہوتا

اسے برہمن یا ردہ رد کردہ اسلام را
 (اسے برہمن اسلام کی درگاہ سے نکالے ہوئے کو جگہ اور پناہ دے۔ یا نبھنے جیسے گمراہ کو بتوں کے سامنے
 جانے کی بھی اجازت نہیں)۔ اور وہ حیلہ شرعی یہ ہے کہ لوگ ہمیشہ ملامت کرنے والوں سے خوف زدہ رہتے
 ہیں اور بخشش کرنے والوں کے لطف و کرم پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ تو ہمارا اور تمہارا یہ ترکِ ادب کسی بے حرمی کے
 خیال سے نہیں ہے بلکہ خداوند تعالیٰ کی بے انتہا بخشش کی وجہ سے ہے! اور بے انتہا نوازش و بخشش بندے
 کو شوخ بنا دیتی ہے! اور مخلوق چونکہ درگزر نہیں کرتی اس لیے ان کی ملامت سے بندہ خوف زدہ رہتا ہے۔
 اس کا اصل مطلب یہی ہے نہ یہ کہ بندے کو خدا پر فضیلت دیتا ہے۔ بزرگوں کی اسی ایک تاویل سے کچھ امید بانی
 رہ جاتی ہے نہیں تو اپنے اس ایمان کو جو زنا کے برابر ہے اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔ کسی دل جلے نے یہی بات
 کہی ہے سرباعی۔

فگندنی است ہر انچہ برداشتہ ایم
 دردا کہ بہ عشوہ عمر بگذاشتہ ایم

بستر دنی است ہر انچہ بنگاشتہ ایم

سودا و دست ہر انچہ پنداشتہ ایم

(جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ مٹا دینے کے لائق ہے ہم نے جو کچھ اٹھایا ہے پھینک دینے کے لائق ہے۔
 جو کچھ ہم نے جانا اور سمجھا وہ خیال اور وہ ہم تھا۔ افسوس! افسوس! کہ دل لگی میں ہم نے عمر ضایع
 کر دی)۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ خواجہ محیٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے وَأَسْوَأُ مَا هُوَ
 وَأَنْ عَفَاكَ لَيْسَ يَعْلَمُ مَا فَعَلْتَ (برابر ہے اس کو اگر وہ بخش دے۔ کیا وہ نہیں جانتا جو کچھ میں نے
 کیا ہے) جب علم کی یہ نزدیکی حاصل ہوتی ہے تو سمجھ لیتا ہے کہ حق تعالیٰ یہی دیکھتا اور یہی جانتا ہے۔ اس
 وقت بندے اور گناہوں کے درمیان ہزار آہنی دیواریں حائل ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ بندے کا حال گناہ
 کرنے کے وقت تین حالتوں سے خالی نہیں ہوتا۔ یا خداوند تعالیٰ کے جلال کو بھول بیٹھا۔ اس فراموشی کی
 سزا یہ تھی نَسُوا اللَّهَ فَاُنْسَاهُمْ (وہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے ان کو بھلا دیا۔ یا خود ہی نہیں جانتا اور
 خدا کے جلال کی عظمت سے واقف نہیں ہے۔ اگر یہ حال ہے تو اس نے خدا کو پہچانا ہی نہیں ہے۔ اور اگر
 جانتا ہے اور سب کچھ یاد بھی ہے اس کے باوجود ڈھٹائی کرتا ہے تو یہ محنت بے حرمی ہے۔ اگر ہو ہزار ایمان
 بھی رکھتا ہو گا، ایک بھی باقی نہ رہے گا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب ان بزرگ سے پوچھا گیا کہ آپ نے
 خدا کو کیونکر پہچانا تو کہا ہم نے کبھی کسی گناہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا مگر یہ کہ اسی وقت ہم نے خدا کو یاد کیا

اُس سے شرم کی ادب باز آیا۔ اور یہ قرب، قرب قدرت ہے۔ خدا کی توانائی کا مشاہدہ کرنے والوں کے لیے ہر سائنس، ہر لحظہ اور ہر خطے میں ان کا یہی حال ہوتا ہے کہ نافرمانی اور خلافت کرنے کا خیال تک پیدا نہیں ہوتا۔ اعضا سے ارتکاب کرنا کب ممکن ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ یہ قرب "قرب معرفت تعظیم" ہو۔ اور تعظیم کے انداز سے احترام ہو گا جس قدر احترام ہو گا اتنی ہی شرم ہوگی اور جتنی شرم ہوگی اتنا ہی گناہوں سے دوری ہوتی جائے گی۔ جسے گناہوں سے دوری نہیں ہے، شرم نہیں ہے۔ اور جب شرم نہیں تو احترام نہیں جب احترام نہیں تو تعظیم نہیں جب تعظیم نہیں تو مشاہدہ بھی نہ ہو گا۔ اور جب مشاہدہ ہی نہیں ہے تو خدا کی معرفت کہاں؟ یہاں سے صاحب شریعت کا فتویٰ معلوم کرو کہ اَلْحَيَاءُ مِنَ الْاِيْمَانِ۔ لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا حَيَاءَ لَهُ (شرم ایمان کا ایک جزو ہے جس کو شرم نہیں اس کو ایمان بھی نہیں۔ اور یہ بھی فرمایا ہے اَلْحَيَاءُ مِنَ الْاِيْمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّاسِ مِنَ الْجَسَدِ (شرم ایمان کا ایک حصہ ہے جیسا کہ جسم میں سر کا مرتبہ جب کہ فی جسم بغیر سر کے قائم نہیں رہ سکتا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان بھی بغیر شرم کے باقی نہیں رہ سکتا۔ سے قطعہ

اے دل فاسق بگو این چہ تہ کاری بہت
فسق نہ باشد نکو این چہ گنہ کاری بہت
دعویٰ مہر و وفا می کنی اے بے صفا
ترک گیری جفا این چہ فاداری بہت

(اے بدکار دل تبا، تو کس تباہی میں مبتلا ہے۔ برائی کوئی اچھی چیز نہیں کیوں گناہ کرتا ہے۔ اے تاریک دل تو محبت کا دعویٰ کرتا ہے جفا میں پھوڑتا نہیں، اسی کو وفاداری کہتے ہیں قِيلَ الْمُؤْمِنُ مُنِيبٌ الْقَلْبِ اِلٰی رَبِّهِ (مومن منیب قلب کہا جاتا ہے جو اپنے پروردگار کی طرف نیابت کھنٹے والا ہوتا ہے) یعنی ہر وقت اور ہر حال میں خدا ہی کی طرف لوٹتا ہے۔ اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت ایوب علیہ السلام کے قصہ کا بیان ہے۔ ان میں ایک نے نعمت اور دولت پائی اور ایک نے بلا اور مصیبت نصیب اور بلا دونوں آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ لیکن ان دونوں بزرگوں میں سے ہر ایک نے خدا کی طرف رجوع کیا۔ اور انھوں نے نعمت کے باوجود نعمت کی لذت نہیں اٹھائی وہ نعمت دینے والے کی طرف دھیان لگائے رہے۔ اور شکرانے میں نِعَمَ الْعَبْدِ کا خطاب پایا۔ اور دوسرے بلا کی حالت میں بلا دینے والے کو دیکھا۔ صبر و شکر کے ساتھ اسی کی طرف رجوع کیا اور بلا سے فریاد نہیں کی نعم العبد کہہ کر سراہے گئے اور خدا کے ساتھ رجوع کرنا یہ ہے کہ بندے کو وہ واقعہ کہ دنیا میں سامنے آتا ہے دو حال سے خالی نہیں ہے۔

یا لغت ہے یا بلا۔ اور دونوں کے وسیلہ سے خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ اور ان ہی دونوں کے ذریعہ خدا سے جدا بھی ہو سکتا ہے۔ اور آخرت کے حکم میں بھی دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا پرہیزگاری، یا گنہگاری اور ان دونوں کے ذریعہ خدا سے کٹ سکتا ہے۔ اور خدا تک پہنچ بھی سکتا ہے۔ خدا سے کٹ جانے کے اسباب ان دونوں میں سے یہ ہوں گے کہ اپنی عبادت پر نظر رکھے اور گھمنڈ کرے اور گناہوں کو نہ دیکھے اور فراموش کر دے جب اپنی عبادتوں کو دھیان لایا خدا کے احسان اور اکرام کو بھول گیا اور جب گناہوں کو نہیں دیکھا خدا کا احترام بھول بیٹھا۔ یہ دونوں باتیں بندے کو خدا سے کاٹ دیتی ہیں۔ لیکن دونوں کا خدا تک پہنچنا اس طرح ہوگا کہ عبادت کو نہ دیکھے اور گناہوں کو دیکھے۔ جب عبادت کی پونجی کو دھیان میں نہ لائے گا تو خود کو مفلس پائے گا اور گڑا ہٹ کے ساتھ سوال کرتا ہوا آگے بڑھے گا۔ یہ سمجھ کر نہیں کہ ہم اس کے مستحق ہیں۔ محض اس کے فضل و احسان پر نظر ہے گی نہ کہ اپنی عبادت اور خدمت پر۔ اور جب گناہوں اور نافرمانی کو دیکھے گا عذر اور معافی چاہے گا اور اس کا وہم و گمان تک نہ لائے گا کہ گناہ کر کے ہم نے بے حرمتی کی ہے۔ اس کی غفلت کا جلوہ گناہوں سے روکے رکھے گا۔ اور دونوں اس لیے خدا تک پہنچنے کا وسیلہ بن جائیں گے۔ یہی راز ہے جس کو کہا ہے ۛ

فسقہ کہ توبہ بات پیاپان کا راہ
بہتر طاعتی کہ بہ پندار سر کشد
(جس برائی کے بعد توبہ کی جائے گی وہ اس نیکی سے کہیں اچھی ہے جو غرور اور تکبر پیدا کرتی ہے) اور
کہا گیا ہے اَلْمُؤْمِنُ الْمُحْتَرِقُ بِقُرْبِهِ وَصَادِقٌ مِنْ بَعْدِهِ (اس کی نزدیکی سے مومن کا دل جلا
جاتا ہے اور اس کی دوری سے فریاد کرتا ہے۔ یہیں سے کہا گیا ہے ۛ

بالعش قبا چہ عشق باز د
آن کس کہ بدید کبیر یارا
(وہ کپڑوں کے گل بوٹوں سے کیوں عشق کرے گا جس نے خود خدا ہی کو دیکھا ہے)۔ قرب حاصل ہونے
پر بھی اس طرح فریاد کرتا ہے کہ اس کو قرب حاصل نہیں ہوا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب مطلوب کی صفات کی
کوئی حد اور انتہا نہیں ہے۔ جہاں تک ڈھونڈتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب تک تلاش ہی نہیں کیا۔
اور جتنا بھی پاتا ہے وہ انہیں پانے کے درجہ میں ہے۔ اس لحاظ سے قرب سے محروم اور جلا ہوا رہتا ہے۔
اور اس قرب پر بھی دوری کی فریاد کرتا ہے۔ اسی کیفیت کی بنا پر کسی کہنے والے نے کہا ہے ۛ
تایار جہاں خویش بنود مسکین دل من گئے نیا سود

(جتنا بھی دوست نے اپنا جمال دکھایا، میرا غریب دل کبھی سیر نہ ہوا)۔ اور ممکن ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ وہ یہ جانے کہ قرب اور بُعد میرے ساتھ نہیں ہے بلکہ دونوں خدا کے ساتھ ہیں جس طرح وہ کسی کے ساتھ رکھا ہوا نہ ہے گا اسی طرح اس کا کام بھی کسی چیز سے رک نہیں سکتا۔ ایسا ہوگا کہ قرب کو بُعد کا لباس اور بُعد کو قرب کا لباس پہنا دیا گیا ہو۔ کیونکہ اس کا کام قیاس پر ٹھیک نہیں اترتا جب ایسا ہے تو اگرچہ اپنے بدن پر قرب کا خلعت دیکھے گا تو بھی بُعد کے مکر سے بے پروا نہ رہے گا۔ ورنہ وہ نعمتوں کے خوف کو محنت بنائے گا اور کل نعمتوں کی لذت کو چھین لے گا۔ مکر کے خوف سے قرب کی لذت اس نے حاصل کی تھی اس کے دل سے سب رخصت ہو جائے گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قرب ہونے کے باوجود بھی آرام نہ پائے گا۔ اور جس چیز سے آرام نہ پائے گا اس کا وجود نیست نابود ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے قرب سے جل جانا اور بُعد سے فریاد مچانا ہے۔ کسی دل جلے نے کہا ہے

بندہ را با توجہ نسبت کہ بہ گنج خوبی پاشاہے توئی و من مقلس باد ز رام

(بندے کو تیرے ساتھ کیا نسبت ہے کیونکہ تو خوبیوں کا خزانہ ہے تیری حیثیت ایک شہنشاہ کی ہے اور میں پیدائشی ایک قلاش فقیر ہوں)۔ اے بھائی! خدا کے احکام عقل و سمجھ اور قیاس سے بالاتر ہیں۔ آدم صلی اللہ نے کیا کیا تھا کہ ان کو صفوت کا خلعت پہنا یا گیا۔ اور کم بخت شیطان نے کیا کیا تھا کہ فرشتوں کا لباس اس کے بدن سے اتار لیا گیا۔ اگر اصفیٰ یعنی پاکیزگی کا سبب صفائی ہے تو چاہیے کہ علت کے ذخیرے میں آگ لگا دے تاکہ پہلے ہی قدم میں اس کو جنتِ عدن میں پہنچا دے۔ اگر شیطان کی نافرمانی کو اصل قیاس کیا جائے اسی قیاس کا اس نے جواب دیا۔ اس معنی کر کہ اگر شیطان سے کہا گیا کہ حضرت آدم کو سجدہ کرا دے اس نے سجدہ نہیں کیا۔ اور اسی طرح حضرت آدم سے بھی کہا گیا کہ گھوٹ نہ کھاؤ اور انھوں نے کھا لیا۔ پھر کیا سبب تھا کہ ان کو پاکیزگی اور صفائی کا تاج پہنا یا گیا اور اس بد بخت کو راند دیا گیا۔ اور وہ بھی اس طرح کہ کبھی بھی وہ مردود و مقبول نہ ہو سکے۔ سر پر خاک اڑاتا ہے اور کہتا ہے دبا ہی۔

نے ردِ زہی نہ جلے فریاد مرا نے نیز کند بہ وصل دل مشاد مرا

بنگر کہ بہ عاقبت چہ افتاد مرا معشوق بدست دشمنان داد مرا

(مچھ کو خوشی کے دن ہی نصیب ہیں نہ فریاد کرنے کا کوئی موقع ہے۔ نہ کبھی اپنے وصال کے پیغام سے میرے دل کو خوش کرتا ہے۔ ذرا دیکھو تو اس کے نتیجے میں میرے اوپر یہ مصیبت آئی ہے کہ معشوق نے

مجھ کو دشمنوں کے سپرد کر دیا ہے۔ ابھی تک حضرت آدمؑ نے گہیوں نہ کھایا تھا کہ اجتبار کا تاج ان کے لیے تیار کر رکھا تھا۔ اور اب تک شیطان نے دم مارا ابھی نہ تھا کہ لعنت کی تلوار کو عتاب کے پانی سے زہر آلود بنا دیا گیا تھا۔ وہ کم بخت کہتا ہے کہ اگر ہم کو کہا کہ حضرت آدمؑ کو مسجد کراور ہم نے نہیں کیا تو حضرت آدمؑ سے بھی کہا گیا گہیوں نہ کھاؤ انھوں نے کھالیا تو دونوں ہی ایک دوسرے کے برابر ہو گئے۔ اسی موقع پر کہا ہے

نے، مکن چندین قیاس لے حق شناس
ز انکہ ناید کار بے چون در قیاس
عقل در سوئے او حیران بماند
جان ز بحر انگشت درندان بماند
در جلالش عقل و جان فروت شد
عقل حیران ماند جان مہوت شد

دلے حق شناس اس قدر قیاس کے گھوٹے نہ دوڑا۔ کیونکہ خدا بے چون کے کام عقل و فہم سے باہر ہیں۔ عقل اس کی حقیقت کے ادراک میں حیران ہے اور جان اپنی بے بضاعتی کو دیکھ کر انگشت بدندان۔ اس کی غرت و جلال کے سامنے عقل ضعیف و عاجز ہو گئی۔ بلکہ عقل و جان دونوں ششدر ہو کر رہ گئیں۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تینتا لیسواں مکتوب ۴۳

اسلام کے شکر اور رابعہ لبرئی اور ابراہیم ادہم کے ذکر میں
برادر اغوش الدین آگاہ ہو کہ اسلام سب نعمتوں کی جڑ ہے تم کو چاہیے کہ کسی وقت بھی اس نعمت کے شکر یہ سے خاموش نہ بیٹھو۔ اور ایسا خیال کرو کہ اگر ابدلے آفرینش میں پیدا ہوتے اور اس وقت سے قیامت تک اس انعام کا شکر بجالاتے جب بھی اس نعمت کی عطا کا حق شکر ادا نہ کر سکتے۔ روایت ہے کہ جب قاصد مصر سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشخبری ان کو دی تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کس دین و مذہب پر تو نے پایا قاصد کہا دین اسلام پر۔ آپ نے فرمایا ہاں اب نعمت ختم ہوئی۔ تم کو چاہیے کہ کسی وقت بھی اس نعمت سے غافل نہ رہو کیونکہ روایت ہے حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ سے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اسلام کے نقصان سے

بے پردہ ہو اس کے دل سے اسلام بالکل زائل ہو جائے گا۔ اس سے خدا کی پناہ۔ اور آپ ہی کا یہ اتعہ ہے کہ ہر سال میں فرماتے تھے اَللّٰهُمَّ صَلِّمْ (اے اللہ ہم کو مسلمان بنا، مسلمان بنا) یعنی سلامتی عطا فرما۔ جیسا کہ کشتی ڈوبنے کے وقت کوئی کہے کہ اے اللہ ہم کو سلامت رکھ۔ اور ایک بزرگ سے نقل ہے کہ انھوں نے کہا کہ ایک غیر نے خدا سے سوال کیا بطعم باغور کے حال اور اس کے مردود بارگاہ ہونے کے متعلق۔ کیونکہ اس قدر بزرگی اور علم کے باوجود کہ جب سر اٹھاتا تھا تو عرش معلیٰ کو دیکھتا تھا۔ اس کی مجلس میں بارہ ہزار علما سبق پڑھتے تھے جب خدا کا فرمان پہنچا کہ ہم سے اس کو علم کی دولت عطا فرمائی تو شکر بجا نہیں لایا۔ اگر تمام عمر میں ایک فوج بھی شکر کرتا تو کبھی وہ نعمتیں اس سے نہ چھینی جاتیں۔ اور نعمت کا چھن جانا نعمت ملنے کے بعد برا سخت عذاب ہے۔ اسی موقع پر کہتے ہیں اَلْفِرَاقُ بَعْدَ الْوَصَالِ اَشَدُّ یعنی وصل کے بعد جدائی برا سخت کٹھن معاملہ ہے۔ دانشمندوں نے کہا ہے کہ ہم نے دنیا کی تکلیف اور مصیبت کو دیکھا تو پانچ بہت سخت نظر آئیں۔ ایک پردیس میں بیماری، دوسری بڑھاپے میں مفلسی، تیسری جوانی کی موت، چوتھی بینائی کے بعد آنکھوں کی روشنی کا چلا جانا۔ پانچویں وصل کے بعد جدائی۔ اور اگر تم کہو کہ ان سختیوں اور دشواریوں کے باوجود کس شخص میں اس کی تاب طاقت ہے کہ اس کی شرطیں بجالائے تو سن لو کہ قرآن مجید ہی فتویٰ دیتا ہے وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرُ (ہمارے بندوں میں شکر کرنے والے بہت کم ہیں۔ لیکن فرماتا ہے وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهَبْ مِنْهُمْ سُبُلَنَا لَعَنِي جُوهًا لِّمَا هُمْ لِيَّ جِدَّوْهُمْ كَمَاتے ہیں ہم ان کو اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں)۔ تو کمزور بندے کے سامنے جو کچھ آتا ہے اس پر وہ قائم رہے۔ تم کیوں خدا کے قدیر و غنی و کریم و رحیم پر گمان کر دے کہ تمہاری جدوجہد کو وہ برباد کر دے گا۔ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ اور اگر یہ شبہہ کر دے کہ انسان کی زندگی تھوڑی ہے اور راستہ کی مشکلیں سخت اور بہت ہیں۔ زندگی کیونکر ساتھ دے سکتی ہے کہ آدمی کل شرطیں بجالا کر اور ان مشکلات کو طے کرے۔ جان لو کہ راستہ کی دشواریاں بہت ہیں اور اس کی شرطیں بھی بڑی کڑی ہیں۔ لیکن جب خدا چاہے کہ بندے کو قبول فرمائے تو اتنا لمبا راستہ مختصر کر دے گا اور مشکلیں حل ہو جائیں گی۔ تاکہ ان مشکلوں کے ٹل جانے پر یہ کہے کہ راستہ کس قدر نزدیک ہے۔ اور کتنا آسان یہ کام ہے میں پر بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ خدا تک پہنچنے کی راہ صرف دو قدم ہے۔ اور اس میں فرق ہوتا گیا ہے کسی نے متر برسوں میں راستے کی مشکلیں طے کی ہیں اور کسی نے بیس ہی برس میں اور

کوئی دس برس میں، اور کوئی ایک برس میں، اور کوئی ایک مہینہ میں، بلکہ ایک ہفتہ میں، بلکہ ایک گھڑی میں۔ اور کوئی ایسا بھی ہے جو خدا کی مدد سے پل بھر میں راستہ طے کر لے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اصحابِ کعبہ کو پل بھر سے زیادہ نہیں گزرا کہ جب قیانوس کے ملک میں گڑ بڑی دیکھی کہ ہمارا پروردگار زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور دیکھ لیا اس راستہ میں جو حقائق ہیں۔ اور اس راستے کو طے کر لیا اور مستقیموں اور متوکلوں کے گروہ میں داخل ہو گئے۔ اور ان کے لیے اس راہ کی مسافت پل بھر میں حاصل ہو گئی اور فرعون کے جادو گروں کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ ان کی مدت بھی ایک لمحہ سے زیادہ نہ تھی۔ کیونکہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حجرہ دیکھا تو پکار اٹھے ہم خداے دو جہاں پر ایمان لائے اور راستہ دیکھا اور طے کر لیا۔ اور ایک گھڑی سے دوسری گھڑی تک بلکہ ایک گھڑی سے بھی کم مدت میں عارفوں کے گروہ میں شامل ہو گئے اور دیدارِ الہی کے مشتاق بن گئے۔ یہاں تک کہ دفعۃً بول اٹھے ہم لوگ اپنے خدا کی طرف لوٹنے والے ہیں ہمارے لیے کوئی نقصان نہیں ہے تیرا جو جی چاہے کہ ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اسی بھید کو سامنے رکھ کر کہا ہے

گم سگے راہ دہد تا پیش گاہ
کہ کند مر گر بہ را مکسوف راہ

(کبھی کتے تک کو اپنی کرسی کے پاس بلا لیتا ہے کبھی بلی کے لیے راستہ بند کر دیتا ہے)۔ قصہ ہے کہ حضرت ابراہیم اہم رحمۃ اللہ علیہ دنیا کے کام دھندوں میں لگے رہتے تھے جب دنیا سے منہ پھیر کر اپنے سلوک کا راستہ اختیار کیا ان پر ایک نماز کے وقت سے زیادہ کی مدت راہ کے طے کرنے میں نہیں لگی۔ کہ بلخ سے آپ مُرد تک پہنچے۔ یہ واقعہ ہوا کہ ایک شخص پل پر سے ندی میں گر رہا تھا آپ نے انگلی سے اشارہ کیا کہ رُک جا۔ وہ شخص ہوا میں معلق کھڑا ہو گیا اور مرنے سے بچ گیا۔ اور حضرت رابعہ بصری ایک لونڈی تھیں جو ادھیر ہو چکی تھیں۔ بصرے کے بازار میں ان کی طرف کوئی خریدار توجہ نہیں کرتا تھا چونکہ ان کا سن زیادہ ہو چکا تھا سودا گروں میں سے کسی نے سو روپیہ میں آپ کو خرید لیا اور آزاد کر دیا۔ اور حضرت رابعہ نے جب سلوک کا راستہ اختیار کیا عبادت کرنے لگیں۔ ابھی سال ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ بصرہ کے عابد اور علماء ان کے مرتبے کی عظمت اور بڑائی کی وجہ سے زیارت کو آنے لگے۔ لیکن جو محروم القمت ہے کہ اس پر خدا کی عنایت کی نظر نہ ہو اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مشکلات راہ کی کسی ایک شاخ میں ستر برس تک اٹک کے رہ جاتا ہے اس طرح کہ راستہ طے نہیں کر سکتا اور ہمیشہ چھینٹا چلاتا

رہتا اور فریاد کرتا ہے کس قدر یہ راستہ یاد یک اور کس قدر کام سخت ہے۔ اور سمجھو کہ ایک ہی اصل حقیقت کی طرف سب کام لوٹتا ہے۔ ذٰلِکَ لَقَدْ یُرِیُّ الْعِزَّ الْعَلِیْمَ (اور یہ خداے دانا و بزرگ کی مشیت ہے۔ اور اگر کوئی اعتراض کرے کہ ایک شخص خاص عنایت کے ساتھ کیوں نوازا گیا اور ایک دوسرا شخص خاص توجہ سے کیوں محروم کر دیا گیا۔ حالانکہ یہ دونوں عبادت اور بندگی میں بالکل شریک تھے۔ اے بھائی! بہت عرصہ ہوا کہ جہاں میں آواز دے چکے ہیں لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ (جو کچھ کرتا ہے اس کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا جاسکتا)۔ سارے علم و عقل یہاں نیست و نابود ہو جاتے ہیں جیسا کہ کہا ہے یہ

صد ہزاراں ہر درین وہ گئے شد بسکہ خونہ زین سبب بے جوئے شد

صد ہزاراں عقل این جا سر نہاد دانکہ اونہا دسر در رہفتاد

اس راستہ میں ہزاروں سرگسید بن کر ٹھوکروں سے اڑ گئے۔ اسی سبب سے ندیوں میں خون بھر گیا۔ ہزاروں عقلوں نے یہاں سر ڈال دیا۔ اور جس سے سر نہیں رکھا وہ راستہ میں پڑا رہ گیا۔ ایک بزرگ نے اسی موقع پر کہا ہے قَتَلْتَنیْ مَسْئَلَةُ الْقَضَاءِ وَالْقَدْرِ (ہم کو مار ڈالا قضاء و قدر کے مسئلہ نے۔ اس راستے کی مثال عقوبتی میں پل صراط کی ہے۔ یعنی کوئی شخص ایسا بھی ہوگا کہ پھلی کی طرح وہ پل صراط کو عبور کرے اور کوئی ایسا ہوگا جو ہوا کی طرح پل سے گزر جائے گا۔ اور کوئی ایسا ہوگا جو پرندوں کی طرح طے کر لے گا۔ اور کوئی ایسا ہوگا جو گھوڑے کی طرح دوڑ لگا کر چلا جائے گا۔ اور کوئی ایسا ہوگا کہ جب دوزخ کی آواز اس کے کان میں پہنچے گی اس کی ہیبت سے گر پڑے گا۔ اور کوئی ایسا بھی ہوگا کہ دوزخ کے سپاہی اس کو پکڑ لیں گے اور دوزخ کی آگ میں جھونک دیں گے۔ تویہ دو پل ہوئے ایک نیا اور ایک آخت کا۔ آخت کا پل روحوں کے لیے ہے اس کی ہیبت بینائی رکھنے والے لوگ دیکھتے ہیں۔ اور دنیا کا پل دلوں کے لیے ہے۔ اس کی خوفناکی ظاہری آنکھ رکھنے دیکھتے ہیں۔ اور سالکان طریقت کا حال مختلف ہونا ان کی دنیاوی حالتوں کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اس پر غور کرو اور جہاں تک معرفت کا حق ہے پہچانتے کی کوشش کرو۔ جب کہیں ممکن ہے کہ کسی کام تک پہنچ سکو۔ کیونکہ بے خبر آدمی کا کہیں گزر نہیں جیسا کہ کہا ہے یہ

از پیے صاحب خبران بہت کار بے خبران را چہ غم روزگار

(خبر والوں ہی کو کام سپرد کیا گیا ہے۔ بے خبر لوگوں کو زلٹنے کی ادب نیچ کی کیا فکر) اب جانو کہ

اس کام کی حقیقت یہ ہے کہ یہ امتہ درازی اور کوتاہی مسافت کے اعتبار سے ایسا نہیں ہے کہ اس کو پاپا پادہ چل کر طے کیا جاسکے بلکہ اس کی مسافت کا طے کرنا دل سے متعلق ہے اپنے اپنے عقیدے اور بصیرت کی بنا پر۔ اور اس میں اصل انوار آسمانی اور خداوند کریم کی نظر ہے جو بندے کے دل پر پڑتی ہے کہ اسی نظر کی مدد فرشتوں اور عالم ملکوت کے کاموں کو لفتین کی آنکھ سے دیکھے۔ اور ایسا ہوتا ہے کہ ہزاروں برس سے بندے کو اس نور کی تلاش و طلب ہوتی ہے، مگر پاتا نہیں۔ اور ایک دوسرا دل برس میں پالیتا ہے۔ اور ایک دوسرا ایک دن اور کوئی دوسرا ایک گھڑی میں اور کوئی دوسرا صر پل بھر میں خدا کی عنایت کی برکت سے پالیتا ہے۔ اور بندے کے لیے ضروری ہے کہ جو کچھ اس کو کہا گیا ہے وہ بجالائے۔ اور یہ کام ایسا ہے کہ مشیت کے پردے میں پوشیدہ ہے اور باری تعالیٰ حاکم و عادل ہے یَحْكُمُ مَا يُشَاءُ وَيَفْعَلُ مَا يُرِيدُ (یعنی جو چاہتا ہے فرمان دیتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے کرتا ہے) اگر تم کہو کہ اس قدر جدوجہد آخر کیوں ہے جب نتیجہ پوشیدہ ہے۔ یہ ایسی بات جو تمھاری غفلت پر دلالت کرتی ہے۔ اچھی بات یہ ہے کہ تم کہو ضعیف بندہ جو کچھ مانگتا ہے اس کے مقابلہ میں وہ عمل اور جہاد سخت کچھ نہیں ہے۔ ایک دین دنیا کی سلامتی دوسرے دونوں جہان میں بزرگی کا سرمایہ۔ لیکن دنیا کی سلامتی اس لیے کہ اس کے فسادات اور فتنے اتنے زبردست ہیں کہ وہ فرشتے جو خدا کی بارگاہ میں مقرب تھے وہ بھی اس سے دامن بچانہ سکے جیسا کہ ہاروت ماروت کے قصہ میں تم نے سنا ہوگا۔ روایت ہے کہ جب بندے کی روح آسمان پر لے جاتی ہے تو ساتوں آسمان کے فرشتے متوجہ ہو کر کہتے ہیں اس روح نے کیونکر نجات پائی ایسی سرے سے جہاں کہ ہمارے بہتر سے بہتر لوگ ہلاک ہو گئے۔ اور سرے آخرت کی سختیاں اور مہیت ناکیاں اس حد تک ہیں کہ انبیاء اور رسول نفسی نفسی کہہ کے فریاد کرتے ہیں! اور کہتے ہیں کہ ہم تجھ سے سوائے اپنے نفس کے کچھ نہیں چاہتے۔ پھر کیا کہو گے کہ اس کام کی سلامتی معمولی اور بخوڑی ہے۔ لیکن ملک اور کرامت اور وہ مشیت الہی کے کاموں میں دنیا کے اندر دخل دینا ہے۔ اور یہ بات سوائے اولیاء کے کسی کو نصیب نہیں کہ ان کے لیے دریا اور بیابان ایک قدم کی راہ ہے۔ اور آدمی جنات، چوپائے اور خشکی پر نند و پرندان کے حکم کے تابع ہیں۔ یہ جو کچھ چاہیں ہو جائے۔ مگر جو اللہ نے چاہا ہے یہ اس کے سوا اور کچھ نہ چاہیں گے۔ اور وہ لفتنی ہو کر رہے گا۔ تو اس مالک کے مقابلے میں کیا کہو گے؟ دو رکعت نماز ادا کرنا یا دور دور پر خیرات دینا

یا دوراتیں جاگنا کافی ہے؟ خدا کی قسم ایسا نہیں ہے۔ اگر آدمی میں ہزاروں ہزار جان ہوں اور ہزاروں روئیں ہوں اور ہزاروں برس کی عمر میں ہوں دنیا کی عمر کے برابر مٹی تو اس بلند مقصد کے لیے سہل کو تھ دینا پڑے گا۔ آخر تھوڑا تھوڑا ہی ہے۔ اے بھائی جہاں تک ہماری اور تمہاری نظر پہنچتی ہے یہی دیکھتے ہیں کہ انسان ضعیف البنیان واقع ہوا ہے اور اس کے قوی محض مختصر ہیں۔ لیکن باطنی خزانے اور اسرار جو اس کو سونپے گئے ہیں ان کے اعتبار سے یہ عالم الکبر کی حیثیت رکھتا ہے آسمان کے تارے جو اس دنیا میں ہم کو اتنے اونچے دکھائی دیتے ہیں اور یہ چاند جو بادشاہ کا درجہ رکھتا ہے اور یہ آفتاب جو سمجھوں کا شہنشاہ ہے اور جہاں کی روشنی کی خدمت اسی کے سپرد ہے یہ سب مومن کے دل سے روشنی اخذ کرتے ہیں۔ اور مومن کا دل حق تعالیٰ کی نظر سے لور حاصل کرتا ہے۔ اس نے عرش پیدا کیا اور مقربوں کے حوالے کیا اور بہشت پیدا کیا ورنہ ان کے سپرد کیا۔ اور دوزخ بنایا مالک کے حوالے کیا مومن کا دل پیدا کیا۔ کہا اَلْقُلُوبُ الْمُؤْمِنِينَ بَيْنَ أَصْبَحِ الرَّحْمٰنِ (مومن کا دل خدا کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے بیچ میں ہے اور اَصْبَحِیْنِ کی تاویل فضل و عدل سے کی گئی ہے جب کبھی خدا کے فضل کی ہوا چلتی ہے وہ مست خوش ہو جاتا ہے۔ اور جب قہر و عتاب کی لہر اس پر سے گزرتی ہے نگھل جاتا ہے۔ ان دونوں صفتوں کے بیچ میں یہ ضعیف مدہوش۔ اور ان دو حالتوں کے بیچ میں بے ہوشی اس کا کام ہے یہی اسرار ہیں جس کو کہا ہے رباعی

گہ شربت وصل تو مرا مست کند گہ ضربت ہجر تو مرا پست کند
چون بگذارم ز ہجر نقدے ز غمت نقدے دگرم عشق تو برد پست کند

کبھی تمہارے وصل کی شراب ہم کو مست بنا دیتی ہے۔ کبھی تمہاری جدائی کی مار ہم کو بے سدھ کر دیتی ہے۔ جب فراق کے عالم میں تمہارے غم کی پونجی ہم پھوڑ دیتے ہیں تو یہ عشق اسی طرح کے غم کی پونجی ہمارے ہاتھ پر رکھ دیتا ہے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہو الیسواں مکتوب ۴۴

شرک خفی کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین جانو کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلشِّرْكَ اَخْفٰی اِنِّیْ اُفْتِیْ مِنْ دَیْبِ التَّمَلُّکِ عَلَی الصَّخْرَةِ الشَّمَاۗءِ فِی لَیْلَةِ الظُّلُمَاۗءِ لِاِیْرِیْ اَمْتٍ مِّنْ شَرِّکِ اِسْ حَیْثُ نِیْیَیْ کِیْ چال سے زیادہ چھپا ہوا ہے جو اندھیری رات میں کالے پتھر پر چل رہی ہو۔ تو جانو کہ اگرچہ یہ شرک ایمان کو نقصان نہیں پہنچاتا مگر ایمان کی حقیقت اور ایمان کے فائدوں میں نقصان ضرور لاتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے خالص سونا بھی سونا ہے اور وہ سونا جس میں ملاوٹ ہو اس خالص سونے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی قیمت کم ہوگی۔ اور حقیقت میں ایمان خداوند تعالیٰ کی توحید ہے اور توحید شرک کی ضد ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب تک شرک نہیں اٹھ جائے گا توحید حاصل نہیں ہو سکتی جب شرک کی جڑ اکھڑ گئی اپنی اصلی شکل میں توحید ظاہر ہو گئی۔ اگر مقصود یہ ہے کہ ایمان اور توحید اصلی صورت میں سامنے آئے تو جتنی شرک کی آلودگی اور آمیزشیں ہیں ایک ایک کر کے نکال دو۔ اور وہ آلودگی شرک خفی ہی ہے۔ اور شرک خفی کے معنی خدا کے سوا کسی دوسری شخصیت سے نفع اور نقصان کا دیکھنا ہے۔ امید اور ڈر خدا کے سوا کسی دوسری ذات سے کرنا ہے۔ بیکاری کی باریکیاں اور بڑی پوشیدگی اور غرور اور تکبر کے چھپانے کی کوشش کرنا، اور لوگوں کی تعریف سے خوش ہونا اور اپنی مذمت اور برائی سن کر رنجیدہ ہونا یہ سب شرک خفی میں داخل ہے۔ اور حکم یہ ہے وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِہٖ شَیْئًا یعنی اللہ ہی کو پوجو اور کسی کو اس کے ساتھ ذرہ بھر شریک نہ کرو۔ یہی بھید ہے جس کو کہا ہے۔ مشنوی۔

نکوٹے نکو گفتہ است در ذات کہ التَّوْحِیْدُ اسْقَاطُ الْاَصْنَافَاتِ

چرا در وحدت پیوند جویم توئی مطلوب طالب چند گویم

(ایک اچھے کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے کہ توحید اللہ تعالیٰ کی ذات سے تمام اصنافوں کو گرا دیتا ہے۔ تیری وحدانیت میں کسی غیر کو ہم کیوں شریک کریں۔ تو ہی مطلوب ہے، اور تو ہی طالب ہم کہاں

بیان کریں۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ ایک شرک ظاہر ہے اور ایک پوشیدہ ہے۔ پوشیدہ شرک حضرت پیغمبر علیہ السلام کی امت میں جاری ہے جیسا کہ ایک حدیث پڑھ کر میں نے سنائی۔ اور حدیث کے معانی کہے گئے ہیں ایک معنی یہ ہے کہ شرک خفی کو حیونٹی کی چال سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی دبیب النمل کہا گیا ہے۔ اور حیونٹی کی چال معلوم کرنا ناممکن ہے کوئی کان اس کے پاؤں کی آواز نہیں سن سکتا۔ اور نہ کوئی آنکھ اس کے پاؤں کی حرکت دیکھ سکتی ہے۔ اسی طرح شرک خفی بندوں کے اندر جاری ہے۔ اور خود بندوں کو اس کی خبر نہیں۔

مست چہ خسی کہین کردہ اند کارشنا ساں نہ چین کردہ اند

چرخ نہ بر بے درمان می زند قافلہ محتشان می زند

دو کیا غافل سوتا ہے کہ لوگ گھات میں لگے ہوئے ہیں۔ عارف لوگ تو ایسی غفلت نہیں کرتے۔ آسمان غریبوں کو نہیں ٹوٹتا بلکہ امیروں کا قافلہ ٹوٹا کرتا ہے۔ اور پھر اس حیونٹی کی چال کو پتھر پر کہا گیا ہے نہ مٹی پر۔ اس لیے کہ مٹی پر چلنے سے اس کے پاؤں کا نشان رہ جائے گا۔ اس نشان کے دیکھنے سے پتہ چل جائے گا کہ ادھر سے حیونٹی گزری ہے۔ اور جب پتھر پر چلے گی تو کوئی نشان نہ رہے گا۔ اور کسی کو اس کے چلنے کی خبر بھی نہ ہوگی۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ شرک خفی بندوں میں جاری ہے اور بندوں کو اس کی خبر تک نہیں۔ اور پھر اندھیری رات کہا۔ اس لیے کہ وہ پتھر کالا ہوتا ہے، اور حیونٹی بھی اپنے طور پر کالی ہی ہوتی ہے۔ سیاہی میں سیاہی، اُس پر پھر سیاہی کیونکر دیکھی جاسکتی ہے۔ اسی طرح اگر شرک خفی برابر سرزد ہو تو تاریکیاں جمع ہو جائیں گی۔ اس وقت گناہ صغیرہ گناہ کبیرہ کا کام کرنے لگے گا۔ ایمان کی حقیقت یہی ہے کہ سب چیزوں کو وہ حق ہی دیکھے۔ اور بالکل حق ہی کا ہو ہے جس نے دو تین جہان میں کسی غیر حق کو دیکھا اُس نے شرک کیا۔ ایک بزرگ نے اسی مقصد کی طرف اشارہ کیا ہے یہ

چون یکے دانی و یکے گوئی بہ دوسرہ و چہار چون پوئی

بہ الف بہت بدوت ہمراہ بدوت بت شمر الف اللہ

رجب تو ایک ہی کو دیکھتا ہے اور ایک ہی کتا ہے تو دوسرے تیسرے کی طرف کیوں جاتا ہے۔ الف کے ساتھ ب اور ت بھی ہے تو ب اور ت کو بت سمجھ اور الف کو اللہ جان (اور اس بات کی دلیل حضرت حارث رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جب انھوں نے ایمان کی حقیقت کا دعویٰ کیا۔ اور

اپنے دعوے کی سچائی کی جو دلیل قائم کی اس میں نفع اور نقصان غیر حق کے ساتھ منقطع کر دیا کیا تم نہیں جانتے کہ انھوں نے کہا اِسْتَوٰی عِنْدِي ذَهَبُهَا وَفِضَتُهَا وَحَجَرُهَا وَمَدْرُهَا سِوَايَ نَزْدِيكَ سَوْنًا چاندی اور جواہرات ٹھیکری کے برابر ہیں۔ اصل میں سونا اور چاندی کا نفع ہے کیونکہ دنیا کی تمام نعمتیں انھیں کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہیں۔ ان کے نزدیک سونا اور چاندی خاک و ہول کے برابر ہو گئے۔ اور نفس انسانی کے فائدے کھانے اور سونے میں ہیں دونوں کو برابر رکھا اور کہا اَسْمَعُ رُبِّي لَيْلِي وَاطْمَأْنَنْتُ بِنَهَارِي (میں نے رات کی صبح کی اور دن کو نشہ رہا) اور اس فائدے کا ان کو ایک خاص نفع ہوا جب کہ موجودہ جہان سے انھوں نے نفع کا ہاتھ اٹھالیا تو دنیا ان کی نظر سے غائب ہو گئی جب ایمان کی حقیقت پر دلیل قائم کیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا اَصْبَحْتَ فَالْزِم (تم نے پالیا پس اسی پر قائم رہو) یہ راز ہے جس کو کہا ہے یہ

خلق تادد جہان اسباب اند ہم اندر شب اند و در خواب اند

ترک ترتیب رخصت توحید است نقص ترتیب محض بخرید است

(جب تک لوگ اسباب کی اس دنیا میں ہیں وہ گویا رات میں سوئے ہوئے ہیں۔ تدبیر کا ترک کرنا توحید کی سواری ہے۔ اور ترتیب کو توڑ دینا بخرید محض ہے)۔ اور بھی پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا لَا رَاحَةَ لِلْمُؤْمِنِ دُونَ لِقَاءِ اللَّهِ۔ اَلْمَوْتُ دُونَ لِقَاءِ اللَّهِ۔ (مومن کے لیے آرام نہیں ہے سوائے خدا کے دیدار کے۔ اور خدا کا دیدار نہ ہونا موت ہے مومن کے لیے آرام اس وقت ہے کہ اس کا ایمان حقیقی ہو جائے۔ اور اس کے ایمان کی حقیقت تعلقات سے کٹ جاتی ہے۔ اگر دنیا کے اندر یہ صفت اس میں ہو جائے اس کی آنکھوں میں دنیا قیامت کی طرح نظر آنے لگتی ہے۔ جیسا کہ حادث رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔ مثنوی۔

ہر کہ جوید ولایت تحبید
از درونش نیاید آسائش
وانکہ خواہد ولایت توحید
در بردنش نہ شاید آسائش
کشف اگر بند گردت بر تن
کشف را کفش ساز و بر مرزن

سہ بعض نسخوں میں اَسْمَعُ رُبِّي وَاطْمَأْنَنْتُ بِنَهَارِي جس کے معنی ہیں میں نے اپنی رات کو سونا اور دن کو تار یک کیا۔

سب دن ہمت استخوان جوید پنچہ شیر مغز جان جوید

جو شخص چاہتا ہے کہ بکریہ اور توحید کا ملک حاصل کرے اس کو چاہیے کہ ہمیشہ بے چین رہے اور ظاہری بناؤ سنگار سے کوئی تعلق نہ رکھے۔ اگر کشف و کرامت اس کے بدن کا ایک ایک جوڑہ بوجائے تو چاہیے کہ اس کشف کو پاؤں کا جوتا بنا کر اپنے سر پر ماسے۔ لپٹ ہمت والا کتاب ہر جگہ ہڈی تلاش کرتا ہے مگر شیر کا پنچہ زندہ مغز ڈھونڈتا ہے۔ یہ نہیں حاصل ہو سکتا جب کہ تو اپنے تعلقات کو نہ پھوڑے جو شخص سوائے خدا کے کسی دوسرے سے ڈر گیا یا غیر خدا سے اس نے امید باندھی اگرچہ حقیقت وہ شرک کا ترک نہیں ہوا لیکن خوف اور امید کے معاملے میں وہ شرک ہو جائے گا۔ اور دوسری صفتیں بھی اسی پر قیاس کر لو۔ اور یہاں سے سمجھو کہ جس کسی نے اپنے کو عباد کے ذریعہ وصل بحق سمجھا اور گناہوں سے الگ تھلگ جانا تو گویا اس نے وصل اور جدائی غیر خدا کے ذریعہ دیکھی۔ یہ بھی شرک ہو گیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بندہ ایمان کی ڈینگ نہ ہانکے جب تک اس کی صفتیں ویسی ہی نہ ہو جائیں۔ کَلَّہُ مِنْ الْحَقِّ وَ بِالْحَقِّ وَ لِلْحَقِّ وَ اِلَى الْحَقِّ (اس کا سب خدا ہی سے ہے اور خدا ہی کے ساتھ ہے اور خدا ہی کے لیے ہے اور خدا ہی کی طرف ہے)۔ یعنی ہر چیز کی ابتدا خدا ہی سے ہے اور سب چیز کا وجود و قیام خدا کے ساتھ ہے اور ساری ملکیت اور بادشاہت خدا ہی کی ہے اور سب کی واپسی اور لوٹنا خدا ہی کی طرف ہے جب یہ صفتیں پیدا ہو جائیں تو ایسا شخص اپنے ایمان میں متحقق ہو جائے گا۔ اور بھی حضرت پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ تَعَسَّ عَبْدُ الدُّنْيَا وَ تَعَسَّ عَبْدُ الدِّرْهِمِ وَ تَعَسَّ عَبْدُ بَطْنِهِ وَ تَعَسَّ عَبْدُ فَرْجِهِ وَ تَعَسَّ عَبْدُ الْخَنِيْسِ (دنیا کے بندے ہلاک ہو گئے اور روپیہ پیسے کے بندے ہلاک ہو گئے اور پیٹ کے بندے ہلاک ہو گئے اور شہوت کے بندے ہلاک ہو گئے اور پوشاک کے بندے ہلاک ہو گئے) یہ جو آپ نے فرمایا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بد دعا دی ہو یعنی ایسا ایسا شخص ہلاک ہو جائے جو کہ ان چیزوں کا بندہ ہے۔ یا اپنے خبر کے اعتبار سے فرمایا کہ ایسے ایسے لوگ ہلاک ہو چکے جو ان چیزوں کے بندے ہیں۔ اگر یہ بد دعا ہے تو حضرت کی دعائیں یقینی مقبول ہیں۔ اور اگر خبر ہے تو آپ کی باتیں بالکل سچی ہیں۔ پس زمانہ گزر گیا کہ ہم جیسے بد بخت لوگ ہلاک ہو چکے اور اپنی جہالت اور گمراہی سے آگاہ بھی نہیں ہوئے اور مسلمانوں کے دعوے کا ڈنکا بجا رہے ہیں۔ یہیں سے کہنے والے نے کہا ہے۔ رہا مٹی۔

در دیدہ ہے از تو خیالے بگامشت
چون خلوت خورشید عیان سر بر داشت
بہر دیدن آن خیال عمرے بگذشت
در دیدہ غلط بماند در سر پنداشت

دوسرے دیدار کے لیے آنکھوں کا راستہ اور سر میں ایک خیال بنایا۔ پھر اس خیال کو دیکھنے کے لیے ایک عمر گزار دی۔ لیکن جب آفتاب کی چمک بلند ہوئی تو ظاہر ہوا کہ آنکھوں کا راستہ غلط اور خیال محض دھوکا تھا۔ اسی مطلب کو لے کر کسی دوسرے آشفتمند حال نے کہا ہے۔ دباغی

بستر دنی است ہر آنچہ بنگاشتم ایم
سودا بود دست ہر آنچہ پنداشتیم ایم
افگندنی است ہر آنچہ برداشتیم ایم
دردا کہ بہ عشوہ عمر بگذاشتیم ایم

(جو کچھ ہم نے لکھا وہ مثالی دینے کے لائق ہے۔ اور جو کچھ ہم نے جمع کیا وہ پھینک دینے کے لائق ہے۔ اور جو کچھ ہم نے جانا وہ خیال خام اور دم تھا۔ افسوس صد افسوس کہ ہم نے محض دل لگی اور مہنی ہی میں عمر گزاری۔ جب بندہ ان چیزوں کی خواہش کرے گا تو خدا کے ساتھ جو بندگی کی صفت ہے وہ اٹھ جائے گی۔ یعنی ان چیزوں کا بندہ ہو جائے گا اور خدا کا بندہ نہ رہے گا۔ کیونکہ جب تک زید کی ملکیت ہے عمر کی ملکیت نہیں ہو سکتی۔ اور جب تک غیر خدا کی نسبتیں اس سے زائل نہ ہو جائیں وہ خدا کا بندہ نہیں ہو سکتا۔ شریعت میں اس کی مثال اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ کوئی شخص سرائے میں داخل ہونا چاہتا ہے ایک پاؤں اس نے سرائے کے اندر رکھا اور دوسرا پاؤں سرائے سے باہر ہے۔ ایسی حالت میں اس کو یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ سرائے کے اندر داخل ہے اور یہ بھی نہیں کہا جائے گا کہ وہ سرائے سے باہر ہے! اگر کوئی اس کو داخل یا خارج کہے گا یعنی جھوٹا ہے۔ تو اس شخص نے بھی اپنے کو غیر خدا کا بندہ بنا لیا۔ اپنی خواہشات سے اور دُور سے اور دُور کر بھاگنے سے اور کسی شے کی طلب سے جو خدا کے سوا کسی دوسرے کی گئی ہو۔ اگر بالکل صفتیں اس میں آگئی ہیں تو ایمان کے دائرے سے وہ ایک دم خارج ہو گیا۔ اور ان دونوں صفتوں میں جس شخص کو تردد اور شک باقی ہے وہ دوسراؤں میں مقیم ہے اس کو وہاں سے نکال سکتے ہیں۔ اور یہ شرک جو تم نے سنا اور یہ دوسرا یعنی غیر خدا کا بندہ ہونا جو کہا گیا یہ سب اس لیے ہے کہ ہماری نظر غیر خدا پر پڑتی ہے اور ہم غیر کو دیکھتے ہیں۔ جس طرح ہم اس کو دیکھتے ہیں دوسروں کو بھی دیکھتے ہیں اور جس طرح دوسروں کی بندگی کرتے ہیں اس کی بندگی کرتے ہیں۔ اور جیسا اس سے ڈرتے ہیں دوسروں سے بھی ڈرتے ہیں۔ اور جس طرح اس سے امید رکھتے ہیں دوسروں سے بھی امید رکھتے ہیں۔

ایک بزرگ نے کہا ہے۔ مثنوی۔

چودہ ہر دو جہان یکے دگاہت
تربا چار ارکان خود چہ کار بہت
یکے خوان دیکے خواہ دیکے جوئے
یکے مینی یکے دان دیکے گوئے

(جب دونوں جہان میں ایک ہی خدا ہے تو تجھے اپنے چار عناصر سے کیا کام۔ ایک ہی کو پکار، ایک ہی کو چاہ اور ایک ہی کو تلاش کر۔ ایک ہی کو دیکھ، ایک ہی کو جان اور ایک ہی کا ذکر کر) اسے بھائی! جب پیغمبر علیہ السلام نے لوگوں کو بلایا اور اسلام اور ایمان پیش کیا اور تبلیغ کے لیے کمر باندھی اور فرمایا۔ اَللّٰهُمَّ هٰذَا بَلَّغْتُ (اے اللہ میں نے لوگوں تک تیرا حکم پہنچایا) حکم خداوندی آیا۔ توبہ کرو، تم نے اپنی تبلیغ کیوں دیکھی ہمارے بھیجنے پر نظر رکھو۔ یہی بھید ہے جس کو کہا ہے۔

ز تو تا ہست مئے ماندہ بر جائے
بدان یک مئے مانی بند بر پائے
جنب ابرق از خشک بہت یکے
ہنوزش نا نمازی دان بصد رکے

(اگر تیرے بدن پر ایک بال بھی باقی ہے تو اس ایک بال کی وجہ سے تیرے پاؤں میں بڑی بڑی ہوتی ہے جس شخص کو غسل واجب ہے اگر اس کے بدن پر ایک بال بھی سوکھا رہ گیا تو وہ کسی صورت سے بھی نمازی یعنی پاک نہیں ہو سکتا۔ ایک دن کوئی فقیر نماز پڑھتا تھا جب نماز سے فارغ ہوا اس نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی التَّوْفِیْقِ وَاسْتَغْفِرُ اللّٰہَ عَلٰی التَّقْصِیْرِ (خدا کی تعریف اور اس کا شکر کہ اس نے توفیق دی۔ اور میں بخشش چاہتا ہوں اپنی کوتاہی پر)۔ ایک بزرگ نے ان کو ڈانٹا اور کہا میں جانتا تھا کہ تو موحد ہے مگر معلوم ہوا کہ اب تک تو مشرک ہے۔ اُس نے کہا اے حضرت کیوں؟ انھوں نے فرمایا جب تک تو نے نماز نہیں دیکھی قصور نہیں دیکھا۔ اور نماز تیری صفت ہے میں سمجھا کہ تو خدا کو دیکھتا ہے۔ حالانکہ تو نے اپنے کو دیکھا۔ اور جو شخص اپنے کو دیکھتا ہے وہ خدا کو نہیں دیکھ سکتا۔ اور یہ انھیں حضرات کی شان کے لیے زیبا ہے۔ تیری میری نیابت بھی کوئی چیز ہے ہم بد بختوں کو اتنی بڑی دولت کہاں سے ہاتھ لگ سکتی ہے۔ اب تھ اٹھاؤ۔

اور خدا سے دعا مانگو۔ مناجات

یا الہ العالمین در ماندہ ام
غرق خون در خشک کشتی راندہ ام

دست من گیر و مرا فریاد رس

بادشاہا در من مسکین نگر

ما تم از حد شد سودے فرست

یارب آگاہی ز ناز یہا سے من

من کہ باشم تا کسے یا شتم ترا

بتلا سے خویش و حیران توام

دست بر سر چند دارم چون گیس

گردن بد دیدی آن شد این نگر

در میان ظلمت تو سے فرست

حاضری در ماتم شہا سے من

این لبم گر نا کسے باشم ترا

گر بدم ورنیک ہم زان توام

ایضاً

اے ملکہ جہان کے خدا میں بالکل مجبور ہوں۔ میں خون میں ڈوبا ہوا ہوں اور خشکی میں کشتی چلا رہا ہوں۔ میری مدد کر اور میری دہائی سن۔ کبھی کی طرح میں کب تک اپنا سر پیٹا رہوں۔ اے

بادشاہ مجھ غریب پر نظر کر۔ اگر تو نے مجھ سے گناہ دیکھا تو اُسے جانے دے اور میری عافیت دیکھ۔

میرا روناد ہوتا حد سے گزر گیا اب کوئی فائدہ عنایت فرما۔ میں تاریکی میں گھرا ہوا ہوں کوئی روشنی بھیج۔ اے خدا میرے گڑ گڑانے سے تو باخبر ہے اور میرے راتوں کے داویل میں موجود ہے

میں کون ہوں اور کس قابل ہوں کہ تیرا کلاموں یہی غنیمت ہے کہ تو مجھ کو کچھ بھی نہ سمجھے۔ میں اپنے غم میں مبتلا

اور تیرے لیے حیران ہوں۔ برا ہوں یا بھلا ہوں بہر حال تیرا ہی ہوں۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہینتا لیسواں مکتوب ۴۵

معرفت کے بیان میں

برادر شمس الدین خدا اپنی معرفت سے تم کو بزرگ بنائے۔ جانو کہ معرفت ہون کی

روح کا جو ہر ہے جس شخص کا خدا کی معرفت میں کوئی حصہ نہیں گویا حقیقت اس شخص کا وجود ہی نہیں

ہے۔ اور پیدا کرنے والے کی معرفت پیدا ہونے والوں کی معرفت سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور پیدا

کرنے والے کی معرفت سے عارفوں کو بقا اور نجات حاصل ہوتی ہے۔ معرفت کا پہلا جز یہ ہے کہ دنیا

کی تمام مخلوقات کو مجبور عاقل اور خدا کا قیدی سمجھے اور سب چیزوں سے اپنے لگاؤ اور نسبت کو توڑ دے

اور سمجھے کہ بس ایک ہی خدا ہے۔ اس کی ذات ہمیشہ رہنے والی اور اس کے صفات بھی ہمیشہ قائم

رہنے والے ہیں۔ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ یعنی اس کے مثل کوئی نہیں ہے۔ اور وہ دیکھنے والا سننے والا ہے۔ اور دوسرا راستہ صالح اور خالق تک پہنچنے کے لیے اپنے نفس کی پہچان ہے جیسا کہ کہا ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ (جس نے اپنے نفس کو پہچانا اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا) خدا سے برتر نے پہلے پہل اپنی قدرت آسمانوں کی پہچانی میں پیش کی یعنی پیدا کرنا اور پھر نیست و نابود کرنا۔ اور مخلوقات کی حالتوں کا بدلنا جیسے رات اور پھر دن کا ہونا اور کسی چیز کی زیادتی اور پھر کمی اور کشادگی اور تنگی۔ اور دنیا اور اس کے سوا جو کچھ کہ دنیا کی حالتوں میں رد و بدل ہوتا رہتا ہے تاکہ خدا کی وحدانیت کے پجاری ان میں غور سے دیکھیں اور خدا کی معرفت حاصل کریں۔ کہا ہے سَنُزِيلُهُمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ (ہم ان کو اپنی نشانیاں جہان میں قریب سے) کہ کھلا دیں گے یہ راستہ عارفوں کے لیے بڑا لمبا ہے۔ کل موجودات اور مخلوقات کی حقیقت انسان کے اندر رکھی اور کہا وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (اور تمہارے اندر بھی کیا تم نہیں دیکھتے)۔ نفوسِ انسانی کو موجودات کے لیے ایک مثال قائم کیا ہے اور اپنی معرفت کی ایک ٹیڑھی بنائی ہے۔ اس لیے کہ جو شخص اپنے نفس کو پہچانے گا خدا کو پہچان لے گا۔ اور وہ نفس کی حالتوں کا بدلنا ہے۔ جیسے بیماری اور صحت، سونا اور جاگنا، موت اور زندگی، خوشی اور رنج۔ یہ فی الآفاق کے حال اور معانی ہوئے۔ اور فِي أَنْفُسِكُمْ یہ ہے جہان میں حالتوں کا بدلنا۔ اور مخلوقات کے نفس کی بے اختیار تبدیلی۔ یہ ایک بڑی دلیل ہے اس بات کی کہ ایک بہت بڑا قدرت والا مدبّر ایسا موجود ہے کہ ساری دنیا اور مخلوقات اُس کی قدرت کے قیدی ہیں اور اسی کی تدبیر کے محتاج اور محبور ہیں۔ نشانوں سے راستہ کا سراغ لگانا ایسا ہی ہے۔ اور طرقت والے لوگ معرفت کے راستہ میں اپنی ذات میں کھو جاتے ہیں اور اپنے وجود ہی سے تلاش کی ابتدا کرتے ہیں۔ اور اپنی ذات ہی سے کثیف اور لطیف کی کل باتیں ڈھونڈتے ہیں۔ اور خداوند تعالیٰ کی معرفت کی دلیلیں اور نشانیاں پالیتے ہیں۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ (اس میں خاص لوگوں کے لیے البتہ ذکر اور فکر کا موقع ہے) ان میں سے بعض لوگوں کو خداوند تعالیٰ نے نظر سے گرا دیتا ہے تاکہ یہ لوگ موجودات کی ہستی میں غور و فکر کریں اور اس کو پہچان لیں جیسا کہ کہا ہے قُلِ اَنْظُرُوْا مَاذَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (کہہ دو کہ دیکھو آسمانوں اور زمین میں کیا ہے) اور کسی کو ریاضت و مشقت کے

ذریعہ معرفت تک پہنچتا ہے وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (جن لوگوں نے مجاہدہ کیا اور میرے لیے تکلیف اٹھائی ان کو ہم اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں)۔ اور کسی کو بغیر کسی وسیلے اور اسباب کے ہدایت کا نور اس کے دل کو منور کر دیتا ہے۔ اور اپنی معرفت کا دروازہ اس پر کھول دیتا ہے۔ فَهُوَ عَلَىٰ نَوْرٍ قَدِيمٍ (وہ اپنے رب کی مہربانی سے نور کی منزل پر پہنچ گئے)۔ اور بعض لوگوں کو معرفت کی حقیقت سے پردے میں ڈال دیتا ہے مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ فَمَا يُعَرِّفُوا اللَّهَ حَقَّ مَعْرِفَتِهِ (جہاں تک خدا کی معرفت کا حق تھا وہاں تک نہیں پہچانا اور بعض لوگوں کو معرفت کی راہ سے بالکل حجاب میں ڈال دیتا ہے خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ (ان کے دلوں پر خدائے مہر لگا دی ہے۔ غزل

چون جمالش صد ہزاران رُوسِ دشت

بود در ہر ذرہ دیدار سے دگر

لاحسرم ہر ذرہ را بنمود باز

از جمالِ خویش رخسار سے دگر

چون یک بہت اصل عدا ز ہر آنکہ

تلاوہ ہر دم گرفتار سے دگر

اس کا حسن لاکھوں چہرے رکھتا ہے اس لیے ہر ذرہ میں ایک دوسرا ہی نظارہ دکھائی دیتا ہے

اُس کے چہرے کے ہر چہنے نے اپنے بے انتہا حسن کی وجہ سے ہر ذرہ کو ایک دوسرا ہی رخسار دکھایا ہے

اعداد و شمار کا اصل عدد ایک ہی ہے اور باقی اعداد اس لیے ہیں کہ وہی ایک ہر عدد میں ایک نیا جلوہ

دکھائے۔ اور ان تفرقوں سے معلوم ہو گیا کہ خدا کی معرفت عقل و دانش سے حاصل نہیں ہوتی کیونکہ نادان

اور بیگن نے اگرچہ صاحب عقل ہیں لیکن خدا کی معرفت سے محروم ہیں۔ اور محض سننے سے بھی معرفت حاصل

نہیں ہوتی۔ کیونکہ پیغمبروں نے اپنے اپنے وقتوں میں کفار کو بلا کر معرفت کو بیان کیا۔ اور کفار نے سنا

مگر کسی طرح کی معرفت اُن کو حاصل نہ ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی معرفت بغیر اس کی رہنمائی کے حاصل

نہیں ہو سکتی۔ یہیں سے ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا عَنْ فَتِّ اللَّهِ بِاللَّهِ وَ

عَنْ فَتِّ مَا دُونَ اللَّهِ بِنُورِ اللَّهِ۔ (ہم نے اللہ کو اللہ ہی سے پہچانا اور ماسوی اللہ کو اللہ

کے نور سے پہچانا)۔ قَالَ رَجُلٌ لِلنُّورِيِّ مَا الدَّلِيلُ عَلَى اللَّهِ۔ قَالَ اللَّهُ۔ قَالَ فَمَا بَالُ

الْعَقْلِ۔ قَالَ الْعَقْلُ حَاجِزٌ وَالْعَاجِزُ لَا يَدُلُّ إِلَّا عَلَىٰ عَاجِزٍ مِثْلِهِ۔ (ایک شخص نے حضرت

نوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ خدا کے وجود پر کیا دلیل ہے؟ کہا خدا کی دلیل خود خداوند بزرگ

برتن ہے۔ پھر کہا عقل کا کیا کام ہے؟ کہا عقل اس کام میں عاجز ہے وہ راستہ نہیں دکھا سکتی۔ مگر اسی کی طرف جو اس کی طرح عاجز ہو۔

چون تو نمودی جمال عشق بتان شد ہو
با رخ تو نیست عقل جز کہ یکے یوا فضل

رَد کہ ازین دلبران کار تو داری و لیس

بالب تو نیست جان جز کہ یکے یوا لیس

رجب تو نے اپنا جمال دکھایا تو معشوقانِ مجازی کا عشق ہو س بنکر رہ گیا۔ اگر تم ان مجازی دلبروں سے سروکار رکھنے والے ہو تو عشق حقیقی سے ہاتھ اٹھا لو۔ یعنی یہاں سے چلے جاؤ۔ جہاں تیرے حسن کی جلوہ گری ہے وہاں عقل فضول اور بیکار ہوتی ہے۔ اور تیرے لبوں کے سامنے عاشقوں کی جان ہوسنا کیوں میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ عقل کا کام یہ ہے کہ سب خیروں کو یا جسم یا جوہر یا عرض دیکھے۔ اور مکان میں یا زمان میں دیکھے۔ اور مخلوقات کی دوسری صفتیں بھی اسی طرح ہیں۔ تو ان دو صفتوں سے باہر نہیں ہو سکتا۔ یا ان صفتوں میں سے کوئی صفت اس کے لیے جائز سمجھتا ہے تو کافر ہے۔ اور جب اس کو کسی چیز سے معنی میں مشابہ نہ پائے گا تو حیران و پریشان ہوگا اور پکار اٹھے گا کہ میں ان صفتوں کے ساتھ موجود نہیں دیکھتا ہوں۔ جب ان صفتوں کے ساتھ کوئی چیز نہیں ہے تو اس کا وجود ہی نہیں ہے۔ اور وہ خود نہیں ہے۔ جب بھی کافر ہو گیا۔ کیونکہ پہلی صورت میں تشبیہ اور دوسری صورت میں تعطیل واقع ہو گئی تو معلوم ہو گیا کہ جب تک وہ خود ہی نہ پہچنوائے پہچاننا ناممکن ہے۔ اور ان باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کا پانا تلاش اور طلب سے نہیں بلکہ محض اس کی عطا ہے۔ وہ شخص نہیں پاتا جو اس کو ڈھونڈتا ہے۔ مگر وہ شخص پالیتا ہے جس پر بخشش درم فرمایا جائے۔ اور ہر شخص دیکھ سکتا ہے جو دیکھنے کی کوشش کرے۔ مگر وہی جس کو اپنا جلوہ خود ہی دکھائے۔ دکھانے کے اسباب دیکھنے کی کوشش کرنا نہیں بلکہ خود اسی کا دکھانا ہے۔ اور پانے کا سبب جستجو اور تلاش نہیں بلکہ اسی کی عطا و بخشش ہے۔ بہترے ڈھونڈنے والے ایسے ہیں جنہوں نے آج تک نہیں پایا۔ اور بہترے پانے والے ایسے ہیں جنہوں نے بغیر تلاش و جستجو کے پایا۔ جہاں تک تلاش کرنے کا تعلق ہے سب برابر ہیں۔ مگر پانے میں فرق ہے۔ بتوں کے پجاری اس کو بت کے اندر ڈھونڈتے ہیں اور رضائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اور یہودی حضرت غریب علیہ السلام سے اس کو مانگتے ہیں۔ قطعہ

میل خلق حبلہ عالم تا ابد
گر بیا شد در نباشد سوی نیست

خیر ترا چون دوست نتوان دشمن
دوستی دیگران بر بوسے نشت

(سائے جہان کا رجحان قیامت تک بظاہر ہو یا نہ ہو حقیقت میں تیری ہی طرف ہے گا۔ سوا تیرے اور کسی سے دوستی نہیں کر سکتے۔ دوسروں کے ساتھ دوستی بھی تیرے ہی ادنیٰ تعلق کی بنا پر ہے)۔ سائے جہان کے لوگ اسی کی تلاش میں ہیں اور ٹھیک اسی طلب میں راستہ کھودیتے ہیں۔ ہر شخص کے سامنے ایک ایسی چیز رکھ دی ہے کہ اس میں وہ خود چھپ کر رہ گیا ہے۔ اور ایک گروہ کے لیے یہ اسباب ہی راستے سے اٹھالے ہیں یہاں تک کہ انھوں نے اس کی راہ پالی۔ رباعی

یک شہر پر از حدیث آں بے نکوست
دلہائے جہانیاں ہمہ پردہ دوست

تامی کو شیم و دیگران می کوشند
تا بخت کرا بود کرا دار دوست

(ہر جگہ اس کے حسن کا چرچا ہے۔ سائے جہان والوں کے دل اس کے حسن کے پرے بنے ہوئے ہیں ہم بھی اس کی دوستی کی کوشش کرتے ہیں اور دوسرے بھی کوشش کر رہے ہیں۔ اب دیکھیں کس کی قسمت یاد رہتی ہے اور وہ کسے اپنا دوست بناتا ہے)۔ اور معرفت کی حقیقت معبود کی پہچان ہے جبکہ وہ اپنی ذات اور صفات اور فعل میں بغیر اس کے کہ کوئی غلطی اور خطا اور کوئی کیفیت اس میں داخل ہو۔ اور معرفت کے طلبگار کو خدا کے ساتھ ایسا لگاؤ ہونا چاہیے جیسا کہ خدا کو اپنی ذات و صفات کے ساتھ ہے۔ اور اس بات کو اپنے کلام میں خودی فرمایا ہے۔ لیکن معرفت کے کمال کے متعلق دو باتیں ہیں بعض متکلموں کا قول یہ ہے کہ بندہ خدا کو جانے جیسا کہ خود خدا اپنے کو جانتا ہے۔ اگر پوری طرح نہیں جان سکتا تو بعض کو جانے اور بعض کو نہ جانے۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ باری تعالیٰ کی ذات میں تجزی محال ہے۔ تو سب معرفت کی تلاش کرنے والے اس معرفت میں برابر ہیں۔ سب خدا کو ایسا جانتے ہیں جیسا کہ خدا اپنے کو جانتا ہے۔ اس گروہ کو معرفت کے کمال کا دعویٰ ہے۔ اور دوسرا قول بعض عقلا اور متکلموں کی ایک جماعت اور صوفیوں کا مسلک وہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کو کمال کے درجے تک کوئی نہیں جان سکتا۔ اور سب اس کو اتنا جانتے ہیں جیسا کہ وہ ہے اور اسی قدر جانتے ہیں کہ نجات پاسکیں لیکن کمال کا دعویٰ نہیں کرتے جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اَلْجَزُءُ ذَلِکَ الْاَدْرَاکُ اِذْ رَاکَ یعنی خدا کی معرفت کی دریافت سے عقل کو عاجز سمجھنا بھی ایک دراکہ ہے اور کہا ہے لِلّٰہِ تَعَالٰی اَخْفٰی وَصِفَتْ لَا یَعْرِیْنٰہُ مِوَاہُ اللّٰہِ تَعَالٰی کی بعض خاص صفات ایسی بھی ہیں

کہ کوئی اُسے پہچان نہیں سکتا۔ جو طریقہ خدا کی معرفت کا بیان کیا گیا اور خبر دی جائیں اور اختیار کریں
لیکن کمال کا دعویٰ نہ کریں۔ یہ کہیں کہ جیسا تو نے فرمایا ہے میں اسی طرح تجھ کو جانتا ہوں۔ اور وہ خود
اس سے بہت بڑا ہے کہ ہم اس کے کمال تک پہنچ سکیں۔ مباحثی

آن عقل کجا کہ در کمال تو رسد آن روح کجا کہ در جلال تو رسد
گیرم کہ تو پردہ برگزینی ز جمال آن دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد

ادہ عقل کہاں جو تیرے کمال کے دیے تک پہنچ سکے۔ وہ روح کہاں جو تیرے جلال کا دامن تھامے
ہم نے فرض کیا کہ تو اپنے جمال سے پردہ اٹھا بھی لے تو وہ آنکھیں کہاں جو تیرا جلوہ دکھیں اور
اُس کی تاب لاسکیں (معرفت بندوں کی نجات کی علت رکھی گئی ہے۔ اگر معرفت کی شرطوں میں سے
ذرہ بھی کوئی چیز کم ہو جائے گی تو نجات کا حکم صحیح نہ ہوگا۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ معرفت تلاش کرنے والوں
کے پاس ایک شفاف آئینہ ہے اور یہ اس کا دل ہے جو اس کے سامنے رکھ دیا ہے اور اسی میں وہ دیکھتا
ہے۔ وہ مصنوعات کی حد اور صانع کے حق کو پہچانتا ہے۔ اور معرفت کا جو طریقہ ہے وہ جاری رہتا
ہے۔ قطعہ

ہر دم کہ در فضاے یخ یار نگیرد گرد ہمہ جہان بہ حقیقت مصورش
چون باز در صفائی دل خود نظر کند بیند چو آفتاب رخ خوب دلبرش

(جب دست کے عالم جمال کو دیکھتا ہے تو بہ نظر حقیقت سارا جہان اسی کی تصویر نظر آتا
ہے۔ پھر جب اپنے دل کی صفائی کو دیکھتا ہے تو اس میں آفتاب کی طرح معشوق کی صورت چمکتی
ہوئی دکھائی دیتی ہے۔) اور جو بزرگ مستی عارف ہو گئی تو سارا جہان اس کی آنکھ میں سما گیا۔
اور یہ اس بات کی دلیل ہے۔ شعر

دَفْنِ كُلِّ شَيْءٍ فِيهِ ۱۱۱ مَدُّنٌ عَلَى آتِهِ ۱۱۱ وَاحِدٌ

(ہر چیز میں اُس کی نشانی ہے۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ذات وحدہ لا شریک ہے۔)
رودیدہ بدست آ کہ ہر ذرہ از خاک جامے بہت جہاں نہا کہ دروے نگری

(جادو اور بینائی حاصل کرو۔ کیونکہ خاک کا ایک ایک ذرہ جامِ جہاں نما ہے جس میں سارا جہاں
نظر آتا ہے۔ تاکہ تم اس کو دیکھو)۔ مَا رَأَيْتُ شَيْئًا إِلَّا وَرَأَيْتُ اللَّهَ فِيهِ۔ (میں نے کوئی چیز

ایسی نہیں دیکھی جس میں اللہ نظر نہ آیا ہو۔ اشیاء میں خدا کا جلوہ نظر آنا صنعت کو دیکھ کر صانع کے وجود کی ہر بڑی دلیل ہے۔ کیونکہ ہر نئی ہوتی چیز ایک نئے والے کا پتہ دیتی ہے۔ اور ہر کام کے لیے ایک کرنے والا ضروری ہے۔

گوید آن کس درین مقام فضول کہ تحبلی نہ داند اور حصول

(اس جگہ وہ شخص فضول بلکہ اس کرتا ہے جو تحلی اور حلول کا فرق ہی نہیں جانتا)۔ اور طریقت والوں کی معرفت کا ایک حال ہے۔ یعنی یہ لوگ حال کی صحت صاحب معرفت سے چاہتے ہیں۔ علمائے اصول علم اور معرفت میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ نادانانہ قیاس کی بنا پر یہی کہا کہ خدا کو عالم ہی جانا سکتے ہیں لیکن مشائخ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے اس علم کو جس کو حال اور معاملہ سے لگاؤ ہو اور اس کا جاننے والا اس کے ذریعہ اپنا حال ظاہر کرے اس کو معرفت کہتے ہیں اور اس کے جاننے والے کو عارف کہتے ہیں۔ اور جس کسی کی مشق بغیر معنی و مطلب کے وقوف کے محض حفظ عبارت تک ہوگی اس کو عالم کہتے ہیں۔ یہیں سے ہے کہ جب اس گروہ کو دوستوں اور اپنوں پر مستحق بنائیں تو اس شخص کو دانشمند کہتے ہیں۔ اور ظاہر والوں کو ان کا یہ قول اچھا نہیں لگتا۔ کیونکہ ان کی مراد اس کی طاعت کرنا علم حاصل کرنے کی غرض سے ہے۔ اور ان کی مراد اس کی طاعت کرنا اس علم کے معاملے کو چھوڑنا ہے۔ اگرچہ یہ گروہ معرفت کی راہ میں بڑے عارف ہونے کا مرتبہ رکھتے ہیں مگر یہ اپنے کو بہت زیادہ عاجز اور انجان جانتے ہیں۔ اور معرفت کو دعویٰ اور دینگ ماننے سے پاک وصاف سمجھتے ہیں۔ اور معرفت کو طول دینا نہیں چاہتے۔ اس کے لکھنے میں حروف اور صورت پر تازہ نہیں کرتے۔ اور عارف کی جان کو معرفت کے حسن کے ساتھ معرفت کی خلوت میں دم بدم اس قدر فتوحات ہوتے ہیں جن کو اگر لکھ جائے تو فقر وں میں کو نہیں سکتے۔

در تنگنا سے صورت معنی چگونہ گنجد در کلبہ گدایان سلطان چکار دارد

(صورت کے تنگ مکان میں معانی کا وجود کیونکر سما سکتا ہے۔ فقیروں کی جھوپڑی سے بادشاہ کو کیا کام۔ اور اس راہ میں چلنے والوں کے لیے یہ شرط ہے کہ جب تک معروف تک پہنچ نہ جائے باز نہ ہے اور معرفت کی منزل میں چپ چاپ بیٹھ نہ جائے۔ اور جس قدر زیادہ علم ہوتا جائے جسکو کا قدم اور بھی زیادہ بڑھاتا جائے۔ اور جس قدر محبت کے پیلے سے معرفت کی شراب زیادہ پیئے اور زیادہ مانگے۔

پیاں زیادہ پڑھتی جائے۔

چہن مست این کہ گرم مردم رخت اصد نظر بینم
گردد روزه ہزار بار ت بینم
ہنوز ہم آرزو باشد کہ یک بار دیگر بینم
در آرزوے بار دیگر خواہم بود

اللہ اللہ کیا حسن ہے کہ اگر ہر وقت تیرے چہرے کو میں سو مرتبہ دیکھوں تو یہ تمنا باقی رہتی ہے کہ ایک دفعہ پھر دیکھوں۔ اور اسی معنی کا یہ شعر بھی ہے۔ اگر ایک دن میں ہزار مرتبہ تجھ کو دیکھوں تو دل میں کیا آرزو رہے گی کہ ایک بار پھر دیکھتا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جن کی دولت کا خزانہ یہ **يُؤَاتِزُنْ اِيْمَانُ اِيْنِيْ بِكَ مَعَ اِيْمَانِ اُمِّيْ لَوْ جَحَّ**۔ اگر حضرت ابو بکر صدیق کا ایمان ہماری امت کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو ان کے ایمان کا پلہ جھک جائے گا (یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے)۔ کہا یا رسول اللہ! کیا ایمان بھی پیاس ہے؟

اور وہ جو تم نے منا ہے کہ حضرت معاذ جبل رضی اللہ عنہ نے یہی شراب پی تھی اور اس کی مستی سے دوستوں کے حجرے کے دروازے پر جاتے تھے اور فرماتے تھے **تَعَالَوْا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ سَاعَةً**۔ (اے لوگو آؤ! تاکہ ہم اس وقت اللہ پر ایمان لائیں) یاروں نے جب یہ بات سنی حضرت پیغمبر علیہ السلام کے پاس آئے۔ اور کہا یا حضرت! (صلی اللہ علیہ وسلم) معاذ ہم سے ایسا کہتے ہیں۔ کیا ہم ایمان نہیں لائے ہیں؟ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ معاذ محبت کی شراب پی کر یاروں سے الجھتا ہے۔ اصل میں یہی پیاس ہے۔

مستک شدہ تو منی دانی ہے یارانہ کہ بودند کجا خوردی نے
(تو مست ہو گیا ہے۔ افسوس یہ نہیں جانتا کہ تیرے ہم پیالہ اور ہم مشرب کون لوگ ہیں اور تو نے شراب کہاں پی ہے؟)۔ ایک دوسرے بزرگ نے فرمایا

بیش منما جمالی شہر افروز چون نمودی برو سپند لبوز

آن جمالے تو چسیت مستی تو وان سپند تو چسیت ہستی تو

(تیرا وہ حسن جو جہان کو روشن کر دیتا ہے، اس کا جلوہ زیادہ نہ دکھا۔ اور اگر دکھایا تو نظربند خیال سے کالا دانہ جلادے۔ اور وہ حسن تیرا کیا ہے، وہی تیری مستی ہے۔ اور وہ کالا دانہ کیا ہے؟ وہ تیری ہستی ہے) اور وہ جو کہتے ہیں کہ ہر روز کتنی ہی دفعہ عرشِ کرسی سے پوچھتا ہے۔

هٰذَا لَكَ خَيْرٌ (کیا تجھ کو کوئی خیر ہے)۔ اور کرسی بھی عرش سے کہتی ہے کیا تجھ کو کوئی خیر ہے؟ اور آسمان زمین سے کہتا ہے هٰذَا مَرَدُّكَ طَالِبٌ (کیا تیری طرف کوئی طالب گزرا ہے)۔ اور زمین آسمان سے پوچھتی ہے۔ هٰذَا سَافِرُ فَيْتِكَ عَاشِقٌ (کیا کسی عاشق نے تیری طرف سفر کیا ہے)؟۔ ان سب چیخ و پکار کا مقصد ہی پیاس ہے۔ اے بھائی! اس راہ میں اس کے ہزاروں مقتول اور شہید ہیں۔ اس ہزاروں مجروح اور گھائل ہیں عقل والے لوگ اس کی جستجو میں حیران ہیں اور علم والے اس کی غرت و جلال کی بارگاہ کے آس پاس تلاش میں محو ہیں جن کی آنکھیں روشن اور دل بینا ہیں اس کی بزرگی کے دریدہ کا ایک قطرہ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اور اس کے قہر و جلال کی چنگاری سے بھلس گئے ہیں۔

دست بد لہاے سوختہ زدہ کوئی مشعلے دارند عاشقان بدست

(دل جلوں کے دل پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہے کہ عشاق ایک مشعل اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں) سائے جہان کو عین امید اور باتوں میں خوش کر دیا۔ اور غرت و جلال کی شراب کی ایک بوند بھی نہیں دی۔ سراجی

گفتم کہ کرائی تو بدین زیبائی گفتا خود را کہ خود منم بیکتائی

ہم عاشق و ہم عشقم و ہم معشوق ہم آئینہ ہم جمال ہم بینائی

(میں نے کہا تو اس حسن و جمال کے ساتھ کس کے لیے ہے؟ اس نے کہا اپنے لیے۔ کیونکہ میں بیکتا اور بے مثل ہوں۔ میں خود عاشق، خود معشوق اور خود معشوق ہوں۔ خود ہی آئینہ ہوں خود ہی حسن اور خود ہی نگاہ)۔ ایک شراب کا دلدادہ بھٹی کے دروازے پر آیا۔ اور کھوڑی شراب مانگی جواب ملکا خالی ہو چکا۔ اس شرابی نے کہا میرا ہاتھ پکڑ کر ٹکے کے منہ پر رکھ تاکہ میں خوش ہو سوں گھوٹوں۔ اور اس کی مہک سے اتنا مست ہو جاؤں کہ دوسرے موگلاس پینے پر بھی اتنا مست نہیں ہوتے۔

مست از منے عشق آن چنانم کہ اگر یک جرعه از آن بیش خدم نیست شوم

(عشق کی شراب میں اس قدر مست ہوں کہ اگر ایک گھونٹ اس سے زیادہ پی لوں تو فنا ہو جاؤں اور محنت تعجب کا مقام یہ ہے کہ اس درگاہ کا ایک فقیر بھی اتنی مستیاں رکھتا ہے کہ ملا را علی کے فرشتے بھی اس کا بوجھ اٹھا نہیں سکتے۔ اس کی مہربانی کی ہوا کا ایک بھونکا جب ایک شربان پر پہنچا تو فرشتے بہوش ہو گئے۔ جہان کو ہوش آیا تو حضرت جبریل علیہ السلام سے کہا ہم نے رات

لاکھ برسوں میں ایسی خوشبو نہیں سونگھی جیسی کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آئی ہے جبریل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا اِنِّیْ لَآ جِدُّ لِنَفْسِ السَّخَّانِ مِنْ قَبْلِ الْيَمَنِ (البتہ میں پاتا ہوں خدا کی خوشبو ملک یمن کی طرف سے) یہ ایک دل چلے شربان کے جلے ہوئے سینے کی ہوا ہے جو یمن کی طرف سے آتی ہے۔

شور در شرفکند آن بت ز نار پرست چون خرامان ز خرابات بدون آمد مست
(اس زنا پرست معشوق نے شہر میں شور مچا دیا جب شراب خانے سے مستی میں لڑکھڑاتا ہوا باہر نکلا۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بجھیا لیسواں مکتوب ۲۶

محبت کے ذکر میں

بھائی شمس الدین خدا تم کو اپنے دوستوں اور ولیوں کی زندگی نصیب کرے۔ جانو کہ دوسری مخلوقات کو محبت سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی ہمتیں بلند نہیں ہیں۔ فرشتوں کا کام جو سیدھے طریقہ پر چل رہا ہے وہ اس لیے ہے کہ ان تک محبت کا گزر نہیں ہوا ہے۔ اور یہ اونچ نیچ جو انسان کے ساتھ پیش آیا کرتی ہے اس لیے ہے کہ اس کو محبت سے سروکار ہے۔ یُحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّونَ (وہ دوست رکھتا ہے ان کو، اور وہ دوست رکھتے ہیں اس کو) تو جس کے دماغ میں ذرا بھی اس کی محبت کی بو پہنچتی ہے اس سے کہہ دو کہ سلامتی سے اپنا دل اٹھالے اور اپنی ہستی کو خیر باد کہہ دے اَلْمُحِبَّةُ لَا تَبْقٰی وَلَا تَذٰر (محبت کچھ باقی نہیں رکھتی اور کچھ بھی نہیں چھوڑتی) عشق تو مرا چنان خراباتی کرد

ورنہ لسلامت و لبسا مان بودم

(تیری محبت نے مجھ کو ایسا برباد کر دیا ہے ورنہ میں بھی کسی وقت سلامتی اور مرد سامان والا تھا) جب حضرت آدمؑ کی باری آئی تو جہان میں ایک بلبل مچ گئی۔ فرشتوں نے فریاد کی یہ کیسا حادثہ ہوا کہ ہزاروں ہزار برس کی ہماری تسبیح و تہلیل برباد ہو گئی۔ اور ایک مٹی کے پتلے یعنی آدمؑ کو سرفراز کیا اور ہمارے رہتے ہوئے ان کو چنا۔ ایک دازسنی کہ تم مٹی کو نہ دیکھو اس پاک امانت کو دیکھو یُحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّونَ

(وہ ان کو دوست رکھتا ہے اور یہ اس کو دوست رکھتے ہیں) اور محبت کی آگ ان کے دلوں میں سلگائی ہے۔ اور آواز دی کہ اَلْحَقُّ عِزُّوْ (خدا ہی برتر اور غالب ہے) جس کو سن کر سب کلمے بھن گئے۔ اور پتیا پانی ہو گیا۔ اور یہ کیا ہے جس طرح کہ اس کی مثال کسی کے ساتھ نہیں دی جاسکتی اسی طرح اس کا کام بھی کسی کے کام کے ساتھ مشابہ نہیں ہو سکتا۔ جب تیا کے بادشاہ اپنے لاکر دی کو نوازا کرتے ہیں تو ٹوپی اور عبا کا خلعت پہنتے ہیں۔ اور کوئی بڑی جاگیر اس کو دیتے ہیں۔ مگر جب وہ کسی پر کرم فرماتا ہے تو پہلے ٹوپی اور اس کا عبا اتار لیتا ہے اور ننگا بھوکا بنا کر بھجادیتا ہے۔ اور اس بات کا چلن اس طرح ہے کہ جو کوئی اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے جب تک اپنے آپ کو نہیں مار ڈالتا داسپی کا موقع نہیں پاتا۔ رباعی

پون شیفتگان سر بہ جهان اندردہ

مارا خواہی تن یغماں اندردہ

وانگہ ز پئے دودیدہ جان اندردہ

دل پر خون کن بدیدگان اندردہ

(اگر تو ہم کو چاہتا ہے تو رنج و غم میں اپنے کو بھونک دے۔ دیوالوں کی طرح دنیا کی خاک چھانتا رہ۔ دل کو خون بنا کر آنکھوں کے سپرد کر۔ پھر دونوں آنکھیں کھولنے کے بعد جان بھی گنوا دے)۔ ایک فقیر اس کے راستے میں چلتے چلتے مجبور ہو گیا تھا۔ ایک ماٹہ تک اس کی جستجو اور رنج و مصیبت میں رہا۔ اور عرصہ تک اپنی جان سے بیزاری کا اظہار کرتا رہا۔ آخر جب مر گیا تو اس کے سینے پر لکھا ہوا دکھایا گیا۔ ”یہ خدا کی محبت کا مارا ہوا ہے“ رباعی

ہرگز بہ کسے نہ ادم و نہ نمودم

آن دل کہ دستِ دلبران بر بودم

گوئی کہ ہزار سال بیدار بودم

جانان چو بیک نظر دلم بہ بودے

(وہ دل جو معشوقوں کے ہاتھ سے میں لے آیا تھا، میں نے کبھی نہ کسی کو دیا نہ کسی کو دکھایا۔ اے میرے محبوب جب تجھے ایک نگاہ میں میرا دل چھیں لیا تو ایسا لگتا ہے کہ ہزاروں برس سے میرے سینے میں دل تھا ہی نہیں) غوطہ لگانے والے جب قندیل میں غوطہ مارتے ہیں، وہ جو دریا کی جان ہے اس کی باتیں کرتے ہیں۔ یعنی وہ مچھلی نہیں چاہتے جو روپے پیسے سے خریدی جاسکتی ہے۔ بلکہ وہ ایسا موتی ڈھونڈتے ہیں جو اندھیرے گھر کو روشن کر دے۔ یہ کام بڑی ہوشیاری اور سردھڑکی بازی لگانے کا ہے کوئی کھیل نہیں ہے۔ فرشتے سب جانتے تھے کہ کوئی بڑا کام سپرد ہونے والا ہے۔ اور ہماری جماعت میں سے کسی کو

اس کام کے لیے چنا جائے گا۔ جبریل علیہ السلام ابلیس کے پاس آتے تھے اور کہتے تھے جب اس کا موقع آجائے تو تم میرے لیے سفارش کرنا۔ وہ کہتا تھا یہ میرا کام ہے اور میں ہی اس کا مستحق ہوں۔ سب فرشتے آیا کرتے تھے اور ابلیس سے اسی کی درخواست کرتے تھے۔ وہ سب کو ایسی جواب دیتا تھا کہ یہ میرا ہی کام ہے اور میرے ہی سپرد کیا جائے گا۔ یہیں سے بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ مرید میں اعتقاد کی پختگی کے لحاظ سے ابلیس جیسی صفت ہونی چاہیے تاکہ اس سے کام نکلے۔ اے بھائی! جو کوئی اپنا سرستیلی پر نہ رکھے گا اس راہ میں قدم نہیں ڈال سکتا۔ جو اں مردود ہے کہ جب محبت کی باتیں پھریں اور غیبی تلواریں چلے لگیں تو وہ دل و جان سے اس کا استقبال کرے۔ قطعہ

من کہ باشم کہ بہ تن رخت و فائے تو کشم
دیدہ حمال کنم بار جفاے تو کشم
در تو بر من بہ تن جان دے صلح کنی
ہر سرہ رقص کنان پیش ہوائے تو کشم

(میں کون ہوں جو تیری محبت اور وفا کا دم بھروں اور آنکھوں کو فردور بنا کر تیرے جو روئے تو کشم کا بوجھ سنبھالوں۔ اگر تو میرے تن اور دل اور جان کے عوض صلح کرے تو میں ان تینوں کو ذوق و شوق کے ساتھ تیری محبت پر قربان کر دوں)۔ بے حقیقت حیونٹی کے دل میں اگر یہ لالچ سما جائے کہ وہ آسمان تک پہنچے تو یہ ناممکن ہے۔ کل مخلوقات کی عاجزی اور عبوری خداوند کے جلال و بزرگی کی بارگاہ میں اس سے کہیں زیادہ ہے جتنی کمزور حیونٹی کو ایک بڑے سانپ کے مقابلے میں ہوتی ہے۔ ایک قوم منی کے ڈھیلوں کی پجاری بن گئی۔ اور ایک گروہ نے پتھر کی پرستش شروع کی۔ اور ایک قوم ساری توجہ مشرق کی طرف کر کے سورج کو بھگوان سمجھنے لگی۔ اور ایک گروہ نے مغرب کی طرف منہ پھیرا اور کوئی ہر وقت اُس کے لیے دوڑ لگاتا ہے۔ اور کوئی اس کی تلاش و جستجو میں سرگرداں ہے۔ اَلْحَقُّ عَزَّ وَتَعَالٰی وَالطَّرِيقُ بَعِيدٌ وَالْقَرْبُ بَعِيدٌ وَالْوَصْلُ حَجْرٌ وَبَعِيدٌ الْخَلْقُ قَبْلُ وَقَالَ۔ (اور خداوند کریم اس سے کہیں برتر و غالب ہے اور راستہ دشوار اور لمبا ہے اور اس کی نزدیکی بہت دور ہے اور اس کا وصال پھر ہے اور مخلوق کے ہاتھ میں صرف قبل و قال ہے۔ دباغی)

گر در غم تو نیست شوم نگے نیست
صد جان بہ تراندے تو سنگے نیست
من در طلب تو ام نگے نیست
مور از فلک پر نہ زند جنگے نیست
اگر میں تیرے عشق میں فنا ہو جاؤں تو کوئی شرم کی بات نہیں ہے۔ جو جانیں بھی تیری ترانہ کا پا سنگ

نہیں ہو سکتیں۔ میں تیری جستجو میں پریشان ہوں اور اس کا کوئی اثر نہیں۔ ٹھیک ہے اگر چیونٹی آسمان تک نہیں اڑ سکتی تو اس میں کوئی شکایت کی بات نہیں، ایک جہان اس کی جستجو اور تلاش میں ہے مگر اس کا کوئی پتہ نشان نہیں ملتا۔ اور ایک جہان اس کی طلب میں حیران ہے مگر کوئی راستہ نہیں پاتا۔ اور جہان اس کی گفتگو میں مشغول ہے مگر گمان کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ ایک جہان اس کی تلاش میں ہے لیکن سوائے ٹھنڈی سانس بھرنے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور ایک جہان خلوت میں جلتا ہے اور سوائے حرمت و انتظار کے کچھ مسیر نہیں آتا۔ اور ایک جہان نے عبادت خاؤں میں عمریں گزار دیں مگر سوائے حرمت و فسوس کے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

درد اور رنج کا زین خامست و نشست
خاکے بہت مراد مراد بادست بہت

(ہاے فسوس کہ اس ساری نشست و برخاست کا نتیجہ یہ حاصل ہوا کہ میرا سر خاک آلود ہو کر رہ گیا اور سوائے ناامیدی کے میرے ہاتھ کچھ نہ آیا)۔ حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہمارے کانون نے سنا تھا اَلْوَحْنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی (خداوند جل و علی کا مقام عرش پر ہے بہم نے عرش پر حبست لگائی کہ دیکھیں عرش کی کیا حالت ہے۔ جب وہاں پہنچے تو اس کو اپنے سے بھی زیادہ پیاسا دیکھا۔ اور اس کی زبان پر جاری تھا۔ س باغی

در تہمت عشق تو منم فرمودہ
بے آنکر مرابا تو دھالے بودہ

در سرزنش خلق منم بے ہودہ
چون گرگ شکم تہی دہن آلودہ

(تیرے عشق کی تہمتوں کا میں نشانہ بنا ہوا ہوں۔ حال یہ ہے کہ اب تک تیرا وصال مسیر نہیں ہوا۔ مجھ پر لوگوں کی ملامت اور طعنوں کی بوچھاڑ ہے۔ مگر بھڑیے کی طرح میرا پیٹ خالی اور منہ خون سے آلودہ ہے)۔ جب اس کی عظمت و جلال پر تو آنکھ ڈالے گا تو دیکھے گا کہ کلیجہ خون ہو گیا۔ اور جب اس نے جمال پر نظر کرے گا تو معلوم ہو گا کہ غلگین دل کی راحت اسی میں ہے۔ عارفوں کی ہستی اس کے جلال کے سامنے غم کی آگ میں پگھل رہی ہے اور عشاق اس کے نطاعے سے خوش ہیں اور ناز کرتے ہیں۔ اَلْمُعْرِفَةُ نَارٌ اَلْمُحِبَّةُ نَارٌ فِی نَارٍ (معرفت ایک آگ ہے اور محبت آگ کے اندر ایک ایسی آگ ہے جس نے ایک جہان کو جلا ڈالا۔ اور تمام اس کی دھوم مچ رہی ہے)

در کوئے من از عشق زہے شور زہے شر
در کوئے تو از حسن زہے کار زہے بار

(میری گلی میں عشق کا شور و غوغا ہے۔ اور تیرے کوچہ میں حسن کا شہرہ اور خوب چرچا ہو رہا ہے)۔
 لوگ قصہ بیان کرتے ہیں کہ ایک حسینہ جو حسن میں بے مثال تھی بغداد میں ایک دن سورج کی طرح چمکتی ہوئی
 ظاہر ہوئی اور وہاں کے لوگوں میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ ہر شخص اس کے پیچھے دوڑا۔ وہ ایک گھر میں گھس گئی
 اور دروازہ بند کر لیا۔ اس سے پوچھا گیا کہ جب کسی سے ملنا ملنا نہ تھا تو پھر اس رونا کی کیا مطلب؟
 اُس نے کہا میں جہان والوں کے شور و غوغا کو دوست رکھتی ہوں۔ آسمان والے چکر میں اور زمین والے
 حیران و پریشان۔ اس کے بغیر کسی کو چین نہیں۔ اور کسی کو اُس تک پہنچنے کی راہ نہیں۔ روزانہ کتنی ہی
 دفعہ عرشِ کرسی سے کہتا ہے۔ "هَلْ عِنْدَكَ أَثَرٌ" (کیا تیرے پاس اس کا کوئی نشان ہے۔ کرسی عرش
 سے کہتی ہے "هَلْ عِنْدَكَ خَبَرٌ" (کیا تجھ کو اس کی کوئی خبر ہے) آسمان زمین سے پوچھتا ہے "هَلْ مَرَدٌ
 طَالِبٌ" (کیا تیری طرف کوئی طالب گزرا ہے) زمین آسمان سے پوچھتی ہے "هَلْ سَافِرٌ فِينِكَ عَاشِقٌ"
 (کیا کسی عاشق نے تیری طرف سفر کیا ہے)۔ اے بھائی! گوشہ گوشہ میں اس کے کشتے اور کونے کونے میں
 دل جلے بھرے پڑے ہیں۔ کون سی جان ہے جو اس کے قہر کی آگ سے بگھلی ہوئی نہیں ہے۔ اور کون سا دل ہے
 جس کو اس کے لطفِ دِکرم نے نہیں نوازا؟ اگر تم فقیروں کی کنٹیا میں جاؤ تو اسی کے طلب کی گراما گرمی پاؤ گے۔
 اور اگر کسی بھٹی پر تمہارا گدڑ ہو تو وہاں بھی اس کے نہ ملنے کا درد ملے گا۔ اور اگر تم نصاریٰ کے کلیسا میں بیٹھو گے
 تو سبھوں کو اس کی تلاش میں مست پاؤ گے۔ اور اگر تم یہودیوں کے کنشت میں جاؤ گے تو سبھوں کو اس کے
 حسن کے دیدار کے شوق میں سرگرداں پاؤ گے۔

ہزار عاشق آمد بہ طمع صحبت ما نثار کرد دل و دیدہ خادمان مرا
 (ہزاروں عاشق ہم سے ملنے کی تمنا میں آئے۔ لیکن ہمارے خادموں کا حسن دیکھ کر ایسے مہوت
 ہوئے کہ اپنا دیدہ و دل اُن پر قربان کر بیٹھے)۔

ہمہ آتش اندوہ و حیر سوختہ گشتند کہس نہ دید و نہ دانست خود نشان مرا
 (سب میری جدائی کی آگ میں جل کر خاک ہو گئے لیکن کسی نے میرا نشان نہ پایا) غیبِ عرش پر
 عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى کی تہمت لگی۔ اور وہ بے چارہ مفلس کی طرح درد سے شور مچاتا ہے۔

تہمت زدہ عشق یکے مہر ویم جز خاشم ہی نہ دارد رویم
 (ایک ماہ پارہ کے عشق کی مجھ پر تہمت لگائی گئی ہے۔ سوائے چپ رہنے کے میرے لیے کوئی چارہ

ہیں ہے) سبحان اللہ! سات لاکھ سال گذر گئے اور اب تک اس آگ کا شعلہ تیزی کے ساتھ لپکتا ہوا ہے۔ اور ہر طرف ہزاروں جلے بھنے لوگ ہیں۔ اس کا ڈر ہے کہ کہیں دونوں جہان پھلس کر نیست و نابود نہ ہو جائیں۔ جب روز ازل سے یہ آگ سلک ہی ہے تو کچھ تعجب کی بات نہیں۔

اے بھائی! اس مٹی اور پانی کی دولت تھوڑی نہیں ہے۔ اور حضرت آدم اور انسان کے کام مختصر نہیں ہیں۔ عرش اور کرسی، لوح اور قلم، آسمان اور زمین سب اُسی کی بدولت ہیں۔ حضرت استاد ابو علی نے فرمایا۔ اگر حضرت آدم کو اپنا خلیفہ کیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اِتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰہِیْمَ خَلِیْلًا (اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنا لیا)۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اِصْطَفٰی لِنَفْسِی (میں نے تجھ کو اپنے لیے بنایا)۔ اور ہم کو یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَہُ (وہ ان کو دوست رکھتا ہے اور یہ اس کو دوست رکھتے ہیں) کہا۔ لوگوں نے کہا ہے کہ اگر اس حدیث کو دلوں کے ساتھ مناسبت نہ ہوتی، تو دل، دل باقی نہ رہتا۔ اور اگر عشق و محبت کا آفتاب آدم اور آدمیوں پر نہ چمکتا تو آدم کا کام اور دوسری مخلوقات کی طرح رہ جاتا۔ ابتدا میں ہی بات تھی اور بیچ میں اور آخر میں بھی یہی۔ آج بھی یہی ہے اور کل بھی یہی رہے گی۔ اصحاب تحقیق نے کہا ہے، یہ جہان اور وہ جہان دونوں کے دونوں طلب ے لیے بنائے گئے ہیں۔ اگر کوئی شخص کہے کہ وہ جہان طلب کے لیے نہیں بننا ہے تو یہ محال ہے۔ یہ درست ہے کہ نماز اور روزہ باقی نہیں رہے گا۔ مگر یہ بھی تو طلب کا ایک جزو ہے قیامت کے بعد ہر ایک شریعت منادی جائے گی۔ لیکن یہ دو چیزیں ہمیشہ ہمیشہ قائم رہیں گی اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ (خدا کے لیے محبت اور خدا کی حمد و ثناء)۔ کہا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حج، جہاد روزہ، نماز کے احکام منسوخ کر دیے جائیں۔ مگر محبت کا پیمانہ منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔ اور محبت میں روزانہ جس جس کی شکل تیرے سامنے آئے خداوند تعالیٰ کی معرفت کا ایک عالم تجھ کو نظر آئے گا۔ کہ اس سے پہلے تو نے کبھی دیکھا نہ ہو گا۔ یہ ایسا کام ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ اور خدا نہ کرے کہ ختم ہو۔ رہا می

آرام و قرار و غم گسارم این است

تامن بزم پیشہ و کارم این است

بوندہ صمیم و شکارم این است

روزم این است روزگارم این است

(جب تک میری زندگی ہے میرا ہی کام ہے۔ میرا سکون و آرام اور دوست یہی ہے۔ میرے دن

رات کا مشغلہ اور پیشہ ہی ہے۔ میں شکار ڈھونڈھتا ہوں اور شکار ہی ہے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سینٹا لیسواں مکتوب ۴

محبت کی نشانیوں میں

بھائی شمس الدین جانو کہ بندوں کے ساتھ خدا کی دوستی چھپی ہوئی ہے جب بندہ اس بات کو جانتا چاہے کہ وہ خدا کا دوست ہے یا نہیں تو اس کی نشانیوں سے دلیل قائم کرے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِذَا أَحَبَّ اللَّهُ عَبْدًا ابْتَلَاهُ فَإِنْ أَحَبَّهُ أَحَبَّ الْبَالِغُ اقْتِنَاهُ۔ (جب خدا بزرگ و برتر کسی بندہ کو دوست بناتا ہے تو اس کو بلاؤں میں ڈال دیتا ہے۔ اور جب وہ دوستی میں زیادتی کرتا ہے تو اس کو اقتنا فرماتا ہے۔ آپ پوچھا گیا اقتنا کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے فرمایا اس کا مال اور اس کے بال بچوں کو چھین لیتا ہے۔ تو بندے کے ساتھ خدا کی دوستی کی نشانی یہ ہے کہ اس کو غیر خدا سے بیگانہ کر دے۔ اور بندے اور خدا کے بیچ میں کوئی دوسری ہستی نہ آنے پائے جھڑت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا آپ خجریوں نہیں خریدتے کہ اس پر سواری کریں؟ آپ نے کہا کہ میں خدا کے نزدیک اس سے زیادہ عزیز ہوں کہ مجھ کو اپنے سے جدا کر کے ایک خجری کی طرف متوجہ کرے۔ اگر تو کہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ دولت مند گزرے ہیں تو کیا ان کو مال اور دولت کی محبت روکتی نہ تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کل کے کل جن کو خدا دوست رکھتا ہے مراد نہیں ہیں بلکہ ان میں کے بعض بعض جیسا کہ کہا ہے۔ اُولَیِّائِی تَحْتُ قَبَائِی لَا یَعْرِفُهُمْ غَیْرِی (ہمارے دوست ہماری قبا کے نیچے چھپے ہوئے ہیں جس کو کوئی دوسرا سوا اے ہمارے پہچان نہیں سکتا) یہاں اولیاء کا لفظ کل پر واقع ہوتا ہے لیکن اس سے بعض ہی مراد ہیں۔ اور حدیث میں آیا ہے اِذَا أَحَبَّ اللَّهُ عَبْدًا ابْتَلَاهُ فَإِنْ صَبَرَ اجْتَبَاهُ وَإِنْ رَضِیْ اصْطَفَاهُ (جب خدا بزرگ و برتر کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کو بلاؤں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ پھر اگر اس نے صبر کیا "اجتبا" کے لقب سے سرفراز فرماتا ہے۔ اور اگر برسر تسلیم خم کر دیا تو "اصطفا" کی خلعت سے نوازتا ہے۔ اجتبا کے معنی یہ ہیں کہ خداوند تعالیٰ

خاص فیض بندہ کو عنایت فرماتا ہے جس سے تمام نعمتیں بغیر کوشش کے اس کو حاصل ہو جاتی ہیں اور اصطفا کے مطلب یہ ہیں کہ اس کو ساری آلودگیوں سے پاک صاف کر دے۔ ایک عالم نے کہا ہے اگر تو دیکھے کہ تو اس کو دوست رکھتا ہے۔ تو وہ بھی تجھ کو دوست رکھتا ہے۔ اور پھر اگر تو دیکھے کہ تجھ کو مبتلا کرتا ہے تو سمجھ لے کہ وہ تیری صفائی چاہتا ہے اور وہ صفائی دوسروں کے لگاؤ سے اپنے کو الگ کر لینا ہے۔ جیسا کہ کہا ہے۔

روزانہ و شبانہ شستہ ام درکارت
باہر کہ بہ سازی شکم باز ادرت

دین دن رات تیرے کام میں لگا ہوا ہوں۔ اگر تو کسی دوسرے سے تعلق رکھے گا تو میں تیری دھاک اٹھا دوں گا۔ ایک مرید نے اپنے پیر سے کہا کہ مجھ کو دوستی کا ذرا سا حصہ دکھلایا گیا ہے۔ انھوں نے کہا۔ اے لڑکے تجھ کو اپنے سوا کسی دوسرے محبوب کے ساتھ مبتلا کیا ہے؟ تو نے اس کو اس محبوب پر اختیار کیا اور چن لیا ہے؟ اُس نے کہا نہیں۔ انھوں نے کہا تو پھر دوستی کی امید مت رکھ کیونکہ اس وقت تک دوستی نہیں ہو سکتی جب تک کہ بندے کو مبتلا نہ کریں۔ اور حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل ہے کہ آپ نے فرمایا: **اِذَا أَحَبَّ اللَّهُ عَبْدًا جَعَلَ لَهُ وَاعِظًا مِنْ نَفْسِهِ وَزَجْرًا مِنْ قَلْبِهِ يَا مَعْرُوفُ يُنْهَاكَ** (جب خدا کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اُس کے نصیحت کرنے والا اور اس کے دل کو تنبیہ کرنے والا بناتا ہے جو اُسے نیکی کا حکم دیتا اور بدی سے منع کرتا ہے)۔ اور کہا: **اِذَا ارَادَ اللَّهُ لِعَبْدٍ خَيْرًا ابْصُرْهُ بِغُيُوبِ نَفْسِهِ** (جب خدا اپنے بندے کے لیے نیکی کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ اپنے نفس کے عیبوں کو دیکھ لیتا ہے) اور کہا گیا ہے خدا کے ساتھ بندے کی دوستی کی بعض خاص خاص علامتیں ہیں۔ یہی راکی دوستی کی اس کے لیے دلیل ہیں جس طرح پھل درخت کی دلیل ہوتا ہے۔ اور دھواں آگ کی۔ اور حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اِذَا أَحَبَّ اللَّهُ عَبْدًا لَمْ يَصُرْهُ ذَنْبٌ**۔ (جب خدا کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کا کوئی گناہ اُسے نقصان نہیں پہنچاتا۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب خدا کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو موت سے پہلے اُسے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرماتا ہے اور اُس کا گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ اور زاہد اسلم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ خدا جب کسی بندے کو دوست بنا لیتا ہے تو یہاں تک دوستی بڑھاتا ہے کہ اس کو فرماتا ہے جو تیرے دل میں آئے کر میں نے تجھ کو بخش دیا۔ اور اگر تو کہے کہ مصیبت محبت کی ضد ہے کہ نہیں؟ تو اس کا جواب

یہ ہے کہ محبت کمال محبت کی البتہ ضد ہے نہ کہ صرف محبت کی۔ تو نہیں دیکھتا کہ بہترے لوگ طبیعت اور مزاج کو دوست رکھتے ہیں جب وہ بیمار پڑ جاتے ہیں تو صحت مند رہنے کی تمنا کرتے ہیں اور کوئی چیز نقصان کرنے والی کھا لیتے ہیں۔ حالانکہ جانتے ہیں کہ اس سے ضرر پہنچے گا۔ اور یہ اس چیز کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ وہ طبیعت اور مزاج کو دوست نہیں رکھتے۔ لیکن ممکن ہے کہ طبیعت اور مزاج کے متعلق اس کی معرفت کمزور اور خراب ہو۔ اور بھوک اور رغبت اور خواہش زیادہ ہو تو محبت کا جس قدر حق ہے اس کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا۔ ایک عارف نے فرمایا ہے کہ جب محبت دل کی ظاہری سطح میں ہوگی تو خدا کی محبت درمیان میں ہوگی اور جب محبت دل کی گہرائیوں میں پہنچ جائے گی تو کمال کے درجے کو پہنچے گی اور اس سے گناہ سرزد نہ ہوں گے۔ اور تمام دعوؤں میں محبت کا دعویٰ کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ وہ اس لیے ہے کہ خواجہ فہرست رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جب تجھ سے سوال کیا جائے کہ تو خدا کو دوست رکھتا ہے؟ تو چپ رہ۔ کیونکہ اگر تو نے نہیں کہی تو یہ کفر ہوگا۔ اور اگر تو نے ہاں کہی، تو چونکہ تجھ میں دوستوں کی صفت نہیں ہے اس لیے دشمنی کا خوف لازم آئے گا۔ سمجھو کہ محبت کا دعویٰ کرنا تو بہت آسان ہے۔ مگر اس کے معنی بڑے سخت اور کٹھن ہیں۔ آدمی کو چاہیے کہ شیطان کے بہکانے اور نفس کے فریب میں آجائے اور جس وقت خدا کی محبت کا دعویٰ کرے تو جب تک ان علامتوں کو آزمانے لے اور ان دلیلوں کو پرکھ نہ لے مطمئن نہ ہو۔ محبت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ محبوب کے ساتھ خلوتوں میں مناجات کے وقت حد درجہ کی موانست ہو۔ اور جب محبوب کے ساتھ خلوت نصیب ہو تو اس میں ایسی لذت پائے جس پر دین و دنیا کی لذتیں قربان ہو جائیں۔ برخ کے قصہ میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بزرگی اور عظمت کے باوجود ان سے درخواست کی کہ پانی برسنے کی دعا کیجیے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتایا تھا کہ برخ ہمارا نیک بندہ ہے۔ مگر اس میں ایک عیب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا وہ عیب کیا ہے؟ خدا تعالیٰ نے فرمایا وہ صبح کی ٹھنڈی ہوا پسند کرتا ہے اور جو کوئی میری دوستی کا دعویٰ کرے اُس کو غیر اللہ کے ساتھ چین و آرام کہاں۔ ایک قصہ ہے کہ ایک عابد کسی جنگل میں ایک نہ دروازہ تک خدا کی عبادت کرتا رہا۔ اُس نے ایک چڑیا دیکھی جو کسی درخت پر گھولنا بنائے ہوئے تھی۔ اُس کی

سر ملی آواز اس عابد کو بھلی لگی۔ اس عابد نے چاہا کہ اس درخت کے نیچے اپنی جھونپری بنائے۔ اس کے
 نعموں سے لطف اٹھائے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس زمانے کے پیغمبر یہ وحی آئی کہ فلاں عابد کو
 جا کر کہو کہ تو نے ایک مخلوق سے محبت اختیار کی ہے اس لیے میں نے تجھ کو تیرے مرتبے سے اتنا نیچے
 گرا دیا ہے کہ اب تو کسی ریاضت کے ذریعہ وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ اے بھائی بعض لوگوں کو مناجات
 میں محبت کا اس حد تک فرا ملتا ہے کہ ان کا سارا گھر جل کر خاک ہو گیا۔ اور ان کو اس کی کچھ خبر نہیں ہوئی۔
 اور بعضوں کا پاؤں نماز کی حالت میں کسی بیماری کی وجہ سے کاٹا گیا ہے اور ان کو اس کا مطلق احساس
 تک نہ ہوا۔ توجیب اللہ اور محبت کا غلبہ ہوتا ہے تو مناجات اور خلوت اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن
 جاتی ہے۔ اس کے دل سے جملہ افکار دور ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک دنیا کا کوئی کام وہ نہ جانے گا
 جب تک کہ چند بار اس کے کان میں نہ کہا جائے جب خدا کا عاشق کسی سے بات بھی کرتا ہے تو اس کا
 باطن خدا کے ذکر میں مشغول رہتا ہے۔ لہذا محبت کے یہ معنی ہیں کہ کرنے والے کو سوائے اپنے محبوب کے
 کبھی سکون و آرام نہیں بزرگوں نے کہا ہے جس میں یہ باتیں نہ ہوں وہ خدا کا دوست نہیں ہو سکتا۔
 ایک وہ کہ مخلوق کی باتوں پر خدا کی باتوں کو ترجیح دے اور اختیار کرے۔ دوسرے وہ کہ خدا کے
 دیدار کو مخلوق کے دیدار پر فوقیت دے تیسرے یہ کہ خدا کی بندگی کو خلق اللہ کی خدمت کرنے سے
 بالا و تر سمجھے۔ اور انھیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سوائے خدا کی یاد اور اس کے لگاؤ کے کسی
 اور چیز کے نقصان اور کھو جانے کا افسوس نہ کرے۔ یہی بھید ہے جو کہا گیا ہے کہ

گر مرا پیچ نہ باشد نہ بدنیانہ عقبی چون تو دام ہمہ ارم درم پیچ نہ باید

(اگر دین و دنیا میں مجھے کچھ بھی نہ ملے تو کوئی پروا نہیں جب تو میرا ہے تو سب کچھ مجھے مل گیا اب مجھے
 کچھ اور نہیں چاہیے)۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محبت کی نشانیوں میں سے ایک
 نشانی یہ ہے کہ اس کی بندگی ہی میں اس کو آرام حاصل ہو۔ اور اس کو بوجھ نہ سمجھے اور نہ اس کی تھکن
 محسوس ہو۔ جیسا کہ ان لوگوں میں سے کسی نے کہا ہے جو کام محبت کے لیے ہو اس میں سستی
 اور غفلت نہیں ہونی چاہیے۔ یعنی اس کا جسم تو تھک جائے مگر اس کا دل نہ تھکے۔ اور علماء کہتے
 ہیں کہ خدا کو دوست رکھنے والا اس کی بندگی سے کبھی آسودہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ عاشق کا مشوق
 کی اطاعت قبول کرنا بالکل فطری ہے۔ وہ کسی تکلف کی وجہ سے نہیں کرتا۔ باوجود اس کے کہ اس کی

بندگی کے طریقے اور ذرائع بہت ہوں۔ اور اس کی مثال ظاہری چیزوں کو دیکھنے میں ملتی ہے۔ کیونکہ معشوق کی طلب میں عاشق پر دور دھوپ اور حیرانی و سرگردانی کچھ حیر نہیں گذرتی۔ اس کام کو وہ دل سے زیادہ غیر رکھتا ہے اور غنیمت جانتا ہے۔ اگرچہ جسمانی لحاظ سے یہ اس کی برداشت سے زیادہ ہو۔ اور اگر عارف ہو تو فرشتوں کی حالت پر نظر ڈالے تو دیکھے گا کہ وہ خدا کی تسبیح میں رات دن مشغول ہیں۔ اور کسی طرح کی کسستی نہیں کرتے۔ ان سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ یقینی طور پر اسے اپنی دوستی پر شرم آنی چاہیے۔ اور قطعی طور پر سمجھنا چاہیے کہ وہ ذلیل ترین عشاق میں سے ہے۔ ایک دوست نے کہا کہ میں نے تیس برس تک دل اور اعضا کے ذریعہ خدا کی پرستش کی۔ یہاں تک کہ میں نے خیال کیا کہ خدا کے نزدیک میری کوئی قدر ہے۔ پھر اپنے مکاشفہ میں فرشتوں کی صفت میں پہنچا اور پوچھا کہ تم کون ہو۔ انھوں نے کہا کہ تم خدا کے دوستوں میں ہیں۔ میں لاکھ برس گزر گئے کہ ہم اسی جگہ پر اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اس اثنا میں ہمارے دلوں کے کسی گوشہ میں ایک لمحہ کے لیے بھی اس کے تصور کے سوا کسی دوسرے کا خیال تک نہیں گذرا۔ اور اس کے سوا ہم نے کسی کو یاد نہیں کیا۔ اس کے بعد مجھے اپنے اعمال پر شرم آئی اور وہ تیس برس کی عبادت میں نے ایک ایسی جماعت کو بخش دی جو عذاب کی مستحق ہو چکی تھی۔ اب یہاں سے معلوم ہو گیا کہ جس نے اپنے آپ کو پہچانا اپنے رب کو پہچان لیا۔ اور خداے بزرگ برتر جس قدر کہ واجب شرم کی۔ اور اس کی زبان گونگی ہو گئی تاکہ کسی دعوے کا بے زبانی کے سبب اظہار نہ کر سکے۔ لیکن اس کے اخلاق و اوصاف اور چال چلن خدا کی محبت پر گواہ ہیں۔ جیسا کہ حضرت خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمارے استاد حضرت سری سقطی قدس اللہ سرہ بیمار پڑے ہم ان کی بیماری کا علاج نہیں جانتے تھے۔ ایک اچھے طبیب کی تعریف ہم نے سنی اور آپ کا قارورہ اس کے پاس لے گئے۔ طبیب نے تھوڑی دیر تک اس کو دیکھا پھر کہا یہ کسی عاشق کا قارورہ ہے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ سن کر ہم بے ہوش ہو گئے اور ہمارے ہاتھ سے قارورہ گر پڑا جب ہم کو ہوش آیا تو حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور سارا حال ان سے کہہ دیا۔ وہ مسکرائے اور فرمایا اللہ اس کو مقبول بنائے بڑی سمجھ رکھتا ہے۔ میں نے حضرت سے پوچھا، کیا محبت کی علامت قارورہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔

حدیث سینہ سوز انھیں بستی دے
پرس کا تش دوخ برآید از دہنم

(اے شہتی چہرے والے میرے سینہ سوزاں کی بات مت پوچھ۔ حال یہ ہے کہ بات کرنے میں میرے منہ سے
 دوزخ کے شعلے نکلنے لگتے ہیں)۔ اب سمجھو کہ جو شخص اپنی نفسانی خواہشات اور جہالت کی وجہ سے خدا کے
 دشمن شیطان کو دوست رکھتا ہے اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ وہ خدا کو دوست رکھتا ہے تو اس میں
 محبت کی ان نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں پائی جاتی جب حضرت خواجہ ہسل رحمۃ اللہ علیہ کسی سے
 بات کرتے تو اُسے دوست "کر کے مخاطب کرتے۔ کسی نے پوچھا کہ جسے آپ دوست کہتے ہیں ممکن
 ہے وہ دوست نہ ہو، پھر آپ ہر ایک کو کیوں دوست کہتے ہیں؟ آپ نے اس کے کان میں چپکے سے کہا: وہ
 دو حالتوں سے خالی نہیں۔ یا مومن ہے یا منافق۔ اگر وہ مومن ہے تو خدا کا دوست ہے۔ اور اگر منافق
 ہے تو شیطان کا دوست ہے۔ اے بھائی دو دوستیوں میں بہت سے کام چلتے ہیں۔ اگرچہ ظاہر میں وہ
 سب نقصان دہ ہیں۔ لیکن محبت کی چار دیواری سب کچھ برداشت کر لیتی ہے محبت کی بارگاہ میں عشاق
 کی نغزین چٹم پوشی کے لائق ہیں۔ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں ایک شخص آیا۔ جب
 رخصت ہونے لگا تو معذرت کی (کہ میں نے آپ کا وقت ضایع کیا معاف فرمائیے)۔ آپ نے فرمایا خاطر
 جمع رکھو، ہم سے تم سے محبت کی باتیں ہوتی رہیں۔ اور دوست دوست سے بدگمان نہیں ہوا کرتا۔
 حُبُّكَ لَشَيْءٍ، يُمْنِي وَيَصْنُمُ (کسی چیز کی محبت آدمی کو اندھا اور گونگا بنا دیتی ہے)۔ یہی راز
 ہے کہ حضرت خواجہ بایزید بسطامی قدس اللہ سرہ نے فرمایا لَيْسَ الْمُحِبُّ مِنْ جُحْتِكَ لَكَ وَأَنَا قَبْدُ
 ضَعِيفٌ بَلِ الْمُحِبُّ مِنْ جُحْتِكَ بِي وَأَنْتَ دَبُّ قَوِي (یہ تعجب کا مقام نہیں کہ میں تجھ کو دوست
 رکھتا ہوں کیونکہ میں ایک عاجز اور خاکسار بندہ ہوں بلکہ تعجب کی بات یہ ہے کہ تو مجھ کو دوست
 رکھتا ہے حالانکہ تو رب قوی ہے۔ اور مجھ سے بہتر تیرے ہزاروں عاشق ہیں)۔ یہاں سے سمجھو کہ
 یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمھاری مٹی سے محبت کا درخت اُگے اور ساتی مہربان یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْهُ
 کی شراب سے سیراب کرے۔ میں سے کہا گیا ہے۔ دبا می۔

در راہ تو من کیم کہ در منزل من از چہرہ تو گلے دمد بر گل من

این خود نہ بس بہت زہر تو حاصل کن کہ عشق تو آراستہ باشد دل من

(تیرے راستے میں میری کیا حقیقت ہے کہ تیرے حسین چہرے سے میری مٹی میں پھول کھل جائے۔ یہی
 کیا کم ہے جو مجھے تیری عنایت و مہربانی سے حاصل ہوا کہ تیرے عشق سے میرا دل آراستہ ہو گیا۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اڑتالیسواں مکتوب ۲۸

محبت اور عشق کے احکام میں

میرے بھائی شمس الدین۔ تم کو اللہ اپنی محبت کا کمال نصیب کئے۔ جانو کہ خدا کی دوستی بندے کے لیے اور بندے کی دوستی خدا کے لیے درست ہے اور قرآن و حدیث میں اس کے متعلق ذکر ہے اور امت کا اس پر اتفاق ہے۔ خداوند تعالیٰ کی ذات میں اسی صفت موجود ہے کہ محبت کرنے والے اس کو دوست بنائیں۔ اور وہ اپنے دوستوں کو دوست رکھے۔ اور لغوی تحقیق کی رو سے لفظ محبت حبہ سے نکلا ہے جس کے معنی بیچ کے ہیں جس کو زمین میں پوتے ہیں پھر حبہ کو حب بنا دیا۔ زندگی کی جڑ اسی میں ہے جس طرح روئیدگی یعنی اُگنے کی استعداد تمام میں ہوتی ہے جب بیج مٹی میں مل کر پھپھاتا ہے اُس پر پانی برستا ہے اور دھوپ لگتی ہے۔ اور جاڑوں کی ٹھنڈک اور گرمی کی تیزی اُس پر پہنچتی ہے مگر وہ بدلتا نہیں جب اس کا موسم آتا ہے تو اُگنے لگتا ہے اور پھول پتیاں نکلتی ہیں پھر پھل لاتا ہے۔ اے بھائی! ٹھیک اسی طرح جب محبت دل میں گھر بنا لیتی ہے تو محبوب کی موجودگی اور جدائی سے، اور بلا و مشقت سے، اور لذت و آرام سے وہ بدلتی نہیں۔ مگر عورت عام اور علماء کی اصطلاح میں کچھ اختلاف ہے۔ منکلوں کا خیال ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی محبت کی جو خبر دی ہے اور صفوں کی طرح سننے سے تعلق رکھتی ہے۔ دو اسباب کی بنا پر ہے۔ ایک یہ کہ اگر قرآن پاک اور حدیث شریف میں اس کا بیان نہ آتا تو خداوند تعالیٰ کی ذات کے ساتھ محبت کی صفت کا معلوم کرنا عقلاً محال ہوتا۔ تو ہم انہیں اقوال کو سن کر اس پر ایمان لائیں، لیکن اس کی حقیقت کے سوچ بچار میں خاموش رہیں۔ اور علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ محبت نفس کا رجحان اور دل کا میلان ہے اور یہ صفت جسم کی ہے ذات قدیم پر صادق نہیں آتی۔ کیونکہ وہ جسم سے بالاتر ہے۔ اور اس طرح کی محبت ساری مخلوقات کو اور ہم جنس کو ایک دوسرے کے ساتھ ہوا کرتی ہے۔ یہ لوگ بندے کی محبت کو خدا کی بندگی اور اطاعت کہتے ہیں۔ اور بندے کے ساتھ خدا کی محبت کو ہدایت اور اس کی نوازش بیان کرتے ہیں۔ اور اس گروہ کے لوگ یہی جانتے ہیں کہ بندے کے ساتھ خدا کی محبت کے معنی یہ ہیں کہ وہ بندوں پر انعام و اکرام کرتا ہے۔ دنیا اور آخرت میں ثواب عطا فرماتا ہے۔ اور

عذاب کے مقام سے اس کو بری کرتا ہے اور گناہوں سے بچاتا ہے۔ اُس کو بلند اور برتر مقام عطا فرماتا ہے۔ اور اس کی توجہ غیر حق سے ہٹا کر عنایت ازنی کا سرا اُس کے ساتھ جوڑ دیتا ہے تاکہ ماسوا سے اُس کا دل قطعی قانی ہو جائے اور صرف خداوند تعالیٰ کی رضا اور تسلیم کی طلب باقی رہ جائے۔ اور بندگی کی محبت خدا کے ساتھ ایک ایسی صفت ہے جو دل مومن میں پیدا ہوتی ہے۔ اس کے معنی ہیں خدا کی تعظیم اور اس کے اکرام کا اغراز۔ تاکہ اس کی رضا مندی کا وہ طلب گار ہو جائے۔ اور اُس کے دیدار کی طلب میں بے چین رہے۔ اور اس کے بغیر کسی طرح اس کو آرام نصیب نہ ہو اور اسی کی داستان سننے کی عادت ڈالے۔ دوسری باتیں سننے سے پرہیز کرے۔ اور ساری خواہشات اور دوستی سے کنارہ کشی اختیار کر لے اور شہنشاہ محبت کا استقبال کرے۔ اور دوستی کے حکم پر گردن ڈال دے۔ اور یہ کبھی جائز نہیں کہ اس کے دل میں خدا کی محبت مخلوقات کی محبت کی طرح ہو جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے ملنے کی خواہش اور محبوب کی تلاش اور دوست کے ملنے کی خوشی اور لطف وغیرہ۔ اس لیے کہ یہ صفت جسم کی آوری باری تعالیٰ کی ذات اس سے بلند و برتر ہے۔ اس میں احاطت و ادراک، حقوق و احتفاظ کا گزر نہیں۔ جو شخص محبت کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہے اس کو کوئی شک و شبہ نہیں ہوتا۔ اور اس کے دل سے شک کا خیال بھی اُٹھ جاتا ہے۔ محبت دو طرح کی ہوتی ہے ایک محبت ہم جنس کی لیے ہم جنس سے، خواہشات نفسانی کی لذتیں، اور محبوب کی جستجو وصال حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ اور دوسری محبت جنس کی جنس کے ساتھ نہیں ہوتی۔ اس طلب کا لگاؤ محبوب کے اوصاف کے ساتھ ہے۔ اور طالب کو انہیں سے آرام ملتا ہے۔ اور محبت کرتا ہے۔ جیسے کسی کی بات سننے کی تمنا کسی کے دیدار کی خواہش۔ اور محبت کی حقیقت میں مشائخین رضوان اللہ علیہم کے بہت سے اقوال ان کی کتابیں دیکھنے سے انشاء اللہ معلوم ہو جائیں گے۔ عشق کے متعلق مشائخ کے چند نظریے ہیں۔ اس گروہ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ بندے کا خدا سے عشق کرنا جائز ہے۔ اور یہ جائز نہیں دیکھتے کہ خدا بندے سے عشق کرے۔ کیونکہ عشق منع کی صفت ہے اپنے محبوب سے اور بندہ باری تعالیٰ کی طرف سے ممنوع ہے، نہ کہ باری تعالیٰ بندے سے۔ تو بندہ کا عشق خدا سے قائل کے ساتھ جائز ہوا۔ اور خدا کا عشق بندے کے ساتھ رد نہیں۔ اور ایک گروہ کہتا ہے کہ خدا کے ساتھ بندے کا عشق جائز نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ عشق ایک حد کو چھوڑتا ہے۔ اور خداوند تعالیٰ کی ذات محدود نہیں ہے۔ اور بھی کہتے ہیں کہ بغیر دیکھے ہوئے

عشق پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور کسی کی تعلیم سن کر عشق ہو جانا جائز نہیں ہے۔ چونکہ عشق کو نظر سے تعلق ہے اور دنیا میں کسی کی آنکھ خدا کو نہیں دیکھ سکتی اس لیے جائز نہیں۔ اور محبت چونکہ ایک خبر کی حیثیت رکھتی ہے ہر شخص نے اس کا دعویٰ کیا ہے۔ **مَحِبَّتُهُمْ وَ يُحِبُّونَهُ** کے ارشاد میں سب برابر ہیں۔ لیکن جن لوگوں نے بندے کا عشق خدا کے ساتھ جائز رکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہر چیز کی ایک حد ہے جب اس حد تک پہنچ جاتی ہے تو اس کا نام بدل کر دمر ہو جاتا ہے جو اس سے پہلے نہ تھا اور اس مقام کی انتہا اور کمال سے بلند و مرتبہ ہو گا۔ لیکن رجوع ہو سکتا ہے جو کہ کمال کے درجے سے اتر کر نقصان کی طرف آئے جس طرح درخت اُگ کر بڑھتے جاتے ہیں اور اپنے کمال کی حد چلتے ہیں۔ ان کا کمال یہ ہے کہ پھل پیدا ہوں جب وہاں تک پہنچ جاتے ہیں تو سوکھنے لگتے ہیں۔ اسی طرح دوسری مثال انسان کے بچپن کی ہے۔ آدمی شیرخوارگی کے زمانے سے برابر بڑھتا جاتا ہے۔ اور عمر کی ایک حد تک پہنچ جاتا ہے تو وہ نمون میں کمال کا درجہ حاصل کر لیتا ہے اور گھٹنا شروع ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ولادت اور بڑھاپے کے سن میں پہنچ جاتا ہے محبت کا حال بھی اسی طرح ہے۔ پہلے پھل محبوب کا حسن و جمال دیکھنا، نظر سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا اشتیاق ہر وقت بڑھتا جاتا ہے اور محبت اپنے کمال کے درجے تک پہنچنا چاہتی ہے جب اپنی انتہا کو پہنچ گئی اور اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی تو خواہشات سے آزاد اور نفسانی تعلقات سے بری ہو جاتی ہے۔ اور انتہائے محبت میں وصل اور ہجر اور رنج و راحت اور نزدیکی و دوری سے بے پروا ہو جاتی ہے۔ یہاں تک پہنچ کر اس میں نقصان آنے لگتا ہے۔ اور ہر خواہش کو خیر یاد کہہ دیتی ہے اور عشق کے مقصد تک پہنچ جاتی ہے۔ یہاں اس کا نام عشق ہو جاتا ہے جب عشق نام پڑ گیا تو گمان و دہم کے دائرے سے باہر نکل آتی ہے۔ اور انوار الہی کی طرف سے اُس کا نام عشق رکھا جاتا ہے۔ جب تک اس کو پوچھا ہے اس کا نام عابد، اور جب اس کو جانتا ہے عاقل، جب پہچانتا ہے تو عارف، جب ماسوا سے پرہیز کرتا ہے تو زاہد، جب سچائی کے ساتھ اس کا ارادہ کرتا ہے تو فاضل جب دوستی کی راہ میں قدم رکھتا ہے تو مشتاق، جب اُس کی رضا کے لیے ساری مخلوق کو نظر سے گرا دیتا ہے تو خلیل اور جب اس کے مشاہدہ پر اپنی ہستی لقمہ کر دیتا ہے تو حبیب ہو جاتا ہے۔ جب یہاں تک پہنچ جائے کہ اپنی فنا اور بقا کو دوست کی ذات میں کلیتہً گم کر دے تو اس کا نام عاشق پڑتا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ دوست ازلی کے مشاہدے کے نور سے عشق پیدا ہوتا ہے۔ یہ بجلی کی طرح

آتا ہے اور آنکھوں میں اپنا نور اور کانوں میں اپنی گونج رکھ دیتا ہے۔ رفتار میں تیزی اور صفت میں مخلوقا سے کنارہ کشی کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے۔ اب عاشق جو کام کرے گا نہ اپنے قائد سے کے لیے اور نہ کسی غیر کے لیے۔ بلکہ ہر کام بے اختیارانہ اس سے سرزد ہو گا۔ اور ان سب کے معنی عشق ہی کے ہیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے عشق باتوں اور دلیلوں سے معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور یہ اس سے کہیں بلند و برتر ہے کہ غم اور گویائی کی طاقت کے ذریعہ اس کے جلال کے محل کے پاس بھی پھٹک سکے۔ یا مکا شفق کی آنکھ سے اس کے جمال کی حقیقت کی طرف دیکھ سکے۔ جیسا کہ کہا ہے۔ غزل

عشق کہ درد کون دیکھ سکتا	عشق کہ درد کون دیکھ سکتا
زبرد و غمزدہ ہر دو جہان صید کردہ ام	زبرد و غمزدہ ہر دو جہان صید کردہ ام
چون آفتاب رخ ہر ذرہ ظاہر	چون آفتاب رخ ہر ذرہ ظاہر
گویم بہ ہر زبان و بہر گوش بشنوم	گویم بہ ہر زبان و بہر گوش بشنوم
چون ہر چہ هست در ہر عالم ہیں منم	چون ہر چہ هست در ہر عالم ہیں منم
مندر درد و عالم از انم پدید نیست	مندر درد و عالم از انم پدید نیست

(میں وہ عشق ہوں جو کون و مکان میں ظاہر نہیں ہے۔ میں وہ عشق ہے مغرب ہوں جس کا کہیں نشان نہیں ملتا۔ میں نے اپنے ناز اور ادا سے دونوں جہان کو شکار کر لیا ہے۔ یہ نہ دیکھ کہ میرے تیرو کمان کہیں نظر نہیں آتے۔ میں آفتاب کی طرح ہر ذرہ میں چمک رہا ہوں۔ لیکن کمال ظہور کی وجہ سے میرا ظاہر ہونا نظر نہیں آتا۔ ہر زبان میں میں ہی باتیں کرتا ہوں اور ہر کان سے میں ہی سنتا ہوں۔ اور عجیب تر یہ کہ میرے کان اور زبان ظاہر نہیں۔ سوائے جہان میں جو کچھ ہے وہ میں ہی ہوں میری مثال دونوں جہان میں نہیں مل سکتی)۔ جب تک بھاری حیات ہے اسی جوش و خروش میں دامن کی دھجیاں بکھیرتے رہو اور سر پر خاک اڑاتے رہو جو لوگ بتدائے اسلام سے آج تک کہہ رہے ہیں کہ غم اور مصیبت میں کپڑا نہ پھاڑو۔ مگر عاشقوں کے درد اور ان کے دل کی جلن کی شدت ایسی باتیں ہیں کہ مفتی لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ یہ ہے جس کو کہا ہے۔ رباعی

دل گفت ز عشق توبہ محکم بہ	دل گفت ز عشق جان من خرم بہ
گم باد دل من از میان من دو تو	بد گوئی ز رو ہر دو گیتی کم بہ

(دل نے کہا، عشق سے توبہ کرنا بہتر ہے۔ تو دل نے یہ بات غلط کہی۔ عشق سے تو میری جان کو

خوشی حاصل ہوتی ہے۔ خدا کرے ہمارا اور تمہارا دل کھو جائے۔ یہی اچھا ہے کہ برا کہنے والا
دونوں جہان میں کم ہو جائے جس کم جہاں پاک۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انچاسواں مکتوب ۲۹

طالب کے بیان میں

بھائی شمس الدین زندہ رہو اور نفس جیسے دشمن پر فتح حاصل کرو۔ جانو کہ طالب کو
کسی جگہ ٹھہراؤ نہیں ہے۔ اور کسی منزل میں آرام کا موقع نہیں۔ بلکہ دونوں جہان میں راحت و
سکون اس پر حرام ہے۔ جیسا کہ کہا ہے اَلْسُّكُونُ حَرَامٌ عَلٰی قُلُوْبِ اَدْلِيَاثِہ (خدا کے
دوستوں کے دلوں پر آرام حرام ہے) خود ان کو بھی اُس کے غیر کے ساتھ آرام کہاں ممکن
اے بھائی سمجھو جس کا محبوب ایسا ہوگا اُس کو دونوں جہان میں سکون و آرام کیونکر مل سکتا
ہے۔ کیونکہ دنیا فراق کی جگہ ہے اور آخرت دیدار کا مقام ہے۔ تو فراق میں طالب کے
دل کو آرام کرنا جائز نہیں۔ اور دیدار کی جگہ میں چین نہیں۔ کیونکہ طالبوں کے دل کو انہیں
دو چیزوں میں سکون ہو سکتا ہے تاکہ آرام اٹھائے۔ یا مطلوب کو پالینا یا محبوب سے غافل ہو جانا
محبوب کا پالینا دنیا اور عقبیٰ میں روا نہیں تاکہ دل طلب کی مشقت سے آرام پائے۔ اور غفلت
اس کے طالبوں کے لیے جائز نہیں کہ دل تلاش و جستجو چھوڑ کر خاموش بیٹھ جائے۔ اس مطلب کو
صاحب کشف المحجوب حمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔ اور معارف کی شرح میں لائے ہیں کیونکہ
محبوب کی ہستی مکان کی قید سے بالاتر ہے۔ اور محب کا وجود مکان سے تعلق رکھتا ہے۔ مکان
سے آگے قدم نہیں رکھ سکتا، تو محبوں اور طالبوں کے دل کا درد دُکھ ہمیشہ ہمیشہ رہنے
والا ہے۔ اور عاشقوں کے دل کا رنج و غم دوا نمی ہے۔ اے بھائی! مطلوب کی بزرگی کی
سواری علوی بلندی پر ہے۔ اور طالبوں کا مقام اسفل کی لپٹی میں ہے۔ مطلوب کا عالم
کبریائی سے نیچے اترنا جائز نہیں اور طالبوں کی ترقی و عروج عبودیت کی گہرائی سے ممکن نہیں
مشارح طریقت رضوان اللہ علیہم نے کہا ہے کہ دونوں جہان میں طالب کے دل سے طلب

نہیں ملتی۔ لیکن آخرت میں طالب کا کوئی نام اور لقب باقی نہیں رہتا۔ صرف طلبہ جاتی ہے۔ اس لیے محبوب و مطلوب کا جمال و کمال کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔ اس لیے طلبہ ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ اور طالب پر آرام کرنا حرام ہو جاتا ہے۔

عشق مارا کے بود غایت پدید حسن جانان چون نہ دارد غایت

(ہمارے عشق کی حد کیونکر ہو سکتی ہے جبکہ محبوب کے حسن کی کوئی انتہا نہیں ہے) طالب کو کشف و عظمت کی منزل میں چار مقامات سے گزرنا پڑتا ہے۔ پہلا خوف، دوسرا خشیت، تیسرا وجل، چوتھا رہبت خوف عذاب سے خشیت منقطع ہونے سے اور وجل معرفت میں کوتاہی دیکھنے سے اور رہبت فصال نہ ہونے سے۔ عذاب کا خوف عابدوں کا مقام ہے۔ اس کا پھل دنیا کی نعمتوں سے ہاتھ اٹھا لینا اور خشیت صدیقیوں کا مقام ہے۔ اس کا حاصل سوائے دوست کے اپنے کو سب الگ تھلک رکھنا ہے اور وجل محبوبوں کا مقام ہے اس کا مقصد اغیار سے آنکھ پھیر لینا ہے۔ اور رہبت عارفوں کا مقام ہے اس کی لذت محبوب کی ذات میں گھل ملنا ہے۔ کل مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ جب بندہ مقامات کے سنگ راہ کو طے کر کے آگے بڑھ گیا۔ اور جملہ اوصاف محمودہ اس کی ذات میں آگئے اور غیر حق کے دیکھنے سے وہ بری ہو گیا تو اس کا حاصل عقل کی فہم اور ادراک سے غائب ہو جاتا ہے۔ اس کے رہن سہن تک میں دہم و گمان کی رسائی ناممکن ہو جاتی ہے اس وقت وہ اُولِیَّائِی تَحْتَ قَبَائِی کے پردے میں چھپ جاتا ہے۔ یہ دل جلوں کی باتیں ہیں۔ خودی میں رہنے والوں کے قصے نہیں۔ یہ جو ان مردوں کی راہ ہے پچھل سا کھیل نہیں۔ ع ر و بازی کن کہ عاشقی کا ر تو نیست (جاوید عاشری تمھارا کام نہیں ہے)۔ زلیخا کی صفت اور محبوں کی باتیں ہونا چاہیے۔ تاکہ حضرت یوسف اور لیلیٰ کی کہانی سن سکے۔ لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ (البتہ ان کے قصوں میں عبرتیں پوشیدہ ہیں)۔ یہ آیت اسی کی شرح ہے۔ ان مردان خدا کو جب راہ میں خشکیں اور دقتیں پیش آتی ہیں تو حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے حل ہو جاتی ہیں۔ وَ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ (اور یہ ایسی باتیں نہیں جو بھوٹا تمس جوڑی گئی ہوں۔ مگر سچی ہیں ایسی جو آنکھوں کے سامنے ہیں اور ہر چیز کی تفصیل بھی) جب تفصیل کل شئی فرمایا تو سمجھو کہ یہ کیا ہوگی۔ اگر ہزار جلدوں میں اس عجیب و غریب قصہ کی تفصیل لکھی جائے تو وہ دریا کا ایک قطرہ اور آفتاب کی ایک کرن سے زیادہ نہ ہوگی۔

ایک بزرگ نے کہا ہے۔ رباعی۔

تاسخرہ عام و کان غوغانہ شوی تمت زدہ ہود و ترسانہ شوی
بیزار ز کیش خویش عمدانہ شوی در مجلس عاشقان تو پیدانہ شوی
(جب تک تجھے لوگ مسخر ابنا کر شور و غوغا نہ کریں اور تو یہودی اور آتش پرستی کی تہمت سے متہم نہ ہو جائے اور اپنا دین و مذہب قصداً نہ چھوڑ دے اس وقت تک عاشقوں کی محفل میں داخل نہیں ہو سکتا)
جب عشاق ملامت کی راہ سے گزرتے ہیں، اور نااہل لوگ طالبوں پر پتھر برساتے ہیں تو عشاق سلامتی والوں (یعنی ان لوگوں سے جو اس راہ کی لذت سے واقف نہیں) کہتے ہیں۔

نہ ہم رہی تو مرا راہ خویش گیر و پرو ترا سلامتی باد امرانگون ساری
(تو میرا ساتھی تو نہیں ہے۔ جا اپنا راستہ لے۔ تجھ کو سلامتی مبارک ہو اور مجھے ذلتِ خواری مبارک)
اگر زلیخا اس بات سے ڈرتیں کہ عورتیں کہتی ہیں وَقَالَ لِنُؤْتِ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتَ الْعَزِيزِ تُزَادُ فَتُهَا عَنْ نَفْسِهِ (مصر کی عورتوں نے کہا کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے ایک غلام سے محبت کرتی ہے) تو کبھی حضرت یوسف علیہ السلام کا نام نہ لیتیں۔ اور اگر محبوں پتھر کی مار سے زخمی اور لہو لہان ہونے سے ڈرتا تو لیلیٰ لیلیٰ کی بڑ نہ لگاتا۔ اے بھائی! خدا کے لیے یوسف اور زلیخا بہت اور لیلیٰ محبوں بے شمار ہیں لیکن ہماری اور تمہاری آنکھیں کہاں جو دیکھ سکیں ثَبَّتَ الْجِدَارَ لَكُمْ الْفَقْشُ (پہلے دیوار بناؤ) اس کے بعد اس پر نقش کاری کرو۔ اہل سنت والجماعت کا اعتقاد یہ ہے کہ ایسے لوگ ہو چکے ہیں اور موجود ہیں، اور آئندہ ہوں گے۔ لیکن بد محبوں کا جب اس میں کوئی حصہ نہیں تو ان کو کیا فائدہ ہوگا۔
اس کی مثال یوں سمجھو کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم کے متعلق فرمایا کہ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ (یہ مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے تو کفار کو اس سے کیا حاصل ہو سکتا ہے؟ آفتاب اپنے کمال تابانی کے ساتھ چمک رہا ہے لیکن کم نجات چمگا رہا جس کو آنکھ نہیں اس سے کیا فائدہ جب باپ کی پیٹ اور ماں کے پیٹ سے ہم بڑے لڑھکیے تو ماں سب کچھ تھا اور سب کچھ ہے، اب اس کا چارہ ہی کیا
الشَّقِيُّ مَنْ شَقِيَ فِي بَطْنِ أُمِّهِ۔ (بد لڑھکیے وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ میں بد لڑھکیے ہو چکا)
اس نے ایسا کھوٹا ٹھونک دیا ہے کہ ذرا بھی ہلنے کی گنجائش نہیں۔ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ تَشَاءَ اللَّهُ (اور ان کا چاہنا کچھ نہیں۔ اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے) نے مہر لگا دی ہے۔ یہی بھید ہے

جو کہا ہے یہ

کرا زہرہ آن کہ از بیم تو کشاید زبان جز یہ تسلیم تو
 (کس کی مجال ہے کہ تیری ہیبت سے تیری رضا کے سوا زبان ہلا سکے)۔ اے بھائی! سارا شکوہ اپنی
 بد نصیبی کا ہے۔ اور سب شکایتیں اپنی بد بختی کی ہیں۔ یہ

ماز تو محروم ترا جرمے نیست این ہمارا ز بخت پریشان ماست

(ہم تیری درگاہ سے محروم ہیں اس میں تیرا کوئی قصور نہیں۔ یہ سب ہماری بد بختی کا پھل ہے)۔ نہیں تو
 بخشش کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ گھوٹے اور کوٹے پر سورج اسی طرح چمکتا ہے جیسا چمنستان
 پر۔ ذرہ بھی فرق نہیں۔ لیکن باغ میں بڑی اچھی خوشبو ہوتی ہے اور گھوٹے سے بڑی مہک آتی ہے۔
 یہ فرق ہیں سے پیدا ہوا ہے۔ آفتاب کی کیا خطا۔ اس سے زیادہ بیان کرنا اسرارِ قضا و قدر کے
 کار خانے تک پہنچنا ہے۔ وہ ہمارے اور تمہارے جاننے کی چیز نہیں۔ اور سولے پریشانی کے اور
 کوئی نتیجہ نہیں۔ یہ

قوے بہ فلک سید قوے بہ خاک فریاد ز ہمدید تو با مشتے خاک

(ایک قوم آسمان پر پہنچ گئی۔ اور ایک قوم گڑھے میں گر پڑی۔ مشت خاک کے ساتھ تیری یہ ہیبت ؛
 فریاد ہے)۔ جس طرح ہے اور جیسا ہے اور جس وجہ سے ہے۔ لوگوں کی باتوں میں نہ رہو اور ناامید
 نہ ہو، کہ ڈاکو را ہر بنا دیتے ہیں۔ اور ایک کافر کو صدر نشین۔ اور ایک بت پرست کی زنا را تار کر
 اُس کے سر پر دستارِ فضیلت باندھ دیتے ہیں اور آذر جیسے بت تراش کے گھر سے حضرت ابراہیم
 خلیل اللہ جیسا پیدا کر دیتے ہیں۔ اس آف خاک یعنی انسان کا کام بہت اونچا ہے۔ اور اس کی ہمت
 بہت بڑی ہے۔ اگر بھوک پیاس مفلسی کسی اس کی سرشت ہے جب امانت کا آفتاب آسمان پر چمکا
 تو عالم ملکوت کے وہ فرشتے جو سات سات لاکھ برس اُس کی تہلیل و تقدیس کے باغ کی گلگشت میں
 مشغول تھے، نعرہ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ (ہم تیری حمد کی تسبیح پڑھتے ہیں) لگا کر ایک سبکس غریب
 کی طرح بویا بستر باندھ کر چلتے ہوئے اور اپنی عاجزی مان لی۔ فَأَبِیْنَا أَنْ یَحْمِلُنَهَا (اور اس بوجھ
 کے اٹھانے سے انکار کیا)۔ اسی طرح آسمان نے کہا، مجھ میں بلندی کی صفت ہے اور زمین نے کہا
 نہ میں پھیلاؤ اور کشادگی کی صفت ہے۔ پہاڑ نے کہا مجھ میں ثابت قدم رہنے کی صفت ہے اور

ہواہرات کی کان نے کہا، کہیں ایسا نہ ہو ہمارے ہواہرات برباد ہو جائیں۔ تب اس خاک کے ذرہ نے نیاز مندی کا ہاتھ فقر و فاقے کی آستین سے باہر نکالا اور اس امانت کا بوجھ اپنی جان پر بھالا اور ذرہ برابر دونوں عالم کا خیال نہیں کیا۔ اس نے کہا میرے پاس کیا ہے کہ چھین لیں گے جس کو ذلیل کرتے ہیں اس کو خاک میں ملا دیتے ہیں۔ ہم تو خاک ہی ہیں خاک کو کس چیز میں ملائیں گے۔ بہادری کے ساتھ آگے بڑھا۔ بوجھ ساتوں آسمان اور زمین نہ اٹھا سکے اپنے سر پر رکھا۔ اور

هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ (کیا اس سے زیادہ اور کچھ بھی ہے) کا لغزہ لگاتا ہوا سامنے آیا۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پچاسواں مکتوبہ

حق کی طلب میں

برادر عزیز شمس الدین سلمہ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو جانو کہ تم پر خدا کی طلب سے بڑھ کر اور کوئی فرض نہیں ہے۔ اگر بازار جاؤ تو اسی کو تلاش کرو۔ اور جب گھر آؤ تو اسی کو ڈھونڈو۔ اور اگر مسجد میں جاؤ تو اسی کی جستجو کرو۔ اور اگر شراب خانے میں گذر ہو تو اسی کو چاہو۔

من بہ خرابات دیار من بہ خرابات باقدح مے در آمدہ بہ مناجات

(میں بھیڑی میں ہوں اور میرا دوست بھی بھیڑی میں ہے۔ میری مناجات پر شراب کا پیالہ لے کر آتا ہے)۔ اگر تمھاری جان لینے کے لیے ملک الموت آئے تو اس وقت بھی طلب سے نہ رو۔ اور کہو، تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کرتا ہوں۔ رباعی

دوڑے کہ روان شود روان از برین جز نام تو بر نیاید از دست برین

گر تو بر من نہ داری انے دیر من خاک کف پائے لتست تلج بر من

جس دن بدن سے میری جان نکلنے لگے، اس وقت بھی میری زبان پر تیرے ہی نام کی رٹ لگی ہو۔ اے محبوب اگرچہ تجھ کو مجھ سے کوئی سروکار نہیں ہے لیکن تیرے تلودوں کی خاک میرے سر کا تاج ضرور ہے) نقل ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مسواک فرما رہے تھے اور ملک الموت آگئے۔ پوچھا کیا میں لوٹ جاؤں، یا جس کام کے لیے مجھ سے کہا گیا ہے بجاؤں۔ آپ نے

منہ سے مسواک نہیں نکالی اور فرمایا، تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کرتا ہوں۔ اگر تم کو دوزخ میں اتار دیں تو لازم ہے کہ طلب سے نہ رو۔ اور مالک (داروغہ دوزخ) سے کہو کہ تو میرے سر پر تھر کے انگاروں کا ہتوڑا مارے جا اور ہم طلب کی راہ میں چل رہے ہیں۔ کام کہاں کہاں پہنچ جاتا ہے۔ اور اگر تم کو بہشت میں لے جائیں، حوران بہشتی پر نظر نہ ڈالو اور جنت کا محل نہ دیکھو، طلب کی راہ میں دوڑتے رہو۔ اور یہ باتیں کہو

گرمرد و جہاں دہند مارا ✓ چون وصل تو نیست بے نویم
 مفسادہ محمد علی قضاہ لا اگر مجھ کو دونوں جہان کی دولت دیدیں اگر تیرا وصال نہیں تو میں مفلس ہوں۔ طلب کے راستے کی پہلی منزل نیاز مندی اور انکساری ہے۔ اور بزرگوں نے کہا ہے۔ یہ نیاز خدا کا قاصد ہے جو بندہ پر مقرر کیا گیا ہے جب نیاز اُس کے سینے میں رکھا گیا، اُس کی توجہ خدا کی طرف ہونے لگی۔ اس راہ کے مبتدیوں کو نیاز کی محبت عطا کرتے ہیں کچھ دنوں نیاز کے راستے میں چلنے کے بعد نیاز ہمت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور پیران راہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مریدوں کی ہمت کے حجرے کے سوا محبت کہیں قیام نہیں کرتی۔ ایک ماہ تک مرید ہمت کے راستے میں چل چکا تو ہمت طلب بن جاتی ہے۔ اس طلب کو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے خالق کی شاہراہ میں کھینچ لیتے ہیں۔ اور اس کی درگاہ اس طلب کا نقارہ بجاتے ہیں کہ مَنْ طَلَبَنِي وَجَدَنِي (جس نے مجھ کو ڈھونڈا، اُس نے مجھ کو پا لیا)۔ اس وقت پکارتے ہیں کہ اے بلندی و پستی، اے بہشت و دوزخ، اے عرش و کرسی ہماری جستجو کرنے والوں کے راستے سے ہٹ جاؤ۔ یہ ہماری طلب میں نکلے ہیں اور ہم ہی ان کے مقصود و مطلوب ہیں۔ اگر ایسا تمھارے سامنے کیا جائے تو تمھاری ہستی کی کوئی چیز باقی نہ رہے۔ اور یہ مرتبہ جو کہا گیا اس راستے میں بندے کی معراج ہے۔ اور اس راستے میں کوئی قدم نہیں رکھ سکتا، مگر یہ کہ اُس کے غم و ارادے کے مطابق ایک معراج ہوتی ہے۔ انبیاء کے لیے ظاہری اور باطنی معراج ہے۔ یعنی اولیا کو باطنی معراج ہوتی۔ جو لوگ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کا دم بھرتے ہیں ان کے مرتبے اور ہمت کے موافق ان کو بھی معراج ہوتی ہے۔ اور یہ مضبوط بنیاد ہے۔ اے بھائی! ایسی چالاک کی اور چستی چاہیے۔ جو ریاضت کی تلوار سے بددماغی کا گلا کاٹ دے۔ اور مجاہدے کے زور سے نفس پرستی کو نیست و نابود کر دے۔ اور دونوں جہان سے باہر نکل آئے۔ اور جہان پر قدم رکھے۔ اگر

اگر اس کی ہمت کی آنکھ میں دونوں جہان کی ذرہ بھر کوئی چیز سمائے تو اس راستے کے لیے درست نہ جائے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے **لَنْ يَصِلُوا إِلَى الْاُكْلِ اِلَّا مَنْ انْقَطَعَ عَنِ الْكُلِّ**۔ (کوئی شخص کل تک پہنچ سکتا جب تک کہ کل سے جدا نہ ہو جائے جیسا کہ بزرگوں نے کہا ہے۔ اگر معراج کی رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کی طرف نظر فرماتے تو وہیں روک لیے جاتے۔ اور قاب قوسین کی خلوت تک نہ پہنچائے جاتے۔ قطعہ

ہر خسے از رنگ گفتارے درین رہ کے رسد درو باید پردہ سوزد مرد باید گام زن
 باد و قبلہ در رہ توحید نتوان رفت راست ✓ یا ہواے دوست باید یا ہواے خویشتن
 رہ آدمی اپنی چکنی چٹری باتوں سے اس راستے میں کیونکر پہنچ سکتا ہے۔ اس کے لیے ایسے درد کی ضرورت ہے جو پردوں کو جلا ڈالے۔ اور ایسا مرد چاہیے جو قدم بڑھاتا جائے۔ توحید کے راستے میں دو قبلہ کو پیش نظر رکھ کر سیدھا چلنا محال ہے۔ یا اپنی خواہش رکھ یا دوست کی طلب۔ نقل بیان کی جاتی ہے کہ جب حضرت آدم صلوٰۃ اللہ علیہ وسلم بہشت میں پہنچے تو شریعت کا حکم تھا **وَلَا تَقْرُبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ** اس درخت کے قریب نہ جاؤ اور طریقت کا فرمان تھا **اهْبِطُوا مِثْنًا** (یہاں سے نیچے اتر جاؤ)۔ شریعت کہتی تھی اس درخت تک ہاتھ نہ لے جاؤ۔ اور طریقت کہتی تھی سب میں آگ لگا دو۔ حضرت آدمؑ نے کہا، یہاں بہشت کی آرائشیں اور نعمتیں ہیں اور ہماری سرداری بھی قائم ہے۔ مگر ہمارا دل چاہتا ہے کہ کسی دن اپنے غم درخ کے مکان میں جاتے کہ ہماری باتوں کا اس سرداری کے ساتھ بیٹنا ٹھیک نہیں۔ سو ابھی (راز میں راز ہے) آواز آئی اے آدم مسافرت کی سختیاں بھیلنا چاہتا ہے! انھوں نے کہا کیوں نہیں؟ ہمارے سامنے ایک بڑا کام ہے۔ کہا گیا کہ ہمیں کام بنائے۔ آپ نے کہا یہاں کے کام سے وہاں کا کام زیادہ بڑھ چڑھ کر ہے۔ رضوان (جس کے سپرد بہشت کا نظم و نسق ہے) اور فرشتے (جو یہاں کے خدمت گار اور نوکر ہیں)۔ انھوں نے کہا۔ آپ جانا تو چاہتے ہیں۔ مگر سلامتی کے گھر کو ملامت خانے میں بدلنا پڑے گا۔ اور سر سے پگڑی اتارنا پڑے گی۔ اور تاج کی جگہ بے کسی کی خاک سر پر اڑانا پڑے گی اور اپنا نیک نام و عصائی آدمؑ ربہ (آدم نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی) کی ملامت سے تبدیل کرنا ہوگا۔ حضرت آدمؑ نے کہا۔ میں سب منظور ہے۔ ہم نے جہان میں آواز دیدی ہے کہ کسی نعمت سے ہم کو سر دکار نہیں۔ اور خلافت کے دولت خانے کو لٹا دیا۔ قطعہ

کار ازین خوب تر کدام کنم
خوشتن بنده تو نام کنم
بیج ناند لشیم از ملامت خلق
ہر گجا بنیت سلام کنم

(میرے لیے اس سے اچھا کون سا کام ہو سکتا ہے کہ اپنے کو تیرا غلام بنالوں۔ لوگوں کی لعنت ملامت کا کچھ خیال نہ کروں۔ جہاں بھی تجھ کو دیکھوں سلام کروں)۔ تاکہ تو یہ نہ کہے کہ آدم سے ہمیشہ پھین لی بلکہ یہ کہا جائے کہ آدم کو ہمیشہ سے بلا لیا۔ جلا ہوا دل مرغ کے کباب کی لذت نہیں لیتا۔ دل چلے اور چوٹ کھائے ہوئے حور و قصور اور ہمیشہ کو نہیں دیکھتے۔ اور اس پانی مٹی کو تھوڑا نہ سمجھو۔ جو کچھ ہے وہ آٹ خاک ہی میں ہے۔ اور جو کچھ پیدا کیا گیا وہ آٹ خاک ہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ دوسری مخلوقات دیوار کی تصویریں ہیں۔ کہا گیا ہے کہ جب محبت کا شہباز غرت کے گھولسلے سے اڑا تو عرش پر پہنچا۔ وہاں بزرگی دیکھی۔ اس کو چھوڑا اور کرسی کے مقام میں پہنچا یہاں وسعت دیکھی اس کو بھی چھوڑا۔ آسمان پر پہنچا، بلندی دیکھی اس کو بھی چھوڑا اور زمین پر پہنچا۔ یہاں محنت اور مشقت دیکھی میں ٹھہر گیا۔ لوگوں نے کہا تعجب ہے کہ تو نے یہ کیا کیا! اس نے کہا میں محبت ہوں اور یہ محنت ہے۔ مجھ میں اور اس میں ظاہری تمیز صرف نیچے اور اوپر کے نقطے کی ہے۔ اور عالم صورت اور عالم معنی کے جاتے والے خود ہی جانتے ہیں۔ اے بھائی! امید باندھے رہو اور جہاں تک اور جب تک ممکن ہو سکے قدم بڑھاتے رہو کہ اتنی بڑی دولت فضل و کرم ہی سے مل سکتی ہے۔ حق جتا کر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر اپنے کو مستحق سمجھتے، تو ہمارے تمھارے حصہ میں ذرہ بھی میسر نہ ہوتا۔ مگر بیج سے سبب اٹھا دیا۔ یہاں تک کہ جس قدر پاک نفس لوگ امید رکھتے ہیں اس سے ہزار گونہ گستاخ اور ناپاک لوگ امید لگائے بیٹھے ہیں۔ وہ گھورا جو کتوں کی جگہ ہوتی ہے ہو سکتا ہے کہ کسی دن بادشاہوں کا صدر مقام بن جائے۔ مگر بیج میں اسباب حائل ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ کچھ بنو، اور کوئی مرتبہ حاصل کرو تو ضروری ہے کہ جس قدر تمھاری ذات میں آلودگی اور شوریدگی ہے اس سے آگے بڑھو۔ اور چند قدم چل کر شریعت کی سرکار سے سواری اور زاد سفر، اور حقیقت کی بارگاہ سے راستے کے لیے بدرقہ لو۔ دوسری باتیں اور قصے پھوڑو۔ جو دل کو واقعی دل کھلانے کا مستحق ہے آج بھی اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔ کل بھی لگا رہا ہے گا۔ آج اپنے عشق اور دلوے میں مگن ہے۔ کل راحت و ذوق کی لذت میں مست رہا ہے گا۔ اور کہا گیا ہے جو لوگ غم و رنج سے بھرے ہوئے ہیں۔ قیامت کے

دن جب اٹھیں گے تو اپنے سینے کو دیکھیں گے۔ اگر ذرہ برابر بھی اس اندوہ اور غم کو کم دیکھیں گے تو ایسی چیخ ماریں گے کہ آٹھوں بہشت کو اس کی تاب نہ ہوگی کہ اس کے سامنے آسکے۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اکا و نواں مکتوب ۵

اللہ کی طرف جانے کے راستے کے بیان میں

بھائی شمس الدین اللہ تم کو اپنا راستہ دکھائے۔ جانو کہ خواجہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کَیْفَ الطَّرِيقِ اِلٰی اللّٰہِ (خدا تک پہنچنے کا کون سا راستہ ہے۔ آپ نے جواب دیا اِنْ غَبِثَتْ عَنِ الطَّرِيقِ تَصِلُ اِلٰی اللّٰہِ (جب تم راستے سے غائب ہو جاؤ تو خدا تک پہنچ جاؤ گے)۔ اس سے سمجھ لو کہ جب راستہ دیکھنے والا خدا کا دیکھنے والا نہیں ہو سکتا، تو جو خود میں ہے وہ حق میں کیوں کر ہو سکتا ہے۔ ہم کو اور تم کو صرف بننے اور سنوئے سے کام ہے ہمیشہ اپنے ہی کو دیکھا کرتے ہیں۔ حق کی بندگی کبھی نہیں کرتے۔ گویا اپنی ہی پرستش کرتے ہیں۔ اگر ہماری اور تمہاری آنکھ اپنے نفس کی جہالت پر پڑ جائے تو کبھی مسلمان ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ اور یہ اس وقت معلوم ہوگا جب شریعت کے پیالے میں سے کوئی بوند تمہارے حلق میں ٹپکے اور تمہاری خوش نصیبی کی آنکھ کھل جائے اس وقت اس شعر کا مطلب ظاہر ہوگا جیسا کہ کہا ہے۔

توبہ کردم ز ہر چہ دانستم نامہ چون نام تو ز بر کردم

(جو کچھ میں جانتا تھا اُس سے توبہ کر لی۔ اور تیرا ہی نام یاد کر لیا)۔ کہا گیا ہے کہ خدا کی بے نیازی کا آفتاب جب عالموں کے علم کے دریا پر چمکا، سارے دنیا سوکھ گئے۔ ان میں ذرا بھی تری باقی نہ رہی۔ ان سے کہا گیا اے بزرگو! تمہاری کنجی سے تو سب قفل کھل جاتے تھے تمہارے ہی دروازے کیوں بند ہو گئے۔ کچھ سمجھتے ہو ایسا کیوں ہوا۔ دنیا کے کاروبار میں ستاروں کو جس قدر دخل ہے وہ اسی وقت تک ہے جب تک سورج طلوع نہیں ہوا ہے جب آفتاب بلند ہوا ستاروں کا وجود اور ان کا کاروبار ماند پڑ کر ختم ہو گیا۔ اس سے

سمجھو کہ ہستی جو ایک تنکے کے برابر ہے اس میں اتنی طاقت کہاں کہ توحید کی بجلی کے سامنے ٹھہر سکے۔
 جب اس کے علم کا آفتاب چمکتا ہے سارے علم جہل سے بدل جاتے ہیں۔ جب اس کا ارادہ ظاہر ہوتا ہے ساری
 خواہشیں ایک ایک کے کاٹ دی جاتی ہیں۔ جب اس کی قدرت کا مظاہرہ ہوتا ہے تمام قدرتیں غریب جاتی ہیں۔
 جب اس کی غرت کا جلال سامنے آتا ہے تو سارے جلال اور ساری بزرگیاں ذلت کی خاک میں ملیا میٹ
 ہو جاتی ہیں۔ جب کبریائی کا پردہ توحید کے رخسار سے اٹھ جاتا ہے تو کل موجودات مٹ مٹا کر
 نیست نابود ہو جاتے ہیں۔ جہاں تک تم سے ہو سکے مالک بننے کا دعویٰ نہ کرو۔ تم سے دوکان نہیں
 چھینتے۔ اور اس کی پوجنی کے متعلق کوئی جھگڑا اور دشمنی نہیں ہے۔ مگر اپنے کو بھولو نہیں۔ بڑھ چڑھ کر اپنا نام
 نہ لیا کرو۔ کبھی نہ کہو ہم ایسے اور ویسے ہیں۔ اس دعوے کا وہی نتیجہ ہوگا جو فرعون کے ساتھ ہوا۔ جب اُس نے
 کہا اَنَارُبُّکُمْ اِلَّا اَنَا (میں تمہارا بزرگ و تر پروردگار ہوں) اور تمہارا نفس عبا قبا پن کر لیتا ہے
 اَنَارُبُّکُمْ اِلَّا صَغُرُ (میں تمہارا چھوٹا پروردگار ہوں)۔ تمہارا نفس بھی وہی فرعون کی کرتا ہے جیسا کہ
 فرعون کے نفس نے کی۔ مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ فرعون کا نفس جیسا گمراہ تھا ویسا ہی اُس نے
 اپنے کو دیکھا۔ اور تمہارا نفس مسلمان کا لباس پہن کر تمہارے ہاتھوں اپنے کو بیچتا ہے۔ اور تم مارے غرور
 کے مست ہو جاتے ہو۔ اس کا بھی وہی دعویٰ ہے جو فرعون کا تھا۔ مگر یہاں اپنی جان کا ڈر ہے کہ اگر اپنے کو
 ظاہر کرے اور کھلم کھلا میدان میں نکل آئے تو مار ڈالا جائے۔ ہرگز ہرگز مالک بننے کی خواہش نہ کرو۔ غلام ہی
 بنے رہو۔ کیونکہ یہاں توحید کی تنگی تلوار سر پر لٹک ہی ہے جس نے سر اٹھایا وہیں کاٹ دیا گیا۔ جس طرح
 ابلیس نے دعویٰ کیا اُس کا سراڑ ادا کیا۔ بندے کی نہ کوئی ملک ہے نہ کوئی حکومت۔ اس کو لازم ہے کہ جو
 کچھ بھی کرے خدا کی مرضی پر کرے۔ اپنی خواہش اور اختیار سے کچھ نہ کرے۔ قرآن کریم کہتا ہے ضَوَّبَ
 اللّٰهُ مُثَلًّا عَبْدًا مَّمْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ (اللہ نے مثال دی خریدے ہوئے غلام کی کہ اس کو
 کسی چیز پر قدرت نہیں) اور اس شخص کو علم و معرفت درکار ہے۔ اور کسی پیر کا سایہ۔ اس لیے کہ مرید کو
 یہ دولت بغیر ایسے پیر کے جو تجربہ کار اور راستے کے گرم دسرد کا فراچک چکا ہو، حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ
 ایسا کہا گیا ہے مَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ اُسْتَاذٌ فِي الدِّينِ فَاِمَامُهُ ابْلِيسُ (جس شخص کا دین کی راہ
 میں کوئی استاد نہیں اس کا پیشوا شیطان ہوتا ہے)۔ اور عالموں نے ایسا کہا ہے اَلْعِلْمُ يُوْحَدُ
 مِنْ اَفْوَاهِ الرِّجَالِ (علم لوگوں کی گفتگو سے حاصل کیا جاتا ہے)۔ جو کوئی اپنی طبیعت اور اپنی خواہش سے

کسی معاملے کے سمجھنے کی کوشش کرے اور سمجھ بھی لے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی پٹھے لکھے نے کتاب دیکھ کر یاد کر لیا ہو اور اس کو بیان بھی کر سکتا ہو۔ ایسا شخص اگرچہ عالم ہوگا مگر دلیسا عالم نہ ہوگا۔ اور صحیح و درست نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کا کوئی استاد نہیں ہے۔ تو سمجھ لو کہ اگر تم بدل گئے، لقمہ بھی بدل گیا اور تمھارے کام بھی بدل گئے۔ نہیں تو اگر تم ہزاروں مرتبہ لباس اور لقمہ بدل ڈالو گے اور اپنے کو اس گروہ میں چھپا لو گے تاہم جب تک تم خود نہ بدلو گے ان باتوں کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس گروہ میں گردش بہت بڑی چیز ہے۔ خلوت نشینی اور چلہ کرنے اور ریاضت کا اصل مقصد ہی گردش ہے۔ کیونکہ بغیر گردش کے کسی شخص کی روش اور طریقہ درست نہیں ہو سکتا۔ جس کسی کو دیکھو کہ بظاہر بُرے حال میں ہے۔ وہ جیتہ و دستار و عبادت و قبا اور سفید نیلے کپڑے کی فکر اور اندیشے میں پڑا ہوا ہے اس کو سمجھو کہ وہ اپنی گھات میں لگا ہوا ہے۔ اور اپنی ہی پرستش کر رہا ہے۔ یا اپنی غلامی کو یا دین کی غلامی کر دے اَلصِّدِّاقِ لَا يَجْتَمِعَانِ (آپس میں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں، ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے)۔ اگر تمھارے دل میں ذرا بھی اس کی خواہش ہو کہ لوگ تمھاری آد بھگت کریں۔ اور دنیا والوں کی آنکھ میں تمھارا اغوا اور مرتبہ بڑھے تو سمجھ لو کہ اچھوٹی ہو گئی۔ اگر کوئی شخص تمھارا مضحکہ اڑائے اور تم اس پر غصہ ہو اور سمجھو کہ اس نے تمھاری بے غنی کی ہے تو یہ جان لو کہ تم اسی طرح کے دشمن ہو۔ یا مالک نے تم کو اب تک قبول نہیں کیا ہے۔ تم کو اپنی ہی ہستی میں لوٹ جانا پڑے گا۔ اور رنگ رنگ کے کپڑے بدلنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اگر اتنی قدرت بھی حاصل ہو جائے کہ ایک گدڑی پر ہزار برس گزار سکتے ہو، اور پوری زندگی ایک پتی کھا کر بسر کر سکتے ہو۔ اور حجرہ کا دروازہ بھی بند کر دو تاکہ کوئی تم کو دیکھ نہ سکے۔ یہاں تک کہ گرمی کے دنوں میں پرندے تمھارے سر پر سایہ کرتے رہیں۔ اس وقت چونکو اور ہوشیار ہو جاؤ تاکہ کہیں غلط راستے پر نہ پڑ جاؤ۔ کیونکہ نفس کا فریب اور مکر ہے۔ جب تک تمھارے بدن کا رُواں رُواں تمھارے کفر کی گواہی نہ دے اور تم پر لعنت طاعت نہ کرے دولت کا دروازہ تم پر نہیں کھل سکتا۔ اور دین کا شہنشاہ تم کو اپنی جہت میں نہیں لے سکتا۔ سمجھ لو کہ جو کوئی بغیر کسی کی مدد کے اپنے پاؤں پر کھڑا ہوتا ہے وہ آپ ہی آپ گر پڑتا ہے۔ یہیں سے پیروں کی غرت اور قدر سمجھو۔ تم دیکھتے ہو گے کہ جاڑوں میں سانپ اور بچھو اپنی اپنی جگہ سے ادھر ادھر نہیں نہیں جلتے۔ اور کسی کو نہیں ڈستے۔ ایسا اُن کی پرہیزگاری اور نیکی کی وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ موسم کی ٹھنڈک ان کو شرارت کا موقع نہیں دیتی جب موسم بدلا اور گرم

ہو اُس چلتے لگیں۔ اس وقت ان کے کروت اور بچپن کا تماشہ دیکھو کہ کس طرح ستانے لگتے ہیں انسان کا نفس اس کا سانپ اور بچہ ہے اور اس کا ڈنک انسان کی زبان ہے۔ کچھ دنوں گوشہ نشین ہو کر نیکیوں اور تقویٰ کا مظاہرہ کرتا ہے۔ تم کچھ سمجھے وہ کیا ہے۔ اس کی مراد برہنیں آئی ہے۔ اور اس کی سرداری کے مقصد میں گڑبڑی پیدا ہو گئی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس گڑبڑی کو ان شیطانی دھندوں سے چھپا دے جیسا کہ تم نے بھی بڑے بڑے جنادریوں کو دیکھا ہو گا کہ جب اپنے کام سے نکال دیے جاتے ہیں اور ان کے اختیارات چھین جاتے ہیں تو وہ مصلے پر بیٹھ کر قرآن شریف کی تلاوت میں محو ہو جاتے اور نفل روزے اور نفل نمازیں پڑھا کرتے ہیں۔ لمبے لمبے وظیفے شروع کر دیتے ہیں۔ اب جو کوئی ان کے پاس جاتا ہے تو اس سے کہا کرتے ہیں درحقیقت اصل کام یہی ہے۔ اور وہ سب کچھ بھی نہ تھا۔ ہم پر خدا کی رحمت نازل ہوئی کہ ان گزشتہ کاموں سے ہٹا دیے گئے۔ اگرچہ یہ باتیں حقیقتاً بالکل صحیح اور درست نہیں مگر وہ شخص اس بات کا اہل نہیں ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر وہی کام اور وہی درجہ اس کو پھر دے دیا جائے اور اس کے اختیارات دوبارہ سپرد کر دیے جائیں تو خوشی کے مائے پھولے نہ سمائے گا۔ اور یہ نغمہ اس کی زبان پر ہو گا۔ ع چنان خوش حالتے دارم کہ در عالم نمی گنم (اس وقت میں اتنی اچھی حالت میں ہوں کہ خوشی کے مائے دنیا میں نہیں سما سکتا)۔ اور بڑے دھوم دھام سے بزرگوں کی درگاہ میں نیاز چڑھائے گا۔ اور جو شخص اس طرح اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو کر حکمی چٹری باتوں کے لیے زبان کی شافی کرتا ہے گویا زہر میں تلوار بھیناتا ہے۔ تاکہ یہی تلوار لوگوں پر چلائے۔ اور اپنی جہالت کی وجہ سے اپنے نفس کے زہر کا دین کی غیرت نام رکھتا ہے۔ اور اپنی حماقت اور جہالت سے نفس کی غرت کو شریعت کی سختی بتاتا ہے۔ دیکھو ہوشیار ہو۔ اس کی ان باتوں پر رنج نہ جاؤ تاکہ گمراہی سے بچ سکو اس سے معلوم ہو گیا کہ کسی پیر کی رہبری کے بغیر اس راستہ میں قدم رکھنا درست نہیں جیسا کہ بزرگوں نے کہا ہے کہ محسوسات کے عالم میں وہ روحیں جو استغراق میں محو ہیں ان کی مثال یوں ہے کہ کوئی چڑیا جال میں پھنس گئی۔ وہ جتنا اچھلے گی کو دے گی اور پھر پھڑپھڑائے گی اسی قدر زیادہ پھندے میں الجھ کر رہ جائے گی۔ اُس کی رہائی کے لیے کسی دوسرے شخص کی حاجت ہے کہ وہ ان پھندوں کو کھولے۔ پیر کا وہی کام ہے۔ پیر بھی پیغمبروں کی طرح ہے جو امتوں کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ ان سب پر درود و سلام۔ اور دوسرا بھی یہ ہے کہ شروع شروع مرید کا دل ایسا نہیں ہوتا جو خدا کے انوار

اس میں دکھائی دے سکیں کیونکہ وہ چمکا ڈر کے مشابہ ہے جس کی آنکھ سورج کی چمک کی تاب نہیں لاسکتی اندھیرے میں جلنے سے بھٹکنے اور موت کا ڈر ہے تو پھر ایسی روشنی کی ضرورت پڑتی ہے جو آفتاب سے کچھ کم ہو تاکہ اس سے فائدہ اٹھائے اور ایسی روشنی کی مدد سے راستہ چل سکے ایسی روشنی پھیلانے والا پیروں کا دل ہوتا ہے۔ اللہ ان سب سے راضی رہے جس طرح سورج سے چاند روشنی حاصل کرتا ہے اسی طرح ان کا دل بھی غیب سے کسب نور کرتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب مرید کے دل میں تلاش و جستجو کا درد اٹھتا ہے تو اس کے علاج کے لیے تدبیر سوچتا ہے۔ مگر کچھ جانتا نہیں کہ اس کا علاج کیا ہے جب خدا کی نوازش و مہربانی اس کو کسی پیر کے آستانے تک پہنچا دیتی ہے تو اس پیر کے باطنی رشد و ہدایت سے اس کو دوا مل جاتی ہے۔ اور پیر کے دل کے ذریعہ جذبہ حق کی خوشبو اس کے دماغ میں پہنچ جاتی ہے۔ اب یہاں سردال دیتا ہے اور اس کو آرام و سکون مل جاتا ہے اسی کا نام ارادہ ہے۔ اے بھائی! اس آپ گل یعنی انسان کے ساتھ خدا کے بڑے بڑے اسرار اور خشیں ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جب ملک الموت اس امت کے کسی شخص کی روح نکالنے کا قصد کرتا ہے تو اس وقت اس کو خدا کو حکم پہنچتا ہے کہ پہلے میرا سلام تحیت اس کو کہہ اس کے بعد جان نکالنے کے لیے ہاتھ بڑھا۔ تم نے قرآن شریف میں پڑھا ہو گا کہ قیامت کے دن مومنوں پر خداوند کریم بغیر کسی واسطے کے سلام بھیجے گا۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبِّ الرَّحِيمِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (بڑی مہربانی والے پروردگار کی طرف سے سلام و کلام سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں ہے) اس کا سلام و کلام ازنی ہے۔ اگر اس کا قدیم ارادہ اس مشیت خاک انسان پر انعام و اکرام کا نہ ہوتا تو روز ازل میں ان پر سلام نہ بھیجتا۔ ایک بزرگ نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ دیباچی

آن را کہ ز محبوب سلامی باشد در حضرت ابد و پیامی باشد

در حلقہ بند گالشی خورشید منیر قصہ چہ کنم کم از غلامی باشد

(جس خوش نصیب کو اس کے دوست کا سلام پہنچتا ہو اور اس کی بارگاہ سے برابر پیام آتے ہوں اس کی محفل میں اس تابناکی کے باوجود آفتاب کی حیثیت ایک غلام کے برابر بھی نہیں)۔ معراج کی رات میں خداوند تعالیٰ نے پہل کی اور فرمایا السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ (اے نبی تم پر سلامتی ہو)۔ ایک بزرگ یہاں ایک نکتہ بیان کرتے ہیں کہ جب بچہ ہوئے دو دوست جدائی

کے بعد آپس میں ملتے ہیں تو پہلے وہ سلام کرتا ہے جس کے دل میں شوق و دلول زیادہ ہوتا ہے۔
 اَنَا إِلَيْهِمْ أَشَدُّ شَوْقًا (میں ان کے لیے بہت زیادہ مشتاق ہوں)۔ اس کا یہی مطلب ہے۔ اور وہ
 جو کہتے سنا ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کے ساتھ سلام کرنے میں
 بیعت فرماتے تھے تو اسی سنت کو برتتے تھے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا ولوال مکتوب ۵۲

گفتار اور رفتار کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین تم کو اللہ اپنے علم و معرفت سے مشرت کرے۔ جانو کہ سارے
 علمائے گفتگو اور لفظ کو اصل ٹھہرایا ہے اور رفت یعنی روش کی بنیاد گفتگو پر قائم کی ہے۔ انہوں
 نے کہا ہے کہ پہلی چیز گفت ہے اس کے بعد رفت ہے۔ اور رفت کو اس کا فرزند قرار دیا ہے جب تک گفت
 صحیح نہ ہو رفت صحیح نہیں ہو سکتی۔ ان لوگوں نے جو علم حاصل کیا، کان اور زبان کے راستے سے حاصل
 کیا ہے۔ اور حقیقت والوں نے جو علم سیکھا وہ امام کے ذریعہ سیکھا ہے۔ خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ
 نے فرمایا حَدَّثَنِي قُلْتُ عَنْ رِبِّي (میرے دل نے میرے رب کی بات مجھ سے بتائی)۔ اور یہ اس
 وقت ہو گا جب اس شخص کے دل میں شریعت کے احکام جمع ہو گئے ہوں۔ اور یہ دولت شریعت کی
 روش پر چلنے کی برکت سے نصیب ہوتی ہے۔ اور حقیقت والوں نے ایسا کہا ہے کہ علم گفتگو نہیں
 ہے۔ علم دوسری چیز ہے اور گفتگو دوسری چیز ہے۔ زبان کا علم کے ساتھ کوئی لگاؤ نہیں۔ علم وہ ہے جو
 دین کے راستے میں آدمی کے کام آئے۔ اور علم کے ساتھ لفظ کی حیثیت مجاز کی حیثیت ہے علم میں
 صدق کی صفت ہوتی ہے اور علم کا وجود سوائے عالم حقیقت کے اور کہیں ہوتا۔ اور زبان کی حکومت
 حروف پر ہے اور حرف ختم ہونے والی چیز ہے۔ اور علم دل سے نکلتا ہے۔ اور دل کے لیے
 فنا نہیں ہے، اس کا تعلق عالم حقیقت سے ہے۔ اور ہر شخص کو خدا علم نہیں دیتا۔ مگر گویائی سے
 کسی کو محروم نہیں رکھتا۔ زبان کی لغت ہر شخص کو دی ہے۔ پرندے بھی زبان رکھتے ہیں مگر دل نہیں
 رکھتے۔ چونکہ ان کے پاس دل نہیں ہے اس لیے علم بھی نہیں ہے۔ اگر کسی چڑیا کو کسی کا نام سکھایا

جائے تو سیکھ جائے گی۔ مگر فرق نہیں کر سکتی۔ اگر موسیٰ اور عیسیٰ کا نام کسی چڑیا کو سکھایا جائے تو سیکھ لے گی۔ یہیں سے خواجہ داسلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ سبھی آسمان والوں میں تسبیح و تہلیل ہے مگر دل نہیں ہے۔ دل وہ ہے جو حضرت آدم اور ان کی اولاد کے سوا کسی کو نہیں دیا گیا۔ علم کا کام یہ ہے کہ اختیارات اور خواہش نفسانی کی طرف تم کو بھٹکنے نہ دے اور تم کو خدا کا راستہ دکھائے اور اوراہیر بنے۔ لیکن وہ علم جو شہوات نفسانی اور خواہشات نفسانی کی طرف تم کو لے جائے اور ظالموں اور گمراہوں کے پاس پہنچانے کا ذریعہ ہو اُس کا نام علم نہیں ہے۔ بلکہ وہ گمراہوں کا جال ہے۔ علم وہ ہے جو تم کو صدارت کی مسند سے اٹھا کر پائنتی بٹھا دے اور گفتگو کرنے سے زبان گونگی کر دے اور تم کو لڑائی جھگڑوں سے چھڑا دے۔ نہ وہ کہ سرداری کی پگڑی تمھارے سر پر باندھے اور تکیہ و غرور کا ٹپکا تمھاری کمر پر کس دے۔ علم وہ ہے جو تمھاری ذلت و رسوائی کا آئینہ لا کر تمھارے سامنے رکھ دے۔ اگر کوئی مسلمان تمھارے سامنے آجائے تو اس سے اپنا دامن سمیٹ لو اور کہو جناب کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کا پڑانا پاک ہو جائے۔ ایک پیر اپنے مریدوں کے ساتھ راستہ چل رہے تھے چند کتے اُن کے سامنے آگئے۔ ان کو دیکھ کر مریدوں نے اپنے دامن اٹھالیے۔ پیر صاحب نے بھی اپنا دامن کھینچ لیا۔ پیر صاحب نے مریدوں سے پوچھا کہ دامن اٹھانے سے تمھارا مقصد کیا تھا اُن لوگوں نے کہا کہ کہیں ہمارے کپڑے گندے نہ ہو جائیں اور نماز کے قابل نہ رہیں۔ اُنھوں نے فرمایا میری غرض یہ تھی کہ کہیں میرے دامن سے وہ کتا ناپاک نہ ہو جائے۔ ان لوگوں نے اپنے کو ایسا ہی دیکھا ہی۔ اور سمجھا ہے۔ تو تمھارے لیے بھی ضروری ہے کہ اگر کسی مسلمان کو راستہ چلتے دیکھو تو خود دُور ہٹ کر اُس کے لیے راستہ چھوڑ دو۔ جس طرح کفار مسلمان سے کرتے ہیں۔ جب اپنی بے غرتی اور رسوائی تم کو ارا کر دو گے تو غرت کا تاج تمھیں پہنایا جائے گا۔ خواجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ مریدوں کے ساتھ عقل مندوں کی محفل میں گئے۔ آپ نے فرمایا مجھ سے سوال کیجیے۔ اُن لوگوں نے آپ سے پوچھا سب سے زیادہ عقل مند کون ہے؟ آپ نے فرمایا میں ہوں۔ پھر دوسرا سوال کیا۔ سب سے زیادہ احمق اور جاہل کون ہے؟ آپ نے کہا۔ وہ بھی میں ہی ہوں۔ ان لوگوں نے کہا۔ اس بات کا مطلب بیان فرمائیے۔ آپ نے کہا۔ سب سے زیادہ اپنے عیب کا جاننے والا میں ہوں لہذا عقل مند ہوں۔ اور دوسروں کے عیب کو بالکل نہ جاننے والا بھی میں ہی ہوں، اس لیے جاہل ہوں۔ خدا کے راستے کے

جانتے والوں نے جو تلوار چلائی ہے وہ اپنی ہی گردن پر چلائی ہے۔ اس زمانہ میں روش اور علم کے دعوے کے باوجود دوسروں کے سر پر تلوار مارتے ہیں اس لیے اس کا کوئی پھل نہیں پاتے۔ اور عالموں کا دوسرا گروہ ہے جس کے دل میں خدا کا ڈر لگا رہتا ہے **وَإِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ** (خدا کے بندوں میں سے جن کو خدا کا ڈر ہے وہ علماء ہیں) ظاہر ہوا کہ علم خدا کی خشیت کے صدف کا موتی ہے جب کہ خشیت کے سیپ میں تم کو موتی نہ ملے تو سمجھ لو کہ اس کے سینے کے دریا میں علم کا گوہر نہیں۔ اور خشیت کے یہ معنی ہیں کہ اپنے نفس کی خواہش پر نہ چلے۔ اگر تمھارے راستے میں کوئی چوٹی آتی ہو تو ضروری ہے کہ تم اس کے لیے راستہ پھوڑ دو۔ اور اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالو۔ جن حضرات نے دو حرف پڑھ لیے، یا اُن کی کل کائنات صرف دو درپے ہیں۔ یا اس پر غرہ ہے کہ دین کے راستے میں چند قدم چلے ہیں وہ بھی مشکل سے تو اُن کا یہ حال ہے کہ سارے شہر میں کسی کو اس قابل ہی نہیں سمجھتے کہ آئیکھ ملا کر اس سے باتیں کریں۔ حالانکہ اتنا شعور بھی نہیں کہ مجلسوں میں کس طرح بیٹھا جاتا ہے۔ سر پر علم اور کاغذ پر مصلحہ رکھے ہوئے ہیں۔ اور شجی کے مارے جہان میں سماتے ہی نہیں۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ جہاں علماء کے علم کی سرحد کی انتہا ہوتی ہے مرید کے ارادت کی وہاں سے ابتدا ہوتی ہے۔ ارادت جب جلوہ دکھاتی ہے تو مرید پہلی خلعت پہنتے ہی خودی سے باہر نکل آتا ہے۔ اور دوسری خلعت وہ ہے کہ اس وقت جن جن چیزوں کو جمال حق کی صورت میں دیکھتا تھا اب اُن کو بد صورت اور بُری شکل میں دیکھے گا۔ بہت سنبھل سنبھل کر آہستگی سے چلے گا۔ اور آخر میں یہ ہوگا کہ ارادت کا شعلہ اس کی ہر چیز کو جلا دے گا۔ اس کے بعد کبر کے عالم میں گھنس جاتا ہے۔ اور یہ اس طرح ہوتا ہے کہ کہیں کہیں اُس کو روشنی نظر آنے لگتی ہے۔ اہل کی باتوں سے لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔ کیونکہ دوسرے لوگوں کی باتوں سے اس کی باتیں ملتی نہیں۔ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ اب ہم ایک ایسے مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں کوئی نہیں پہنچتا ہے۔ وہ ہیں ڈیرا ڈال دیتا ہے۔ چرب زبانی اور دل لہجانے والی باتیں شروع کر دیتا ہے۔ مگر یہ سب نفس کا فریب ہوتا ہے۔ وہاں پر پیر کی ضرورت ہے تاکہ اس بیچ دار مقام سے اس کو باہر نکال سکے۔ اور ٹھہراؤ سے حرکت میں لائے۔ کیونکہ اس روشنی میں تاریکی سے کہیں زیادہ پردے ہیں۔ یہیں سے کہا گیا ہے کہ عارف کو گویائی اور قلم اور آنکھیں نہیں ہوتیں۔

کہ لوگوں کی طرف دیکھے یا گفتگو کرے۔ اور اسی بات کی پیروی کرتا ہے۔ حضرت نبی الامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو بظاہر مڑے لکھے نہ تھے مَایَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا دُخٰی یُّوْحٰی (اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ مگر وہی جو خدا کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔ اور اسی جگہ سے ہے کہ مریدوں کی گفتھی عالموں سے نہیں سلجھ سکتی۔ کیونکہ علماء مذہب والے لوگ ہیں۔ اور مرید کا سوال مذہب کا نہیں بلکہ مشرب کا ہے۔ مرید کی پیروی عالم سے جو نہیں کھاتی۔ کیونکہ عالم کا فتویٰ ظاہر شریعت پر ہوا کرتا ہے۔ اور مرید کا تعلق اس سے ہے جو کچھ اُسے پیش آیا کرتا ہے۔ مرید نے اپنے مرثیے پر کمر باندھی ہے۔ اور عالم جتنا بھر بھی جانتا ہے اس سے اپنی نجات کا خواہاں ہے۔ عالموں کو بٹورنے کی فکر ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ دوسروں سے بچا کچی جو کچھ رہ گیا ہے اپنے سینے میں جمع کر لے۔ اور اگلوں کا سارا علم اس کو حاصل ہو جائے اور مرید چاہتا ہے کہ وہ سب کچھ پھینک دے اور برباد کر دے جو کچھ جانتا ہے اس کی خواہش ہے کہ نہ جانے اور جو کچھ اس کے پاس ہے چاہتا ہے کہ اس کو نہ رکھے اور دامن جھاڑ کر باہر نکل آئے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ان کا آپس میں کسی طرح میل جول ممکن نہیں۔ اس مکتوب بار بار غور سے پڑھو اور اچھی طرح سمجھو اس میں بڑے بڑے فائدے ہیں۔ ناپاک پانی کا ایک قطرہ کسی زندہ پوست تک کیونکر پہنچ سکتا ہے جو یہ دعویٰ کرے کہ وہ میں ہی ہوں یا وہ میرے جیسا ہے ہم لوگ جو آدمی کہے جاتے ہیں حضرت آدم کے روکے ہیں بھیبست کے دن پیدا ہوئے جو بچہ بلا مصیبت میں پیدا ہوتا ہے تو اُس کے کان میں پہلی آواز رونے دھونے اور نوحہ کی پڑتی ہے۔ ان حادثات کی جس کو خبر ہو اس کا پتہ یقینی پانی ہو کہ یہ جلے گا۔ اور چاہے گا کہ وہ دنیا سے مٹ جائے اور یہ عالم وجود اُس کی ذات سے پاک ہو جائے۔ وہ اگلے لوگ اس دنیا میں آکر رہے اور آخرت کے عالم میں اب آرام کر رہے ہیں۔ اگرچہ انھوں نے ہمیشہ رہنے والے مدارج پائے۔ کوئی ولی، کوئی بنی اور کوئی صدیق کے لقب سے مشرف ہوا۔ ان لوگوں کی تمنا یہی کہ وہ لوگ جو اب تک عرصہ وجود میں نہیں آئے اور پیدا نہیں ہوئے ہیں کاش ہم بھی انہیں کی طرح دنیا میں نہ آتے۔ تم نے بھی تو آخر سنا ہو گا کہ وہ سلطان الانبیاء تاج الاصفیاء جن کے فرق مبارک پر لَوْلَاکَ لَمَّا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ (اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا) کا تاج تھا۔ انھوں نے کیا فرمایا۔ یَا لَیْتَ رَبِّ مُحَمَّدٍ لَّمْ یَخْلُقْ مُحَمَّدًا (اے کاش محمد کا خدا محمد کو پیدا نہ کرتا)۔ اور حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ اس عظمت اور رفعت کے باوجود جیسا کہ تم نے سنا ہے:

لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيًّا لَكَانَ عُمُرِي - (اگر میرے بعد کوئی پیغمبر ہوتا تو یقینی عمر ہی ہوتے) آپ کہیں جا رہے تھے۔ ہاتھ میں ایک گھانس کی پتی اٹھائی اور کہا یا لَبِيتُنِي كُنْتُ هَذَا (اے کاش عمر یہ گھانس کی پتی ہوتا۔ اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ایک کوڑے کی طرف جا رہے تھے آپ نے دیکھا کہ ہوا کا جھونکا اس کے ابرا کو منتشر کر رہا ہے۔ آپ نے کہا یا لَبِيتُنِي كُنْتُ هَذَا (اے کاش میں یہی کوڑا کرکٹ ہوتا)۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترپنواں مکتوب ۵۳

ہمت کا بیجا مجموعہ کے دن کی فضیلت سورہ اخلاص اور آیت فَاِنْ تَوَلَّوْاْ فَلْيُفْلِحِ
میرے عزیز بھائی شمس الدین۔ اللہ تم کو ہمت کی بزرگی سے مشرف فرمائے۔ جانو کہ وہ مرید جس کی ہمت لپٹ اور ناقص ہے اس کا کہیں ٹھکانا نہیں جس مرید کی ہمت کا گھور اشت سے آگے نہیں بڑھتا، وہ اس راہ کا مرد میدان نہیں ہے۔ بزرگوں کا کہنا ہے "اپنی آرزو مطابق ہر چیز کی خواہش کرنا عورتوں کا طریقہ ہے، یہ مردوں کا کام نہیں۔ یہی بعید ہے جس کو حضرت امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے حَرَامٌ عَلٰی مَنْ يُّهَمُّ بِالْاَدَارِیْنَ اَنْ يُّحْضِرُ فُجْلِسَنَا۔ (جو شخص دنیا اور آخرت میں مشغول ہے اُسے ہماری مجلس میں آنا حرام ہے)۔

یا بروہچون نان رنگے دیوئے پیش گیر یا چو مران اندر آئے گوئے میدان برون
دیا گھر جا کر عورتوں کی طرح سنگار پٹار کر یا مردوں کی طرح میدان میں آؤ اور گیند جیتنے کی کوشش کر
عدل آن بود اے پسر کہ خود را دباغی از حدّ حدوث بر تر آئے
آن گاہ بہ عون حضرت او در معبد صدق اندر آئے
دلے پسر انصاف کی بات تو یہ ہے کہ اس فانی ہونے والے جہان سے باہر نکل آ۔ اس کے بعد خدا کی مدد سے معبد صدق کے مقام میں داخل ہو جاؤ۔ ہر شخص اپنی ہمت کی چادر میں چھپا ہوا ہے اور جتنی اس کی ہمت ہے اسی قدر قیمت ہے کہ قِیمَةُ كُلِّ شَيْءٍ بِجَبِيَّتِهِ (ہر چیز کی قیمت ہی اس کا محبوب ہے)۔ اس سے ہر شخص آج اپنی قیمت پہچان سکتا ہے۔ تو

جس کی ہمت وہ ہو کہ کیا کھاتا ہے اور اس کے پیٹ میں کیا چیز جاتی ہے تو اس کی قیمت وہی ہوگی جو اس کے پیٹ سے نکلے گی۔ اور ہم تم ایسے ہی لوگ ہیں۔ اس کا تو ذرہ گمان بھی نہ کرو کہ ہماری اور تمہاری کوئی قیمت ہوگی۔ اے بھائی! اگر قیامت کے دن داؤد محشر سے صلح کی ٹھہرائے اور لَا عَلَيْنَا وَلَا لَنَا (نہ ہم پر کوئی مواخذہ ہے اور نہ ہمارے لیے کوئی انعام) یعنی گناہ اور ثواب برابر تو سمجھو کہ ہم نے میدان مار لیا۔ اور بازی جیت لی۔ ایک بزرگ کو مرض الموت کے وقت پوچھا گیا کہ آپ کو کسی چیز کی خواہش ہے کہ ہم لائیں؟ انھوں نے کہا "ہاں" پوچھا کیا؟ کہا "ایسی نیستی جس کے لیے ہستی نہیں۔ کسی کھوئے ہوئے نے کہا ہے۔ رباعی

از حال دل شکستہ ام می دانی در صفحہ جان مراد من می خوانی

حیران شدہ ام بہ لطف خود دستم گیر اے آنکہ تو دستگیر ہر حیرانی

دیکھتے میرے ٹوٹے ہوئے دل کا سب حال معلوم ہے۔ میری مراد میں تو جانتا ہے۔ میں سخت حیران ہوں۔ تو اپنی مہربانی سے مدد کر۔ اے وہ کہ تو ہر حیران کا مدد کرنے والا ہے (غرض یہ کہ اپنی ہمت والا مرید پہلا قدم جو رکھتا ہے وہ زمین پر نہیں بلکہ اپنی جان پر، اور تلوار کا پہلا وار جو کرتا ہے اپنی ہی جان پر کرتا ہے کسی کافر پر نہیں۔ کیونکہ کافر جسم کو گھائل کرتا ہے اور مال و اسباب لوٹتا ہے لیکن نفس کی تلوار دین کی کمر پر چلتی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایمان کی پونجی لوٹ لے اور برباد کر دے۔ تم بھی اگر گھائل کرنا چاہتے ہو تو اپنے نفس کو گھائل کر دو۔ کیونکہ اگر تم اس سے علیحدگی اور صلح کرنا چاہو بھی تو وہ ایسا کبھی نہیں کرے گا۔ تو اس بات کے جاننے والے سارے وار اپنے ہی پر کرتے ہیں اور سارا غصہ اپنے اوپر ہی اتارتے ہیں۔ تاکہ اس بد بخت کتے کو زیر کریں اور اس بڑی دولت کے حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ خواجہ ستانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ

۱۔ تو گنج نہ سپری در میانہ بر آ از چہار دیوار زمانہ

۲۔ طلسم و بندیر خجالت لشکن در و دہلیز موجودات لشکن

۳۔ تو گنجی لیک در بند طلسمی جو حبابی لیک در زندان جسمی

۴۔ اگر تو روئے ہنسائی ز پردہ بسوزی ہفت چرخ سال خورد

۵۔ چو از حق ترک زندان می نیابی عجب نہ بود اگر آں می نیابی

(۱) تو بیچ میں تو آسمانوں کا خزانہ ہے۔ زمانے کی دیواریں توڑ کر باہر نکل آ۔ ۲ اس جادو اور طلسم کو توڑ ڈال۔ عالم موجودات کی دیواریں ڈھا دے۔ ۳ تو خزانہ ہے مگر طلسمات میں بند ہے۔ تو سراپا جان ہے مگر جسم کے قید خانے میں قید ہے۔ ۴ اگر تو پردے سے اپنی صورت دکھا دے تو یہ ساتوں پرانے آسمان جل کر خاکستر ہو جائیں۔ ۵ اگر یہ قید خانہ تو نہیں چھوڑ سکتا، تو اگر خدا کو نہ پا سکے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں)۔ یہ گرو دہری اپنی ہمت والے لوگ ہیں۔ کن کے تحت جو جو خیر وجود میں آئی ہیں ان کو ذرا بھی آنکھ نہیں لگاتے۔ اور دوزخ و بہشت کو اپنی ہمت کی بارگاہ کا غلام بنانا بھی گوارا نہیں کرتے۔ ایک اپنی ہمت والے نے کہا ہے قطعہ

خود را از خود اے پیر جدا کن
سرمایہ ہر دو کون یکبار
پیرا ہن صابری قبا کن
در عالم عشق او ہسبا کن
بر یام فلک بر آبہ ہمت
بے کام و زبان بروشا کن

(اے پیر اپنے سے خودی کو دور کر دے۔ صبر کا لباس پہنا ڈال۔ دونوں جہان کی پونجی کو اُس کے عالم عشق کے عوض دے ڈال۔ اپنی ہمت کے زور سے آسمان پر چڑھ جا اور بے دین و زبان خدا کی تعریف کرتا جا) تم جانتے ہو اس کا کیا بھید ہے۔ وہ یہ کہ خداوند تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالموں میں آدمی سے بڑھ کر ہمت والا کسی کو بھی پیدا نہیں کیا۔ یہ بات یہاں سے نخلتی ہے جو آدمی کے سوا کسی دوسرے گروہ کی شان میں نہیں کہی گئی۔ لَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (میں نے اس میں اپنی رُوح پھونکی)۔ اور کسی گروہ میں پیغمبر اور آسمانی کتابیں سوائے انسان کے نہیں بھی گئیں۔ اور روز ازل میں سوائے آدمیوں کے کسی پر سلام نہیں کیا گیا۔ اور سوائے آدمیوں کے دیدار کی دولت کسی کو عطا نہیں ہوئی۔ انسان محبت کے زور اور ہمت کی بلندی کی وجہ سے جدائی کی طاقت رکھتا تھا، اس لیے دنیا میں خدا نے اُس کے دل سے حجاب اٹھا دیا۔ اور عقیقی میں اُس کی آنکھوں سے پردہ ہٹا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے دنیا میں سوائے اُس کے کسی کو نہ چاہا۔ اور آخرت میں بھی اُس کے سوا کسی پر آنکھ نہ ڈالی۔ اور یہ نکتہ مَازَاغَ الْبَصَرِ وَ مَاطَعِيْ (نہ آنکھیں جھپکیں نہ ہلکیں) کے مکتب خانے میں سیکھا۔ ایک بزرگ نے کہا ہے۔ مثنوی

اَلَا لَمَرِّ مَرِّ حُلَّتْ اِنْ زَمَانِے
چہ خواہی یافت بے زین آشیانے

سر اے ہمت در را باز کن در

تو یاشی جملہ و خود را نہ بینی

یہ پرواز معانی باز کن یہ

جو تو مر سدرہ حضرت نشینی

(اے حکمت جاننے والی چڑیا خبردار اور ہوشیار ہو جا۔ کیا کہیں اس سے اچھا گھول سلا پاسکتی ہے۔
فصلے معانی کی پرواز کے لیے پروں کو کھول دے اور ساتوں آسمانوں کا دروازہ کشادہ کر۔
جب تو سدرۃ المنتہی کی شاخ پر پہنچ جائے گی۔ سب کچھ تو ہی ہوگی لیکن اپنے کو نہ دیکھے گی) سنبھل
جاؤ۔ کہیں غفلت میں پاؤں نہ بہک جائیں۔ کیونکہ غفلت والوں کو زمانہ سخت نقصان پہنچاتا ہے
جب کوئی شخص یہ ارادہ کرتا ہے کہ مردوں کے راستے میں قدم رکھے تو وہ بد بختوں کا سردار جس کا
نام شیطان ہے اُس کا دامن تمام لیتا ہے۔ اور یہ کہتا ہے کہ اسی کام کے لیے لعنت کی زنا ربانہ گی
ہے تاکہ ہر مالائق و نااہل، مردوں کی راہ میں قدم نہ رکھے۔ اور اگر کوئی بغیر توحید و اخلاص کا تاج
پہنے مردوں کے میدان میں قدم رکھے گا تو میں اُس کے پاؤں کاٹ ڈالوں گا جس نے یہ کہا،
اسی مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مگذار درون ہر کہ نہ دارد درین

مشتوق مرا گفت نشیں بر درین

(محبوب نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میرے دروازے پر بیٹھا رہ جس کے سر میں میرا سودا نہیں اس کو اند نہ
آنے دے)۔ اور وہ مردود ہر سہمت والے کے لیے اپنی جگہ سے تو ہلتا نہیں۔ کیونکہ اس کے دل
میں تکبر اور دماغ میں ناز بھرا ہوا ہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ مائے غرور کے حضرت آدم علیہ السلام کے
ساتھ ہم نوالہ وہم پیالہ نہ ہوا۔ مگر جب اُس کی سلطنت میں کوئی صدیق نکل آتا ہے اُس کی سپائی
کی جھلک سے عرش کے پائے چمکنے لگتے ہیں تو ابلیس شور و ادیلا مچانے لگتا ہے کہ یہی کام کا
وقت ہے میں کون سی تدبیر اور حیلہ ڈھونڈوں کہ اس کے پیر کاٹ سکوں۔ اگر کہیں پاؤں کاٹنے
کے ارادے سے آگے بڑھے گا تو اس کے شکار کے تھیلے میں خود ہی پھنس کر رہ جائے گا۔ اس وقت
کہے گا ہم سے صلح کر لیجیے۔ یہ نہ ہو تو غلامی کرنے لگے گا۔ اور کہے گا اے صدیق! دین کے راستے میں
آپ کامیاب ہوں، ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمارے لیے کوئی دعا یا شفاعت کیجیے کیونکہ ہمارا جرم ان
باتوں سے کہیں آگے بڑھ چکا ہے ہمارا مقصد یہ ہے کہ آپ بھی ہماری غیرت پر لعنت بھیجیں۔ تاکہ
لعنت کے نقش و نگار آپ کی بدولت پھر تازہ ہو جائیں جیسا کہ انبیا پیغمبری ملنے پر فخر کیا کرتے تھے

یہ کنجش بھی اپنے طوق لعنت پر خنجر کرتا ہے، جو بغیر کسی واسطے کے اس کی گردن میں ڈالا گیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن فرشتوں کو حکم ہوگا کہ شیطان کو دوزخ میں لے جاؤ۔ دس ہزار فرشتے اُس میں لٹک جائیں گے۔ مگر وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا۔ پھر دس ہزار اور بھی اُن کے ساتھ مل کر زور لگائیں گے، پھر بھی کامیاب نہ ہوں گے۔ فرشتوں کو خطاب ہوگا۔ جس گردن میں ہماری لعنت کا طوق بغیر کسی واسطے کے ڈالا گیا ہے، وہ ہمارے ہی قہر سے ٹوٹ سکتی ہے جب قدرت خداوندی اُس کی گردن سے طوق اتار لے گی تو اُس وقت وہ مردود مجبور ہو جائے گا۔ دوزخ سے ایک کتا نکل کر اُس پر ٹوٹ پڑے گا اور اپنے منہ میں دبا کر دوزخ میں لے جائے گا۔ یہ سب عنایتیں اسی لعنت کی ہیں جو بغیر کسی واسطے کے اُس کی گردن میں ڈالی گئی ہے۔ اگر بے دھڑلہ نوازش و کرم کسی عزیز کے حق میں ظاہر ہو تو اُس کا بوجھ نہ تو آسمان اور نہ زمین اٹھا سکتی ہے اور نہ بہشت دوزخ اُس کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ بادشاہ قدیم کی ذات کے سوائے مردانِ راہ کے صدق کی کوئی تاب نہیں لاسکتا۔ شیخ لقمان خیرتی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ سماع میں تھے۔ ایک دلشاد صادق کو دہدا گیا جس طرح چڑیا اڑتی ہے وہ اُسے اور درخت پر بیٹھ گئے۔ اور ان سے کہنے لگے کہ تم بھی آؤ، ہم دونوں پر واز کریں حضرت لقمان خیرتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ اے جناب ہم دونوں جہان میں کیونکہ بٹھا سکتے ہیں ہم جبار ہیں گے تو دونوں جہان کو چھوڑ کر ان سے باہر آئیں۔ جو ان باتوں کو نہیں مانتا وہ ان کو سن بھی نہیں سکتا۔ اور نہ ان پر اعتبار کرتا ہے۔ اب ایمان کو سامنے رکھ کر سنو تا کہ تم کو غفلت زیر کر کے پھپھار نہ ڈالے اگر دنیا میں اس کو موقع نہ ملے تو قبر میں اٹھا پٹلے گی۔ اور اگر قبر میں بھی بچ گئے تو قیامت میں تو ضرور دبلو لے گی۔ ذرا سنبھل جاؤ ان صدیقیوں کے حال میں اپنی کمزور عقل سے دخل نہ دو۔ کیونکہ یہ باتیں انسان کی معمولی عقل میں نہیں آ سکتیں۔ ان صدیقیوں کی باتیں ایمان کے کالوں ہی سے سنی جاسکتی ہیں۔ تو ایمان کے ساتھ سنو تا کہ دنیا اور آخرت میں تمہاری مددگار بنے جب مددگار بن جائے گی تو بزرگوں کی یہ باتیں برباد نہ جائیں گی۔

تاکے بائزید بنی سرد

خدمتِ صدیرید باید کرد

(اگر حضرت بائزید جیسے یگانہ روزگار کی زیارت چاہتے ہو تو پہلے سیکڑوں یزید کی خدمت کرو)

حضرت سلطان المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ آپ دونوں جہان کے سردار اور سب سے ارفع و اعلیٰ شخصیت کے مالک تھے جس وقت غلام مغیرہ آپ کے سامنے آجاتے آپ ان کی تعظیم فرماتے اور دعائیں مانگتے کہتے: وہ تو دعائیں مانگتے اور آپ دُعا دہانی آنکھوں سے آمین آمین کہتے جاتے۔ اگر تم ان کے دین پر ہو تو ان کا طریقہ یہ تھا جیسا تم نے سنا۔ اگر غوث باللہ خدا نخواستہ ان کے دین پر نہیں ہو تو دین داری کے دعوے کی ٹوپی سر سے اتار دو۔ اور اقرار مذہب کی کنجی واپس کر دو۔ اب حقیقت سمجھو کہ مرید کی طلب جستجو کا میدان نہ عرش نہ کرسی نہ آسمان و زمین ہے۔ اگر تم پوچھو کہ کہاں ہے؟ تو ہم بتاتے ہیں وہیں ہے جہاں اُس نے کہا اِنِّیْ فِیْ قَلْبِ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ النَّقِیِّ النَّقِیِّ (میں پاک اور پرہیزگار مومنوں کے دل میں ہوں) خدا کی قسم عرش کی کیا حقیقت ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کی ہمت کے مقابلہ میں عرش کی بلندی زمین کے برابر ہے۔ تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا گیا اِهْتَزَّ الْعَرْشُ بِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مَعَاذٍ (حضرت سعد بن معاذ کی موت سے عرش ہل گیا) حضرت سعد کی بلندی ہی کی جگہ عرش پر تھی جب آپ نے انتقال فرمایا تو عرش کانپنے لگا۔ اے بھائی! حقیقت کے عالم میں حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت ان ہی لوگوں سے زندہ ہے۔ اور صداقت کی منزل ان ہی اصحاب کے قدم سے آباد ہے۔ اور حقیقت کے عالم میں ان لوگوں کا نام نزاع القبائل ہے یعنی اپنے قبیلوں میں برگزیدہ جس طرح حبش سے حضرت بلال، اور روم سے حضرت صہیب، فارس سے حضرت سلمان اور قرن سے حضرت خواجہ اوس رضی اللہ عنہم ان کے یقین کی روشنی اگر کانٹے پر پڑ جائے تو وہ دین کا پھول بن کر کھل جائے! اور ان کی ہمت کا آفتاب جس مطمع پر چمکے وہ مقبول بارگاہ ہو جائے۔ اگر کسی گنہگار پر چمک جائے تو وہ محفوظ اور اگر کسی بیگانہ پر تاباں ہو تو وہ یگانہ بن جائے۔ خواجہ سنائی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ مثنوی

خرقہ پوشانِ خالقہ قدم

ہر چہ آن نسبت پشت پائے زدہ

ما عَرَفْنَاكَ اَعْمَقَ دَہِمَہ

ساختہ بندہ دار حلقہ بگوش

برتر از کثرۃ...

جان فروشانِ بارگاہِ عدم

چنگ در حضرتِ خدائے زدہ

مَا عَبَدْنَاكَ اَجْہَتَا دَہِمَہ

لَفَعَلُ اللّٰہُ مَا لَیْسَ اَزْہَوْش

فارغ از صورتِ مراد ہمہ

چہ عجب گنج زیرِ دیرانی است

از رہ کفر در مسلمانان

از قتل اللہ ثم ذرہم پیر

ہر چہ باقی است کردہ در باقی

۱۔ علم شان زیرِ حوت نادانی است

۲۔ بردہ رخت بقاے ایمانی

۳۔ ساختہ ہر یک از میان ضمیر

۴۔ بادہ ہا خوردہ بر رخ ساقی

رشتی کی بارگاہ میں جالی بیچنے والے۔ قدامت کی خانقاہ کے گدڑی پہننے والے۔ خدا کی درگاہ کو ہاتھ سے پکڑے ہوئے ہیں۔ ماسوا پر لات ماری ہے۔ اُن کا عقیدہ اور اجتہاد یہ ہے کہ خدا کی پرستش جیسی چاہیے تھی ہم نے نہیں کی۔ اور اس کے پہچانتے کا جو حق تھا وہ ہم سے ادا نہ ہو سکا۔ جو خدا چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ اس پر سر ڈالے ہوئے ہیں۔ ہر مراد سے ان لوگوں کے دل پاک ہیں۔ کثرت اور ہند سے یہ لوگ بلند و برتر ہیں۔ جہالت کے پردے میں ان کا علم چھپا ہوا ہے۔ یہ تعجب کا مقام نہیں۔ کیونکہ قرآن ویران جگہ میں ہوتا ہے۔ ایمان کی بقا کا سامان یہ لوگ کفر کے راستے سے ایمان کی منزل تک لے گئے ہیں۔ اُن کے ضمیر نے قُلِ اللہُ ثُمَّ ذَرْهُمْ (اللہ کا نام لے اور سب چھوڑ) سے اپنے ضمیر کی موافقت کو اپنا پیر بنایا ہے۔ ساقی کے سامنے اُس کے دیدار کی شراب پی ہے اور باقی کو ترک کر دیا ہے۔ تم نے سنا ہو گا کہ کسی صدیق کا قارورہ ایک کافر کے پاس لے گئے۔ اُس نے دیکھ کر کہا۔ کبھی میرا گمان نہیں ہو سکتا تھا کہ مذہبِ اسلام میں بھی ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کا کلیجہ خدا کی راہ میں خون ہو گیا ہو۔ کفر کی زناں باندھنے والے کو اتنے بڑے صدیق کے قارورہ کے متعلق کچھ کہنا بے ادبی ہے۔ زناں اتار چھینکی اور ایمان لایا۔ اسے بد نصیب انکار کرنے والے تیرا کیا خیال ہے۔ ان کا مشابہ ہماری تمھاری باتوں سے بہتر ہے یا نہیں؟ اگر مسلمان کا ذرہ بھی لگا دے تو خود ہی انصاف کرو۔ اور علم کے ہزاروں دعویٰ کرنے والوں سے پوچھو کہ یہ اپنے علم کے زور سے ایک شخص کو بھی نماز کے لیے دوکان مسجد میں نہیں لاسکتے۔ یہ علم تو وہی علم ہے مگر یہ علماء اُن علماء کی طرح نہیں ہیں۔ وہ علماء سراپا کردار تھے۔ گفتار نہ تھے۔ آج کل باتیں ہی باتیں اور صرف دعوے ہی دعوے رہ گئے ہیں۔ کردار کچھ بھی نہیں۔ اور جن لوگوں نے ان صدیقیوں کے بارے میں بڑے بھلے الفاظ نکالے۔ اور اقراہن و انکار کیا یہ اُن کی کوردلی اور جہالت کے سبب تھا۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

دل را نور چشمی می باید

ز نور چشم سرچیزے نیاید

کہ عیسیٰ را د خرا چشم مر بود ولے چشم دل عیسیٰ دگر بود
 دسروالی آنکھ کی روشنی کوئی کام نہیں دے سکتی۔ تجھ کو دل کی آنکھ کی روشنی کی ضرورت ہے۔
 کیونکہ حضرت عیسیٰؑ اور ان کے گدھے کو سروالی آنکھیں تھیں۔ مگر حضرت عیسیٰؑ کے دل کی آنکھ دوسری تھی۔
 اے بھائی! اگلوں کا زمانہ ایسا زمانہ تھا کہ پھر دلوں سے دل کی ہلکائی تھی۔ اب ہم بد بختوں کے
 زمانے میں دل سے پھر کے آثار نظر آتے ہیں۔ ان باتوں سے زمین اور آسمان کا دل جل رہا ہے۔ اگر
 آتش پرستوں کے الاؤ کی طرف ہتھارا گذر ہو تو آگ سے آواز آئے گی کہ ہم اپنی ہی آگ میں اس
 مزے سے جل رہے ہیں کہ ہم کو ان نالائقوں کی پروا نہیں۔ اور اگر کافروں کے بت خانے میں جاؤ
 گے تو ایسی ہی باتیں سنو گے جب حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اس جہان میں تشریف لائے تو
 سب سے پہلے بتوں نے شکر کا سجدہ کیا۔ خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے سب اونڈھے ہو کر
 سجدے میں گر پڑے۔ رباعی

رستم بہ کلیسائے ترسا و جہود ترسا و جہود را ہمہ رُخ تو بود

از بچے وصالِ توبہ تیخانہ شدم تسبیح بتان ز مزمزہ عشق تو بود

اہم یہود و نصاریٰ کے کلیسا میں پہنچے۔ وہاں دیکھتے ہیں کہ نصاریٰ اور یہودیوں کی آنکھیں تیرے
 ہی طرف لگی ہوئی ہیں۔ تیرے ملنے کی امید ہے کہ ہم بت خانہ گئے۔ یہاں دیکھا کہ بت بھی تیری محبت
 کی مالا جب رہے ہیں۔ خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ مثنوی۔

۱۔ اگر چشمِ دلت گردد بدین باز بروں گرد و زبیک یک ذرہ صداز

۲۔ ہمہ ذراتِ عالم را درین کوے نہ بیند یک نفس جز در روشِ روے

۳۔ ہمہ در گردش و اندر روشِ مست تو بے چشمی و در تو آن روشِ مست

۴۔ کمالِ عشق پایا نے نہ دارد چنین رفعتِ مست در مانے ندارد

اگر تمھارے دل کی آنکھیں کھل جائیں تو ایک ایک ذرے میں سو سو بھید نظر آئیں۔ اگر ذراتِ عالم
 پر نظر ڈالو گے تو دم بھر بھی جہان کے ذروں کو بغیر گردش کے نہ پاؤ گے۔ اپنی اپنی روش اور گردش
 میں سب مست ہیں۔ تم میں بھی وہ روش ہے۔ مگر تم اندھے ہو۔ عشق کے کمال کی کوئی حد نہیں ہے
 واقعہ ایسا ہی ہے، مگر اس کا کوئی علاج نہیں۔ آسمان زمین، عرش و کرسی اور فرشتے اعلیٰ علیین

تحت التری تک اور وہ وہ چیزیں جن کو شے کہا جاسکتا ہے سب تلاش اور جستجو میں دوڑ لگا رہے ہیں۔ مگر یہ انسان بڑا ہی ظالم ہے کہ دشمن سے مل گیا ہے اور دوست سے دور ہو گیا ہے۔ اگر کوئی تم سے پوچھے، تمہارا مذہب کیا ہے تو دیکھو مسلمان کا لفظ زبان سے نہ نکالو۔

جمعہ کے دن تین وقتوں میں ایک صبح اور دوسرے خطبہ نماز کے درمیان اور تیسرے عصر کی نماز کے بعد سے غروب کے وقت تک دل کو حاضر رکھو اور اپنے اس خط کے لکھنے والے کو فراموش نہ کرو۔ اور ہر فرض نماز کے بعد دس مرتبہ سورہ اخلاص پڑھو۔ اور دس مرتبہ آیت **إِن تَوَكَّلْ عَلَىَّ فَسَوْفَ أَعِزُّكَ** لا إله إلا هو عليه توکلت و هو رب العرش العظیم پھر اگر یہ دگر دانی کریں تو کہہ دیجئے کہ مجھ کو تو اللہ کا ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا۔ وہی عرش بزرگ برتر کا رب ہے) یہ وظیفہ ہمیشہ پڑھا کرو۔ ناغہ نہ ہو۔ اور یقینی طور پر سمجھ لو کہ جس کو اس نے قبول کر لیا وہ مردود بارگاہ نہیں ہو سکتا۔ اور جو راندہ جاچکا وہ کبھی مقبول نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جس کو غرت کے ساتھ قبول کر لیا **سَعَادَةٌ لَا شِقَاؤَ لَعَدُوِّهَا** (نیک بختی کے اس مقام میں پہنچ گیا جس کے بعد کبھی بد بختی نہیں ہے) اور جس کو ذلت رسوائی دی **شَقَاؤَ لَا سَعَادَةَ لَعَدُوِّهَا** (وہ بد بختی کے اس مقام پر پہنچ گیا جہاں کوئی نیک بختی نہیں ہے)۔ ہاں طالب اس کے قہر و جلال کی دھوپ میں کہیں زیادہ خوش ہوتا ہے جتنا کہ اس کی مہربانی کی چھاؤں میں۔ کیونکہ وہ لوگ جو ناز و نعم میں پلتے ہیں بازار میں ان کی قیمت کم لگتی ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے جدائی میں وصل کی امید ہے اور وصال میں فراق کا ڈر لگا ہوا ہے

اے دل مشوا ز ہجر مشوش احوال ^{دبا} در آرزوے منال بسیار منال

در وصل بودیم در ہجران لیکن در ہجر بود ہمیشہ امید وصال

(اے دل جدائی کی مصیبت سے پریشان نہ ہو۔ دولت کی ہوس میں زیادہ گریہ و زاری نہ کر۔ وصل میں جدائی کا ڈر لگا رہتا ہے۔ مگر فراق کے عالم میں ہر وقت وصل کی امید رہتی ہے۔ یہ

شوق بہت در فراق جورت چھو ہم شوق بہ کہ طاقت جورت تیا دم

(جدائی میں وصال کا شوق اور ولولہ ہے اور حضوری میں ستم ڈھائے جاتے ہیں۔ تو شوق ہی کا رہنا بہتر ہے۔ کیونکہ مجھ میں ستم اٹھانے کی طاقت نہیں)۔ ایک پیر فرماتے ہیں۔ ان پر خدا کی رحمت ہو کہ

عاشقوں کی خلوت کا ہجر کے صدمے بھیلنے والوں کے قریب ہونا اس سے کہیں زیادہ اچھلے ہے، جو دھال کی خوشی کے مستانوں کے پاس ہو۔ اے بھائی! اس کے طالب کو رد و قبول سے کیا کام ہے قبول کی غرت چاہنے کے مطلب یہ ہیں کہ اپنے کو قبول کے قابل سمجھا۔ اور یہ عاشقوں کے مذہب میں میوہ ہے جیسا کہ ایک دل جلے نے کہا ہے۔ رباعی:

گر تو بپذیری بندہ مقبول تو ام ورنہ پذیری ہم چاکر معذول تو ام

بارد و قبول تو مرا کا اے نیست من بندہ بہر دو حال مشغول تو ام

اگر تو نے مجھ کو قبول کر لیا تو میں ایک مقبول غلام ہوں۔ اور اگر تو نے قبول نہ کیا تو تیرا نکالا ہوا ایک نوکر ہوں تیرے رد و قبول سے مجھے کوئی کام نہیں۔ میں بندہ ہوں اور دونوں حالتوں میں صرف تیرے ہی ساتھ وابستہ ہوں) اے بھائی! اگر وہ قبول کر لے تو اس کا فضل انعام ہر شخص کے لیے عام ہے۔ اور اگر نہ قبول کرے تو شمنشا ہوں کے مذہب میں یہ جائز ہے۔ اور یہ ہماری بد بختی کا پھل ہے جیسا کہ ایک بیچارہ نے کہا ہے۔ رباعی:

معتوق چو بادشاہت فرمائش رواست بر کردہ او چون چرازہرہ کراست

گر بپذیرد خے پسندیدہ اوست ورنہ گردد ز کجبت شوریدہ ماست

معتوق جب بادشاہ ہے تو اس کا ہر حکم جائز ہے۔ اس کے فرمان افعال پر کس کی مجال کہ چون چرا کرے۔ اگر وہ قبول کر لے تو اس کی مہربانی اور فضل ہے اور اگر ہم سے منہ پھیر لے تو یہ ہماری بد قسمتی ہے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چونواں مکتوب ۵۴

مرید کو رغبت دلانے کے بیان میں

اے بھائی شمس الدین اللہ تم کو اپنی بندگی کے زیوروں سے آراستہ کرے سلام اور

دعا مطالعہ کرو۔ واضح ہو کہ جب مرید نے اپنے کو مرید کے نام سے ظاہر کر دیا، اور مریدی کے لباس سے اپنے کو آراستہ کر لیا تو اس کی شرط یہ ہے کہ تحقیق کی انتہا تک اس کی صداقت کو پہنچا دے اور

صراطِ مستقیم پر قدم رکھے! استغفار اور توبہ کا سرسبز ہر وقت آنکھ میں لگاتا ہے۔ اور خدا کی بخرید و
تفرید کا خرچہ ہیں لے اور ساقیِ صدق کے ہاتھ سے طلب کی شراب پیئے! اور شریعت کی نیام سے
اپنی ہمت کی تلوار نکالے۔ اور اپنی راہ میں نفسِ کافر کا شر و فساد نہ آنے دے۔ اور سُکر (مستی و خود فراموشی)
و صحو (صنوری بہوش و اس) و اثبات (ثابت قدمی) اور محو (گم گشتگی) کی راہ میں پاؤں رکھے
سُفلی (عالم دنیا) اور علوی (عالم بالا) کو زیر و زبر کر کے رکھ دے جب ارادے کی حقیقت اور طلب کی
لذت کی عادت پڑ گئی۔ اور ریاضت و مجاہدے کا پھل اور اس کے فائدے حاصل کر لیے۔ اور گردش
درویش کے مقام میں پہنچ گیا، اور سالک کی منزل اور اس کے درجے میں داخل ہو گیا۔ اور مردانِ
خدا کے مقام میں اُس نے جگہ پائی۔ اب اگر اُس سے کوئی سوال کرے کہ تم مرید ہو؟ تو جواب دے
خدا نے اگر چاہا تو ہو سکتے ہیں۔ تاکہ اس کے باطن کی داد دی جاسکے۔ اور دعووں سے راستے سے
پاؤں سمیٹنے بھیرت اور معرفت والے لوگوں کا یہی طریقہ رہا ہے۔ ان لوگوں نے کسی مقام میں
اپنے کو دیکھا ہی نہیں۔ ان کو جو کچھ بھی پونجی حاصل ہوئی ہے وہ اس سے بے پروا نہیں ہوئے۔ اور اس
کو کبھی نظر میں نہیں لائے۔ ایسا بہت ہوا ہے کہ کسی پیرِ متناجاتی نے شریعتِ بریں تک عبادت و بندگی
کی ہو اور اونچے مقام تک پہنچ بھی گیا ہو، ایسا شخص آخر میں قریبِ علت کا نشانہ بن گیا۔ وَبَدَّ اللَّهُ
مِنْ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ (اُن پر اللہ کی طرف سے وہ ظاہر ہوا جس کا سان و گمان بھی نہ تھا)
اے بھائی! جس کا کام قہار و جبار کے دربار سے تعلق رکھتا ہے۔ ایسا قہار و جبار جو آنکھوں بہشت کو
دوزخ اور جہنم کو سرا سر حنبت بنا کر رکھ دے۔ اور کیجے سے کلیسا اور تہخانہ سے کعبہ بنائے۔ اور ملکوت کے
فرشتوں کا لباس بدن سے اتار لے۔ اور ناپاک شیاطین کو ملکی خلعت پہنا دے اور قدسیوں کا تاج
اُن کے سر پر رکھ دے۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو خاتم الانبیاء ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام
جو طاہرین کے گروہ کے سردار تھے۔ اور حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسے معصوم کہ کبھی کوئی گناہ اُن سے
سرزد ہی نہ ہوا، نہ کسی گناہ کا خطرہ ان کے دل میں گذرا۔ سمجھوں کو ایک بجز میں باندھ کر دوزخ میں
ڈال دے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رکھے تو اُس کو نہ کسی کا ڈر اور نہ کسی کا اندیشہ ہے۔ اُس پر یہ کمال
کہ اُس کے الفصاف کا دامن ظلم کی گرد سے بالکل پاک صاف رہے گا۔ جہاں یہ حال ہو، وہاں کسی
کو آرام و سکون اور بے خوفی کیوں کر نصیب ہو۔ اور کوئی خود بینی کا دعویٰ کس طرح کر سکتا ہے!

وہ ایک جو سات لاکھ برس تک تقدیس و تسبیح کا سرمایہ اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا۔ اور تمام ملائکہ کا استاد تھا۔ اُس نے ایک ہی دفعہ اَنَا کا لفظ نکالا تھا، پھر دیکھ لیا جو دیکھنا تھا۔ اور اس کا نتیجہ پالیا جو پانا تھا۔ ایک دن حضرت جبریل علیہ السلام حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ نے پوچھا مقامِ قدس میں تمہارا کیا حال ہے؟ انھوں نے کہا جب ہم میں سے ایک کو باہر نکال پھینکا گیا ہے اپنے مقام پر کوئی فرشتہ مطمئن نہیں ہزاروں طالبوں کی زبانیں اُس کی بے نیازی نے گونگی کر دی ہیں اور لاکھوں دل جلے مریدوں کو بے پروائی کے دریا میں ڈبو دیا ہے۔ اور ہزاروں ہزار دوستوں کے کلیجے غیرت کی آگ میں بھون دیے گئے ہیں۔ اور حضرت رب العزت کے یہاں سے آواز آتی ہے کہ تمہاری ہستی نیستی کی طرح ہے۔ ایک بزرگ نے اسی مطلب کی طرف اشارہ کیا،

من چون تو ہزار عاشق از غم کشتم
کا لودہ نہ شد بخون کس انگشتم

(میں نے تیری طرح ہزاروں عاشق کو غم کی تلوار سے قتل کر دیے ہیں۔ اس صفائی کے ساتھ کہ میری انگلیاں بھی کسی کے خون سے آلودہ نہ ہوئیں)۔ اے بھائی! اگر سائے ملائکہ کی طہارت و پاکیزگی ایک ہی مرید کی ذات میں جمع ہو جائے اور کل آدمیوں کی عبادت و بندگی صرف ایک مرید کو حاصل ہو جائے اور وہ اپنے کو ایک کتے سے بہتر اور اچھا سمجھے تو بلاؤں کا نشانہ بن جائے گا۔ اس کے معنی ہوئے کہ کبر کا شائبہ اس میں اب تک باقی ہے۔ بڑا ہی خطرہ ہے کہ کہیں اسی شربت کا گھونٹ اس کے حلق میں بھی نہ ڈال دیں جو کبھی ایک کو پلایا جا چکا ہے اور وہی دھبہ اُس پر نہ لگا دیں جو اُسے لگایا گیا ہے۔ ہر دقت ڈرتے اور سمجھتے رہنا چاہیے! اپنی طاعت و بندگی کو ناقص اور اپنے ایمان کو کفر اور تقویٰ اور طاعت کو گناہ سمجھنا چاہیے۔ اپنی پاکیزگی اور صفائی کو گندگی، اپنی ذات کو تہانہ اور اپنے جبہ و دستار کو زنا و اوبت، خرقہ و مصلیٰ کو لہرائیوں اور ترساؤں کی صلیب جانتا چاہئے۔ یہ سب باتیں اُس مرید کے حق میں ہیں جس نے ارادت کی شرطیں پوری طرح ادا کی ہوں اور ارادت کی حقیقت تک پہنچ گیا ہو۔ یہ اس کی سلامتی کی نشانی اور نہتہائے منزل تک پہنچ جانے کی علامت ہے۔ مگر وہ جو اپنے غرور اور گھمنڈ میں ہے مست ہے اور ایک حرف بھی نہیں جانتا ہے۔ اس میں محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ وہ اندر سے بالکل کھوکھلا ہے یہیں سے عالم و جاہل کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور دونوں کی روشنی ایک دوسرے سے الگ ہوتی ہیں صورت سے معانی اور حقیقت سے تکرار و ضلالت سے معرفت اور

تاریکی سے روشنی اور مبتدی سے منتہی کی تمیز کی جاتی ہے۔ لوگوں نے کہا ہے **فِي الْبِدَايَةِ نُطْقٌ وَفِي النُّطْقِ وَفِي الْإِنْتِهَايَةِ سُكُوتٌ فِي سُكُوتٍ** (ابتداء میں گفتگو ہی گفتگو اور انتہا میں خاموشی ہی خاموشی ہوتی ہے)۔ مبتدیوں کو صرف زبان ہوتی ہے اور منتہیوں کو نہ زبان نہ گویائی جس طرح ببل ہزار داستان دن رات چمکتی اور نغمے سناتی ہے اس کی قیمت ایک پیسہ ہوتی ہے اور باز جو زندگی پر کچھ نہیں بولتا ایک ہزار روپے دام لگائے جاتے ہیں۔ قطعہ

قیمتِ ببلے بود دانگے

قیمتِ باز کس نداند گفت

آن کند کار این کند بانگے

این تفاوت میانِ شانِ اخصیت

(باز کی قیمت کی حد کوئی نہیں بتا سکتا۔ اور ببل کا دام ایک مڑی یا چھدام ہوتا ہے۔ جانتے ہو قیمت کا اتنا فرق کیوں ہے؟ وہ کارنامہ انجام دیتا ہے اور یہ صرف بات کرتا ہے) جو مبتدی کے لیے اثبات (قابل قبول) ہے وہ منتہی کے لیے نفی (قابل ترک)۔ اور جاہل جس کو معلومات سمجھتا ہے وہ عالموں کے لیے زنا و زاری اور بیت پرستی ہے۔ خداوند تعالیٰ تم کو مریدی کی راہ میں قبول فرمائے اور دانائی اور مبنیائی عطا کرے جس سے محقق اور گمراہ، معرفت و ضلالت، عالموں اور جاہلوں کی روش اور سنت و بدعت میں تمیز کر سکو۔ ہر ایک بات کو جہاں تک پہچاننے کا حق ہے پہچانو۔ اور سلوک کی راہ درست کرو۔ بظاہر اگر تھوڑا ہو پھر بھی اس کے فائدے بہت ہیں۔ اس کے فضل و احسان کی بدد سے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آلِ عظام کی برکت اور وسیلے سے۔ ہر حالت میں خدا پر بھروسہ رکھو۔ دل کو دوسو سوں اور کسی دوسری طرف توجہ کرنے سے بچاؤ۔ ایک شخص حاتمِ اصم قدس اللہ سرہ کے پاس آیا اور پوچھا آپ کی اوقات بسری کا کیا سامان ہے کیونکہ بظاہر کوئی وجہِ تشریفِ نظر نہیں آتی۔ آپ نے فرمایا خدا کے خزانے سے۔ اُس نے کہا کیا آپ کے لیے آسمان سے روٹیاں ٹپک پڑتی ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر زمین اس کی ملکیت نہ ہوتی تو آسمان سے بھیجتا۔ اس نے کہا ہم لوگوں کو باتوں سے بہلاتے ہو اور زبان بند کر دیتے ہو۔ آپ نے کہا آسمان سے بھی یقینی کلام کے سوا اور کچھ نازل نہیں ہوا ہے۔ اُس نے کہا میں تم سے دلیلوں سے نہیں جیت سکتا۔ آپ نے کہا ٹھیک ہے حق کے سامنے باطل نہیں ٹھہر سکتا۔ کہا گیا ہے کہ ایک مرید حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور معاش کی تنگی اور بال بچوں کی زیادتی کی شکایت کی۔

حضرت شبلی نے فرمایا۔ گھروٹ جا۔ اور جس کو خدا کی روزی پر بھروسہ نہیں ہے اس کو گھر سے نکال دے۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پکینواں مکتوب ۵۵

قاضی صدر الدین کی صحبت اور علم کی رغبت کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین خدام کو اپنی بندگی کے لیے لمبی عمر دے۔ لکھنے والے کی طرف سلام کا تحفہ لو۔ واضح ہو کہ تم قاضی صدر الدین کی صحبت کو غنیمت جانو اور نیک بختی کی نشانی سمجھو اور دن رات علم حاصل کیا کرو چین آرام کھانا پینا اور سونے کو کنارے کرو جس طرح نماز کیلئے پاک و صاف رہنے اور طہارت کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ریاضت اور مجاہدے کے لیے علم کی حاجت ہے۔ کوئی معاملہ اور ریاضت بغیر علم کے ممکن نہیں جس طرح کوئی نماز بغیر طہارت کے نہیں ہو سکتی علم نہ آمد و عمل مادہ

دین و دولت بدو شد آمادہ

علم نہ آمد و عمل مادہ

تخم بے مغز ہم ثمر نہ دہد

کار بے علم بار و بر نہ دہد

د علم کی حیثیت نرا اور عمل کی حیثیت مادہ کی ہے۔ دین کے ساتھ دولت اسی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ بغیر علم کے عمل کرنا پھول پھل نہیں دیتا جس طرح بغیر مغز کا بیج شگوفے اور پتے نہیں لاتا۔ اگر کوئی شخص بغیر علم حاصل کیے ریاضت اور مجاہدہ کرے گا تو اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص نے رسول بغیر دھنوکے نماز پڑھی ہو۔ یا کوئی کافر قرآن کی تلاوت کرے۔ جانو کہ علم کی دو قسم ہے ایک کسی جو کسی استاد سے پڑھ کر یا کتابوں کے مطالعہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ دوسرا وہ علم جو دل کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ یہ دو طرح کا ہے۔ بعض وہ جو خداوند بے نیاز کی بارگاہ سے پیغمبروں کے دلوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس کا نام وحی ہے۔ یا حضرات اولیاء کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے اس کا نام الہام ہے۔ اور دوسرا وہ جو پیغمبروں کے واسطے سے صد لقیوں کے سینوں میں داخل ہوتا ہے۔ یا پیروں کے ذریعہ مریدوں کے دلوں میں پہنچ جاتا ہے۔ اس حدیث کے معنی یہی ہیں کہ الشیخ رضی اللہ عنہ کا لفظی فی اُمّتیہ (پیر اپنے مریدوں کی جماعت میں ایسا ہے جیسا پیغمبر اپنی امتوں میں)۔

یعنی جس طرح صدیق لوگ پیروں کے دل کے آئینہ میں خدا کا جلوہ دیکھتے ہیں اسی طرح مرید اپنے پیر کے دل کے آئینے میں خدا کو دیکھتا ہے۔ یعنی پیر کے قول و فعل کو خدا کی طرف سے جانتے اور پہچانتے ہیں اسی کو دیکھنا کہتے ہیں۔ قطعہ

بر لوح دلت نقش اگر پیچ حروف است

یک مرزا سرار معانی نہ بدانی

چون محو شد از لوح دلت حرف نہایت

می دان کہ شدی محرم سرار معانی

اگر ایک حرف بھی تیرے دل کے تختے پر لکھا ہوا ہے تو اسرار معانی کا ایک نکتہ بھی نہیں جان سکتا جب وہ سارے حرف مٹ جائیں گے اس وقت تو اسرار معانی کو سمجھنے لگے گا۔ وہ جو مشائخوں نے فرمایا ہے کہ مرید پیر کے دل میں خدا کا جلوہ دیکھتا ہے۔ یہ دیکھنا ان ظاہری آنکھوں سے نہیں ہے اسے بھائی! علم ساری نیک بختیوں کی جڑ ہے جس طرح جہالت بد فیسی کی اصل ہے۔ نجات کے ذریعہ علم کی بدولت پیدا ہوتے ہیں اور ساری ہلاکتیں جہالت کے سبب آتی ہیں۔ اور فردوس کے مدارج اور قدسیوں کی کرامتیں علم ہی کی بدولت ملتی ہیں۔ اور جہنم کے قعر اور سخت تر عذابوں میں جہالت کی وجہ سے پڑتے ہیں جیسا کہ کہا ہے۔

نیست از بہر آسمان ازل

نزد بان پایہ بہر علم و عمل

(آسمان ازل تک پہنچنے کے لیے علم اور عمل سے بہتر کوئی زمینہ نہیں ہے)۔ علم کی بارگاہ میں مومن کے سوا کسی سندم نہ رکھا اللہ دلیٰ الدین قن امنوا بعزوبہم من الظلمات الی النور (اللہ ان لوگوں کا دوست اور کار ساز ہے جو ایمان لائے، ان کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے) اے من الجہل الی العلم (یعنی جہالت سے علم کی طرف)۔ اور جہالت کی منزل میں کافروں کے سوا کوئی داخل نہ ہوا۔ والدین کفر و اولیاءہم الطاغوت یخرجہم من النور الی الظلمات (اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے دوست اور ساتھی شیاطین ہوتے ہیں جو ان کو روشنی سے نکال کر تاریکی میں پہنچا دیتے ہیں) اے من الجہل الی العلم (یعنی علم کی روشنی سے جہالت کی تاریکی کی طرف)۔ پس مومن کو جس طرح کفر و ضلالت سے دور رہنا چاہیے، اسی طرح جاہلوں اور جہالت سے بھاگنا ضروری ہے۔ العاقل جیبی والا حق غدو عقلند میرا دوست اور بے وقوف میرا دشمن ہے۔ یہ شریعت کا فتویٰ ہے۔ جہالت اور جاہلوں سے

الگ ہونا واجب ہے۔ علم کی تلاش اور عالموں کی صحبت کی جستجو فرض ہے۔ علماء سے مراد وہ علماء ہیں جو آخرت میں کام آئیں۔ اور علم سے مراد وہ علم ہے جو آخرت میں کام دے۔ نہ کہ دنیاوی علم، تاکہ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اسی کے متعلق کہا ہے۔

علم را چوں تو خوانی از بازی آلت و ساز و جاہ ازان سازی

علم سوے درِ الہ برد نہ سوے نفس و مال و جاہ برد

تو علم منہی کھیل کے لیے پڑھتا ہے اور اس کے ذریعہ مال و دولت اور منصب حاصل کرتا ہے۔ اصل علم وہ ہے جو تجھے خدا کی طرف لے جائے نہ کہ خواہشاتِ نفسانی اور مال و دولت کی طرف۔ برسوں کی ریاضت اور مجاہدے سے وہ باتیں حاصل نہیں ہو سکتیں جو فائدے ان بزرگوں کی ایک دن کی صحبت پہنچا دیتی ہے۔

مورسکیں ہوئے داشت کہ در کعبہ رسد دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

(مکر و چونیٰ تمنا کرتی ہے کہ کعبہ پہنچ جائے۔ اگر کسی کبوتر کے پاؤں سے لپٹ جاتی ہے تو فوراً پہنچ جاتی ہے) تم نہیں دیکھتے کہ لکڑی اور گھاس کے مزاج میں سکون اور ایک جگہ پڑا ہوا ہے۔ مگر جب کبھی پانی سے سابقہ پڑتا ہے تو اس کے اثر سے وہ پانی پر تیرنے لگتی ہے۔ اسی طرح چونیٰ کو بھی ہوا میں اڑنے کی طاقت نہیں۔ مگر جب کبوتر کی صحبت اختیار کی تو کبوتر کے ساتھ یہ بھی اڑنے لگی۔ جاری ہونا جو پانی کی، اور اڑنا جو کبوتر کی صفت ہے صحبت کی وجہ سے لکڑی گھاس اور چونیٰ میں سرایت کرتی ہے۔ اسی طرح لوہا بھی، اگر ذرہ کے برابر پانی میں ڈالا جائے تو قائم نہیں رہ سکتا۔ ڈوب جائے گا۔ جب اس کو لکڑی کی صحبت ہوئی اور کسی کشتی میں جڑ دیا گیا تو دو چار من بھی پانی پر ٹھہرا رہے گا۔ اور ڈوب نہیں سکتا۔ صحبت کی تاثیر اور برکت یہیں سے سمجھو کہ اس کے کیا کیا فائدے ہیں تاکہ یہ دولت میر ہو جائے۔ اس وقت جب قاضی صدر الدین کی صحبت کا خزانے تم کو موقع دیا ہے تو اسے غنیمت سمجھو۔ خدا جہالت کی تاریکی سے تم کو نکال کر علم کی روشنی سے منور کرے۔ نیاز مندی اور عاجزی اختیار کرو۔ اور سرداری اور خواجگی کے دعوے سے الگ ہو۔ خواجہ سہیل عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ میں نے اس کے راستے کو دیکھا اور بصیرت کی نظر ڈالی۔ خدا تک پہنچنے کا کوئی راستہ عاجزی اور نیاز مندی سے بڑھ کر نہیں پایا۔ اور دعوے کرنے سے بڑھ کر

کوئی پردہ نہیں پایا۔ اے بھائی! شیطان کو دیکھو۔ دعوے ہی دعوے نظر آئیں گے۔ اور حضرت آدمؑ پر نظر ڈالو۔ سراسر عاجزی اور نیاز مندی پاؤ گے۔ ابلیس نے کہا اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ (میں اس سے بہتر ہوں) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کو ساری مخلوق سے بدتر کر دیا گیا۔ حضرت آدمؑ نے کہا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا (اے میرے پروردگار! میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا) آپ کو فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا۔ اور خدا نے اپنا خلیفہ بنا کر اُن کو تخت پر بٹھا دیا۔ اتنے انعام و اکرام پر بھی اُن کی نیاز مندی اور عاجزی ذرہ برابر کم نہ ہوئی۔ آنکھوں بہشت کا مالک اُن کو بنا دیا گیا، مگر ان کی مفلسی جتنی بھی تھی اس سے کم نہیں ہوئی اور اس میں کچھ نقصان نہیں پہنچا۔ آپ نے کہا۔ اے خدا جو تو فرماتا ہے وہ صحیح و درست ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں) یہ تیری مہربانی ہے مگر میرے لیے یہی زیبا ہے کہ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا (اے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا) کہتا جاؤں۔ خلافت کا تخت جو تو نے عطا کیا وہ تیری بخشش و کرم ہے لیکن میری دہائی پھر بھی یہی ہے رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا۔ اگر تم کل بہشت میں جاؤ۔ اور کُن انکھوں سے بھی اُس کی طرف دیکھو، تو تم میں آدمیت نہیں۔ اور تمہاری کوئی قیمت نہیں کیونکہ جو چیز کہ تمہارے باپ نے ایک دانہ گہیوں کے بدلے بیج دی۔ اس چیز کو اب مہنگا کون کر سکتا ہے۔ بتم کون ہو جو وہاں اپنا بستر لگاؤ اور ڈیرہ ڈالو یہ

پدرم روضہ رضوان بدو گندم لکھو
من کہ با شتم کہ جہاں رایجے نہ فرو شتم

(میرے باپ نے دو گہیوں کے بدلے بہشت بیج ڈالی ہیں کس لائق ہوں جو اس دنیا اور میں کی لذتوں کو ایک بچہ کے بدلے نہ بیج دوں۔ والسلام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بھینوان مکتوب ۵۶

مرید کے پہلے مرتبے کے بیان میں

برادر مٹمس الدین سلمہ اللہ تعالیٰ جانو کہ مرید کے مرتبوں میں پہلا مرتبہ شریعت کا راستہ ہے جب مرید شریعت کے احکام کی شرطوں پر قائم رہ کر چلتا رہا۔ اور شریعت کے حدود کی پوری طرح حفاظت کی، پھر ہر طرح اس کا حق بھی ادا کیا، تو اب چاہیے کہ وہ اپنی ہمت کو بلند رکھے۔

تاکہ شریعت کا حق ادا کرنے کی برکت سے اور عالی ہمتی کے طفیل طرقت اپنا جلوہ دکھائے۔ وہ دل کا راستہ ہے جب طرقت کی شرطیں کما حقہ ادا کر چکا، اور ہر طرح بجالایا، تو اپنی ہمت اور بھی بلند کرے۔ جیسا کہ کہا ہے کہ بے ہمت مرید کی کہیں رسائی نہیں ہمت کی برکت سے خداوند تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کے دل کے پردوں کو اٹھا دیتا ہے۔ اور حقیقت کے معانی جو سالکوں، طالبوں اور صادقوں کے اعلیٰ مقاصد ہیں اس کو دکھائی دینے لگیں گے جیسا کہ کہا گیا ہے۔ مثنوی

۱۔ خیال است این کہ بے شرع و طرقت
کشانیدت ہمیں راہ حقیقت
۲۔ طرقت بے شریعت نیست واصل
حقیقت بے طرقت نیست حاصل
۳۔ بیک دیگر تعلق ہر سہ دارد
کے شان تفرقہ کردن نیارد

(یہ خیال ہی خیال ہے کہ بغیر شریعت پر چلے ہوئے طرقت کا راستہ تجھ پر کھول دیا جائے گا۔ بغیر شریعت کے طرقت کام آنے والی نہیں۔ اور بغیر طرقت کے حقیقت حاصل نہیں ہو سکتی۔ ان تینوں کو ایک دوسرے سے الیا لگاؤ ہے کہ کوئی شخص ان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتا) جب سچے مرید پر یہ مطلب ظاہر ہو گیا تو سب باتوں سے منہ پھیر کر اسی کی تلاش و جستجو میں محنت اور مشقت کے لیے کمر باندھ لے۔ اب اگر ہزاروں مرتبہ بھی دنیا اور عقبی کی نعمتیں اس کے سامنے لائی جائیں تو وہ کنگھیوں سے بھی نہ دیکھے۔ اور غیر خدا کا نام سننے تو اس کو ست اور زمار سمجھے۔ اس سے اس کی مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔ اور انسان کے لیے تنہائی۔ اور لوگوں سے بے تعلقی اور مفلسی سے بڑھ کر کوئی سخت مصیبت نہیں۔ کیونکہ یہ صفیتیں مرنے کی ہیں زندی کی نہیں۔ یہ باتیں خواہشات کے مانے سے حاصل ہوتی ہیں۔ لہذا ہی سب اس کے مقصد بن جاتے ہیں۔ اگر کسی کو دیکھو کہ ان باتوں کے حاصل کرنے کی خواہش اس میں نہیں ہے تو سمجھ لو کہ طرقت کی جھلک اس پر نہیں پڑی ہے۔ ابھی تک اس نے طرقت پر آنکھ ہی نہیں ڈالی ہے۔ اور اب تک اس کو خاطر جمعی حاصل نہیں ہوئی ہے۔ سچے مرید کی پہچان یہ ہے کہ سب سے بڑی سامانی غریبی مفلسی اور تنہائی کو خوشی سے گوارا کرے اور اسی میں مسرت اور مگن رہے۔ دیکھو اور غور کرو کہ خواجہ کائنات و خلاصہ موجودات حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند سے بلند تر مرتبہ پہنچنے کے بعد بھی اس پر فخر و ناز نہیں فرمایا۔ بلکہ فقر و غریبی پر آپ نے خوشی کے آنسوؤں کے ساتھ دعا مانگی۔

اور فرمایا اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَسْكِيْنًا وَاَمِتْنِيْ مَسْكِيْنًا وَاَحْشُوْنِيْ فِيْ زَمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ (اے خدا، ہم کو مسکینی میں زندہ اور مسکینی میں موت دے اور قیامت کے دن مسکینوں کی حالت میں ہم کو اٹھا۔ اللہ! دنیا میں وہ کیسے لوگ ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جینے مرنے اور قیامت میں اٹھنے کے وقت اُن کی طرح ہونے کی دعا مانگی۔ اگر آپ فرماتے کہ جینے اور مرنے کے وقت ان کو ہمارے ساتھ رکھ تو یہ کوئی بڑی دولت نہ ہوتی۔ اسی لیے فرمایا ہم کو ان کے ساتھ رکھ۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ سارے جہان کا چکر لگائیں پھر بھی امید نہیں کہ کوئی مرید مل سکے یا نہ ملے۔ جیسا کہ حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ ہم برسوں چاہتے رہے کہ کوئی مرید ملے۔ مرید میں طبع کی صفت ہونا چاہئے تاکہ اس کا کام کچھ بن سکے۔ اپنے کو اس کے حکم پر ہار دینا دوسری چیز ہے اور معشوق کی ارادت میں ہارنا دوسری چیز۔ کیونکہ فرمان باہر کی چیز، اور ارادت اندر کی چیز ہے۔ اگر سلطان محمود ایاز سے کہتا کہ جا کسی اور کی خدمت انجام دے! وہ چلا جاتا تو یہ قصور ہوتا۔ جو کوئی اس جگہ حکم بجلائے وہ ابھی کچا ہے۔ اس میں خالی ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا وَاَسَا دَعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ (اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو) یہاں جو لوگ دل کے کچے اور لالچی تھے سب دڑے۔ مگر کچھ دلوں اور عاشقوں نے کہا۔ ہم کہاں جائیں۔

گفتی دگرے کن کھمے بنیائے گرتو دگرے چو نوشین بنمائے

(تو کہتا ہے کہ کوئی دوسرا معشوق تلاش کر۔ اے سب کچھ دیکھنے والے اگر تو اپنا جیسا معشوق و محبوب دکھا دے تو میں اُدھر چلا جاؤں)۔ اے خداوند پاک! برتر تیرے چاہنے والے بہشت پر کیونکر قناعت کر سکتے ہیں اور تجھ کو دوست رکھنے والے کسی دوسرے کی طرف کیونکر نظر اٹھا سکتے ہیں۔ گفتی کہ برو حدیث ما کن کوتاہ

اے دوست کجا روم کجا یا بم راہ

(تو کہتا ہے کہ چلا جا اور میری گفتگو چھوڑ دے۔ اے یار میں کہاں جاؤں کوئی راستہ نہیں ملتا)۔ حکایت: جب حضرت یعقوب علیہ السلام کنعان سے مہر آئے تو اچھے اور عمدہ کھانوں کی رغبت سے نہیں بلکہ یوسف علیہ السلام کی تلاش و جستجو میں آئے۔ کیونکہ حلوہ ردئی اور گوشت ہاں بھی موجود تھا۔ انھیں لوگوں کا کہا ہوا ہے کہ ان کی غرض دنیا اور آخرت میں خدا کی قسم کھانا

اور پناہ نہیں ہے۔

در عالم جان آب و ان غداے ما نے ماچو تو در ہر دو جہان عاشق ناہم

روح کے عالم میں ہماری غذا انگور کا پانی یعنی شراب دیدار ہے۔ ہم تیری طرح دنیا اور آخرت میں روٹی کے عاشق نہیں ہیں۔ بہشت کیا ہے؟ سمجھو کہ رنگ برنگ کے کھانوں کا ایک سترخان ہے۔ یہیں سے تمیز ہو جاتی ہے کہ بہشت کے عاشق کون ہیں اور خدا کے عاشق کون؟ اگر باز بہشت دلوں کا بھوکا بھی ہو تو وہ کبھی نہ چاہے گا کہ پھر اور چیونٹی جیسی غذا اُس کے پیٹ میں جائے۔ قَدْ عَلِمَ الْاُنَاسُ مَشْوَبَهُمْ (تمام لوگوں نے اپنا مشرب جان لیا ہے)۔ لیکن مرید کو اس راستے میں ہزاروں خوف اور ہزاروں امیدوں سے واسطہ پڑتا ہے بہت اونچ نیچ اور مشکلات پیش آتی ہیں۔ ہزاروں چیزوں میں لپٹاتے ہیں اور ہزاروں رنگوں میں ڈبو کر نکالتے ہیں جب یہ کسی تجربہ کار اور پختہ روزگار پیر کے سایے میں رہے گا تو وہ طبیب حاذق کی طرح ہر مرض اور عرض کا علاج مختلف طریقوں سے کرے گا اور ہر شورش اور سودا کے لیے دوسرا معجون بنائے گا۔ یہ سب باتیں تو آسان ہیں لیکن اگر اپنی خود رانی سے چلے گا تو بڑے خطرے میں پڑ جائے گا۔ لَا دِینَ لِمَنْ لَا شَيْعَ لَہُ (جس کا کوئی پیر نہیں اُس کا کوئی دین نہیں) یہ مشائخین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کہا ہوا ہے۔ اور اسی گروہ نے کہا ہے کہ جس مرید کے دل میں اس کام کی ارادت پیدا ہوتی ہے اُس کی مثال اس چیونٹی جیسی ہے جو چاہتی ہو کہ پورب یا بچھم سے کعبہ جائے۔ اگر اپنے پاؤں سے آپ چلے گی تو ہزاروں سال چلنے پر بھی کعبہ تک پہنچنا ناممکن ہوگا۔ اور جان کا خطرہ بھی ہے لیکن اگر وہ کبوتر یا باز کے پر کا سہارا لے تو پہنچ جانا بالکل آسان ہوگا۔ چیونٹی کا صرف اتنا کام ہوگا کہ کبوتر کے پاؤں سے لپٹ جائے جب پروں کا سہارا لے لیا۔ اپنے چلنے کے ارادے کو چھوڑ دیا تو اس کا کام کبوتر کے ارادے پر موقوف ہوگا۔ اگر اپنے ارادے چلی تو کبوتر کے ساتھ کعبہ نہ پہنچ سکے گی۔

مور مسکین ہوئے اشت کرد کعبہ دست در پائے کبوتر زد دنا گاہ رسید

(غریب چیونٹی کی تمنا تھی کہ کعبہ پہنچے۔ کبوتر کے پاؤں سے لپٹ گئی اور اچانک کعبہ پہنچ گئی)۔ اسی طرح مرید کے لیے پیر کبوتر کا کام کرتا ہے۔ اور مرید کی مثال کمزور چیونٹی جیسی ہے جب اس نے

کسی پیر سے تعلق پیدا کیا تو وہ اپنی راہ سے چل کر اُسے منزل تک پہنچا دے گا۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ مرید کو چاہیے کہ پیر کی ذات میں خدا کو دیکھے۔ کیونکہ مرید کے لیے پیر ایک ایسا آئینہ ہے جس میں خدا کو دیکھے۔ دیکھنے کا مطلب ان ظاہری آنکھوں سے دیکھنا نہیں بلکہ خدا کی صفات، ارادہ اور افعال کا جانتا اور پہچانتا ہے۔ کہیں غلطی میں نہ پڑ جائے جو شخص طرقت کے راستے میں پیر کہنے پر چلے گا اُس کا نام پیر کا مرید ہے۔ اور جو کوئی اپنی خواہش اور مطلب پر چلے گا وہ اپنی مرادوں کا مرید ہے، پیر کا نہیں۔ لوگوں نے کہا ہے مرید کو ایسا پیر پرست ہونا چاہیے جیسا فرمایا ہے مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (جس نے رسول کی پیروی کی اُس نے خدا کی پیروی کی)۔ اس وقت وہ ساعت آتی ہے کہ سائے اعتراف درمیان سے اُٹھ جاتے ہیں۔ پیر کی حالت قول فعل اور روش پر کسی طرح کا اعتراف نہ کرے۔ اور ظاہری اور باطنی طریقے سے خود کو پیر کے تقرب و قبضے میں دیدے اور اپنے لیے چون چو کا دروازہ بند کر لے۔ اور حاجتوں کا دروازہ کھول دے۔ اور بغیر اس کے حکم کے ایک قدم بھی نہ چلے۔ اب پیر کی ہمت اور برکت سے یہ ممکن ہے کہ وہ مرید کو منزل تک پہنچا دے۔ اور پستی سے بلندی پر لے آئے۔ اور مریدی سے پیری کی مسند پر بٹھا دے۔ اے بھائی! جس کو اس کے لائق بنایا ہے اُس میں یہ باتیں جو تم نے سنیں بغیر تکلیف و مشقت کے بنی بنائی موجود ہیں۔ مگر کم محنتوں اور بد نصیبوں کو جب کوئی حصہ نہیں ملا تو ہمارے لیے سخت مشکل اور محال ہے۔ ایک شخص کے سر پر اپنے فضل و عطا سے مہربانی کا تاج رکھتا ہے۔ اور ایک شخص کے کلبے پر انصاف کے قید خانے میں قہر کا داغ لگاتا ہے اور ایک شخص کو جلال و عظمت کی آگ میں بھونک دیتا ہے۔ اور ایک کو اپنے جمال کی روشنی سے نوازتا ہے۔ مٹی اور کوڑے کرکٹ سے اُس نے ایک شخص کو پیدا کیا۔ اور حسرت و افلاس کی پوشاک پہنائی اور اُس کا ظلم و جہول نام رکھ کر سارے جہان میں ڈھنڈورا پیٹ دیا۔ اس کے بعد سات لاکھ برسوں کی عبادت کرنے والوں کو اُس کے استقبال کا حکم دیا۔ اور فرمان ہوا کہ وہ سجدے جو کل اعمال کا پتھر ہیں اور مٹھائے حالات احوال کے اسرار ہیں اُس کے سر پر بچھا کر دو! اے بھائی! جب رحمت کے دریا میں مغفرت و بخشش کی طغیانی آتی ہے تو سارے گناہ اور نعرشیں بہا لے جاتی ہیں۔ اور سب عیب ہنر بن جاتے ہیں۔ کیونکہ گناہ اور نعرشیں کم نیکن (نہیں رہنے والی) ہیں۔ اور رحمت کم یزل (ہمیشہ رہنے والی) ہے۔ کم نیکن

لَمْ يَزَلْ كِي بَرَابَرِي كَمَا تَكْرُسُكَ هِيَ۔ اِسْ اَبْ گِلْ كے سَاكْ اِسْ كَا كَام رَحْمَت كِي بَارِش كَرْنَا
ہے۔ ورنہ ہمارے اِس سِیہ بخت دِو دِو كِي كِیَا مَجَال تھی كہ اِس مَالِك الْمَلِك كے فَرَش كے كُنائے پَر بھی قَدَم
رُكھ سكتا۔ كتنے شراب خوار جو شیطانی باتوں ميں گھلے ملے رہے اور اُن كا زمانہ گندى خواہشوں اور
ناپاكيوں ميں گزرتا رہا۔ يَك بِيَك فتوح غيبی سے اِس كے مقبول ہونے كا ايك قاصد ظاہر ہوا اور
اُس نے كہا اَلْجَبِيْبُ يَقْرَأُ لَكَ السَّلَامَ وَيَقُولُ لِي مَعَكَ كَلَامٌ (جَبِيْب تجھ كو سلام كرتا ہے
اور فرماتا ہے مجھ كو تجھ سے كچھ باتيں كرنی ميں۔ والسلام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ستا و نواں مکتوب

مرید کے پہلے مرتبے میں مضمون دیگر

برادر مٹمس الدین سلمہ اللہ تعالیٰ جانو کہ مرید کے مرتبوں میں سے پہلا مرتبہ شریعت ہے۔
جب شریعت کا حق اپنی طاقت اور ہمت کے موافق پورا کر چکا تو ہمت بلند رکھے۔ اِس وقت طریقت
کا جلوہ اُس کو نظر آئے گا۔ یہ دل کا راستہ ہے جب طریقت کا حق بھی پوری طرح ادا کر چکا۔ پھر بھی
ہمت بلند رکھے۔ اِس وقت اِس کے دل کا پردہ اُٹھ جاتا ہے اور حقیقت کے اسرار جس میں جان
کا راستہ ہے اُس کو دکھایا جاتا ہے۔ بشرح طریقت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے خدا کے راستے میں
مریدوں اور سالکوں کے لیے اجمالی طور پر چار مقامات بنائے ہیں۔ اور کہا ہے جب تک مرید ان
چار راستوں سے نہیں گزرے گا منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ پہلی منزل عالمِ ناسوت (یعنی دنیا)
دوسری منزل عالمِ ملکوت (عالم فرشتگان) تیسری منزل عالمِ حیروت (عالم ارواح) اور چوتھی منزل
عالمِ لاہوت ہے جب تک عالمِ ناسوت کو طے نہ کر لے گا عالمِ ملکوت میں نہ پہنچے گا۔ اور جب تک عالم
ملکوت سے نہ گزر جائے گا عالمِ حیروت میں قدم نہ رکھے گا۔ اور جب تک عالمِ حیروت طے نہ کر لے گا
عالمِ لاہوت میں داخل نہیں ہوگا۔ اور عالمِ لاہوت ایک ایسا عالم ہے جہاں کوئی نشان نہیں جب
مرید وہاں پہنچ گیا تو اپنے آپ میں نہ رہا اور بے نشان ہو گیا۔ ناسوت حیوانات کا عالم ہے۔ یہاں
پانچوں حواس سے کام لیا جاتا ہے یعنی سَنَّا، دیکھنا، سونگھنا، چکھنا اور چھونا جب مرید مجاہدہ اور

اور ریاضت کے ذریعہ ان حواس کو پاکیزہ بنالیتا ہے اور صرف شریعت کے مطابق استعمال کرتا ہے تو عالم ملکوت میں پہنچ جاتا ہے اور جس طرح فرشتوں سے گناہ نہیں ہوتا وہ بھی گناہوں سے محفوظ اور مامون ہو جاتا ہے۔ وہ فرشتوں کی طرح خدا کی تسبیح و تہلیل، رکوع و سجود اور قیام و قعود میں مشغول رہتا ہے اور جب ان عبادات کی نسبت کو اپنے سے منقطع کر لیتا ہے یعنی معبود اور اس کی عبادت کے درمیان اپنے کو نہیں دیکھتا اور صرف لذت عبادت بن کر رہ جاتا ہے تو عالم جبروت میں پہنچ جاتا ہے اور یہ ارواح کا عالم ہے۔ اور روح کی حقیقت کو چند خاص لوگوں کے سوا کوئی دوسرا نہیں پہچان سکتا۔ اس منزل کی عبادات عشق و محبت، ذوق و شوق، طلب جذب اور تواجد مستی ہے جب سالک ان عبادات میں فنا ہو جاتا ہے تو عالم لاہوت میں پہنچ جاتا ہے یہی مقام *وَرَأَى إِلَهَ رَبِّكَ الْمُنْتَهَى* (البتہ تیرے رب تک تیری منزل کی انتہا ہے)۔ عالم لاہوت کا نام عالم لامکان ہے۔ اس عالم میں لطف و گویائی نہیں ہے۔ یہی وہ بھید ہے جس کو کہا ہے۔ دبا شی

در دیدہ دیدہ بہنادند دان راز رہ دیدہ غداے دادند
ناگہ بہر کوے کمال افتادند از دیدہ و دیدنی کنون آزادند

(آنکھ کی آنکھ میں ایک اور بصیرت رکھی ہے اور آنکھوں کے راستے اس کو غذا دیتے ہیں اور پھر دفعۃً اس کو کمال پر پہنچا دیتے ہیں تو وہ دیکھنے دکھانے سے بھی آزاد ہو جاتا ہے)۔ اور اس راہ کو طے کرنے کے لیے تین زینے ہیں شریعت، طریقت اور حقیقت۔ لوگوں نے کہا ہے آدمی تین چیزوں کا مجموعہ ہے نفس، دل اور روح۔ ہر ایک کے لیے راستہ مقرر کر دیا ہے نفس کے لیے شریعت، دل کے لیے طریقت اور روح کے لیے حقیقت کا راستہ بنایا ہے نفس شریعت کے راستے سے عالم ملکوت میں داخل ہوتا ہے اور دل کی صفتیں اختیار کرتا ہے۔ اور دل طریقت کی راہ سے عالم جبروت میں پہنچتا اور روح کی صفتیں اختیار کرتا ہے۔ اور روح حقیقت کے راستے اور جذبہ الہی کے وسیلے سے اپنی منزل مقصود کو پہنچ جاتی ہے۔ اور اس طرح کام بنتا ہے کہ نفس دل اور دل روح بن جاتا ہے یعنی تینوں ایک ہو جاتے ہیں۔ یہیں سے کہتے ہیں ع عاشق و معشوق و عشق ہر سہ معنی یکے بہت (یعنی عاشق و معشوق اور عشق تینوں حقیقت ایک ہی ہیں)۔ اس کا نام توحید مطلق ہے۔ کہا گیا ہے کہ خدا کے راستے پر چلنے والوں کی تین حالتیں ہوتی ہیں پہلی سلوک، دوسری وقوف، تیسری رجوع۔ اور

یہ تینوں حالتیں بغیر ارادہ اور مشیت الہی کے نہیں ہیں۔ لیکن بندہ کے لیے یہی ہے کہ ہر وقت کام میں لگا رہے اور انتظار میں بیٹھا رہے۔ وہ وہی کرے گا جو اُس کے لیے اُس نے چاہا ہے۔ اُس کو کسی کی ہلاکت یا کسی کی نجات سے کوئی غرض نہیں۔ ایک شخص کسی بیابان میں پیاس کے مارے مر رہا تھا، اور کتا تھا، اتنے دریا پانی سے بھرے پڑے ہیں اور پھر بھی پیاس سے میری جان نکل رہی ہے غیب سے آواز آئی کہ ہم ہزاروں صدیقیوں کو خوشخوار خبگل میں پہنچا دیتے ہیں اور اپنی مشیت کی تلوار سے سمجھوں کے گلے کاٹ کر چیل کوڈوں کی غذا بنا دیتے ہیں۔ اور اگر کوئی ہماری خواہش پر اعتراض کرنا چاہے تو اس کے لبوں پر اپنی سیاست کی مہر لگا دیتے ہیں کہ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ (وہ جو کچھ کرتا ہے اُس پر کوئی سوال نہیں کیا جاسکتا) چیل کوڈے بھی ہمارے اور صدیق بھی ہمارے ہی پیدا کیے ہوئے ہیں۔ دوسرا فضول بکنے والا بیچ میں کون ہے۔ اب جس کی خواہش ہو کہ اس حقیقت کی تہ تک پہنچے تو اُس کو مردانِ خدا کے جوتوں کی خدمت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں، تاکہ کسی دل میں اُس کی جگہ بن سکے اور کوئی شخص خواہشاتِ نفسانی کی قید سے باہر نہیں نکل سکتا مگر وہی جس کو اُس نے چاہا۔ جب تک کسی پیر تجربہ کار اور راستے سے خبردار کی پروردی اختیار نہ کرے گا اُس کا کام نہیں بنے گا۔ مرید میں جتنی استعداد اور جس قدر علم ہوگا اُسی کے موافق پیر اس پر حکم لگائے گا۔ بیماری اور بیماری کے اسباب کا مختلف علاج بتائے گا۔ یہاں تک کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مرید کی ذات میں اپنا ڈیرا ڈال دے اور شیطان کا آنا جانا اُس کے دل میں بند ہو جائے۔ سارے جہان کے لوگ اسی طرح جستجو میں ہیں کہ خدا کا راستہ اپنے سر سے طے کریں۔ لیکن دل کی صفائی کے انداز سے ہر شخص کا علم ہوتا ہے اور اسی علم کے انداز سے اس کی طلبِ ارادت ہوتی ہے اور جس درجہ طلبِ ارادت ہوتی ہے اتنا ہی سلوک بھی ہوتا ہے۔ ادنیٰ قسمت والے مرید تجربہ کار اور راہ سے یا خبر پیروں کی صحبت میں پارسا ہو کر راستہ پاتے ہیں۔ اور محروم القسمت مرید اپنی لُصیبی کے سبب اُن کی امداد کے باوجود بھٹکتے رہتے ہیں۔ بے قبالی اور لُصیبی کی وجہ سے اُن کا نفس خود رانی پر اڑ رہتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ جب پیر مرید کے دل میں ارادت کی لہر دیکھتا ہے تو کتا اسے

گرا پیچ شے از وصل تو بیا بم داد من برب تو چہ بوسہ ہا دامن داد

اگر کسی رات تیرا وصال چل ہو جائے تو میں تیرے لیوں کو نہ جانے کس کس طرح چوموں۔

جب اونچی قسمت والے مرید کسی خدا رسید پیر کے پاس پہنچ جاتے ہیں تو ان کی زبان پر یہ ہوتا ہے۔
از بخت بلند او فسادم یہ تو من
ایزد داند کہ سخت شادم تو من

(میں خوش نصیبی سے آپ کے در تک پہنچ گیا ہوں۔ خدا جانتا ہے کہ آپ کی زیارت سے میں بہت خوش ہوں)۔ اب اس زلزلے میں ہماری بد نصیبی اور بے اقبالی سے یہ سب باتیں کہاں۔ اور اپنی بد ہنادی اور کینے کپٹ کی وجہ سے ہم لوگ محروم ہو گئے ہیں۔ مولے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ اسی جملے کو دہراتے جائیں نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهِ (مومن کی نیت اُس کے عمل سے کہیں بہتر ہے) اگر کسی کی نیت دارادت ٹھیک ہو، مگر کسی رکاوٹ کی وجہ سے مراد پوری نہ ہو تو ایسا ہے جیسے بیماری حج اور جہاد سے آدمی کو روک دیتی ہے، یا مفلسی اور غربت خیرات کرنے کا موقع نہیں دیتی، اسی طرح چونکہ ان کی نیت درست رہتی ہے اس لیے یہ لوگ بھی حج، جہاد اور صدقہ کا ثواب انھیں لوگوں کے برابر پالیتے ہیں جنھوں نے حج جہاد اور صدقہ کیا ہو۔ اور اس طرح کی باتیں قرآن اور حدیث میں بہت آئی ہیں۔ دن رات دل کو جلاؤ اور روتے رہو اور ان باتوں کے پورا نہ ہونے کی حسرت میں جلتے رہو۔ اگر خدا نے چاہا تو نیت دارادت درست ہو جائے گی۔ کیونکہ صرف کاموں کی قدر نہیں ہے، بلکہ اصل قدر دل کی ہوتی ہے۔ بہتر ہے ایسے لوگ جو اپنے گھر میں سوئے ہوئے ہیں مگر غازیوں کا ثواب اُن کو مل رہا ہے اور بہت سے لوگ جو لڑائیوں میں شہید کر دیے گئے وہ کافروں کی صف میں کھڑے کیے جاتے ہیں۔ اس شہادت سے اُن کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ اَكْثَرُ شُهَدَاءِ امَّتِي اصْحَابُ الْقَدَسِ وَرُبَّ قَتِيلٍ بَيْنَ الصَّفَّيْنِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِنِيَّتِهِ (میری امت کے اکثر شہید گھوڑے سوار ہیں اور ممکن ہے دو صفوں کے درمیان قتل کیے گئے ہوں۔ لیکن اللہ ہی اُن کی نیتوں کا جانتے والا ہے) اس لئے میں اپنے غم پر ماتم کرنے سے بڑھ کر کوئی چیز نفع بخش نہیں جیسا کہ فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ كُلَّ قَلْبٍ حَزِيْنٍ۔ (اللہ ملگین دلوں کو دوست رکھتا ہے)۔ تم نے یہ روایت سنی ہوگی کہ جب مسجد نبوی میں منبر بنایا گیا تو حنّانہ، جو کھجور کا ایک ستون تھا اور حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اُس پر خطبے کے وقت ٹیک لگاتے تھے آپ کی جدائی کے غم میں رونے لگا۔ غیب سے فرمان ہوا کہ حنّانہ کو تسکین دو۔ کیونکہ مہجوروں اور بیماروں کا رونا خدا کے نزدیک قابلِ قدر ہے۔ اور اُس کا فضل جس کا کوئی سبب نہیں ایک شخص پر نوازش و کرم کی بارش کرتا ہے۔ اور اُس کا انصاف

جس کا کوئی سبب نہیں ایک دوسرے شخص کو یوں ہی چھوڑ دیتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کو بت خانہ سے تعلق تھا قبول فرمایے گئے اور عبداللہ ابی کعب جس کا ڈیرہ مسجد میں تھا گمراہی اور پستی میں ڈال دیا گیا جس نے یہ کہا ہے اُس کی جان پر خدا کی رحمت ہو۔

آن را کہ می سوزی و می دانی خست
و آن را کہ می سازی و می دانی خست

آج جس کو تو جلا رہا ہے اُسے جلانا اور بنانا تو جانتا ہے۔ اور آج جس کو بتا رہا اور نواز رہا ہے اُس کو جلانا بھی تو جانتا ہے۔ اے بھائی! ہم کو تم کو ایسے قمار دجیار سے پالا پڑا ہے کہ آٹھون ہشت کو ایک دم دونخ اور دونخ کو بالکل ہشت اور کعبے کو کلیسا اور بت خانہ کو کعبہ بنائے تو اُس کی قدرت کے نزدیک دنوں برابر ہیں۔ کوئی کلیجہ باقی نہیں جو اس دہشت سے پانی ہو کر نہ بہ جائے۔ ہر وقت ڈرتے اور کانپتے رہو۔ اس کا ڈر لگا ہے کہ کہیں غیب کے پردے سے راند دینے والا ہاتھ جس کے لیے کوئی سبب نہیں، نکل آئے۔ اُس کا قہر بھی بے سبب ہے اور اُس کی مہربانی بھی بے سبب ہوتی ہے۔ اُس کی مہربانی کسی گندے ناپاک کو بلا لیتی ہے اور مغفرت کے پانی سے اُس کی آلودگیاں دھو ڈالتی ہے تاکہ اس کے لطف کی پاکیزگی دل سے ظاہر ہو۔ اور اُس کا قہر کسی پاک شخص کو اس لیے بلاتا ہے کہ اس کو دور بھینک کر جدائی کے دھوئیں سے اُس کا چہرہ سیاہ کر دے تاکہ شہنشاہ قہر کے اسباب سے پاکی ظاہر ہو۔ کبھی کسی بد ہنسا دبدبہ کار کے گھر سے نبی پیدا کرتا ہے۔ اور کبھی کسی نبی کے گھر سے بدکار دبدبہ ناسک کو وجود میں لاتا ہے۔ کبھی ایک کتے کو اولیاء کی صف میں کھڑا کر دیتا ہے، اور کبھی کسی ولی کو کتوں کے گردہ میں باندھ دیتا ہے۔ لیکن جب وہ مردود کر چکتا ہے تو پھر کسی طرح مقبول نہیں بناتا۔ اور جب وہ قبول کر چکتا ہے تو پھر کسی طرح مردود نہیں کرتا۔ تم کو چاہیے کہ ملک الموت کے آنے سے پہلے اُسی کی طرف توجہ کرو۔ اور اس سے پہلے کہ تم کو پکڑ دھکڑ کر لے جائیں خود ہی اُس کے حضور میں جانے کا قصد کرو۔ اگر گرفتار ہو کر گئے تو لطف ہی کیا رہا جب حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا گیا تو آپ نے نہیں کہا قَوْفَتْنِی (مجھ کو مار ڈال) اور جب بازار مصر میں آپ پر بولی لگائی جا رہی تھی آپ نے نہیں کہا کہ مجھ کو مار ڈال۔ اور جب کھوٹے اٹھارہ درم میں بیچے گئے تو نہیں کہا مجھ کو مار ڈال۔ اور جب قید خانے بھیجے گئے اُس وقت بھی نہیں کہا مجھ کو مار ڈال۔ لیکن جب ملک مصر قبضے میں آگیا اور سلطنت کا انتظام سنبھال چکے تو اس وقت آپ نے

دعا کی تُو فِیْ مُسْلِمًا وَ الْحَقِّیْ بِالْصَّالِحِیْنَ۔ (اے اللہ مجھے مار ڈال مسلمان ہونے کی حالت میں اور صالحوں کے ساتھ ملا دے۔ و السلام)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اکھا و لواں مکتوب ۵۸

مسلمانی کے حال میں

میرے عزیز بھائی شمس الدین اللہ تمھارے شریف احوال کو آراستہ کرے۔ جانو کہ مسلمان کا حال دوسرا ہے اور بشریت کی تعریف دوسری ہے جب تک انسانی صفیتیں اخلاص کے ذریعہ زیر نہ ہو جائیں مسلمان احوال کا دل سے لگاؤ نہیں ہوتا۔ ان صفتوں کے مجموعہ کا نام محقق لوگوں نے نفس رکھا ہے۔ تم نے نفسِ امارہ کا نام سنا ہوگا، وہ یہی تو ہے۔ بدن اور اُس کے جوڑ بند سانچے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان سے کسی آفت کا ڈر نہیں۔ یہ تو ایک سواری ہے جو دین کے احکام کا بوجھ لا دکر لے جاتی ہے۔ اُس نے فرمایا ہے کہ ہم نے اپنی قدرت کی بارگاہ سے تم کو ایک سواری دی ہے۔ اس پر سوار ہو کر دین کی راہ میں چلو جب تک وہ ٹھیک راستے پر چلتا رہے کچھ چھیرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ تو احکام کی بار برداری کے لیے ہیں۔ ان کو کچھ تکلیف نہ دو۔ مگر جب دین کے راستے سے بھٹکنے کا ارادہ کریں اُس وقت اپنی ریاضت کے کورسے سے اُن کو مار دو تاکہ ٹھیک راستے پر آجائیں۔ قالب کی صفت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے بدن میں سوئی چھو چھو کر یہ کہے کہ میں اپنے نفس کو مار رہا ہوں اور اُس پر غصہ اتار رہا ہوں تو خدا کے نزدیک وہ گنہگار ہوگا۔ بہت سے جاہل اسی غلطی میں پڑے ہوئے ہیں اور اپنی حماقت سے اس کو ایک بڑا کام سمجھتے ہیں۔ خبردار شریعت کی حد سے آگے نہ بڑھنا۔ یہ ایک بڑی اچھی سواری ہے اور خدا کی امانت کا بوجھ سنبھالنے کے قابل ہے۔ خدا کے عہد و پیمان کا بار اس کے سوا کوئی نہیں کھینچ سکتا اور اس کے سوا عبودیت کے مقام تک کسی اور کے پہنچنے کی امید نہیں کی جاسکتی۔ اس کی ایذا رسانی کا خیال بھی نہ کرنا۔ یہ نفس اس کا سزاوار ہے کہ اس کو اکھاڑ پھینکا جائے اور اس کا مسخ ہے کہ قہر اور غصہ سے دبا دیا جائے۔ وہ چاہتا ہے کہ بشریت کی صفت اور سرکشی کے ذریعہ تمھارے دین پر دھاوا بولے۔ اور تمھارے

اسلام کی دولت کو لوٹ لے اور مصیبتوں کا دروازہ مٹھائے لیے کھول دے۔ نفس کی اس خواہش کو دباؤ رکھنا اور اپنے دل کو اس کے قتل سے بچائے رکھنا چاہیے۔ اور اس کی بلاؤں سے اپنے ظاہر کی حفاظت کرنا پہلا فرض ہے۔ جو خواہش نفسانی کی پیردی کرتا ہو اور اس سے لطف اٹھاتا ہو اس کو کہہ دو کہ سلام کا نام زبان پر نہ لائے اور پیغمبر اسلام کی امت ہونے کا دعویٰ نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑا نادبینا ہے دوست اور دشمن کو خوب پہچانتا ہے وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ۔ (اور اللہ تعالیٰ مصلحین میں مفسدین کو خوب جانتا ہے)۔ ہمارے سردار پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بالکل معصوم ہیں۔ اپنی امت کے لوگوں کو خوب پہچانتے ہیں۔ مَنْ عَشَنَّا فَلَيْسَ مِنَّا اَيُّ فِيْ دِيْنِنَا (جس نے ہم کو آلودہ کیا وہ ہم میں سے نہیں۔ یعنی ہمارے دین میں نہیں ہے)۔ مثنوی

۱۔ الالے سر غفلت در نہ سادہ	۲۔ دنیا دین خود برباد دادہ
۳۔ ترا اندہ نان و حرامہ تاکہ	۴۔ ترا از ننگ و نام عامہ تاکہ
۵۔ چرا مغرور جاے دیو گشتی	۶۔ تو دیوانہ شدی کالیو گشتی
۷۔ چو زین گلخن بدان گلشن رسیدی	۸۔ ہمیں انکار کین گلخن نہ دیدی

۱۔ اٹھے غفلت میں سر جھکائے ہوئے انسان ہو شیار ہو جا۔ تو نے دنیا کے عوض دین کو برباد کر دیا ہے۔
 ۲۔ تجھ کو روٹی کپڑے کا غم کب تک رہے گا اور تجھ کو نیک نامی اور بدنامی کی فکر کب تک ستاتی رہے گی۔
 ۳۔ کیوں شیطان کی جگہ غرور میں مبتلا ہو گیا ہے۔ تو دیوانہ اور پاگل ہے۔ جب تو اس آگ کی بھٹی کو چھوڑ کر اس چمنستانِ لطافت میں پہنچ جائے گا تو ایسا معلوم ہو گا کہ یہ بھی دیکھی ہی نہ تھی۔ ۴۔ سداے جہان کا لشکر دو قطاروں میں بٹا ہوا ہے۔ ایک خدا کا لشکر اور ایک شیطان کا لشکر۔ اب تم غصے سے اچھی طرح دیکھو کہ تم کس گردہ میں شامل ہو۔ اسی جہان سے دو راستے نکلے ہیں۔ لوگ ایک راستے اس آیت کے حکم پر چل رہے ہیں۔ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ (ایک جماعت جنت اور ایک جماعت دوزخ میں ہے)۔ لیکن قیامت میں اس کا حال ظاہر ہو گا۔ بہت دنوں سے بہشت اور دوزخ کا راستہ کھول دیا گیا ہے۔ اور لوگ اس پر چل بھی رہے ہیں۔ قیامت کے دن کو بہشت یا دوزخ میں جانے کا حکم سنانے کی ایک کچھری سمجھو۔ لیکن راستہ چلنے کا تعلق اسی عالم سے ہے۔ جو شخص دنیا میں دوزخ کے راستے پر چلا ہے وہ اگر قیامت میں چاہے کہ بہشت کا راستہ اختیار کرے تو اس کو اس کی اجازت نہ ہو گی۔

اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کے قید خانے میں بند کر دیا جائے گا۔ اور حسرت و فسوس کے کوٹے کی مار اس کے دل اور آنکھوں پر ہمیشہ پڑتی رہے گی۔ اسی بھید کے متعلق کہا ہے۔ مثنوی۔

۱۔ یکے را خواہ تا در زہ نہ مسانی
فلک رد باش تا در چہ نہ رانی
۲۔ دو گیتی را نہ بوید ہر کہ مرد بہت
یکے را بوید او کین ہر دو گرد بہت
۳۔ بہشت آدم بہ دو گندم بیداد بہت
تو اش بفروش گر کارت فساد بہت

ایک ہی کی جستجو کرتا کہ راستے میں پڑا نہ رہ جائے۔ آسمان کی طرف اڑتا کہ کنویں میں نہ گر جائے۔ جو بہادر ہے وہ دونوں جہان پر لات مارتا ہے۔ وہ ایک ہی کو تلاش کرتا ہے کیونکہ یہ دونوں جہان اس کی نگاہوں میں گرد کے برابر ہیں۔ حضرت آدم نے دو گئیوں کے عوض بہشت بیچ ڈالی۔ اگر تجھے بھی کوئی کام کرنا ہے تو اس کو بیچ ڈال۔ اے بھائی محققوں کا کہنا ہے کہ اس جہان کے پہچاننے میں لوگوں نے غفلت کی ہے۔ اگر اس سرے کا ایک ذرہ بھی اپنے پیدا ہونے کا بھید تم پر کھول دے اور تم سے محبت کرنے لگے تو تمہاری نظروں میں اس قدر پیارا اور بزرگی ہو کہ آنکھوں بہشت تمہاری غلامی کرنے لگیں جو لوگ جھگڑوں اور غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اس کی قدر آخراں کو معلوم ہوگی۔ مگر اس وقت جب کام ہاتھ سے نکل چکا ہوگا۔ اس وقت مصیبت اور حسرت کے سوا کچھ بنائے نہ بنے گی۔ مثنوی۔

۱۔ زندان گشت دیدہ بر کند زود
بہ خواری دیدہ بر رہ افکند زود

۲۔ ایسے را بعد درد و ندامت
بہ دوزخ می برند اندر قیامت

۳۔ چنیں گوید کہ از دیدہ چہ مقصود
نہ خواہم دید بے دیدار معبود

ایک قیدی کو بڑی ذلت اور مصیبت کے ساتھ قیامت کے دن دوزخ میں لے جائیں گے تو وہ انگلی سے اپنی آنکھیں نکال کر نفرت کے ساتھ راستے میں پھینک دے گا۔ اور کہے گا کہ ایسی آنکھوں سے کیا فائدہ۔ جب معبود کا دیدار ہی نہیں تو میں ان کو دیکھنا نہیں چاہتا۔ بارگاہِ خداوندی سے یہ خطاب آرہا ہے کہ اس عالم میں دل نہ لگاؤ۔ یہ دولت کبھی نہیں مل سکتی۔ تم اپنا وقت برباد کرتے رہے۔ روزِ پانچ وقت ہمارے دھندلے اور پیٹنے والے تم کو ہماری درگاہ میں بلائے ہیں۔ اور تم حتیٰ علی الصلوة اور حتیٰ علی الفلاح کی آواز نہیں سننے۔ اور اس دولت سے

محروم رہے۔ ہم نے تمہارے لیے خوش نصیبی کے دروازے بند کر دیے ہیں۔ اگر زمین و آسمان سب مل کر خون روتے رہیں، اس تمنا میں کہ ایک دفعہ بھی ہم کو اجازت ملتی کہ ہم ایک رکوع یا کوئی سجدہ ادا کرتے۔ تو ہرگز وہ یہ دولت نہ پاسکیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ محروم ہی رہیں گے۔ ذَهَبَتْ الدُّنْيَا وَبَقِيَّتِ الْأَعْمَالُ فِيَّ أَعْنَا قُكُمُ (دنیا تو گزر گئی۔ اب تو صرف دنیا کے کام تمہاری گردنوں پر باقی رہ گئے)۔ ایک عارف نے کہا ہے کہ جب تک بہشت کی رشوت کا وعدہ نہ کیا جائے کوئی خدا کی پرستش اور بندگی نہیں کرتا۔ اور جب تک ساتوں جہنم سے ڈرایا دھمکایا نہ جائے گناہوں سے باز نہیں آتا یہ اس بات کی علامت ہے کہ شہنشاہِ توحید نے اس کے دل کے ساتھ محبت کا رشتہ اب تک قائم رکھا ہے۔ دیکھو مثال کے طور پر۔ اگر رضوان آٹھویں بہشت لیے تمہارے دروازے پر آئے اور تم کو اختیار دے کہ چاہے دو رکعت نماز شرائط و آداب کے ساتھ پڑھو، چاہے بے حساب کتاب بہشت کے محل میں چلے جاؤ تو توحید کا حق تو یہ ہے کہ تم دو رکعت نماز پڑھنا ہی پسند کرو تا کہ بہشت پر تمہارا برا احسان رہ جائے اور وہ خود تمہارا پاس پہنچ جائے۔ ایک بہت والے نے کہا ہے۔

۱۔ گوہرِ عشق تو چو درکانِ ماست	بارِ بلا ہے تو بر جانِ ماست
۲۔ نام تو خود مولیٰ جانِ دل است	ذکر تو آسائشِ ارکانِ ماست
۳۔ عقل چو شد بندہ درگاہ تو	شاہِ جہان خادمِ دربانِ ماست

رجب تیرے عشق کا موتی ہمارے دل کے خزانے میں ہے تیری بلاؤں کا بوجھ ہماری جان پر ہے۔ تیرا نام ہماری جان اور دل کا انگسار ہے۔ تیری یاد ہمارے عناصرِ زندگی کو سکون پہنچاتی ہے۔ جب ہماری عقل تیرے دربار کی غلام بن گئی تو دنیا کا بادشاہ بھی ہمارا دربان و خادم ہے (یہ اتنی بڑی دولت ہے کہ قِسْمَتِ الصَّلَاةِ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نَضْفُهَا بِرِي وَنَضْفُهَا بِعَبْدِي) (نماز دو حصوں میں بانٹ دی گئی ہے آدھی ہمارے لیے اور آدھی ہمارے بندے کے لیے)۔ بہشت میں کہاں پاسکتے ہو یہ دولت سوائے نماز کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس خاکی سرشت کے لیے اس سے بڑھ کر کون سی دولت ہو سکتی ہے کہ آدھی ہمارے لیے اور آدھی ہمارے بندے کے لیے۔ نماز میں جو حمد اور تعریف ہے وہ ہمارے لیے ہے

اور حاجت و نیاز پیش کرنے کا جہاں تک تعلق ہے وہ تیرے لیے ہے اور تیرا حق ہے۔ حجب
 تو نے ہمارا حق بڑی خوشی اور حب دلی کے ساتھ ادا کیا، تو تیری دعا اور گڑ گڑانے کا جو مقصد ہے
 ہم اس کو پورا کر دیں گے۔ اگر نماز کی غرت کی قدر تم پہچانتے ہوئے تو بہشت کا لالچ نہ کرتے۔
 اور اگر تم نماز کی سواری پر سوار ہوئے ہوئے تو اتنی بے خبری ہوتی کہ دوزخ کے عذاب کی کوئی
 حس ہی نہ ہوتی۔ بہشت کی نعمت پر تاز کرنا اور عذاب دوزخ سے ڈرنا حضرت رسول خدا صلی
 اللہ علیہ وسلم سے کہاں ظاہر ہوتا ہے۔ رَافًا أَحَدَكُمْ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّهُ يُبَاجِي
 رَبَّهُ. وَرَبُّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ (جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں داخل ہو جاتا ہے
 تو اس کا رب اس کو نجات دیتا ہے۔ اور اُس کا رب اُس کے اور قبلہ کے درمیان میں ہوتا
 ہے) عقل کی تمام بزرگیوں کو آگ میں جھونک دینا چاہیے سمجھ اور انسانی احساس کے ٹکڑے
 کر ڈالو جب کہیں اس حدیث کے مطلب تک پہنچ سکو گے رَبُّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ (اُس کا رب
 اُس کے قبلہ کے بیچ میں ہے) یہ صحیح بخاری کی حدیث ہے۔ مذاکروں کے دفتر کی نہیں۔ اور یہ فتوے
 ان الفاظ میں اس کی تائید کرتا ہے۔ مَنْ أَتَى مَسْجِدًا فَهُوَ زَائِرُ اللَّهِ وَحَقُّ عَلَى الْمَزُودِ أَنْ يُكْرَمَ
 زَائِرُهُ (جو شخص مسجد میں داخل ہو وہ خدا کی زیارت کرنے والا ہے اور جس کی زیارت کی جاتی ہے
 اُس پر یہ ضروری ہے کہ زیارت کرنے والے پر بخشش اور کرم فرمائے)۔ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس نے
 ہماری راہ میں سچائی کے ساتھ قدم رکھا ہو اور ہم نے اپنے اکرام اور بخشش سے اُس کو لوازا نہ ہو
 لیکن ہمارے ساتھ کسی کو لین دین کا دعویٰ نہ کرنا چاہیے جس شخص کو تم نماز کے وقتوں میں بازار میں چلتے
 پھرتے دیکھو اُس کی ذلت اور بدبھیبی پر ماتم کرو۔ اس کو اجازت ہی نہیں دی گئی ہے اور وہ نمازیوں کی
 صف سے نکال دیا گیا ہے۔ اے بھائی! اگلے لوگوں کی زندگی ایسی تھی، اور ہم لوگوں کی عمریں گھل
 تماشے میں گزر رہی ہیں۔ کل قیامت کے دن ان صدقوں کا ایک ایک رُواں مرتبے میں ایک ہزار
 عالم کے برابر ہوگا۔ اور ہمارے جیسے لاکھوں ایک تنکے کی برابری بھی نہ کر سکیں گے۔ جتنے بیدار جنت
 ہیں سبھوں کو ہمارے دین و مذہب کا ماتم ہے۔ اور ہم لوگوں کو دن رات اسی کی فکر ہے کہ کیا کھائیں
 اور کیا پہنیں۔ اِس پر فریب دنیا میں یوں ہی غفلت میں مر جاؤ گے۔ اور قیامت میں ہی حشر میں لیے
 قبر سے اٹھو گے۔

ازین کافر کہ مارا در ہند دہست مسلمان در جہان کمتر فتادہست

(یہ نفس کافر جو ہماری فطرت میں موجود ہے۔ حقیقی مسلمان دنیا میں اس کی وجہ سے بہت کم پائے جاتے ہیں)۔ یہ قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن عید کے موقع پر حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ آپ سیاہ کپڑے پہنے ہوئے رو رہے ہیں۔ لوگوں نے اُن سے کہا کہ آج کا دن اور یہ کالا کپڑا۔ آپ کی یہ حالت کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ایک جہان کو میں دیکھ رہا ہوں کہ آج نے کپڑے پہنے ہوئے کھیل تماشے میں مصروف ہیں اور کسی کو خدا کی خبر نہیں میں آج ان لوگوں کی بد نصیبی پر ماتم کر رہا ہوں۔ اور اُن کی غفلت پر رو رہا ہوں۔ اے بھائی! تم غفلت میں پڑے ہوئے ہو اور خدا کی معرفت کا دروازہ اپنے اوپر بند کر چکے ہو اور اپنی عادت اور خواہشات پر جتے ہوئے ہو۔ قابلِ قدر زندگی تم نے برباد کر ڈالی کسی دن بھی زندگی کا پھل تم نے نہیں چکھا بے وفائی اور نا انصافی کے ساتھ تمہارا میل جول ہے اور گناہوں اور نافرمانیوں سے تم نے محبت کی ہے۔ اے بھائی! یقین کر لو کہ جب تک ان گمراہیوں کی محبت کا لباس اتار کر نہ پھینک دو گے دین کی پوشاک تمہیں نہیں پہنائی جائے گی۔ اور جب تک اس نفس کو جس نے خواہشات میں پھنسا رکھا ہے، دشمن نہ سمجھ لو گے دین کے چہرے کی آب و تاب ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ اور جب تک یہ کھیل جو شیطان کے ساتھ کھیل رہا ہے ہو اٹھانے پھینک دو گے لا اِلهَ اِلَّا اللہ کا جلوہ نظر نہ آئے گا اور جب تک دنیا کی طرف سے انجان نہ بن جاؤ گے صدیقیوں کا راستہ نہ پاسکو گے۔ مثنوی۔

۱۔ چو ابراہیم بہت را بر زمین زن نفس از لا اُحِبُّ اِلَّا فِیْلِہُ زن

۲۔ درین رہ رہہ ہزاران سرچو گوشت چہ جائے کار و بار و گفتگو لیت

۳۔ براہ عاشقاں درینہ قدم تو چہ باشی از سگے در راہ کم تو

(حضرت ابراہیمؑ کی طرح بتوں کو زمین پر ٹپک دے۔ "میں ڈوبنے والوں کو دوست نہیں رکھتا" کا دم مار۔ اس راستے میں ہزاروں سرگیند کی طرح مارے مارے پھر رہے ہیں۔ یہ لمبی باتیں کرنے اور ڈینگ مارنے کی جگہ نہیں۔ عاشقوں کے راستے میں چل کھڑا ہو۔ کیا اس راہ میں تو ایک کتے سے بھی کم رہ جاؤ گے؟)۔ اے بھائی جس نے تم کو فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آسمان والے کو تمہارا دشمن بنا دیا، اُس نے ایک بہت بڑا کام تمہارے سپرد کیا ہے۔ یقیناً اس گندی

اور کشف مٹی کے اندر کوئی پاک اور روشن مقصد پھیا ہوا ہے کہ فرشتوں کی عقلیں اور انسان کی سمجھ ان اسرار کے دریافت کرنے سے عاجز ہے جب اس مقصد کی کرن پھوٹنے لگتی ہے تو آسمان پر لیٹان اور فرشتے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔ اس کو عاجزی انکساری اور اس کو اقرارِ زیادہ کرنا واجب و لازم ہو گا۔ حضرت خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے مثنوی

۱۔ فرشتہ گریہ بنید جو ہر تو

دگر رہ سجدہ آرد بر در تو

۲۔ نہ مسجود ملائک جو ہر تست

نہ تاجے از خلافت بر سر تست

۳۔ خلیفہ زادہ گلخن رہا کن

یہ گلشن شو گدا طبعی رہا کن

۴۔ بہ مصر اندر برائے تست شاہی

تو چون یوسف چرا در قہر چاہی

(اگر تمھاری حقیقت انسانی کو فرشتے دیکھ لیں تو دوسرے طریقہ سے تمھارے درد و اہلے پر سجدہ کریں کیا تم کو فرشتوں سے سجدہ نہیں کرایا گیا۔ کیا خلافت کا تاج تمھارے سر پر نہیں رکھا گیا! تم خلیفہ کی اولاد ہو اس آگ کی بھٹی کو چھوڑ دو جنت میں آجاؤ اور فقیروں کا مزاج ترک کر دو۔ مگر بادشاہت تمھارے لیے ہے۔ تم کیوں یوسف کی طرح کنویں میں پڑے ہوئے ہو۔ مِنْهُ بَدَأُ وَإِلَيْهِ لَعُودُ۔ (اسی سے ابتدا ہوئی اور اسی کی طرف لوٹنا ہے) اسی بھید کو ظاہر کرتا ہے جو لوگ معافی کے سمجھنے والے ہیں ان کے نزدیک جب تمھاری ابتدا اُسی سے ہے تو بغیر اس کے تمھارا وجود نہیں ہو سکتا۔ اور جب تمھاری انتہا اُسی تک ہے تو تم سولے اس کے اور کہیں جا بھی نہیں سکتے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا تعلق عالمِ لامتناہی سے ہے۔ اس سے ایک ذرہ کے برابر کوئی چیز جدا نہیں ہو سکتی اور نہ کسی دوسری چیز کے ساتھ مل سکتی ہے جب اُسی سے ابتدا ہوئی تو انتہا بھی یقینی اُسی تک ہوگی۔ تو جدا ہونے اور ملنے کا ذکر اور آنے جانے کی باتیں ظاہری ہیں۔ اور یہ بڑی لمبی کہانی ہے۔ اس کے بیان کرنے سے بچنا ہی بہتر ہے۔ حضرت خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ مثنوی

بے معلوم کردم حالِ ما من

۱۔ درین اندیشہ بودم حالِ ما من

درین حیرت برابر می نمایند

۲۔ ہمہ گر پس زدو گر پیشو آیند

اسیر انیم از مہ تا بہ ماہی

۳۔ کسے آگہ نہ از سببِ الہی

۴۔ جسے سررشتہ این راز جستم

نہ دیدم ارچہ عمرے باز جستم

۵۔ مگر این راز این جا گفتنی نیست

در اسرار این جا گفتنی نیست

(اس میں سوچ میں برسوں پڑا رہا۔ اور بڑے بڑے احوال میں نے معلوم کیے۔ جتنے بھی مجھے چلنے والے یا آگے چلنے والے ہیں سب اس حیرت میں برابر نظر آتے ہیں۔ کوئی بھی اسرارِ خداوندی سے آگاہ نہیں ہے۔ عرش سے فرش تک ہم سب اسی حیرت کی قید میں اسیر ہیں۔ ہم نے بہت کچھ اس راز کا سراغ تلاش کیا۔ لیکن ایک عمر تلاش کرنے کے بعد بھی نہ پاسکے۔ لیکن یہ راز یہاں کھولنے کے لائق نہیں ہے۔ اس راز کے موتی اس جگہ پر دے نہیں جاسکتے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انسٹھواں مکتوب ۵۹

اچھے اخلاق کے بیان میں

میرے عزیز بھائی شمس الدین۔ اللہ تم کو اچھے اخلاق کے ساتھ مشرف کرے۔ جانو کہ اخلاق آغازِ فطرت میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو دیا گیا ہے۔ اور آدم علیہ السلام سے انبیاء اور رسولوں نے ترکہ میں پایا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا۔ اور آپ کی امت کو ملا ہے۔ اسی طرح تمام بڑے اخلاق تقسیم کے وقت شیطان کو دیے گئے۔ اور اس سے متکبروں اور نافرمانی کرنے والوں تک پہنچے اور یہی شیطان کی امت کہلائے۔ توجہ کوئی شریعت کی پیروی میں زیادہ مضبوط ہوگا اس کی خصلت بھی اچھی ہوگی۔ کیونکہ اچھی خصلت والا بارگاہِ خداوندی میں زیادہ عزیز ہوتا ہے جب اچھا اخلاق حضرت آدم کا ترکہ ہے اور خداوندِ جہان کی طرف سے تحفہ دیا گیا ہے تو مومن کے لیے اچھی خصلت سے بڑھ کر اور کوئی آرائش و زیبائش نہیں ہے۔ نیک اخلاق کی حقیقت احکامِ خداوندی کی بجا آوری اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا ہے۔ کیونکہ آپ کا رہن بہن اور آپ کے جملہ حرکات و افعال بہت پسند تھے۔ توجہ شخص آپ کی پیروی کرتا ہے اس کو لازم ہے کہ اس طرح زندگی بسر کرے جیسی حضرت نے کی ہے تو ضروری ہے کہ اپنے اور غیر کے دور و نزدیک والوں کے ساتھ اچھے برتاؤ رکھے۔

اور لوگوں کے ساتھ بد مزاجی سے پیش نہ آئے، تاکہ مردت مٹ نہ جائے۔ اور بد خصلتی نہ کرے تاکہ خوش دلی میں فرق نہ آئے پائے۔ اور ہر وقت منہں مکھ اور کم بولنے والا رہے جس سے ملے پہلے خود سلام کرے۔ کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات اصحاب کے ساتھ اگر ایک دن میں سو مرتبہ بھی ہوتی، تو آپ ہر بار سمجھوں کو سلام کرتے تھے۔ اور جو کچھ اس کو میسر ہے اسی میں سخاوت کرے۔ کیونکہ حضورؐ کی عمر میں کبھی اس کا موقع نہ آیا کہ رات تک آپ کے پاس ایک درم یا ایک دینار باقی بچا ہو۔ اگر اتفاق سے کچھ رہ جاتا تو جب تک کسی کو دے نہ دیتے آپ حجرے میں تشریف نہ لے جاتے کسی کی غیبت، گالی اور جھوٹ زبان سے نہ نکالے۔ اور اپنے کاموں میں زیادہ تکلف اور بڑھاو چڑھاؤ کرنے سے پرہیز کرے۔ کیونکہ اچھے اخلاق کی صفت بے تکلفی اور سادگی ہے۔ اپنے احوال اعمال اور گفتگو میں سچائی کے دامن کو نہ چھوڑے اور شریعت کی اتباع میں کھانا، سونا، پہنتا اور بولنا کم کر دے اور ہر حال میں ہمت بلند رکھے اور بخل و حسد کی وجہ سے کسی لالچ کے ساتھ اپنے کو آلودہ نہ کرے اور شک و شبہ اور برباد کر دینے والے خیالات سے کنارہ کشی اختیار کرے اور اس کی کوشش کرتا ہے کہ ہر حال میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی پیروی ہو۔ اور جہاں تک ہو سکے برے اخلاق سے پرہیز کرے۔ بلکہ اُسے اپنے پاس بھی نہ پھٹکنے دے تاکہ اس کی نسبت شیطان سے نہ ملنے پائے اور کسی وقت شیطان کی طرح بد کردار اور بد زبان نہ ہو۔ حضورؐ سے نقل ہے کہ آپؐ فرمایا جو تجھ سے کٹ جانا چاہے اس سے رل، اور جو تجھ پر ظلم کرے اس کو معاف کر دے۔ اور جو تجھ کو کچھ نہ دے تو اس کو دے۔ آپؐ کو خدا کا یہ فرمان تھا کہ لوگوں کو خدا کی راہ پر لانے کے لیے حکمت کے ساتھ نرم الفاظ میں نصیحت فرمائیں جو بہت اچھے ہوں۔ جب موسیٰ علیہ السلام کو ہارون علیہ السلام کے ساتھ فرعون کی تبلیغ کے لیے بھیجا گیا تو ان سے کہا گیا **فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا**۔ (اس سے نرم گفتگو میں باتیں کرنا)۔ حضرت انس مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے دس برس تک حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ اتنے دنوں میں کسی کام پر مجھ کو نہیں کہا کہ تو نے کیوں کیا؟ یا بڑا کیا۔ جب میں اچھا کام کرتا تو آپ دعا دیتے تھے اور جب کوئی کام خراب ہو جاتا تھا تو فرماتے تھے۔ **وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا**۔ (اللہ کا حکم اس کی قدرت میں پوشیدہ تھا)۔ وہ

کہتے ہیں کہ آپ اپنے گھوڑے کا دانہ گھاس خود دیتے، اپنے ہاتھ سے کپڑے سینے اور پونڈ لگاتے، گھر کے کاموں میں خادموں کے ساتھ شریک ہو جاتے، جوتوں کے بند ٹوٹ جاتے تو اپنے دست مبارک سے ٹانگتے، خود بھاڑ دیتے اور چراغ جلاتے تھے۔ اگر کسی کو آپ کوئی کام کرنے کے لیے کہتے اور وہ اپنی حماقت اور نادانی کی وجہ سے نہ کرتا، اور دوسرے لوگ اس پر لعن طعن کرتے اور تکلیف پہنچاتے تو آپ گوارا نہ فرماتے اور اس کی اجازت نہیں دیتے۔ حضورؐ کی تمام عمر میں گالی گلوچ، طعنہ و تشنیع کے الفاظ زبان پر نہیں آئے۔ آپ کا چہرہ مبارک ہمیشہ ہنستا ہوا ہوتا اور اگر کوئی مسلمان آپ کے پاس پہنچ جاتا تو آپ ہی سلام کے لیے سبقت فرماتے اور اصحاب کے ساتھ اس طرح گھل مل کر بیٹھتے تھے کہ کوئی امتیاز نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اجنبی کو پہچاننے میں شبہ ہوتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ اور صحابہؓ کی عزت و تکریم کی وجہ سے ان کے نام نہ لیتے بلکہ ان کی کنیت وغیرہ سے پکارتے تھے۔ اگر کسی کی کنیت نہ ہوتی تو اس کی ایک کنیت آپ خود رکھ دیتے تھے۔ اور اگر صحابہؓ میں سے یا کوئی دوسرا شخص آپ کو پکارتا تو آپ بتیک فرمایا کرتے تھے۔ اگر بچوں کی منڈی کی طرف سے گزرتے تو ان کو سلام کرتے۔ اور مسلمانوں کا عیب ہمیشہ چھپایا کرتے تھے۔ جیسا کہ ایک چور کو آپ نے فرمایا اَسْوَقْتُ قَتْلًا (تو نے چوری کی؟ کہہ دے، نہیں)۔ بال بچوں اور غلاموں کا حق برابری کے ساتھ جس طرح شریعت میں ہے لحاظ رکھتے۔ اور دین کی تبلیغ کرنے میں کفار کی گالیاں، لعن طعن اور مارتک برداشت کرنے۔ کبھی کسی سائل کو محروم واپس نہ کرتے۔ اگر کچھ موجود ہوتا تو دیتے ورنہ فرماتے اگر خدا نے چاہا تو ہم دیں گے۔ اپنے کام کے لیے آپ کسی پر غصہ نہ کرتے اور دین حق کے اعلان میں خوف بستی اور تغافل نہ فرماتے تھے۔ پریشانی اور بیماری کی حالت میں اپنے دوستوں کی مدد کرتے۔ اگر کسی وقت ان کو نہ دیکھتے تو ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ اگر آپ کا غلام بیمار پڑ جاتا تو اس کی جگہ آپ خود اس کا کام انجام دیتے تھے۔ بازار سے سودا لادیتے تھے۔ آزاد اور غلاموں کی دعوت قبول فرماتے اور تحفے لیتے تھے، اگرچہ ایک گھونٹ دودھ ہی کیوں نہ ہوتا۔ آپ کے یار دوست جو کھانا بھی، اگر جائز ہوتا جیسے خرگوش وغیرہ پیش کرتے تو شوق سے کھا لیتے۔ کبھی کھانے میں عیب نہ نکالتے۔ اور جو کچھ راجن کا ہیننا مباح ہے جب کبھی مل جاتا تھا پین لیتے تھے۔ کبھی کمبل

کبھی مین کی چادر کبھی کھڈر اور کبھی سفید کپڑا پہنا کرتے تھے۔ اور جو سواری مل جاتی تھی اُس پر سوار ہوتے تھے۔ کبھی گھوڑا، کبھی اونٹ، کبھی گدھا، کبھی پیدل، کبھی ننگے پاؤں، کبھی بغیر کسی چادر اور کبھی بغیر لکڑی اور لوہی کے راستہ چلتے تھے۔ جیسا موقع ہوتا۔ اور اُس چٹائی پر جس پر کوئی بستر نہ ہوتا آرام فرماتے تھے۔ کوئی شخص آزاد یا غلام یا لونڈی باندیوں میں سے اپنی ضرورت کے لیے آپ کو بلاتا تو کبھی ایسا نہ ہوا کہ حضور نے اُن کے کاموں کو قبول نہ کیا ہو۔ اگر کوئی شخص کسی ضرورت سے آپ کے پاس آتا اور آپ نماز میں مشغول ہوتے تو آہستگی کے ساتھ جلد نماز پوری کر کے اُس کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ اور اُس کی ضرورت پوری کر کے پھر نماز پڑھنے لگتے۔ اور جو کوئی آپ کے پاس آتا تھا اُس کی تعظیم فرماتے تھے۔ اور اُس کے بیٹھنے کو اپنی چادر مبارک بچھا دیتے تھے۔ اور اپنا تکیہ اس کو دے دیتے تھے۔ اگر وہ آپ کے آداب احترام کا لحاظ کر کے انکار کرتا تو آپ اس کو قسمیں دیتے اور لے لینے پر مجبور کرتے۔ حضرت امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے لیے آپ سواری بن جاتے اور وہ دونوں لاڈلے آپ کی پشت مبارک پر سوار ہو جاتے اور کہتے اے گھوڑے ادھر آ، ادھر جا جس جس طرح وہ کہتے ویسا ہی کرتے تھے۔ ان سب باتوں کی روایت حضرت ابو سعید خدری نے کی ہے، اور حدیثوں کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ اس طرح کے اخلاق آپ میں تھے جو بیان کیے گئے۔ اور اسی طرح کے بے شمار اخلاق آپ سے مروی ہیں۔ اگر آپ کے وہ معجزے بھی نہ ہوتے تو یہ اخلاق حمیدہ اور صفات پسندیدہ ہی آپ کے برحق و برگزیدہ رسول ہونے کے ثبوت میں کافی ہیں۔ چنانچہ کتنے دشمن اور انکار کرنے والے ایسے گزرے ہیں کہ محض آپ کو دیکھ کر ہی پکار اٹھتے تھے کہ لَئِنْ هَذَا اَوْجُهُ الْكَذَّابِیْنَ (یہ جھوٹ بولنے والوں کا چہرہ نہیں ہے) اور فوراً ایمان لے آتے تھے، اور اسلام قبول کر لیتے تھے، بغیر کسی معجزہ اور دلیل کے یہی وہ اخلاق ہیں جو علم والوں نے طریقت کے راستے میں اختیار کیے ہیں۔ ہر حالت میں یہ لوگ شریعت کی پیردی کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور اپنے اخلاق کو سنت نبوی کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ جب تک کوئی شخص شریعت میں محقق نہ ہو گا طریقت سے اُس کو کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ اور اس اخلاق کی جڑ معرفت اور بصیرت پر موقوف ہے جو شخص تکبر اور نادانی کے قید خانے میں بند ہو گیا، وہ ان اخلاق کی پاکیزگی اور صفائی تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس راستے کے چلنے والے

کے لئے ضروری ہے کہ اپنی بصیرت سے اس درجے پر پہنچنے کی کوشش کرے اور انہیں اخلاق نبوی سے آرامتہ ہو جائے۔ اور جو کچھ خدا کی بخشش کی وجہ سے حاصل ہو جائے اسے محفوظ رکھے۔ اور جو نہ ہو سکے اس کو اس گروہ کی صحبت اور خدمت ریاضت اور مشقت سے حاصل کرے۔ کیونکہ بہت سے اخلاق اور حال محنت اور کوشش سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور انسان کو بعض کام کے حاصل کرنے کے لیے مختار بنادیا گیا ہے۔ اسے بھائی! انسان کا نفس آئینہ کی طرح ہے جب اس کی تربیت ہوتی ہے تو اپنے کمال کے درجے پر پہنچ جاتا ہے۔ اور انسانی صفت کے زنگ سے پاک و صاف ہو جاتا ہے اور خداوند تعالیٰ کے جلال و جمال کا جلوہ اپنی ذات میں دیکھنے لگتا ہے۔ اس وقت اپنے کو پہچانے کہ واقعی وہ کیا ہے اور کس لیے پیدا کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ایک بزرگ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ س با عی

اے نسخہ نامہ الہی کہ تویی
وے آئینہ جمال شاہی کہ تویی
بیرون ز تو نیست ہر چہ در عالم هست
در خود بطلب ہر آنچہ خواہی کہ تویی

(کتاب خداوندی کا خلاصہ تو ہی ہے۔ جمال شاہی کے دیکھنے کا آئینہ تو ہی ہے۔ جہاں میں جو کچھ ہے وہ تیری ذات سے باہر نہیں ہے۔ اپنے اندر تلاش کر کیونکہ سب کچھ تو ہی ہے)۔ اور یہ شریعت طریقت اور حقیقت کے راستے پر چلنے ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ کوشش برابر کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ تو معلوم نہیں کہ کس کنجی سے یہ تالا کھلے گا۔ یا کس خوش نصیب کی قسمت میں یہ دولت رکھی ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ کی حکمرانی ہر بادشاہ کو نہیں دی جاتی۔ اور عزت و بزرگی کا تاج ہر ایک کے سر پر نہیں رکھا جاتا۔ جیسا لوگوں نے کہا ہے۔

ملک حلیش ہر سلیمان نہ دہند
نمشور غمش بہر دل جان نہ دہند
(ہر سلیمان کو ملک حلیش نہیں دیتے۔ اس کے غم کا عطیہ ہر ایک دل اور جان والے کو نہیں ملتا)۔ خداوند تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا کیے مگر انسان کے سوا ان باتوں سے وہ سب نا آشنا ہیں۔ ان میں سے کسی اور کو کوئی حصہ نہیں دیا گیا ہے۔ ایسی بزرگی موجودات عالم میں سے کسی دوسرے کو نہیں دی گئی ہیں۔ س ہے جو کہا ہے۔

پناہ بلندی و پستی تویی
ہمہ نصیت اند آنچہ ہستی تویی

اونچے اور نیچے کی پناہ تو ہی ہے۔ ساری چیزیں مٹ جانے والی ہیں باقی رہنے والی ایک تیری ہی ذات ہے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سا کھواں مکتوبات

غور و فکر کرنے کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین اللہ تعالیٰ تم کو معزز بنائے۔ جانو کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تفکر کو خداوندی کاموں میں غور و خوض کرنے کے لیے قائم فرمایا ہے اور کہا ہے تَفَكَّرُوا فِيَّ يَا آلَ اللَّهِ وَلَا تَفَكَّرُوا فِي ذَاتِ اللَّهِ (غور و فکر کرو خدا کی کائنات اور مصنوعات میں مگر خدا کی ذات میں فکر نہ کرو) جو کوئی خدا کی ذات میں غور و خوض کرے گا وہ بہت جلد کفر میں پڑ جائے گا۔ اس لیے کہ فکر کی جہاں تک پہنچے وہ ایک حد کے اندر گھری ہوئی ہوتی ہے۔ اسی حد میں اسے فکر کرنے کا موقع حاصل ہو سکتا ہے۔ اور خدا کی ذات اور اس کی صفیتیں حدود اور علم و عقل کے ادراک سے پاک و برتر ہیں۔ تو فکر اس کی مخلوقات میں کرنا چاہیے تاکہ وہ مخلوق کے رد و بدل، قائم و ثابت رہنا، رنگ بدلنا، کبھی ہونا اور کبھی نہ ہونا دیکھ سکے۔ اور مخلوقات کو اس کے وجود کے مرتبوں میں پہچانے۔ ہمیں سے خدا کی پہچان کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ پھر طالب کو چاہیے کہ جب اپنے ظاہری اعمال کو پورا کر چکے تو وظیفہ سنتوں اور فرض کے ادا کرنے کے بعد کسی کسی وقت تفکر بھی کرے۔ اور جہان کے پیدا ہونے کے متعلق غور کرے کہ خدا کی اس میں کیا حکمت ہے۔ اور جو غور و فکر عالم آفرینش کے لیے کرے وہی اپنے نفس، دل اور جسم کیلئے بھی کرے اور اپنے مرتبے میں پیدائش سے لے کر اس وقت تک تلاش جستجو کرے۔ اور طور طریقے کو غور سے دیکھے۔ اور اس فکر کرنے میں شریعت کے راستے سے بھٹکنے نہ پائے۔ اور اپنے علم و عمل کی پونجی بنائے تاکہ رکاوٹ، ٹھہراؤ، شک و شبہ اور تردد کی وجہ سے راستہ بند نہ ہونے پائے اور نفع کے لالچ میں پونجی برباد نہ کر دے۔ تاکہ اس تفکر کی برکت سے بصیرت کا خزانہ حاصل ہو اور معرفت کا نفع بٹور سکے۔ دوسرے لوگ جو برسوں کی عبادت و ریاضت سے حاصل کرتے ہیں

سچے تفکر سے تھوڑی ہی مدت میں حاصل ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے۔ **تَفَكَّرُوا سَاعَةً خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سِتِّينَ سَنَةً** (ایک گھنٹہ کا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ اور یہ فکر کرنا درحقیقت دین اور مخلوقات کی حالتوں اور خداوند کی حکمت کے فائدوں میں غور و غوص کرنا ہے۔ اور یہی فکر ساٹھ برس کے عمل کرنے کے برابر ہے۔ اور لوگوں نے کہا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جہاں جہاں قرآن شریف میں نظر کرنے کو فرمایا ہے اس سے مراد تفکر کی نظر ہے اور اس کا فائدہ عبرت اور بصیرت حاصل کرنا ہے۔ اس لیے کہ انسان کی آنکھیں آسمان زمین کے کمالات کو پوری طرح معلوم نہیں کر سکتیں تو اس چیز کا دریافت کرنا جس کو پوری طرح سمجھ ہی نہیں سکتے بے فائدہ ہے۔ اور خداوند تعالیٰ کسی کام کا حکم بیکار نہیں دیا کرتا۔ اور بنیائی والوں کے سوا خدا کی بنائی ہوئی چیزوں کی حقیقت کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔ جس طرح ظاہری چیزیں اندھ نہیں دیکھ سکتے آنکھوں والا ان چیزوں کو بالکل ویسے ہی دیکھے گا جیسی کہ وہ ہیں۔ فضولیات کی طرف سے اُس کی نظر بند ہو جائے گی۔ اور جس طرح ظاہری آنکھیں دیکھنے میں مختلف ہو کرتی ہیں بعض کمزور، بعض قوی بعض جلد بعض دیر میں دیکھا کرتی ہیں، اسی طرح اہل دل لوگوں کی آنکھیں بھی بصیرت میں مختلف درجہ رکھتی ہیں بعض آسمان تک بعض عرش تک اور بعض لوح و قلم تک اور بعض جن کی بصیرت کامل ہوتی ہے وہ ساری مخلوقات سے گذر کر خالق کو دیکھتی ہے۔ مذہب و ملت اور عقائد کے فرق کی اصل جڑ یہی ہے۔ غرض کہ تفکر کا مقصد علم اور معرفت کا فائدہ حاصل کرنا ہے۔ جب علم اور معرفت دل کو حاصل ہو گئی، دل کی حالت بدل جائے گی۔ جب دل کی حالت بدلے گی تو عمل اور اعضا کے کام بھی بدل جائیں گے۔ اب گردش کی منزل میں پہنچ جائے گا اس کے بعد گردش سے روش کی منزل میں اور پھر روش کی منزل سے کشش کے مقام میں پہنچ جائے گا۔ اس مقام میں پہنچنے کے بعد ایک ہی جذبہ میں خداوندی جذبات کی عنایت سے اس مقام پر پہنچ جائے گا جہاں کوئی جنات اور انسان اپنے مجاہدہ اور ریاضت کے زور سے نہیں پہنچ سکتا۔ اور تفکر کا پھل بے انتہا علم و احوال ہے جس کا حساب و شمار نہیں ہو سکتا۔ یہ اس لیے کہ اگر کوئی مرید تفکر کے راستوں اور طریقوں کو گننا اور جاننا چاہے کہ کن کن طریقوں سے تفکر ہوتا ہے تو شمار نہ کر سکے۔ کیونکہ فکر کرنے کے طریقے بے انتہا ہیں۔ اور اس کے پھل بھی بہت ہیں۔ اور تفکر کے

متعلق بزرگوں کے بہت قصے ہیں۔ عبداللہ مبارک نے سہیل بن علیؒ کو دیکھا، تفکر کی حالت میں چپ چاپ بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے پوچھا کیسے کہاں تک پہنچے؟ انھوں نے کہا صراط تک۔ خواجہ شریح رضی اللہ

عنه راستہ چل رہے تھے، درمیان میں کہیں بیٹھ گئے اور سر پر کمبل تان لیا اور زار زار رونے لگے۔ لوگوں نے پوچھا کیا ہوا؟ آپ نے کہا میں اپنی عمر کے بیکار گزر جانے پر غور کر رہا ہوں۔ خواجہ داؤد طائی رحمۃ اللہ

علیہ نے ایک دن چاندنی رات میں ملکوت آسمان کے متعلق تفکر کیا اور روئے۔ یہاں تک کہ روتے روتے پڑوسی کے گھر میں جا گرے۔ گھر کا مالک بستر سے ننگے بدن اُچھل پڑا۔ وہ سمجھا کوئی چور کو داہے جب حضرت

داؤد کو دیکھا تو پوچھا آپ کو کس نے گرا دیا۔ آپ نے کہا مجھے اپنے گر پڑنے کا کچھ حال معلوم نہیں۔ محمد واسع رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بصرے کا ایک آدمی اُن کی والدہ

کے پاس گیا اور پوچھا۔ وہ کس طرح عبادت کیا کرتے تھے؟ انھوں نے کہا کہ دن رات گھر کے ایک کونے میں پڑے رہتے تفکر میں غرق۔ خواجہ فضیل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تفکر ایک ایسا آئینہ ہے

جو تیری اچھائی اور برائی کو تجھے دکھا دیتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں سے پوچھا گیا کہ آج آپ جیسا روئے زمین پر کوئی شخص ہے؟ انھوں نے جواب دیا، ہاں ہے۔ وہ شخص جس کی باتیں ذکر

اور جس کا چپ رہنا فکر ہے اور اُس کی نگاہیں عبرت ہیں وہ ہماری طرح ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر دو رکعت نماز تفکر کے ساتھ ادا کی جائے تو وہ رات بھر کی اس نماز سے بوجہ دلی کے

ساتھ پڑھی گئی ہو کہیں بہتر ہے۔ اور تفکر کی حقیقت میں لوگوں کے بیانات بہت ہیں۔ اس خط میں اسی قدر لکھنا کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے تاکہ ہم اس میں تفکر کرتے رہیں جیسا کہ چاہیے

اور تفکر کا طریقہ اچھی طرح ہم پر آسان کر دے بِمَنْتِهِ وَفَضْلِهِ إِنَّهُ هُوَ الْمُسَوِّدُ وَالْمُعِينُ (اپنے فضل و کرم سے وہی آسان کرنے والا اور مددگار ہے)۔ اور اگر تم چاہتے ہو مگر مسیر نہیں ہوتا تو دل

پھوٹا نہ کرو۔ کیونکہ خداوند کریم نے فرمایا ہے اُدْعُونِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (تم ہم کو پکارو ہم تمہاری دعائیں قبول کریں گے)۔ حضرت موسیٰؑ کے مدعا سے بڑھ کر کسی کا مدعا نہیں۔ حضرت موسیٰؑ کے خلوص سے بڑھ

کر کسی کا خلوص نہیں۔ حضرت موسیٰؑ کے شوق سے بڑھ کر کسی کا شوق نہیں۔ اس پر لِن تَوَانِيْ کی جھڑک یعنی تو ہم کو نہیں دیکھ سکتا۔ هَكَذَا قَهْرُ الْأَحْبَابِ (دوستوں کا غضب غصہ ایسا ہی ہوا کرتا ہے)۔

اے بھائی! ایک گروہ اُس کی جستجو میں رات دن سرگردان ہے اور اُس کو یہ جواب ملتا ہے اَلطَّلَبُ

رَدُّوْا الطَّرِیْقُ سَدًّا (طلب رد کردی گئی۔ اور راستہ بند کر دیا گیا)۔

تدبیر کند بندہ و تقدیر نہ داند تدبیر بہ تقدیر خداوند چہ ماند
(بندہ تدبیر کرتا ہے مگر اس کو تقدیر کی خبر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کوئی تدبیر
کارگر نہیں ہوتی)۔

بسیار خواستم کہ نہم سر بر آستانست من خواستم دلے چہ کنم چون خدا نخواہست
(میں نے بہت چاہا کہ تیری چوکھٹ پر اپنا سر رکھوں۔ میں نے تو چاہا لیکن کیا کروں اگر خدا ہی
نہ چاہے)۔ اور ایک گروہ راستے سے بھٹکا ہوا اور خواہشات نفسانی اور غفلت میں پڑا
ہوا ہے۔ اُس کے لیے غیب سے یہ آواز آتی ہے۔ وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ (اللہ
ان کو دارالسلام کی طرف بلاتا ہے)۔

از صومعہ بر آند و بیگانہ خواندش وز تکرہ بیار و گوید کہ آستانست

(عبادت خانے سے بیگانہ کہہ کر نکال دیتا ہے اور بتخانے سے یہ کہہ کر ساتھ لے آتا ہے کہ
یہ میرا دوست ہے)۔ ایک شخص کو دیکھا گیا کہ وہ بیابان میں بغیر کھانے پینے کے سامان اور
بغیر سواری کے دوڑ رہا ہے۔ لوگوں نے پوچھا۔ کیا تیرے اوپر حج واجب ہے؟ اُس نے
کہا۔ میں یہ تو بہت دلوں سے جانتا ہوں کہ مجھ پر حج فرض نہیں ہے لیکن اس کو کیا
کروں کہ مجھے گھر میں بیٹھنے بھی تو نہیں دیتے۔ ایک لڑکا کسی مکتب خانے سے بھاگ
گیا تھا۔ استاد نے لڑکوں کو اُسے پکڑ لانے کے لیے بھیجا۔ وہ زبردستی اس کو لیے
جاتے تھے۔ ایک بوڑھے آدمی نے دیکھا اور جھوم کر کہنے لگا۔ کیا خوب! زبردستی اس
کو پکڑے لیے جا رہا ہے تاکہ اپنی صفت اس کو عطا کرے۔ یاروں کے کلیجے ٹکڑے ٹکڑے
ہو گئے عقلیں اور آنکھیں اندھی ہو گئیں ہونٹوں پر جانیں آگئیں تعلقات مٹا دیے گئے۔ اور ہر
لگادی گئی جیسا اُس نے چاہا۔

امروز بہانہ در انداختہ اند فردا آن کنند کہ دے ساختہ اند

(آج بہانے مقرر کر دیے ہیں۔ اور کل وہی کریں گے جو کچھ سوچ سمجھ رکھا ہے)۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اکسٹھواں مکتوب ۶۱

تجرید و تفرید کے بیان میں

میر بھائی شمس الدین اللہ تم کو بزرگی بخشے۔ سنو، پہلا کام جو اس راہ کے طالبوں کے بازار کی چیل پیل اور مرید صادق کے لیے نور و زکی مسرتوں کا دن کہا جاسکتا ہے وہ تجرید و تفرید ہے۔ تجرید کے معنی کیا ہیں؟ وہ یہ ہیں کہ جو کچھ تم کو آج ملے اس سے دامن بھاڑ کر صاف نکل آؤ۔ تفرید کا یہ مطلب ہے کہ دل میں کل کی کوئی فکر نہ ہو۔ جیسا کہا گیا ہے

امروز پری و دی و نسر دا ہر چار یکے بود تو فردا

(آج کل اور پرسوں جو گزر چکا اور کل جو آئے گا۔ یہ چاروں ایک ہو جائیں اگر تم فرد ہو جاؤ)۔ دوسری بات ظاہر اور باطن کی خلوت ہے۔ خلوت ظاہری یہ ہے کہ مخلوقات سے کنارہ کشی اختیار کرو اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے تصویر کی طرح حیران و خاموش ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ تم اُس کے دروازے پر مر جاؤ۔ اور خلوت باطنی یہ ہے کہ ماسوا اور اغیار کا خیال ذرا بھی دل میں نہ آنے پائے اور دنیا اور آخرت کی کدورت اور آلائشیں بالکل دھو ڈالو۔ تیسری بات یہ ہے کہ ایک ہی کے ہو جاؤ۔ ایک ہی کا ذکر زبان پر اور ایک ہی کا دھیان دل میں رہے۔ یہاں تک کہ دوسرے کا نام لینا یا کسی کا اندیشہ کرنا حرام مطلق سمجھنے لگو۔ چوتھی بات یہ ہے کہ کم بولنے کم کھانے اور کم سونے کی عادت ڈالو۔ کیونکہ انھیں سے نفس مرکش کو مدد ملتی ہے اور وہ قوی ہو جاتا ہے۔ زیادہ بکنا خدا کے ذکر سے روک رکھتا ہے بہت سونا غور و فکر سے باز رکھتا ہے۔ اور حد سے زیادہ کھانا گرائی اور سستی پیدا کرتا اور ضروری کاموں میں خلل ڈالتا ہے۔ ہمیشہ یاد ضرور ہونا چاہیے۔ کیونکہ ظاہری طہارت باطنی صفائی کے لیے سہارا ہے۔ ایک بزرگ سے پوچھا گیا کہ طہارت کا کیا راز ہے؟ آپ نے فرمایا الطَّهَارَةُ السَّيْرُ (طہارت خود ایک راز ہے)۔ جس طرح طہارت ظاہری کی ہر وقت ضرورت ہے اسی طرح طہارت باطنی کی بھی ہمیشہ حاجت ہے۔ کیونکہ صرف ظاہری طہارت سے باطن کا تزکیہ نہیں ہوتا۔ تم کو جذبات حق میں سے کوئی جذبہ کھینچ کر ایسی جگہ پہنچا دے گا کہ اگر تمام جنات و انسان کے مولے اور بچا دے

صوت سمجھیں کو حاصل ہو جائیں جب بھی تم کو وہاں نہیں پہنچا سکتے جیسا کہا گیا ہے جَذْبَةٌ مِنْ جَذَبَاتِ الْحَقِّ تَوَازَنُ عَمَلُ الثَّقَلَيْنِ (جذبات الہیہ میں سے ایک جذبہ دو جہان کے اعمال کے برابر ہے) یہ باتیں کہنے میں بہت آسان ہیں مگر کرنے میں نہایت مشکل کیونکہ اس راستے میں چلنا ہاتھ پاؤں سے نہیں ہوتا بلکہ اس کی روش دل و جان سے تعلق رکھتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دل و جان کسی کے حکم کے تابع نہیں لیکن ہمت والوں اور عاشقانِ صادق کے لیے منہ کا نوا لا ہے۔ علم و معرفت اس راہ کے سلوک کا دروازہ ہے جو ادھر سے نہیں جائے گا وہ ایک لت و دق بیابان میں بھٹک کر اور غول بیابانی کے ہاتھوں میں پڑ کر جان و ایمان کھو بیٹھے گا۔ جیسا کہا گیا ہے۔ ۷

غولانِ طرقت اندازین مدعیان زہنہار کہ تا غول زراہت نہ برد

(یہ جھوٹا دعویٰ کرنے والے غولِ طرقت ہیں۔ دیکھو ہوشیار رہو کہ یہ راستے سے تم کو مہکنا دیں) اگر کسی کو اس کے حاصل کرنے کی دھن لگی ہو تو اس کو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ ایک ایسا رنگ ہے جس کی کہیں دوا نہیں۔ اسی میں لپٹا رہے، اور علاج کی فکر نہ کرے۔ کیونکہ اس کا علاج نہیں ہے، ساری زندگی علاج کی تلاش ہی میں برباد ہو جائے گی اور دوا ہاتھ نہ آئے گی۔ کسی عارف نے فرمایا ہے کہ لوگ طالبوں کو جو دیکھتے ہیں کہ درد لیے چھٹک رہے ہیں اور کہیں علاج کا ٹھکانا نہیں وہ اس لیے ہے کہ یہ علاج کی فکر میں سرگرداں ہیں اور ناکامی کا سبب ان کی یہی مشغولی ہے۔ وَاللّٰهُ كُنْ يَصِلُ إِلَى الْكُلِّ إِلَّا مِنْ انْقِطَاعٍ عَنِ الْكُلِّ۔ (خدا کی قسم جب تک کل سے ترک تعلق نہ کرے کوئی بھی کل کو نہیں پاسکتا۔ ایک بزرگ نے جو کہا ہے وہ اسی نکتہ کی تائید کرتا ہے۔ مشنوی

۱۔ آسمان زیر دست خواہی خیز

پاے بالانہ از زمین بگوز

۲۔ می رود پیچ گو نہ باز مبین

تا منفیتی ز آسمان بر زمین

۳۔ مردہ را کہ حال بد باشد

میل دل سوے کالبد باشد

۴۔ دانکہ داند کہ اصل کارش نیست

جان او بے حیدر تواند ز نیست

(اگر تم آسمان کی بلندی حاصل کرنا چاہتے ہو تو اٹھ کھڑے ہو۔ پاؤں اوپر اٹھاؤ اور زمین چھوڑ دو۔ اس طرح جاؤ کہ کسی طرح بھی مڑ کر نہ دیکھو، تاکہ آسمان سے زمین پر نہ گر پڑو۔ وہ مردہ جس کی حالت بُری ہوتی ہے اس وجہ سے ہے کہ اس کے دل کا میلان جسم کی طرف ہوتا ہے۔ اور جس کو یہ معلوم

کس کا جسم اصل مقصود نہیں ہے اُس کی روح بغیر جسم کے زندہ رہ سکتی ہے۔ مگر یہ کام عشق کا ہے نہ کسی کے حکم کا۔ عام لوگ فرمان کے بندے ہیں اور ہر ایک دکھ کی دوا چاہتے ہیں لیکن عشاق اور محبان صادق عشق و محبت کے بندے ہیں ایسا ہی درد چاہتے ہیں جس کی کوئی دوا نہ ہو۔ محبوب اُن سے کہتا ہے کہ مجھ سے الگ ہو، ورنہ مر جاؤ گے، مٹ جاؤ گے۔ مگر یہ پروا نہیں کرتے اور جواب دیتے ہیں کہ ہم تو روز ازل ہی جان ہار چکے ہیں اور اپنے آپ کو فنا کے سپرد کر دیا ہے۔ تیرے بغیر زندگی سے مرجانا اچھا اور نصیب دنا بود ہو جانا ہی بہتر ہے ع در کوئے تو مردہ بہ نہ از روی تو دور۔ (تیری گلی میں مرنا تیری دوری اور جدائی سے کہیں بہتر ہے)۔ اے بھائی اس راہ میں سر والوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور اُن کا اس سے کوئی سروکار نہیں۔ اگر کسی کو یقین نہ آئے اور سمجھ نہ سکے تو ذرا (عشق کے) صحرا و بیابان کی طرف رخ کرے اور آنکھ سے دیکھ لے کہ لاکھوں سر ذلت و خواری کی گردیں تڑپ رہی ہیں۔ اور کسی نے ظاہراً اور حقیقتاً اپنے محبوب کا جلوہ نہیں دیکھا۔ تم کو عشق پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ایسے سر کے خیال سے جو خاک ہو جانے والا ہے الگ ہو جاؤ تاکہ میں تم کو وصل کی عزت کے تحت پر بٹھاؤں۔ اب اے بھائی! تمہیں اختیار ہے۔ رباعی

لو بادہ گلبن جوانی عشق بہت
چون خضر گر آب زندگانی طلبی
مرمایہ ملک جاودانی عشق بہت
مر حشمہ آب زندگانی عشق بہت

(عشق، بارغ جوانی کی تازہ شراب ہے اور عشق ہی ہمیشہ رہنے والے ملک کا سرمایہ ہے۔ اگر حضرت خضر کی طرح تم کو آب حیات کی جستجو ہے تو سمجھ لو کہ عشق ہی آب حیات کا مر حشمہ ہے۔ اگرچہ کوئی سر اور کوئی دل اس سودا سے خالی نہیں لیکن اتنی بڑی دولت اور اس قدر عظیم الشان مرتبہ ہر ہوسنا کو نصیب اور یہ نعمت ہر خسیس کے منہ کے لائق نہیں ہوتا۔)

گنج بہت ملک وصل تو خلق بہت منتظر
این کار دولت بہت کنوں تا کرار

(تیرے وصال کی دولت ایک بڑا خزانہ ہے۔ لوگ اس کے انتظار میں ہیں۔ اب دیکھیے اتنی بڑی دولت کس خوش نصیب کے حصے میں آتی ہے۔ تم اپنا دل خوش رکھو اور آسرا لگائے بیٹھ رہو، کیونکہ اُس کے لطف و کرم کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بایزید قدس سرہ کو لکھا کہ جو شخص غفلت میں رات بھر سویا کرتا ہے وہ منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا۔)

آپ نے جواب میں فرمایا اگر محبوب کے لطف و کرم کی ہوا کا ایک جھونکا آجائے تو کوئی مشکل نہیں۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ سارے جہان کے لوگوں کی پونجی جا پئی گئی اور پھان کر دی گئی لیکن حقیقت کا ذرا بھی پتا نہ چلا۔ سب کی چادریں جھاڑی گئیں مگر سوئی کے نڈکے کے برابر بھی کچھ نہ نکلا۔ اس نے ایسا شک پیدا کر دیا ہے جس سے لقمین کا چہرہ پھل جاتا ہے۔ اور ایسی عادت اور طریقے کو جاری کر دیا ہے جو حقیقت کے آئینے کو گرد آلود بنا دیتا ہے۔ ایسا شرک ڈال رکھا ہے جو لوحید سے ہمیشہ جھگڑتا رہتا ہے۔ اور ایسا تخم نفاق بو دیا ہے جو اخلاص کو ملیا میٹ کر کے چھوڑتا ہے۔ ایک دوست کے لیے ہزار دشمن اور ایک صدیق کے سامنے ہزار ہزار زندیق پیدا کر دیے ہیں۔ جہاں کہیں مسجد ہے ٹھیک اس کے سامنے ہی کلیسا، اور جس جگہ کوئی عبادت خانہ ہے اس کے مقابل شراب خانہ قائم کر رکھا ہے۔ جہاں عبادت جگہ و قبہ ہے وہیں زنا رہی ہے، جہاں کوئی اقراری ہے وہیں انکاری بھی موجود ہے۔ پورب سے پچھم تک ہر جگہ لغتوں سے بھر دی ہے۔ مگر ہر نعمت کے اندر محنت و بلا بھی چھپا رکھی ہے۔ بچا رہا انسان خاکی نژاد دم نہیں مار سکتا۔ قطعہ

این ہمہ می کند و لے از بیم مرد را زہرہ نے کہ آہ کند

زانکہ رولش مثال آئینہ بہت آہ آئینہ را تبہ کند

(مرد سب کچھ برداشت کرتا ہے مگر اس کو مجال نہیں کہ اُٹ کر سکے۔ کیونکہ محبوب کا چہرہ آئینہ کی طرح شفاف و پاکیزہ ہے۔ آئینے کے سامنے اگر کوئی آہ کرے تو آئینہ دھندلا ہو جاتا ہے، اور اس کی صفائی بدھم ہو جاتی ہے۔ والسلام۔)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باسمہواں مکتوبات

دوسرے الفاظ میں تجرید و تفرید کا بیان

میرے بھائی شمس الدین تم کو اللہ اپنی عبادت و بزرگی کی برکات سے آراستہ فرمائے اور اس کا فضل و احسان تمہارے شامل حال رہے۔ سلام کا تحفہ اس خط لکھنے والے کی طرف سے قبول کرو۔ معلوم ہو کہ تجرید و تفرید کی منزل طے کرنا مرید کے لیے اس راہ کی شرط ہے۔ خلق اللہ

اور تعلقات دنیاوی سے علیحدہ ہو جانا تحرید اور خود اپنی ذات سے کنارہ کش ہو جانا تفرید ہے۔
دل میں کسی طرح کا عبار، نہ پیٹھ پر کوئی بوجھ، نہ مخلوق کے ساتھ کسی قسم کا لگاؤ بانی رہے۔ اُس
کی ہمت بلند دونوں جہان اور کنگرہ عرش سے گزر کر اپنی مراد تک پہنچ گئی ہو۔ کونین کی حکومت
کے باوجود بغیر لقاے دوست اُس کو کوئی خوشی ہو نہ سکون۔ اور اگر دوست کے ساتھ ہے، اور
کونین کی کوئی نعمت میسر نہ ہو تو ذرا غم نہیں۔ ایک بزرگ نے فرمایا ہے۔ لَا وَحْشَةَ مَعَ اللَّهِ وَلَا
رَاحَةَ مَعَ غَيْرِ اللَّهِ۔ اگر اللہ کے ساتھ ہے تو کوئی گھبراہٹ اور پریشانی نہیں اور غیر خدا کے ساتھ
رہنے میں کوئی راحت و آرام نہیں۔ جیسا کہ کہا کرتے ہیں کہ جو کوئی خدا سے حجاب میں ہے سخت رنج
و بلا میں گھرا ہوا ہے، اگرچہ روئے زمین کے خزانے کی گنجیاں اس کے ہاتھ میں ہوں۔ اور پھٹی پرانی
گدڑی پہننے والا قلاش اور فاقہ کش فقیر، اگر خدا کی چھوری اُسے حاصل ہے تو یہ بادشاہ دو جہاں ہے
اسی لیے کہا گیا ہے۔

ہر کر ایک خرقہ و تاسنے بود

(جو شخص ایک گدڑی اور ایک روٹی میں مگن ہے وہ دونوں جہان کی سلطنت کا مالک بادشاہ ہے)۔
حضرت خواجہ سہری سقلمی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ مَهِّمًا عَذِّبْنِيْ فَلَا تُعَذِّبْنِيْ بِذَلِّ الْحِجَابِ اے اللہ اگر تو مجھے عذاب دینا چاہے تو ہر طرح کا عذاب کر لیکن اپنے حجاب کی ذلت کا عذاب نہ فرما اے بھائی دوزخ کی حقیقت یہی ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں جہاں کفار کے عذاب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ فرمایا ہے کَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمِئِذٍ لَّمُحْجُوْنَ (یہ لوگ آج اپنے پروردگار سے حجاب میں ڈال دیے گئے ہیں۔ اس حجاب کے عذاب کے باوجود میں ایک نکتہ ہے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ اگر کل وصال کی محفل دوزخ میں آراستہ کی جائے تو یہ طالبانِ مریدان دوزخ کے دہکتے انگارے کا آنکھوں میں سرمہ لگائیں۔ اور اگر دم بھر کے لیے جنت الفردوس میں کہیں بلائے جائیں اور حجاب میں مبتلا کیے جائیں تو اتنا چینی چلائیں کہ دوزخی لوگ بھی ان پر ترس کھانے لگیں۔ اسی مطلب کا راز ہے جو کہا گیا ہے۔ سہ

بالودل مسجد است بے تو کنشت
بے تو دل دوزخ است یا تو بہشت

۱) اگر تو ساتھ ہے تو دل مسجد، اور اگر تو نہیں تو بتخانہ ہے۔ اگر تو ہے تو دل بیٹھے، اور نہیں تو دوزخ۔

یہ مطلب ہے کہ جب مرید پر حق کی عظمت بزرگی ظاہر ہو گئی اور در و طلب نے اس کا دامن تھام لیا اور وہ سمجھ چکا کہ مَنْ لَّهٗ الْمَوْلٰی فَلَهُ الْکُلُّ وَمَنْ قَاتَهُ الْمَوْلٰی قَاتَهُ الْکُلُّ جو مولیٰ کا ہو گیا ساری چیزیں اُس کی ہو گئیں۔ اور جس نے مولیٰ کو کھو دیا اُس نے سب کچھ کھو دیا۔ اس لیے کہ اللہ کے سوا جتنی چیزیں ہیں اُن سے بے پروائی کی جاسکتی ہے۔ مگر کسی حال میں بغیر اس ذات کے چارہ نہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی اَنَا بُدِّلُكَ الدَّارِیْمَ (ہم تیرے لیے ضروری ہیں۔ سب چارہ ہو سکتا ہے لیکن ہمارے بغیر چارہ ممکن نہیں۔ یقیناً صفحہٴ دل سے سارے دعوے مٹ جائیں گے اور مینے (مجھ سے) وِی (اور میرے لیے) کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اس وقت حیات و موت اور قبول اور ہجو و تعریف اس کی نگاہ میں ایک ہو جائے گی بہشت و دوزخ اور دنیا و عقبیٰ کا خیال اس کے دل میں نہ آئے گا۔ کپڑے ردی کے لیے لوگوں کے در پر بھیک مانگتے نہ جلتے گا۔ وہ غوطہ خور جس کی ہمت بلند ہے اپنی جاں بازی کے صلے میں سمندر کی تہ سے گوہرِ ثرب چراغ نکال لاتا ہے۔ یہ کسی غریب بڑھیا کی جھونپڑی کے ٹمٹاتے دیے پر کیوں آنکھ اٹھائے گا۔ اس کی منزل مقصود درگاہِ خداوندی ہے ماسوی اللہ کی طرف اُس کے قدم نہیں اٹھ سکتے۔ اُس نے کرامتِ جاہ کے راستے میں اپنے گھوڑے کی کوچیں کاٹ ڈالی ہیں اور دل سے ننگ نام و سلامتی کے نقوش دھو دیے ہیں۔ امن کی روش یہ ہے کہ نَوَازَا حَمْنِی الْعَرْشُ لِحَقِیْقَتِہٖ (اگر عرش بھی میری ہمت کے سامنے آجائے تو میں اس کو نیچا دکھا دوں) اور وَکُوْا قُبُلَی الْکُوْنُ لِمَہْدِ مَتَّہٗ (اور اگر دنیا و آخرت اپنا جلوہ دکھائیں تو میں اُنھیں دھا دوں)۔ اس کے آرام و راحت کی یہی صورت ہے کہ ہر وقت اپنی طلب کے طور پر حضرت موسیٰ کی طرح اَرِنِیْ کی رٹ لگائے اور محبوب کی غیرت و شرم سے لُتْ تَوَابِیْ کا جواب سنا کرے۔ سبحان اللہ اس آب و خاک کا کیا ہی اچھا سودا اور کاروبار ہے رباعی

مارا بجز این جہان جہان جانے دگر بہت

قلاتنی ورنندی بہت سرمایہ عشق

خرد دوزخ و فردوس مکانے دگر بہت

قرانی دوزا ہدی دکانے دگر بہت

رہا ہے لیے اس عالم کے سوا ایک دوسرا ہی جہان ہے۔ دوزخ و بہشت کے علاوہ ایک دوسرا ہی مکان ہے۔ بے لوائی اور آزادی عشق کی پونجی ہے۔ ظہار بندگی اور زاہدی ایک دوسری دکان ہے۔

جب طالب صادق کو تجرید و تفرید کی دولت حاصل ہو چکی تو دنیا میں اس کی اس طرح آؤ بھگت ہوتی ہے کہ یا داؤد اِذَا رَأَيْتَ نِي طَالِبًا فَكُنْ لَهُ خَادِمًا (اے داؤد محبوب تو میرے طالب کو دیکھے تو اس کا خادم بن جا۔ حضرت داؤد پیغمبر حبشی مسیحی کو اس کی خدمت کا حکم دیا جاتا ہے۔ پھر دوسرے لوگوں کا کیا ذکر۔ یہ مقام و مرتبہ آہستہ آہستہ اور درجہ بدرجہ حاصل ہوتا ہے دفعۃً کہاں، مگر جس کو خدا چاہے تم نہیں دیکھتے کہ جو شخص قرآن شریف حفظ کرنا اور قاری بننا چاہتا ہے تو وہ الف باتا پہلے شروع کرتا ہے تاکہ تدریجاً قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ تک پہنچ جائے اور ایک مدت گزارنے کے بعد وہ حافظ اور قاری کہلانے کا مستحق ہو۔ طریقہ خداوندی اسی طرح جاری ہے پھر کیا کرنا ہے۔ یہی راز ہے جو کسی نے کہا ہے

تو فرشتہ شوی گر جہد کنی از پی آنکہ
برگ تو ت بہت کہ گشت بہت بتدریج طلسم
(اگر تو کوشش کرے تو فرشتہ بن سکتا ہے۔ کیونکہ یہ شہوت کا پتا ہی تو ہے جو ریشم کے کپڑے کی غذا ہو کر بتدریج طلسم بن گیا ہے)۔ اپنی بے لوائی، افلاس، بد بختی اور آلودگی سے شکستہ دل اور نا امید نہ ہونا چاہیے۔ اس کی قدرت اور فضل پر نگاہ رہے۔ اگر وہ چاہے اور ہزاروں کلیساؤں اور تہخانوں کو آن کی آن میں کعبہ اور بیت المقدس بنادے اور کتنے بدکار و گنہگار کو حبیب اللہ اور خلیل اللہ کا خطاب عنایت فرمائے۔ لاکھوں کفار کو مومن اور ہزاروں مشرکین اور بت پرستوں کو مسلمان اور شرابیوں کو مناجاتی بنادے۔ اور لطف یہ کہ اُس کے لیے کسی سبب اور علت کی حاجت نہیں۔ اور نہ کچھ توقع اور دیر ہے اور نہ کسی کو چون و چرا کی مجال کہ ایسا کیوں اور کس لیے کیا گیا۔

ہست سلطانی مسلم مراد را نیست کس را ز ہرہ چون و چرا

(بادشاہی اُسی کے لیے ثابت ہے کسی دوسرے کو مجال چون و چرا نہیں۔)

بسا پیر مناجاتی کہ از مرکب فرو ماند بسا رند حسنہ اباتی کہ زین بر شیر نربند
(بہترے مناجات کرنے والے پیر گھوڑے سے گر کر راستے میں پڑے رہ جاتے ہیں اور بہترے رند ان سیر مست شیر نر پر سواری کر کے اپنی منزل پر پہنچ جاتے ہیں) جو خطوط پہلے لکھے گئے، ان کو غور و فکر کے ساتھ بار بار دیکھو، انشاء اللہ تمھارے دل پر ان کے معنی و مطلب محقق اور

منقش ہو جائیں گے اور اس کی تاثیر اور ثمرہ اعضا سے ظاہر ہونے لگے گا۔ اور خدا کے فضل و کرم اور حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اور آل اہل ہمار کی برکات سے دل چمک اٹھے گا۔ اے بھائی! ہم لوگ اپنی اپنی بلا میں گھرے ہوئے ہیں، بلکہ سارا عالم بلاؤں میں گرفتار ہے حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ ہم تم کو اس لیے بھیجتے ہیں کہ بلا میں مبتلا کریں اور تمہارے ساتھ خلق کو بھی بلا میں جھونک دیں۔ تلوار سنبھالو اور مردانہ قدم اٹھاؤ اور جہاد کرو کبھی جنگ بدر کے دن اور کبھی جنگ احد کے موقع پر نہراؤں خلعت، اور کبھی اونٹ کی او بھڑی پیٹھ پر لادی جاتی ہے۔ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کہتے ہو کہ ہم کو خوشبو پسند ہے اور اس کے مقابلے میں اونٹ کی لید اور کہتے ہو کہ ہم عورتوں کو دوست رکھتے ہیں، اس کے مقابلے میں افک عائشہ رضی اللہ عنہا سامنے آتا ہے۔ یہاں غفلیں مجبور اور دل حیران و پریشان ہیں کہ آئندہ اس مشتبہ خاک کے ساتھ اس کا جلال و جہاں کیا کیا گل کھلاتا ہے۔

آن کس کہ ز ند دم ولایت

اے گشتہ امیر در بلایت

در گردش چرخ آسیات

خز حبان ددل و جگر نہ بینم

در عالم عترت و کبریات

عشاق حبان شدند دالہ

ساری مخلوق تیری بلا میں گھری ہوئی ہے۔ اب کون ایسا ہے جو ولایت کا دم مار سکتا ہے۔ میں تیرے آسمان کی چکی کی گردش میں جان و دل و جگر کے سوا کوئی چیز لپتے نہیں دیکھتا۔ تیری غمت و کبریائی کے عالم میں دنیا بھر کے عشاق حیران و درماندہ ہیں۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترسٹھواں مکتوب ۶۳

دین کی راہ پاک صاف رکھنے کے بیان میں

بھائی شمس الدین جانو کہ دین کا راستہ اپنی برائیوں سے پاک صاف رکھو اور انسانیت کے خس و خاشاک کو اکھاڑ پھینکو، اور اس راہ سے اپنی وحشت دور کرو بشریت کی آفتیں باہر نکال دو۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جس نے مراد کی راہ میں قدم رکھا مگر اس کا نفس اس کے نزدیک حق سے

زیادہ عزیز ہے تو وہ مومن ہی نہیں، ولی اور محب کا مرتبہ تو بہت دور ہے۔ یہیں سے کہا گیا ہے۔ قطعہ

نفس بے فرمان من مارا بر سواری کشید
دوستی با جاہ و منزل کردہ ام تا این زمانہ
دوست می پنداشتم این نفس دشمن را را
شکل پر دانہ کہ او ہم لوزر داند نار را

(میرے نافرمان نفس نے مجھے رسوا کر دیا۔ میں اس نفس دشمن کو ہمیشہ دوست سمجھتا رہا۔ اب تک میں بلند مرتبے اور مکان کو اس طرح اپنا محبوب سمجھتا رہا ہوں جس طرح پردانہ آگ کے شعلہ کو لوزر سمجھتا ہے)۔ بزرگوں کا قول ہے کہ اگر پل بھر بھی نفس سرکش کو موقع دیا جائے تو یہ ہزاروں زنا و لاکر گلے میں ڈال دے گا۔ اور لاکھوں بت سلسلے لاکر رکھ دے گا کبھی اس شریر کو مصلح نہ سمجھو۔ اگر ایک لاکھ سال تک اس کو زیر کرتے رہو گے اور ایک دفعہ بھی اس کی خواہش پوری کر دو گے تو سارا کیا دھرا برباد ہو جائے گا۔

غمرہ توبہ فرید زاہد ضد سالہ را
محوے پیشانی گرفتہ پیش خمار آورد

(توبہ کا ناز و غرور سو سالہ زاہد کو بھی دھوکے میں ڈال دیتا ہے۔ سر کے بال پکڑ کر شراب خانے میں کھینچ لاتا ہے)۔ اس لیے کہا گیا ہے کہ جو شخص اپنے نفس پر نظر رکھتا ہے وہ خدا کو نہیں دیکھ سکتا۔ شیطان پر جو اتنی بلائیں نازل ہوتیں محض نفس پر نظر رکھنے سے ہوتیں جن لوگوں نے خدائی کا دعویٰ کیا وہ بھی نفس ہی کو دیکھنے کی وجہ سے کیا۔ پکار پکار کر کہا گیا ہے کہ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے جب تک بلائے نفس سے چھٹکارا نہ ہو ہرگز اس راہ میں قدم نہ رکھو۔ اے بھائی! اچھی طرح سمجھ لو کہ دین کے راستے کو نفس کی آفتوں سے بچے رکھنا بہت بڑا فرض ہے۔ اور بحر توبہ کرنے کے یہ آفتیں دور نہیں ہو سکتیں۔ اور توبہ کی دولت حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے ظاہر ہوئی۔ توبہ کا دروازہ کھل جانے سے حضرت آدم علیہ السلام کو خلعت عنایت ہوئی بزرگان طریقت نے فرمایا ہے کہ اگر بنی آدم پر دولت و سعادت کے ہزاروں خزانے پھراور کر دیے جلتے تو اتنی عظمت و مرتبت حاصل نہ ہوتی جتنی کہ حضرت آدم پر عنایت نازل ہونے سے ہوئی وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ (آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی) اگر کارخانہ تقدیر میں ان کی نافرمانی نہ لکھی گئی ہوتی تو آپ کی اولاد پر توبہ کا دروازہ ہرگز نہ کھلا ہوتا۔ قدرت میں یہی پوشیدہ تھا۔ اور لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے دربار کی

غیرت کا یہی تقاضا تھا۔ یعنی جس کو ہر بے بہا کو اتنی شان و شوکت سے بنایا گیا کہ خَلَقْتُ
بِیَدِی (میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا) اُس کے لیے کم سے کم یہی خلعت زیباتھی۔ وَ عَصَى
آدَمُ اسی کی طرف اشارہ ہے۔

قافلہ محنتان می زند !

چرخ نہ برے درمان می زند

نور این باغ تو بودی دمن

کس نہ بدین باغ تو بودی دمن

(آسمان مفلسوں اور فقیروں کا نہیں بلکہ مال و دولت والوں کا قافلہ لوٹتا ہے۔ اس باغ
کائنات میں سوائے میرے اور تمھارے کوئی اور نہ تھا۔ اس باغ کی تازہ بہار تو ہی تھا اور میں)۔
جنت الفردوس کی جس قدر نعمتیں اور نوازشیں تھیں ایک ایک کر کے حضرت آدم علیہ السلام پر
فرشتہ ہو گئیں۔ کیونکہ صانع بالکمال کے یہ قدرت کا بنایا ہوا کوئی نمونہ ایسی صفاتِ شان
کا نہ تھا۔ ان کی آنکھوں سے ایسی عجوبہ روزگار ہستی گزری ہی نہ تھی۔ ہر ایک کو ان سے عشق
ہو گیا۔ چونکہ حضرت آدم کی ہمت بہت بلند تھی ان باتوں سے آپ کا دل کبیدہ ہو گیا اور ٹھان
لیا کہ یہاں سے ایسے گھر چل کھڑے ہوں جہاں حکم بجالاتے اور فرمان کی سختیاں برداشت
کرتے رہیں۔ کیونکہ بہشت ناز و نعمت کی جگہ ہے۔ یہاں حکم کا بوجھ اٹھانے کی گنجائش نہیں۔
آپ نے التجا کی کہ خداوند امیرے لیے کوئی بہانہ چاہیے تاکہ حورانِ جنت کے پھندوں سے مجھے
رہائی حاصل ہو۔ اب گہیوں کے درخت کا بہانہ کھڑا کیا گیا۔ تمام غوغا مچ گیا وَ عَصَى آدَمُ رَبَّهُ
(اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی) جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مارے ڈر کے سب نے آنکھیں پھیر لیں اور
سارا عشق رفت و گذشت ہو گیا۔ ذرا ہوش سنبھالے رہنا تاکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کو
تم عاصی نہ کہو ورنہ قیامت کے دن تمھاری زبان گدھی سے باہر کھینچ لی جائے گی۔ اگر کوئی یہ
کہے کہ قرآن شریف میں تو وَ عَصَى آدَمُ رَبَّهُ کہا گیا ہے۔ اس کا یہ جواب ہے کہ ہاں ہاں قرآن ثقیف
ہی کے لیے یہ زیبا ہے کہ حضرت آدم کا سر کاٹ لے یا پاک دامنی کا تاج پہنائے۔ ہمارے تمھارے
منہ کے لائق نہیں۔ ہم حبیبوں کو یہ زیب نہیں دیتا۔ شاہنشاہِ وقت کو اختیار و مجاز ہے کہ اپنے
مدارِ المہام وزیر کو ایسا و ایسا کچھ کہے۔ اگر کہیں وہی باتیں میرے اور تمھارے منہ سے نکل جائیں
تو یقینی گروں ماری جائے۔ اسے بھائی! حضرت آدم کی راہ بڑی ہی سنگلاخ اور دشوار گزار ہے

ان کا ذکر نہ کرو۔ آدمؑ کے دل کو دین کے غم نے گھیر لیا۔ سلامتی کا گھر ملامت خانے سے بدل لیا ایک آواز سنی، کیا شیطان سے جھگڑنا چاہتے ہو؟ اس پر گزیدگی کو تہ کر دینا پڑے گا۔ نیک نامی پر گناہوں کے دھبے لگیں گے اور خلافت کے تاج سلطانی کے عوض جو تیاں چٹخانی پڑیں گی۔ آپؐ فرمایا میں اس کے لیے تیار ہوں۔ ان باتوں سے میرا دل پھوٹا نہ کیجیے۔ پھر کیا تھا بہشت سے نکل کھڑے ہوئے۔ وہاں کی ساری نعمتوں پر لات مار دی اور فرمایا

بہشت دو کوثر و دو جہانیاں و جہان اگر دہند مرا بے تو را انگان چہ کنم
(اگر باغ بہشت دو کوثر اور دو جہان مجھ کو مفت دیں تو بغیر تیرے سب بے کار ہیں انھیں لے کر میں کیا کروں)۔ ایک تم اور ہم ہیں کہ ہمیشہ اپنے آپ کو دیکھا کرتے ہیں اور اپنی ہی خدمت کیا کرتے ہیں اور اپنی بڑائی کی ڈینگ مارتے ہیں۔ اس پر اس بات کی ہوس کہ حضرت آدمؑ کا ترکہ پائیں۔ ہم نہیں جانتے کہ محمول النسب کو میراث نہیں ملتی۔ بدتمیز گزریں کہ ہم لوگوں کی ہستیاں مٹا دی گئیں اور برباد ہو چکیں۔ محرومی اور ناکامی ہم بد بختوں کے سر تھوپی جا چکی۔ اب ہاتھ اٹھا کر سوزِ دل کے ساتھ دعا کرو کہ

دعا کرو کہ یہ قطعہ

ہر کسے در کعبہ و صلت رسید من بماندم در میان واپسان

چون کسان گزرائق رحمت نہ ایم لعنتے بغیر مست بر مانا کسان

(ہر ایک تیرے حریم وصال تک پہنچ گیا۔ مگر میں بد بخت راہ کے در ماندوں کے درمیان پڑا ہوا ہوں۔ اگر ہم لائق لوگوں کی طرح رحمت کے قابل نہیں ہیں تو نالائقوں کی طرح ہم پر اپنی لعنت ہی بھیج دے) کیونکہ تیری لعنت بھی دوسروں کی رحمت و نعمت سے کم نہیں۔ جس نے توبہ کا دربار دیکھا تک ہو اس کو حضرت آدمؑ کی میراث عیسر نہیں ہو سکتی۔ تمھارے دل میں شاید یہ خیال پیدا ہو کہ توبہ تو اس وقت کی جائے جب کوئی گناہ سرزد ہو۔ تو اے بھائی ہمارا وجود سر سے پاؤں تک گناہ ہی گناہ ہے۔ کیا تم نے نہیں سنا۔

اذا قلت ما اذنبت ذنبت محبتہ و جو ذلک ذنب لا یقاس بہا ذنب

(جب میں نے پوچھا کہ میں نے کیا گناہ کیا؟ تو اس کی محبت نے جواب دیا کہ میرے وجود کے سامنے تیرا وجود ہی ایک گناہ ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا گناہ ہو گا۔ جو لوگ کہ معصومین بارگاہ کے جاتے ہیں

ان کے حق میں فرمایا گیا۔ لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ (اللہ تعالیٰ نے نبی کو معافی دیدی ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تَسْتَغْفِرُ اللَّهُ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةً مَرَّةً (میں روزانہ سو مرتبہ خدا سے استغفار کرتا ہوں)۔ اسے بھائی! تم کو ہر برائی اور بدکاری سے توبہ کرنا چاہیے۔ صدیقوں کو اپنے صدق سے توبہ کرنا ضروری ہے جس طرح ہم جیسے بد عہدوں اور جھوٹوں کو ظلم و جفا سے توبہ کرنا واجب ہے، ٹھیک اسی طرح وفاداروں اور مخلصوں کو بھی اخلاص و وفا سے توبہ کرنا لازم ہے! اور جس طرح ہم جیسے نفس خواہشات کے بندوں کو ہوا و ہوس سے توبہ کرنا ضروری ہے اسی طرح ہر اہل دل کو اپنے مراقبہ کی حالتوں سے توبہ کرنا لازمی ہے۔ عارفوں نے کہا ہے جس طرح گناہوں سے توبہ کرنا ضروری ہے اسی طرح طاعت بندگی بجالا کر اس سے بھی توبہ کرنا چاہیے۔ اگر کوئی کہے کہ معصیتوں کو چھوڑنا اور درگزر کرنا چاہیے تو بزرگوں نے کہا ہے کہ دنیا بھر کی طاعت و صدق و اخلاص بجا لائے۔ اور جب بجالا چکے تو اس کی باد بے نیازی کے جھونکوں میں اڑا کر رکھ دے۔ یہی راز ہے جو کہا ہے۔

کہ تا خوشنود گرد دے نیانے

تو می خواہی بہ تسبیح و نمازے

وے اواز نمازت بے نیاز بہت

نمازت توشہ راہ دراز بہت

(تو چاہتا ہے اپنی تسبیح اور نماز سے اس بے نیاز کو خوش کر دے۔ نماز تیرے لیے سفر کیلئے زار راہ ضرور ہے لیکن اس بے نیاز کو تیری نماز کی پروا نہیں)۔ اگر کل ساری دولت و سلطنت ایک فقیر کو بخش دیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس امت کے نورا کو لا کر عرش پر بٹھا دیں اور کہیں يَا اَبْنَاءَ الْمَاءِ وَالطِّينِ بِمِ عَرَفْتُمْ دَبَّ الْعَلَمِينَ (اے آب گل سے بنے ہوئے انسان تو!) پروردگار عالم کو کیونکر پہچانا۔ جواب دیں گے، خداوند اچونکہ زمین و آسمان کا تو ہی مالک و مختار ہے۔ حکم ہوگا جو کچھ آسمان و زمین میں ہے، ہم نے سب تجھے بخش دیا۔ یہ کہیں گے بار خدا یا چونکہ عرشِ عظم بھی تیری ملکیت ہے۔ فرمان ہوگا ہم نے امتیان محمد کو تختِ عرش پر بٹھا دیا تاکہ سمجھ لیں کہ ہماری کوئی چھوٹی سی سلطنت نہیں ہے جو تمہارے وہم و خیال میں سما سکے۔ یہ سن کر فوراً ہی سب کے سب اپنی معرفت و توحید سے توبہ کرنے لگیں گے۔

چہ شناسد کمالِ دہقان را

دانہ در چاہِ دگر دم

دکسان کی گڑھستی کے کمال کو کون جانتا ہے کہ دانہ گڑھے میں اور گھن گہیوں میں لگاتا ہے پھر بھی اس کی کھیتی میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ لیکن اگر توبہ کا دروازہ بند ہو گا تو یہ لوگ اپنی مختصر توحید و معرفت کی خجالت میں گڑ جائیں گے۔ اور جس طرح دوزخی طوق و زنجیر کے بوجھ سے پسے جاتے ہیں یہ بھی اپنی معرفت و توحید کی شرم سے دب کر رہ جائیں گے۔ اس لیے کہا گیا ہے کہ

گر زاهدان بہ قبلہ ابروت بنگرند
اے بس نماز ہا کہ زحیرت قضا کنند

اگر زہاد تیرے کعبہ ابر و پرنگاہ ڈالیں تو ایسی حیرت میں پڑ جائیں کہ تمام نمازیں قضا کر دیں۔ اگر قیامت کے دن پوچھا جائے کہ تم لا الہ الا اللہ کا حق کس طرح بجالائے تو کہیں گے کہ کہیں ہم تو دین کا بندہ بنا کر پیدا کیا گیا تھا۔ برابر دین ہی کی فکر میں لگے رہے۔ ہمارے پروردگار سے پوچھو لا الہ الا اللہ کے رمز کچھ وہی جانتا ہے۔ اسی کے کرم کے اوصاف ہمارے دلوں کو دھارس دیتے ہیں کہ لا یعرفہ غیرہ (اس کے سوا اس کو کوئی نہیں پہچان سکتا)۔ اے بھائی! یہ ایسی گتھی نہیں جسے عقل سلجھا سکے۔ یہاں تک وہم و خرد کی رسائی نہیں۔ یہی تو راز ہے جو کہا گیا ہے کہ

دہم تہی پایے بسے در نوشت
ہم ز درش دست تہی باز گشت

(عقل جو تے اتار کر بہت کچھ دوری مگر کوئی نتیجہ نہ نکل سکا اور خالی ہاتھ لوٹنا پڑا)۔ بزرگوں کا قول ہے کہ اگر رستے زمین کے پیغامبر و صدیق اور آسمان کے ملائکہ معصومین و مقربین ہمیشہ قیامت تک اُس کی توحید زبان سے رستے رہیں بالآخر تھک کر ہی کہیں گے کہ سَتَغْفِرُ اللہ (ہم نے جو کچھ کہا ہے اس سے توبہ کرتے ہیں) اے بھائی! اگر کل معصومین و مخلصین کی پاک دامنی سے تمہارا خمیر گوندھیں تو ہوشیار رہو اور ان پر نہ پھولو۔ اور اگر قرہ کی تلوارِ حسرت و ناکامی کے زہر آب میں بچھا کر تمہارے سر پر مار دیں تو شکستہ دل نہ ہو۔ ایک دل جلے نے کہا ہے دباغی

حاشا کہ دلم از تو جدا خواہد شد
یا بابا کسے دیگر آشنا خواہد شد

از مہر تو بگسلد کرا دار دوست
دز کوے تو بگذرد کجا خواہد شد

(حاشا و کلا کہ میرا دل تجھ سے جدا ہو جائے گا یا کسی دوسرے کو دوست بنائے گا۔ اگر وہ تیری

محبت نہ کرے تو پھر کون ہے جس کو دوست بنائے اور اگر تیری گلی چھوڑ دے تو پھر کہاں جائے
اگر از تو بر کنم دل یہ کجا برم نگارا
ز در تو باز گردم کہ کند قبول مارا؛

راے محبوب اگر میں اپنا دل تجھ سے پھیر لوں تو کہاں لے جاؤں کہ کوئی دوسرا محبوب نہیں ہے۔ اور اگر
تیرے دروازے سے لوٹ جاؤں تو پھر کون مجھے قبول کرے گا؟۔ دنیا میں جس نے اپنے آپ کو
توبہ کی آگ میں نہ جھونک دیا یقینی اُسے آتش دوزخ میں بھلسنا پڑے گا۔ تم کو جو بھی اپنا عیب و
ہنرمعلوم ہے اُسے آج ہی توبہ کی آگ میں جلا کر خاک کر دو تاکہ یہ فتویٰ تمھاری پشت پناہی کھے
اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ (جس نے گناہوں سے توبہ کر لی وہ ایسا ہو گیا جیسے
اُس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں) پھر سوزِ دل سے یہ کہو سہ

الہی جسم کن کا لود گانیم بخونِ دل جگر پا لود گانیم

روا ہے نہ تو اندر سکے ما کہ مشتے سرب و سیم اند و د گانیم

یکے بر روزگار ما بخشاے کہ ما بر خویش ناخوشنود گانیم

(اے خداوند کریم ہم گناہوں میں آلودہ ہیں اور اپنے دل و جگر کے خون میں تھڑے ہوئے
ہیں تو ہمارے کھوٹے ہی سکے کو چلا دے کہ ہم اپنی چاندی میں سیسہ ملاے بیٹھے ہیں۔ ہمارے
حالِ بخشش کی ایک نظر ڈال کہ ہم خود اپنے آپ سے رنجیدہ اور شرمندہ ہو رہے ہیں۔ دین کی
راہ میں جتنے کانٹے بھی آج میں سب چن چن کر پھینک دو۔ اگر ایسا نہ کر دے تو یہی کلنٹے کل
تیرن کر کلیجے میں چھیں گے تم نہیں دیکھتے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا سے ہم کلامی کی
بدولت اس مقام پر پہنچ گئے کہ فرمایا گیا کَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰی تَكْلِيْمًا (موسیٰ نے خدا سے باتیں کیں)
تو چوبیس ہزار چودہ کلمے بغیر کسی واسطے کے آپ کو سنائے گئے۔ آپ مائے شوق کے سر سے
پاؤں تک کان ہی کان بن گئے۔ اور جیسے کان سے سنا جاتا ہے سوائے جسم سے آپ سننے لگے۔
اور جس جس کلمے کو سنتے آپ سے باہر ہو جاتے اور جب ہوش سنبھالتے دل پر اس کا زخم لگایا
جاتا وَقَلَّتْ نَفْسًا، قَبِيْطًا پِلَادِجِي (اے موسیٰ بغیر ہماری وحی کے تو نے ایک قسطی کو مار
ڈالا)۔ اگر دوزخ کے ساتوں طبقوں کا عذاب اس وقت حضرت موسیٰ پر ڈال دیا جاتا تو اتنا
شدید نہ ہوتا، جتنا کہ یہ طنز و طعنہ۔ اس نوازش و اکرام اور خلعتِ شاہانہ کے وقت اُس

واقعہ کی یاد آپ کی راہیں کانٹے سے کم نہ تھی۔ اور وہ کانٹا آنکھوں میں چھینے لگتا۔ تم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ بھی سنا ہوگا۔ تلوار کھینچ کر آ رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ جب تک میرے دم میں دم ہے کسی کی مجال نہیں کہ لات وغری کو بُرا بھلا کہہ سکے۔ قسم ہے لات وغری کی میں ابھی جا کر محمدؐ کا سر کاٹ لاتا ہوں۔ یہاں تک کہ وہ تیغ کشی اپنا کام کر کے ہی یعنی آپ جب مہتری کے عالم میں میدانِ ولایت میں جولانی فرماتے تھے تو آپ کے کانوں میں یہ آواز گونجتی تھی کہ ارے تم تو وہی عمر ہو کہ تلوار لے کر رسول اللہؐ کا سر مبارک کانٹے آئے تھے تاکہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی مملکت برباد ہو جائے تو آپ اس قدر متفعل اور خجل ہوتے تھے کہ زمین پھٹ جائے اور اس میں سما جائیں۔ اور جب جب یہ بات دہرائی جاتی تو آپ کو کچھ نہ سوچتا اضطراب میں مکے سے باہر نکل آتے، زمین پر ماتھا گرٹتے، منہ پر خاک ملتے اور کہا کرتے تھے یا خدا عمر کو اٹھالے تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے اپنے ہی ظلم و ستم کو نہ دیکھے۔ اب ہم تم پر یہ خاک اُڑایا کریں کہ ساری عمر بت پرستی میں گزار دی۔ اور ہمارے روزے اور نماز پر لفت ہے کہ خدا کے دربار میں کیا مقبول ہوگی جب کہ کسی کتے کے آگے رکھ دیں تو وہ بھی سونگھ کر پھوڑ دے دباغی

اے فسق و فساد کا ہر روزہ ما دے پر زحام کا سہ و کوزہ ما

می خندند در روزگار دنی گریہ عمر بطاعت و بر نماز و بر روزہ ما

دیرانی اور بدکاری ہمارا روز کا مشغلہ ہے۔ اور ہمارا پیالہ اور کوزہ حرام کی کمائی سے بھرا ہے ہماری بندگی، نماز اور روزے پر زمانہ ہنس رہا ہے لیکن ہماری زندگی رو رہی ہے۔ اسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چوسٹھواں مکتوب

تقوے کے بیان میں

بھائی شمس الدین تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ نیک بختی جاودانی اور دولتِ دنیائی کا دروازہ تقوے ہے۔ جتنی منزلیں عالمِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ میں آراستہ کی گئی ہیں اور جتنے دیے جنت الفردوس میں بنائے گئے ہیں سب کے سب متقیوں کے لیے سجائے گئے ہیں اور احمقوں کے

ناسوں سے وہ نامزد ہیں۔ سنو! متقی وہی شخص کہا جائے گا جو اپنی قید و بلا سے نکل کر آزاد ہو چکا ہو۔ کیونکہ وہ آدمی جو اپنی ہستی کے پھندوں اور نفس کی خواہشات سے بالکل کنارہ کش نہ ہو گیا ہو وہ دوزخ کی یادگار ہے **وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا** (تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو یہاں نہ گزرے)۔ ساری مخلوق دوزخ میں ٹھونس دی جائے گی تاکہ سرکشوں اور نافرمانوں سے وہ اپنی قسمت کا حصہ لے لے۔ اس کے بعد وہاں سے متقیوں کو نکال لیا جائے گا اور خود پرست اور نفس کے پیجاری اور دھمے منہ بھر دوزخ میں ڈھکیل دیے جائیں گے **ثُمَّ يُنْجِي الَّذِينَ اتَّقَوْا** (پھر وہ باہر لائے جائیں گے جو متقی ہیں) اس آیت کا یہی فتویٰ ہے۔ اے بھائی! یہ حضرات متقی دوزخ کے ساتوں طبقات سے اس آسانی سے گزر جائیں گے جس طرح پانی میں مچھلی تیرا کرتی ہے۔ ان کی ہست و شکوہ سے دوزخ خود لرزہ بر اندام ہے۔ کیونکہ یہ لوگ بہت کے بادشاہ ہیں۔ انھیں لوگوں کا طغرائے امتیاز ہے **إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ** (اللہ پر ہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے)۔ جس طرح دوزخ میں ان کی گنجائش نہیں اسی طرح بہشت میں بھی یہ نہیں سما سکتے۔ اگر تم کہو کہ پھر آخر ان کا کون سا مقام ہے۔ تو وہ فضا جس کا نام فضا ہے ربوبیت ہے یہیں متقیوں کا ٹھکانا ہوگا۔ جیسا کہا گیا ہے۔ قطعہ

ماچو فردا شمس در ہمہ مصر	چہ غنم امروز گر بزدانیم
تو چہ دانی کہ ماچہ مرغانیم	ہر نفس زیر لب چہ می خوانیم
گر بصورت گدے این کو نیم	تو بہ معنی نگر کہ سلطانیم
گر چہ خود مفلسیم در ظاہر	تو بہ باطن نگر کہ ماکانیم

(جیدہ ہم کل ہی مصر کے تخت پر بادشاہ بن کر بیٹھنے والے ہیں تو اس کی کیا پروا کہ آج قید خانہ میں ہیں۔ تم نہیں جان سکتے کہ ہم کس باغ کی چڑیاں ہیں اور کیا راگ الاپ رہے ہیں۔ گویا ہر مفلس و قلاش ہیں مگر حقیقتہً بادشاہ ہیں۔ اگرچہ صورت کوڑی کوڑی کے لیے محتاج ہیں۔ مگر باطن میں ہم جواہرات کی کان ہیں) کیا تم نے قرآن شریف میں یہ آیت نہیں پڑھی۔ **يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ فِي الْآرْضِ وَفُودًا** (متقی لوگ شاہی وفد کی صورت میں خدا کے سامنے پیش کیے جائیں گے)۔ تم یہ سمجھو کہ بہشت کے سوا ان کی اور کوئی جگہ نہیں۔ اور تم نے سنا نہیں

کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابِ احباب کو کون سا شریعت پلا دیا ہے۔
 حَٰكِمًا عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰی۔ عَدَدْتُ بِعِبَادِي الصَّٰلِحِيْنَ مَا لَا عَيْنٌ رَّأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ
 وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبٍ بَشَرٍ۔ یہ حدیث قدسی بلا واسطہ جبریل علیہ السلام کے خداوند تعالیٰ سے سنی
 (ہم نے اپنے صالح بندوں کے لیے ایسی ایسی نعمتیں مقرر کی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے
 سنا نہ کسی بشر کے دل میں اس کا خیال گزرا)۔ یہ اس کی نمائش ہے کہ ہم بہشت کی نعمتیں اور دوزخ کی مصیبتیں
 اٹھالیں تو ہماری خدائی میں ذرہ برابر کمی نہ آئے گی اور نہ احکامِ الوہیت میں کسی طرح کا نقصان آئے گا۔

نہ ہے ساحت کہ گر عالم نہ بودے
 ہر مویے از انجا کم نہ بودے

نہ ہرگز کبریالیش را بدایت
 نہ ملکش را سرا انجام و نہایت

(اس کی کبریائی کا ملک اتنا وسیع ہے کہ اگر یہ دنیا نہ بھی ہوتی تو بال برابر بھی اُس کے ملک میں کمی نہ آتی
 اُس کی کبریائی کی کوئی ابتدا اور اس کے ملک کی کوئی انتہا نہیں)۔ اس بودی عقل سے قرآن پاک کے
 کنہیات کا سمجھنا ناممکن ہے۔ ہاں قرآن پاک کی اعانت سے کچھ تھوڑا سمجھ بوجھ سکتے ہو۔ قولہ تعالیٰ
 فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ (کسی کو ان الغامات کا علم نہیں جو اُن سے ہم نے
 چھپا لیا ہے)۔ سنو! دین کے راستے میں کوئی ہجرت اس سے بڑھ کر نہیں کہ کوئی شخص اپنے آپ سے
 ہجرت کر جائے تاکہ ساری کائناتِ عالم سے علیحدہ ہو بیٹھے۔ کیونکہ خود جہان کو اس آدمی سے کوئی
 سروکار نہیں ہوتا جو آپ ہی در ماندہ ہو رہا ہو جب عنایت و توفیقِ خداوندی نے اس کی امداد فرمائی
 تو وہ اپنے آپ سے چھٹکارا پا چکا۔ اب فریش و جہان کی راتیں سہانی بسر ہوں۔ کیونکہ مردے
 اُسے خیر باد کہہ کر اپنی راہ اختیار کر لی۔ جیسا کہ کہا ہے اِنْ تَعْلَقَتْ بِذَرَّةٍ اَوْ تَعْلَقَتْ بِكَ ذَرَّةٌ
 فَانْتَبِ فِي حَبَالِهَا (اگر کسی ذرہ کا تعلق تیرے ساتھ یا تیرا تعلق کسی ذرہ کے ساتھ ہے تو گویا تو
 اس کا رہن ہے)۔ اور اس وقت تک اس کا بندہ اور غلام رہے گا جب تک اُسے جھاڑ کر آزاد نہ
 ہو جائے تقویٰ کی شکل نہیں دیکھ سکتا۔ کیونکہ تقویٰ کی یہی عادت رہی ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ تیری
 ہستی سراپا اسی کی ہو رہے۔ جیسا کہ کہا ہے

دلبر جانانت اگر آرد دست
 در گزر از خود رہ بسیار غیبت

(اگر تیرا محبوب تیرا ہاتھ تھام لے تو اپنی ہستی قربان کر دے۔ یہ کوئی دور دراز راستہ نہیں ہے)۔

واللہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ مجھے جاہ و حشم اور دنیا کے ناز و نعم بھی ملیں اور اس کے ساتھ ساتھ تو تقویٰ بھی چاہیے۔ سن رکھ کیا فرماتا ہے اَنَا غَنِيٌّ لَا غِنْيَاءَ عَنِ الشُّرَكَاءِ (میں شرکاء سے مطلق بے پردا ہوں) وہ کسی طرح بھی شرکت قبول نہیں کرتا۔ ایک بزرگ نے کہا ہے سہ

آن کس کہ بیار من ہی در نگر د
گو منگر کہ عشق شرکت نپذیرد

(جو کوئی میرے محبوب پر نظر ڈالے اس سے کہہ دے کہ مت دیکھ کیونکہ عشق شرکت قبول نہیں کرتا)۔ تقویٰ ایک بہت وسیع ملک ہے۔ یہاں جھگڑے لڑائی کی گنجائش کہاں۔ دین کی سلطنت بڑی غیرت مند واقع ہوئی ہے، یہ کسی کی شرکت نہیں چاہتی۔ میاں صاحب ہی بھاری بوجھ جو سر پر لا د رکھا ہے تقویٰ کی راہ میں روڑا بنا ہوا ہے۔ جب تک یہ چٹان چکنا چور نہ ہوئے گی مقبول کے تقویٰ کے بارے میں تم کو ایک لفظ اپنی زبان سے نکالنا درست نہیں۔ اپنے آپ سے جتنا لگاؤ ہوتا جائے گا بد بختی و ناکامی کا یہ سنگ راہ اور زیادہ اٹل بنتا رہے گا۔ اپنے سے آشنائی کے معنی اس سے بیگانگی کے ہیں۔ اور اگر اپنے سے بیگانہ ہوئے تو اس سے آشنا ہو گئے۔ جو شخص ہی سنگ راہ کے ارد گرد ہر پھر کر رہ گیا وہ خواہ خرقہ پوش ہو، جبہ و دستار باندھ کر مصلے پر بیٹھا رہتا ہو، یا تلوار باندھنے والا کوئی مسلح سپاہی ہو، دونوں کے درجے برابر ہیں۔ بد بختی کا یہ بھاری پتھر کسی پختہ پیر کی مدد کے بغیر پاش پاش ہو کر اپنی جگہ سے نہیں ٹل سکتا۔ اور یہ ہولناک و خونخوار بیابان اس کی رہبری کے بغیر طے کر لینا دشوار و ناممکن ہے۔ اسی لیے کہا ہے۔ قطعہ

زہارتانہ آئی بے مرے اندرین
زیرا کہ این بیابان خونخواری نماید

گرم درہ نہ تو بر بے گل چہ بونی
رو باز گرد کاین رہ پر خاری نماید

(دیکھو خبردار بغیر کسی رہبر کے اس راہ قدم نہ رکھنا۔ کیونکہ اس میں بڑے بڑے خونخوار جنگل ہیں۔ جبکہ تم نابلدہ ہو تو پھولوں کی مہک پر کیا دوڑ پڑتے ہو۔ جادوٹ جادو یہ راستہ کانٹوں سے بھرا پڑا ہے) سنو، تقویٰ کے معنی ہیں کہ ناچیز سے ناچیز مخلوق کی طرف بھی تم حقارت و توہین کی نظر نہ اٹھاؤ۔ اگر کہیں راہ میں چونیٹی آجائے تو بچا کر قدم آگے بڑھاؤ۔ حدیثوں میں مذکور ہے کہ ایک دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کبیر تشریف لے جا رہے تھے ایک چونیٹی پر آپ کا پاؤں پڑ گیا اور وہ زخمی ہو گئی۔ اس کی تکلیف کا اثر آپ کے قلب پر ہوا۔ انھوں نے دیکھا کہ وہ درد کی وجہ سے ہاتھ پاؤں

پتک ہی ہے۔ آپ ٹکین ہو گئے اور اس کے پاس بیٹھ کر روئے لگے۔ آپ اس قدر لرزہ بر اندام ہوئے گویا آپ کے بدن میں طاقت ہی نہیں ہے۔ چوٹی ہاتھ پاؤں مار کر بل میں چلی گئی لیکن آپ کے دل میں اس کا بڑا دکھ رہا۔ آپ وہاں سے اٹھ کر چلے آئے۔ رات کے وقت آپ نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضور خشکی میں ہیں اور ڈانٹ رہے ہیں کہ "اے علی تم نہیں سنتے کہ آج ساقوں آسمان میں تمھارے ظلم و ستم کی داستان گونج رہی ہے جس چوٹی پر تم نے پاؤں رکھ دیا تھا وہ اپنی قوم کی سردار اور صدیقانِ بارگاہ میں سے ایک تھی۔ وہ جس دن سے پیدا ہوئی پل بھر بھی خدا کی تسبیح و تہلیل سے غافل نہ ہوئی۔ مگر اس وقت کہ تم نے اُسے کچل دیا حضرت کی یہ باتیں سن کر آپ کانپ اٹھے اور فرمایا کہ یا رسول اللہ ہم کیا کریں اور اب اس کا کیا چارہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "اے علی، گھبراؤ نہیں۔ اس چوٹی نے خدا سے تمھاری معذرت چاہی ہے اور کہا ہے کہ اے پروردگار، تو نے ہر کام میں قصد اور بلا قصد کو معتبر فرمایا ہے۔ علیؑ یہ حرکت قصداً نہیں بلکہ بلا قصد سرزد ہوئی ہے اس سے درگزر کر اور میں بخشائیش چاہتی ہوں تو ان کو بخش دے۔ چونکہ تم میرے دربار کے شجاع کہلاتے ہو اس لیے چوٹی نے شفاعت کی اور تمھاری رہائی کا احسان رکھا جب یہ قصور معاف ہوا۔ اے علی اگر وہ تمھاری سفارش نہ کرتی تو بارگاہِ خداوندی میں تمھاری بڑی رسوائی ہوتی۔" تم نہیں جانتے ایسے یوں ہے؟ یہ اس لیے ہے کہ اپنے حقوق سے تو چشم پوشی کی جاسکتی ہے لیکن دوستوں کے حق کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ہوش سنبھال کر بیٹھو کائناتِ عالم کا کوئی ذرہ نہیں جس نے یہ باتیں نہ سنی ہوں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔

ہر چہ تو بینی ز سفید و سیاہ
بر سر کارست درین بارگاہ
(تم اس کارخانہ خداوندی میں سفید و سیاہ جو کچھ بھی دیکھتے ہو وہ خدائی سلطنت کے کسی نہ کسی کام میں لگا ہوا ہے۔)

نگہ کن ذرہ ذرہ گشتہ پویاں
بہ حمدش نکتہ توحید گویاں
(دیکھو آنریش کا ذرہ ذرہ گردش کر رہا ہے اور اس کی حمد میں توحید کا ایک نکتہ بیان کر رہا ہے۔)
تا کہ تم سمجھو کہ مخلوقات کے ساتھ پروردگار عالم کے ہزاروں اسرار پوشیدہ ہیں۔ اور ایسے ایسے

کام سپرد کیے گئے ہیں جہاں عقل کی رسائی نہیں۔ وَ اِنَّ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يَسْتَحْجِبُ عَنْكَ (اور کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو اُس کی حمد و ثناء نہ کرتی ہو) یہی جملہ کافی گواہ ہے۔ اسی راز کو کسی نے کہا ہے کہ

ہزاراں قطرہ زینِ وادی بر آئند بدینِ درگاہ بہ زوالِ اندر آئند
بہ عجزِ خویش می گویند کہ اے پاک توئی معروف و عارف ما عرفناک

(اس وادی کے ہزاروں قطرے اس درگاہ میں سر کے بل آتے ہیں اور عجز و انکسار کے ساتھ کہتے ہیں کہ اے پاک پروردگار تو ہی عارف ہے اور تو ہی معروف ہم تجھے نہیں پہچان سکتے) تمہاری خوش نصیب نگاہیں کبھی اس پر پڑی ہیں کہ وَمَا لِيْ عَلَّمَ جُنُودَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ۔ (میرے رب کے لشکر کو سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا)۔ اگر نظر سے جہالت کے پردے اٹھ جائیں تو سارے جہاں کو اُس کی اطاعت و بندگی میں کمر بستہ پاؤ گے اور ہر تاریکی اور نادانی کے گوشے سے باہر نکل آؤ گے تو جملہ مخلوقات عالم کو اُس کی تلاش میں سرگرداں دیکھو گے۔ اسی موقع کے لیے حضرت نظامی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ

معرفت از آدمیان برده اند آدمیان راز میان برده اند

(معرفت آدمیوں سے لے لی ہے، اور آدمیوں کو درمیان سے اٹھا دیا ہے) جب حضور سرورِ کائنات ان اسرار سے باخبر ہوئے تو ہمیشہ آپ ہی چلہتے تھے اور دعا کرتے تھے اِرِنَا الْاَشْيَاءَ كَمَا هِيَ (اے اللہ مجھے ہر شے کو اسی طرح دکھا جیسی حقیقت میں وہ ہیں) تاکہ بغیر کسی دقت کے میں اسرار کے موتی پالوں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اِرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَاِرْزُقْنَا اِتِّبَاعَهُ وَاِرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَاِرْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ (خداوند! مجھے حق کو حق دکھلا اور حق کی اتباع کی توفیق دے۔ اور باطل کو باطل دکھلا اور اُس سے بچنے کی طاقت عطا فرما)۔ اسی کی طرف یہ اشارہ ہے جو کہا گیا۔ اِذَا ارَادَ اللّٰهُ بَعْدَ خَيْرٍ اَبْصَوْهُ بِعُيُوبِ نَفْسِهِ (جب خدا کسی بندے کے ساتھ نیکی کرنا چاہتا ہے تو اس کے عیب اس پر ظاہر کر دیتا ہے) کہتا ہے اگر نگاہوں کے سامنے بتخانہ آجائے تو اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاؤ۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ زمین جس پر شراب خانہ تھا تھوڑے دنوں کے بعد اسی زمین پر مسجد تعمیر ہو گئی۔ یہی حق ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ دل ہی بدل دیا جاتا ہے اور وہ بتخانہ سے مسجد و کعبہ بن جاتا ہے۔ مگر یہ بتخانہ عظمت میں اس سے کہیں زیادہ ہے کہ مشرق سے مغرب تک کعبہ ہی کعبہ بنا ہوا دکھائی دے۔ اگر کبھی کہا جائے کہ تمہاری دعائیں مقبول

ہوا کرتی ہیں اور تم مستجاب الدعوات بنادیے گئے ہو۔ تو تم کہو کہ اسے خدا میں یہ نہیں چاہتا، بلکہ مجھ کو میری ہی نظر سے اٹھا دے۔ جب تمہاری نگاہوں سے تمہیں اٹھا دیا گیا تو سارے کاموں کے نیک ہونے کی امید بندھ گئی۔ جب تک تم اپنی نظر سے اپنی ہستی کو دیکھتے رہو گے خود پرست کہے جاؤ گے شیطان کیا تھا خود پرست ہی تو تھا۔ صورتہ کچھ ہی ہو، فرشتہ خواہ انسان، زمین یا آسمان، دونوں یا بہشت، خود پرست وہی کہلاتا ہے جو اپنی ہستی و شخصیت سے گزرنہ لگیا ہو۔ اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ قطعہ

گرچہ حجاب تو بردوں از حد بہت
بیچ حجاب تو چو پندار نیست

پردہ پندار بسوز و بدان
درد و جہانت بہ ازین کار نیست

(اگرچہ تیری آنکھوں پر ہزاروں پردے پڑے ہوئے ہیں۔ لیکن کبر و نخوت و خود بینی سے بڑھ کر کوئی حجاب نہیں۔ اس خود بینی کو جلادے کیونکہ دونوں جہاں میں تیرے لیے کوئی کام اس سے بہتر نہیں) منو محبت وہ چیز ہے جو دونوں جہاں کی عزت و آبرو مٹا دیتی ہے۔ عبودیت کی دنیا میں تو بہشت و دوزخ کی قدر ہوتی ہے۔ مگر محبت کے جہاں میں دونوں عالم کی قدر و منزلت ایک ذرے کے برابر بھی نہیں۔ حضرت آدم کو بہشت کی نعمتیں عطا کی گئیں۔ مگر دیکھا کہ انھوں نے کیا کیا۔ آپ نے کہوں کے ایک دانے کے عوض میں بہشت اور نعمائے بہشت کی لذتوں کو فروخت کر دیا۔ اور بلند ہمتی سے محنت و مشقت کا گھر پسند فرمایا۔

مخی خواہیم جز زلفت تو زنجیر
زہے دیوانہ عاقل کہ مایم

(ہم ایسے عقل مند دیوانے ہیں کہ تیری زلفوں کے سوا کوئی زنجیر پسند نہیں کرتے) حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ "اے داؤد میرا ذکر، ذکر کرنے والوں کے لیے، میری بہشت بندگی بجالانے والوں کے لیے، میری زیارت میرے مشتاقوں کے لیے اور میں خاص عاشقوں کیلئے ہوں۔ اے بھائی! عذابِ ثواب کی باتیں اور بہشت و دوزخ کے نام محبت و عشق کے ذکر سے اس طرح قلم زد کر دیے گئے ہیں کہ ان کے نشان نہ آج مل سکتے ہیں نہ کل ہی۔ مگر یہ باتیں ہر شخص کے دماغ میں نہیں سما سکتیں۔ اور اس شربت کی مٹھاس ہر ایک کام و دہن کے لائق نہیں۔ یہی راز ہے جو کہا گیا ہے۔

ہر نفس و وصلہ باز نیست ہر شکے حاملہ راز نیست

(ہر ایک کو باز کی ہمت اور بلند پروازی حاصل نہیں ہوتی اور ہر ایک دل اسرار الہی کا حامل نہیں ہوتا۔ والسلام)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پینسٹھواں مکتوب

صدق کے بیان میں

بھائی شمس الدین اللہ تم کو بزرگی عطا فرمائے۔ دیکھو حضرت خواجہ ذوالنون مہری نے فرمایا ہے اَلصِّدْقُ سَيْفُ اللّٰهِ فِيْ اَرْضِهٖ مَا وَضَعَ عَلٰی شَيْءٍ اِلَّا وَطَعَهُ (سچائی زمین پر خدا کی تلوار ہے، جس پر پڑتی ہے کاٹ کر چھوڑتی ہے) صدق کا مطلب سبب کے مستبب (یعنی سبب بنانے والے کو دیکھنا ہے نہ کہ سبب کا ثابت کرنا۔ سبب ثابت کرنے سے صدق کا حکم باقی نہیں رہتا۔ اس لیے کہ ایمان کی حقیقت ہی یہ ہے کہ خدا کے سوا کچھ نہ چاہے۔ جیسا کہ کہا ہے اَعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا (خدا ہی کی پرستش کرو اور کسی چیز کو بھی اس کا شریک نہ بناؤ جس نے یہ دعویٰ کیا کہ مجھ کو صدق ایمان حاصل ہے اُس نے مان لیا کہ مجھ خدا سے کسی سے کوئی تعلق اور سروکار نہیں۔ اس کے دعوے کی سچائی کی یہی دلیل ہے کہ اگر خدا کے سوا کوئی خیر دیکھے تو اس سے آنکھیں پھیرے۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو وہ اپنے دعوے میں سراسر جھوٹا ہو گا۔ اسی معنی میں کہا ہے۔ دباغی

دل راجع وصل بلار اسپر ہمت جان در دم قبر ہجراد پر خطر است

بیرون ز وصال دہر کالے دگر است ہمت چو بلند شد ہمہ درد سر است

دل میں اُس کے وصل کی خواہش ہونا بلاؤں کے لیے پیر ہے۔ اس کی جدائی کا عذاب جان کیلے بڑا ہی خطرناک ہے اس کے وصال و فراق سے کہیں بڑھ کر ایک دوسرا ہی کام ہے۔ جب ہمت بلند ہو جاتی ہے تو یہ باتیں دردِ سر معلوم ہوتی ہیں) ایک دفعہ حضرت ذوالنون مہری بیت المقدس سے بغداد آرہے تھے راستے میں دُور سے ایک آدمی نظر آیا۔ ان کا جی چاہا کہ اس سے بات کریں جب قریب پہنچے تو دیکھا ایک بوڑھی عورت جیتہ پہنے اور عمامہ پہنے چلی آ رہی ہے۔ آپ نے پوچھا بڑی بی

تم کہاں سے آرہی ہو؟ وہ بولیں "اللہ کے یہاں سے" آپ نے کہا "گھر کہاں ہے؟" بولیں "اللہ کے یہاں" پھر پوچھا۔ "کہاں کا ارادہ ہے؟" جواب دیا "اللہ کے یہاں کا" آپ نے اُن کو ایک شرفی دینی چاہی۔ اُس نے ہاتھ ہلا کر منع کیا۔ اور کہا۔ "اے ذوالنون یہ کیا حالت ہے جس میں تم مبتلا ہو۔ میں تو سارا کام خدا ہی کے لیے کرتی ہوں، اور غیر خدا سے کوئی چیز نہیں لیتی۔ نہ اس کے سوا کسی کو پوجتی ہوں نہ اُس کے سوا کچھ لے سکتی ہوں" اتنا کہ کر غائب ہو گئی۔ مرید کی تہمت ایسی دینی چاہیہ۔ اسی راز کے متعلق کہا گیا ہے۔

ہمت از انجا کہ نظر پاکند خوار مدارش کہ اثر پاکند

(ہمت جس جگہ سے بھی نظر کرتی ہے اس کو معمولی نہ سمجھو وہ اپنا اثر ضرور دکھاتی ہے) جس نے کہا میں اسی کے لیے کام کرتا ہوں یہ اس کی صداقت اور ہمت کی دلیل ہے۔ کیونکہ لوگوں کے معاملے دو طرح پر ہوا کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ جو کچھ کرتا ہے یہ سمجھ کر کرتا ہے کہ اُسی کے لیے کرتا ہوں۔ مگر وہ سارے دھندے اپنے لیے کرتا ہے۔ اگرچہ اس کی دلی خواہش کا اس میں دخل نہ ہو۔ اس جہان میں اس کا ثواب اس کو ملے گا۔ دوسرے یہ کہ وہ اس جہان اور اس جہان کے ثواب عذاب اور تمام معاملوں سے قطعی الگ ہوں۔ جو کچھ کریں محض فرمانِ الہی کی عظمت اور محبت کے جذبے کے ماتحت بجالائیں۔ یہی ہے جو کہا گیا ہے۔ قطعہ

دنیاست بلاخانہ و عقی ہوس آباد ماحصل این ہر دو بیکت نہ ستانیم

این فتنہ بہ نیا شد آن غرہ عقی مافایغ ازین ہر دو نہ انیم نہ آنیم

(دنیا بلاؤں کی جگہ ہے اور عقی حرص و ہوس کی منزل بہم ان دونوں میں سے کسی کو ایک بڑے کے بدلے بھی نہیں خریدتے۔ یہ دنیا کا فتنہ ہے اور وہ عقی کا غرور بہم ان دونوں سے آزاد ہیں نہ اہل دنیا ہیں اور نہ اہل عقی) کہتے ہیں کہ طاعت کی وجہ سے طاعت کرنے والے کو اس سے کہیں زیادہ انعام دیا جاتا ہے جتنا کہ گناہگار کو گناہ سے کیونکہ گناہ کے لطف اور مزے تو تھوڑی ہی دیر میں ختم ہو جاتے ہیں۔ مگر طاعت کی راحتیں ہمیشہ قائم رہتی ہیں۔ مخلوق کی طاعت و مجاہدہ سے اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں۔ اور نہ اس کو چھوڑنے سے اس کا کوئی نقصان یا گھٹا ہے۔ اگر ساری دنیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ کی صداقت برتنے لگے تو اسی کی بہبودی و سعادت۔

اور اگر تمام جہان والے فرعون کے کذب کی پیروی کریں تو اس میں انھیں کا نقصان ہے۔ اس خواہش پر نعمت پر صدق خالص کی جگہ مقرر ہو چکی ہے کہ اَہْلُ الْقُرْآنِ اَہْلُ اللّٰهِ خَاصَّةً (اہل قرآن خاص اللہ والے ہیں)۔ اُس کی پرورش اور غذا قرآن پاک کے نعمت خانے سے ہوا کرتی ہے اَہْلُ الْجَنَّةِ خَاصَّةً (خاص جنت والے ہیں) جنت کے خواہاں تو دوسرے لوگ ہیں لیکن اَہْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ یعنی توحید والوں کی پاک روحیں اس اصل سے وجود میں آتی ہیں وَلَقَدْ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (میں نے اس میں اپنی روح پھونک دی)۔ اس گروہ کی روزی عالم قرآن سے ملا کرتی ہے جس کسی کو قرآن کے دسترخوان پر بٹھایا گیا وہ اس جہان کی کدورتیں جو فتنہ و فساد کی جڑ ہیں برداشت نہیں کر سکتا۔ آخر تنگ آکر موت کی تمنا کرے اور منتظر رہے گا کہ یہ مبارک گھڑی کب آتی ہے۔ کس دن حضرت غر ائیل کرم فرماتے ہیں تاکہ یہ کدورتیں رفع دفع ہو کر غم و درد کی طلب کی جھلک نظر آنے لگے اور قیامت تک محبوب کے مشاہدہ جمال میں محو رہیں۔ طریقت کے پیشواؤں نے اس کی پہلی نسبت یہ بتائی ہے کہ موت کا عاشق بن جائے گا۔ اور اس انتظار میں تڑپا کرے گا کہ جناب غر ائیل کے قدم کدھر سے آتے ہیں تاکہ ان کا استقبال تپاک کے ساتھ کیا جائے۔ ایسے حضرات کے پاس ملک الموت اس لیے آتے ہیں تاکہ اس کم بخت روڑے کو جس کا نام نفوس ہے راستے سے ہٹا دیں جان نکالنا ان کا کام نہیں کیونکہ وہ مرنے والا تو یہ بشارت رکھتا ہے کہ اللّٰهُ يَتَوَفَّيْكَ اَلْاَنْفُسُ (اللہ ہی جانوں کو موت دیتا ہے) جب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رَقَّ عَظْمِيْ وَاشْتَدَّ شَوْقِيْ اِلٰی لِقَاءِ رَبِّيْ (دردِ محبت سے میری ہڈیاں گھل گئیں، اور میرے پروردگار کے دیدار کا شوق بھڑک اٹھا، تو حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے: "سرکار! ذرا اپنا شوق ابھی کچھ رو دے دیا ہے رکھیے۔ مجھے اس کام کے لیے ربيع الاول میں حکم دیا گیا ہے حضور کے اضطراب و شوق کی وجہ سے میں عدول حکمی کیسے کر سکتا ہوں۔ اسی موقع کی مناسبت سے کہا گیا ہے۔

طرفہ سروکار سیت کہ بروعدہ معشوق صابر نتوان بود و تقاضا نتوان کرد

(عجب معاملہ آپڑا ہے کہ محبوب کے وعدے پر نہ صبر کرنے کی طاقت ہے اور نہ تقاضا کیا جاسکتا ہے) اے بھائی سچ ہے کہ زلزلے میں کوئی دکھ درد و تقاضے جمال باری تعالیٰ کی تمنا کے

درد و غم سے بڑھ کر نہیں۔ جیسا کہ ایک آرزو مند نے کہا ہے۔ قطعہ

منم و ہزار حسرت کہ در آرزوئی دست
ہم عمر در غمت رفت رفت ز رفت ہیچ کام
اگر تو دوست گیری پزیرا نصیب دست
و اگر نہ رستی زیری ز ہمہ جہان بر آرم

مجھے نہایت حسرت و فسوس ہے کہ تیرے دیدار کی تمنا میں میری ساری زندگی گزر گئی، اور کچھ بھی کام نہ نکلا۔ اگر تو مدد کرے اور مجھ کو قبول کر لے تو یہ بڑی دولت ہے۔ نہیں تو زمانے میں قیامت اٹھا کر ہی دم لوں گا۔ یہ وہ درد ہے کہ اگر ذرہ بھر بھی جہان میں اپنی چمک دکھائے تو اسے زمین پر کسی بیماری کا نام و نشان باقی نہ رہے۔ استاد ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں اپنی ارادت کے ابتدائی دنوں میں ایک ویران شہر میں گھوم رہا تھا۔ جیسا کہ نئے نئے مریدوں اور مبتدیوں کی عادت ہوتی ہے، میں بھی ایک ٹوٹی پھوٹی مسجد میں گیا۔ یہاں ایک بوڑھے شخص کو دیکھا کہ خون کے آنسو رو رہا ہے، مسجد کی زمین اس کے ہوسے بھیگ گئی ہے۔ میں نے کہا یا شیخ اذقنی بنفسک (اے شیخ اپنے آپ پر رحم کیجیے) آخر آپ پر کون سی مصیبت پڑی ہے۔ وہ بولے اب مجھ میں طاقت باقی نہیں رہی اور خدا کی طلب و تمنا میں زندگی بھی ختم ہو گئی۔ اسی راز کو کسی دل جلے نے یوں کہا ہے۔

مردم در آرزویت روزے نہ دید روتا حاجی براہ رفتہ وز کعبہ باز ماندہ

(لوگ تیری تمنا میں گھلتے رہے لیکن کسی دن تیری صورت نہ دیکھی۔ حاجی نے راستے کی ہزار مشکلیں جھیلیں لیکن کعبہ حقیقی سے محروم رہا) حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت یہ دعا کی اللہم اَعِزَّنِي عَلَى مَسْكَاتِ الْمَوْتِ (اے اللہ موت کی سختیوں کے وقت میری مدد فرما)۔ میری جان نکالنا ملک الموت کا کام نہیں۔ اے خدا تو اعانت فرما تاکہ میں اس جان کے بکھیروں سے چھوٹ جاؤں۔

جانان فدائے دوستی لست جان من عاشق بہ دوست زندہ بود جاچہ حاجت

(اے محبوب میری جان تیری محبت پر قربان ہے۔ عاشق تو دوست کی بدولت زندہ رہتا ہے اُسے جان کی کیا ضرورت ہے)۔ اے بھائی! مدتیں گزر چکیں کہ یہ کہا گیا ہے کہ دوسروں کے قصے سنا سوا اے دردِ مہول لینے کے کچھ نہیں کسی بھوکے کے سامنے مڑے دار کھانے کی

تعریف کرنا حسرت و درد کے سوا اور کیا ہے۔ اگر تم سے ہو سکتا ہو تو قدم آگے بڑھاؤ۔ جان پر مصیبت اٹھاؤ، اور سر کی بازی لگا دو۔ اسی لیے کہا ہے۔

از گفتگو نیاید و صباش بے محال بہت بحر محیط ہرگز در ناودان نہ گنبد

(اس کا وصل باتوں سے حاصل نہیں ہوتا یہ بہت دشوار بلکہ محال ہے۔ بھلا کہیں بحر ناپیدا کنار کوڑے یا کسی نالی میں سما سکتا ہے) جس دل میں عشق اور موت کی دھن سمائی اُس پر سعادت کے دروازے کھل گئے اور نام و نمود کے بندوں کے لیے یہ راہ بند کر دی گئی۔ یہ موت کے در سے گھلے جاتے ہیں۔ ایک بڑے میاں تھے جنہیں لوگ سید الاوتاد کہا کرتے تھے ان کا نام کُلیب تھا۔ عربی زبان میں سگ کی تصغیر کُلیب ہے۔ بدن بگڑا ہوا تھا اس پر تنگی معاش اتنی سخت تھی کہ شام سے صبح اور صبح سے شام ہو جاتی لیکن ایک لقمہ بھی ان کو میسر نہ ہوتا۔ خیر نساج رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں ایک دن ان کے حجرے کے آس پاس پھر رہا تھا۔ ان کی مناجات کی آواز میرے کانوں میں آئی۔ وہ کہہ رہے تھے اَللّٰہِیْ هٰذَا اِسْمِیْ کُلِّیْبٌ وَهٰذَا جِسْمِیْ فَجْذُوْمْ وَهٰذَا قَلْبِیْ دَمَعَ هٰذَا اَیْنَ جِبْرِیْلِ حَتّٰی یُرِیْ مُبَادِرَتِیْ (خداوند امیرانام کہتے کا پلا ہے، میں کوڑھ کی بیماری میں مبتلا ہوں، فقر و فاقہ کی مصیبت ہے۔ کہاں ہیں جبریل کہ وہ میری ان بلاؤں کے مٹا جو جدوجہد کو دیکھیں۔)

عرش ردائے کہ زن رستہ اند شہیر جبریل فرد بستہ اند

(جن کی عرشی رو میں جسم کی قید سے آزاد ہو چکی ہیں اُن کی پر داز نے جبریل کے پر باندھ دیے ہیں۔ اے بھائی! خدا اکیلا ہے وَالْمُؤْمِنُ مَتَّوْحِدٌ (اور مومن بھی یگانہ ہے)۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات یکتا ہے اس لیے وہ چاہتا ہے کہ مومن بھی یگانہ ہو۔ اس امر پر کلمہ شہادت دلیل ہے کہ اس کا آدھا جز لا الہ برائت و علیحدگی چاہتا ہے۔ اور دوسرا اِلَّا اللّٰہ دوستی اور گرویدگی کا مستحق ہے۔ جس قدر غیر حق سے علیحدگی ہوگی اتنی ہی حق کے ساتھ محبت اور وابستگی ہونا ضروری ہے۔ کسی نے اس طرح فریاد و فغاں کی ہے۔)

کو آتشے کہ برے این خرقہ را بسوزم کین خرقہ در بر من ز ناری نماید
(وہ آگ کہاں کہ اپنی اس گدڑی کو اس میں جلا ڈالوں۔ کیونکہ یہ خرقہ میرے بدن پر زنا معلوم ہوتا ہے)

جو شخص اپنے مومن ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اُس کو اپنے اسرار میں غور کی نظر سے دیکھنا چاہیے۔ اگر غیر حق سے وہ گریزاں ہے تو اس کا دعویٰ صحیح ہے۔ اور اگر غیر حق کی طرف اس کے اسرارِ مائل ہیں اور جو حیرتِ حق تک پہنچانے والی ہے اس سے علیحدگی اور دوری ہے تو اس کو اپنے ایمان کا ماتم کرنا چاہیے۔ اس کے دل سے نورِ ایمان پھین لیا گیا ہے۔ جیسا کہ کہا ہے۔

ہنوز از کاتبِ کفر تو د خبر نیست
حقایقِ حقانے ایمان را چہ دانی

(ابھی تو تجھے اپنے کفر کے کات کی بھی خبر نہیں ہے تو ایمان کی حقیقتوں کو کیا جان سکتا ہے)۔ چنانچہ کسی بزرگ نے یہ کہا ہے کہ ساری دنیا محبت اور عاشقی کی دعوے دار ہے۔ مگر ان کے دعوے کو جب غور سے دیکھتے ہیں تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب خود اپنے ہی معشوق بنے ہوئے ہیں عاشقی ان کو دور کا بھی واسطہ نہیں۔ کیونکہ جو شخص محبت کا مدعی ہوا اُس کے دعوے کی سچائی اس سے معلوم ہوگی کہ وہ اپنی مرادوں سے دامن جھاڑ کر باہر نکل آیا ہے یا نہیں۔ اگر مراد کی طلب اب بھی باقی ہے تو یہ محبوبی نہیں تو اور کیا ہے۔ اس کو محب نہیں کہا جاسکتا۔ اس کا دعویٰ سر اسر جھوٹا اور لغو ہے۔ اسی سے ظاہر ہو گیا کہ اس وقت تک محبت کا دعویٰ صحیح نہیں جب تک کہ محب کو محبوب کے سوا کوئی نہ کے ایک ذرے کی بھی ہوس باقی ہے۔ اربابِ نظر نے اس آیت کے متعلق کہا ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا** (اے وہ لوگ جو ایمان لا چکے ہو ایمان لاؤ) مومنوں کو پھر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دوسرا ایمان پہلے ایمان کے علاوہ ہے۔ پہلا ایمان اللہ کی تصدیق اور اقرار ہے۔ اس اقرار و تصدیق کی حقیقت غیر خدا کی طرف نظر نہ کرنا ہے۔ پھر بھی اگر غیر حق پر آنکھ ڈالی تو پہلے قول و قرار سے ہٹ گیا۔ بندوں کی آنکھیں دیکھنے سے کب تک بند رہ سکتی ہیں۔ اس لیے فرمان ہوا کہ ایمان دوبارہ تازہ کر دو۔ جب دیکھتے ہو تو ان نظر آنے والی اشیاء کو نہ دیکھو بلکہ ان کے صانع و خالق کو دیکھو۔ یہاں تک کہ کسی طرح کا خطرہ اور خدشہ دل میں پیدا نہ ہو، ورنہ دوبارہ ایمان لانا ہو گا۔ ایمان تازہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ جب جب غیر خدا کا خیال آئے اُس سے اعراض کر کے حق کی طرف رجوع کرے۔ اسے بھائی اس سے بڑھ کر اور کوئی خوش نصیبی ہو سکتی ہے کہ دھکے "اے مٹی کے پتلے تو دل کی صفائی کے ساتھ میرا ہو جا۔ اے پانی کے ناجیز قطب سوا میرے کسی سے دل نہ لگا۔ اے خاک کے ٹھیکے میرے دھال کے محل میں پاؤں رکھ"۔

اس پیکر آبِ گل کو اتنی بڑی دولت ملتی ہے کہ اپنے فضل و کرم سے حکم فرماتا ہے کہ دن رات میں پانچ مرتبہ میرے وصال کی خلوت میں داخل ہو کر معراجِ صلوٰۃ حاصل کیا کر۔ اور عالم میں پکار کر کہا کہ قِسْمَتِ الصَّلَاۃُ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نَمَاز بَانٹ دی گئی ہے میرے اور میرے بندے کے درمیان۔ اسی لیے کہا ہے۔

این آب بس مرا کہ بندت خوانند خاکِ ہر کوئے آستانت دانند

(میری یہ آبرو کہاں کہ مجھ کو تیرا بندہ پکاریں۔ یہی غرت میرے لیے بہت ہے کہ تیری گلی کی خاک عینِ موسیٰ علیہ السلام جو دربار کے کلیم تھے چالیس دنوں تک انھیں سخت انتظار میں رکھا گیا۔ مگر معذرتِ امت محمدیہ کی) باری آئی تو ساقیِ لطف و کرم نے یہ کہہ سا غر و صل پلا دیا کہ الصَّلَاۃُ مَعَ رَاجِ الْقُلُوبِ (نماز دلوں کی معراج ہے)۔ اس سے یہ نہ سمجھو کہ اس امت کو پیغمبروں پر فضیلت دی گئی ہے۔ لیکن تم نے سنا ہو گا کہ مَنْ كَانَ أَضْعَفُ فَإِنَّ رَبَّ يَهِّئُ لَهُ الْطُفَّ۔ جو زیادہ عاجز و ناتوان ہے اس پر خدا زیادہ مہربان ہے۔ اسی لیے کہا ہے۔

دورِ تو زینِ دائرہ بیرونِ تربت از دو جہان قدر تو افرادِ تربت

(تیری گردشِ دائرہ کون و مکان سے باہر ہے۔ دونوں جہان سے تیری قدر و منزلت بہت زیادہ ہے) والسلام۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

چھیا سٹھواں مکتوب

حضرت آدم علیہ السلام کے نسب کے بیان میں

بھائی شمس الدین۔ تم کو معلوم ہو کہ اس راہ کے آدمی کو حضرت آدم کی اولاد کہلانے کا اُس وقت حق پہنچتا ہے جب وہ عالمِ دل میں پہنچ جائے جب اس مقام میں پہنچ گیا تو عالمِ گردش ختم ہو گیا۔ اب یہاں سے روش شروع ہوتی ہے۔ یہاں جس طرح وہ خود بدل جاتا ہے اسی طرح جو کچھ اُس کو مل چکا ہے وہ بھی بدل جاتا ہے۔ چیزوں میں تصرف کرنے کی قوت اس کو حاصل ہو جاتی ہے تم نے سنا ہو گا کہ فلاں فقیر کی بوتلوں میں شراب شربت بن گئی، اور ارند کا پھل ابجروہ اسی مقام میں تھا۔

اگر وہ چاہے کہ حکومت کے مال میں دست اندازی کرے تو اس کے لیے کوئی روک ٹوک نہیں۔ بعض مشائخ ایسے گزرے ہیں جن کا بیت المال اسی طرح جاری تھا۔ شریعت کا فتویٰ ہے کہ اگر پورے پچھم تک ساری زمین خون سے بھر جائے تو اس وقت بھی مومن سولے حلال کے حرام چیز نہیں کھا سکتا جب تک دل کے عالم میں نہیں پہنچتا ایمان کی حقیقت ظاہر نہ ہوگی۔ جیسا کہ یہ حدیث نقل کی ہے:

لَوْ كَانَتْ الدُّنْيَا بَرْكَةً الدِّمَ لَا يَشْرِبُ الْمُؤْمِنُ إِلَّا الْخَلَاءَ (اگر ساری دنیا خون کا حوض بن جائے تو مومن سولے حلال کے اور کچھ نہیں پی سکتا) شریعت میں اس کی اصل ملتی ہے۔ اس سے یہ مطلب آسانی سے سمجھ میں آجائے گا کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی جوان نے آکر پوچھا کہ رمضان کے دنوں میں بیوی کا بوسہ لیا جاسکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا جائز نہیں ہے۔ اس کے کچھ دیر کے بعد ایک بوڑھا شخص آیا۔ اور اُس نے یہی دریافت کیا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ہاں جائز ہے! حضورؐ کے اصحابؓ نے متعجب ہو کر کہا یا رسول اللہؐ یہ کیا ہوا؟ ایک کو منع کیا، اور دوسرے سے فرمایا جائز ہے۔ آپؐ نے فرمایا "ہاں وہ پہلا شخص جوان تھا، آتش شوق بھڑک اٹھنے کا خوف تھا۔ وہ دوسرا بوڑھا تھا اس کے میجانِ نفس کا کوئی گمان نہیں ہو سکتا تھا۔" اس سے ظاہر ہو گیا کہ ہر آدمی کے لیے شریعت کا حکم ایک نہیں ہوا کرتا۔ یوں سمجھو کہ ایک شخص کرامت کے زور سے دریا پر چلتا پھرتا ہے۔ اگر کوئی دوسرا ایسا کرے تو ڈوب مرے۔ اور جو کوئی اس کی پیروی کرے اور خزانہ شاہی میں نفرت کر بیٹھے مگر اس راہ سے نابلدہ ہو تو وہ اپنی ہلاکت کی کوشش کرتا ہے۔ ہاں آتشائے راہ کی ہدایت و اجازت سے البتہ قدم رکھ سکتا ہے۔ جب صاحبانِ دل اس مقام میں پہنچ جاتے ہیں تو ان کا عضوِ حضورؐ سے پاؤں تک دل ہی دل بن جاتا ہے۔ اور ان کا کوئی عمل ضائع نہیں جاتا۔ یہی لوگ عالمِ دل کے مسند نشین کہے جاتے ہیں۔ یہیں سے یہ بات نکلتی ہے کہ جب حضورؐ پر نور صلی اللہ علیہ وسلم ہر مبارک جھاڑتے تھے تو اصحابؓ مومے مبارک آپس میں بانٹ لیتے تھے۔ اور جو کپڑا زیب تن فرماتے تھے حضورؐ کے جسمِ مہر کا اثر اس میں آجاتا تھا۔ اس لیے آپؐ نے ایک منافق کو اُس کے لڑکے کی خاطر سے جو مسلمان ہو چکا تھا ایک کرتا مرحمت فرمایا۔ اُس نے اپنے باپ کی قبر میں رکھ دیا۔ صحابہؓ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا "کیا اس سے میرے والے منافق کو کوئی فائدہ ہوگا؟" آپؐ نے فرمایا "جب تک اس کا ایک صاگا بھی

باقی ہے اس پر کوئی عذاب نہ ہوگا۔ اسی کو دیکھ کر مریدان پیروں کے خرقے بترک سمجھ کر آپس میں بانٹ لیتے ہیں تاکہ ہر شخص اس سے فائدہ اٹھائے۔ ان مردان خدا کے سوا کسی اور کے کپڑے تقسیم کرنا ایک سم بن گئی ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں۔ جب مردان راہ کی گردش ختم ہو چکتی ہے تو وہ دل کے عالم میں داخل ہوتے ہیں اور امام و مقتدا بن جاتے ہیں اور انھیں کو زیبا ہے کہ لوگوں کو حق کی طرف بلائیں۔ اور جو اس منزل تک نہیں پہنچا اسے اس کا حق نہیں کہ اس طرح کی بات کرے۔ اس لیے جب امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ لہرہ تشریف لائے تو یہاں حضرت خواجہ حسن لہری جو یگانہ روزگار تھے آپسے ان کو ان باتوں سے روک دیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ جو کچھ سرزد ہوتا ہے عالم دل سے اس کا نزول ہوتا ہے۔ اس کا حق آپ ہی کو تھا۔ اے بھائی! اگر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا اِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صَوَابٍ مُّسْتَقِيْمٍ (بیشک تو ہی سیدھی راہ دکھا سکتا ہے) پیروں کے حق میں یہ نوازش ہوئی مَتَنٌ خَلَقْنَا اُمَّةً يَّتَهْدُوْنَ بِالْحَقِّ (ہم نے بعض امتیں ایسی پیدا کی ہیں جو حق کی طرف راستہ دکھاتی ہیں) اگر تم کہو کہ ہم کیونکر سمجھ سکتے ہیں کہ مدعی کذاب ہے یا ازلی عنایتوں کا حامل؟ اس کا یہی جواب ہے کہ جس طالبِ راہ کی روش درست ہوتی ہے اُس کے دل میں ایک طرح کی روشنی پیدا ہو جاتی ہے جس کی تابش سے وہ ظفرائے شاہی دیکھ لیتا ہے اور مدعیوں کی طرف نہیں جھکتا۔ تم دیکھتے نہیں کہ اگر ہزاروں قسم کے جانور ایک جگہ جمع ہوں اور طرح طرح کے چارے اور دانے اُن کے سامنے ڈال دیے جائیں تو ہر ایک کا منہ اور معدہ آپ ہی سمجھ جائے گا کہ اس کی کیا غذا ہے۔ دوسروں کے کھانے کی طرف وہ توجہ نہ کرے گا۔ قرآن مجید نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ (ہر شخص اپنا مشرب خوب جانتا ہے)۔ مردان خدا کی جو تیاں بھاڑا اور انھیں سے مانگو۔ مدعیوں سے کچھ ہونے کا نہیں۔ یہ لوگ اس کام کے لائق ہی نہیں۔ مدعی کون ہے؟ وہی جو بغیر جانے بوجھے راہ خدا میں چل کھڑا ہونے کا دعویٰ کرے، اور ایک قدم چلا نہ ہو۔ دیکھا بھی نہ ہو۔ اسی طرف اشارہ کیا ہے جو کہا ہے۔ وَاِنْ تُبِغْ اَكْثَرُ مَنْ فِي الْاَرْضِ يَضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (اگر تو اُن کی پیروی کرے گا جو دنیا میں بہت ہیں تو وہ خدا کے راستے سے تجھے گمراہ کر دیں گے)۔ جب گمراہ کہنے والے زیادہ ہوئے تو ہدایت کرنے والے یقینی کم ہوں گے۔ طالبِ دل اس روشنی سے جو اُسے

ازل میں دی گئی ہے خود پہچان لے گا۔ اور اس کی صداقت ایک مرکز پر قائم ہو جائے گی۔ اور اپنے وصلہ طلب کے موافق فیض و اثر لینا شروع کر دے گی۔ اور پیر عمل و تقویٰ کرنے لگے گا۔ یہ سمجھو کہ وہ مردہ ہے اُس کا پیر غسل دیتا ہے تاکہ وہ آلودگیوں سے پاک و صاف ہو جائے اب جبکہ پاک ہو چکا تو اس کی گردش ختم ہو گئی۔ پھر یہاں سے سلوک کی راہ شروع ہوتی ہے۔ جس کا نام روش ہے۔ وَاللّٰهُ حَبِيبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا الطَّيِّبَ (اللہ پاک ہے اور پاک لوگوں کو قبول کرتا ہے)۔ اے بھائی! یہ بھی کوئی طاعت ہے جس کو تم طاعت سمجھتے ہو۔ جیسے تمہارا نماز پڑھنا روزے رکھنا صدقہ دینا یا مال یا پ اور شروالوں کی خدمت کرنا تمہاری عادت ہو گئی ہو۔ کیونکہ فرمان تو یہ ہے وَإِنْ تَطِيعُوهُ تَهْتَدُوا (اگر خدا کی بندگی کرو گے تو ہدایت پاؤ گے) یہ نہیں کہا گیا۔ وَإِنْ تَطِيعُوا عَادَتَكُمْ تَهْتَدُوا (اگر تم اپنی عادت کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے)۔ تو کسی صاحب دل کے فرمان سے جو طاعت بجا لاؤ گے اسی کا پھل ہدایت ہے وَمَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللّٰهَ (جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے خدا کی اطاعت کی) اس کی بھی کافی دلیل ہے۔ اگر غور کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ اگر ایک رکعت نماز کسی صاحب دل کے حکم سے پڑھی جائے تو ان ہزار رکعتوں سے جو اپنی خواہش و عادت سے پڑھی جائے کہیں بہتر ہے۔ اور ایک دن کا روزہ جو ان کے حکم سے رکھا جائے ان ہزار روزوں سے کہیں اچھا ہے جو اپنے جی سے رکھا گیا ہو۔ اور اسی طرح ایک روپیہ خیرات دینا ان ہزار روپوں کے صدقہ کرنے سے افضل ہے جو اپنی عادت کی وجہ سے دیے گئے ہوں۔ اے بھائی! اسی دھن میں لگے رہو کہ عادت کس طرح پھوٹ سکتی، اور دین کیسے طلب کیا جاسکتا ہے۔ مگر یہ باتیں بغیر مردان راہ کی کفش برداری کے پیدا نہیں ہو سکتیں، کیونکہ پیران طریقت چونکہ جانتے ہیں وقت آنے پر گھات میں لگے رہتے ہیں اور روزانہ ایک قوم کو شیطان کے پھندوں سے باہر نکالا کرتے ہیں تاکہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مریدوں کے دلوں میں اپنا قدم بنائے۔ ان کو معلوم ہے کہ یہ شخص کس حال میں پیدا ہوا۔ اور اس وقت کتنے پانی میں ہے۔ ماں باپ سے جلد جلد جو سیکھ لیا ہے وہیں کا وہیں ہے۔ اگر بیس تیس چالیس پچاس سال یہاں تک کہ زندگی کے آخری دن بھی آجائیں اس کی شکل و صورت میں کسی طرح کی تبدیلی نہ ہوگی۔ جیسا پہلے دن تھا اب بھی بالکل ویسا ہی نظر آئے گا۔ دنیا کی رسم و عادت الے دوسرے ہیں۔

اور مردانِ خدا دوسرے لوگ ہیں۔ جو شخص اپنی عادت کا بندہ ہو، غفلت کے سوا اس کا کوئی کام نہ ہو اور خواہشِ نفس کو اپنا معبود جانتا ہو، بھلا وہ کیسے ان کی برابری کر سکتا ہے جنہوں نے خدا کی راہ میں پہلا قدم رکھتے ہی زنا، کفر کو توڑ کر پینیک دیا، دنیا اور آخرت بچھا کر دی۔ اور پکار اُٹھے۔ سرا با غی۔

دیدیم نہاد گیتی و اصل جہان

و ان نور سیاہ را ز لابر تر دان

ہم نے دنیا کی حقیقت سمجھ لی اور پیچ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اگرچہ وہ نور سیاہ لا الہ سے برتر ہے لیکن ہم نے اُسے بھی چھوڑ دیا۔ اب نہ یہ رہ گیا نہ وہ (کسی کی طرف توجہ نہ کی۔ یعنی الا اللہ کی منزل میں جا کر دم لیا۔ تم سے جہاں تک ہو سکے طلب کی راہ پر قائم رہو۔ ممکن ہے کہ تم کو طلب اپنا جلوہ دکھائے۔ اگر کسی دن اپنے چہرے سے طلب پردہ گرا دے تو تم، تم نہ رہ جاؤ گے بتمھاری یہ ساری خودی نیست و نابود ہو کر رہ جائے گی۔ یہاں تک کہ تم کو اس کی بھی تمیز نہ ہوگی کہ تم کبھی طالب بھی تھے یا نہیں۔ اسی کے متعلق ایک بزرگ نے کہا ہے کہ ”جس طلب میں طالب کو اس کی خبر ہو کہ وہ طالب ہے تو سمجھو کہ طلب کی حقیقت سے وہ ابھی کوسوں دُور ہے“ تم دیکھتے نہیں کہ جب مستی بے انتہا بڑھ جاتی ہے تو خود مستانے کو اس کی مطلق خبر نہیں ہوتی کہ وہ مست ہے۔ افسوس جس کو اتنی تمیز بھی باقی رہ گئی ہو کہ وہ جلنے کے ”میں مست ہوں۔ اور دوسرے لوگ ہوش میں ہیں“ وہ مستی کے کمال مداح تک نہیں پہنچا ہے۔ کیونکہ کمالِ مستی کی شان یہ ہے کہ اس شخص کی ہستی اور تمیز بالکل کھو جائے۔ اگر اس سے پوچھا جائے کیا تو مست ہے؟ تو کچھ نہ بولے۔ اور اگر جواب دے تو یہ اب تک ممتاز نہیں، بلکہ اس میں تمیز باقی ہے۔ تم نے سنا نہیں جو کہا گیا ہے

ما را غم عشق تو چنان در پے حبت

کز ہستی ماننا ند جز صورتِ ہست

(تیرے غمِ عشق نے ہماری رگ دے پے میں ایسا گھر بنایا ہے کہ سوائے صورتِ ہستی کے ہماری ہستی ہی باقی نہ رہی)۔ جب طلب کی حقیقت دکھائی دینے لگتی ہے تو طالب باقی نہیں رہتا مگر طلبِ وَحْد (جس نے ڈھونڈا اس نے پالیا)۔ اسی طلب کی ضرورت ہے۔ جب مرید یہاں تک پہنچتا ہے تو آگے اس کا کوئی کام باقی نہیں رہتا۔ خود طلب راہِ برین جاتی ہے۔ اسی جگہ

کسی دل جلے نے کہا ہے

عشق آن کند ہر آنچہ بباید تو صبر کن
شاگرد باش عشق ترا استاد بس

(عشق دہی کرتا ہے جو کرنا چاہیے تو صبر کر۔ تو عشق کا شاگرد ہو جا ہی استاد تیرے لیے کافی ہے)۔ اور مَنْ طَلَبَ غَيْرِي لَمْ يَجِدْنِي (جس نے کسی دوسرے کی خواہش کی وہ ہم کو نہیں پاسکتا) اس کو بھی نہ بھولنا چاہیے۔ جب تک تیرے دل میں کسی دوسرے کی جگہ ہے اس وقت

تک تو طالب نہیں کہا جاسکتا۔ ظاہر ہے کہ تیری ہستی کی بساط ہی کیا۔ بھلا مطلوب اتنی تنگ جگہ میں کیونکر سما سکے گا۔ يُجِبُّونَكَ كَادَعْوَى اس وقت صادق ہو گا جب ہر طرف سے ساری توجہ

ہٹا کر یُجِبُّونَكَ کی لذت میں تو محو ہو جائے گا۔ دیکھو یُجِبُّونَكَ کنا اسی ذات کے لیے زیبا ہے کیونکہ وہ ہزاروں لاکھوں محبوب رکھتا ہے اور ہر ایک تک پہنچتا ہے۔ لیکن تمہارا وجود محض چھوٹا موٹا

اور تنگ ہے۔ آفتاب ساری دنیا کو گھیرے ہوئے ہے پورے پچھم ہندوستان ترکستان ہر جگہ چلتا ہے کیونکہ اس کا چہرہ بہت بڑا اور کشادہ ہے۔ اس کی تابانی ہر جگہ قائم ہے۔ مگر تمہارے وجود کا

گھر جب تک پوری طرح اس کے سامنے نہ آئے گا اس کی ایک کرن سے بھی تم فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اس لیے ضروری ہے کہ تمہارا خانہ وجود بالکل اس کے مقابل آجائے تاکہ پوری طرح سورج

سے طاقت حاصل کر سکے۔ ہزاروں ہزار عالم اپنے اپنے حصے لیا کرتے ہیں مگر آفتاب کی گرمی اور روشنی میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں ہوتی۔ وَمِنْ آيَاتِهِ الشَّمْسُ (اس کی نشانیوں میں سے ایک

آفتاب بھی ہے)۔ اس کو ذرا غور و فکر سے پڑھنا۔ اور ایک نکتہ یاد رکھنا۔ وہ یہ کہ کسی ایسی چیز کو پیار کرنا جو خود دوست نہیں بلکہ دوست کی تابع اور ضمن ہے کمال محبت کے لیے کوئی ہرج

نہیں ہے جیسا کہا ہے۔

أَحِبُّ بِمَحَبَّتِهَا طَلَعَاتُ نَجْدٍ وَمَا شَفَعَنِي بِهَا لَوْلَاهَا

(میں بلی کی محبت میں نجد کے میدانون اور ٹیلوں سے پیار کرتا ہوں۔ اگر اس کی محبت نہ ہوتی تو مجھے ان سے کوئی واسطہ نہ ہوتا)۔ یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ اپنے دشمنوں سے محبت کرنے لگتا ہے۔ اور ان میں گھل مل جاتا ہے۔ کسی نے کہا ہے

أَحَدُ مَلَأَمَةٍ فِي هَوَاكَ لِيَذِيدَهُ حُبًّا لِذِكْرِكَ فَلْيَمْلُئْنِي السُّوْمُ !

زیر عشق میں لوگوں کی ملامتیں مجھے اچھی لگتی اور مرادیتی ہیں۔ کیونکہ ملامت کرنے والے تیری محبت کے ذکر کے ساتھ ملامت کرتے ہیں۔ محبت میں شرکت اسے نہیں کہتے یہ تو دوست کی محبت کے آثار ہیں۔ مجنوں کا عشق اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ رنگوں میں کالا رنگ اُس کو سب سے زیادہ پسند تھا۔ چنانچہ خود کہتا ہے یہ

أَحَبُّ بِحُبِّهَا السُّودُ أَعُو حَتَّى

أَحَبُّ بِحُبِّهَا السُّودُ الْكَلَابُ

ریشلی کی محبت کی وجہ سے میں کالے رنگ کو پسند کرتا ہوں۔ اور اسی کی محبت میں کتے کا کالا رنگ مجھے پیارا لگتا ہے۔ اے بھائی! محبت کا عالم عجیب عالم ہے یہیں دشمنوں سے دوستی ہو جاتی ہے۔ ایک جماعت کافروں سے جہاد کرنے جا رہی تھی حضرت ابوالعباس قصار رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا ”میری ڈاڑھی اس کافر کے تلوؤں کی خاک پر تصدق جو اُس کے لیے مارا جائے جب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا لَا تَتَّخِذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا وَلَكِنْ صَاحِبُكُمْ خَلِيلُ الرَّحْمَانِ (اگر میں کسی کو دوست بناتا تو یقینی ابو بکرؓ کو بناتا مگر تمہارا ساتھ ہی (محمدؐ) تو خدا کو دوست بنا چکا ہے)۔ اس جگہ کسی کو حق نہیں کہ وہ کہے ”آخر آپ بال بچوں سے کیوں ملتے جلتے تھے؟“ کیونکہ معلوم ہے کہ حضورؐ سے جب پوچھا گیا مَنْ أَحَبَّ النِّسَاءَ إِلَيْكَ قَالَ عَالِشَةُ (بیویوں میں آپ کی چھٹی کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا عالشہ) فَقِيلَ مَنْ الرَّجَالِ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ (جب پوچھا گیا۔ اور مردوں میں؟ فرمایا۔ ابو بکر)۔ آخر ان کی محبت تو حضورؐ کے دل میں جا گزیں تھی۔ وَلَكِنْ صَاحِبُكُمْ خَلِيلُ الرَّحْمَنِ (مگر محمدؐ تو خدا کو دوست بنا چکا ہے) اسی طرح آپؐ حضرت ابراہیمؑ کو بھی بہت مانتے تھے۔ یہاں تک کہ اُن کی وفات کے غم میں آپؐ روئے بھی۔ اور حضرت امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے بارے میں فرمایا اَدْلَاؤُ فَا اَكْبَادُ فَا (ہماری اولاد ہمارے کلچے کے ٹکڑے ہیں۔ تو یہ کیا ہوا؟ بتدی کے دل میں ابتداء اس طرح کے شکوک پیدا ہوا کرتے ہیں۔ مگر اہل بصیرت کے یہاں کوئی مشکل ہی نہیں۔ اے بھائی! فرہن کرو کہ ایک آدمی علم کا عاشق ہے اور اُت دن طلب علم کے سوا اس کا کوئی کام نہیں، تو یہ دوات قلم و روشنائی اور کاغذ کو دوست رکھتا ہے تو یہ کہتا ہے معنی ہے کہ یہ علم کا عاشق کامل نہیں ہے۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ بذاتہ محبوب تو ایک ہی

ہوتا ہے۔ مگر دوسری چیزوں سے جنہیں محبوب کے لگاؤ کے سبب پیار کرتا اور محبت رکھتا ہے۔
تو کسی نقصانِ فز کا احتمال نہیں۔ اگر آدمی خدا کو دوست رکھتا ہے۔ پیغمبروں اور استاد سے بھی
محبت کرتا ہے۔ یہ بالکل عقل کے مطابق ہے کہ جو شے دوست کی طرف منسوب ہے وہ بھی دوست ہے
سادا عالم اسی کا بتایا ہوا ہے۔ جہاں اور جہاں دالے اسی کے مصنوعات اور حروف ہیں۔ اگر ایک قدم
آگے بڑھا دو تو بول اٹھو گے ”یقینی سب کچھ خود دی ہے“ کسی صاحبِ بصیرت نے کہا ہے کہ

دوئی را نیست رہ در حضرت تو ہمہ عالم توئی و قدرت تو
دوید کون ظل حضرت تست ہمہ آثار صنع و قدرت تست

(تیرا بارگاہ میں دوئی کی گنجائش کہاں؟ سادا عالم تجھ سے اور تیری قدرت سے بھرا ہے۔ دونوں
جہاں کا وجود تیرا سایہ دربار ہے۔ یہ سب کچھ تیری صنعت و قدرت کے آثار ہیں)۔ مگر محبوب کی
اگر اس بات میں رضا مندی ہے کہ فلاں خط جو ہم نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے اُسے جلا ڈال؛ تو
عاشق کا فرض ہے کہ فوراً جلا ڈالے۔ یہاں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس نے محبوب کے حرفوں کی توہین
کی ہے۔ کیونکہ اس کی خوشنودی اسی امر میں تھی۔ وَهَذَا مَنُورَةٌ عَظِيمَةٌ۔ یہ بڑی زبردست
منزل ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اُس کی راہ میں
کافروں کو پکڑ لیا اور ان سے جہاد کیا تو اُس کے احکام بجالائے اور اُس کی رضا کی طلب ان کا مقصد
تھا کیونکہ محبوب کی سلطنت میں عاشق کی مجال نہیں کہ ذرا بھی دست اندازی کر سکے۔ دہ اسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سر سٹھواں مکتوب ۶۷

نیک گمان رکھنے کے بیان میں

بھائی تمہیں الدین تمہیں معلوم ہو کہ یہ اللہ دالے لوگ ادروں کے اعتبار سے خداوندِ کریم
سے بہت ہی اچھا گمان رکھتے ہیں۔ خواجہ یحییٰ معاذِ رازی فرماتے ہیں جس کسی کا گمان خدا کے بزرگ
وبر کی طرف اچھا نہ ہو گا۔ اس کی آنکھیں اللہ کے راستے کے لیے روشن نہ ہوں گی۔ یہ اس کے
مطابق ہے جو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث قدسی بیان فرمائی ہے۔ حَاكِيًا عَنِ

اللہ تعالیٰ۔ اِنَاعِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِرِي قَلِيْطٌ مَا لِيْشَاءُ اُنِىْ اِنَاعَالِمُ بِظَنِّ عَبْدِي فَاَجَاوْهُ
 عَلٰی رَفِيقِ الْمَعْلُوْمِ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے قریب ہوں جیسا وہ میرے
 ساتھ گمان کرتا ہے جیسا وہ چاہتا ہے۔ یعنی میں اپنے بندے کے گمان کو جانتا ہوں۔ اور معلوم کی
 موافقت پر میں نے اُس کو اجازت دے دی ہے) حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں کہا گیا ہے
 کہ آپ نے حضرت زلیخا سے یہی کہا کہ تمہارا شوہر میرے حق میں اچھا گمان رکھتا ہے۔ اُس نے کہا ہے
 عَسٰی اَنْ يَنْفَعَنِيَّ (شاید اس کی ذات سے ہم کو نفع پہنچے) بھلا میں اس کے خلاف کیونکر کر سکتا ہوں
 تو جب مخلوق کسی کافر کے حُسن ظن کے خلاف نہیں کرتی تو بدرجہ اتم یہ ماننا پڑے گا کہ خداوند برتر
 مومنوں کے نیک گمان کے خلاف نہ کرے گا۔ اسی راز کو یوں بیان کیا ہے۔ قطعہ

اے کریمے کہ از خزانہ غیب گہر و ترسا و طیفہ خورداری
 دوستان را کجا کنی محروم تو کہ باد شمشان نظر داری

(اے ایسے بخشش کرنے والے کہ کافر اور مشرک کو بھی اپنے نامعلوم خزانے سے روزی دیتا ہے
 تو اپنے دوستوں کو کیسے محروم کرے گا جب کہ دشمنوں پر ... ایسی عنایت کی نظر رکھتا ہے)۔ کسی
 شخص کے متعلق اچھا گمان رکھنا خدا کی نوازش و عنایت کی دلیل ہے۔ اسی طرح کسی کے حق میں بد
 گمانی کو اس کے برعکس سمجھو۔ تو جو کوئی کسی کو چشم عنایت و کرم سے دیکھے گا وہ لہتینی بڑا دوست
 ہوگا۔ اور یہی خواجہ یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جو شخص خداوند غریب کی طرف
 اچھا گمان نہیں رکھتا خدا کی طرف اس کی آنکھیں روشن نہیں ہوتیں۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ جو بھی
 جیسا گمان کرے گا اُس کے ساتھ خدا بھی اسی کے لائق گمان کرے گا۔ جب اُس کی طرف بدگمانی
 کرے تو خدا بھی اس کے ساتھ برائی کرے گا۔ اور خدا کی طرف سے جس پر برائی نازل ہوگی ہرگز
 اُس کی آنکھیں روشن نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے فرماتے ہیں کہ بندہ جیسا گمان کرے گا خدا اُسے
 بزرگ و برتر بھی اسی کے مطابق کرے گا۔ اگر برا گمان کیا تو خدا بھی اس کے ساتھ برائی کرے گا۔
 اور جس کے ساتھ خدا نے برائی کی اس کی آنکھیں روشن نہیں ہو سکتیں۔ اور اس کے دوسرے معنی
 یہ ہیں کہ برا گمان دشمنوں کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اچھا گمان نیک دوستوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے
 اور آنکھوں میں روشنی دشمنوں سے نہیں بلکہ دوستوں سے ہوا کرتی ہے۔ بدگمانی کسی پہلی عداوت کے

ظاہر کرتی ہے۔ اسی طرح حسن ظن پہلی دوستی اور محبت کی نشانی ہے۔ یہاں پر ایک بہت باریک نکتہ ہے جس سے بہترے لوگ مغالطے میں پڑ جاتے ہیں۔ وہ نکتہ آرزو اور رجاء کے فرق کو سمجھنا ہے وہ حسن ظن جو سابقہ محبت کی علامت ہے اور رجاء ان دونوں کی اصل حقیقت ہے۔ لیکن آرزو کی کوئی اصلیت و حقیقت نہیں۔ ان دونوں، یعنی آرزو اور رجاء کی مثال یوں سمجھو کہ ایک شخص کھیتی کرنے کے لیے زمین درست کرتا ہے، ہل چلاتا ہے، نگہبانی کرتا ہے، بیج ڈالتا ہے اور مشقتیں بھیلتا ہے اور کاشتکاری کے جملہ سامان ٹھیک کرنے کے بعد امید رکھتا ہے کہ خدا کے فضل و کرم سے کھیت اہلہائے گا اور غلہ پیدا ہوگا اسی کا نام رجاء اور گمان نیک ہے۔ لیکن ایک دوسرا شخص گرہستی کا کوئی کام نہیں کرتا۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہے۔ کھیت یوں ہی بغیر جوتے پڑتی پڑا ہوا ہے۔ اور فصل کاٹنے کے وقت کہتا ہے کہ "میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ پیداوار گھراؤں گا۔" اس آرزو کو جب کوئی بھی صاحب عقل سنے گا تو کبھی پسند نہ کرے گا۔ اور کہے گا کہ اس کو غلہ حاصل ہونے کی امید کیوں ہے؟ تو ایسے شخص کی محض آرزو بغیر کسی محنت و مشقت کے کوئی اصلیت و حقیقت نہیں رکھتی۔ اسی طرح جب بندہ خدا کی عبادت میں جدوجہد کرے جیسا اُس نے فرمایا ہے وہ بجا لائے منہیات شرعیہ سے کنارہ کش رہے اس کے بعد کہے کہ "میں امید رکھتا ہوں کہ جو کچھ میں بجا لایا ہوں اُسے خداوند کریم اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائے گا۔ میرے گناہ اور میری کوتاہیوں کو معاف کرے گا اور ثواب بخشے گا۔" گمان نیک اس کو کہتے ہیں۔ اور اس امید کی حقیقت و اصلیت ہے مگر جو کوئی غفلت میں پڑا رہے، عبادت چھوڑ کر گناہ کرتا رہے، قرعہ خداوندی کا کچھ خوف نہ کرے اور اللہ کے وعدے اور وعید پر دھیان نہ دے اور یہ کہے کہ "میں امید کرتا ہوں کہ مجھے خدا بہشت مرحمت فرمائے گا اور عذاب دوزخ سے نجات دے گا۔" یہ محض آرزو ہی آرزو ہے جس کی کوئی اصلیت و حقیقت نہیں۔ اور یہ لا حاصل ہے۔ اس غافل نے اسی کو رجاء اور گمان نیک سمجھا ہے۔ اس کی یہ بہت بڑی خطا ہے۔ حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا "ما قل دہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ محاسبہ کرتا رہے اور مرنے کے لیے درستی اعمال اختیار کرے۔ اور احمق دہ ہے جو اپنے نفس اور خواہشات کے پیچھے دوڑتا رہے اس پر بھی خدا سے مغفرت کی امید رکھے۔" ان باتوں کے جانتے کے بعد تم سمجھو کہ

یہ لوگ اپنے آپ کو ساری مخلوقات سے حقیر و ذلیل تر سمجھتے ہیں لَا یُرَوُّنَهَا أَهْلًا لِّشَیْءٍ مِّنَ الْخَیْرِ لَا دُنْیَا وَلَا دُنْیَا. (وہ اپنے آپ کو کسی خیر و صلاح کا اہل نہیں پاتے، وہ دنیا دی ہو یا دینی)۔
 کیونکہ ان لوگوں نے دیکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے نبوت کی بزرگی کے باوجود فرمایا
 دَمًا اُبْرَیُّ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَا مَادَّةٌ بِالسُّوءِ (میں اپنے کو نفس سے پاک نہیں سمجھتا۔ کیونکہ
 یہ بُرائی کی طرف لے جاتا ہے) جب حضرت یوسف علیہ السلام کے نفس کا یہ حال ہے جو پیغمبر کے
 تو دوسروں کے نفس کا کیا ذکر۔ اسی لیے کہا ہے۔

تاثر النفس و شیطا نے بود در تو فرعون نے دہا مانے بود

(جب تک تجھ میں نفسانیت اور شیطنت ہے جان لے کہ تیرے دماغ میں فرعونیت اور ہمانیت ہے)۔
 اگر بالفرض میری واسے بر تو بسے گرید ز سر تا پا سے بر تو

(اگر تو نفس کو لے کر اس دنیا سے گیا تو تیرے اوپر افسوس ہے۔ کیونکہ سر سے پیر تک تیرے
 تمام اعضا تیرے اوپر روتے رہیں گے)۔ اس گروہ کا نفس کے ساتھ یہ برتاؤ ہوتا ہے کہ یہ جب
 دنیا کو خیر یاد کرتے ہیں تو اپنے نفس کی ایک مراد بھی پوری نہیں ہونے دیتے۔ اگر ان کا نفس اچھے کام
 یعنی طاعت و عبادت کے لیے بھی کہے تو یہ اس سے مطمئن نہیں ہوتے۔ کیونکہ نفس تو درحقیقت
 دشمن ہے تو دشمن کی باتوں پر جس کو یقین و اطمینان ہو گا وہ بہت جلد ہلاک ہو جائے گا۔ دشمن
 کا نفس دشمن اور خداوند بزرگ و برتر اس کا دوست ہے۔ دشمن کے ساتھ بدگمانی کی ضرورت ہے۔
 اور دوستوں کے ساتھ نیک ہی گمان ہوا کرتا ہے۔ اس کے سوا چارہ نہیں جس کسی کو دوست کی
 ضرورت ہے بھلا وہ کسی دشمن کی صحبت کیوں اختیار کرے گا۔ کیونکہ دشمن سے ملنے جلنے کا مطلب
 یہ ہے کہ دوست سے قطع تعلق کیا اور رسم و راہ بند کر دی۔ بزرگوں نے کہا ہے۔

دو ہمد را کہ با ہم نشان حساب است اگر مئے میان باشد حجاب است

(دو دوستوں کے درمیان اگر محبت ہے تو ان کے بیچ میں اگر ایک بال بھی حجاب بن جاتا ہے)۔
 عارفوں کے لیے سوائے خدا کے سوچنا گناہ، بجز خدا کسی چیز کی خواہش شرک اور کسی دوسرے کی محبت
 کفر ہے۔ زنا سے زانی اس طرح نہیں بھاگتا جتنا ان باتوں سے یہ لوگ دُور بھاگتے ہیں۔ ان کے
 نزدیک گناہ اور ظلم ہی ہے نہ وہ کہ جیسا ہم لوگ کیا کرتے ہیں۔ قَتَلَ یَعْلَبَانِ کَیْفَ حَالُکَ

مَعَ الْمَوْتِ فَقَالَ مَا جَفَوْتُهُ مُنْذُ عَرَفْتُهُ فَقِيلَ لَهُ مَتَى عَرَفْتَهُ فَقَالَ مُنْذُ سَمَوْتِي كَجُنُونًا.

(غلیان سے پوچھا گیا۔ خدا کے ساتھ تمہارا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا جب سے میں نے اُسے پہچانا پھر کوئی جفا نہیں کی۔ پھر کہا گیا، تم نے خدا کو کب پہچانا؟ جواب دیا۔ جب سے لوگوں نے میرا نام دیوانہ رکھا۔ یہ عجیب الٹی بات ہے۔ جو دل اور جان سے خدا کا ہو رہا وہ دیوانہ کہلاتا ہے اور جس کے دل میں کونین کے مقابلے میں خدا کی جگہ نہ ہو وہ عاقل کہلاتا ہے۔)

میں خواہم بجز زلف تو زنجیر نہ ہے دیوانہ عاقل کہ مائیم

(اے محبوب تیری زلف کے سوا ہم اور کوئی زنجیر نہیں چاہتے ہم بھی کیا خوب عقلمند دیوانے ہیں۔) اس کو طریقہ ملائیہ کہتے ہیں اور اس گروہ کے لوگ ملائی پکارے جاتے ہیں۔ کیونکہ برابر یہ دیکھا جاتا ہے کہ جاہ و منزلت اور دولت و اقبال آدمی کی رہنری اس طرح کرتے ہیں کہ اگر ہر اربت بھی ہوں تو اس طرح نہیں لوٹتے۔ موجد پر بھی دولت و غرت ڈاکہ ڈالتی ہے۔ اسی مطلب کی یہ حکایت

حضرت سلطان العارفين بايزيد بسطامي رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ آپ کسی شہر میں تشریف لائے

لوگوں نے خیر مقدم کیا اور اغراز و اکرام سے پیش آئے۔ آپ جس قدر لوگوں سے قریب ہوئے

اسی قدر خدا سے اپنے آپ کو دور دیکھا۔ آپ بے چین ہو کر شہر سے نکل بھاگے۔ آپ کے ساتھ شہر

والے بھی باہر نکل آئے۔ آپ نے یہ نظارہ دیکھ کر اپنے خادم ابو عبد اللہ دیوبلی سے کہا۔ ”دیکھو، اس

ہجوم کو ہم اپنے پاس سے کیونکر بھاگاتے ہیں؟“ خادم نے کہا میں دیکھتا رہا کہ کیا کرتے ہیں۔ آپ نے

دور کھست نماز پڑھی اور کھڑے ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ سب یہ سمجھے کہ اب کچھ دعا

کریں گے۔ آپ نے فرمایا۔ اِنِّیْ اَفَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ (میں ہی اللہ ہوں بجز

میرے کوئی معبود نہیں۔ تم لوگ میری پرستش کرو) سب نے بیک زبان کہا کہ بائیزید کافر ہو گیا۔

خدا کی کا دعویٰ کرتا ہے۔ سب لوگ ان کو تنہا چھوڑ کر لوٹ آئے۔ حالانکہ آپ نے خدائی کا دعویٰ

نہیں کیا تھا، بلکہ قرآن مجید کی ایک آیت تلاوت فرمائی تھی۔ پھر خادم کی طرف منہ پھیر کر فرمایا

”اے لڑکے تو نے دیکھا میں نے قرآن پاک کی ایک آیت پڑھ کر اتنی بلاؤں سے چھٹکارا حاصل

کیا۔ اسی راز کو کہا ہے مباحی

از بہر تو لے یار عزیز چالاک

ہل تا بد رند پوشتم ہمہ پاک

در عشق یگانہ با شتم از خلق چہ پاک
معتشوق مرا و بر سر عالم خاک

(اے ہوشیار دوست مجھے پھوڑ دے تاکہ تیری محبت کے الزام میں لوگ میری کھال فوج ڈالیں اور میں اس قید سے آزاد ہو جاؤں۔ اگر میں عشق میں یگانہ ہو جاؤں تو مجھے مخلوق سے کوئی ڈر نہیں معتشوق میرا ہوا میں سوائے جہان کے سر پر خاک ڈال دوں)۔ غیر حق کی صحبت شرک ہے اور سوائے حق کے کسی پر نگاہ کرنا حجاب ہے۔ موحّد تنہا ہوتا ہے۔ لوگ تو اس کو دیکھتے ہیں۔ مگر وہ غیر کو نہیں دیکھتا۔ اس کا ڈر سب پر غالب ہوتا ہے۔ اُس کی رجاسب رجاؤں پر اس کی جلالت سب جلالتوں پر اس کی سلطانی سب سلطانیوں پر اس کی قدرت سب قدرتوں پر اس کا قہر سب قہروں پر اور دو زبانیں بھی اسی طرح بالا تر ہوا کرتی ہیں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرف اشارہ کیا ہے جو فرمایا ہے **لَا يَسْعَىٰ فِي مَعَ اللَّهِ وَقْتُ لَا يُسْعَىٰ فِيهِ مَلَكٌ مُّقْرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُّرْسَلٌ** (اللہ تعالیٰ کی معیت میں میرے لیے ایک ایسا وقت بھی ہوتا ہے جہاں کوئی مقرب فرشتہ یا کوئی نبی مرسل دم نہیں مار سکتا) خدا کے ساتھ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سہرا چھوتا اور منفرد تھا۔ اس گھڑی آپ کے سوا ہر ایک کا راستہ بند تھا۔ یہ کمال انفرادیت حضور ہی کو حاصل تھا۔ ہر شخص کو یہ مقام اور درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ اپنی اپنی صلاحت اور قابلیت کے مطابق ہر شخص کو جگہ ملتی ہے جب بندے کی نظر کمال حاصل کر لیتی ہے تو یہ جہاں اور اس کے جیسے ہزاروں عالم کا اس کو ذرہ برابر بھی خطرہ نہیں ہوتا۔ اسی طرف اشارہ کیا ہے جو یہ کہا ہے۔

اگر روشن شود آئینہ دل دے بکشايد اندر سينہ دل

درے کان را چو بر دل برکشايد

درے کز دے بر آيد ہر چہ خوبا

اگر تیرے دل کا آئینہ روشن ہو جائے تو سینے میں ایک دروازہ کھل جائے گا۔ جب ایسا

دروازہ دل پر کھول دیا جائے تو ساتوں آسمان بھی اس پر پردہ نہیں ڈال سکتے۔ یہ دروازہ

ہے کہ جو کچھ تو چاہے گا اس سے برآمد ہوگا۔ وہ دین کے سر بستہ راز ہوں یا اسرار الہی)۔

تم اس جگہ سے معلوم کر دو کہ مشاہدہ توحید کا دعویٰ تو بہت لوگ کرتے ہیں مگر وہ خود حجاب میں

پڑے ہوئے ہیں۔ اور ان کو اس کی خبر نہیں۔ سنو، جو شخص خدا سے باخبر ہے اور توحید کا مشاہدہ اس کو حاصل ہے اُس کو غیر خدا کا نہ کوئی خوف ہوگا نہ کسی سے کوئی امید، نہ غیر حق پر اس کی نظر پڑے گی نہ سوائے خدا کے کسی سے صحبت ہوگی۔ یہی راز ہے جو کسی نے کہا ہے۔ رباعی

تمناز ہمہ جہان من، دہنسا تو
خورشید را نخواہم کہ برآید بر تو
یا من بمیان رسول آیم یا تو
تو آئی بر من سایہ تیا ید یا تو

(میں ساری دنیا سے کنارہ کش ہو کر تنہا رہ گیا ہوں اور تو بھی واحد و تنہا ہے۔ میرے اور تیرے درمیان کسی رسول کی گنجائش نہیں اس لیے یا میں رسول بن کر درمیان میں آؤں، یا تو۔ تیرا مشک گوارا نہیں کرتا کہ تیرے اوپر سورج کی روشنی پڑے۔ ہاں تو اس طرح میرے سامنے جلوہ افروز ہو کہ تیرا سایہ بھی تیرے ساتھ نہ ہو)۔ اور وہ جو غلبان مجنون نے کہا کہ جب میں نے اس کو پہچان لیا تو پھر کوئی جفا نہیں کی۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ جب میں نے دیکھا کہ مجھے اُس نے اپنی معرفت عنایت فرمائی تو میں نے غیر کو دیکھنا یا اُس کے ساتھ مشغول ہونا جفا سمجھا اس مشغولیت کو جفا سے مشغولی کہتے ہیں۔ یہ گناہ کے حکم میں نہیں ہے۔ یعنی جب اُس نے اپنی مہربانی سے میری آنکھوں سے پردہ اٹھا دیا تا کہ اس کا جلوہ دیکھوں، اب اگر میں اُس کے غیر پر نظر ڈالوں تو گویا میں خود بیچ میں پردہ ڈال دوں۔ یہ سراسر جفا ہے کہ وہ پردہ اٹھائے اور میں پردہ ڈالوں اور یہ روزمرہ دیکھنے میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی سے باتیں کرے اور وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہو یعنی غور سے اس کی باتیں نہ سنے تو بات کرنے والا کہتا ہے کہ میاں کیا ظلم کرتے ہو کہ میری بات بھی دھیان سے نہیں سنتے۔ اسی طرح اگر ایک دوست اپنے دوست کو دیکھ رہا ہو اور وہ دوست کسی دوسری طرف توجہ کرے تو وہ کہتا ہے کہ یہ کیا ستم ہے "من تو مشغول و تو با عمر وزید" (میں تو تجھ سے مخاطب ہوں اور تو دوسروں کی طرف متوجہ ہے)۔ اسی معنی کو اُصعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ایک کتاب میں بیان کرتے ہیں کہ ایک حسینہ کو دیکھ کر میرا دل اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ میں نے اس سے کہا کہ میری مٹی تیری مٹی کے ساتھ متحد ہو گئی ہے یعنی میرا دل تجھ پر فریفتہ ہو گیا ہے۔ اس نے کہا: اگر تیری مٹی میری مٹی سے مشغول ہے تو میری مٹی تیری مٹی کا حصہ ہے (یعنی میں تیری ہوں)، مگر میری ایک بہن اسی ہے کہ اگر تو اُسے دیکھ لے تو میرا حسن و جمال بھول جائے۔ میں نے پوچھا وہ کہاں ہے؟

اُس نے کہا "تیرے پیچھے ہے۔" میں نے منہ پھیر کر اپنے پیچھے دیکھا۔ اُس نے بھیٹ کر میری پیٹھ پر ہاتھ مارا اور کہا "اے جھوٹے مکار اگر تیری مٹی میری مٹی کے ساتھ مشغول تھی تو مجھے چھوڑ کر دوسرے کی طرف کیوں دیکھا؟ اہل معرفت کے نزدیک جفا اس کا نام ہے۔ اور یہ جو کہا کہ جب سے میں نے اُسے پہچانا ہے لوگ مجھے دیوانہ کہنے لگے ہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ جس کو جتنی معرفت حاصل ہوتی ہے اتنا ہی وہ مخلوق سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اس لیے لوگ اُسے دیوانہ سمجھتے ہیں۔ عارف کی یہی صفت ہے کہ لوگ جتنا اُس سے ملنا چاہتے ہیں وہ اُن سے دُور بھاگتا ہے۔ اور جس قدر لوگ اُس سے محبت کرتے ہیں اُسے وحشت ہوتی ہے۔ اس کی صفت، اس کا فعل و عمل اور حال و قال مخلوق کی ضد اور مخالفت ہوتا ہے اس لیے سب اُسے دیوانہ کہتے ہیں۔ اس کا ایک تاویل اور یہ ہے کہ کہا ہے اَكْثَرُ اَهْلِ الْجَنَّةِ بُلْهٌ (اکثر جنتی لوگ بے وقوف معلوم ہوتے ہیں)۔ دیکھتے نہیں کہ جو شخص لوگوں سے دُور بھاگتا ہے اور اہل دنیا کی طرف نظر نہیں کرتا لوگ اُسے احمق کہتے ہیں۔ اور یہ کوئی اچھے کی بات نہیں کیونکہ جس طرح دیوانہ عقلمندوں کے نزدیک پاگل ہوتا ہے اسی طرح دیوانے عقلمندوں کو پاگل سمجھتے ہیں ایک غزیر نے ان کی صفت اس طرح بیان کی ہے۔ قطعہ

آنان کہ ہمیشہ در نماز اند	پندار کہ عمر مان راز اند
برایج کسے نیازِ شان نئے	الا کہ بہ ذکرِ بے نیاز اند
در بوتہٗ فقر می بسوزند	با اند وہ خویش می بساز اند
یک بار بریدہ از دوعالم	وز دون خدا در احتراز اند

(جو لوگ ہمیشہ نماز میں مستغرق ہیں سمجھ لو کہ یہی واقعہ اسرار الہی ہیں۔ اُن کی نیاز مندی کسی اور کے ساتھ نہیں ہوتی۔ مگر یہ کہ وہ ہمیشہ خداے بے نیاز کے ذکر میں محو رہتے ہیں۔ وہ فقر کی بھٹی میں جلتے رہتے ہیں اور اپنے رنج و غم میں گمن رہتے ہیں۔ انھوں نے دونوں جہاں سے ترکِ تعلق کر لیا ہے اور غیر حق سے بالکل الگ تھلگ رہتے ہیں) بعض کتابوں میں نازل ہوا ہے خَلَقْتُ جَمِيعَ الْعَالَمِ لَكُمْ وَخَلَقْتُكُمْ لِي (میں نے سارا جہان تمھارے لیے پیدا کیا اور تم کو اپنے لیے)۔ ایک دن ایک دیندار آدمی آمینہ دیکھتا تھا اور حیرت کے ساتھ سوچ رہا تھا کہ مجھ کو

پیدا کرنے میں خدا کی کون سی حکمت تھی؟ آئینہ سے ندا آئی اور اُس نے سنی حکمتی فی خلقک محبتی (تجھے پیدا کرنے میں میری حکمت وہ محبت ہے جو تیرے دل میں ہے)۔ یہ ایک راز ہے جو سب کی نظر سے پوشیدہ ہے تاکہ حاسدوں کی نظر اُس پر نہ پڑے۔ اے بھائی! اگر وہ تم کو بادشاہی نہ دیتا تو تم سے اُس کی معرفت درست نہ ہوتی۔ کیونکہ بادشاہوں کو بادشاہوں کے سوا کوئی دوسرا نہیں پہچان سکتا۔ قرآن پاک سے سنو تَمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا (پھر ہم نے تم کو خلیفہ بنایا اور تمہیں بادشاہی دی)۔ حضرت خواجہ نظامی علیہ الرحمۃ نے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

خاک تو آمیختہ رنجب است	دردِ دلِ این خاک بسے گنہا است
خاک تو آن روز کہ می بخشد	از پیے بخونِ دل آمیختد
ماکہ ز صاحبِ خبر این دلیم	گوهرے ام گر چہ ز کانِ کلیم
بر فلک آے از طلبِ دل کنی	تا تو درین خاک چہ حاصل کنی

(لے خاک کے پتلے انسان بہت سے رنج و غم ملا کر تیرا خمیر گوندھا گیا ہے اور اس آب و گل میں بہت سے خزانے رکھ دیے ہیں۔ اُس روز تیری خاک کو اس لیے چھانا تھا کہ بخونِ دل میں اس کو ملایا جائے۔ ہم لوگ عالمِ دل سے باخبر اور واقف ہیں۔ اگر چہ ہم مٹی کی کان سے برآمد ہوئے ہیں لیکن ایک بیش بہا اور انمول موتی ہیں۔ اگر تجھے عالمِ دل کی طلب ہے تو آسمان کی طرف پرواز کر اور دیکھ کہ تو اپنے عالمِ خاک سے کیا دولت حاصل کر سکتا ہے۔ والسلام)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اڑسٹھواں مکتوب ۶۸

عالمِ آخرت کے متعلقات میں

میرے عزیز بھائی شمس الدین خدا تم کو نیک بختی کی راہ دکھائے۔ جانو کہ آخرت کی راہ پر چلنے والے دو گروہ ہیں۔ سعید و شقی۔ اور ہر گروہ کے لیے اپنا ایک راستہ اور قدم ہے کہ وہ اپنے مقررہ راستے پر چلتے ہیں۔ اور ایک ایک منزل ہے کہ وہ اُس کی سیر کرتے ہیں اور ہر ایک کا ایک ایک منہا ہے کہ خود اپنی رفتار سے وہاں تک پہنچتے ہیں۔ پس جانو کہ وہ جو سعید کے جاتے ہیں

وہ بھی دو گروہ ہیں۔ خواہی و عوام۔ عوام تو مخالفتِ نفس اور ترک لذات و شہوات کے راستے سے احکامِ شریعت کے مطابق عبادت اور سنت کی اتباع کرتے ہوئے بہشت اور اس کے درجات تک پہنچتے ہیں۔ اور خواہی یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ (وہ ان کو دوست رکھتا ہے اور یہ اس کو دوست رکھتے ہیں) طریقت کی راہ پر گامزن ہو کر فی مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ (مقتدی لوگ اپنے بادشاہ بڑی قدرت والے کے پاس مسندِ صدق پر رونق افروز ہوں گے) اور مقامِ عنایت اِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ (در والے باغوں اور نہروں میں اتریں گے) سے منکر چہ شوی ز حال درویشان نے ہر چہ ترانیت کسے را بنود

(فقیروں کی حالت پر جو خدا کی نوازشیں ہیں تو اس کے ماننے سے کیوں انکار کرتا ہے۔ ایسا تو نہیں ہے کہ جو دولت تجھے نہیں ملی وہ کسی کو نہ ملی ہوگی)۔ اور شقی بھی دو گروہ ہیں۔ ایک شقی اور دوسرا شقی۔ شقی اس امت کے بعض وہ گنہگار ہیں جو اپنے نفس کی خواہشات پر قائم ہے اور احکامِ خداوندی کی مخالفت پر اصرار کرتے رہے اور لذات و شہواتِ نفسانی و حیوانی میں لگن رہے۔ وہ گناہ کے راستے پر چل کر طبقاتِ جہنم میں داخل ہوتے ہیں۔ اور شقی کافروں کی صفت ہے کہ وہ ہر طرح دنیا ہی کے طالب ہے اور اس نعمتوں میں زندگی بسر کرتے رہے۔ وہ مدتِ العمر لذات و شہواتِ نفسانی و حیوانی میں مست رہ کر دین و آخرت کے کام سے بے خبر ہے اور فانی نعمتوں کے ساتھ کھیلتے رہے۔ دنیا بھی پوری طرح ہاتھ نہ آئی اور آخرت بھی برباد ہوئی۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا فَلْيُحْثِهَا مِنْهَا وَمَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ (جس نے دنیاوی کھیتی کا ارادہ کیا ہم اس کو عطا کر دیتے ہیں اور آخرت کی نعمتوں میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا) اور وہ جو شقی کا گروہ ہے وہ ایمان کا ایک حصہ رکھتے ہیں کیونکہ یہ لوگ زبان سے اقرار کرتے ہیں اگرچہ ارکانِ اعمالِ شرعیہ بجا نہیں لاتے بالضرور اللہ تعالیٰ کی وعید کے مطابق دوزخ میں جائیں گے اور عذاب کی تکلیف کا مزا چکھیں گے مگر آخر کار اس دولت کی برکت سے کہ زبان سے اقرار کرتے ہیں عذاب سے نجات پائیں گے۔ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ایک گروہ کو دوزخ سے باہر نکالیں گے۔ وہ کوئلے کی طرح جلے ہوئے ہوں گے۔ اُن کو نہرِ حیات میں غوطہ دیا جائے گا تو ان کے بدن پر گوشت پوست پیدا ہو جائے گا جب وہاں سے لائیں گے تو ان کے چہرے چاند

کی طرح چلتے ہوئے ہوں گے۔ ان کی پیشانی پر لکھا ہوگا۔ هُوَ لَا يَعْتَدُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ۔
یہ لوگ دوزخ سے اللہ کے آزاد کیے ہوئے ہیں۔ لیکن گروہ اشقی ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے
ان کی کبھی نجات نہ ہوگی۔ کیونکہ ان میں کلمہ لا الہ الا اللہ کے نور کا کوئی نشان و اثر نہ ہوگا۔
جس کی بدولت خلاصی کی امید ہوتی ہے اس لیے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اور دوزخیوں کے
ہر گروہ کے لیے طبقات جہنم میں ایک ایک مقام جدا گانہ ہوگا۔ جیسا منافقوں کے حق میں فرمایا
گیا ہے اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ فِی الدَّٰرِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے
طبقات میں ہوں گے۔ ایک کے کفر و نفاق سے دوسرے کے کفر و نفاق تک تھوڑا تھوڑا فرق ہوتا
ہے۔ کیونکہ ہر ایک کا طریقہ اور منزل جدا گانہ ہے۔ کافروں میں بھی مقلد اور محقق ہیں اور جس طرح
محقق کے ایمان کو مقلد کے ایمان پر فضیلت ہے، اس طرح محقق کافر کا عذاب مقلد کافر کے
عذاب سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ کفر تقلیدی وہ ہے جو ماں باپ سے ملا۔ اَنَا وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا
عَلٰی اٰمَةٍ وَاَنَا عَلٰی اَثَارِهِمْ مُّقْتَدُونَ۔ انھوں نے جو کچھ ماں باپ اور ملک کے لوگوں کو
کرتے دیکھا وہی کیا۔ ایسے لوگ دوزخ کے طبقہ اول میں رکھے جائیں گے۔ اور کفر تحقیقی وہ ہے
کہ جو کچھ ماں باپ سے پایا اور ان کو کرتے ہوئے دیکھا اسی پر بس نہیں کیا بلکہ محنت اور کوشش
کر کے دلائل ڈھونڈنے لگے اور مدقوں اس کی تحصیل میں کتابیں دیکھیں اور اس علم کی ریاضت
و مجاہدے میں عمر گنوا دی۔ نفس کی صفائی کی کوشش کی اس لیے کہ غور و فکر کر کے عقلی دلائل و
براہین حاصل کریں جس کے ذریعہ شک و شبہ پیدا کیا جاسکے اور صانع کے وجود کی نفی ہو سکے یا صانع
کے ثبوت کی دلیلیں کمزور کر دیں اور کہیں کہ صانع مختار نہیں ہے اور اس کو جزئیات کا کوئی علم
نہیں ہے۔ اور اسی طرح کے بہت سے کفریات ہیں جو ہر ایک گروہ بکا کرتا ہے۔ ان کی نگاہ اور
دلوں میں شیطان بسا ہوا ہے جب ہی تو یہ دعوے کرتے ہیں کہ جو کوئی یہ علم و اعتقاد نہیں رکھتا وہ
علم و معرفت میں ناقص ہے۔ یہاں تک کہ کہہ بیٹھتے ہیں کہ انبیاء و فلاسفہ تھے انھوں نے جو کچھ کہا ہے
اپنی حکمت سے کہا ہے۔ اسی قسم کے شبہ اور فاسد خیالات سامنے لا کر اترتے ہیں اور اسی مہلک
اور فتنہ انگیز علم کی تحصیل میں مشغول رہتے ہیں۔ اسی کا نام 'علم حصول دین' رکھا ہے۔ تاکہ کوئی شخص
سہ ترجمہ ۱۔ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک مذہب پر پایا ہے اور ہم انھیں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں

ان کے عقیدے کی خیانت سے باخبر نہ ہونے پائے اور جاہل و بے بصیرت لوگ ان کی تقلید میں کفریات قبول کریں۔ اور دائرۃ اسلام سے کلیتہً خارج ہو جائیں۔ ایسی ایسی آفتیں بہت ہیں خدا ان سے پناہ دے۔ اے بھائی! اگر گنہگاروں کو طاعت نصیب نہیں تو گناہ تو ہے یسواً اس میں ایک راز پوشیدہ ہے۔ خواجہ یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے **لَوْلَا اَنْتَ الْعَفْوُ مِنْ اَحَبِّ الْاَشْيَاءِ اِلَيْهِ مَا ابْتَلٰ اٰدَمَ بِالَّذِي نَبِيْ وَهُوَ اَكْرَمُ الْخَلْقِ اِلَيْهِ** (اگر خدا کے نزدیک عفو گناہ ہر چیز سے زیادہ پیارا نہ ہوتا تو آدم علیہ السلام کو گہیوں کھانے میں مبتلا نہ کرتا جبکہ وہ اُس کے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ عزیز تھے)۔ دیکھتے ہیں کہ بادشاہ کا خاص غلام فرش کے کنارے کھڑا رہتا ہے اور ندیمان و ارکان دولت تخت شاہی کے آس پاس بیٹھا کرتے ہیں مگر اس غلام کی دوری میں سو ہزار لطیفے ایسے پوشیدہ ہوتے ہیں جو ارکان سلطنت اور درباریوں کے اس قرب میں نہیں۔ اس غلام کی دوری گمراہی کی دوری نہیں ہے بلکہ ثبوت قرب کی دوری ہے۔ ہزاروں قرب کار از اس ظاہری دوری میں پوشیدہ ہے اور لاکھوں بعد کے اسرار ظاہری نزدیکی میں چھپے ہوئے ہیں تاکہ حیرت پر حیرت بڑھتی رہے۔ تم دیکھتے ہو کہ شاخ کسی درخت کی مسجد میں ہوتی ہے اور اُس کی جڑ کلیسا و بتخانہ میں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شمشیر برہنہ چلے آ رہے ہیں اور غیب سے آواز آتی ہے **طَرَقُوا الْعَبْدَ رَدِّ الْعَلَمَيْنِ** (خداوند دو جہاں کے بندے کو آنے کا راستہ دو)۔ بھلا حیرت کی کوئی انتہا ہے ایک عارف نے کہا ہے۔ قطعہ

اے برآب زندگانی آتشے برا فروختہ	داندراں ایمان د کفر عاشقانِ سوختہ
گہ لہذا ز جود مشکین تمغہ افراختہ	گہ بہ لطف از علّٰی نوشین ستمہا افروختہ
یوسف عشقت بہ یک ساعت بچاہ انداختہ	ہر چہ در صد سال از دے عقل ماندا فروختہ

دو نے چشمہ آب زندگانی کے پاس الاؤ جلا رکھا ہے اور اس دہکتی آگ میں عاشقوں کے کفر و ایمان کو جلا کر رکھ کر دیا ہے کبھی اپنے غصے میں زلف مشکیں سے تلواریں نکالتا ہے کبھی ازراہ غنا اپنے میٹھے لبوں سے شیش روشن کرتا ہے۔ تیرے یوسف عشق نے کنوئیں میں دھب ایک ساعت میں ڈبو دیا۔ جو ہماری عقل نے سیکڑوں برسوں میں جمع کیا تھا۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم
اخترواں مکتوب ۶۹

اسباب کے تعلق اور اس کے ترک میں

میرے عزیز بھائی شمس الدین اللہ تعالیٰ تم کو غرت دے۔ جانو کہ گروہ صوفیہ کا حال اسباب کے ساتھ تعلق رکھنے اور اسباب سے کٹناہ کشتی اختیار کرنے میں مختلف ہے بعض ان میں ایسے ہیں جن کا دل فتوحات غیبی پر مطمئن ہے وہ کسی سبب ظاہر پر مائل نہیں ہوتے نہ روزی کے لیے کوئی کسب کرتے ہیں نہ کسی کے سامنے دست سوال پھیلاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا حال ان کے ترک اسباب پر حکم کرتا ہے۔ اور صریح توحید ان پر کھل جاتی ہے۔ اور انہیں یقین کامل ہو جاتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ہی رزاق اور حقیقی کفیل ہے، اس لیے رزق کا غم اور اس کے حصول کی فکر ان کے دل سے زائل ہو جاتی ہے جس کسی کا یہ حال ہے اس کو خدا کی طرف سے تو نگری حاصل ہے حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کوئی کسب نہیں کرتے۔ پھر پیٹ کا دھندا کیسے چلتا ہے؟ آپ نے فرمایا میرا خدا جو کتے اور سورت تک کو روزی دیتا ہے وہ بایزید کو بھوکا نہ رکھے گا۔ اور یہ جو بزرگوں میں سے کسی نے کہا ہے کہ فقیر وہ ہے جس کو اپنے خدا سے بھی کوئی طلب و حاجت نہ ہو۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کے متعلق وہ صدق یقین رکھتا ہے اور خوب جانتا ہے کہ اگر وہ نہ مانگے گا تب بھی اللہ تعالیٰ اس کی روزی اس کو بالفردہ پہنچائے گا۔ اسی موقع کے لیے کہا گیا ہے۔

روزی تو باز نہ گردد زور کار خدا کن غم روزی مخور

(تیری روزی تیرے گھر سے واپس نہیں لوٹ سکتی۔ تو خدا کا کام کیے جا روزی کا غم نہ کر۔) کسب ہنر کی اصلیت حضرت آدم علیہ السلام سے منسوب ہے۔ آپ نے کھیتی باڑی خود کی اور اپنی اولاد کو سکھائی۔ کیا تم نہیں جانتے کہ حضرت شعیب علیہ السلام سوداگر تھے اور مولشیوں کے مالک تھے موسیٰ علیہ السلام آپ کے یہاں گلہ بانی کا کام کرتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بنایا کرتے تھے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام چھوڑے کی پتیوں سے تعمیرا بناتے تھے۔

اور جوگی دوروٹیوں میں بیچ دیتے تھے۔ ایک دینی فقیروں کو خیرات کرتے اور ایک سے خود روزہ افطار کرتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہاں اتنے مویشی تھے کہ چار ہزار زر خرید غلام ان کی چرواہی اور رکھوالی کرتے تھے۔ اکابر صحابہ کی تجارت بھی معروف و مشہور ہے۔ جیسے امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ۔ اگر ایسا ہوتا کہ کسب معیشت سے توکل کو نقصان پہنچتا تو انبیاء علیہم السلام اس سے کوسوں دور رہتے چونکہ یہ لوگ باعتبار دوسروں کے توکل کے مقام میں کہیں بلند و برتر ہیں۔ ورنہ حضرت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے یارانِ اصحاب کو کسب کرنے سے روک دیتے تاکہ ان کے توکل کو نقصان نہ پہنچے۔ اور ایسے لوگوں پر تو کسب کرنا فرض ہے جن پر کسی کا کھانا کپڑا واجب ہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل و عیال کے لیے ایک سال کا اندج رکھ دیا کرتے تھے۔ لیکن کہا گیا ہے کہ کسب اس طرح اختیار کرے کہ خدا سے اس کی نظر نہ ہٹنے پائے۔ اگر کوئی شخص اپنے نفس کو اس حال میں دیکھے کہ اگر میں کسب نہ کروں گا تو میرا نفس خدا سے پھر جائے گا اور مخلوق کا دروازہ کھٹکمائے گا تو اس پر نماز کی طرح کسب کرنا فرض ہے۔ پھر اگر کسی کو کسب کرنے سے کسب ہی پر بھروسہ ہو جائے تو اسے کسب کو ترک کر دینا بہتر ہے۔ ہر موقع پر اپنی حالت کو دیکھتا رہے اور ظاہر و باطن میں اسی کی رعایت بد نظر رکھے کہ اگر ترک کسب سے خدا سے روگردانی کا خطرہ ہو تو کسب کرنا بہتر ہے۔ اور اگر ترک کسب ہی خدا تک پہنچا دیتا ہے اور کسب راندہ درگاہ بناتا ہے تو ترک کسب ہی ادنیٰ اور بہتر ہوگا۔ حضرت خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ آپ نے فرمایا شریعت کی رو سے کسب کرنے کا اطلاق نوافل کی طرح ہے، اس معنی میں نہیں کہ کسب کرنے سے روزی حاصل ہوتی ہے یا اس سے منافع حاصل کرنے کی امید کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ روزی کی طلب ایک مباح چیز ہے جیسے نفل روزہ یا نفل نماز وغیرہ کہ ان کا کرنا نہ کرنے سے بہتر ہے لیکن منفعت کی ان سے امید کرنا شرک ہے۔ جیسے نماز روزہ کہ جتنا بھی کیا جائے اچھا ہے لیکن ان سے نجات کی امید کرنا ناچاہیے کیونکہ خدا کے سوا بندہ کسی دوسری چیز سے اپنی نجات وابستہ کرے تو شرک ہے۔ عبادت و بندگی خدا کی عظمت و جلال اور اپنی محبت کی صداقت کے لیے بجالانا چاہیے جیسا کہ کہا ہے

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَأَعْطَيْتَهُ
إِنَّ الْمَحَبَّةَ لِمَنْ يَتَّبِعُ مُطِيعٌ

(جب کہ تیری محبت سچی ہے تو میں اس کی پرستش کرتا ہوں کیونکہ محبت کرنے والا جس کی محبت کرتا ہے
اُس کا فرمان بردار ہوتا ہے)۔ لیکن اس کے باوجود نجات کو خدا کی بخشش اور کرم سمجھنا چاہیے نہ کہ
اپنی خدمت و عبادت کا نتیجہ۔ کسب کو بھی اسی طرح جاننا کہ کسب اختیار کرو لیکن روزی کو کسب پر
مخضرنہ سمجھو بلکہ خدا کی طرف سے عطا و کرم جاننا کہ اُس نے اپنی بخشش کا دروازہ تم پر کھول دیا۔
جس طرح اُس نے تم کو بندگی کرنے کی توفیق عنایت فرمائی۔ ان میں بعض ایسے لوگ ہیں جو فاقے
سے تنگ آکر سوال کے حاجتمند ہوتے ہیں۔ کہا ہے کہ اگر درویش اپنی کوشش اور طاقت کو کچھ بڑھ
تک قائم رکھے تو اس کی ضروریات پوری ہونے لگتی ہیں۔ اور اگر خدا سے طلب کرے لیکن عنایت کا
دروازہ اس پر نہ کھولا جائے اور تقدیر الہی اس پر ظاہر نہ ہو اور اپنے فرائض و نوافل کی مشغولیت
میں اتنا وقت نہ پائے کہ کسب اختیار کرے اس وقت جائز ہے کہ لوگوں سے سوال کرے کیونکہ
ایسی صورت میں صلحا اور بزرگوں نے سوال کیا ہے۔ حضرت خواجہ ابو سعید حرازی رحمۃ اللہ علیہ
نقل ہے کہ فاقہ کے وقت آپ سوال کرتے تھے۔ اور کہتے تھے ثُمَّ شَيْئًا لِلَّهِ (خدا کے لیے کچھ ہے)۔
اور خواجہ ابو حفص حداد جو خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہما کے استاد تھے مغرب اور عشا کے
درمیان گھر سے باہر نکلتے اور دو ایک آدمی سے اپنی ضرورت کے مطابق سوال کرتے تھے، وہ
بھی ایک دو روز کے بعد جب تک اسی پر گزر بسر کرتے۔ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے
متعلق مشہور ہے کہ ایک زمانہ تک بھرہ کی جامع مسجد میں معتکف رہے۔ تین دن راتوں میں ایک
رات افطار کرتے اور جس رات افطار کرتے دروازے دروازے پھر کر بھیک مانگتے تھے۔
حضرت خواجہ سفیان رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ حجاز سے یمن تک سفر کرتے اور راستے
میں لوگوں سے مانگا کرتے تھے۔ جن جن بزرگوں کا اس مکتوب میں ہم نے ذکر کیا ہے ان کے
حدودِ آداب کو ملحوظ خاطر رکھیں اور اس سے آگے قدم نہ بڑھائیں۔ جب فقیر اپنے نفس کو علم
کے ذریعہ ریاضت و سیاست میں لے آتا ہے تو خداوند تعالیٰ اس کو ایک علم اور ایک بصیرت عطا
فرماتا ہے کہ اُس کی روشنی میں سبب اختیار کرتا ہے یا سبب کو ترک کر دیتا ہے۔ اور فقر کے لیے
ضروری ہے کہ حتی الامکان سوال نہ کرے۔ کیونکہ اس میں رغبت و رہبانیت کا بڑا خطرہ ہوتا ہے۔

انفرض مشائخ رضوان اللہ علیہم نے تین وجہوں سے سوال کرنا جائز رکھا ہے۔ ایک تو فراغتِ دل کے لیے جو نہایت ضروری چیز ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمارے نزدیک اس گروہ کی کوئی قدر و قیمت نہیں جو دن رات انتظار ہی کرتے گزار دے جیسے اور کوئی کام کرنے کی ان کو حاجت ہی نہیں ہمارے احتیاجات میں دربارِ خداوندی سے طلب کرنے کے لیے روٹی کے مشعلے سے بڑھ کر اور کوئی اضطراری مسئلہ نہیں۔ اسی لیے خواجہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید سے جو آپ کی زیارت کے لیے آئے تھے ان کے پیر کا حال پوچھا۔ انھوں نے کہا وہ تو خلق اللہ سے کنارہ کش ہو کر طریق توکل اختیار کیے بیٹھے ہیں۔ خواجہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے سن کر فرمایا تم جب یہاں سے واپس جاؤ تو ان سے کہنا کہ بھائی، تم دور درویشوں سے اللہ تعالیٰ کا امتحان نہ لو، بلکہ جب بھوک لگے تو اپنے ہم منصبوں سے دور دُٹیاں مانگ لیا کرو اور توکل کا پلندہ بالائے طاق رکھ دو تاکہ یہ ملک اور یہ شہر اس کارنامہ کی خواست سے زمین میں نہ دھنسا دیا جائے۔ دوسرے نفس کو کچلنے کے لیے در در بھیک مانگیں تاکہ ذلت و خواری لصبیب ہو اور اپنی قدر و قیمت معلوم ہو جائے کہ لوگ ان کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب خواجہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ سے ملے تو حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ اے ابابکر تجھے بڑا گھمنڈ اور غرور اس بات کا ہے کہ تو خلیفہ وقت کے حاجب الحجاب کا لڑکا اور امیر زادہ ہے تیرا کوئی کام نہیں بن سکتا جب تک تو بازار کی دوڑ نہ لگائے اور دکان دکان پھر کر بھیک نہ مانگے۔ جب کہیں تجھ کو اپنی قیمت معلوم ہوگی۔ انھوں نے ایسا ہی کیا کیونکہ ان کی طلب صادق تھی۔ رفتہ رفتہ اُن کی دروازہ گری کی آمدنی کم ہوتی گئی۔ ایک برس کے بعد تو یہاں تک ذلت پہنچی کہ پورے بازار میں چکر لگاتے، روتے گڑ گڑاتے لیکن ایک دُڑی پھدام بھی کوئی نہ دیتا۔ آپ واپس آکر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے حال بیان فرماتے۔ آپ سن کر فرماتے۔ ہاں، اب تو نے مخلوق کے نزدیک اپنی قیمت جان لی کہ تو ایک دُڑی کے لائق بھی نہیں ہے۔ یہ بھی ریاضتِ نفس کی ایک خاص قسم ہے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ مخلوق سے سوال کریں یہ سمجھ کر کہ ساری دولت خدا کی ہے اور وہی ہر شے کا مالک ہے اور تمام خلق اس کی ذیل ہے۔ تو جس چیز کی حاجت اپنے نفس کے لیے دیکھتے ہیں، اُس کے ذیل سے مانگتے ہیں۔ لیکن اپنا روتے سخن خدا ہی کی طرف رکھتے ہیں۔ مشاہدہ معروف ہے کہ اپنا

تھہ اس کے وکیل سے طلب کرتا زیادہ قرین ادب و احترام ہے یہ نسبت اس کے کہ بلا واسطہ مولیٰ سے مانگیں۔ پس مخلوق سے سوال کرنا خدا سے حضوری اور توجہ کی علامت ہے نہ کہ حق دوری یا اعراض۔ خواجہ یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی نے اپنی ماں سے کہا کہ مجھ کو فلاں چیز کی ضرورت ہے۔ "مان نے کہا "خدا سے مانگ" اس نے کہا اے مادر مہربان مجھے شرم آتی ہے کہ میں اپنے نفس کی ضرورت خدا سے طلب کروں۔ جو کچھ آپ عنایت کریں گی وہ بھی تو ایسی کا ہے۔ پس سوال کرنے کے آداب یہ ہیں کہ سوال پورا ہونے پر اس سے زیادہ خوش نہ ہوں جتنا کہ سوال نہ پورا ہونے پر۔ مخلوق کو درمیان میں نہ دیکھے بلکہ اپنی نظر بہر حال خدا پر رکھے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ سوال اس شخص کے کہ جس کے مال پر حلال ہونے کا یقین ہو اور کسی سے اپنی ضرورت بیان نہ کرے۔ اور اس کا بھی خیال رہے کہ اس بھیک کے پیسوں سے شان و شوکت اور شادی نکاح کا سامان نہ کرے اور اپنی ملک سمجھ کر جمع نہ کرے۔ یہ صرف وقت گزاری کے لیے ہے اور کل کی فکر نہ کرے اور اپنی بزرگی و یارسانی کا ڈھنڈورا نہ پیٹے تاکہ لوگ متاثر ہو کر اسے کچھ دیا کریں۔ صوفیوں میں سے ایک بزرگ کسی جنگل سے کوفے کے بازار میں آئے فاقہ مست اور جنگل کی سختیاں بھیلے ہوئے۔ ہاتھ پر ایک چڑیا بٹھائے ہوئے کہتے تھے "اس چڑیا کے لیے مجھ کو کچھ دو! لوگوں نے کہا یہ کیسا سوال ہے؟ انھوں نے کہا کہ میرے لیے یہ بہت مشکل ہے کہ میں کہوں کہ خدا کے لیے مجھ کو کچھ دو۔ اس حقیر دنیا کے لیے حقیر چیز کا وسیلہ اور شفیق لاتے ہیں۔ اس لیے اس چڑیا کا واسطہ دے کر مانگتا ہوں۔ سبب اختیار کرنے اور سبب کو ترک کرنے کے متعلق یہ احکام تھے جو اس مکتوب میں لکھے جاسکے۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
سترواں مکتوبات

اس گروہ کی صحبت کے بیان میں

میرے بزرگ بھائی شمس الدین۔ خدام کو اپنے صدیقیوں کی صحبت نصیب کرے بنو
مرید کے لیے صحبت بھی ایک بڑی اہم چیز ہے۔ اور طبیعتوں میں صحبت کی غیر معمولی تاثیر ہوا کرتی ہے

یہاں تک کہ بازو ایک پرندہ ہے آدمی کی صحبت میں دانا ہو جاتا ہے۔ اور طوطا بولنے لگتا ہے۔ تربیت سے گھوڑے انسان کی صحبت میں رہ کر حیوانیت چھوڑ دیتے اور آدمی کی عادتیں اختیار کر لیتے ہیں۔ اس کی مثالیں بہت ہیں۔ اور صحبت کا اثر ہر شخص کے دیکھنے اور مشاہدے میں آتا ہے۔ اور یہ سب صحبت ہی کا اثر ہے کہ ان کی اصلی عادت اور فطری طبیعت مغلوب ہو جاتی ہے۔ مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین پہلے ایک دوسرے سے حق صحبت طلب کرتے اور مریدوں کو اس کے لیے تاکید فرماتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے یہاں صحبت فرضیت کا درجہ رکھتی ہے۔ اور ان سب کی اصل بنیاد یہی ہے کہ نفس سرکش عادات کا تابع ہوتا ہے اس کو اسی سے آرام اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ یہ جس گروہ کی صحبت اختیار کرے گا انھیں کے افعال کو اپنائے گا حق و باطل کی ساری ارادیں اس میں مرکب ہیں جو جو معاملے اور ارادت یہ دیکھتا ہے وہ اس میں پرورش پاتی رہتی ہیں اور اسی کا غلبہ ہوتا جاتا ہے حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلْمَرْءُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ فَلْيَنْظُرْ اَحَدَكُمْ مَعَ مَنْ يُخَالِلُ (آدمی وہی دین اور راستہ اختیار کرتا ہے جو اُس کے دوست کا ہوتا ہے پس دیکھو کہ وہ کس کے ساتھ صحبت اور دوستی کرتا ہے)۔ اگر نیک لوگوں کی صحبت میں رہتا ہے تو وہ خود اگرچہ بُرا ہے لیکن اُن کی صحبت اُسے اچھا بنا دے گی۔ اور اگر بُروں میں بیٹھا کرتا ہے تو خود اگرچہ اچھا ہے لیکن اُن کی صحبت اُسے بُرا بنا دے گی۔ کیونکہ جو چیز اُن میں ہوگی اسی کا حاصل کرنا اُس کی خوشنودی ہے۔ تو چونکہ یہ لوگ بُرے قماش کے ہیں اُسے بُرائی سے خوشی حاصل ہوگی۔ اگرچہ بذاتِ خود یہ نیک تھا لیکن بُرا بن جائے گا۔ قصہ ہے کہ ایک شخص کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ اور کہتا جاتا تھا اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ اَخْوَانِي (اے اللہ میرے بھائیوں کو صلح بنا دے) لوگوں نے اُس سے پوچھا کہ اُن ممبرک مقام میں تم اپنے لیے نہیں مگر اپنے بھائیوں کے لیے دعا مانگتے ہو اُس نے کہا میرے چند بھائی ہیں جب میں لوٹ کر اُن کے پاس دُل گا اگر ان کو نیک احوال میں پاؤں گا اُن کی نیکیوں کی برکت سے صانع ہو جاؤں گا۔ اور اگر انھیں بد حال اور خراب پاؤں گا تو اُن کی خرابی سے میں بھی بُرا ہو جاؤں گا۔ چونکہ مصلحوں کی صحبت سے میں نیک اور صالح ہو جائے گا فائدہ اٹھا سکتا ہوں اس لیے اپنے بھائیوں کے لیے دعا کرتا ہوں تاکہ بھائیوں سے میرا کام نکلے۔ حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ نے کہا ہے جس بھائی اور دوست کی صحبت سے تجھے اس جہان کا

کوئی فائدہ حاصل نہ ہو اس کے ساتھ نہ رہا کر ایسے شخص کی صحبت ہمیشہ تجھ پر حرام ہے۔ اس کی شرح اس طرح بیان کی گئی ہے کہ عام طور سے، اپنے سے بڑے یا اپنے سے چھوٹے درجہ کے لوگوں کی صحبت ہوا کرتی ہے۔ اگر اپنے سے بڑے کی صحبت اختیار کی تو خود فائدہ اٹھایا۔ اور اگر اپنے سے کم تر کی صحبت میں رہا تو ان کو تو نے فائدہ پہنچایا۔ اگر تو نے ان سے سیکھا، یا انھوں نے تجھ سے سیکھا تو دینی فائدہ حاصل کیا حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَكْثَرُ دَامِنِ الْاَخْوَانِ رُبُّكُمْ حَتَّىٰ كَسِبْتُمْ لَيْسَتْ حَتَّىٰ اَنْ يُعَذَّبَ عَبْدُ بَيْنِ اَخْوَانِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (بہت زیادہ بھائی بناؤ، فقط آداب اور ان کے نیک معاملے کیلئے، کیونکہ خداوند تعالیٰ اسی اور کریم ہے۔ وہ اپنے کرم کی وجہ سے پسند نہیں فرماتا کہ قیامت کے دن بھائیوں کے سامنے اس کو عذاب دیا جائے)۔ مگر چاہیے کہ خدا کے لیے صحبت ہو، حصول مراد دنیاوی یا خواہش نفس کیلئے نہ ہو۔ کہا گیا ہے کہ تنہا مرید کو ہلاکت و تباہی میں ڈالتا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ الشَّيْطَانُ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الْاِمْتِنِ الْبَعْدُ (شیطان اکیلے آدمی کے ساتھ رہتا ہے اور

جہاں دو ہوں، اُن سے دور ہو جاتا ہے)۔ اور خداوند غرور جل نے ارشاد فرمایا مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ (تم میں راز کی باتیں کرنے والے تین آدمی جہاں ہوں گے وہاں چوتھا خداوند تعالیٰ ہوگا)۔ الغرض مرید کے لیے اکیلے رہنے سے زیادہ دشوار اور کوئی چیز نہیں بقل ہے کہ خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کو دوسواں سما گیا کہ میں کمال کے درجے تک پہنچ گیا ہوں اب ترک صحبت سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ خلوت میں تنہا بیٹھ گئے جب رات ہوئی تو ایک جماعت نے اس کو ان کہا "یہ گھوڑا حاضر ہے اس پر بیٹھئے اور بہشت کی میر کو چلیے" وہ سوار ہو کر روانہ ہوئے اور ایک سرسبز و شاداب مقام میں پہنچے۔ یہاں حسین و جمیل آدمی لذیذ کھانے بے کھرے تھے اور نہرین جاری تھیں صبح تک یہ وہاں رہے، پھر نیند آگئی جب سو کر اٹھے تو خود کو اپنے عبادت خانے میں پایا۔ کچھ دنوں تک یہی واقعہ ہوتا رہا۔ ان حضرت کے دماغ میں جوانی کے جوش و تکبر نے اثر کیا۔ اور یہ بھی لگے دعویٰ کرنے کہ میرا حال ایسا ایسا ہے۔ روزانہ بہشت کی میر ہوا کرتی ہے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ ان کے حجرے میں تشریف لائے اور حالت پوچھی۔ انھوں نے اپنا سارا واقعہ بیان کر دیا۔ آپ نے من کر فرمایا۔ آج جب تم وہاں پہنچو تو تین مرتبہ لا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ کہنا جب رات آئی، انھیں حسب سابق جنت میں لے گئے۔ اگرچہ ان کے دل میں حضرت خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کے

ارشاد کے بحال لانے سے انکار پیدا ہو رہا تھا، لیکن تھوڑی دیر کے بعد محض تجربے کے خیال سے انھوں نے لاکھول پڑھی۔ پھر کیا تھا، وہ جماعتِ حجتی چلاتی تتر بتر ہو گئی اور انھوں نے خود کو ایک گھوڑے پر بیٹھا پایا اور مردار کی ہڈیاں اپنے قریب پڑی ہوئی دیکھیں، اپنی خطاؤں کا اعتراف کر کے توبہ کی اور پھر سے صحبت میں داخل ہو گئے۔ اب معلوم ہو گیا ہوگا کہ مرید کے لیے تنہائی بڑی آفت ہے۔ ان بزرگوں کی صحبت کی شرط یہ ہے کہ جس کے لیے یہ جو درجہ سمجھتے ہیں اسی کا حکم دیتے ہیں جیسا کہ بوڑھوں کی خدمت کرنا (باپ کے مرتبے پر سمجھنا)، برابر والوں کے ساتھ مہنسی خوشی زندگی بسر کرنا (بھائی سمجھنا) اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت و محبت کا اظہار کرنا (اپنے بچوں کی طرح سمجھنا)۔ جو انوں کو بوڑھوں کے سامنے بجز ضرورت کے باتیں نہ کرنا چاہیے۔ اور جب بات کرنے کی ضرورت ہو تو اتنی دیر صبر کرے کہ وہ اپنی بات ختم کر لیں۔ اس کے بعد ان سے اجازت لے کر نہایت ادب سے ان کے قریب بیٹھ جائے اور نرم آواز میں بات کرے۔ اور جو انوں کو بوڑھوں پر کوئی اعتراض نہ کرنا چاہیے۔ اور ان کے مقابلہ پر آنا اور باز پرس نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ جب بوڑھوں کو کسی پر جلال آتا ہے تو اُس کا دین، اور دنیا رخصت ہو جاتی ہے لیکن ان سے درخواست کرنا جائز ہے۔ اسی طرح جو انوں کو بوڑھوں کے سامنے مسند پر نہ بیٹھنا چاہیے بلکہ ان کی خدمت میں مشغول رہنا چاہیے۔ اور بھائی چلے گی صحبت کی شرط یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ایثار و قربانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے زندگی بسر کریں اور دوسروں کو اپنے مال میں تصرف کا حق دیں۔ اور اس گروہ کے لوگ اپنی چیزیں کسی کو عاریتہ (اُدھار) نہیں دیتے اور نہ لیتے ہیں۔ بلکہ جو چیز کسی کو دیتے ہیں داپس نہیں لیتے۔ مشائخِ رضوان اللہ علیہم کا کہنا ہے۔ الْفَقِيرُ لَا يَعِيْرُ وَلَا يَسْتَعِيْرُ (فقیر نہ اُدھار لیتا ہے اور نہ اُدھار دیتا ہے)۔ اور کسی پر حکم نہ چلائے، لیکن اگر کوئی اُس پر حکم کرے تو جان و دل سے بجالائے۔ اور کسی سے کام کرنے کو نہ کہے جب تک کہ وہ بلا توقف بجالانے کا عادی نہ ہو۔ اور جس کسی کے ساتھ رہن سہن رکھے اُس کے مذاقِ طبیعت کے موافق ہی زندگی بسر کرے اور مخالفت درمیان میں نہ آنے دے، بجز ان امور کے جن کو شریعت نے منع کیا ہے۔ اور جو شخص مذہب کا مخالفت یا ناجنس ہو اگرچہ وہ رشتہ دار اور قرابتِ پیشہ ہی کیوں ہو اُس کی صحبت میں نہ بیٹھا کرے بلکہ جس کو دین و مذہب اور دیانت و تقویٰ میں ظاہراً و باطناً استوار دیکھے اُس کی صحبت اختیار کرے۔ نوجوان اُمردوں کے ساتھ رہنے کو منع کیا گیا ہے، کیونکہ

اس سے بڑے بڑے فتنے پیدا ہو جاتے ہیں۔ بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ بچوں میں بزرگوں کی صحبت کی رغبت علم کی توفیق اور ذکاوت پیدا کرتی ہے۔ اور بزرگوں میں بزرگوں کے ساتھ رہنے کی خواہش بے شرمی اور حماقت لاتی ہے۔ یہ گروہ اپنی اصطلاح میں ابتدائی صحبت کو معرفت، پھر مودت، پھر الفت، پھر عشرت، پھر صحبت اور آخر میں اخوت کہتے ہیں۔ جب ان شرائط کے ساتھ صحبت درست ہو جاتی ہے تو ان کے حالات بلند و برتر ہو جاتے ہیں۔ تم نہیں دیکھتے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم بزرگ ترین خلق ہیں۔ علم و فہم، عبادت و زہد اور توکل و رضا میں ان کی برابری کون کر سکتا ہے ان لوگوں کو صحبت کے سوا اور کسی چیز کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ صحبت (رسول) ہی بہترین احوال ہے۔ اور اس گروہ کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب آپس میں گفتگو کرتے ہیں تو کبھی نہیں کہتے ہَذَا اِنِّیْ وَ هَذَا اَللّٰہُ۔ (یہ میرا ہے اور یہ تیرا ہے) وَ لَوْ کَانَ کَذَا اَلَمْ یَکُنْ کَذَا (اگر ایسا ہوتا تو ایسا نہ ہوتا) وَ لَعَلَّ وَ عَسٰی (کاش ایسا ہوتا کاش ایسا نہ ہوتا) وَ کَوْ فَعَلْتُ (اگر تو ایسا کرتا) وَ لَمْ لَا تَفْعَلْ (اور تو نے ایسا کیوں نہیں کیا)۔ کیونکہ یہ سب طور طریقے عوام کے ہیں۔ ابراہیم بن شیبہ کہتے ہیں کہ میں اس کی صحبت نہیں کرتا جو یہ کہے کہ هَذَا اَلْعَلٰی (یہ میری تعلیم ہے)۔ علم والوں کا قول ہے کہ خداوند کریم نے جائز نہ رکھا کہ مخلوقات میں سے کوئی شخص غُخُنُ (ہم) وَ اَنَا (میں) وَ اِنِّیْ (میں) میں۔ دُیْ (میرے لیے) وَ عِنْدِیْ (اور میرے پاس) کہے۔ نہیں دیکھتے کہ جس وقت ملائکہ نے غُخُنُ تُسَبِّحُ (ہم تیری ہی تسبیح کرتے ہیں) کہا۔ اُدھر سے حکم ہوا، ہمیں تمہاری تسبیح کی حاجت نہیں۔ اُجْجِدُ الْاَدَمُ (آدم کو سجدہ کرو)۔ شیطان بول اُمَّا خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ (تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے)۔ اس شوخی کی برداشت کہاں، فرمان نازل ہوا وَ اِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْ (ہم تجھ پر لعنت بھیجتے ہیں)۔ فرعون نے کہا۔ اَلِیْسَ لِیْ مُلْکٌ مِّصْرَ (کیا مہر کی ملکیت میری نہیں ہے)۔ وَ اَنَا رَبُّکُمْ اَلَا عَلٰی (اور میں تمہارا بلند پروردگار ہوں)۔ اس کی یہ باتیں بھی جائز نہ سمجھیں۔ عذاب ٹوٹا اور دریا میں ڈبو دیا گیا۔ قارون بولا عَلٰی عَلِیْمٌ عِنْدِیْ (میں صاحب علم ہوں)۔ جائز نہ سمجھا گیا اور زمین کو حکم ہوا اور وہ اس کو نگل گئی جب ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آیا ارشاد ہوا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم ان لوگوں کی طرح نہیں ہو قُلْ اِنِّیْ اَنَا الْمَرْئِیْتُ مَبِیْنٌ (کہہ دو میں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں) جیسا کہ میں کہتا ہوں اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا (میں اللہ ہوں میرے سوا اور کوئی معبود نہیں)۔

اے بھائی! اگر تم چاہتے ہو کہ گلستانِ غیب کے درختوں پر بیٹھو اور بارغِ لطف و کرم کی ہندوں سے آبِ حیات نوش کرو اور ساتوں آسمان کو روند کر اپنے تلواروں کی خاک بنادو تو دم بھر کے لیے اس بیابانِ قافی میں مشاہدہ دارِ بقا کی خاطر ان پانچوں حواس کی کھڑکیاں بند کر دو اور اس عالمِ فنا اور دارِ مصائب سے بڑیا بستر اٹھاؤ اور صدفِ بحری کی طرح معرفت کے موتی کے لیے غیر اللہ سے اندھے بہرے بن کر بیٹھ رہو۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ عارف کون لوگ ہیں او ان کی پہچان کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا صُمُّ بُکْمٌ عُمًی (گونگے، بہرے اور اندھے)۔ کہا گیا یہ تو کفار کی صفت ہے۔ ہَذَا صِفَةُ الْكَافِرِينَ۔ آپ نے فرمایا الْكَافِرُ صُمٌّ عَنْ سَمَاعِ الْحَقِّ وَبُكْمٌ عَنْ قَوْلِ الْحَقِّ وَعُمًی عَنْ رُؤْيَا الْحَقِّ (کافر حق بات سننے سے بہرا ہے اور حق بات کہنے سے گونگا ہے اور رویتِ حق سے اندھا ہے۔ یہاں تو ایسے پاک باز کی ضرورت ہے جو اس عالم کون و فسادِ شیطا نوں کے پھندے سے رنج و محنت کے ساتھ عالمِ پاک کی طرف روانہ ہو جائے۔ اور جیسے ایک چڑیا پھرے سے نکل کر اڑ جاتی ہے اپنا قدم اپنے دل پر رکھے، دل کو تفکر کے کاندھوں پر سوار کرے، تفکر کو مقامِ سر میں پہنچائے اور سر کو اللہ تعالیٰ کے پیرد کرے جیسے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قدم میں مسجدِ قضیٰ تک طے کیا، او ایک ہی کام میں ساتوں آسمانوں کی منزلیں طے کرتے ہوئے سدرۃ المننتیٰ پر تشریف لے گئے اور مشاہدے کی دولتِ جاہل کی اور دونوں جہان سے آزاد ہو کر اپنے محبوب کے ساتھ آرام و راحت سے لطف اندوز ہوئے۔ والسلام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اکثر وال مکتوبات

خدمت کے بیان میں

بھائی شمس الدین۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اولیاء کی خدمت میں بزرگی نصیب کرے سینو مرید کا ایک بڑا کام خدمت کرنا ہے۔ خدمت کرنے میں بڑے بڑے فوائد ہیں۔ اور کچھ ایسی خاصیتیں ہیں جو اور کسی عبادت میں نہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ نفسِ سرکش مرجاتا ہے اور بیڑائی کا

گھنڈ دماغ سے نکل جاتا ہے عاجزی اور تواضع آجاتی ہے۔ اچھے اخلاق، تہذیب اور آداب آجاتے ہیں۔ سنت اور طریقت کے علوم سکھاتی ہے۔ نفس کی گرائی اور ظلمت دور ہو کر روح صیک اور لطیف ہو جاتی ہے۔ آدمی کا ظاہر و باطن صاف اور روشن ہو جاتا ہے۔ یہ سب فائدے خدمت ہی کے لیے مخصوص ہیں۔ ایک بزرگ سے پوچھا گیا خدا تک پہنچنے کے لیے کتنے راستے ہیں؟ جواب دیا کہ موجودات عالم کا ہر ذرہ خدا تک پہنچنے کا ایک راستہ ہے، مگر کوئی راہ نزدیک تر اور بہتر خلق خدا کو راحت اور آرام پہنچانے سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اور ہم تو اسی راستے پر چل کر اس منزل تک پہنچے ہیں۔ اور اپنے مریدوں کو بھی اسی کی وصیت کرتے ہیں۔ انھیں بزرگوں کا کہا ہوا ہے کہ اس گردہ کے ورد و وظائف اور عبادتیں اتنی ہیں جو بیان نہیں کی جاسکتیں۔ مگر کوئی عبادت افضل اور مفید تر خدمت خلق سے نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ صغیر سے پوچھا گیا اِنِّیْ صَدَقَۃٌ اَفْضَلُ۔ قَالَ خِدْمَۃٌ عَبْدٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْ ظِلٌّ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْ طَرُوقَۃٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (کون سا صدقہ زیادہ افضل ہے؟ فرمایا بندے کی خدمت کرنا خدا کی راہ میں، یا سایے کی غرض سے خدا کے راستے میں شامیائے لگانا، خیمے نصب کرنا۔ یا خدا کی راہ میں اونٹ یا کشتی دینا) ایک اور دوسری جگہ ارشاد ہوا السَّاعِیُّ عَلٰی الْاَرْمَلَةِ وَالْمَسٰکِیْنِ کَالْمَجٰہِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْ کَالَّذِیْ یَصُوْمُ النَّهَارَ وَ یَقُوْمُ اللَّیْلَ (بیوہ عورتوں کے کام میں دوڑنا اور غریبوں مسکینوں کی خدمت بجالانا ایک مجاہد کی طرح ہے راہ خدا میں۔ یا اُن لوگوں کی طرح ہے جو دن کو روزہ رکھتے اور راتوں کو عبادت کرتے ہیں) مگر خدمت کے لیے شرطیں ہیں۔ وہ یہ کہ اپنی آرزو اور اپنا نفرت بالکل چھوڑ دے اور قوم و جماعت کا جو مقصد ہو ویسا ہی کرے۔ مسافر یا مقیم جو بھی ہوں اُن کی طبیعت کے رجحان کے مطابق کام کرے تاکہ انھیں فراغت دل حاصل ہو اور بے فکر ہو کر اپنے اوقات ورد و وظائف میں گذاریں اور فارغ البال ہو کر اپنے معمولات میں مشغول رہ سکیں ان کو جو کچھ مجاہدہ اور ریاضت سے حاصل ہو گا اُس کو اسی خدمت سے وہی سب فائدے ہوں گے۔ کہ مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَهُ مِثْلُ اَجْرِ مَا عَلِمَ (جس نے کسی اچھے کام کے لیے مدد کی تو اُس کا اجر بھی اُس کام کے کرنے والے کے برابر ملے گا) یہ خالق ہیں، مسافر خانے اور اوقات اسی کام کے لیے بنائے گئے ہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ خود کو مالک و مختار نہ سمجھے۔ جو کچھ اس کے پاس ہے، یہ سمجھے کہ وہ انھیں

لوگوں کا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی ذات مال مراد اور اپنی خواہشات کو ان کے لیے نسا دے اپنے ہر کام پر ان کی ضرورتوں کو مقدم سمجھے۔ اُن سے کوئی چیز دریغ نہ رکھے۔ البتہ جو جو چیزیں کہ خدا نے حرام کر دی ہیں۔ اور جس چیز کی اس سے درخواست کریں فوراً بجالائے۔ اگرچہ اس کے لیے مزدوری کرنا پڑے تو مزدوری کرنے سے بھی جان نہ چرائے تاکہ ان کا کام پورا ہو جائے۔ اور اُن کے ساتھ اس کا برتاؤ ایسا ہو جیسا ایک غلام اپنے مالک کے ساتھ کرتا ہے۔ اگر وہ سختی بھی کریں تو اُس کی برداشت واجب سمجھے اور ہمیشہ ان کے رفرداشتائے کی باتوں کا لحاظ رکھے۔ اگر کوئی خرابی بھی دیکھے تو بغیر اُن کی تحریک کے درست کر دے۔ اور یہ شرط بھی ہے کہ جو جو کام خلق اللہ کے لیے نیک دلی اور مہنسی خوشی کے ساتھ کرے تاکہ توفیق خیر کا مستحق ہو۔ اور ان کاموں کی انجام دہی پر شکر حق بجالائے اور جو کچھ اس سے ممکن ہو جماعت و ملت کے لیے نیکیاں کرتا جائے۔ اور اگر کوئی دقیقہ فرو گذاشت ہو جائے تو پشیمان ہو اور تاوان ادا کرے۔ خدمتیں بے شمار ہیں اور مقصود یہ ہے کہ جو ان افراد کسی طرح بھی خدمت سے جان نہ چرائیں۔ شیخ ابوالعباس نقاب رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے جو مرید ایک کام کرنے کے واسطے کھڑا ہو گا اُس کے لیے یہ کام نماز نفل کی سورتوں سے زیادہ مفید و بہتر ہے۔ یہ لوگ ہر ایک شخص کی خدمت اور پیروں کی صحبت اور اہلیت و ریاضت و تربیت کا زیادہ سے زیادہ اعتبار کرتے ہیں اور نسبت و نسب کا کوئی خیال نہیں کرتے البتہ آل اطہار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں اور مشائخ زادے بھی۔ کیونکہ یہ نسب کے اعتبار سے لائق اقرام ہیں۔ جیسا کہ ہے لَسَبُّ الرَّجُلِ دِينُهُ وَحَسْبُهُ تَقْوَاهُ (نسب آدمی کا دین اور پرہیزگاری اس کا مشرب ہے) جیسا کہ صاحب مال پر واجب ہے کہ زکوٰۃ نکال کر فقرا کو دے۔ اور علماء کے لیے لازم ہے کہ طلباء کو پڑھائیں، علم سکھائیں اور اپنے علم کی زکوٰۃ دیں۔ اسی طرح راہ طریقت میں مبتدی مرید پر واجب ہے کہ اپنی خدمت کے ذریعہ غیروں کو راحت و آرام پہنچائے مسلمان بھائیوں کی امداد اور اپنے سے بڑوں کی خدمت انجام دے۔ خدمت کرنے کا صلہ ثمرہ اور فائدہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب خدمت بے غرضانہ بے منت اور بے ریا ہو۔ پس جو مرید خود خدمت نہیں کرتا بلکہ دوسروں سے خدمت لینے کی آرزو کرتا ہے وہ کامل ہو جاتا ہے اور لوگوں کے دلوں پر گراں گذرتا ہے اور بوجہ بن جاتا ہے۔ دل کی یہ گرائی اور بوجہ

جان کے لیے تپ ہے اس لیے لوگ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اور یہ اُس کے حق میں ہر امر نقصان اور خرابی کا باعث ہے۔ اور کار بر آری کی امید کم ہو جاتی ہے۔ حضرت پیغمبر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ اور امت کی تعلیم کی غرض سے نہایت لطیف پیرایے میں اس کو سمجھایا ہی کہ کسی وقت ایک کٹورا دودھ کا حضور کے پاس لایا گیا آپ نے اُٹھ کر اپنے دست مبارک میں لیا اور فقرا و صحابہ میں تقسیم فرما دیا۔ اور جو کچھ بچ رہا خود پی لیا۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ حضور نے اپنے سے شروع کیوں نہ فرمایا۔ آپ نے جواب دیا کہ ایسا نہیں چاہیے کہ سَائِقِ الْقَوْمِ الْآخِرُھُمْ شُوبًا (قوم کو پلانے والا خود آخر میں پیتا ہے)۔ اس گروہ میں مشہور ہے جو زیادہ خدمت کرتا ہے وہ زیادہ بزرگ اور پیارا ہوتا ہے، دلوں میں خوش آئند اور نگاہیں اُس کی طرف مائل رہتی ہیں کہ سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ (قوم کا سردار وہی ہے جو اُن کی خدمت کرتا ہے)۔

عرب کے ایک بزرگ سے پوچھا گیا بِمَ سُدَّتْ قَالَ خَدَمْتُ فَسُدَّتْ (تم کیسے سردار بن گئے؟ انھوں نے کہا میں نے لوگوں کی خدمت کی اور سردار ہو گیا)۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جو منصب خلافت پایا اور اتنی بڑی دولت ملی وہ ہمیشہ خدمت میں کمر بستہ رہنے کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ ابتدا میں ہر ایک بزرگ کے ساتھ یہی ہوا کیا ہے کہ وہ ہر وقت خدمت کے لیے ایک پاؤں پر کھڑے رہے ہیں یہاں تک کہ آخر میں خود مخدوم ہو گئے۔ خدمت کے ثمرے اتنے ہیں کہ بیان نہیں کیے جاسکتے۔ تم سے جہاں تک ہو سکے فہمیت سمجھو اور امید وار رہو۔ اے بھائی احکام خداوندی انسان کے فہم و ادراک سے بالاتر ہیں۔ کنگان حضرت نوح علیہ السلام کا فرزند تھا۔ وہ کشتی میں نہیں بٹھایا گیا اور شیطان ملعون کے لیے راستہ ہو جائے یہ جائز ہے کہ یہ باتیں بادشاہ سے تو نہ کہی جائیں مگر ایک مسلمان سے بیان کی جائیں تم نہیں دیکھتے کہ فرعون سے تو نہ کہا لیکن اسی گھر میں ایک بڑھیا سے کہہ دیا۔ اس کی نگاہیں جو تمھاری طرف اٹھا کرتی ہیں اور اتنی مہربانیوں اور کرم کی بوجھار ہوتی رہتی ہے وہ اپنے علم پاک کی رُو سے نظر کرتا ہے تمھارے گندے اعمال کی رُو سے نہیں ہے۔ اہل سنت کا مذہب کہتا ہے کہ خدا کی نوازش و کرم کی کوئی حد نہیں۔ سارا عالم اٹھا مگر کوئی اُس کے انعام و اکرام کے اسرار تک نہ پہنچا کہ آخر اس خاک کے پتے پر اتنا کرم کیوں ہے؟ کل جب

قیامت آئے گی سب لوگ حشر کے میدان میں بلائے جائیں گے۔ غیب سے ایک وار سناں دے گی کہ سب خاک ہو جاؤ۔ فرشتوں کو حکم ہو گا کہ تم عرش کے گرد جمع ہو جاؤ۔ تمہیں جلد بہشتی سے کوئی کام نہیں اور نہ دوزخ کی بیڑیوں سے کوئی سروکار۔ تم مقام معلوم سے دیکھتے رہو کہ اس مشیت خاک کے ساتھ ہمارے کیا کیا معاملے ہیں؟ اسی معنی کو دیکھ کر کہا ہے کہ اگر یہ خاکی نہ ہوتا تو یہ باتیں بھی نہ ہوتیں اور نہ یہ سوز و گداز و درد و پیش ہوتی۔ بہشت اتنی نعمتوں اور کرامتوں کے ساتھ اس خاکی پر پچھا اور اور غلمان و خور وں کو لیے ہوئے رہوان اس کے جشن وصال کے منادیاں گاتے ہیں۔ اور یہ جو تم نے سنا کہ ازل میں یہ خاکی اس وقت بھی موجود تھا۔ یہاں تک کہ خاک پیدا کی اور اپنی نوازش و کرم سے اس خاکی کا کل سامان مہیا کیا۔ ابھی پینے والا نہ تھا کہ شراب بنائی۔ سرنہ تھا مگر اس کے لیے تاج آراستہ کیا۔ چلنے والا پاؤں نہ تھا مگر راستہ صاف اور مستحکم کر دیا۔ دل نہ تھا مگر نگاہیں اس پر اٹھا دیں۔ گناہوں کا وجود نہ تھا مگر رحمت و مغفرت کے خزانے بھر دیے اور طاعت و بندگی کا کہیں نام و نشان نہ تھا مگر گلزار فردوس کو دلکش بہاروں سے آراستہ کر دیا۔ اَلْعَنَایَةُ قَبْلَ الْمَاءِ وَالطَّیْنُ (کرم و نوازش کا یہ سارا اہتمام خمیر گوندھنے سے پیشتر ہی کر دیا گیا)۔ والسلام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بہتر وال مکتوب ۲۰۰

بری عادتوں کو نیک اور بہتر بنانے کے بیان میں

بھائی شمس الدین۔ تم خدا کی بندگی بجالانے میں ہمیشہ قائم رہو۔ خط لکھنے والے کی طرف سے تمہیں معلوم ہو کہ اخلاق کو پاکیزہ کرنے اور بری عادتوں کو نیک اور پسندیدہ بنانے کے لیے تم سے جہاں تک ہو سکے کوشش تبلیغ کرتے رہو اور اس کو بہت بڑا کام سمجھو۔ کیونکہ اس کے ترک و غفلت کے سبب سخت بلاؤں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس سے خدا کی پناہ۔ اور یہ وہ ہے کہ دنیا میں جتنے درندے وحشی جانور اور حیوانات ہیں ان کی ہر صفت انسان میں موجود ہے جو صفت غالب ہوگی قیامت میں اسی صفت کی بنیاد پر اس کا معاملہ ہوگا۔ یعنی اس کی شکل و صورت اسی طرح کی

بنادی جلے گی۔ اگر کسی شخص میں غصہ و غضب صفت غالب ہے تو قیامت کے دن اس کا حشر کتوں

کی صورت میں ہوگا۔ اگر کسی میں بُری شہوت اور ہوس بد کا غلبہ ہے تو اس کا حشر سور کی شکل میں کیا

جلے گا۔ اگر کسی کے سر میں تکبر و نخوت کا عنصر غالب ہے تو قیامت کے دن اس کا حشر چیتے کی صورت

میں ہوگا۔ چالوسی اور مکر کی صفت والا لوٹری کی صورت میں محسوس ہوگا۔ ہر صفت کو اسی پر قیاس کر لو۔

حدیث شریف میں ہے کہ کل قیامت کے دن حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام آذر کو دیکھیں گے

کہ اُسے دوزخ کی طرف لیے جا رہے ہیں۔ آپ کہیں گے اے خداوندِ پاک اس سے بڑھ کر بھی کوئی فضیلت

ہو سکتی ہے کہ میں عرصاتِ محشر میں کھڑا ہوں اور میرے باپ کو دوزخ میں لے جا رہے ہیں۔ میں نے تو

دنیا میں دعا کی تھی وَلَا تَحْزَنْنِي يَوْمَ يُعْثَبُونَ (قیامت کے دن تو مجھے غمگین نہ کرنا) اسی وقت

آذر کی انسانی صورت مسخ ہو کر کفار کی شکل بن جائے گی۔ کیونکہ دنیا میں کفار کی صفت اس میں غالب

تھی۔ پھر حضرت خلیل اللہ سے پوچھا جائے گا، بھلا تم کو کفار سے کیا واسطہ اور کون سی قرابت اری

یا کام ہو سکتا ہے؟ اے بھائی! یوں جن میں آج تم انسانی شکل و صورت میں دیکھ رہے ہو کل قیامت کے

دن انھیں کو درندے اور وحشی جانوروں کی صورت میں کھڑا دیکھو گے۔ اور سب اصحابِ کف کہ

صفتِ دسیرت کے لحاظ سے اس کی کلی ہیئت بدل کر آدمیوں کی صفت میں کھڑا کر دیں گے بزرگوں

نے فرمایا ہے کہ کوہِ احد کو حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اُحَدٌ جَبَلٌ يُجَبُّنَا وَ

جُبُّنَا (اُحد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اُسے چاہتے ہیں) عرصہ محشر میں اس کا سنگی

چولا اتار کر انسان کی صورت میں صدیقیوں کی صفت کے درمیان کھڑا کریں گے۔ چونکہ اس میں صدیقیوں

کی صفت کا غلبہ تھا اس لیے انھیں کی صورت دی گئی۔ یہاں پر اگر کوئی اعتراض کرے کہ کوہِ احد تو

جمادِ پتھر ہے اور پتھر میں محبت و عداوت کی صفت درست نہیں کیونکہ محبت و عداوت کی

تمیز کرنے کے لیے ذی روح ہونا لازم ہے۔ اس کا یہ جواب ہے کہ اُحَدٌ جَبَلٌ يُجَبُّنَا وَ جُبُّنَا یہ قول

ایک صاحبِ دل یعنی حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اور اہلِ دل پتھر اور غیر ذی روح

کی باتیں اس طرح سنتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ دوسروں کو اس کی مطلق خبر نہیں ہوتی جس کی آنکھوں پر پردہ

پڑا ہوا ہے اُس کو چرلغ کی روشنی سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، کہا جاتا ہے کہ کشفِ دالے ہر چیز کی تسبیح

راہِ کفارِ لوٹری اور کتے کے درمیان ایک عابز ہے جو کتے کا شکار کرتا ہے اسے ہونڈا کہتے ہیں یا بجوا اور دان بھی۔

سنا کرتے ہیں اگرچہ پتھر کی زبان سے کیوں نہ ہو اور یسوعؑ کہ مافی السموات والارض (آسمان و زمین میں جتنی چیزیں ہیں سب خدا کی تسبیح کرتی ہیں)۔ وہ لوگ اس تسبیح کی سماعت کرتے ہیں۔ اسی کو گناہ

پیش تو این سنگ تیرہ ساکت بہت پیش ماحقا فصیح و ناطق است

دیرے نزدیک یہ سنگ تیرے خاموش ہیں۔ مگر خدا کی قسم ہم ان کی گفتگو سنا کرتے ہیں، عصمت الانبیاء میں، حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذکر میں بیان کیا گیا ہے کہ کل عالم اپنے سارے متعلقات کے ساتھ اپنے پیدا کرنے والے پر فرشتہ اور اسی کا طالب و عاشق ہے۔ اسی معنی کے لحاظ سے کہا گیا ہے۔ مثنوی۔

دردش از عشق خود شورے نہند

صد ہزار ال راز در موئے نہند

پُر شدہ از پر تو عشق خدا

ذره ذرہ عاشق اند اند ہوا

نقطہ عشق بہت در ہر دو جہان

جملہ ذرات پیدا و نہان

(ایک حقیر حیوانی میں ہزاروں راز کی باتیں بھری پڑی ہیں۔ اُس کے دل میں اپنے عشق و محبت کا سوز و گداز نہ کچھ دیا ہے۔ فضا کے ذرے اسی کی محبت کا دم بھرتے ہیں۔ اور عشق خداوندی کے پر تو سے پڑ ہیں۔ ظاہر اور باطن میں جتنے بھی ذرے ہیں وہ دونوں جہان میں عشق کے مرکز ہیں)۔ اتنا بڑا مشکل کام سامنے ہے اور اُس کی ہولناکی کو دیکھتے ہوئے بھی ارباب بصیرت کے سوا کوئی متوجہ نہیں ہوتا۔ غافل نہ رہنا چاہیے۔ آہستہ آہستہ اس کی عادت ڈالو کہ ان صفتوں میں سے کچھ تو کم ہو جائے۔ اگر خدا نے یہ توفیق دی کہ اس کی برائیاں کلیتہً دفع ہو جائیں تو یہ بڑا ہی عظیم الشان کارنامہ ہے۔ اگر کوئی معلوم کرنا چاہتا ہو کہ قیامت کے دن کس صفت و صورت پر اس کا حشر ہوگا تو اُسے اپنی ذات کے اندر خود ہی غور و خوض کرنا چاہیے کہ اس میں کس صفت کا غلبہ پایا جاتا ہے۔ کل وہی پیش آنے والا ہے۔ اور اتنا جاننا کوئی مشکل امر نہیں ہے جس طرح اگر کوئی معلوم کرنا چاہے کہ اس خداوند تعالیٰ خوش ہے یا نہیں؟ تو وہ اپنے اعمال پر نظر کرے۔ اگر طاعت ہی طاعت نظر آئے تو سمجھے کہ خوش ہے۔ کیونکہ طاعت خوشنودی کی علامت ہے۔ اور اگر معصیت ہی معصیت نظر آئے تو جانے کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش نہیں ہے۔ کیونکہ ناخوشی کی علامت معصیت ہے۔ اور اگر طاعت و معصیت دونوں پائی جائیں تو جس کا غلبہ ہوگا اسی کا حکم کیا جائے گا۔ اب مال مٹول کا موقع نہیں ہے۔ آج کے علاوہ ہیں دوسرا دن نصیب نہ ہوگا جب یہاں کچھ نہ ہو سکا۔ تو

اُس عالم میں کون سا کام ہو سکے گا۔

یہ غفلت می گذاری روزگار سے مگر درگزر خواہی کرد کار سے

(سارا وقت غفلت میں گزار رہا ہے تو کیا یہ سمجھ رکھا ہے کہ قبر میں جا کر کوئی کام کرے گا)۔ اگر کسی میں یہ صفات خبیثہ رہ گئے اور صفات محمودہ میں تبدیل نہ ہو سکے تو اگر کل بہشت میں بھی داخل ہوگا اور بہشت کی تمام نعمتیں اُس کے سامنے لائی جائیں گی تو بھی وہ صفات نہ بدلیں گی کیونکہ جو صفت وہاں ہوگی وہ تبدیل ہونے والی نہ ہوگی۔ اور یہ ایک ایسا شخص ہوگا جس کو اپنے اوپر کوئی اختیار نہ ہوگا۔ اور اپنی دولت نہ پاسکے گا۔ اس لیے لازم ہے کہ اسی عالم میں اُن سے پھر جائے۔ اگر یہاں نہ پھر سکا تو اس جہان میں بھی نہ پھر سکے گا۔ چونکہ صفات مذمومہ اب تک باقی ہیں اس لیے وہ ہمیشہ عاجز ہی رہے گا۔ بہشت کی نعمتیں اُس پر مباح ہوں گی لیکن یہ نہ ہوگا کہ وہاں کے کام انجام دے سکے جو کل ہمارے اور تمھارے ساتھ معاملہ ہونے والا ہے۔ جو رد و حضور مرغ کے کباب اور آبِ واں کی نہریں تو ہوں گی مگر وہ کہاں جو دلوں کا مطلوب، جانوں کا مقصود، صدیقیوں کا قبلہ اور اُس راہ کے چلنے والوں کا کعبہ ہے۔ پس جس نے یہ دولت کھودی اُس نے کیا پایا؟ اور جس نے یہ دولت پائی اُس نے کچھ نہیں کھویا۔ دیکھو ایامِ بیض اور دوسرے موموں کے روزے فوت نہ ہونے پائیں۔ اور سفر و حضر میں سستی اور نیند کے غلبہ کے وقت کثرت سے نہانا اور وضو کرنا اس کا علاج ہے۔ اے بھائی فرشتوں کو حکم ہوا خاک کی طرف جھکو اور آدمیوں سے کہا گیا پتھر کی طرف دیکھو۔ جانتے ہو یہ کیا راز ہے؟ یہ اعمال کا مرتبہ اور قیمت دکھانا ہے۔ مومن علیہ السلام کو فرمایا اَنْظُرُوْا اِلَی الْجَبَلِ (پہاڑ کی طرف دیکھو) کیونکہ اَنْظُرُوْا بَحْرًا وَاَنْتَ مَدَدٌ (طور پتھر ہے اور تو مٹی کا ڈھیلا ہے)۔ پتھر مٹی کے ڈھیلے کے لائق ہے اور مٹی کا ڈھیلا پتھر کے لائق۔ وہ جو کل قیامت میں دیدار کی نعمت و طافرائے گا محض عطا و بخشش کی وجہ سے ہوگا صلاحیت و قابلیت کی وجہ سے نہیں دینہ سمجھ تو یہ ہے کہ کوئی آنکھ اس کے دیدار کے لائق نہیں ہے۔ کوئی کان اُس کا کلام سننے کے قابل نہیں ہے۔ کوئی عقل اس کی معرفت کی اہل نہیں اور نہ کوئی قدم اس کا راہ میں چلنے کی طاقت رکھتا ہے۔

چشم کہ بھی بخوابد آن دیدارت ربانی گو شمع کہ بھی بخوابد آن گفتارت
بین ہمت ہر دورا کہ کردند بلند ہر چند کہ نیستند شان نرا دارت

(میری آنکھیں تجھے دیکھنا چاہتی ہیں۔ کالوں کو تیری باتیں سننے کی ہوس ہے۔ ان دونوں کے
حوصلے کی بلند پروازی تو دیکھو۔ اگرچہ یہ اس قابل ہی نہیں ہیں)۔ جو شخص اس کا طلبگار ہے وہ
جب تک اپنے کو بے قدری کی ترازو میں نہیں تول لیتا اور تالافتی کی نگاہوں سے خود کو نہیں
دیکھ چکتا اس کی طلب ہی صحیح اور درست نہیں ہوتی۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے
میری ذلت و خواری کے مقابلے میں یہودیوں کی ذلت کا کوئی وجود نہیں۔ ابو سلیمان دارانی
نے فرمایا، جس نے اپنے نفس پر نظر کی یا اپنے قول، عمل اور حال کی کوئی قیمت سمجھی وہ اس بات
کی لذت کبھی نہیں چکھ سکتا۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں کعبہ کا طواف کر رہا تھا کسی نے پیچھے
آکر مجھے کھینچ لیا۔ جب میں نے پھر کر دیکھا تو وہ حضرت خواجہ فضل عیاض رحمۃ اللہ علیہ تھے انھوں
نے مجھ سے کہا کہ اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ اس موسم اور اس مقام میں من و تو بھی کوئی چیز ہے تو
ہلاکت کا سخت خطرہ ہے۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تہتر واں مکتوب

مرتبہ اور منصب کی لالچ اور نماز عاشورہ کے بیان میں

میرے عزیز بھائی شمس الدین۔ معلوم ہو کہ اتفاق کے ساتھ کوئی کام کرنا اور صدیقیوں کے
مدارج کی امید رکھنا اصحاب دین کی شان نہیں۔ تم جو کچھ بھی کرو اس میں ذرہ برابر بھی لالچ کا دخل
نہ ہونا چاہیے نیت خالص کے معنی یہی ہیں کہ عبودیت کا اظہار کیا جائے جس میں حرص و طمع کی
شمولیت نہ ہو۔ کیونکہ طمع دوسری چیز ہے اور اظہار عبودیت ایک دوسری چیز۔ غور کرنے سے اس کی
بارکی بھاری سمجھ میں آئے گی۔ مگر ہائے ہم اور تم تو یہ غرض رکھتے ہیں کہ خدا کے دیار میں
کون سی رشوت پیش کریں، چلو بندگی ہی سہی۔ (واہ واہ! عشق نہ ہوا تجارت ہوئی کہ محبوب کو
خوش کرنے اور کام نکلنے کے لیے رشوت دے دی) غرض یہ ہے عشق اور رشوت دو ہی دشت
جانان را۔ (وہ عشق بھی کیا خوب عشق ہے کہ محبوب کو رشوت دے کر اپنا دوست بنا لیا جائے)۔
اے بھائی! اس راہ میں لالچ کا خیال دل سے نکال دو۔ کسی شخص کے لیے خدا پر کوئی چیز واجب نہیں۔

آج جو مخلوق کو اس نے اتنی نعمتیں دے کر مالا مال کر دیا ہے، بالکل مفت دیا ہے۔ اور کل قیامت کے دن جو کچھ عنایت فرمائے گا وہ بھی مفت بغیر کسی معاوضے کے ہو گا۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ یہ جو کل تمہارے سامنے خطبہ پڑھا جائے گا جزاءِ ایمان کا نوا بھلوان (یہ اُن کے اعمال کا عوض ہے جو وہ دنیا میں کرتے تھے) یہ محض اس لیے کہا جائے گا کہ اس کی عطا سے تمہارا دل چھوٹا نہ ہو جائے کیونکہ آدمی جو کچھ اپنی محنت فردوری کی کمائی کھاتا ہے اس کو اس میں زیادہ مرا ملتا ہے باعتبار اس کے کہ کسی کا مفت دیا ہوا کھائے۔ مگر اس بادشاہ بے نیاز بزرگ برتر نے تمہیں جو کچھ عنایت فرمایا ہے بغیر کسی علت و سبب کے دیا ہے۔ تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ اپنی در ماندگی اور بیچارگی کو دیکھتے ہوئے جو بھی کر سکو محض اظہار بندگی کی نیت سے کرو۔ ذرا بھی اس میں طمع کا دخل نہ ہو۔ اس نے جس چیز کے لیے تم کو حکم دیا ہے، تم کو چاہا ہے نہ کہ اس چیز کو۔ اس لیے تم پر بھی لازم ہے کہ اس دربار میں جو کچھ لے جاؤ پاک صاف کر کے اُس کے لیے لے جاؤ نہ کہ بہشت کی امید اور دوزخ کے خوف دہرا اس سے اس کو آلودہ کر دے۔

مارا نہ غم دوزخ دے نہ حرص بہشت بہت
بردار ز رخ پردہ کہ مشتاقِ لقائیم
(ہم کو نہ دوزخ کا غم ہے اور نہ بہشت کی لالچ۔ اپنے پیرے سے نقاب اٹھانے کے ہم تو پس تیرے دیدار کے مشتاق ہیں) یہاں طمع کی جڑ کاٹ ڈالنا ہی بہت بڑا کام ہے۔ یہ ہمارے تمہارے بس کی بات نہیں اور نہ ڈینگ ہانکنے والوں کا یہ کام ہے۔ ہم تم سے تو دوزخ کے خوف اور بہشت کی لالچ سے بھی بندگی ادا نہیں ہوتی کیونکہ پیدا لشی بد نصیب ہیں۔ اپنی جیتی کسی نے یوں کہی ہے بہ بد بخت اگر بر لب دریا باشد لب خشک چو ساحل بر دریا باشد

(اگر کوئی محروم قسمت دریا کے کنارے بھی چلا جائے تو ساحل دریا کی طرح پیاسا ہی رہے گا۔ یہ حضرات انبیاء اور اولیاء کا شیوہ ہے ہمارا تمہارا نصیب سوائے ایمان کے اور کچھ نہیں۔ خدا کرے کسی دن اُن کے گھوڑوں کی سُم کا غبار ہمارے سروں پر اڑ کر آپڑے کہ ہم بد بختوں کے لیے ابدی خوش نصیبی کا ذریعہ بن جائے۔ اور اگر کوئی شخص بساط شریعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور دین الہی پر قدم رکھے اور خدا بزرگ برتر سے طمع و ناز بھی کرے تو وہ مغرور ہے لیکن شریعت کی راہ میں عین اخلاص کے ساتھ مستقیم ہونے اور رنج و خوشی میں اللہ تعالیٰ کے

کل احکام بجالانے اور حق ادا و نواہی بجالانے اور ترک مہنیات کو دینداری کی ترازو میں تولنے کے بعد اجازت ہے کہ پدر ملت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے اس قول کی پیروی کرے وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ (میں خدا سے طمع رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میری خطائیں معاف فرمادے)۔ اور ابتداء خلعت میں آپ کا فرمانا یہ تھا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ إِلَّا صَنَامَ (مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا)۔ اور آخر خلعت کے عہد میں آپ کا قول وہ تھا وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ (لیکن شخص عفتوان شباب کی رنگ رلیوں اور فسق و فجور و لہو لعب میں مبتلا رہا، دین و ملت اسلام کا کوئی حق ادا نہ کیا وہ یہ چاہے کہ میں پدر ملت اسلام حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی پیروی کروں کوئی ٹھیک بات نہیں۔ اگر کسی کو خواہش ہو کہ اس کے اعمال برج عبادت کی بلندی پر پہنچائے جائیں۔ اور اس کی کوئی قیمت لگائی جائے تو اس سے صاف کہہ دو کہ نیت کے ہاتھ میں دل کی لگام سوئپ دے۔ علمائے اسلام نے ہمیں سے کہا ہے اِنَّ نِيَّةَ عَمَلِ الْقَلْبِ (نیت ہی دل کا عمل ہے) جب تک اعمال کو نیت کی سند نہیں ملتی انسان اس وقت تک عادت کے عالم سے عبادت کے خزانے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور طاعت مقبول نہیں ہوتی جو عمل کہ نیت کے نور سے روشن نہیں اسے عادت کے مکان میں بند کر دیتے ہیں اور وہ مردوں کے اعمال کی صف میں داخل نہیں کیا جاسکتا۔ نیت عبادت میں اہل سعادت کے ایمان کا ایک رکن ہے اور بندے کے پاس خدا کی امانت سمجھی جاتی ہے اور اس میں یہ راز ہے کہ نیت کے ذریعہ دین کے سوا جو کچھ بھی ہے دل سے پاک و صاف کر دے تاکہ بغیر زحمت عادت اور اغیار کی وحشت و آفت کے عبودیت کی کمر کس کر توحید کا عہد جو ازل میں باندھ چکا ہے پورا کر سکے۔

ازان حضرت چراگیری جدائی

اگر عہد ازل را آشنائی

سزائے قرب دست پادشاکن

بہ معنی باز جان را آشناکن

(ازل میں جس بات کا عہد کر چکا ہے، اگر وہ تجھ کو یاد ہے تو اس کے دربار سے کیوں جدائی اختیار کرتا ہے۔ اپنے جان و دل کو پھر معنی کے ساتھ آشنا کر تاکہ بادشاہ کے دائیں بازو میں قریب بیٹھنے کے لائق ہو جائے) بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ بظاہر زبان پر تسبیح و

تہلیل کے الفاظ جاری کر کے سمجھتے ہیں کہ ہم ڈاکروں کی صفت میں داخل ہو گئے اور عبادت کی راہ میں استقامت حاصل کر لی۔ یہ اہل عبادت کے لیے بڑا مغالطہ ہے۔ کیونکہ زبان تو فرع اور شاخ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے نہ ہونے سے دین کی غرت و وقار میں کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ زبان کا ذکر و وظیفہ جو عادت والوں کی ایک رسم بن گئی ہے اُن کی تسبیح و تہلیل ریا اور دکھاوے سے زیادہ نہیں۔ اس پر یہ طمع کہ اصحاب اخلاص کی تہنیت کی برابری کریں۔ اسے بھائی ابو حنیفہ خلوص نیت سے نہ کی جائے گی اُس سے قیامت تک خسارہ ہی خسارہ ہوگا۔ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (اور کوئی حکم ان کو نہیں دیا گیا سوائے اس کے کہ اللہ کی بندگی خلوص دل سے کریں)۔ کردار میں خلوص نہیں ہم رسم و عادت کے سوا کچھ نہیں جانتے اور اپنی کور باطنی سے سمجھ رہے ہیں کہ ہماری یہی پونجی عبادت کا خزانہ ہے یہ بد بختی کی نشانی اور بد قسمتی کی بیڑی ہے۔

منی داغ کہ خواہی یافت دلے

اگر صد قرن می گردی پو گوے

تو دین را کیستی بادیں چہ کاردت

بہ پنداری کہ بردی روزگارت

کہ جلنے برفشاند بادشا را

چہ دانی بیش ازین دولت گذارا

اگر تو ہزاروں برس تک گیند کی طرح لڑھکتا پھرے تو میرے خیال میں اس کی ہلک تکیڑے دماغ میں نہ پہنچے گی۔ تو سمجھتا ہے کہ میں اپنا کام کر کے سبک دوش ہو گیا۔ ارے تو ہے کون اور تجھے دین سے سروکار ہی کیا۔ فقیر کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا دولت ہو سکتی ہے کہ بادشاہ پر اپنی جان بچھا کر دے۔ دل کا ستر چاہیے جو تجھ سے عبادت کر سکے۔ البتہ اس وقت عبادت کرنے والا سمجھا جاسکے گا۔ لیکن غفلت اور رسم و عادت کی طرح جو کچھ کرے گا وہ ادھورا سدا ہو کسی کام کا نہ ہوگا۔ جو ذکر بغیر سوز دل کے زبان پر لایا جائے شریعت کے دربار میں اُس کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا جاتا۔ بھلا ایسا ذکر بھی ذکر کہلانے کے لائق ہے۔ اگر کوئی شخص کلمہ لا الہ الا اللہ جو آستانہ توحید کا داروغہ ہے، ایسے ادا کرے جیسے بازاری زبان میں خرید و فروخت کرتے ہیں یا اہل غفلت سے گفتگو کرتے ہیں تو اس سے مقصد توحید حاصل نہیں ہوتا اسی طرح جو شخص ٹھن باتوں سے بغیر باطنی توجہ کے خدا کی بندگی کا دعوے کرے تو اُس کو قیامت کے دن دشمنانِ دین کی

صف میں ڈال دیا جائے گا۔ اور دوزخ کے طبقہ اسفل میں اس کی جگہ ہوگی۔ یہی راز ہے جو کہا ہے کہ
ثروت زنا و تسبیح یکے شد تو خواہی خواجہ شو خواہی غلامے

(اے ثروت تیری زنا و تسبیح ایک ہو گئی۔ اب تجھے اختیار ہے چاہے مالک بن یا غلام)۔ اے عبادت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے! تیرے اوپر افسوس ہے کہ اپنے بیکار سر پر علم کی دستار باندھ رکھی ہے اور مارے فخر کے جہان میں نہیں سماتا۔ ذرا ٹھٹھڑے دل سے غور کر کہ تو دوستوں کی صف میں جگہ پانے کا حق دار ہے یا دشمنوں کے زمرے میں داخل کیے جانے کے لائق ہے اے عادت و رسم کے تابع تو نے غور کا تاج سر پر رکھ چھوڑا ہے اور اس رسمیدہ عبادت پر نازاں ہے اور اپنی پاک باطنی کے دامن کو لوگوں سے بچائے رکھتا ہے تاکہ اُن کی صحبت سے آلودہ نہ ہو جائے۔ ذرا ہوش سنبھال، عقل کے ناخن لے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ نکبت و ادبار کا یہ لباس اپنے ساتھ قبر میں نہ لے جائے۔ اے کسی کی جوتیاں اٹھایا کرتا کہ اس خدمت کی برکت سے زنا و رسم اور عادت کفر تیری گردن سے ٹوٹ جائے۔ دباغی یہ۔

تازاغ صفت یہ جیفہ در پالائی کے چون شاہین تو درخور شاہی
چون صعوہ اگر غداے بازے گردی بانے گردی کہ دست نہ راشائی

(تو جب تک کوئے کی طرح گندگی میں آلودہ ہے، شاہین کی طرح بادشاہ کی توجہ کے لائق نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ایک چڑیا کی طرح کسی باز کی غذا ہو جائے تو ایک ایسا باز ہو جائے گا جسے بادشاہ اپنے ہاتھوں پر بٹھاتا ہے)۔ لیکن اگر کسی کا نقطہ دل اس کلمہ کی غرت کے ساتھ آشنا ہو گیا تو آٹھوں بہشت اُس کے پاؤں کی خاک بن جانے کی مشتاق اور آرزو مند ہوں گی اور اس سے زیادہ بیتاب ہوں گی جتنا ایک پیاسا پانی کے لیے بیتاب ہوتا ہے۔ تجھے حق مسلمانی کا واسطہ۔ اگر تو نے ایک مرتبہ بھی یہ کلمہ بہر دل سے کہا ہے تو دیکھ کہیں ایسا نہ ہو کہ تو اُسے آٹھوں بہشت کے عوض میں بیچ ڈالے کیونکہ اس کی قیمت اس سے زیادہ ہے۔ اگر تو بیچ دے گا تو بڑا نقصان اٹھائے گا۔ دیکھ کہیں گھر کے مالک ہی کو گھر کے عوض فروخت نہ کر ڈالے۔

چو جانان آمد از جان کم نیاید ہمہ این جوئے تو کان کم نیاید

کے راخواہ تادرہ نہ مانی
تو ہستی مراد دیگر ہمہ ہست
تکدرباش تادرچہ نہ مانی
ہمہ دستم دیدیوں تو دی دست

جب محبوب آتا ہے تو کم سے کم جان سی شے اس پر قربان کرنا ضروری ہوتا ہے۔ بس اسی کو تلاش کر اور اس سے کم کوئی دوسری چیز تلاش کرنے کے لائق نہیں ہوتی۔ بس تو اسی ایک ہو رہ تاکہ راستے میں پڑا نہ رہ جائے۔ آسمان کی طرف اڑتا چلا جاتا کہ کسی کنویں میں نہ گر پڑے۔ جب تو میرا ہو گیا تو ساری چیزیں میری ہو گئیں۔ جب تو نے سہارا دیا تو سب میری آؤ بھگت کرنے لگے۔ اگر اس کلمے کو اس کے سوا کسی دوسرے کے لیے کہا تو اخلاص کے ساتھ تو نے نہیں کہا۔ اب چاہے تو بہشت میں رہے یا دوزخ میں۔ اگر بہشت کے لیے کہا ہے تو خود پرست ہے۔ خدا پرستی تو اس کی صحیح ہوتی ہے کہ جو خود کو خدا کے حکم پر رکھے نہ یہ کہ خدا کو اپنے لیے بجا لے لاکلہمہم بجا دے ولا بیع عن ذکر اللہ (مردہ ہیں جنہیں ان کی خرید و فروخت اللہ کی یاد سے باز نہیں رکھتی) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری درگاہ خرید و فروخت کی جگہ نہیں ہے۔ جب تم بازار جاتے ہو تو اس ارادے سے جاتے ہو کہ جو چیز تمہارے پاس نہیں ہے وہ خرید کر لاؤ گے۔ لیکن جب میرے دربار میں آؤ تو اس ارادے سے آؤ کہ جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے لٹا دو اور مفلس و قلاش ہو کر واپس لوٹ جاؤ۔ کسی صاحب نظر نے کہا ہے۔ قطعہ

نیست جز نیستی رہ عاشق
در شہادت میں کہ زین معنی
تاکہ ہستی بیابد از درگاہ
لا تخت آمد آنگہ الا اللہ

(عاشقوں کے لیے نیستی کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تاکہ وہ محبوب کی درگاہ سے ہستی جاوید پائے۔ اسی لیے کلمہ شہادت میں پہلے لا آیا ہے اور اس کے بعد الا اللہ)۔ خواجہ احمد خفدیہ رحمۃ اللہ علیہ نے خدا کو خواب میں دیکھا۔ اس نے فرمایا یا احمد کل الناس یطلبون منی الا ابائزید فانہ یطلبنی (اے احمد سب لوگ مجھ سے مانگتے ہیں مگر بائزید مجھ سے مجھ کو مانگتا ہے)۔ بعض لوگوں کو اس میں شک و شبہ ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں اس طرح خدا کو خواب میں دیکھنا جائز نہیں ہے۔ لیکن یہاں تو صد لفظوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے، ہماری تمہاری بات نہیں ہے۔ صد لفظوں کا خواب ہی دوسرا ہوتا ہے اور ہم تم کو خواب دیکھتے ہیں وہ کچھ اور ہے جو اس عالم

کون و فساد کی حد سے آگے نہیں بڑھتا۔ صدیقیوں کا خواب دنیا و آخرت کی لپستی میں نہیں اترتا۔ جب تک آدمی اس دنیا میں ہے اُس کے لیے یہ باتیں نہ خواب میں جائز ہیں نہ بیداری میں۔ مگر جب بشری صفتیں انسان میں نہ رہیں اور وہ ان سے بالکل خالی ہو گیا تو دنیا سے نکل کر عالم آخرت میں جا پہنچا۔ اب وہاں جس چیز سے اس کو سابقہ پڑے گا اس میں اختلاف کی مجال نہیں۔ اور یہ جائز ہے کہ خدا اپنے کسی دوست کو خواب دکھائے اور اس خواب میں اُس کو اُس سے بھین لے اور دنیا و آخرت سے باہر لے جائے اور وہ دولت جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اُس پر کھول دے۔ تمہیں چاہیے کہ تم اس حقیقت پر ایمان لے آؤ اور مردانِ خدا کے احوال میں کوئی نفرت نہ کرو۔ ایک بزرگ نے کہا ہے (رباعی):

آن کس کہ یہ صفت عشق مذکور ہو
وانکہ بوفاتے عہد مشہور بود

نزدیک خرد وجود پاکیزہ آؤ
در مرتبہ از جہان ما دور بود

(جو شخص صفت عشق کے ساتھ ذکر کیا جائے اور اپنے عہد کی وفاداری میں بھی مشہور ہو تو عقل کے نزدیک اُس کا پاکیزہ وجود مرتبے میں ہمارے جہان سے دُور ہوتا ہے۔)

دشمنوں کے خوش کرنے کے لیے عاشورہ محرم کے دن چار رکعتیں ادا کرے۔ پہلی رکعت میں الحمد کے بعد سورہ اخلاص گیارہ مرتبہ، دوسری رکعت میں الحمد کے بعد قل یا ایہا الکافرون تین مرتبہ اور سورہ اخلاص گیارہ مرتبہ، تیسری رکعت میں الحمد کے بعد اَللّٰهُمَّ التَّكْوِيْنُ تین مرتبہ اور سورہ اخلاص گیارہ مرتبہ، چوتھی رکعت میں الحمد کے بعد آیتہ الکرسی تین بار اور سورہ اخلاص پچیس مرتبہ۔ جس نے یہ نماز پڑھی اُس کو خداوند تعالیٰ قبر کی سختیوں سے بچائے گا اور اُس کے دشمن اُس سے خوش رہیں گے۔ اس نماز کے بہت فضائل ہیں۔ یہاں مختصر طور سے چند فائدے بیان کیے جاتے ہیں۔ یہ نماز سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

سال میں چھ روز پڑھنے کو کہا گیا ہے۔ عاشورہ کے دن، تردیہ (آٹھویں ذی الحجہ) کے دن، عرفہ کے دن، عیدِ صغی، پندرہویں شعبان اور رمضان کے آخری جمعہ کے دن۔ اور بھی منقول ہے کہ جو شخص ہر صبح تین مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهِ وَلَا اِلهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ پڑھے خدا عقیلی کے جملہ مقاصد پورے کرے گا اور اس روز شیطان کا کچھ بس نہ چل سکے گا۔ والسلام !

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جو ہترواں مکتوب

دنیا کی مذمت اور قصا نمازوں کے کفارہ کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین۔ معلوم ہو کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے مردود و ملعون ہے بجز اس کے کہ جو کچھ خدا کے لیے ہو۔ تو دنیا میں جتنی چیزیں ہیں، وہ تین حصے میں تقسیم کی جاسکتی ہیں، ایک وہ جو ظاہراً اور باطناً بالکل دنیا ہی کے لیے ہوں وہ کبھی خدا کے لیے نہیں ہو سکتیں وہ محض مہیبت ہی مہیبت ہیں کیونکہ اس میں نیت دارادہ ہی تھا کہ وہ خدا کے لیے نہیں کی جاتی جس طرح دنیاوی عیش و عشرت وغیرہ جو لذت نفس کے لیے ہیں۔ یہ غفلت کے بیج، اور گناہوں کا سرمایہ ہیں۔ دوسری وہ جو ظاہراً و باطناً تو خدا کے لیے ہوں مگر ان کی نیت اور قصد حصول دنیا کے لیے ہو۔ اور وہ تین طرح کی ہیں فکر اور ذکر اور شہوات نفسانی کی مخالفت۔ کہ یہ تینوں یہودی آخرت کا سبب اور خوشنودی حق تعالیٰ کے لیے ہے۔ اگرچہ دنیا ہی میں ہیں۔ لیکن اگر فکر سے علم کا حاصل کرنا اس غرض سے ہو کہ اس سے قبولیتِ خلافت اور غرت و مرتبہ حاصل ہو اور ذکر کا یہ مقصد ہو کہ لوگ پارسا سمجھ کر احترام کریں اور مخالفتِ شہوات کی یہ غرض ہو کہ لوگ پارسا اور زاہد و عابد جانیں، یہ بہت ہی بُرا اور مردود ہے اگرچہ صورتہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدا کے لیے ہے۔ تیسری وہ جو صورتہ تو دنیا کے لیے ہوں لیکن نیت اور قصد دنیا کا نہ ہو بلکہ خدا کے لیے ہو۔ جیسے کھانا کھانا عبادت کی غرض سے اور نکاح کرنا اس نیت سے کہ اولاد ہو اور کلمہ گویوں کی تعداد بڑھے اور خدا سے تھوڑا مال طلب کرنا اس نیت سے کہ اطمینان اور فراغت دل سے بغیر کسی تردد کے خلق سے بے نیاز ہو کر طاعت و عبادت بجالائے۔ شرعیات کا فتویٰ یہ ہے کہ جو شخص شان و شوکت اور تفاخر اور سر بلندی کے لیے دولت طلب کرے گا وہ مردِ قیامت اللہ تعالیٰ کو اپنے ساتھ غصہ اور جلال میں دیکھے گا۔ اور اگر اس نیت سے مال چاہتا ہے کہ خلق سے بے نیاز ہو کر طاعت میں مشغول ہو تو قیامت کے دن چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکے گا۔ کہنے کا یہ مطلب ہے دنیا وہ ہے جس سے نفس کو فوراً ہی لذت اور خوشی حاصل ہو اور آخرت کو اس کی کوئی ضرورت نہ ہو۔ اور جو

آخرت کی حاجت کے لیے کیا جائے دنیا سے اُس کا کوئی لگاؤ نہیں۔ کیونکہ اس کی غرض ہی آخرت ہے جیسے حجاج کی راہ میں اونٹ اور گھوڑوں کے لیے چار افرام کرنا منجملہ برکات حج ہے۔ اب تم سمجھ لو کہ دنیا کے لیے تین درجے ہیں۔ بقدر ضرورت کھانے پینے اور سکونت کے واسطے ایک گھر کی حاجت ہے۔ اس کے علاوہ ضرورت سے زیادہ زمین و آرائش شان و شکوہ میں داخل ہے اور اس کی کوئی انتہا نہیں جس نے اپنی مختصر سی حاجت پر بسر کی وہ پریش عقیبی سے آزاد ہو گیا اور جو شان و شوکت کے لیے سرگردان رہا، اُس نے دوزخ میں اپنا گھر بنا لیا۔ اس کے لیے کوئی حد مقرر نہیں ہے۔

ترا با مال دنیا دین نیاید چنان کت آن نیاید این نیاید

(دنیاوی دولت کے ساتھ دین کا سرمایہ تجھے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کی حرص و ہوس بے سود ہے۔ نہ یہ تجھے کو حاصل ہو گا نہ وہ)۔ اور جس کسی نے ضرورت کے مطابق اختصار کیا وہ بھی خطرے سے خالی نہیں کیونکہ نعم اور عیش و عشرت میں یہ بھی داخل ہے۔ اسی لیے بزرگان دین نے قدر ضرورت میں بھی بڑی حد تک اختصار سے کام لیا ہے اس منزل کے میرکارواں اور امام حضرت خواجہ اولیں قرنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ نے دنیاوی ضرورتیں اتنی کم کر دی تھیں کہ انھیں لوگ دیوانہ کہتے تھے۔ اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ برس برس دو دوسرے اُن پر لوگوں کی نظر بھی نہ پڑتی تھی کیونکہ نماز فجر کی اذان کے وقت گھر سے باہر نکل جاتے اور عشا کے بعد واپس آتے تھے۔ آپ کا کھانا ہی پھوہارے کی گٹھلیاں تھیں جنھیں راہ میں چن چن کر رکھ لیا کرتے تھے۔ اور ان کا لباس کوڑے کرکٹ سے اٹھائے ہوئے چمڑے تھے جنھیں دھو کر پاک کر لیا کرتے تھے۔ آپ ہر صبح گزرتے رُکے دیوانہ سمجھ کر پتھر مارا کرتے تھے دباٹی۔

اتہنا کہ بر آسمان ہفتم ماہ اند بر تختہ شطرنج ملامت شاہ اند

وانہا کہ زیر این سخن آگاہ اند دیوانہ خلق اند و خود در راہ اند

(وہ لوگ جو ساتویں آسمان پر چاند کی طرح چمکتے ہیں وہی ملامت کی شطرنج کی بساط کے بادشاہ بنے ہوئے ہیں جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اسرار سے باخبر ہوتے ہیں ان کا یہ حال ہے کہ راستے میں مارے مارے پھرتے ہیں اور لوگ دیوانہ سمجھ کر پتھر مارتے ہیں جو لوگ دنیا کے

بھیلے اور بھڑے جانتے پہچانتے ہیں ان کا یہی طور طریقہ رہا ہے۔ انبیاء اور اولیاء کی یہی روش ہے۔ اگر ان کی برابری نہیں کر سکتے تو کم سے کم اتنا تو ہو کہ ضرورت کی مقدار بہت مختصر کر دو کہ عیش و تنعم کی حد تک نہ پہنچے تاکہ خطرہ عظیم میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ گریہ و زاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے رہو: مناجات

خدا یا رمت دریا سے عام بہت
اگر آلائش حسیل گنگار
ذرا بجا قطرہ مارا تمام است
یدان دریا فرد شوئی بیک بار
نہ گردد تیرہ آن دریا زمانے
دلے روشن شود کار جہانے

(اے خدا تیری رحمت ایک ناپیدا کنار سمندر ہے۔ اس کا تو ایک قطرہ بھی ہمارے لیے کافی ہے۔ اگر سارے جہان کے گنگاروں کی گندگی ایک ہی بار اس میں دھو دی جائے تو یہ سمندر ذرہ برابر بھی اس سے متغیر نہ ہو گا بلکہ ساری دنیا کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔) بزرگوں نے کہا ہے کہ جب دیکھی کہ صدیق کے مرتبے پر پہنچنا چاہتا ہے تو آخرت کو اس کے باطن کا دیوان مقرر کر دیتا ہے اور اندیشہ آخرت اور امید کی کوتاہی اس کے دل پر مسلط ہو جاتی ہے یہاں تک کہ ہر وقت اس کا دل دنیا سے بیزار اور آخرت کی فکر میں ہوشیار رہتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے باتن کے پھلکوں کی ایک بھونپڑی بتائی تھی اس لیے کہ جب بارش ہوتی تھی تو کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں پناہ مل سکے بھرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا، یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو حضور کے لیے مٹی کی ایک کوٹھری بنادی جائے؟۔ آپ نے فرمایا دَعْنِي يَا ابْنَ اَبِي قَحَافَةٍ عَرِشِيْ كَعَرِشِ عِيسَى الْاَمْرُ اَهُونُ مِمَّا تَطْنُوْنَ (اے ابو بکر مجھے ان باتوں سے رنجیدہ نہ کرو کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں آئے اور چلے گئے وہ جہاں رہے ان کے پاس اس سے زیادہ اور کچھ نہ تھا جو میرے پاس ہے۔ اگر عیسیٰ جو میری امت کے نقیب ہیں دنیا میں ان کے لیے کوئی پناہ گاہ نہ تھی تو میں کہ سردارِ دو عالم ہوں میرے لیے ادنیٰ تر یہ ہے کہ ایسا نہ کروں۔ کام اس سے بھی زیادہ آسان اور ہلکا ہے جتنا کہ تم سمجھتے ہو۔ ہماری خوشی تو یہی رنج و غم ہے۔ یہی راز ہے جو کسی صاحبِ دل نے کہا ہے کہ

جہانے خاکِ رُفِرقِ کسے باد
کہ آن کس نیست در اندوہ و تشاد

چونکہ غم ازست کوہ شادمانی بہت اگر مرگ بہت از تو زندگانی بہت

سارے جہان کی خاک اُس کے سر پر ہے جو ترے غم سے خوش نہیں ہے جب تیری طرف سے رنج و غم نصیب ہو تو وہ غم نہیں بلکہ خوشی کا ایک پہاڑ ہے۔ اور اگر تجھ سے موت ملے تو وہی ہماری زندگی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن گھر میں تشریف لائے اور پوچھا هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عَزَاءٍ (تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے کہ انظار کروں؟ جو اب ملا کہ گھر کے ملک آپ ہیں۔ اگر آپ نے کچھ لا کر دیا ہے تو مانگئے۔ آپ ہنسے اور فرمایا مَرَحَبًا بِشَعَارِ الصَّالِحِينَ۔ واہ واہ صالحین کی روش کے کیا کہنے! خدا کرے محمد کا گھر ہمیشہ یوں ہی رہے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ سبحان اللہ! کیا عجیب بات ہے شب معراج تو سارے جہان کی دولت و سعادت آپ پر نچھاور کر دی گئی۔ اور گھر میں کھانے کے لیے ایک دانہ نہیں رہا۔

ہم جانتے نہ لیاں پر از خوشی کہ می داند کہ سرکار او چوں بہت

(صدیقیوں کے کلیجے خون ہو کر رہ گئے ہیں۔ کون جانتا ہے کہ اُس کے کاموں کا بھید کیا ہے)۔ ایک مرتبہ چند دن گزر چکے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ بھی نہ کھایا تھا۔ آپ مسجد میں آکر بیٹھ گئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، ایسے باادب مرید کہ دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے مگر ان میں سے کسی کو آپ کے ایسا کوئی مرید نہ مل سکا، مسجد میں آئے اور مودب ہو کر بیٹھ گئے۔ پھر حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ بھی آئے اور بیٹھ گئے جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم کیا کہ یہ لوگ بھی اسی علت میں گھر سے نکل کر آئے ہیں، تو فرمایا قُومُوا بِنَارِ الْيَمِينِ (تم سب میرے ساتھ اس کے گھر چلو) چنانچہ سب کے سب حضرت ابوالشیم الفزاری کے گھر پہنچے اور فرمایا اے ابوالشیم تم کو خبر ہے کہ ہم یہاں کس لیے آئے ہیں؟ انھوں نے کہا ”فرمائیے یا رسول اللہ“ آپ نے فرمایا ”تم نے مجھ سے کہا تھا، کہ میں نے آپ کے لیے کھجوروں کا خوشہ رکھا ہے۔ تو لاؤ ہم سب کھائیں۔ یہ سن کر ابوالشیم مارے خوشی کے حضور کے قدموں میں بچھ گئے۔ اور فوراً خوشنہرا لاکر پیش کیا۔ جب سب لوگ کھجوریں کھا چکے، حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو بکر و عمر تم نے جو کچھ کھایا وہ تمہیں پسند آیا۔ انھوں نے کہا، ہاں، یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ اللَّهُ يُسْأَلُكُمْ عَمَّا كَلَّمْتُمْ وَسَوْفَ يُتَمَّا (اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں

میری جان ہے، جو کچھ تم کھاتے ہو اللہ تعالیٰ اُس کے متعلق تم سے سوال کرے گا۔ تم جب تک اس کا جواب نہ دے دو گے میدان قیامت سے تمہارا گذر نہ ہوگا۔ ضرورت کے وقت حضرات صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کے سروں پر بھی نصیحت کی یہ تلوار ماری گئی ہے (تو عیش و تنعم کا کیا ذکر ہی ہے جو کہا ہے)

غریب نے کہ مرد کار بودند ز نفس خویش چون بزار بودند

نہ نان دادند نفس شستنی را نہ رز خوردند یک نان فرہی را

(جو بلند مرتبہ لوگ ہوئے ہیں وہ اس طرح اپنے نفس سے بزار رہے ہیں کہ انہوں نے بھوک کے وقت بھی نفس کو روٹی نہیں دی اور کبھی فرہی کی غرض سے لقمہ نہیں کھایا)۔ اے بھائی جو چیز قبر کے آگے تمہارا ساتھ نہ دے وہ ہو یا نہ ہو اُس کی قدر ہی کیا۔ اور وہ گھر جو موت کے ہاتھوں خراب اور برباد ہونے والا ہے اس میں مال و دولت ہو یا سانپ بچھو، دونوں برابر ہیں۔ جہاں تک ہو سکے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ہاتھ پاؤں مارتے رہو۔ اور آخرت کے رنج و فکر میں جلتے رہو تاکہ جب موت آئے تو نقصان میں نہ پڑ جاؤ اور اپنے کو در ماندہ نہ پاؤ۔ مناجات

خداوند ا منم بے چارہ ماندہ درین فکر و بے صد پارہ ماندہ

ز ما بریدیم بیگانہ ہم خویش چو طفلان ما، اور اے سخت درپیش

ہم بے چارہ ایک و ماندہ بر جائے برین بے چارگی ما بہ بخشائے

(اے خدا نے پاک ہم بہت بے کس اور بے بس لوگ ہیں۔ اسی اندیشے میں ہمارے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہیں۔ ہم سے یگانے اور بیگانے کٹ کر جدا ہو چکے۔ ہم بچوں کی طرح نا آرمودہ کار ہیں اور راستہ نہایت سخت و دشوار ہمارے سامنے ہے۔ اے اللہ! ہم بہت ہی بے سہارے اور محبور ہیں۔ ہماری اس بیچارگی پر رحم فرما۔ ہم کو بخش دے)۔ علامہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ متقیوں کے بادشاہ اور اہل شریعت کے پیشوا تھے۔ وہ اپنے زمانے میں ایسے تھے کہ ولید مسلم کہتے ہیں کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا یا نبی اللہ میں خدا کا دین اور آپ کی سنت کس سے سیکھوں اور کس کا طریقہ اختیار کروں؟ آپ نے فرمایا 'عَلَيْكُمْ بِسُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ فَإِنَّهُ عَلَى الْحَقِّ' (تمہارے لیے سفیان ثوری کافی ہے۔ کیونکہ وہ صحیح راستے پر ہے) حضرت سفیان ثوری

رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تمام اہل آسمان اور ساکنان زمین کی طاعتوں کے برابر عبادت کرے اور دنیا کی محبت اُس کے دل میں ہو، اُس کو آفتاب قیامت کی بھلسا دینے والی دھوپ میں ایک مہیت ناک برج پر لے جائیں گے اور منادی پکار کر کہیں گے یَا أَهْلَ الْقِیَامَةِ هَذَا رَجُلٌ أَحَبَّ مَا أَبْغَضَ اللَّهُ (اے قیامت والو! یہ وہ آدمی ہے کہ خدا نے جس چیز کو مردود کیا تھا یہ اُس کو دوست رکھتا تھا۔ اے بھائی! آخرت کے غم سے صد لقیوں کا پتہ پانی ہوا جاتا ہے اور مٹی بھر خواہشات کے بندوں کو اس کی خبر نہیں۔ کسی دل جلے نے کہا ہے رباعی۔

جانِ ہمہ عاقلانِ عالم ریش بہت زانِ یک منزل کہ جملہ اور پیش بہت
از تیغِ اجلِ بریدہ در طشتِ فنا زینِ غم ہر صد ہزار زیرِ کش بہت

(دنیا بھر کے خرد مندوں کی جانیں زخمی ہو رہی ہیں، اُس ایک منزل سے، جو سب کے سامنے آنے والی ہے اس غم میں، موت کی تلوار سے فنا کے طشت میں ہزاروں عقل مندوں کے سرکٹ کر ٹپ رہے ہیں)۔ اگر نمازیں قضا ہو گئی ہوں اور اُن کی تعداد معلوم نہ ہو تو جمعہ کے دن جس وقت بھی چاہے ایک سلام سے چار رکعتیں پڑھے اور یوں نیت کرے۔ نَوَيْتُ اَنْ اُصَلِّيَ لِلّٰہِ تَعَالٰی اَرْبَعَ رُكُوعَاتٍ صَلَوةَ النَّفْلِ تَكْفِیْرًا لِلصَّلَوةِ الْقَضَاءِ الَّتِیْ فَاتَتْ مِنِّیْ فِیْ جَمِیْعِ عُمْرِیْ مُتَوَجِّہًا اِلٰی اُجْمَةِ الْکَعْبَةِ اللّٰہُ اَکْبَرُ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ ایک بار آیتہ الکرسی ایک بار اِنَّا اَعْطٰیْنَا پندرہ بار پڑھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ یہ دو سو برس کی قضا نماز کا کفارہ ہے۔ اور حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضورِ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنا ہے کہ یہ چار سو برس کی قضا نماز کا کفارہ ہے۔ اور حضرت مولائے کائنات علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ یہ سات سو برس کی قضا شدہ نمازوں کا کفارہ ہے۔ اعداد کا اختلاف وحی کے اختلاف کی بنا پر ہے۔ اصحاب نے پوچھا یا رسول اللہ ہماری اور دوسرے لوگوں کی عمریں تو ستر اسی یا سو برس تک ہوا کرتی ہے اتنی صفتوں کا مطلب کیا ہے؟ حضور نے فرمایا اُس کے ماں باپ اقربا اور اولاد کی نمازوں کا کفارہ ہوتی ہے۔ اس نماز کے ادا کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے اور حضرت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر سو مرتبہ درود بھیجے۔ دعا یہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ یَا سَابِقَ الْفَوْتِ وَیَا

سَامِعَ الصَّوْتِ وَيَا مُحَيِّ الْعِظَامِ بَعْدَ الْمَوْتِ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ وَجْعَلْ لِي خُرُوجًا وَ
 مَخْرَجًا قِيمًا نَافِيَةً إِنَّكَ تَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ يَا
 رَاحِمَ الْعَطَايَا وَيَا غَافِرَ الْخَطَايَا مَسْبُوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ
 وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيُّ الْأَعْظَمُ يَا سَابِقَ الْغُيُوبِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ يَا أَرْحَمَ
 الرَّاحِمِينَ وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ أَجْمَعِينَ. والسلام

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

پچھتر واں مکتوب

ترک دنیا کے بیان میں

میرے عزیز بھائی شمس الدین، خدا تمہیں زاہدوں کی بزرگی عطا فرمائے۔ اچھی طرح سمجھ لو
 کہ عبادت درست نہیں ہو سکتی جب تک دنیا کا خیال نہ چھوڑ دے۔ کیونکہ جب تمہارا ظاہر دنیا طلبی
 میں مشغول اور تمہارا باطن ارادت کی طرف مائل ہو تو کوئی عبادت کیونکر بجا لا سکتے ہو۔ دل تو خدا
 نے ایک ہی دیا ہے۔ جب ایک کام میں مشغول ہو تو دوسرا کام نہیں کر سکتا۔ دنیا اور آخرت کی مثال
 پورب اور پھیم کی طرح ہے۔ جب ایک سے قریب ہو گے تو یقیناً دوسرے سے دور ہو جاؤ گے۔ حضرت
 ابو دردا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے چاہا کہ کسی طرح دنیا اور عقبیٰ کو ایک ساتھ جمع
 کر دوں اور عبادت اور تجارت کو ایک مقام پر ملا دوں۔ لیکن ہزار کوششوں کے باوجود بھی ایسا نہ ہو سکا۔
 آخر وہ دنیا کو چھوڑ کر آخرت اور تجارت کو خیر باد کہہ کر عبادت کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت عمر رضی
 اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر دنیا و عقبیٰ کسی کو ایک ساتھ جمع ہو سکتی تو وہ شخص
 میں ہی ہو سکتا تھا۔ کیونکہ خدا نے مجھے اسی طاقت دی تھی۔ اعمال کی قیمت دنیا کو ترک کر دینے سے
 بڑھ جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس عالم نے دنیا ترک
 کر دی ہو اُس کی دو رکعت نماز تمام عابدوں کی قیامت تک کی عبادت سے خدا کے نزدیک زیادہ
 محبوب اور پسندیدہ ہے۔ جب دنیا چھوڑنے سے عبادت کا یہ مرتبہ ہو جاتا ہے تو ہر ایک
 طالب عبادت کا فرض ہے کہ دنیا کو چھوڑ دے۔ مگر یہ جانتا چاہیے کہ دنیا میں زہد کے معنی کیا ہیں۔

تو سنو ہمارے علمائے نزدیک زہد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ زہد ہے جو بندے کی قدرت میں ہے۔ دوسرا وہ جو بندے کے اختیار سے باہر ہے جس کو بندہ کر سکتا ہے وہ تین چیزیں ہیں۔ دنیا میں اس چیز کی طلب ترک کر دینا جو اس کو حاصل نہیں ہے۔ اپنی ذات سے ایسی چیزوں کو دور کر دینا جن کا تعلق دنیا سے ہے۔ اپنے باطن سے دنیاوی خواہشات کا ترک کر دینا۔ لیکن وہ زہد جو قدرت سے باہر ہے وہ یہ ہے کہ زاہد کے دل پر دنیا کا خیالی سرد پڑ جائے اور اس کی کوئی کشتش باقی نہ رہے۔ جب بندہ زہد مقدور بجا لاتا ہے یعنی جو میسر نہیں وہ نہیں مانگتا اور جو پاس ہے اسے دُور کر دیتا ہے اور اپنے دل سے اس کی خواہش بھی نکال دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے کرم سے زہد غیر مقدور بھی اسے حاصل ہو جاتا ہے یعنی اس کا دل دنیا سے پھر جاتا ہے۔ بعض بزرگوں کے نزدیک اسی کو زہد حقیقی کہتے ہیں۔ اس امر میں مشکل ترین کام دل سے دنیاوی خواہشات کا دُور کر دینا ہے۔ تم بہت سے تارک دنیا لوگوں کو دیکھو گے کہ وہ دیکھنے میں تو تارک دنیا نظر آتے ہیں لیکن ان کے باطن میں دنیا کی محبت ہوتی ہے۔ تو بڑی مہم سر کرنا ہی ہے کہ دنیا کی خواہش ہی دل سے نکل جائے۔ اصل کام یہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب بندہ ان چیزوں پر قائم ہو جاتا ہے یعنی جو اس کے پاس نہیں ہے وہ نہیں مانگتا اور جو ہے اسے دُور کر دیتا ہے تو خداوند تعالیٰ اس کو توفیق عنایت کرتا ہے کہ دنیا کی طلب بھی اس کے دل سے نکل جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص ساری دنیا کی ملکیت سے ہاتھ اٹھالے تو بھی زہد کے مقام پر نہیں پہنچ سکتا جب تک اس کی طلب سے اپنے دل کو خالی نہ کر دے۔ کیونکہ طلب میں رغبت پائی جاتی ہے اور رغبت زہد آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ وَالصِّدِّاقُ لَا يَجْتَمِعَانِ (دو صند ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے)۔ دوسرے یہ کہ زہد کے امام انبیاء علیہم السلام ہوئے ہیں۔ ساری دنیا کی ملکیت حضرت مہتر سلیمان علیہ السلام کو دی گئی تھی پھر بھی بے شک شبہ آپ زاہد تھے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ باوجود ملک دولت کے دل میں طلب نہ رکھنا افضل و بہتر ہے اس خالی ہاتھ سے کہ اس کے دل میں طلب باقی ہو۔ اگر تم سوال کرو کہ زہد کا حکم دنیا میں فرض ہے یا نفل؟ تو سنو زہد حلال میں ہوتا ہے یا حرام میں؟ حرام میں فرض ہوتا ہے اور حلال میں نفل جو لوگ عبادتوں میں استقامت حاصل کر چکے ہیں ان کے نزدیک زہد حرام مُردار کھانے کے برابر ہے جو اشد ضرورت کے وقت مصلحت وقت کے

انداز سے کھا سکتے ہیں۔ اور حلال چیزوں میں زہد، یہ تو خاص ابدالوں کا حصہ ہے۔ کیونکہ ان کے یہاں حلال بھی مُردار کا درجہ رکھتا ہے۔ ضرورت کے وقت بس اسی قدر کھا سکتے ہیں کہ بغیر اتنا کھائے چارہ نہیں۔ اگر اتنی طاقت نہ رکھتے ہوں تو طلب کی اجازت دی جاتی ہے لیکن طلب میں ہی نیت ہو کہ اس کے ذریعہ عبادت کی طاقت حاصل ہو۔ اور بغیر کسی فکر و تردد کے بندگی بجا لاسکے۔ خواہش نفس، لذت و راحت اور آرام کو اس میں کوئی دخل نہ ہو۔ جب تمہاری طلب کی یہ نیت ہوگی جو کمی گئی تو یہ دنیا طلبی نہیں بلکہ خیر طلبی ہوگی، کہ مَا يَسْتَعَانُ بِالْعِبَادَةِ فَهُوَ عِبَادَةٌ۔ جو خیر عبادت میں مددگار ہو وہ بھی عبادت میں داخل ہے۔ یہ فیصلہ شدہ مسئلہ ہے۔ اس سے زہد میں کوئی ہرج نہیں ہوتا۔ اور زہد کے دائرے سے خارج نہیں کرتا۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ زہد تمام نیکیوں کی بنیاد ہے اور حالات پسندیدہ اور مقامات محمودہ اس کے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔ مرید کی پہلی منزل یہی ہے کہ جُز کو مضبوط کرے۔ جب تک جُز مضبوط نہ ہوگی دوسرے مقامات بھی درست نہ ہوں گے۔ کیونکہ اَلْبِنَاءُ عَلَى الْفَاسِدِ فَاسِدٌ (خراب بنیاد پر تعمیر بھی خراب ہوگی)۔ بزرگوں کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ دنیا میں جس کا نام زاہد مشہور ہو گیا اُس نے ہزاروں نیک نامیاں پائیں۔ اور جس کے نام کے ساتھ رغبت منسوب ہو گئی اُس نے ہزاروں نا پسندیدہ نام اختیار کر لیے۔ اسی لیے امام نصیر آبادی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ زاہد دنیا میں مسافر ہوتا ہے اور عارف عقیقی میں مسافر ہوتا ہے۔ خواجہ امام محمد بن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ آپ نے کہا زہد کے تین طریقے ہیں۔ ایک حرام چیزوں کا چھوڑ دینا یہ عوام کا زہد ہے۔ دوسرے وہ حلال جو فضولیات میں داخل ہیں ان کا ترک کرنا یہ خواص کا زہد ہے تیسرے اُن چیزوں کا ترک کرنا جو بندے کے دھیان کو خدا سے ہٹا کر دوسری طرف مشغول کرے یہ عارفوں کا زہد ہے۔ اس تقسیم سے شعرا کی نظمیں اور مشائخ کے کلمات مدح و ذم اچھی طرح سمجھ میں آجاتے ہیں۔ اور کوئی غلطی واقع نہیں ہوتی۔ خواجہ فضل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے تمام برائیوں کو ایک خانے میں رکھا جس کی کنجی دنیا کی محبت ہے اور تمام نیکیوں کو اس خانے میں جمع کر دیا جس کی کنجی ترک دنیا ہے۔ یاد رکھو اسے بھائی! جب تک تم حسد سے بھر ہوئے جسم اور اپنی ناپائدار ہستی کے گرد نہ پھرو گے بات نہیں بنے گی۔ کیونکہ رشیم کا کیرا جب اپنے چاروں طرف گھوم کر رشیم کا کو یا بناتا ہے اور سانس بند کر کے اس کے اندر قید ہو جاتا ہے اور حبان کی

بازی لگا دیتا ہے تب کہیں جا کر لشیم پیدا ہوتا ہے ذرا تم بھی تو اپنے نفس کی اندھیری کو ٹھہری سے
 باہر آؤ، امید و خوف کے کعبہ کا طواف کرو اور زہد و ترک جاہ کی منزل میں بیٹھ جاؤ، تاکہ
 کل جب قیامت کے میدان میں معرفت کے انوار لے کر سامنے آؤ تو دوزخ کو بھی برداشت
 کی طاقت نہ ہو اور تم سے فریاد کرنے لگے جَرِّ يَا مُؤْمِنُ فَإِنَّ تَوَدُّكَ إِطْفَاءُ لَهَبٍ اے
 مومن جلدی سے گذر جا، کیونکہ تیرا نور میرے شعلوں کی لپک کو ٹھنڈا کر رہا ہے، یعنی اے
 مومن سلامتی کے ساتھ آگے بڑھ جا۔ مجھے خوف ہے کہ تیرے ایمان کی روشنی میری ہستی کو نہ مٹا دے
 اور مجھ میں ذرہ برابر بھی سوزش باقی نہ رہ جائے۔ بھائی، تم اپنے گناہوں کو کیا دیکھتے ہو، اور
 اس آب و خاک کی کمتری و حقارت پر کیوں نظر ڈالتے ہو؟ دیکھنے کی چیز تو یہ ہے کہ وہ خود بدولت
 تمہارے ساتھ ہے۔ تم لاکھ چاہو کہ تم سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو مگر یہ بات تمہارے بس کی نہیں کیونکہ تم
 ہی وہ مخلوق ہو کہ گناہ کرو۔ اور وہ ہی ذات ہے جو بخشش کرے۔ جس میں جو صفت ہوتی ہے وہی
 ظاہر ہوتی ہے۔ دیکھو خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے بندے اگر تیرا پیشہ مصیبت کرنا ہے تو میری
 صفت بخشش اور مغفرت ہے جب تو اپنا کام نہیں چھوڑتا میں اپنی صفت سے کیونکہ باز آجاؤں۔
 نَبِيُّ عِبَادِي اِنِّیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (میرے بندوں کو پیغام پہنچا دو کہ میں بخشش اور رحمت
 کرنے والا ہوں)۔ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ اگر تو گناہوں میں آلودہ ہے تو میرا ہے اور اگر مطیع
 و فرمانبردار ہے تو میں تیرا ہوں۔ اور جانتے ہو کہ گناہ کے وقت جو تم کو جاہل کہا گیا اس کے کیا
 معنی ہیں؟ یہ کہ تم کو جاہل بنا کر تمہاری بخشش کرے جیسا کہ آدم علیہ السلام کو کہا اِنَّهُ كَانَ
 ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔ (وہ برا ظالم اور جاہل تھا) اور یہ جو شہادت کے وقت تم کو عالم کہا جانتے ہو
 کیوں؟ اس لیے کہ تم کو قبول کرے۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنْتَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰئِكَةُ وَاُولُو الْعِلْمِ
 (اللہ اُس کے فرشتوں اور علم والوں نے گواہی دی کہ اُس کے سوا اور کوئی معبود نہیں)۔
 اور طاعت و عبادت کے وقت جو ضعیف کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ عاجز و مجبور سمجھ کر
 تمہارے قصور معاف کر دے۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ضَعِيْفًا (انسان بہت کمزور پیدا
 کیا گیا ہے)۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چھتر واں مکتوب

میرے بھائی شمس الدین، اللہ تعالیٰ تم کو سلامت رکھے، سنو، نیک بختی اور بد بختی اللہ تعالیٰ نے دو خزانے بنائے ہیں۔ ایک کی کنی بندگی ہے اور دوسرے کی معصیت جس کو ازل میں خوش نصیب بنایا ہے کہ اَلْشَّعِیْدُ مَنْ سَعَدَ فِیْ بَطْنِ اُمِّہ (جو نیک بخت ہے وہ ماں کے پیٹ ہی میں نیک بخت ہو چکا) نیک بختی کے خزانے کی کنی جو طاعت ہے اُس کے ہاتھ میں دے دی۔ اور وہ جس کو ازل میں شقی و بد بخت بنایا ہے کہ اَلشَّقِیُّ مَنْ شَقِیْ فِیْ بَطْنِ اُمِّہ (بد نصیب وہ ہے جو ماں کے پیٹ ہی میں بد بخت بنا دیا گیا ہے) شقاوت کی کنی جو معصیت ہے اُس کے سپرد کر دی۔ آج ہر شخص کو اپنے ہاتھ پر نظر کرنا چاہیے کہ کون سی کنی اس کے ہاتھ میں ہے۔ اسی کو حکم اور سنت الہی کا جاری ہونا کہتے ہیں کہ سعید و شقی آج پیدا و ظاہر ہے لیکن علمائے آخرت کی نگاہیں پہلے ہی ان کو دیکھ چکی ہیں برخلاف علمائے دنیا کے کہ وہ نہیں دیکھتے جس نے کہا ہے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

دیبا دانیم و برد رازی دانیم
ما عشق حقیقی از مجازی دانیم

(ہم ریشمی شمال اور رازی کی پرانی چادر کو جانتے ہیں ہم عشق مجازی سے عشق حقیقی کو پہچانتے ہیں) بندے کے لیے ساری غرت و دولت و نعمت خدا کی طاعت و بندگی میں ہے اور تمام عذاب و لذت و نقصان گناہ گاری میں ہے۔ اغا و اکرام و قربت الہی طاعت میں اور دوزخ کے تمام عذاب معصیت میں ہیں جس کسی کو پھپھاڑا ہے معصیت کی راہ سے پھپھاڑا ہے اور جس کو سراہا ہے طاعت کی راہ سے سراہا ہے۔ مقام قدس کے اس معتکف کو جس نے سات لاکھ برس تسبیح و تقدیس میں گزارے تھے صرف ایک سجدہ نہ کرنے پر ایسا گرایا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔ اور سبک اصحاب کہف کو جو ناپاک اور نجس تھا، صد لہجوں کے ساتھ چند قدم چلنے پر ایسا اٹھایا کہ پھر بھی نہ گر سکا۔ یہ کید ہے: اِنَّكَ لَقَدْ يُرَالِعِزِزُ الْعِلْمِ (یہ خداوند بزرگ و دانایا کی قدرت ہے)۔

قوسے بہ فلک سید قوسے بہ خاک
فریاد ز ہتھ دید تو با مشتے خاک

(ایک قوم اتنی بلند ہوئی کہ آسمان تک پہنچی اور دوسری تعزذلت میں گری۔ اس مشت خاک کے ساتھ

جو تیری کار فرمائی ہے ہم تجھ ہی سے اس کی فریاد کرتے ہیں۔ سبحان اللہ! اس سے زیادہ حیرت انگیز بات اور کیا ہوگی کہ تمام عالموں کا علم آوندہ گیا اور کسی کو اس بات کا بھید نہ ملا اور تمام عقل والوں کی عقلیں جاتی رہیں اور کسی کو اس راز سے آگاہی نہ ہوئی۔ اس کی رُوح پر خدا کی رحمت کا نزول ہو جس نے یہ کہا ہے ۵

عشقم کہ درد و کون مکالم پدید نیست
غنائے مغربم کہ نشا تم پدید نیست
ز بار و غم زہر دو جہاں صید کردہ ام
منگر بدین کہ تیر و کما تم پدید نیست
گویم بہر زبان و بہر گوش لشنوم
دین طرفہ ترک گوش و زبانم پدید نیست
چون ہر چہ هست ہمہ عالم ہمیں منم
مانند درد و عالم از انم پدید نیست

(میں وہ عشق ہوں کہ دونوں جہاں میں کہیں میرا مکان ظاہر نہیں ہے۔ میں وہ غنائے مغرب ہوں کہ کہیں بھی میرا نشان ظاہر نہیں ہوتا۔ میں اپنے عشوہ دناز سے دونوں عالم کو شکار کرتا ہوں۔ یہ مت دیکھو کہ میرے تیر و کما تم کہیں نظر نہیں آتے۔ میں آفتاب کی طرح ہر ذرے کے آئینے میں ظاہر ہوں مگر جلوے کی بے حد تابناکی سے میرا ظہور بھی کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ میں ہر زبان سے بولتا ہوں اور ہر کان سے سنتا ہوں اور راز کی بات یہ ہے کہ میری زبان میرے کان کسی کو دکھائی نہیں دیتے۔ جو کچھ بھی سارا جہاں میں نظر آتا ہے وہ میں ہی میں ہوں۔ دونوں جہاں میں میری طرح اور کوئی ظاہر نہیں ہے) عجب راز اور مشکل بھید ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو کہا گھوٹ نہ کھاؤ اور حکم کیا جا چکا تھا کہ کھاؤ شیطان کو کہا سجدہ کر اور حکم ہو چکا تھا کہ نہ کرے۔ پورب والوں کو کچھم اور کچھیم والوں کو پورب میں ڈال دیا۔ جہاں کہیں پہنچے یہی سنا کہ تم کو بغیر طلب کے چارہ نہیں ہے۔ لیکن پالینے کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔ اے بھائی، عالم الوہیت کا کوئی راز پہلے ظاہر نہیں کیا گیا۔ لیکن منتظرانِ راہِ او اور مقیمانِ درگاہِ یوں اُسٹھے لَا عَلِمَ لَنَا ہم کچھ نہیں جانتے۔ پھر یہ بے چارہ آب و گل کیا کہے۔ سب کے قدم رُک گئے اور عقلیں حیران رہ گئیں اور سارے وہم کٹ کر رہ گئے۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہ بتایا۔ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (ہم وہ جانتے ہیں جو تم نہیں جانتے)۔ اور فرمایا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری نبوت پاک، تمہارا عہد متبرک، تمہاری حشمت بزرگ برتر اور تمہارا خطاب کریم ہے۔ لیکن ہم وہی خداوند کریم ہیں کہ جو چاہیں کریں۔ مدتیں گزر گئیں کہ ہم نے زبانوں پر مہر لگا دیا۔

اور کہہ دیا لَا يُسْئَلُ عَمَّا يُفْعَلُ (جو کچھ وہ کرتا ہے اس کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا جاسکتا)۔ اُس کی درگاہ عظمت و جلال سمجھوں کے ایمان و طاعت سے پاک بے نیاز ہے اور اُس کا عالی دربار سمجھوں کے کفر و معصیت سے بے پروا ہے۔ وہاں طاعت و معصیت دونوں برابر ہیں۔ خواہ سنائی رحمتہ اللہ علیہ الغفران نے کہا ہے

بے نیاز لیش را چہ کفر و چہ دین
بے زبانیش را چہ شک و چہ یقین
گرگ و یوسف زنت خور و دوزخ
ورنہ از او یکے بہت یوسف و گرگ

اُس کی بے نیازی کے سامنے کیا کفر ہے اور کیا دین۔ اس کی خاموشی کے آگے کیا شک ہے اور کیا یقین۔ یوسف اور بھیڑیا تمھارے نزدیک کمتر اور برتر ہیں۔ ورنہ اُس کے نزدیک یوسف اور بھیڑیا دونوں برابر ہیں۔ علم کو اطاعت کا رہنما بنایا اور جہالت کو معصیت کی بنیاد قرار دی ایمان و طاعت علم سے پیدا ہوئے اور کفر و معصیت جہالت سے۔ پس جس طرح علم سے کفر اور معصیت ممکن نہیں اسی طرح جہالت سے ایمان و طاعت محال ہے۔ مقصد یہ کہ طاعت و بندگی سعادت کی کنجی اور معصیت شقاوت کی کنجی ہے۔ اس لیے پھوٹی سے پھوٹی طاعت کو بھی نہ پھوڑنا چاہیے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ رضاے خداوندی اسی میں ہو۔ اور پھوڑنے سے پھوڑا گناہ بھی نہ کرنا چاہیے ہو سکتا ہے کہ قبر الہی اسی میں ہو۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ تین چیزیں تین چیزوں میں پوشیدہ ہیں۔ ایک رضاے خداوندی طاعت میں، دوسرے قہر و غضب معصیت میں، تیسرے ولایت مومنوں میں۔ پس جس مومن کو دیکھو اپنے سے اچھا سمجھو اور یہ گمان کرو کہ یہ دوستوں میں سے ہے ممکن ہے ولایت ہیں ہو۔ بندگی کے ہی گروہیں۔ مگر دوزخ ازل جس کو جو لباس پہنا دیا گیا ہے ناممکن ہے کہ اس کے بدن سے کوئی اتار سکے۔ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ (خدا کا کلام بدل نہیں سکتا) ایک قوم نے دن رات ریاضت و مجاہدے میں ساگ اور پتے کھا کر گزارے اَلطَّلَبُ رَدٌّ وَالطَّرِيقُ سَدٌّ (طلب رد کر دی گئی اور راستہ بند کر دیا گیا) اُن کو سنا دیا گیا۔ اور ایک دوسری قوم جو بیت کدے میں مشغول ہو کر لات و غزا کو اپنا معبود بنائے سجدہ کرتی رہی ان کو حضرت رب العزت کی طرف سے برابر یہ بشارت دی گئی اَنَا لَكُمْ شَيْئٌ اَمٌّ اَبَيْتُمْ وَاَنْتُمْ لِي شَيْئٌ اَمٌّ اَبَيْتُمْ (ہم تمھارے لیے ہیں تم چاہو یا نہ چاہو۔ اور تم ہمارے لیے ہو، تم چاہو یا نہ چاہو)۔ لے بھائی! اگر گناہ ہی گناہ ہے

اور طاعت نہیں ہے تو وہاں عفو و مغفرت سامنے کھڑی ہے۔ جب فرشتوں نے کہا ہے تَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا (کیا تو انھیں اپنا خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد برپا کریں گے) تو خداوند ذوالجلال نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ فساد نہ کریں گے۔ بلکہ کہا تو یہ کہا اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (ہم وہ سب کچھ جانتے ہیں جو تم نہیں جانتے)۔ اگر وہ نالائق ہیں تو ہم انھیں لائق بنادیں گے۔ اگر دُور ہیں تو قریب بلا دیں گے۔ اگر ذلیل ہیں تو عزیز کر دیں گے۔ تمھاری نظر اُن کے شر و فساد پر پڑتی ہے تو ہم اُن کے دلوں کو دیکھتے ہیں۔ اگر تم کو اپنی پاک دامنی پر غرہ ہے تو انھیں ہماری رحمت پر ناز ہے۔ تمھیں اپنی عصمت سے کیا خوشی حاصل ہوگی اگر ہم قبول نہ کریں۔ اور انھیں اپنی معصیت سے کیا نقصان ہوگا جبکہ ہماری بخشش و رحمت اُن کی پشت پناہ ہے۔ اور یہ باتیں تو ہم ہی جان سکتے ہیں، تم نہیں جانتے۔ وہ لطف ازل کے نواز سے ہوئے ہیں اور کیفیت ابد سے سرشار ہیں۔ اور یہ وقتی نقصان جو ازل اور ابد کے درمیان واقع ہوا کوئی مزاحمت نہیں کرتا۔ جانتے ہو کہ معصیت کیا ہے؟ تمھارے خوبصورت چہرے کا تل ہے تاکہ نگاہ بد بیناں اسی تل پر پڑے اور تمھارے حسن رخسار کو نظر نہ لگے۔ پس یقین جانو کہ ہم لوگ اُس کے لطف و کرم کے نواز سے اور سر فراز کیے ہوئے ہیں۔ ہم بے نظیر مخلوق ہیں اور وہ بے مثال خالق۔ ہمارے لیے تو مثل و نظیر ہونا جائز بھی ہے لیکن اُس کے لیے نہ مثل ممکن ہے نہ نظیر۔ وہ اُس کی قدرت کے اعتبار سے ہے اور یہ اُس کی محبت کے اعتبار سے۔ یعنی وہ اپنی قدرت سے ہماری جیسی ہزار مخلوق پیدا کر سکتا ہے لیکن محبت و غیرت کے لحاظ سے پیدا نہیں کی۔ پس یہ بات قدرت میں جائز ہے لیکن غیرت و محبت میں جائز نہیں ہے۔ ایک شخص کے ایک لڑکا تھا جو بے حد پیارا تھا۔ اس سے لوگوں نے پوچھا کہ تم اپنے لڑکے کو کتنا چاہتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے اس کی اتنی محبت ہے کہ اس کو دیکھتے ہوئے میں کبھی یہ تمنا نہیں کرتا کہ اب کوئی اور لڑکا میرے یہاں پیدا ہو۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا اُس کی محبت میں شریک ہو جائے اور محبت تقسیم ہو جائے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم مستزاد مکتوب

اسرار قضا و قدر کے بیان میں

اے بھائی شمس الدین! استو! اصحاب صدق یَسْأَلُ الصَّادِقِينَ عَنْ بَدَقِهِمْ
(صدیقوں سے ان کے صدق کے بارے میں پوچھا جائے گا) کے خوف سے لرزاں ہیں۔ اور
اہل طاعت وَالْمُخْلِصُونَ عَلَى خَطَرٍ عَظِيمٍ (اور مخلصین بڑے خطرے میں ہیں) کے تیرے زخمی
عابد و زاہد اور عارف و عالم اس کی تیغ بے نیازی کی ہیبت سے سرگردان و پریشان ہیں۔
إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (بیشک اللہ دونوں جہان سے بے پروا ہے)۔

این کار ازان فتاد مشکل معشوق غنی و ماگدایم

(یہ کام اور بھی سخت مشکل اس لیے ہو گیا ہے کہ معشوق بے نیاز اور ہم مفلس اور فقیر ہیں)۔
بھائی تم اور ہم دوزخ کے ایندھن اور فرعون و نمرود کے ساتھ ایک ہی زنجیر میں جکڑے ہوئے
ہیں۔ بزرگوں کا کہنا ہے کہ غفلت دلوں پر وہ کام کرتی ہے کہ دوزخ بھی کافروں کے ساتھ
نہیں کرتی۔ اے بھائی، دنیا قرار و آرام کی جگہ نہیں تاب گل کی ایک موڑتی بنا کر مشیت کے
سامنے اندوہ و بلا کے میدان میں ڈال دی گئی ہے۔ اگر اس نے پیٹ بھر کر کھایا تو مست ہے
بھوکا رہا تو دیوانہ، سو رہا تو مُردار ہے اور جاگتا ہے تو حیران۔ عاجزی اور ناتوانی اس کی صفت
لازم بن گئی ہے۔ اگر معرفت کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو جواب ملتا ہے وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ
(انھوں نے اللہ تعالیٰ کا حق قدر ادا نہیں کیا)۔ اگر عبادت میں مشغول ہو رہا ہے تو کہا جاتا ہے وَمَا
أَمْرُو إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ (اس کے سوا ان کو اور کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ خدا کی بندگی کرو
تو نہایت اخلاص کے ساتھ) اور اگر ان دونوں کو چھوڑ کر کنارے بیٹھ جاتا ہے تو کہتے ہیں وَمَا خَلَقْتُ
الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (ہم نے جنات اور انسان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ ہماری
عبادت کریں)۔ اگر غافل ہو کر سیڑھیں رہتا ہے تو ڈراتے ہیں إِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ (جان لو کہ
معاذ پروردگار کی پکڑ بہت سخت ہے)۔ اور اگر کسی کو شفیع بناتا ہے تو فرماتے ہیں لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا

مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا (کوئی بول نہیں سکتا مگر وہ جس کو خدا نے حکم دیا، اور اس نے ٹھیک بات کہی)۔ اور اگر اپنی یا غیر کی طرف نظر کی تو کہتے ہیں لَيْتُنْ اَشْرُكُنْ لِيَحْبُطَنَّ عَمَلُكَ (اگر تو نے کسی کو شریک گردانا تو تیرے اعمال سوخت کر دیے جائیں گے)۔ اور اگر چاہے کہ اپنے دل ہی میں کوئی سودا کرے، تو کہا جاتا ہے وَارِثٌ عَلَيْكُمْ لِحَافِظِيْنِ (البتہ تمھارے اوپر ہر وقت محافظ مقرر ہیں)۔ اگر چاہے کہ دل ہی دل میں کوئی منصوبہ باندھے تو کہا جاتا ہے يَعْلَمُ السِّرُّ الْخَفِي (وہ دلوں کے چھپے ہوئے رازوں کو جانتا ہے)۔ اور اگر بھاگ کر کسی گوشے میں چھپ جاتا ہے تو کہا جاتا ہے اَيْنَ الْمَفْرُ (کہیں فرار کی جگہ بھی ہے)۔ اور اگر بھاگ جاتا ہے تو بلا کر کہتے ہیں وَارِثِيهِ الْمَصِيْرُ (اور اسی طرف سب کی بازگشت ہے)۔ اور اگر سب کو چھوڑ کر بے کار بیٹھ جاتا ہے تو کہا جاتا ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فَاِنَّا لَنَنْفَعُهُمْ سُبُلَنَا (جہنوں نے ہمارے لیے جدوجہد کی ہم انھیں اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں) اور اگر کوشش و محنت کرتا ہے تو کہتے ہیں يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَاءُ (وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے چھانٹ لیتا ہے)۔ اور اگر کوئی ناامید ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو)۔ اور اگر پر امید ہو کر بے خوف ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ (کیا وہ لوگ اللہ کی تدبیر (چال) سے محفوظ ہیں)۔ اور اگر فریاد کرتا ہے تو کہتے ہیں لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ (یہ نہیں پوچھا جاسکتا کہ ایسا کیوں کیا)۔ رباعی

آرند یکے ددیگرے بر بایند بر پیچ کس این راز ہی نہ کشایند

ما راز قضا جز این قدر نہ نمایند پیما نہ توئی بادہ بتو پیما بند

(ایک کو مقبول کرتے ہیں اور دوسرے کو مردود بنا دیتے ہیں اور کسی پر اس کا راز ظاہر نہیں کرتے۔ قضا و قدر کی طرف سے ہیں اس کے سوا اور کچھ نہیں بتایا جاتا کہ تو ہی پیما نہ اور تجھی سے اپنی معرفت کی شراب کو ناپتے ہیں)۔ عارفوں کا قول ہے دَخَلْنَا الدُّنْيَا فِيْهَا مُضْطَرِبِيْنَ وَبَقِيْنَا فِيْهَا مُتَخَيِّرِيْنَ وَخَوَجْنَا مِنْهَا كَارْهِيْنَ (ہم بے قراری کی حالت میں دنیا میں داخل ہوئے۔ یہاں حیرانی کے ساتھ زندگی گزاری اور کراہت کے ساتھ یہاں سے چلے گئے) حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک رات آرام فرما کر بیدار ہوئے تو آپ نے شرہ ہوئے مبارک

سفید ہو گئے تھے۔ اصحاب نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا کیوں ہوا؟ آپ نے فرمایا۔ رات سورہ ہود نازل ہوئی ہے اور یہ اس خطاب کی وجہ سے ہے کہ فرمایا **فَاَسْتَفْتِمُ كَمَا اُمِرْتُ** (جو کچھ کہا گیا ہے اُس پر قائم ہو جاؤ)۔ اے بھائی! راہ خطرناک، منزل بہت دور، محبوب و مطلوب کے مقام کی کوئی حد و نہایت نہیں، انسان کا جسم کمزور، دل بے سہارا، جان عاشق اور سر شوریدہ و مشتاق۔ کیا کرے؟

جز جان دگر نیست شکارِ خور تو زانت کہ ہر سرے ندارد دہر تو

(جان دگر کے سوا اور کوئی شکار تیرے لائق نہیں ہے کہ ہر کسی کا دماغ تیرے سودا کا متحمل نہیں ہو سکتا)۔ کتنی طاعتوں کے انبار کو جاں کنی کے وقت **وَقَدْ مَنَّا اِلٰی مَا عَمِلُوْا** (اُن کے اعمال کی خراہم نے پہلے ہی دے دی ہے)، کی یاد بے نیازی کے جھوکوں اڑا کر برباد کر دیا اور کتنے آباد سینوں کو سکرابت موت کے وقت **وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُونُوْا يَحْتَسِبُوْنَ** (انہیں خدا کی طرف سے وہ کچھ ظاہر ہوا جس کا انہیں گمان تک نہ تھا) سے خراب و ویران کر کے رکھ دیا۔ کتنوں کے چہرے قبر میں قبیلے کی طرف سے پھیر دیے۔ اور کتنے آشناؤں کو پہلی ہی رات میں بیگانہ بنا دیا۔ ایک کو **كَمَا نُنْمُ كُنُوْا مَعِ الْعُرُوْا** (دُہن کی طرح میٹھی نیند سو جا)۔ دوسرے سے **كَمَا نُنْمُ كُنُوْا مَعِ الْمُنْخَبُوْثِ** (منخوس کی طرح سو جا)۔ ایک راندہ درگاہ آتا ہے جو کسی طاعت سے بھی مقبول بارگاہ نہیں ہو سکتا۔

مَنْ لَمْ يَكُنْ لِوَصَالٍ اَهْلًا فَكُلُّ احْسَانٍ ذُنُوْبٌ

(جو شخص وصال کی اہلیت نہیں رکھتا اُس کے کل احسان گناہ ہی گناہ ہیں)۔ اور ایک مقبول بارگاہ ایسا آتا ہے جو کسی معصیت سے نہیں ڈرتا۔

فِيْ وُجُوْهِ شَافِعٍ يَمْحُوْا اَسَاۗءَهُ مِنْ الْقُلُوْبِ وَيَاۡتِيْ بِالْمَعٰذِيْرِ

(اُس کے چہرے میں ایک شفاعت کرنے والی چیز ہے جو اُس کی برائیوں کو دلوں سے مٹا دیتی ہے۔ اور وہ عذر و معذرت کرتا ہوا آتا ہے)۔ آذر کے صحنہ لے کر ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو دیکھو **وَيَخْرُجُ الْحَيِّ مِنَ الْمَيِّتِ** (مردے سے زندہ پیدا کرتا ہے) پڑھو۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کے گھات سے کنعان پر نظر ڈالو **وَيَخْرُجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ** (اور زندے سے مردہ پیدا کرتا ہے)۔

اس کو جانو اور سمجھو۔ حضرت آدمؑ کی ثابت قدمی دیکھو کہ لغزش کا نقصان بھول نہ سکے اور شیطان کی محویت دیکھو کہ طاعت کا ثبوت کوئی فائدہ نہ پہنچا سکا۔ چنانچہ جو لوگ بلائے گئے ہیں ان کے لیے لَہُمُ الْبُشْرَى (ان کو بشارت ہے) کا ثرہ ساتھ ساتھ ہے۔ اور جو راندے گئے ان کی راہ میں لَا بُشْرَى يَوْمَئِذٍ لِلْمُجْرِمِينَ (آج مجرموں کو کوئی بشارت نہیں ہے) کا خطاب ہے۔ جس طرح سَيِّمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ (ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان ہیں) کا بیان ہے۔ اسی طرح يُعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ سَيِّمَاهُمْ (گنہگار اپنی پیشانیوں سے پہچانے جائیں گے) دبا دی

غافل منشیں ز خویش چون بے خبر
حاصل کن ازین جہان فانی ہنرے
خود بنشیند غبار و شک بر خیزد
کاسپ بہت بریر رانت یا لاشہ خیزد

(بے خبروں اور نادانوں کی طرح غافل مت بیٹھ۔ اس مٹ جانے والی دنیا سے کوئی ہنر حاصل کر۔ گرد و غبار خود ہی بیٹھ جائے گا اور شک و شبہ باقی نہ رہے گا کہ جس سواری پر تو سوار ہے وہ گھوڑا ہے یا مردار گدھا)۔ تم سے جہاں تک ہو سکے شکستہ دل اور خراب حال رہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے گفتگو کرتے وقت کہا یَا رَبِّ اِنَّ اَطْلُبُكَ قَالَ عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوبُهُمْ (اچھی دے پروردگار! میں تجھے کہاں ڈھونڈوں؟ جواب ملا اُس دل میں جو میری قضا کی چوٹ سے ٹوٹا ہوا ہے)۔ آپ نے کہا، خداوند مجھ سے زیادہ شکستہ دل اور ناامید کوئی اور نہ ہوگا۔ ارشاد ہوا میں بھی وہیں ہوں جہاں تو ہے۔ آدمی کے ہاتھ میں جب تک ڈھال ہوتی ہے وہ اپنی زندگی سے ہاتھ نہیں دھوتا۔ جب سپر ہینک دی، گھوڑے کی کوپیں کاٹ ڈالیں اور تلوار کھینچ کر زمین پر اتر آیا۔ البتہ اُس وقت کہا جاسکتا ہے کہ یہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ ایک بزرگ کہتے ہیں میں ایک فقیر کی عیادت کو گیا اور کہا لَيْسَ بِصَادِقٍ فِي حُبِّهِ مَنْ لَّمْ يَصْبِرْ عَلَى صَوْبِهِ (جو کوئی معشوق کی محبت میں اُس کے جور و جفا پر صبر نہیں کرتا وہ محبت میں سچا نہیں ہے)۔ اُس نے سر اٹھا کر کہا لَيْسَ بِصَادِقٍ فِي حُبِّهِ مَنْ لَّمْ يَتَلَذَّذْ بِصَوْبِهِ (جو کوئی معشوق کے جور و جفا میں لذت نہ پائے، وہ محبت میں سچا نہیں ہے)۔ عراق کے مشائخوں نے کہا ہے: وہ شخص معرفت کی سرحد میں قدم نہیں رکھ سکتا جس کے نزدیک منع و عطا (دینا اور نہ دینا) برابر نہ ہو جائے۔

جب حضرت امام شبلی نے یہ سنا تو فرمایا یہ غلط ہے۔ آدمی اُس وقت عارف ہوتا ہے جب اُس کے نزدیک منع کو عطا پر فوقیت حاصل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ 'منع' خصوصیت کے ساتھ مراد حق ہے، اور بخشش و عطا بندے کی مراد سے تعلق رکھتی ہے۔ اور حقیقت عارف وہی ہے جو اپنی مرادیں اللہ کی مراد پر قربان کر دے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم اٹھتر واں مکتوب

خوف اور رجا کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین، اللہ تمہیں سلامت رکھے۔ سلام اور دعا کے بعد معلوم ہو کہ مرید کیلئے خوف اور امید ایسا ہی ضروری ہے جیسا پھلوں کے لیے سایہ اور دھوپ۔ اگر ہمیشہ سایہ ہی ہوتا تو پھل نہ پکتے اور اگر ہمیشہ دھوپ ہی ہوتی تو وہ جل جاتے۔ جب تک یہ دونوں جمع نہ ہو جائیں باغ جہاں میوہ مقصود سے بار آور نہیں ہوتا۔ اسی طرح مرید کے لیے پیر کی نوازش و لطف کا سایہ اور اس کے آفتابِ قمر کی گرمی، زمانے میں اُس کو پختہ کر دیتی ہے۔ کبھی بغیر سبب کے، نوازش کہتی ہیں کہ یہاں آجا۔ کیونکہ یہاں کتوں کے پاؤں کی گرد سے دوستوں کی آنکھوں کا سرمہ بنایا جاتا ہے اور وَكَلَبُهُمْ بِأَسْطٍ ذَرَأَ عَلَيْهِ بِالنَّوْصِيْدِ (اُن کا کتا جو کھٹ پر پاؤں پھیلانے ہوئے ہے) کی خلعت سے قیامت تک نوازتے ہیں۔ اور کبھی وہ قمر و جلال جو بغیر کسی سبب کے ہوتا ہے ڈانٹ دیتا، اَلْحَذَرُ اَلْحَذَرُ دُور ہو، دُور ہو۔ وہ معلّم الملکوت جو سات لاکھ برس تک متکلف درگاہ رہ چکا تھا اُس کے بدن سے ملکوتی پوشاک اتار پھینکی۔ اور وَارَنَ عَلَیْكَ لَعْنَتِي رَاٰی اَیُّوْمَ الدِّیْنِ (اور تجھ پر قیامت تک میری لعنت ہے) کا داغ اُس کی پیشانی پر لگا دیا۔ حضرت عمرؓ جو ایک بیگانے تھے اُن کو بت خانے سے اُٹھا کر لاتے ہیں اور کہتے ہیں اِنَّا لَكَ شِئْتُ اُمِّ اَبِیْتٍ، وَاَنْتَ بِنِیْ شِئْتُ اُمِّ اَبِیْتٍ (میں تیرے لیے ہوں تو چاہے یا انکار کرے۔ اور تو میرے لیے ہے تو چاہے یا انکار کرے)۔ اور کبھی اُس لمبم باعور کو جو یگانہ روزگار تھا اور اسمِ عظیم کی خلوت رکھتا تھا مسجد سے باہر نکال کر کتوں کے ٹوٹے میں باندھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں فَتَشْلُوْهُ کَمَثَلِ الْکَلْبِ اِنْ تَعْبَدُ عَلَیْهِ یَلْهَثُ اَوْ تَرَکْهُ

یْلَهَتْ (اس کی مثال ایک کتے کی ہے کہ جب اُس پر بوجھ لاداجاتا ہے تو ہانتا ہے اور نہیں لادا جاتا تو بھی ہانتا ہے)۔ کبھی ہزاروں رنج و بلا کی چکیاں مرید کے سینے پر رکھ کر مردود کر دیا کرتے ہیں۔ اور کبھی خلوتِ قدس کے لاکھوں رہنے والوں کو اُن کے استقبال کے لیے بھیجتے اور پُر تپاک خیر مقدم کر کے بلا تے ہیں۔ کبھی پہاڑ برابر نعمتیں بخشے اور کبھی ایک ایک تنکے کا حساب لیتے ہیں کبھی بہشت میں صدارت کی مسند پر بٹھاتے ہیں اور کبھی نکال باہر کرتے ہیں۔ اور در پر پڑے رہنے کی بھی اجازت نہیں دیتے۔ اسی طرح کبھی اُس کو اُس کی حقیقت سے آگاہ کرتے ہیں اور کبھی اُسے اپنے آپ سے بخود اور مدہوش کر دیتے ہیں جب اُس پر اپنی حقیقت کھل جاتی ہے تو پکار اٹھتا ہے "اے خدا! مجھے کتوں ہی کی جگہ کے لیے قبول فرما۔ اور جب اُسے بے خود بناتے ہیں تو وہ اَنَالِحٰی اور سُجَّانِی کی رٹ لگاتا ہے۔ یہ دونوں باتیں ہی ٹھیک ہیں۔ جہاں تک آبِ گل کا تعلق ہے کتے کے سوا اور کیا قدر ہو سکتی ہے۔ اور جہاں وَ لَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوحِيْ (میں نے اُس میں اپنی روح پھونک دی) کا تعلق ہے وہاں اَنَالِحٰی اور سُجَّانِی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہاں علم و عقل اوندھے ہو گئے ہیں اور پیر و مرید حیران و ششدر ہیں۔ اس جگہ فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ (جو ارادہ کرتا ہے وہی کرتا ہے)۔ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُحْكُمُ مَا يُرِيدُ (اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے اسی کا حکم دیتا ہے) کا عمل اور دور دورہ ہے۔ یہاں گرانا اٹھانا، راندنا بلانا، کبھی نوازش و کرم اور کبھی خشم اور بے رخی تم جلنے ہو کیا ہے؟ ملکِ مال کی بلاؤں کو اکھاڑ پھینکنا ہے اور شرابِ لطف پلا کر مست کر دینا ہے اور زمانے کی گردش میں سختیاں پھیل کر پختہ کرنا ہے۔ جیسا کہ وہ پھل، اگر رجا ہی رجا ہوگی تو سستی اور کاہلی کے سبب خام رہ جائے گا اور اگر سرتاپا خوفِ غیبی ہوگا تو ناامیدی کی بھٹی میں جل کر راکھ ہو جائے گا۔ اس لیے ضرورت ہے کہ خوف ورجا برابر قوام کر کے معجون بنایا جائے تاکہ مرید کی بیماری کا علاج ہو سکے۔ کہا جاتا ہے کہ مرید کے لیے خوف ورجا پرندوں کے دو شہپر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر دونوں پر برابر ہیں تو سیدھا اڑے گا اور اگر ایک کم اور ایک زیادہ ہوگا تو ٹیڑھا اڑے گا۔ اور اگر صرف ایک ہی پر ہوگا اور دوسرا نہ ہوگا تو یقیناً وہ پرندہ مرجائے گا۔ مشائخ کی کتابوں میں ہے کہ رجا اتنی ہونی چاہیے کہ اگر دنیا بھر کے گناہ اور نافرمانی تنہا ایک شخص میں ہوں اور وہ یہ آواز سنے کہ "بہشت میں ایک شخص کے سوا دوسرا نہ جائے گا" تو وہ یقین کر لے کہ وہ میں ہی ہوں۔ اور خوف بھی

اتنا ہو کہ اگر سارے جہان والوں کی طاعت و عبادت کسی ایک شخص میں ہو اور وہ یہ آواز سنے کہ "دوزخ میں بجز ایک آدمی کے دوسرا نہ جائے گا" تو وہ یقین کر لے کہ وہ آدمی میں ہی ہوں۔ مگر مرید کے لیے رجا پر خوف کا غلبہ زیادہ اچھا ہے۔ سالکانِ طریقت پر خوف اتنا طاری رہا ہے کہ اگر کوئی صاحبِ نظر دیکھتا تو کہتا کہ یہ تو رحمتِ حق سے بالکل ناامید ہو چکے ہیں ہم تو یہی جانتے ہیں کہ مریدوں میں یہ باتیں جتنی دیر میں اپنے مجاہدہ و خلوتِ نشینی سے حاصل ہوتی ہیں اس سے کہیں زیادہ جلد اس گروہ کی خدمت سے میسر ہو جاتی ہیں۔ اصحابِ کھف کی کہانی ہر عقلمند کے لیے اس پر گواہ ہے۔ وہ محض ایک کتا تھا جو مردانِ حق کی خدمت میں رہ کر چند قدم چلا انسانی شرف نصیب ہوا۔

سب اصحابِ کھف روزے چند پئے نیکان گرفت مردم شد

اصحابِ کھف کا کتا چند روز نیکوں کی صحبت میں رہا آدمی بن گیا۔ بعض صحابہؓ میں سے شروع شروع بتوں کے سجدہ کے لیے جھکے اور زنا باندھ کر غفلت و بیگانگی میں عمر کا حصہ بسر کیا اور یکایک انھیں حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی دولت مل گئی چند دن اس آستانے پر جہہ سائی کا شرف حاصل ہوا، پھر کیا تھا مرید سے مراد اور بیگانہ سے یگانہ بن گئے ہر ایک خلیفہ اسلام اور مقتداے دین بن گیا۔ یہ تو اس دنیا کا حال ہے جب کل آئے گا تو ان میں سے ہر ایک کا چمکتا ہوا چہرہ سورج اور چاند کی طرح تم چمکتا ہوا دیکھو گے۔ نقل ہے کہ جب اہل بہشت جنت میں داخل ہو چکیں گے اور جو رقص و قصور کے ساتھ شرابِ طور کا جشن مناتے ہوں گے اُس وقت اچانک ایک بجلی کی کوند نظر آئے گی جس کی چمک دیکھ کر جملہ ساکنانِ خلد بریں سجدے میں گر جائیں گے اور پکار اٹھیں گے اَلْجَبَّارُ اَطْلَع عَلَيْنَا (ہم پر خداوند تعالیٰ نے تجلی فرمائی ہے)۔ کہا جائے گا افسوس اسے نادانِ قنوی! ایسا نہیں ہے بلکہ حضرت امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی ابھی ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں تشریف لے گئے ہیں۔ یہ چمک آپ کی چادر کے ایک کونے کی تھی۔ اسی سے سمجھ لو کہ اس گروہ کی صحبت اور خدمت کیا چیز ہے۔

کہ زود از مقبلان مقبل شود مرد

شرف خواہی بہ گرد مقبلان گرد

(اگر تو بزرگی چاہتا ہے تو برگزیدہ لوگوں کے آستانے کا چکر کاٹ، کیونکہ بزرگوں کی صحبت سے آدمی جلد برگزیدہ ہو جاتا ہے۔ تم جو کچھ کرو اگرچہ وہ تھوڑا ہی سہی لیکن خلوص دل اور صداقت سے کرو خلوص تو وہ ہے کہ اس راہ میں خلق اللہ کا خیال ہی نہ آئے (کہ لوگ دیکھیں) اور صداقت یہ ہے کہ اپنے آپ کو بھی بھلا دو جب تم اس مقام تک پہنچ گئے، اور یہ خوشخوار بیابان طے کر چکے تو تمہارے ساتھ ریاد عجیب کا کوئی واسطہ اور سروکار نہ رہا۔ جب یہ دونوں حجاب اٹھ گئے تو تمہارے لیے اُس درگاہ مقدس میں کوئی روک ٹوک اور پردہ کہاں۔ مُكَاشَفَةٌ فِي مُكَاشَفَةٍ۔ تُوَدُّ فِي تُوَدٍّ (مکاشفہ میں مکاشفہ اور تود میں تود نظر آئے گا۔ پردہ تو نامحرم کے لیے ہے جب تم محرم ہو گئے تو حجاب اٹھ گیا۔ محرم وہی ہے جس نے اپنی ذات سے بیگانگی کی نجاست اور ناپاکی کو غسل دے کر پاک کیا ہو۔ کیونکہ تمہارا قرب اپنے سے دور ہو جانے میں ہے۔ اور قرب کا ادنیٰ اور معمولی نشان مراقبہ اور محافظت ہے۔ درحقیقت جس راہ رُونے ذرہ بھر بھی اپنے آپ کو کسی محل مرتبہ یا مقام کے لائق سمجھا اور اپنے اوپر نظر ڈالی وہ عالم بعد اور مکر میں ہے نہ کہ قرب میں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ فرشتوں نے بہت خوش ہو کر اپنے اعمال دیکھے اور بول اُٹھے۔ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ (ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں) شہنشاہ فرامین اور حاکم امور عالم ارادہ سے باہر نکلا اور حکم دیا اُسُجُّدُوا لِادَمَ (اس مشیت خاک آدم کو سجدہ کر) تاکہ تمہاری تسبیح کی قدر و قیمت تمہاری آنکھوں سے گر جائے۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اناسیواں مکتوب

روح کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین سنو، روح کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ

اس کو جسم اور دوسرا جوہر کہتا ہے، کوئی عرض، کوئی قدیم، کوئی حادث سمجھتا ہے۔ مذہب ترسا اور بعض فلاسفہ کے یہاں قدیم ہے لیکن سنت والجماعت کا یہ مذہب اور عقیدہ ہے کہ ہم اسے

صرف روح کہیں ماہیت و کیفیت کے متعلق اپنی زبان سے کچھ نہ کہیں۔ حضرت خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اسی لیے فرمایا ہے اَلرُّوحُ شَيْءٌ اسْتَارَهُ اللّٰهُ يَعْلَمُهُ وَلَمْ يَطْلُعْ عَلَيْهِ أَحَدٌ مِنْ خَلْقِهِ وَلَا يَجُوزُ الْعِبَارَةُ عَنْهُ بِأَكْثَرِ مِنْ مَوْجُودٍ لِقَوْلِهِ تَعَالَى لَيْسَلُوكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّهِ۔ (روح ایک ایسی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں چھپا لیا ہے اور مخلوق میں سے کوئی بھی اس کی حقیقت سے خبردار نہیں اور موجودات میں سے کسی چیز سے اس کی تعبیر کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ خدا خود فرماتا ہے ”لوگ روح کے بارے میں تم سے سوال کرتے ہیں تم کہہ دو کہ روح امر رب ہے“) مذہب یہی کہتا ہے جو خواجہ علیہ الرحمہ نے کہا ہے۔ ائمہ اور فقہاء کا اعتقاد بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کی ہستی کی خبریوں دی ہے کہ یَسْأَلُوكَ عَنِ الرُّوحِ (لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں) تو یہ کہہ کر اس کی قدامت کی نفی کر دی کہ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّهِ (تو فرمادیں کہ روح اپنے رب کا ایک امر ہے) کیونکہ امر کے تحت سوائے مخلوق اور محدث کے اور کوئی نہیں آتا۔ تو خدا نے جو فرمادیا ہے ہم اسی کا اقرار کرتے ہیں۔ اور یہ نہیں کہتے کہ وہ کیا ہے، کہاں ہے؟ کیونکہ خدا نے ہمیں اس کی کیفیت اور ماہیت سے مطلع نہیں کیا۔ بزرگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ خداوند تعالیٰ نے جملہ مخلوقات میں سے ایک مخلوق کو جس کو روح کہا جاتا ہے ہم پر ظاہر نہیں کیا کہ وہ کیا ہے؟ کہاں ہے؟ یہاں تک کہ خلق اُس کی شناخت سے عاجز ہو گئی۔ یہ اس لیے کہ مبہنوع کو صانع کے بتلائے بغیر ہم نہیں جان سکتے، تو صانع کو جب تک خود صانع نہ بتائے ہم کیونکر جان سکتے اور پہچان سکتے ہیں۔ قطعہ

بشنوایی خطاب را ساختہ شو جواب را ذرہ مرآفتاب را گشتہ عظیم آیتے
جملہ ملوک راہ دین جملہ ملائک امین سجدہ کنان کے لئے صنم ہر خدائے رحمتے

ایہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ یہ خطاب سن اور جواب کے لیے تیار ہو جا۔ ذرہ آفتاب کے لیے ایک بہت بڑی نشانی ہے۔ دین کے راستے کے سلاطین و پیشوا اور تمام مقتدر فرشتے سجدہ کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اے صنم خدا کے لیے ہمارے اوپر رحمت فرما۔ دوسرے بزرگ کہتے ہیں کہ

زہے صنع نہان و آشکارا کہ کس را جز خموشی نیست چارا

(تیرا بدن روح سے زندہ اور متحرک ہے لیکن تو خود جان نہیں ہو جاتا۔ جان ہی سے تو زندہ اور چل پھر رہا ہے لیکن تو جان کو نہیں جانتا۔ سبحان اللہ! یہ پوشیدہ اور ظاہر صنعتیں کہ خموشی کے سوا کسی کو کوئی چارہ نہیں۔) وَ سَأَلُ أَبُوبَكْرٍ الْقَحْطَنِي رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ عَنِ الرُّوحِ فَقَالَ لَمْ يَدْخُلْ تَحْتَ ذَلِكُنْ (ابو بکر قحطی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ روح کیا ہے؟ آپ نے کہا کہ رُتْ کُنْ کے ماتحت نہیں پیدا ہوئی۔ تو کہتے والے کے نزدیک اس کا یہ مقصد ہوا کہ روح کچھ نہیں ہے مگر زندہ کرنا اور جان ڈالنا یعنی خداوند غر و جل نے جسم کو زندہ کر دیا وہ زندہ ہو گیا۔ وَالْأَحْيَاءُ صِفَةُ الْحَيِّ (زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے) وَالْمَخْلُوقُ صِفَةُ الْخَائِقِ (جس طرح پیدا کرنا خالق کی ایک صفت ہے)۔ اور اس کی یہ دلیل دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (روح امر خداوند ہے) امر خدا کا کلام ہے اور خدا کا کلام غیر مخلوق ہے۔ یہ ایسا ہے گویا کہنے والا کہہ رہا ہے کہ بدن جو زندہ ہوا ہے وہ خدا سے غر و جل کے قول سے زندہ ہوا ہے یعنی کُنْ حَيًّا (زندہ ہو جا) وہ زندہ ہو گیا۔ اس کے سوا روح کی بدن میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ لیکن بزرگوں نے کہا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ ایک حقیقت ہے روح جو مخلوق جسم میں پیدا کی گئی ہے۔ مگر یہ جو کہا کہ لَمْ يَدْخُلْ تَحْتَ ذَلِكُنْ (وہ کن کے ماتحت نہیں آئی ہے) یہ اس کی قدامت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اشیاء کی دو قسمیں ہیں۔ محدث یا قدیم۔ محدث (فانی) کن تحت میں داخل ہیں۔ اور قدیم (باقی) کن کے تحت میں نہیں آتیں۔ اس لیے روح کو قدیم کہا۔ کیونکہ موجودات عالم میں جو شے محدث نہیں وہ قدیم ہو گی۔ اور یہ باطل ہے۔ کیونکہ جس رُت سے جسم میں جان آتی ہے وہ جسم کی صفت ہے۔ کیونکہ یہ جائز نہیں کہ کوئی ذات ایسی صفت کے ساتھ موصوف ہو جو اس کے غیر میں پائی جاتی ہو۔ تو درست ہو گیا کہ رُت اس زندہ جسم کی صفت ہے اور جسم محدث ہے تو محال ہے کہ محدث کی صفت قدیم ہو جس طرح ذات قدیم کی صفت محدث محال ہے۔ لیکن یہ جو کہا لَيْسَ إِلَّا الْأَحْيَاءُ وَالْأَحْيَاءُ صِفَةُ الْحَيِّ کا تَخْلِيْقُ صِفَةُ الْخَائِقِ (نہیں ہے مگر زندہ کرنا۔ اور زندہ کرنا زندہ کرنے والے کی صفت ہے جس طرح پیدا کرنا خالق کی صفت ہے)۔

یہ صحیح استدلال نہیں۔ کیونکہ اگر یہ دلیل روح کے ساتھ قائم کی جائے تو کیا وجہ ہے اور صفات پر قائم نہ کی جائے یہاں تک کہ کہیں جو چیز ساکن ہے اپنے سکون سے ساکن نہیں بلکہ مسکن کی تسکین سے ساکن ہے۔ اور متحرک اپنی حرکت سے متحرک نہیں بلکہ محرک کی تحریک سے متحرک ہے۔ اسی طرح خواب و بیداری، تندرستی اور بیماری جو مخلوقات کی صفتیں ہیں اسی پر قیاس کی جائیں گی اور کہتا پڑے گا کہ یہ سب کُن کے تحت میں نہیں ہیں۔ اور یہ درست نہیں تو وہ کبھی درست نہیں۔ اور وہ جو خداوند کریم کے قول سے استدلال کیا قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (کہہ دو روح امر رب کے ہے) اور اس کا امر اس کا کلام ہے اس کا کلام مخلوق نہیں۔ یہ استدلال خطا واقع ہوا ہے کیونکہ خدا نے قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (کہہ دو کہ روح امر رب کے ہے) نہیں کہا جس سے روح کا امر و کلام حق ہونا ثابت ہوتا بلکہ (مِنْ أَمْرِ رَبِّي) (امر رب سے ہے) کہنے سے روح کا ثبوت ہو گیا۔ یعنی روح میرے امر میں سے ہے یہ دلیل ہے کہ روح بنفسہ امر نہیں بلکہ امر کے ماسوا ہے۔ اگر اس دلیل سے یہ ثابت ہو جائے کہ روح غیر مخلوق ہے تو لازم آئے گا کہ تمام چیزیں غیر مخلوق ہوں۔ کیونکہ جس طرح روح اس کے امر سے ہے اسی طرح ہر شے اس کے امر سے ہے کہ وہ امر تکوین ہے۔ کائنات عالم میں عرش سے تحت اثریٰ اور ازل سے ابد تک ہر شے کُن فیکون کے تحت میں ہے۔ محدثات کی یہی صفت ہے کہ اُس نے کُن فیکون (کہا ہو جا اور وہ ہو گئی) ساری کی ساری محدث ہیں قدیم نہیں تو محال ہے کہ روح قدیم ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر و بیشتر حضرات اس گروہ کو ضال اور گمراہ کہتے ہیں اور اُن کے کفر پر گواہی دیتے ہیں جو روح کو قدیم کہتا ہے۔ قوم ترسا کو بھی اس سے موقع مل گیا اور وہ کہنے لگے کہ خود اسلام کا ایک طبقہ ہمارا ہم نوا ہے اور روح کو قدیم کہتا ہے۔ اور اس طائفے پر لعن و لعن کرنے لگے۔ حالانکہ کسی گروہ نے ایسا نہیں کہا ہے۔ وہ الفاظ جو ابو بکر قحطی کے ہم نے دہرائے، ایک گروہ نے اپنی کتاب میں لکھ کر اس سے دلیل قائم کی ہے خدا جانے اُن بزرگ کے وہ الفاظ ہیں بھی یا نہیں؟ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان محدثوں نے اپنے مذہب کی تقویت اور اہل اسلام کی بُرائی ظاہر کرنے کے لیے اپنی طرف سے انہی سیدھی بات جو ردی ہو۔ اور اگر تھوڑی دیر کے لیے ابو بکر قحطی کے وہ الفاظ و اعتقاد صحیح مان لیے جائیں تو محض ایک شخص کی خطا سے سارا گروہ گمراہ اور ضال نہیں کہا جاسکتا۔ یا ہم نے جو بیان کیا ہے کہ ان الفاظ سے ان کی یہ مراد نہیں کہ روح قدیم ہے۔ لیکن روح معنی امر ہے (زندہ کرنے والے کی طرف سے۔ یہ جی کی صفت نہیں

اس کے یہ مطلب تو نہیں کہ رُوح کو قدیم کہہ دیا۔ ہاں، اُن بزرگ کے استدلال میں خطا واقع ہوئی ہے اور اگر محبت کو استدلال میں خطا واقع ہو تو وہ کافر نہیں ہو جاتا۔ اور جب وہ کافر نہیں تو اُس کی خطا سے سارا گروہ کیونکر کافر ہوگا۔ حالانکہ سبھی کا خیال ہے کہ اس استدلال میں انھوں نے خطا کی ہے۔ اگر اس وجہ سے طائفہ ضال کہے جانے کا مستحق ہے تو دنیا میں کسی محقق کا وجود ناممکن ہے۔ کیونکہ اہل حق کا کوئی ایسا گروہ نہیں ہے جس نے اجتہاد میں خطا نہ کی ہو۔ اور جب انھیں کوئی کافر نہیں کہہ سکتا تو یہاں بھی سمجھنا چاہیے حقیقت کا بہت بڑا جاننے والا خدا ہی ہے۔ صاحبِ تعریف رحمۃ اللہ علیہ نے روح، نفس، قلب و دینا کی ایک تعریف کی جس پر اہل اسلام کا اعتقاد ہے اور اُس کو ایک بنیاد پر قائم کیا ہے اس میں سے ہم یہاں تقوڑا سا بیان کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ روح، قلب، نفس اور دنیا یہ وہ چار چیزیں ہیں کہ خداوند پاک نے قرآن شریف میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اور ان چاروں کے وجود کو شریعت بھی مانتی ہے۔ اور انھیں چاروں کے وجود پر خلق کا اجماع ہے۔ لیکن قرآن، شریعت اور خلق نے جو کچھ کہا ہے وہ ان کی تاثیرات افعال اور صفات کے متعلق کہا ہے کہیں ان کی حقیقت و ماہیت بیان نہیں کی۔ خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

جان بلندی داشت تن پستی ز خاک مجتمع شد خاکِ لپتِ جانِ پاک

چون بلند و لپتِ باہم یار شد آدمیِ عجوبہ اسرار شد

(جان بلند و برتر تھی اور جسم مٹی کی وجہ سے پستی کی طرف مائل تھا۔ پھر جسم کے ساتھ جان ملائی گئی۔ اور جب یہ دونوں بلندی و پستی کی آمیزش سے باہم یار ہو گئے تو انسان اسرارِ خداوندی کا ایک عجوبہ بے مثال ہو گیا)

لیک کس واقف نہ شد ز اسرارِ او نیست کارِ ہر گدے کارِ او

(لیکن اُس کے اسرار سے کوئی واقف نہ ہوا۔ ہر شخص کا کام بھی نہیں کہ وہ ان باتوں کو سمجھ سکے)

چند گوئی جز خموشی راہ نیست زانکہ ہرگز نہ ہر دیک آہ نیست

کہاں تک کہے گا۔ سوائے چپ رہنے کے کوئی چارہ نہیں ہے کیونکہ کسی کا اتنا بھی کلیجہ نہیں کہ ایک آہ بھی کر سکے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ اگر رُوح کی ماہیت کے متعلق عقل دوڑانا جائز ہوتا تو اس کے

یہ سب سے افضل و ادنیٰ شخصیت پیغمبر علیہ السلام کی تھی جب حضور سے روح کے متعلق پوچھا گیا تو آپ عقل سے جواب دیتے۔ کیونکہ آپ کی عقل و فہم موحد و ملحد اور ساری مخلوق سے کامل ترین تھی، تاکہ موحدین کی جماعت حضور کو رسول جانے کیونکہ یقیناً رسول عاقل ترین ہوتا ہے اور ملحدین کا گروہ آپ کو ابو جعفر حکیم کہے کیونکہ حکیم کامل العقل ہوتا ہے تو حضور کے کامل العقل اور اکمل ترین فہم و فراست پر سب کا اتفاق ہے۔ اس کے باوجود آپ نے روح کے متعلق سوال کا جواب عقلاً نہیں دیا۔ بلکہ توقف فرمایا یہاں تک کہ جواب (امر) کا حکم آیا جس نے روح کا وجود ثابت کیا کیفیت و ماہیت بیان نہیں کی حضور کے کمال عقل نے واجب کر دیا کہ روح کی کیفیت و ماہیت کے اظہار میں خاموشی اختیار کی جائے۔ اور ہماری پست عقلوں کے لیے تو اور بھی ادنیٰ تر ہے کہ اس وجوب کی تعمیل کرے۔ ہم لوگ شریعت کے بندے ہیں احکام شریعت پر سر جھکا دیں جس طرح شریعت نے روح ثابت کی اور کیفیت و ماہیت میں خاموش رہی۔ ہم بھی خاموش رہیں۔

خواجہ ام القصد کہ در بند ماست گرچہ خدا نیست خداوند ماہیت
(ہمارا مالک ہمیشہ ہماری فکر میں ہے۔ اگرچہ وہ خدا نہیں ہے لیکن ہمارا آقا اور سرپرست ضرور ہے)
این مگو چون در اشارت نایدت دم مزن چون در عبارت نایدت

(جب وہ اشارے میں نہیں آسکتا تو یہ اور وہ مت کہہ۔ اور جب وہ کسی عبارت و بیان میں آہی نہیں سکتا تو زبان مت کھول)۔ مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین کہتے ہیں کہ بعض بزرگوں نے روح کو دیکھا ہے اور ہر ایک نے جداگانہ صورت میں اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ اور یہ جائز ہے۔ جیسا کہ ہم نے کہا کہ وہ موجود ہے تو دیکھنے کے قابل بھی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ کا دیدار جائز ہے۔ اس لیے کہ وہ موجود ہے تو روح جو اس کی مشنوع ہے اور موجود بھی ہے تو وہ بھی مشاہدے کے لائق ہو سکتی ہے۔ کیونکہ مشنوع صانع سے زیادہ لطیف نہیں ہو سکتا۔ جب وہاں رویت جائز ہے تو یہاں بھی جائز ہوگی۔ اگر خدا چاہے کہ بندے کو اپنا جلوہ دکھائے تو دکھا دیتا ہے۔ ان طرح بھی وہ چاہے اس میں کسی زبان کو چون بچرا کرنے کی مجال نہیں۔ جیسا کسی نے کہا ہے۔

ستانی زبان از رقیبانِ راز کہ تار از سلطانِ نگویند باز
 کرا زہرہ آنکہ از بسیم تو کشاید زبان جز بہ تسلیم تو
 رقیبانِ راز سے اپنی زبان کو روک لے تاکہ وہ بادشاہ کے راز کو افشانہ کر دیں۔ کس کو
 مجال ہے کہ تیرے خوف سے رضا و تسلیم کے سوا زبان کھول سکے۔ اے بھائی، یہاں حیرت ہی حیرت
 ہے اور سارا علم و عقل سرگرداں ہے۔ جب وہ چاہتا ہے کہ ہزاروں عاشقانِ صادق کی جانوں اور
 دلوں کو برباد کر دے تو سلطانِ بے نیازی کو اشارہ کر دیتا ہے۔ اور جب چاہتا ہے کہ ہزاروں
 دل جلے عاشقوں کے جگر کو کباب کرے مشیت کے چہرے سے غرت کے آنچل کا گوشہ چمکا دیتا ہے۔
 پھر کھلا کون ہے جو اُس کی شرابِ محبت سے مستانہ نہیں اور کون ہے جو اُس کی عظمتِ جلال کے
 سامنے سرنگوں نہیں اور کون ہے جو اس کی شرابِ غرت سے مخمور نہیں۔ اور کون ہے جو اُس کے قہر کی
 تلوار سے دل زگار نہیں۔

عشق بازی ساختی دست از دل و دید بشوی این خود امر و زہمت لیکن باش تا فردا شود
 جب تو نے عشق بازی کی ہے تو دیدہ و دل سے ہاتھ دھو ڈال۔ آج تیرا یہ حال ہے ذرا ٹھہر جا
 اور دیکھ کہ کل کیا ہوتا ہے۔ یہ کام بھی عجیب ہے۔ حضرت موسیٰ سے کہالین ترائی (تو مجھے نہیں
 دیکھ سکتا)۔ پھر فرمایا اَنْظُرِ اِلَی الْجَبَلِ (پہاڑ کی طرف دیکھ)۔ پھر ارشاد ہوا اِذْهَبْ اِلَی فِرْعَوْنَ
 (فرعون کے پاس جا)۔ دیکھو، اہل عشق و محبت کے ساتھ اُس کی بزرگی و برتری کیا کرتی ہے؛ بیان کرتے
 ہیں کہ جب مہتر موسیٰ علیہ السلام اس مقام پر پہنچے اور اُن کے ساتھ وہ واقعات پیش آچکے تو چاہا کہ
 اپنے بال بچوں کے پاس لوٹ آئیں خطاب ہوا وَقَعْتَ فَاَسْتَمْسِکْ جب جال میں پھنس چکے اور ہمارے
 نام پر دل لصدق کر دیا اور ہمارے راستے میں سر رکھ دیا تو دل کو غم و اندوہ کے سپرد کر دو۔ اور جان
 کو خطرے میں ڈال دو۔ قطعہ۔

دل بر اندہ وقف باید کرد جان را بر خطر ہر کرا در عشق بت رویان دے لے یکتا بود
 از دل و جان دودیدہ و امقے باید شدن ہر کرا در دل مراد صحبتِ عذرا بود
 جو حسینوں کی محبت میں دل یکتا رکھتا ہو اُسے چاہیے کہ دل کو غم و اندوہ کیلئے وقف کر دے اور جان خطر میں
 ڈال دے اور جس عذرا کا وصال مقصود ہو اُس کو چاہیے کہ جانِ دل سے دامنِ بن جائے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسی وال مکتوب

دل کے بیان میں

بھائی شمس الدین، اللہ تعالیٰ تمہارے قلب کو روشن فرمائے۔ ستو، دل ایک شاہی خزانے کی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر غور سے دیکھو کہ اس خزانے میں تم کیا رکھتے ہو؟ اگر اس میں جواہرات بھرے ہیں تو بیشک یہ خزانہ کہا جاسکتا ہے۔ اور اگر اس میں کوڑا کرکٹ ہے تو یہ گھاس پھوس کا انبار ہے۔ یہیں سے بزرگوں نے کہا ہے کہ ایک خزانہ تو بہشت میں ہے جس کو نعمت کہتے ہیں۔ اور ایک خزانہ عارفوں کے دل میں ہے اس کا نام محبت ہے۔ رب العزّة کی قسم کہ ہزاروں ہزار بہشت محبت کے خزانے کے ایک موٹی کے برابر بھی قیمت نہیں رکھتے بہشت کے خزانے کا محافظ ایک فرشتہ ہے جس کا نام رضوان ہے۔ اور محبت کے خزانے کا نگہبان خود حضرت خداوند جل و علا ہے اب سمجھ لو کہ تمہاری وہی قیمت ہے، کہ تم جس چیز کے طلبگار ہو۔ اگر تمہارا مطلوب کوئی کتا ہو تو تمہاری قیمت کتے ہی کے برابر ہوگی۔ اسی طرح دوسری چیزوں کو سمجھو۔ اور سگ، صحاب، کفٹ بھی اس کی ایک نظیر ہے۔ چونکہ اس کا مطلوب حق تھا اس کی قیمت بھی وہی ہوئی۔ خود خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے وَكَلَبُھُمْ بِأَسْطُذِّاعِیْہِ بَاؤُ صِیْدٍ (اُن کا کتا چو کھٹ پر پاؤں پھیلا ہوئے ہے)۔ اور بلعم باعور کا مطلوب چونکہ بخر حرمی دہوا کے اور کچھ نہ تھا اس لیے اس کی قیمت بھی وہی لگی۔ تو یہ قوم نہ آسمانی ہے نہ زمینی، نہ شرقی نہ غربی، نہ عشی نہ فرشی، نہ آدم نہ آدم کی اولاد۔ بلکہ اپنی طلب کے فرزند ہیں۔ اسی مطلب کا راز ہے جو کہا ہے الْفَقِیْرُ ابْنُ وَقْتِہِ (فقیر اپنے وقت کا فرزند ہوتا ہے۔ اب تم اپنے دل کے خزانے کو دیکھ کر خود سمجھ لو کہ تمہاری کیا قیمت ہو سکتی ہے لیکن جو دل خدا کے ساتھ اٹکا ہوا ہے اپنی قیمت کے تحت نہیں آتا جو کچھ نمود اور فرعون کو بغیر طلب کے دیا گیا اگر تم زمین پر ماتھا رگڑ رگڑ کر بھی مانگو تو ہرگز نہ ملے گا۔ اس لیے نہیں کہ یہ بہت بڑی چیز ہے، بلکہ محض اس لیے کہ وہ چیز قابل قدر و منزلت ہی نہیں۔ اور یہاں تمہاری غرت کا خیال ہے۔ ایک سائل نے کسی بادشاہ کو دیکھ کر سوال کیا "ایک درم عطا کر" اُس نے کہا یہ بخش برنی شان کرم کے لائق نہیں۔ اُس نے کہا "ایک ہزار درم عنایت فرمائیے" بادشاہ نے کہا۔

تیرا منہ اس عنایت کے قابل نہیں۔ کسی شخص نے خدا سے ایک لڑکا مانگا۔ محنت لڑکا پیدا ہوا۔ اُس نے کہا۔ اے خدا! میں نے تجھ سے لڑکا مانگا تو نے محنت دیا۔ غیب سے آواز آئی، میں تو دینا جانتا ہوں، مگر تو لینا نہیں جانتا۔ جس کو سوال کرنے کا طریقہ معلوم نہیں اُس کو ندامت ہی اٹھانی پڑتی ہے۔ جو کوئی بہشت کی طمع سے خدا کی پرستش کرتا ہے وہ اپنی لاپچ کا بندہ ہے۔ اور جو کوئی دوزخ کے خوف سے اُس کو پوجتا ہے وہ دوزخ کا بندہ ہے۔ اور جو کوئی کسی چیز سے ڈرتا ہے وہ اس چیز کا بندہ ہے۔ بمتھاری حقیقت وہی ہے جو تمھارے سینے میں ہے۔ آدمی وہیں رہتا ہے جہاں اس کا باطن ہوتا ہے۔ مرد کا ظاہر اُس کے باطن کی تلواس ہے۔ جو کچھ اندر ہے باہر اُس کا پوسٹ ہے۔ اگر اندر مجاز تو باہر بھی مجازی ہے۔ اگر اس کا باطن گرفتار حق ہے تو اُس مرد کو مرد حق کہتے ہیں۔ تم کو بمتھاری مراد پر باندھ دیا ہے۔ تمھارا اختیار بمتھاری قید ہے۔ تم کو جب حکم دیتے ہیں تو نیچے اترنے کا حکم دیتے ہیں۔ نہ کہ شکار پر ٹوٹ پڑنے کا۔ کیونکہ گدھ بڑا شکاری ہوتا ہے اور پرواز میں باز سے زیادہ قوی باز رکھتا ہے۔ لیکن جب اُترتا ہے تو مردار پر۔ اور باز زندے پر بھپٹتا ہے۔ تو جو کچھ دنیا میں ہے مردار ہے اور جو آخرت میں ہے وہ زندہ ہے۔ اور اس گروہ کی باتیں ان دونوں ہی سے ماورائیں۔ جیسا کہ تم نے سنا ہے۔

مارا بخر این جهان جہانے دگر بہت جزدوزخ و فردوس مکانے دگر بہت

(ہمارے لیے اس جہان کے سوا ایک دوسری ہی دنیا ہے۔ دوزخ اور بہشت کے علاوہ ایک دوسرا ہی مکان ہے)۔ اسی لیے بزرگان دین نے بہشت و دوزخ کی طرف کبھی توجہ نہیں کی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ مبارک رضی اللہ کی نقل ہے کہ ایک دن گھر سے باہر نکل کر رو رہے تھے۔ لوگوں نے پوچھا آپ جیسے مقتدائے طریقت پر کیا حادثہ گذرا؟ آپ نے فرمایا کہ رات میں نے بڑی دلیری کے ساتھ ایک گناہ کیا ہے۔ اب اس کی خجالت و ندامت اُٹھا رہا ہوں۔ پوچھا گیا، وہ کیا تھا؟ آپ نے کہا میں نے خدا سے گناہوں کی آمرزش چاہی تھی۔ مجھ کو ان فضولیات سے کیا کام؟ میں بندہ ہوں اور مجھے تو بس بندگی ہی سے سروکار ہے۔ ایک دفعہ امام صنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو سجا را گیا۔ آپ نے دعا کی اَللّٰهُمَّ اَشْفِنِيْ (اے اللہ مجھے صحت عنایت کر) ایک آواز غیبی سنی اَتَدْخُلُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ (اپنے اور میرے درمیان تم خود

آتے ہو ہیں نہیں جانتا کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے؟ یہ ہماری نہیں ان لوگوں کی بات ہے۔ ہماری اطاعت تو یہی ہے کہ دوزخ سے ڈرتے رہیں۔ اور بہشت کی امید رکھیں۔ اور دعا مانگا کریں کہ اس کے عذاب سے رہائی حاصل ہو۔ اور وہاں رسائی نصیب ہو جہت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ النَّارِ۔ (اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور دوزخ سے تیری پناہ مانگتا ہوں) کم از کم اتنا تو ہو کہ اگر عالم حقیقت تک پہنچ سکیں تو اس دعا کے وسیلے سے دوزخ سے چھوٹ جائیں اور جنت میں داخل ہوں۔ اگر فراغت نہ پاؤ تو پل بھر ہی سہی ایسا دل حاصل کر جس میں نہ پانے کا درد ہو یا پانے کی خوشی۔ ابوالقاسم نھرا بادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ مشائخ گذشتہ کے پاس جو کچھ تھا اُس میں سے آپ کے پاس بھی کوئی چیز ہے؟ کہا ہاں، اُس کا دردِ دنیا یافت ہے۔ اور اگر تم کہو کہ ہمارے کاموں پر غور کرو۔ تو ہم پوچھیں گے کہ وہ کام کیا ہے؟ عملِ شیطانی ہے یا عملِ رحمانی؟ اگر روزانہ صبح اُٹھ کر بازار جاتے ہو اور رات گھر واپس آتے ہو، تو یہ دو ترسا مسبب ہی کرتے ہیں۔ اگر نماز پڑھتے ہو اس لیے کہ خداوند تعالیٰ دولت و نعمت میں زیادتی کرے اور فریضہ حج اس لیے ادا کرتے ہو کہ لوگ تمہیں حاجی کہیں اور اسی طرح دوسرے کام ہیں تو تم ہمیشہ اسم و رسم میں مبتلا ہو اور تمہارا اصل مقصد تم سے چھپ گیا ہے۔ اے میرے عزیز از جان یہ جو انمردوں کی باتیں ہیں مٹھنوں اور آلود لوگوں کی باتیں نہیں۔ یہ پاک لوگوں کا راستہ ہے ہمارے ایسے نمبے اور ناپاک لوگوں کا نہیں۔ اس شراب میں دولت مندوں کا حصہ ہے ہم بد بختوں اور بد نصیوں کا نہیں اسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا سیواں مکتوب

نفس کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین اللہ تعالیٰ تمہیں غرت عطا فرمائے! سنو نفس کی حقیقت و ماہیت کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہے اور ان کے اقوال آپس میں ایک دوسرے کی

زندہ ہیں۔ لیکن اس گروہ کے محققین کے دو قول ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ نفس کا وجود جسم میں آتہ روح کی طرح ہے۔ اور دوسرا کہتا ہے کہ نفس ذات نہیں بلکہ قالب کی صفت ہے جس طرح حیات صفت ہے۔ اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ بُرے اخلاق اور ناپسندیدہ کاموں کا وہی سبب ہے اور یہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک معاصی اور دوسرے بُرے اخلاق جیسے کبر و حسد، بخل اور غصہ وغیرہ۔ اور ریاضت کے ذریعہ ان ناپسندیدہ اوصاف کو اپنی ذات سے دُور کیا جاسکتا ہے جس طرح توبہ کے ذریعہ معصیت کو۔ کیونکہ معاصی انحال ظاہر ہیں اور توبہ اوصافِ باطن سے ظاہر ہوتی ہے۔ یعنی جو ناپسندیدہ اوصافِ باطن میں پیدا ہوتے ہیں وہ ظہر کے صفاتِ حمیدہ سے پاک اوصاف ہو جاتے ہیں اور جو ظاہر میں پیدا ہوتے ہیں وہ باطن کے اوصافِ ستودہ سے پاک ہو جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ قالب کے اندر نفس اور روح دونوں لطیفے ہیں، جس طرح عالم میں شیاطین، ملائکہ ہمیشہ اور دُور ہیں کہ ایک محل خیر ہے اور دوسرا محل شر۔ اور شر سے سلامت رہنا بغیر ریاضت کے ممکن نہیں جیسا کسی محقق نے کہا ہے۔

خزیرہ ریاضت نہ تو اں یافتن

قدرِ دل و مایہ جان یافتن

شرک میا در کہ بہشت آن بہشت

گر نفسِ نفس بہ فرمانِ لست

(دل کی قیمت اور جان کا سرمایہ بغیر ریاضت کے نہیں پاسکتے۔ اگر دم بھر یہ نفس تیرے حکم کے تابع ہو جائے تو یقیناً جان کہ بہشت تیری ملکیت ہے)۔ اور انسانیت کی حقیقت کے بارے میں بھی لوگوں کا اختلاف ہے کہ کس چیز پر انسانیت کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس کا جاننا ہر طالب پر فرض ہے۔ کیونکہ جس کو اپنی ذات کی خبر نہیں اُس کو دوسروں کی کیا خبر ہوگی کہ مَنْ جَہَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ بِالْغَيْرِ أَجْمَلٌ (جس کو اپنی ذات کا علم نہیں وہ دوسروں کی ذات کے علم سے اور بھی زیادہ جاہل ہوگا)۔ اور شریعت کا فتویٰ اس پر ہے کہ مَنْ عَرَفَتْ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَتْ رَبَّهُ أَيْ مَنْ عَرَفَتْ نَفْسَهُ بِإِفْتَاءٍ فَقَدْ عَرَفَتْ رَبَّهُ بِإِيقَاءٍ (جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا یعنی جس نے فنا کے ذریعہ اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے بقا کی صفت کے ساتھ اپنے رب کو پہچان لیا)۔ اور بعض نے کہا ہے مَنْ عَرَفَتْ نَفْسَهُ بِالذِّلِّ فَقَدْ عَرَفَتْ رَبَّهُ بِالْعِزِّ

(جس نے ذلت و خواری کے ذریعہ اپنے نفس کو پہچانا اُس نے اللہ تعالیٰ کی صفتِ عظمت و غرّت کو پہچانا)۔ اور بھی کہا ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ بِالْعُبُودِيَّةِ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ بِالرُّبُوبِيَّةِ (جس نے اپنے نفس کو بندگی کے ذریعہ پہچانا اُس نے اپنے پروردگار کی صفتِ ربوبیت کو پہچانا) تو جس نے اپنے آپ کو نہ پہچانا وہ ہر شے کی شناخت سے محجوب و محروم رہ گیا۔ اور ان سب کا حاصل انسانیت کی شناخت ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ انسان بخیر روح کے اور کچھ نہیں ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ روح قالب میں پوشیدہ ہے انسان اُس کو نہیں کہتے۔ اور ایک گروہ کہتا ہے کہ انسان کا اطلاق روح اور جسم دونوں پر ہوتا ہے جیسے دو رنگوں کا گھوڑا سپید و سیاہ جس کو ابلق کہتے ہیں۔ اس دلیل کی بنا پر کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت آدم کی خاک بے جان کو انسان کہا ہے اُس وقت تک اس میں جان نہیں ڈالی گئی تھی۔ هَلْ آتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا۔ زمانے میں انسان پر ایک ایسا وقت بھی آیا ہے کہ وہ کوئی شے مذکور یعنی قابل ذکر نہ تھا)۔ اور ایک گروہ جو لفظ کا دعوے دار ہے یہ کہتا ہے کہ انسان کھانے اور پینے والا نہیں ہے۔ اس میں کوئی تغیر و تبدل واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ بر خداوندی ہے۔ اور یہ جسم اس کا طلسم ہے جیسا کہا ہے مثنوی

بشکند آخر طلسم گنج جسم

جان شود پیدا چو جسم از پیش رفت

غیب را جان تو جسم دیگر است

گرچہ یک ذرہ ہی پُرسی میرس

چند پُرسی چند گوئی و السلام

گنج در قمر است و کشتی در طلسم

گنج یابی چون طلسم از پیش رفت

بعد از ان جانست طلسم دیگر است

لب بدوز از عرش و از کرسی میرس

کس نداند کہ نہ یک ذرہ تمام

(گہرائی میں خزانہ اور طلسمات میں کشتی ہے۔ آخر ایک دن جسم کے خزانے کا جادو ٹوٹ جائے گا جب طلسم ہٹ گیا تو تجھے ایک خزانہ مل جائے گا جب یہ جسم نہ ہوگا تو خود جان ظاہر ہو جائے گی پھر تیری جان بھی ایک طلسم دیگر ہے جو عالم غیب میں ایک دوسرا جسم رکھتی ہے عرش اور کرسی سے کچھ نہ پوچھو اور بالکل خاموش ہو جاؤ یہاں تک کہ اگر ذرہ برابر پوچھنا چاہتے ہو تو نہ پوچھو۔ کیونکہ اس راز کا ایک ذرہ بھی کوئی از روئے حقیقت نہیں جانتا کب تک کہتے سنتے رہو گے۔ والسلام)۔ اور ایک گروہ کہتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ہماری تخلیق میں ہر مادے کی ترکیب سے کام لیا ہے

اور اس مرکب کا نام انسان رکھا ہے اور اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔ اور خدا کا قول ہر قائل کے قول سے زیادہ سچا ہے۔ یہاں سے وہاں تک عالم خاک میں جتنی صورتیں مخصوص ہیں؛ سب میں انسان پوشیدہ ہے۔ اب سمجھو کہ انسان کامل کی ترکیب محققوں کے نزدیک تین چیزوں سے ہوتی ہے۔ روح، نفس اور جسم۔ اور انسان کل عالم کا نمونہ ہے۔ اور عالم دونوں جہان کا نام ہے۔ اور یہ دونوں جہان انسان کے نشان ہیں۔ یہ عالم آب و خاک و باد و آتش جس کی ترکیب بلغم، خون، صفرا اور سودا سے ہے اور اس جہان کے نشان، بہشت، دوزخ اور عرصا۔ جان چونکہ لطیف ہے وہ بہشت کی جگہ پر ہے اور نفس آفت و وحشت کی وجہ سے دوزخ کی جگہ پر۔ اور جسم بجائے عرصات ہے۔ تو مومن کی روح دنیا میں بہشت کی خواہش کرتی ہے کیونکہ دنیا میں ہی اس کا نمونہ ہے۔ اور نفس دوزخ چاہتا ہے کیونکہ وہ دنیا میں دوزخ کا نمونہ ہے۔ خواہ عطار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ مثنوی۔

در حنین بحرے کہ بحرِ عظم بہت	عالم از ذرّہ و ذرّہ عالم بہت
کارِ عالم حیرت بہت و غیرت بہت	حیرت اندر حیرت اندر حیرت بہت
پیشوا یا سنے کہ رہ بین آمدند	گاہ بے گاہ از پے این آمدند
جان خود را عینِ حسرت یافتند	ہمہ جانِ مجز و حیرت یافتند
در رہ ادیا و سرگم کردہ	پردہ، در پردہ، در پردہ
عقل تو چون در مہر موی لبخت	ہر دلب باید ز پر سیدن بدخت
کشتہ حیرت مضم یک بارگی	می ندانم چارہ جز بے چارگی

تخلیق کے ایسے سمندر میں جو ایک بحرِ عظم ہے دنیا ایک ذرّہ کے برابر ہے اور اس کا ایک ذرّہ دنیا کے برابر۔ اس دنیا کا ہر کام حیرت و غیرت ہے۔ بلکہ حیرت میں حیرت اور حیرت کے اندر حیرت ہے۔ جو رہنما کہ آنمودہ کار آئے۔ وقتاً فوقتاً اسی کام کے لیے آئے۔ اپنی جان کو عینِ حسرت پایا۔ اور جان کے ساتھ حیرت اور عاجزی بھی پائی۔ اس کے راستے میں سر تاپا کھو گئے۔ ایک پردہ، پردے میں پردہ اور پھر پردے میں پردہ۔ تیری عقل ایک بال ہی کی تحقیق میں جل کر رہ گئی۔ تو چاہیے کہ اور کچھ پوچھنے سے اپنے ہونٹ سی لے۔ میں بھی تو دفعۃً حیرت سے کشتہ ہو گیا اور اب

اب سوائے بے چارگی کے اور کوئی چارہ نہیں، حضرت شیخ بوعلی سیاح رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے۔ آپ نے کہا میں نے نفس کو سور کی شکل میں دیکھا ہے۔ کسی نے اس کا بال پکڑ کر مجھ کو دیا میں نے اُسے ایک درخت سے باندھ دیا، اور مار ڈالنے کا ارادہ کیا۔ اُس نے کہا۔ اے بوعلی کیوں کرتے ہو یہ مصیبت لیتے ہو۔ کیونکہ میں تو خدائی لشکر ہوں تم مجھے مٹا نہیں سکتے۔ خواجہ محمد نوری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے۔ آپ نے کہا کہ میں نے ایک دن نفس کو لومڑی کے بچے کی شکل میں دیکھا جو میرے حلق سے نکلتا تھا میں نے یہ سمجھ کر کہ یہ نفس ہے، اپنے پاؤں کے نیچے کھینے لگا۔ وہ اور بھی مضبوط اور قوی ہوتا گیا۔ میں نے کہا کہ دوسرے تو چوٹیں کھانے سے مر جاتے ہیں اور تو زندہ اور مضبوط ہوتا ہے! وہ بولا میری پیدائش الٹی ہے۔ دوسروں کو جس بات سے تکلیف اور رنج پہنچتا ہے مجھے اس سے راحت و آرام ملتا ہے شیخ ابوالعباس رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں ایک روز جب گھرا یا تو ایک زرد رنگ کا کتا دیکھا۔ میں نے اُس کے بھگانے کا قصد کیا تو میرے دامن میں گھس کر غائب ہو گیا۔ شیخ ابوالقاسم گرگانی قدس سرہ نے کہا کہ میں نے اس کو ایک سانپ کی شکل میں دیکھا ہے۔ ایک دوسرے درویش نے کہا کہ میں نے ایک چوہے کی صورت میں دیکھا اور پوچھا تو کون ہے؟ اُس نے کہا، میں غافلوں کے لیے موت ہوں اور دوستوں کی نجات کا سبب ہوں۔ میرا وجود سراپا آفت ہے۔ اگر میں ان کے ساتھ نہ رہوں تو یہ اپنی پاکیوں پر مغرور اور اعمال پر تازاں ہو جائیں۔ کیونکہ حبِ طہارت و صفائی، اسرارِ نور و ولایت اور طاعت میں استقامت دیکھتے ہیں تو ان میں فخر و غرور اور سر بلندی ظاہر ہوتی ہے۔ پھر جب مجھ پر نظر پڑتی ہے کہ دونوں پہلوؤں کے درمیان ایک یہ خیر بھی ہے تو ایک ایک کر کے ساری باتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ نفس بذاتہ ایک وجود ہے صفت نہیں۔ نفس میں بھی صفتیں ہیں، اور ان صفتوں کو ہم ظاہراً دیکھا کرتے ہیں۔ اس کی شناخت کا طریقہ معلوم ہو چکا، تو ریاضت کے ذریعہ اس کی تربیت کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کی ماہیت فنا نہیں ہو سکتی جب اس کی پہچان صحیح ہو گئی اور اُس پر طالب کا قبضہ اور تسلط ہو گیا تو اب اُس کے باقی رہنے سے کسی طرح کا خوف و خطر نہیں جیسا کہ لیا ہے **النَّفْسُ كَلْبٌ مُّبَاحٌ وَ اَمْسَاكُ الْكَلْبِ بَعْدَ الرِّيَاضَةِ مُبَاحٌ**۔ (نفس بھونکنے اور کاٹنے والا کتا ہے جب وہ ریاضت سے مطیع ہو جائے تو اس کا رکھنا مُبَاح)۔ یہ ہولناک خیال بجز خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم اور پیرِ مشفق

کے ظلِ عاطفت کے بغیر سر نہیں ہو سکتا۔ مثنوی۔

مروے دانستے در راہ گمراہ کہ راہ دور و تار یک بہت بر چاہ
چراغِ علم و دانش پیش خود دار و گرنہ در چہ افقی سرنگوں سار
(رہبر کے بغیر راستے میں بھٹکتا مت پھر۔ کیونکہ راستہ دور، اندھیرا اور کنویں پر واقع ہے۔ علم اور عقل کا چراغ پاس رکھ ورنہ اندھے منہ کنویں میں گر پڑے گا) حضرت نظامی نے بھی اسی طرح اشارہ کیا ہے۔ مثنوی۔

سرکش از خدمتِ روشن دلان دمت مدار از کمرِ مقبلان
خار کہ ہم صحبتی گل کند غالبہ در دامن سنبل کند
دراغ بلند ان طلب اے ہوشمند تاشوی از دراغ بلند ان بلند
انپے آن گشت فلک تاج سر کز پے خدمت ہمہ تن شد کمر
(روشن دلوں کی خدمت سے منہ نہ پھیر۔ اقبال مندوں کے دامن سے ہاتھ نہ پھڑا۔ جو کائنات پھولوں کی صحبت اختیار کرتا ہے وہ بھی سنبل کی طرح مہکتا ہے۔ اے عقل والے، بلند مرتبہ لوگوں کی نسبت کا دراغ حاصل کر تا کہ بلند لوگوں کی نسبت سے تو بھی بلند ہو جائے۔ اسی لیے آسمان لوگوں کے سر کا تاج ہے کیونکہ خدمت کرنے کی دھن میں سراپا کمر بن گیا ہے)۔ اے بھائی، اپنی جان کی سلامتی سے ہاتھ دھو ڈال تا کہ زہر میں بھائی ہوئی تلوار تیرے ہی سر پر پڑے تو مریلوں کے کتوں کے ساتھ رہا کر تا کہ لوگ تجھے برا کہیں مگر تو ان میں خوش خوش سر کو سجدے میں جھکائے اسرارِ جلوہ ہائے شہود میں محو رہ۔ سہ

چو دریا باش و کشتی را بہا کن تو عالم باش و عالم را جدا کن
(تو خود ہی دریا بن جا اور کشتی کا سہارا پھوڑ دے۔ تو خود ہی عالم ہو جا اور دنیا کو ترک کر دے)۔
کسی بزرگ کے زمانے میں ایک فقیر نے ساری رات نماز پڑھتے گزار دی۔ صبح اُن بزرگ کے پاس گیا کہ وہ اُس کی تعریف کریں گے۔ پوچھا "اے حضرت آپ مجھ کو کیسا پاتے ہیں؟" انھوں نے کہا "تو یہودیوں کی طرح معلوم ہوتا ہے۔" فقیر اٹھ گیا اور یوں شور و فریاد کرنے لگا کہ
ہرگز از عشقِ بیان روز کسے نیک نہ شد بن بدر و زبدین روز کجا افتادم

(حسینوں کے عشق و محبت میں کسی نے اچھے دن نہ دیکھے۔ میں کم نجات اس بُرے دن میں کہاں آؤں گا۔
ایک صاحب بصیرت نے کہا ہے۔ قطعہ۔

ہر کہ خود را نہ کرد خوار امروز ہر کہ خود را نہ کرد خوار امروز
ہر کہ اولست و مست عشق نہ شد ہر کہ اولست و مست عشق نہ شد

جس نے آج اپنے آپ کو ذلیل و خوار نہ کیا وہ کل فرعون کی طرح ذلیل و خوار ہو گا۔ جو شخص
عشق میں پست اور مست نہ ہو اور قیامت تک خمار کی تکلیف میں مبتلا رہے گا۔ وہ خاطر مدارات
جو حضرت خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معراج کی رات میں کی گئی جنگ احد کے دن کی
تکلیف اور پریشانی سے کم نہیں ہو گی۔ اور وہ لَعْنَةُكَ يَا مُحَمَّدٌ کا تاج دندان مبارک کی
شہادت اور عارض مقدس کی خون آلودگی سے کم نہ ہو گا۔ کسی دل جلے نے کہا ہے قطعہ

ملا مت ہیروستات افتادگانِ ابرہہ کویت کسے کان روئے بیند از بلا آزاد کے ماند
خرابی ہاست اندر جام از دست خیالی تو چو سلطان تیغ خود برداشت شہر آباد کے ماند
(جو بیچارے تیری گلی میں پڑے ہوئے ہیں اُن کو ملامت کرنا بیکار ہے جس نے یہ ہیرہ دیکھ لیا وہ
بلاؤں سے کیونکر آزاد رہ سکتا ہے۔ تمھاری یاد کے ہاتھوں میری جان کی یہ ساری خرابیاں
ہیں کیونکہ جب بادشاہ خود ہی تلوار کھینچ لے تو بھلا شہر کیونکر آباد رہ سکتا ہے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیاسیواں مکتوب ۸۲

خواہش کے بیان میں

بھائی شمس الدین اللہ تعالیٰ تمھیں بزرگی عطا کرے۔ سنو، خواہش نفس کی صفتوں
میں سے ایک صفت ہے۔ واصلانِ حق کے لیے یہ حجاب ہے اور مریدوں کے لیے راستہ
روک دینے والی ہے۔ طالبانِ راہ کے لیے یہ ٹھہرنے کی جگہ نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سب
طالبانِ راہ کے خلاف امور کیے گئے ہیں تاکہ اچھے کاموں سے روک رکھیں جیسا کہ کہنا
مَنْ زَكَّيْهَا هَلَكَ وَمَنْ خَالَفَهَا مَلَكَ (جس نے خواہشات کی پیروی کی ہلاک ہو گیا

اور جس نے اس کی مخالفت کی (مراد پانی)۔ جیسا کہ کہا ہے۔ مثنوی

سرز ہوا تا فتن از سروری است ترک ہوا قوت پیغمبری است

تو سن طبع تو چون رامت شود سکہ اخلاص بنا مت شود

(خواہش سے منہ پھیر لینا سرداری کی باتیں ہیں۔ خواہش کا ترک کرنا پیغمبری کی طاقت ہے۔

جب تیری طبیعت کا گھوڑا تیرا فرمانبردار ہو جائے تو اخلاص کا سکہ تیرے نام ہو جائے گا۔)

خواہش کی دو قسمیں۔ ایک لذت و شہوت کی خواہش۔ دوسرے مرتبہ، عمدہ اور ریاست

کی خواہش۔ جس کو لذت و شہوت کی خواہش ہو وہ میخانے میں مقیم ہوتا ہے اور دوسرے

لوگ اس کے فتنہ و شر سے محفوظ رہتے ہیں۔ مگر جس کو ریاست و منصب کی خواہش ہوتی

ہے وہ عبادت گاہوں، خانقاہوں اور دائروں میں رہتا ہے اور مخلوق کے لیے فتنہ

ہوتا ہے۔ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور مخلوق کو گمراہ کرتا ہے۔ تو جس کے تمام افعال خواہش

کے مطابق ہوں اور نفس کی رضا مندی ہی اس کا مقصود ہو، وہ اگر آسمان پر بھی پہنچ جائے

تو وہ خدا سے دُور ہی رہے گا۔

چون ترا صد بت بود در زیر دلق چون نہائی خوشیتن صوفی بہ حلق

(جب تیری گدڑی میں سیکڑوں بت چھپے ہوئے ہیں تو خود کو لوگوں کے سامنے صوفی کیوں

ظاہر کرتا ہے) اور جو کوئی خواہش سے دُور ہوگا اور نفس کی متابعت سے کنارہ کشی اختیار

کرے گا وہ اگر بت خانے میں بھی ہوگا تو خدا کے ساتھ ہوگا۔

ہر کہ این سگے اکند بند گران خاک او بہتر ز خون دیگران

(جس نے اس کتے کو بھاری زنجیر میں جکڑ دیا، اُس کی خاک دوسروں کے خون سے بہتر ہے)۔

خواجہ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ میں نے ایک دن سنا کہ روم کا ایک راہب

ساتھ برس سے رہبانیت کے طریقہ پر قائم ہے۔ مجھ کو تعجب ہوا کہ رہبانیت کی شرط تو چالیس

سال سے زیادہ نہیں ہے۔ وہ کس مقصد کو لے کر اب تک دیر میں ٹھہرا ہوا ہے۔ میں نے اُس

سے ملنے کا ارادہ کیا۔ جب اُس کے پاس پہنچا تو اُس نے کھڑکی کھولی اور کہا "اے ابراہیم

تم جس کام کے لیے آئے ہو میں جانتا ہوں۔ میں یہاں رہبانی کے لیے نہیں بیٹھا ہوں بلکہ

میرے پاس شوریدہ خواہشات رکھنے والا ایک کتاب ہے اُس کو یہاں بند کر کے اُس کی نگہبانی کر رہا ہوں تاکہ اس شرارت مخلوق تک پہنچے در نہ میں وہ نہیں جیسا تم نے مجھ سے سمجھا ہے۔

کافر ست این نفس بے فرمان جنیں کشتن دے کے بود آسان جنین

(یہ نفس کافر سخت نافرمان ہے۔ اس کا مار ڈالنا کوئی آسان کام نہیں ہے)۔ خواجہ ابراہیم کہتے ہیں، اُس کی یہ باتیں سن کر میں نے کہا، ”خداوند! تو ایسا قادرِ مطلق ہے کہ عین گمراہی میں بندے کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے اور یہ درجہ عنایت فرماتا ہے۔“ اُس نے مجھ سے کہا ”اے ابراہیم تو کب تک آدمیوں کو ڈھونڈا کرے گا۔ جا اپنے آپ کو تلاش کر۔ اور جب پا جا تو خود اپنا نگہبان بن جا۔“ یہی ہوا اُسے نفس روزانہ الوہیت کے تین سو ساٹھ لباس پہن کر سامنے آتی ہے اور بندوں کو گمراہی کی طرف بلاتی ہے۔ اَفْرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ (کیا تم نے ان لوگوں کو دیکھا جو اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیتے ہیں)۔ یہی راز ہے کہ غریبوں کے دل اس میں خون ہو کر رہ گئے ہیں۔

صد ہزاران دل بگرد از غم ہی این سگ کافر منی میرد دی

(ہزاروں دل اس غم سے کشتہ ہو گئے مگر یہ کافر و خوشنودار کتنا ایک ساعت بھی نہ مرا) ترک خواہش بندے کو امیر بنا دیتی ہے۔ اور خواہش کی پیروی امیر کو امیر بنا دیتی ہے جس طرح زلیخا نے اپنی خواہش کی پیروی کی امیر تھی امیر ہو گئی۔ اور مہتر یوسف علیہ السلام نے خواہش کو ترک کیا، امیر تھے امیر ہو گئے۔

ہر کلا این سگ را بگردی کرد بند درد و عالم شیر آرد در کند

(جس نے اپنی بہادری سے اس کتے کو قید کر لیا وہ دونوں جہان میں شیر کا شکار کر سکتا ہے) حضرت خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا مَا الْوُصُولُ قَالَ تَرْكُ ادِّكَابِ الْهَوَاِ (وصول کیا ہے؟ کہا، خواہش کی پیروی چھوڑ دینا)۔ جو کوئی چاہتا ہو کہ خدا کے قرب کی بزرگی حاصل کرے اس سے کہو کہ وہ اپنی خواہش کے خلاف کرتا ہے۔ کیونکہ بندے کی کوئی عبادت خواہش کی مخالفت سے بڑھ کر نہیں۔ کیونکہ ناخن سے پہاڑ کھودنا آسان ہے مگر خواہش کی مخالفت

کرنا بہت مشکل ہے۔ خواجہ ذوالنون مہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ہوا میں اڑتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو نے یہ درجہ کیسے پایا۔ اُس نے کہا میں نے اپنی ہوا (خواہش) کو لات ماری اور ہوا میں اڑنے لگا۔ خواجہ محمد بن فضیل سلمیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ آپ نے کہا کہ مجھے تعجب ہے کہ لوگ اپنی خواہش کے ماتحت اس کے گھر جاتے ہیں تاکہ زیارت کریں۔ کیوں اپنی خواہش کو لات نہیں مارتے کہ اُس کے پاس پہنچ جائیں اور اس کے دیدار سے مشرف ہوں۔ دَعُ نَفْسَكَ وَتَعَالَ (اپنی خواہش کو پھوڑ اور چلا آ) اسی معنی کا راز ہے۔ اب سنو، شیطان کو مجال نہیں کہ بندوں کے دل میں کوئی فتنہ و شر پیدا کر سکے جب تک خود اُسے مصیبت و شہوت کی خواہش نہ ہو۔ مگر جب خواہش ظاہر ہونے لگتی ہے تو شیطان اُس کو پکڑ لیتا، سراہتا اور اُس کے دل میں جلوہ گری کرتا ہے۔ اسی کو وہوں کہتے ہیں۔ اس کی ابتدا خواہش ہی سے ہوا کرتی ہے۔ وَالْبَادِيُ الظُّلُمُ (ابتدا کرنے والا ہی بڑا ظالم ہوتا ہے)۔ اور خداوند تعالیٰ کے قول کا یہی مطلب ہے کہ جس وقت شیطان نے کہا ہم تمام آدمیوں کو گمراہ کر دیں گے تو فرمایا اِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ (تجھ کو میرے بندوں پر کوئی اختیار اور طاقت نہیں ہے)۔ تو شیطان حقیقتہً نفس و خواہش کا غلام ہوتا ہے۔ اسی معنی کا راز ہے جو کہا ہے کہ

گر تو حق را بندہ بت گر مباش گر تو مرد این رہی آذر مباش

(اگر تو خدا کا بندہ ہے تو بت ساز نہ بن۔ اور اگر تو اس راستے کا مرد ہے تو آذر کی صفت اختیار نہ کر)۔ یہیں سے ہے جو بعض مشائخ رضوان اللہ علیہم سے پوچھا گیا کہ اسلام کیا ہے فَقَالُوا ذُبُّ النَّفْسِ بِسُيُوتِ الْمُخَالَفَةِ (جواب دیا مخالفت کی تلواروں سے نفسوں کو ذبح کر دینا)۔ خواجہ ذوالنون مہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مِفْتَاحُ الْعِبَادَةِ الْكُفْرَةُ وَعَلَامَةُ الْإِصَابَةِ مُخَالَفَةُ النَّفْسِ وَالْهَوَا (عبادتوں کی کنجی فکر ہے اور مقام رسیدہ ہونے کی علامت نفس اور خواہش کی مخالفت ہے) یہیں سے کہا گیا ہے مُخَالَفَةُ النَّفْسِ رَأْسُ الْعِبَادَةِ۔ نفس کی مخالفت سب عبادتوں کی سر تاج ہے) حضرت خواجہ صہبید بخدادی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اَسَاسُ الْكُفْرِ قِيَامُكَ عَلَى امْرِ اِدِّ نَفْسِكَ (اپنے نفس کی مرادوں پر قائم رہنا کفر کی بنیاد ہے)۔ پس مرید طالب کو چاہیے کہ اپنے دن رات اسی کام میں گزارے کہ جب اُس کے خواہش میں خواہش کا اثر ظاہر ہو اُس کو وہیں کاٹ دے اور گریہ و زاری کے ساتھ خدا سے دعا کرے کہ جب تو نے رکھا ہے تو اس کو کون دور کر سکتا ہے۔ تاکہ اس کی فریاد سنی جائے۔

بھائی اب کیا کرتا ہے۔ سوزِ دل کے ساتھ دستِ نیاز اٹھاؤ۔ اور بے چارگی اور زاری سے دعا مانگو۔ مثنوی۔

بندہ رازین بحرِ نامحرم برآر
نفس من گرفت سرتا پاسے من
گم شدم در بحرِ حیرت ناگمان
پردہ برگیر آخرِ جانم مسوز
یا ازین آلودگی پاکم بکن
رہبرم شو زانکہ گمراہ آدم
تو در افگندی مرا تو ہم برآر
گر نہ گیری دست من لے وائے من
زین ہمہ برگشتگی بازم رہان
بیش اندر پردہ پنہانم مسوز
یا نہ در خونم کش و حنکم بکن
دولتم دہ زانکہ بے گاہ آدم

بندے کو اس نا آشنا سمندر سے باہر نکال لے۔ تو نے ڈبویا ہے تو اب تو ہی اس سے نکال۔ سر سے پیر تک مجھے نفس نے پکڑ لیا ہے۔ اگر تو میری مدد نہ کرے تو میرے لیے فسوس کا مقام ہے میں حیرت کے سمندر میں اچانک ڈوب گیا ہوں۔ مجھے ان پریشانیوں سے آزاد کر۔ اب تو پردہ اٹھا دے، میری جان کو نہ جلا۔ ہاں پردے میں چھپا کر اس سے زیادہ نہ جلا۔ یا تو ان آلائشوں سے مجھ کو پاک صاف کر دے یا میرے ہی خون میں مجھے قتل کر دے اور خاک کا ڈھیر بنا دے میں گمراہ آیا ہوں مجھے راستہ دکھا دے۔ اگرچہ بے وقت آیا ہوں میرا حصہ مجھے عنایت کیا۔ خواجہ ابوعلی سیاحِ فروری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے۔ آپ نے کہا کہ میں ایک دن حمام میں سوے زیرِ ناف صاف کر رہا تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اے علی یہ عضوِ شہوتوں کی جڑ ہے اور اسی نے مجھ کو اتنی آفتوں میں مبتلا کیا ہے اس کو کاٹ کر الگ کر دے تاکہ ہمیشہ کیلئے اس کے شر سے رہائی حاصل ہو۔ اسی وقت میرے کالوں میں آواز آئی اے علی تو میری ملک میں تصرف کرتا ہے۔ میری خلقت کے اعتبار سے کوئی عضو کسی عضو سے ادنیٰ تر نہیں ہے۔ اپنی غرت کی قسم اگر اس کو اپنے سے جدا کرے گا تو تیرے بال بال میں اتنا شر بھر دیں گے جتنا اس ایک عضو میں ہے۔

کشتہ حیرت شدم یک بارگی
مومن و کافر بہ خون آغشته اند
می ندانم چارہ از بے چارگی
یا ہمہ برگشتہ یا برگشتہ اند

میں اچانک کشتہ حیرت ہو گیا ہوں۔ اپنی بے چارگی سے اس کا کوئی علاج نہیں جانتا۔ مومن و کافر

سب کے سب خون میں لہھڑے ہوئے ہیں۔ یا سب کے سب متحیر ہیں یا گمراہ ہو گئے ہیں۔ اسے بھائی نفس کا برباد کر دینا بندے کے اختیار میں نہیں۔ کیونکہ وہ ایک سواری کی مانند ہے جو شریعت کا بوجھ اٹھاتی ہے۔ لیکن اس کی صفات کا بدل دینا تو فقیہ خداوندی سے کسی بندے کیلئے ممکن ہوتا ہے اور کسی صفت سے بندے کی مشارکت اس کے ساتھ نہیں بجز اس کے جس کا اس نے حکم کر دیا ہے اس کی ملک میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔ جب تک اس کی رضائے ہو بندہ اپنی جدوجہد سے کسی چیز سے باز نہیں رہ سکتا۔ اسی بھید کو یوں کہا ہے کہ

چون راست آید آخر با تو طریق خسرو
اد نامراد مسکین تو شوخ خود مرادی
(خسرو کا طور طریقہ آخر تیرے ساتھ کیونکر راست آسکتا ہے۔ کیونکہ غریب نامراد مسکین ہے اور تو شوخ اور خود مراد ہے)۔ اس لیے سازگاری ناممکن ہے۔ کیونکہ تمام کوششیں دو موقعوں پر بیکار ہو جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ اپنی جدوجہد سے تقدیر الہی کو بدل دے۔ دوسرے یہ کہ تقدیر الہی کے خلاف اپنے لیے کوئی چیز حاصل کرے۔ اور یہ دونوں محال ہیں کیونکہ تقدیر الہی کسی کی کوشش سے نہیں بدلتی۔ امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ بیمار پڑے طبیب نے ان سے کہا پرہیز کرنا ضروری ہے آپ نے فرمایا، کس چیز سے؟ کیا اس چیز سے جو میری روزی مقدر ہو چکی ہے یا اس چیز سے جو میری روزی نہیں ہے اگر میری روزی سے پرہیز کرنے کو کہتے ہو تو یہ ممکن نہیں ہے میں کیونکر پرہیز کر سکتا ہوں۔ اگر اس چیز سے پرہیز مانتے ہو جو میری روزی ہی نہیں ہے تو وہ آپ ہی مجھے نہ ملے گی۔ پھر بتاؤ میں کس چیز سے پرہیز کروں۔ طبیب حیران رہ گیا۔ یہی ہے جو کہلے ہے

نالہ ز فلک پر شد و آن زخم نہ پیدا
بے چارہ طبیبان ہمہ زمانہ ز دردم
(میرے نالے سے آسمان بھر گیا اور کوئی زخم نظر نہ آیا۔ بیچارے طبیب میر درد کے علاج سے عاجز آ گئے)۔ حدیث میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام سے کہا۔ ”آپ کے لیے طرح طرح کی نعمتوں کا دسترخوان سجا کر پیش کیا گیا، اس پر بھی آپ نے گہوؤں کی طرف ہی ہاتھ بڑھایا۔ یہ کیا بات تھی؟“ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا۔ ”تم نے توریت میں پڑھا ہو گا کہ میری پیدائش سے پیشتر ہی میرے متعلق یہ معاملہ لکھ دیا تھا۔ تم مجھ پر ملامت کرتے ہو؟“ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ ”پھر یہ رَبَّنَا ظَلَمْنَا (اے میرے پروردگار میں نے ظلم کیا) کیوں کہا؟“ آپ نے کہا دشمن نے

شکست کھانے کے بعد بحث و حجت کے ذریعہ بری الذمہ ہونے کی کوشش کی۔ مگر میں نے درگاہ رب العزۃ میں عاجزی کو وسیلہ بنایا اور دَبَّنا ظَلَمْنَا کہا۔ کیونکہ وہاں کسی کی حجت نہیں چلتی۔ ایک بزرگ سے کسی نے کہا کہ ہمارے سر پر گناہ تھوپ دیا ہے اور پھر سزا دیتا ہے۔ انھوں نے کہا ہاں ایسا ہی کیا ہے لیکن کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔

تراہا حکمت یزدال چہ کار است قرن دم در نہ جائے تو بدار است

ترا خاموشی و صبر است راہ ہے نہ خواہی یافت بہ زین و متکا ہے

(مجھے حکمت خداوندی کی حقیقتوں سے کیا کام۔ بس خاموش ہی رہ در نہ دار پر لٹکا دیا جائے گا۔ تیرے لیے خاموشی اور صبر کے سوا دوسرا راستہ نہیں۔ اس سے بہتر تجھے کوئی پناہ نہ ملے گی)۔ نقل ہے کہ سلطان محمود غازی نے ایک قیمتی موتی وزیر کو دیا اور کہا اسے توڑ ڈال۔ وزیر نے کہا۔ اس کی قیمت تو شاہی خزانے کے برابر ہے اسے نہ توڑنا چاہیے۔ پھر بادشاہ نے ایاز کو توڑنے کے لیے دیا۔ اُس نے فوراً ہی پتھر سے چکنا چور کر دیا۔ شاہ نے کہا۔ اسے کیوں توڑ دیا؟ اُس نے کہا میں نے خطا کی، برا کیا، اچھا نہیں کیا۔ سلطان نے وزیر سے کہا۔ دربار شاہی کے آداب ایاز سے سیکھو کہ نہ فرمان شاہی میں اعتراض نہ کلام میں کوئی چون و چرا۔ یہی ہے جو کہ ہے۔

عذر بہ آن را کہ خطاے رسید کا دم اذان توبہ بجائے رسید

(اگر کوئی گناہ سرزد ہو تو عذر کرنا ہی بہتر ہے کیونکہ آدم علیہ السلام توبہ ہی سے اپنے مقام پر پہنچے ہیں) والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترا سیواں مکتوب ۸۳

نفس کی ریاضت کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین، خدا تمہیں متقیوں کی بزرگی عطا فرمائے۔ سنو، آدمی کی طبیعت سرکش واقع ہوئی ہے۔ بری صفتوں اور خراب اخلاق سے اس کی طینت مرکب ہے۔ جیسا کہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی میں آیا ہے۔ جب نفس امارہ کے تسلط کی شرارتوں کا اثر انسان کے احوال پر غلبہ کرتا ہے تو یہ گمراہیوں اور خسارے میں پڑ کر ایمان کی روشنی سے محروم رہ جاتا ہے۔ اور

درگاہِ رب العزۃ سے دُور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نفس امارہ دل کا دشمن اور دین کا مخالف ہے۔ یہ ہمیشہ اپنی ہی تدبیر میں لگا رہتا ہے۔ اور احکامِ شرع کی بجا آوری اور اُس کی پیروی سے سرکشی کرتا ہے۔ آدمی کے لیے نفس کی آفت کفر کے فتنوں سے کہیں زیادہ بدتر ہے اور شیطان کی شرارت و مکر سے بھی بڑھ چڑھ کر ہے۔ کیونکہ آدمی سے اس کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ آدمی کا بڑا دشمن اور سخت ترین بلا ہی نفس ہے۔ اسی لیے اس کی دوا علاج بھی مشکل اور بہت دشوار ہے۔ کیونکہ یہ اندرونی دشمن ہے۔ اور جب گھر کے اندر ہی چور ہوتا ہے تو اس کو دفع کرنا آسان نہیں ہوتا۔ دوسری دقت یہ ہے کہ نفس ایک ایسا دشمن ہے جو آدمی کو محبوب اور پیارا ہوتا ہے۔ اور محبوب کی غیب بینی سے آدمی اندھا ہوتا ہے۔ اس لیے یہ نفس کی جو کچھ تباہ کاریاں دیکھتا ہے اُن کو نیکی اور بھلائی سمجھتا ہے۔ اور جب ایسا ہوتا ہے تو آدمی اس نفس کے ہاتھوں جلد ہی تباہی اور ہلاکت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور اُسے ان باتوں کی خبر تک نہیں ہوتی۔ اے بھائی، جب تم ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہو گا کہ یہ سارے فتنے فساد، تباہی و بربادی، خواری و ہلاکت، معصیت و آفت جو مخلوق کو اولِ آفرینش سے پیش آئی ہیں اور قیامت تک پیش آئیں گی وہ اسی نفس کی بدولت ہیں غرض جو شخص بھی بلاؤں میں مبتلا ہوا اسی نفس کی وجہ سے ہوا۔ اگر ہوا اے نفس گمراہ نہ کرتی تو فتنہ و ضلالت اور معصیت کا وجود قیامت تک نہ پایا جاتا۔ اور ساری مخلوق امن و سلامتی میں دن گزارتی۔ تو جب اتنا بڑا دشمن بغل میں ہو تو عقلمند کے لیے ضرور ہے کہ اسے دبا کر زیر کرے اور اس سے چھٹکارا پانے کی جدوجہد کرتا رہے۔ لیکن یکبارگی اس پر دھاوا بول دینا ممکن نہیں جیسا اور دشمنوں کے ساتھ ہوتا ہے، اور دفعۃً اس کو زیر کرنا دشوار ہے۔ کیونکہ نفس طالب کی سواری اور آلہ ہے اس لیے یکبارگی اس کا چھوڑ دینا دشوار ہے اور ایسا کرنے میں ضرر اور نقصان کا احتمال ہے۔ اس لیے مرید کو میانہ روی اختیار کرنے کی ضرورت ہے اور وہ اس طرح کہ اس کی پرورش کرو اور قوت دیتے ہوئے اس پر کاموں کا بوجھ ڈالو کہ وہ متحمل ہو سکے اور اس حد تک کمزور نہ ہو کہ اس سے کام لو کہ تمہارے حکم سے گریز نہ کرے۔ اس کے علاوہ جو طریقے ہیں وہ غلط ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ سخت ریاضت اور مجاہدہ شاقہ کی وجہ سے نہایت کمزور ہو گئے تھے اور ہاتھ پاؤں ہلاکتے بھی عاجز تھے اُن کی

انکھیں حلقے میں دھنس گئی تھیں جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حال دیکھا تو پسند نہ فرمایا اور کہا یا عَبْدَ اللّٰهِ اِنَّ النَّفْسَ عَلَيَّكَ حَقًّا (اے عبداللہ، تمہارے اوپر تمہارے نفس کا بھی حق ہے) اس سختی سے ہاتھ کھینچ لو۔ اگر نفس کے ہلاک کرنے کا ارادہ کرو گے تو پکڑے جاؤ گے اور گنہگار ہو گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ریاضت اور مجاہدہ نفس کے لیے علم کی ضرورت ہے تاکہ ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ نفس ہلاک بھی نہ ہو، نہ تم پر غالب ہو سکے اور نہ تمہاری نافرمانی کر سکے۔ پس میانہ روی کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے منہ میں تقویٰ کی لگام ڈالو اور پرہیزگاری اختیار کرو۔ اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ نفس ایک نافرمان، سرکش اور موذی جانور ہے تم کس طرح اس کے منہ میں لگام دو گے۔ تو جانو کہ اس میں حیلے کی ضرورت ہے۔ پہلے اس کو ذرا نرم کرو تاکہ لگام لینے کے قابل ہو جائے۔ اس راستے کے عاملوں نے کہا ہے کہ نفس کو نرم کرنے کی تین چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ نفس کو خواہشوں اور لذتوں سے روک دو۔ کیونکہ جب چوپائے دانہ گھاس نہیں پلاتے تو نرم ہو جاتے ہیں۔ عاملوں میں سے کسی نے کہا ہے کہ نفس کی سرکشی اور جہالت اس حد تک ہوتی ہے کہ جب وہ چاہتا ہے کہ گناہ کرے اور عذاب مول لے، اور تم اس وقت خدا، رسول، جلائیہ، کتاب اور سلف صالحین کو شفیع بنا کر سامنے لاؤ اور موت قبر، قیامت، بہشت اور دوزخ سب اس کے سامنے رکھ دو، تو بھی وہ ہرگز باز نہ آئے گا اور گناہ سے پیچھے نہ ہٹے گا نہ خواہشوں سے دست بردار ہو گا۔ لیکن جب دانہ پانی روک دیا جائے گا تو ساری شرارتیں غائب ہو جائیں گی۔ دوسرے یہ کہ عبادت کا بھاری بوجھ اس پر لا دو کیونکہ جب بچہ پر زیادہ بھاری بوجھ لا دیا جاتا ہے تو وہ سیدھا ہو جاتا ہے خاص کر ایسی حالت میں کہ دانہ پانی کی مار اس پر پڑ چکی ہو۔ تیسرے یہ کہ خداوند تعالیٰ سے امداد مانگو اور اس کی بارگاہ میں پناہ ڈھونڈو۔ بغیر اس کے اس کی شرارتوں سے چھٹکارا ممکن نہیں۔ اگر ان تینوں چیزوں پر قائم رہو گے تو تمہارا نفس سرکش تمہارا فرمانبردار ہو جائے گا اور لگام قبول کر لے گا۔ جب ایسی حالت دیکھو تو جلدی کرو۔ اور تقویٰ کی لگام اس کے منہ میں ڈال دو اور اس کی شرارت سے بے فکر ہو جاؤ۔ اگر تم پوچھو کہ تقویٰ کیا ہے جس کی لگام بنائیں؟ تو سنو، تقویٰ ایک بہت بڑا خزانہ اور ایک وسیع ملک ہے جس میں دنیا اور آخرت کی تمام چیزیں جمع کر کے

رکھ دی گئی ہیں۔ اور اسی کے تحت ایک خصلت رکھی ہے جس کا نام تقویٰ ہے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ توریت میں ہے کہ اسے بنی آدم تقویٰ اختیار کر اور جہاں چاہے آرام کی نیند سو رہ۔ یہ اسی خصلت ہے کہ تمام نیکیوں کی جامع ہے اور جملہ مہمات کے لیے کافی ہے۔ بندے کو تمام درجات اور کرامات پہنچا دیتی ہے۔ اور یہ ایک اسی اصل ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ اب سنو، تفسیر زہدی میں ہے کہ تقوے کی دو قسمیں ہیں۔ اصل اور فرع۔ اصل تو کفر سے توبہ کر کے ایمان لانا ہے۔ اور فرع گناہوں کو چھوڑ کر طاعت و بندگی کرنا۔ اور مشائخ نے کہا ہے کہ تقوے کی تین منزلیں ہیں۔ ایک شرک سے تقویٰ، دوسرے بدعات سے تقویٰ، تیسرے معاصی سے تقویٰ۔ پس تقوے کے یہ معنی ہوئے کہ دین میں جن جن باتوں سے ضرر و نقصان کا ڈر ہے اُن سے پرہیز کرنا۔ تم نہیں دیکھتے کہ پرہیز کرنے والے بیمار کو بھی متقی کہتے ہیں۔ کیونکہ کھانے پینے کی چیزوں اور ایسے پھل وغیرہ سے جو اس کے لیے نقصان پہنچانے والے ہیں، پرہیز کرتا ہے۔ وہ چیزیں جن سے دین میں نقصان کا خوف ہے اُن کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محض حرام و معصیت اور دوسرے حلال چیزوں میں زیادتی اور فضولی کرنا۔ اور یہ بہت ہوتا ہے کہ حلال چیزوں میں زیادتی آدمی کو حرام اور گناہ کی طرف لے جاتی ہے۔ تو جو شخص چاہے کہ دین میں نقصان لانے والی باتوں سے امن میں رہے، اُس کے لیے ضروری ہے کہ محض حرام اور معصیت سے پرہیز کے علاوہ حلال فضول سے بھی اپنا دامن بچائے رکھے۔ پس جامع و مانع تقویٰ اُن چیزوں سے پرہیز کرنا ہے جو معصیت ہیں اور دین کو نقصان پہنچانے والی ہیں اور فضول حلال سے بھی دامن بچانا ہے۔ اس کام میں غفلت نہ کرنی چاہیے۔ فرصت کو غنیمت جانیں۔ آئندہ ممکن ہے کہ ہم تقویٰ کرنا چاہیں اور نہ کر سکیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا ہے، دنیا تین دن کی ہے۔ ایک وہ گل جو گزر چکا جس سے تجھے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ دوسرے وہ گل جو آنے والا ہے۔ اس کے متعلق نہیں معلوم تو اُسے پائے گا یا نہ پائے گا۔ تیسرا وہ دن ہے جس میں تو اس وقت ہے۔ اور لے دے کے یہی تیرے ہاتھ ہے اس کو غنیمت جان۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے دنیا تین ساعت سے زیادہ نہیں ہے۔ ایک ساعت گزر چکی جس سے تو نے کچھ حاصل نہ کیا۔ دوسری ساعت کا یقین نہیں کہ پائے گا یا نہ پائے گا۔ تیسری ساعت وہ کہ تو اس میں ہے، تو درحقیقت تیری عمر ہی ایک ساعت ہے۔

اور ایک محقق بزرگ نے کہا ہے، دنیا تین سالس کے برابر ہے۔ ایک سالس تو گزر چکی اور معلوم ہے اس میں جو کچھ تو نے کیا دھرا ہے۔ دوسری سالس کا حال معلوم ہی نہیں کہ آئے گی یا نہ آئے گی تیسری سالس وہ جو تو نے لی ہے۔ اکثر لوگوں کو دیکھا ہے کہ ایک سالس کے بعد دوسری سالس نہیں لے سکے اور مر گئے ہیں۔ پس تم نہ ایک دن کے مالک ہو نہ ایک ساعت کے پس یہی ایک سالس تمھاری ہے۔ تو ہوش سنبھالو، اٹھ بیٹھو اور جلدی کرو اور اسی سالس میں توبہ اور بندگی کر لو۔ ممکن ہے دوسری سالس نہ آئے اور خاتمہ ہو جائے۔ اور رزق و روزی کا غم نہ کرو۔ ممکن ہے کہ جب تمھیں رزق کی حاجت ہو اس وقت تم زندہ ہی نہ رہو۔ یاد رکھو، وہ آدمی تباہ ہو جاتا ہے جو ایک دن یا ایک ساعت کا غم کرتا ہے جبکہ وہ دوسری ہی سالس میں مر جائے گا۔ اور وہ یاد کرو جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ اسامہ دراز امید ہے کہ ایک مہینے کے وعدے پر لونڈی خریدی ہے۔ خدا کی قسم میں زمین پر قدم رکھنے کے بعد گمان نہیں کرتا کہ قدم اٹھاؤں گا یا نہ اٹھاؤں گا۔ لقمہ منہ میں لے کر لقیں نہیں کرتا کہ اسے حلق سے اتار سکوں گا۔ پس مرید کو چاہیے کہ اس پر قائم ہو جائے اور رات دن اسی کو یاد کرتا رہے۔ یا ضرور اس کی امیدیں مختصر ہو جائیں گی اور اپنے نفس کو بندگی میں تیزی، توبہ میں جلدی، دنیا میں زہد اور استعدادِ مرگ میں مشغول ہونے والا دیکھے گا۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پورا سیواں مکتوب ۸۴

نفس کی سیاست اور مجاہد کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین، اللہ تعالیٰ تمھیں نفس کی مخالفت کی توفیق عطا فرمائے۔ سنو، نفس کی محنت و مشقت اور اس کی سرزنش ہر مذہب اور ہر دین میں پسندیدہ سمجھی گئی ہے اور دنیا کی تمام اقوام وہ حق ہوں یا باطل، اور جملہ محققوں نے مجاہدے کو ثابت کیا ہے۔ اور مشاہدے کا ایک سبب گردانا ہے کہ الْمَشَاهِدَاتُ مَوَارِثُ الْمَجَاهِدَاتِ (مشاہدات مجاہدات کی میراث ہیں)۔ اور اس کی اصل خدا کا وہ کلام ہے وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ

اور مشاہدہ عنایت خداوندی جب تک عنایت و نوازش حق نہ ہو بندے کے کسی کام کی کوئی قیمت نہیں۔ جہاں تک ممکن ہو اپنے فعل کی طرف منسوب نہ کرو اور کسی صفت میں نفس کے تابع نہ جاؤ۔ یہی تمہارا وجود اور ہستی تمہارا حجاب ہے۔ اگر ایک فعل سے محبوب ہو گے تو دوسرے کام کیلئے آمادہ ہو جاؤ گے۔ اور جب تم بکلہ اپنے ہی حجاب میں مبتلا رہو گے تو تمہارا انا بھی کلیتہً فانی نہ ہوگی۔ اور تم بقا و مشاہدہ حاصل کرنے کے لائق نہ ہو سکو گے۔ یہاں ایک نکتہ یاد رکھو، اور وہ یہ ہے کہ نفس کا مجاہدہ نفس کے صفات ذمیرہ کو فنا کرنے کے لیے ہوتا ہے نفس کو فنا کرنے کے لیے نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی انانیت کی اصل فنا نہیں ہو سکتی۔ لیکن جب صاحب مجاہدہ نفس پر قابض و مالک ہو جاتا ہے اور اسے اپنا محکوم بنا لیتا ہے تو اس کی بقا سے کوئی خوف نہیں ہوتا۔ اب سنو بھائی! خالی پیٹ رہنے کو اس راستے میں بڑی شرافت حاصل ہے اور ہر گروہ کے نزدیک قابلِ تعریف ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ بھوکے کی طبیعت تیز تر اور اس کی سمجھ صاف تر اور صحت بہتر ہو جاتی ہے۔ حضرت ابوالعباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری بندگی اور محصیت دو حالتوں سے متعلق ہے۔ جب میں سیر ہو کر کھا لیتا ہوں تو تمام گناہوں کو اپنے اندر پاتا ہوں۔ اور جب نہیں کھاتا تو تمام عبادات کی اصل اپنی ذات میں محسوس کرتا ہوں۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ مرید کے لیے پیٹ کی اصلاح مشکل ترین کام ہے۔ کیونکہ اس کا نقصان بہت اور اثر قوی تر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہی سارے گناہوں کا سرچشمہ اور مخزن ہے پس تمہارے لیے پیٹ کی اصلاح لازم ہے۔ انسان میں گناہ نگاری اور پاک دامنی اور بدن میں قوت و ضعف پیٹ سے پیدا ہوتی ہے اس لیے اول پیٹ کو حرام اور شبہ کی چیزوں سے اور اس کے بعد ضرورت سے زیادہ حلال سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ کچھ کام سرانجام دو تو یاد رکھو کہ حرام اور مشتبہ چیزوں کا کھانے والا مردودِ بارگاہ ہوتا ہے اور عبادت کی توفیق اسے نصیب نہیں ہوتی۔ حضرت یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "عبادت اللہ تعالیٰ کا خزانہ ہے اس کی کنجی دعل ہے اور اس کنجی کے دندلے حلال روزی جب کنجی میں دندلے نہ ہوں گے تو قفل نہ کھل سکے گا۔ اور جب خزانے کا دروازہ نہ کھلے گا تو وہ عبادت جو اس خزانے میں ہے کیونکر ہاتھ آئے گی۔ دوسرے یہ کہ حرام اور مشتبہ چیزوں کا کھانے والا نیکی کے کاموں سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور اگر اتفاقاً نیکی کرتا بھی ہے تو قبول نہیں ہوتی بلکہ اس کے

منہ پر مار دی جاتی ہے اور یہ کار خیر اس کے لیے زحمت بن جاتا ہے۔ لیکن حلال چیزوں میں نیادنی کرنا بھی عابدوں کے لیے آفت اور مجاہدوں کے لیے بلا ہے۔ کیونکہ زیادہ کھانا دل کو سخت کرتا اور اُس کے نور کو بجھا دیتا اور علم و عقل کو کم کرتا ہے۔ کیونکہ پُروری سے طبیعت مضطرب ہو جاتی ہے۔ خواجہ سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: "اگر تم چاہتے ہو کہ دینی یا دنیاوی ضرورتوں میں مشغول ہو تو جب تک اُس سے فارغ نہ ہو جاؤ کچھ نہ کھاؤ۔ کیونکہ غذا عقل کو باطل کرتی ہے اور زیادہ کھانا تمام اعضا کے لیے فتنہ و فساد کا باعث ہے۔" ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ "پیٹ ایسا عضو ہے کہ اگر وہ خالی ہے تو تمام اعضا گناہوں سے سیر ہوں گے اور اگر وہ سیر ہوگا تو تمام اعضا گناہوں کے بھوکے ہوں گے۔" اس کا یہ مطلب ہوا کہ آدمی کے قول و فعل اس کے کھانے پینے پر منحصر ہوتے ہیں۔ اگر حرام اور مشتبہ چیزیں پیٹ میں جائیں گی تو اقوال و افعال بھی حرام اور مکروہ سرزد ہوں گے۔ اگر حلال غذا میں ضرورت سے زیادہ استعمال ہوں گی تو افعال و اقوال بھی فضول برآمد ہوں گے۔ گویا کھانا پینا قول و فعل کے لیے تخم کی حیثیت رکھتا ہے جو اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ یحییٰ بن یسار علیہ السلام نے شیطان کو دیکھا کہ تو بڑے اس کے ہاتھ میں ہیں۔ آپ نے پوچھا "یہ کیا ہے؟" اُس نے جواب دیا "یہ بھوک اور خواہشیں ہیں کہ میں اسی کے ذریعہ آدمیوں کا شکار کرتا ہوں۔" آپ نے فرمایا "کیا مجھے بھی اس سے شکار کر سکتے ہو؟" اُس نے کہا "نہیں، مگر ایک رات جب تم نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا تھا اور گرانی کے سبب میں نے تم کو نماز ادا کرنے سے روک دیا تھا۔" حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کے بعد میں اب کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاؤں گا۔ ابلیس نے یہ سن کر کہا اس کے بعد میں اب کسی کو یہ نصیحت نہ کروں گا۔ اسے بھائی، یہ حال اس شخص کا ہے جس نے تمام عمر میں صرف ایک رات شکم سیر ہو کر کھانا کھایا تھا۔ پھر ہمارا کیا حال ہوگا کہ زندگی بھر میں کسی رات بھوکے نہ رہے اس پر یہ فضول ہوس کہ عبادت بجالائیں۔ لوگوں نے کہا ہے کہ سکرانہ موت کی سختی زندگی کی لذتوں کے برابر ہوتی ہے۔ جس کو اپنی زندگی میں زیادہ لذت حاصل ہوتی ہے موت کی سختی بھی اسی انداز سے اُس پر زیادہ ہوتی ہے۔ حاصل کلام بھوک کے فائدے بے حد و بے حساب ہیں اور شکم پُری کی آفتیں بے تعداد و بے شمار۔ پہلے کام ایک مشکل کام اور لقمے کی باتیں سخت اور خوفناک ہیں۔ جیسا کہ ابھی تم نے سنا۔ اب اگر تم سوال کرو کہ صلہ لینا اور فتوحات کا قبول کرنا

یا اُس کے رد و قبول میں بحث و انکار کرنا واجب ہے یا نہیں؟ تو کہا گیا ہے کہ اگر آدمی کا ظاہر صلاح و تقویٰ سے آراستہ ہے۔ یعنی اگر دینے والا انکو کار نظر آتا ہے تو صلہ و صدقات قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور بحث و تحسین ضروری نہیں۔ اور یہ کہنا کہ زمانہ خراب ہے (یعنی لوگ آج کل کسب حلال میں احتیاط سے کام نہیں لیتے) تو یہ مسلمانوں کے ساتھ بدگمانی کرنا ہے اور ہمیں ان کے ساتھ نیک گمان کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو اس سے جانو کہ اصل دو چیزیں ہیں۔ ایک حکم شرعی ظاہر اور دوسرے حق تقویٰ۔ تو شرعی حکم یہ ہے کہ جب کوئی ایسا آدمی جس کا ظاہر نیک ہے، تمہیں کوئی خیر دے تو لے لو اور یہ نہ پوچھو کہ تم نے کیسے اور کہاں سے حاصل کی؟ لیکن اگر تم کو اس بات کا یقین ہو کہ یہ خیر غضب یا حرام محض ہے تو قبول نہ کرو۔ اور حکم تقویٰ یہ ہے کہ جب تک پوچھ نہ لو اور یقین نہ ہو جائے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے مت لو اور اُسے واپس کر دو۔ اگر کوئی کہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ مخالف شرعی ہے تو اس کا یہ جواب ہے کہ شرعی کی بنیاد پر آسانی پر اور تقویٰ کی بنیاد سختی اور دشواری پر رکھی گئی ہے۔ کہا گیا ہے کہ متقیوں کا کام خود اپنی سختیوں اور بندشوں کی بنا پر ہوتا ہے جو وہ اپنے اوپر خود عائد کر لیتے ہیں۔ اس کے باوجود تقویٰ شرعی کا مخالف نہیں ہے اور دونوں اپنی اصل میں ایک ہی ہیں۔ لیکن جانو کہ شرعی کے احکام دو قسم کے ہیں، ایک جائز اور دوسرے افضل۔ جائز کو حکم شرعی اور افضل کو حکم تقویٰ کہتے ہیں۔ اس لیے دونوں اپنی حقیقت میں ایک ہی ہیں۔ اگرچہ بظاہر ایک دوسرے کے مخالف نظر آتے ہیں۔ اسے بھائی ایہ راہ مجردوں کی راہ اور یہ کام بلند ہمتوں کا کام ہے۔ یہاں پاک بازی اور جاں نثاری کی ضرورت ہے۔ نقل ہے کہ شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ یہاں ایک شخص مقام استاد نامی رہتا ہے۔ آپ اپنے مریدوں کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے دیکھا کہ ایک شخص چٹائی پیٹے زمین پر بیٹھا ہے۔ آپ نے پوچھا مقام استاد تم ہی ہو؟ جواب دیا ہاں، لوگ ایسا ہی کہتے ہیں۔ شیخ نے کہا "استادی میں نامور کیسے ہوئے؟ اُس نے کہا راستبازی اور پاک بازی کی وجہ سے۔ اسی مقام پر کسی نے کہا ہے۔ رباعی

گرچہ لعل ز سر فرازان مائیم
از علم ز خلق بے نیازان مائیم
خاک کف پا سے پاکبازان مائیم

گرچہ لعل ز سر فرازان مائیم
افگندہ کعبتیں بازان مائیم

(اگرچہ اپنے عمل کی وجہ سے ہم سر بلند ہو گئے اور علم کی وجہ سے خلق سے بے نیاز ہیں۔ لیکن اس میدان کے کھلاڑیوں کے سامنے سرافگندہ ہیں اور پاکبازوں کے تلووں کی خاک ہیں)۔ اے بھائی مَنْ كَانَ أَضْعَفُ فَإِلَهُهُ أَطْفُ (جو شخص جتنا کمزور اور ضعیف ہوتا ہے خدا اتنا ہی اُس پر زیادہ مہربان ہوتا ہے)۔ وہ تمام ربوں کا رب ضعیفوں اور کمزوروں کا کام اس طرح بنادیتا ہے کہ مقربانِ درگاہ حیران رہ جاتے ہیں۔ ہزاروں مقرب اور مقدس ہستیاں رکوع اور سجود کے سمندر میں غوطے لگاتی ہیں اور کوئی اُن کی بات تک نہیں پوچھتا۔ اور یہاں ایک فقیر و بے نواجب سوکراٹھتا ہے اور کہتا ہے ہائے بہت دیر تک سوتے رہے اور عمر عزیز ضایع کر دی۔ تو وہ رب الارباب قرآن مجید میں آسمان والوں اور زمین والوں پر ان الفاظ میں ان کی تعریف کرتا ہے۔ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (اُن کی پسلیاں اور پہلو ہر وقت زمین سے لگے ہوئے ہیں)۔ اور ایک حقیر کتا اُس کے دوستوں کے پیچھے چند قدم چلا تو اُس کے پاؤں کی خاک مقربانِ بارگاہ کی آنکھوں کے لیے سرمہ بنادی گئی اور قرآن مجید میں قیامت تک اُس کو یہ خطاب مرحمت ہوا وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ پَالُوْصِيْدٍ (اور ان کا کتا ہاتھ پاؤں پھیلائے ان کی چوکھٹ پر پڑا ہے) والسلام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

پچاسیواں مکتوب

نفس کو جدا کرنے کے بیان میں

بھائی شمس الدین۔ معلوم ہو کہ خوش بختانِ طریقت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اَوَّلُ دَوَجَةِ الْعَبْدِ فِي الْمَعْرِفَةِ هِيَ اِنَّهُ لِنَفْسِهِ (پہلا درجہ معرفت میں بندے کا اپنے نفس سے دور ہو جانا ہے)۔ یعنی خدا سے غرور کی پہچان اپنی ذات سے بیزاری ہے۔ جب تک اپنے سے بیزاری کو نہ پہچانے گا خدا کی آشنائی کا مرتبہ نہ پاؤ گے۔ تمام لوگوں کی نظر اپنے اوپر اس لیے پڑتی ہے کہ خود ان کا وجود معرفت کے راستے میں رکاوٹ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مردانِ راہ حق سارا غصہ اپنے اوپر اتارتے ہیں اور جو تلووار اٹھاتے ہیں اپنے اوپر اٹھاتے ہیں۔

تاکہ اس کم محبت اسکا ذکر دور کر دیں اور دل بارگاہ معرفت تک پہنچ سکے یا راہ طلب میں خاکستر ہو جائے۔ مثنوی۔

نہے غرت کہ چندان بے نیازی است
کہ چندین عقل و جان آنجا بازی است
نہے غیرت کہ گریہ عالم افتد
بیک ساعت دو عالم برہم افتد
نہے رحمت کہ گریک ذرہ ابلیس
بیابد گوسے بریاید ز ادریس

(اللہ اللہ رب العزۃ کی شان بے نیازی کا کیا کہنا کہ جہان بے شمار عقلیں اور جانیں کھیل بن کر رہ گئی ہیں۔ اسکی غیرت بھی کیا خوب ہے کہ اگر اس کا ایک شتمہ عالم پر پڑ جائے تو دونوں جہان نصیب نابود ہو جائیں۔ اور اسکی رحمت وہ ہے کہ اگر اس کا ایک ذرہ بھی ابلیس کو مل جائے تو وہ حضرت ادریس علیہ السلام سے بھی بازی لے جائے۔ اَلْمَعْرِفَةُ الْقَوْزُ بِالْقُدُسِ وَالْفَلَاحُ بِالْاُنْسِ (معرفت بارگاہ قدس میں کامیابی اور محبت میں فلاح و نجات ہے)۔ اتنی بڑی دولت ایسی بد محبت رکاوٹ کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ الصِّدِّاقُ لَا يَجْتَمِعُونَ (دو صند ایک جگہ جمع نہیں ہوتے)۔ یہ آب و گل کا کام نہیں ہے۔ اور نہ عالم کون و فساد کی دولت ہے۔ یہ ازلی نعمت اور ابدی صفات کی بارگاہ ہے۔ اگر تمام مخلوقات سرکشی پر اتر آئیں تو اس کے آستانے کو ذلت کی گرد تک نہ پہنچے گی۔ اور اگر تمام سرکش صدیق و صالح بن جائیں تو اس کے دربار کا استغنا کچھ زیادہ نہ ہو جائے گا۔ ایک بزرگ نے کہا ہے:

نہے ساحت کہ گر عالم نہ بودے
بہر موی ازاںجا کم نہ بودے
نہے وحدت کہ موی در نہ گنجد
دران وحدت جہان موی نہ بخجد
نہے حیرت کہ جان ماہست بر تو
کنون عاجز شد و دل بست بر تو

(اللہ اکبر! کتنی بڑی وسعت ہے کہ اگر یہ سارا عالم نہ ہوتا تو اس کی بارگاہ میں ایک بال بھر کی نہ ہوتی۔ وحدت بھی کیسی کہ ایک بال کی بھی سمائی نہیں۔ اس کی وحدت میں یہ جہان بال کے برابر بھی نہیں ہے۔ اللہ اللہ! جان کو تیری معرفت میں کس درجہ حیرت ہے کہ آخر عاجز ہو گئی اور کچھ سے دل کو وابستہ کر لیا)۔ یہ تو کسی جو ہر یگانہ و یکتا ہی کا کام ہے نہ اس آبِ خاک کا۔ نہ عابدوں اور زاہدوں کا، بلکہ یہ ننگ بھہ کوں اور دکھیاروں کا کام ہے۔ جن کی زبانوں

یہی وظیفہ رہتا ہے۔ قطعہ

قلندری و خراباتی از پے تو شدم
چنین کہ از در ہمت گدائے کوئے تو شد
حدیث عشق تو دیدم کہ یارسانی نیست
کہ هیچ سلطنتے خوشتر از گدائی نیست
دیرے لیے ہم ملامتی اور خراباتی بن بیٹھے کیونکہ تیرے عشق و محبت کی گفتگو کو پارسانی سے کوئی
واسطہ نہیں۔ ہم اسی لیے ہمت سے کام لے کر تیری گلی کے فقیر بن گئے ہیں کہ کوئی بادشاہت تیری
فقیری سے بہتر نہیں ہے) قطعہ

در راہ تو بمیرم ارچہ ترانہ منیم
ز انجا کہ رفتہ تو نفرستی از سلائے
بائے خلاص یا بم از تنگ زندگانی
بر دست باد بائے از خاک نشانی
(مانا کہ میں تجھے نہ دیکھ سکوں گا لیکن تیرے راستے میں مر تو جاؤں گا اور آخر اس بے غیرتی کی زندگی
سے نجات پاؤں گا۔ اے محبوب تو جہاں گیا ہے وہاں سے کوئی سلام بھی نہ بھیجا۔ کاش ہمارے
ہاتھوں میں نشانی کے طور پر تیرے راستے کی خاک ہی رہ جائے) جیسا کہ حضرت سلطان العارفین
قدس اللہ سرہ نے فرمایا ہے وَجَدْتُ هَذِهِ الْمَعْرِفَةَ بِطَيْنِ جَالِحٍ وَبَبَدَنِ عَادٍ۔
(میں نے بھوکوں پیٹ اور تنگے بدن رہ کر یہ معرفت حاصل کی ہے)۔ فاقہ مستی اور عرفانی بارگاہ
آشنائی کی کنجی ہے پس یہی صفات حاصل کرو کیونکہ یہی غریزہ اور دروازہ معرفت کی کلید ہیں۔ اور
آپ ہی یہ فرماتے ہیں۔ اَلْمُحْبُوْبُوْنَ عِنْدَ اللّٰهِ ثَلَاثَةٌ اَلْزَاهِدُوْنَ بِزُهْدِهِمْ وَالْعَابِدُوْنَ
بِعِبَادَتِهِمْ وَالْعُلَمَاءُ بِعِلْمِهِمْ (تین گروہ اللہ تعالیٰ سے حجاب میں مبتلا ہیں۔ زاہد اپنے
زہد کے حجاب میں، عابد اپنی عبادت کے حجاب میں اور عالم اپنے علم کے حجاب میں)۔ یہ کلام ایک
سمندر ہے کہ اس کے عجائب و غرائب کبھی ختم ہونے والے نہیں۔ اگر تمھارے دل میں ذرہ برابر بھی
یہ خیال باقی ہے کہ دنیا میں مجھ سے بہتر کوئی نہیں ہے تو تم متکبر کہلاؤ گے۔ دیکھو! خبردار کبھی دعوے
کی ٹوپی سر پر نہ رکھنا، ورنہ دُور پھینک دیے جاؤ گے اور غرور پر کمر بستہ رہو گے۔ یاد رکھو معرفت کی
گفتگو کرنا متکبروں کا کام نہیں ہے۔ مَا دَامَ الْعَبْدُ يَظُنُّ اَنْ فِيْ جَمِيعِ الْخَلْقِ مَنْ هُوَ شَيْءٌ
مِثْلِيْ فَهُوَ مُتَكَبِّرٌ (بندہ جب تک یہ گمان کرتا ہے کہ تمام مخلوق میں کوئی مجھ سے برابر ہی تو وہ
متکبر ہے اور حجاب میں پڑا ہوا ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا ہے۔ مثنوی

چو علمت بہت با علمت عمل کن
ترا با علم دین یک ذرہ کردار
برو کار سے بکن کاین کار خام است
پس از علم و عمل اسرار حل کن
بسے بہ زانکہ علم دین بہ خردار
از علم دین ترا حرفے تمام است

جب تجھے علم حاصل ہے تو اپنے علم پر عمل کر اور علم و عمل کے ذریعہ اسرارِ خداوندی حل کرے۔
تیرے لیے علم دین کے ساتھ ایک ذرہ کردار اس علم دین سے ہزار گونہ بہتر ہے جو گدھے کا بوجھ ہو۔
جا کوئی کام سرانجام دے۔ یہ جو کچھ تو کر رہا ہے خامکاری ہے۔ اگر تو صحیح عمل سے کام لے تو علم دین کا
ایک حرف تیرے لیے کافی ہے۔ بھئی معاذِ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت
خواجہ بایزید بسطامی قدس اللہ سرہ الغریز کی خدمت میں گیا دیکھا کہ وہ ایک چمڑا سر سے لپیٹے اور
پُرانی رسی سے باندھے تکبیر کہہ رہے ہیں۔ میں نے کہا۔ "اے برہان الموحدین کیا ملک میں کوئی سنا
پیش آیا ہے جو آپ تکبیر کہہ رہے ہیں؟" انھوں نے کہا "اے بھئی" اگر تم یہ راز جاننا چاہتے ہو تو
روم چلے جاؤ۔ جب میں روم میں پہنچا تو ایک بڑا حصار دیکھا جہاں لوگوں کا ہجوم تھا اور دشمنانِ
دین کی جلی بھنی بے شمار لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ "اس
شہر کے رہنے والوں نے مسلمانوں سے جنگ کی تھی۔ قریب تھا کہ لشکرِ اسلام کو شکست ہو جائے
کہ اچانک بسطام کی طرف سے تکبیر کی آواز آئی اور اُس کے پیچھے ایک آگ ظاہر ہوئی اور اس
حصار میں لگ گئی اور یہ سب جل کر راکھ ہو گئے۔ پھر میں واپس بسطام آیا اور حضرت بایزید کو
دیکھا کہ آپ پاؤں کی دو انگلیوں پر بیٹھے ہیں اور حیرانی اور درد کے ساتھ مناجات کر رہے ہیں۔
نمازِ عشا تک ان کا یہی حال تھا۔ جب فارغ ہوئے تو میری طرف دیکھ کر فرمایا۔ "اے بھئی! بارگاہِ
ربوبیت میں تیس ہزار مقامات پر میرا گذر ہوا ہے اور میں نے ہر مقام پر حضرت رب العزت سے مناجات
کی ہے۔ آخر مجھ سے پوچھا گیا۔ اے بایزید تیری مراد کیا ہے؟ میں نے کہا اُریدُ اَنْ لَا اُریدُ
(میری مراد یہ ہے کہ میری کوئی مراد نہ ہو)۔ میری مراد بے مرادی ہے، اور میرا چاہنا کچھ نہ چاہنا ہے۔

زبان بماند بنامت ہنوز میری نیست
دریغ عاشق مسکین کہ یک زبان ارد

(تیرا نام رٹنے رٹتے زبان گھس گئی لیکن میری نہ ہوئی۔ افسوس کہ اس غریب عاشق کے منہ میں
ایک ہی زبان ہے)۔ حضرت بھئی نے کہا۔ "آپ نے یہ کیوں نہیں کہا کہ اپنی معرفت مجھے

عنایت فرما! انھوں نے کہا "اَعَاذُ عَلَيْهِ اَنْ اَكُوْنَ ذٰلِكَ۔ (مجھ کو غیرت اجازت نہیں تھی کہ معرفت میں غور و فکر کروں) اور یہ کس قدر بری بات ہے کہ قدیم کی صفت حادث کی صفت سے مل جائے۔ اس جگہ لوگوں نے کہا ہے کہ حضرت بایزید نے اَعَاذُ عَلَيْهِ کہہ کر حضرت یحییٰ کا راستہ روک دیا تاکہ وہ اُن کے پیچھے نہ لگ جائیں۔ ان بزرگوں کا یہی طریقہ ہے کہ اپنی روش ظاہر نہیں کرتے تاکہ راہروں کی غیرت و زحمت سے محفوظ رہیں۔

تو گر باحق بہ شبِ درِ راز گوئی دگر روزِ آن بہ فخر و ناز گوئی
ریا و عجب کوہِ آتشین بہت نمی دانی کہ کوہِ دو رخ این بہت

(اگر تو ساری رات اللہ تعالیٰ کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول رہا اور دوسرے دن فخر و ناز کے ساتھ لوگوں سے کہتا پھرا تو یقیناً یہی ریا و عجب کا آتشیں پہاڑ ہے۔ تو نہیں جانتا کہ دو رخ کا آتشیں پہاڑ یہی ہے) پیروں میں سے ایک پیر فرماتے ہیں کہ میں دس سال تک آلسو روتا رہا، دس سال خون اور دس سال پیپ رویا کیا۔ اب دس برس سے برابر منس ہا ہوں۔ اُس پیر نے اس طرح راستہ گم کر دیا تھا۔ اور اپنے دین کی حسرت و غم میں روتا تھا۔ اور نادان لوگ اس پر عشق کا الزام رکھتے تھے۔

از بے عشق ہم طعنہ زنانِ بخراند اے مسلمان ہم فریاد ازین بخران
(عشق کا طعنہ دینے والے سب بے خبر ہیں۔ اے مسلمانو! میں ان بے خبروں سے عاجز ہوں اور فریاد کرتا ہوں) معرفت و حقیقت کی گفتگو میں لوگوں کو سخت مغالطہ ہوا ہے۔ ان میں اکثر وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ وہ نہیں جانتے۔ کیونکہ تمام جانتے والوں کا جانتا یہ ہے کہ ان کو اپنے نہ جاننے کا علم ہو جائے۔ اور تمام پہچاننے والوں کی انتہا یہ ہے کہ وہ پہچان لیں کہ اُس کو نہیں پہچان سکتے۔ جمالِ لا الہ الا اللہ کے مرتبے کی قسم کہ ہم نے جو کچھ جانا ہے اس سے توبہ کرتے ہیں۔

جہان از تو پُر و تو در جہان نے ہمہ در تو کم و تو در میان نے
جہان پر نام تو وز تو نشان نے شدہ بے بندہ عقل و تو عیان نے
جہان عقل و جان حیران بماندہ تو در پردہ چنان پہنان بماندہ
ز عجز خویش می گوئیم اے پاک توئی معروف و عارف ماعرفناک

(تجہ سے سارا جہان بھرا ہوا ہے مگر تو جہان میں نہیں۔ تجہ میں سب گم ہیں مگر تو بیچ میں نہیں ہے۔ تیرے نام سے سارا عالم پیسے لیکن تیرا کہیں نشان نہیں۔ عقلیں دیکھنے والی ہیں لیکن تو ظاہر نہیں ہوتا۔ جان و عقل کا سارا جہان متحیر ہو گیا ہے کہ تو پردے میں کیسا چھپ گیا۔ اے پاک ذات ہم اپنی عاجزی کا اقرار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو ہی معبود ہے اور تو ہی عارف ہم نے تجھے نہیں پہچان لیا۔ اے بھائی بڑے تعجب کی بات ہے کہ تمام دلیریاں اور بہادریاں جب معرفت کے کوچے میں پہنچتی ہیں تو برباد و عشق ہو جاتی ہیں۔ اور تمام علوم کے سمندر جب قدرت کی موج تک پہنچتے ہیں تو قطرہ بن جاتے ہیں۔ تمام غریب اور شرافتیں جو طلبِ کارادہ کرتی ہیں سراسر ذلت بن جاتی ہیں۔ اور تمام دعوے جو اُس کی پاکی کلام تک پہنچتے ہیں شکست خوردہ ہو جاتے ہیں۔ اگر مخلوق کی عاجزی کی تمہید مقصود نہ ہوتی تو کون کہتا مَافَا کَدَرُوا اللہَ حَقَّ قَدَرِهِ (اللہ کی قدر معرفت کا حق کسی نے ادا نہیں کیا) سارے جہان کے خدا شناسوں کو جنازے پر رکھتے ہیں تب کسی ایک آشنا کو چنتے ہیں۔ یہ وہی راز ہے جسے خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ یوں فرماتے ہیں کہ میرے ساتھ ہزاروں مریدانِ صادق کو صدق کے راستے میں پھانسی دے کر مقامِ معرفت کے قریب قمر کے دریا میں ڈبو دیا جب کہیں جا کر ہم ارادت کے آسمان پر سورج بن کر چلے ہیں اور خواجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا "آپ مرنے سے پہلے کیا چاہتے ہیں؟" آپ نے کہا اُرِيدُ اَنْ اَعْرِفَهُ قَبْلَ مَوْتِي بِالْمُخَاطَبَةِ (میری تمنا ہے کہ مرنے سے پہلے دم بھر کیلئے اس کی معرفت کی دولت مجھے نصیب ہو جائے)۔ کسی دل جلے نے کہا ہے۔

چون می کشی رہا کن تاپائے تو بوسم بلے بسینہ من این آرزو نما ند

(جب تو مجھے مار ڈالنا ہی چاہتا ہے تو ذرا مجھے آزاد کر دے تاکہ میں تیرے پاؤں چوم لوں تاکہ میرے دل کی یہ آرزو باقی نہ رہ جائے)۔ اسی جگہ لوگوں نے کہا ہے کہ سالکانِ طریقت جب دنیا سے منفر کرتے ہیں تو زیادہ تر اپنا دردِ جگر ساتھ لے جاتے ہیں۔ اور ان باتوں کے غمگین کبھی اپنے ماتم کی بساط نہ نہیں کرتے۔ لوگ آتے ہیں اور جاتے ہیں آسمان والوں کو آسمان پر اور زمین والوں کو زمین پر پہنچاتے ہیں لیکن اس حسرت کے ماتمی لباس کو غمگینوں کے بدن سے نہیں اتارتے۔ جیسا کسی درد مند نے کہا ہے۔ قطعہ۔

در ہر دلی کہ در نہ رود دلیرے بسوز

مردم بر آستان و نہ رفتہ دلنا کنون

آتش بہ خانہ کہ نہ شد میہمان درون

خاکم مگر کہ باد برد آستان درون

(جس دل میں دلیر ہی نہ آئے اُسے جلا ڈال۔ اس گھر میں آگ لگ جانا ہی بہتر ہے جس میں میہمان نہ آئے۔ میں دروازے ہی پر مگر گیا اور اندر نہ جاسکا۔ کاش ہوا ہی میری خاک کو اندر پہنچا دے۔)

سفیان عینیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کَوْفُکِی الْحَزْنُ دُنْ مِنْ اُمَّةٍ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم لَرَحِمَ اللّٰہُ الْاُمَّةَ بِبِکَاثِہٖ (اگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے کوئی شخص روتا ہے اضطراب کی حالت میں تو اللہ تعالیٰ اُس کے رونے کی وجہ سے ساری امت پر رحمت فرماتا ہے۔

اَوْحٰی اللّٰہُ تَعَالٰی اِلٰی مُوسٰی بْنِ عِیْمٰنٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ حَزْنُ دُنْ مِنْ اُمَّةٍ اَحْمَدُ یَقُوْلُ یَا رَبِّ اَقُوْلُ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ (اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی کہ امت احمد

صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی غمگین جب "یارب" کہتا ہے تو ہم "لبیک لبیک" کہتے ہیں، ہر زمانے میں صاحبِ غم و اندوہ ایک ہی شخص ہوتا ہے اور دوسرے اُس کی پناہ میں زندگی گزارتے ہیں

خواجہ دکیع بن جراح رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کَمَا مَاتَ الْفَضِیْلُ ذَهَبَ الْحُزْنُ مِنَ الْاَرْضِ (جب فضیل [ابراہیم ادہم] نے انتقال کیا تو دنیا سے حزن جاتا رہا) اپنے زمانے میں غم و

اندوہ کی سلطنت کے فرماں روا خواجہ فضیل ہی تھے جب وہ نہ رہے تو گویا غم بھی دنیا سے رخصت ہو گیا۔ مشائخ رضوان اللہ علیہم کے کلمات میں ہے صَاحِبُ الْحُزْنِ یَقْطَعُ مِنَ

الطَّرِیْقِ فِی شَہْرِ مَا لَا یَقْطَعُ مَنْ فَقَدَ حُزْنَہٗ یَسِیْنِیْنَ۔ (صاحبِ غم ایک مہینے میں اتنا راسخ طے کرتا ہے کہ غم سے عاری انسان برسوں میں طے نہیں کر سکتا)۔ دوسروں کو بڑے

مجاہد سے کی ضرورت ہے جب کہیں دین کے راستے میں ایک قدم بڑھا سکتے ہیں۔ اور ممکن ہے کہ اس پر بھی نہ بڑھا سکیں۔ لیکن وہ شخص جو غم و اندوہ کی باتوں میں ڈوبا ہوا ہے، پہلا قدم

اس کا بساطِ صدق پر ہوتا ہے اور میخانہٴ محبت کا پہلا جام اسی کو ملتا ہے۔

من یہ کمرے قیامت خونِ تورم بر یاد تو جوئے شیر آن انما کو تشنہ کوثر بود

(میں تو قیامت کی گرمی میں محبوب کو یاد کرتا اور خونِ جگر پیتا ہوں۔ یہ دودھ کی نہر اس کو دکھلا جو کوثر کا پیا سا ہوا)۔ اسی راز کے معنی میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فتوہ ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ كُلَّ قَلْبٍ حَزِينٍ۔ (ہر ایک غمگین دل والے کو اللہ دوست رکھتا ہے)۔
 توریت میں ہے إِذَا أَحَبَّ اللَّهُ عَبْدًا نَصَبَ فِي قَلْبِهِ نَائِمَةً وَإِذَا أَبْغَضَ اللَّهُ
 عَبْدًا نَصَبَ فِي قَلْبِهِ مِنْ مَّارًا (جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس
 کے دل میں خزن و طلال ڈال دیتا ہے اور جس بندے سے غصہ اور عداوت کرتا ہے اس کے
 دل میں طرب و خوشی پیدا کر دیتا ہے)۔ خداوند تعالیٰ جب مخلوق پر احسان کرتا ہے تو یہ احسان
 کرتا ہے کہ اپنے دوستوں کے دلوں کو بغیر گریہ و زاری کے نہیں چھوڑتا۔ اور اپنے دشمنوں کو
 طرب و خوشی سے خالی نہیں رکھتا۔ کسی کے دل میں اتنا رنج و غم نہیں تھا جتنا سرور و عالم صلی
 اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں تھا۔ وَكَيْفَ يَتَلَذَّذُ مَنْ يَتَجَدَّدُ عَلَيْهِ الْمَصَائِبُ
 فِي كُلِّ وَقْتٍ (جس کو ہر لمحہ نئی مصیبت غیب سے پہنچتی ہو وہ کیسے خوش رہ سکتا ہے قطعہ

تو اے پیر کہ ازین سو سواری گزری مرا بکش چو براے شکار می گزری

تو مست خواب دانی کہ ناچہ می گذر دران دے کہ بہ بہائے تاری می گزری

(اے لڑکے تو سوار ہو کر اس طرف سے گزرتا ہے۔ اگر شکار کے لیے جاتا ہے تو مجھے قتل کر۔
 تو مست خواب کیا جانے کہ جس دل میں تو تاریک اتوں میں گزرتا ہے اس پر کیا مصیبت
 لوٹتی ہے)۔ حضرت خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر خواجہ سری سقطی قدس اللہ سرہ العزیز
 کو نزع کی حالت میں نیکھا بھل رہے تھے۔ آپ نے آنکھ کھول کر دیکھا اور کہا۔ کَيْفَ
 يَسْتَلْذِ بِنَسِيمِ الْمُرُوحَةِ مَنْ فِي نَفْسِهِ كَيْدٌ يَحْتَرِقُ (اس آدمی کو نیکمے کی ہوا سے کیا
 راحت مل سکتی ہے جس کے سینے میں اس کا کلیجہ ٹھنک رہا ہو)۔ اے فرزند تو مجھے نیکھا بھل
 رہا ہے اور میرے جگر میں آگ لگا کر جلا رہے ہیں۔ اور ایسی آگ کہ اگر اس کا ایک شرارہ
 پہاڑ پر پہنچ جائے تو وہ راکھ ہو جائے یہ تیرے نیکمے کی ہوا کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے قطعہ
 مرا این تشنگی از بہر آب دیگر است ارے منی بینی کہ در ہر دیدہ دریایے دگر دارم
 طبیباً خویش را ز حمت مدہ چون بہ خواہم شد کہ من اندر ہر شوریدہ سوداے دگر دارم
 دیری یہ پیاس تو کسی دوسرے ہی پانی کے لیے ہے نہیں تو کیا تم نہیں دیکھتے کہ میری دونوں آنکھوں
 آنسوؤں کا دریا بہہ رہا ہے۔ اے طبیبو! میرے علاج کی زحمت گوارا نہ کرو میں اچھا نہ ہوں گا۔

کیونکہ میں اپنے بر شویدہ میں ایک دوسرا ہی سودا رکھتا ہوں۔ اے بھائی، اب دل خوش رکھو اگرچہ گناہ بے حد بے حساب ہیں اور عبادت و بندگی کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن لَا تَقْضُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ (خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو) کے فتویٰ نے تمام گناہگاروں کو اپنی پناہ میں گھیر لیا ہے۔ اور فرمان وَلَا تَأْيِسُوا مِنْ رَوْحِ اللَّهِ (اللہ کی بخشش اور کرم سے مایوس نہ ہو) نے سارے مفلسوں کو اپنی رحمت کے سایے میں جگہ دے دی ہے جب وہ بخشش کر ہی چکا ہے تو ناامید نہیں ہو سکتے اور جب وہ بخشش ہی کرنے والا ہے تو اس سے مایوس نہیں ہو سکتے ہیں۔ اے بھائی جب وہ بخشش ہی والا ہے تو اپنی رحمت سے گناہگاروں کی ناامیدی کیونکر جائز رکھے گا۔ اور جب وہ بخشش والا ہے تو اپنے خزانہ رحمت سے مفلسوں کو ناکام نہ چھوڑے گا۔ اے بھائی شکستہ دل نہ ہو۔ تم اس وقت کتنے ہی مفلس کیوں نہ ہو جب تمہارے رخسار و جو کو اس نے اپنے حسن کے زیور سے آراستہ کیا ہے اور خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ (حضرت آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) کا تاج تمہارے سر پر رکھا۔ تو اس کا جمال تمہارا جمال اور اس کا کمال تمہارا کمال ہے۔ اگر تم خرابات کی ہوا سے آلودہ ہو گئے تو جانتے ہو کہ ملائکہ علی کے فرشتوں کو قدس کے مصلے پر کیوں بٹھایا ہے۔ اس لیے کہ اپنے استغفار کے پانی سے ان دھبوں کو دھو ڈالیں۔ اور اگر کبھی خواہشات کے بازار میں گناہوں سے ملوث ہو جاؤ تو اس کا ازلی کرم اور ابدی مہربانی عالم میں پکار کر کہتی ہے قَاتِلْ يَوْجَهُ مَلِيحٌ ذُو نُوْبٍ لَسْتُ كَأَحَدِكُمْ (ایسے خوبصورت چہرے کے لیے گناہ کا دھبہ کہاں ہے۔ تم جیسا تو کوئی نہیں ہے)۔ اسی معنی کا راز ہے کہ ایک دن سلطان محمود غازی رحمۃ اللہ علیہ نے الفصاف کی غرض سے اپنے لشکر میں ڈھنڈورا پٹوایا کہ جس کسی سے کوئی بے ادبی سرزد ہوگی، ہم اُسے قاتلنا گرفتار کر کے پھانسی پر لٹکا دیں گے۔ لیکن اس کے بعد ہی عنایت و مہربانی کا وقت آیا اور منادی کو واپس بلا کر حکم دیا کہ یہ بھی اعلان کرنا کہ ہمارا دوست ایاز اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ وہ ہماری محبت میں بے خود ہے اور ہماری پناہ میں ہے۔ اگرچہ غلام کی صورت میں ہے لیکن بادشاہ

اے کردہ محو نیت بہ احسان گناہ ما
پس کردہ از سر ادق غرت پناہ ما
این شود ز عدل تو جاننا اگر شود
در موعِدِ قضاے تو حکمت گواہ ما

(اے وہ ذات جس نے اپنے احسان سے ہمارے گناہ مٹا دیے اور غرت کے خمیوں میں ہمیں پناہ دی۔ اگر ہماری جانیں تیری قضا کی گرفت میں آ بھی جائیں تو تیرے عدل سے محفوظ رہیں گی۔ تیری حکمت و رحمت ہمارے اس دعوے کی گواہ ہے)۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پچھیا سیواں مکتوب ۸۶

اپنے ساتھ موافقت کرنے کے بیان میں

غریز بھائی شمس الدین، اللہ تعالیٰ تمہیں طالبوں کی بزرگی کے ساتھ نوازے۔
 سنو جس نے اپنے ساتھ موافقت کی اور اپنی خودی کو قبول کر لیا، وہ اگرچہ صورتاً زندہ ہے
 لیکن حقیقت میں مردہ ہے۔ اور جس کی زندگی خدا کے ساتھ ہے وہ اگرچہ صورتاً مردہ ہی کیونٹی ہو
 حقیقتاً زندہ ہے۔ کیونکہ موت جسم کی موت اور عدم جسم کا عدم نہیں ہے۔ موت جس طرح صورت
 پر واقع ہوتی ہے اسی طرح معنی پر بھی واقع ہوتی ہے۔ مخلوق بشریت کے دریا میں ڈوبی ہوئی ہے
 اور انبیاء علیہم السلام ان کا ہاتھ پکڑ کے بشریت کے دریا سے باہر نکالتے ہیں تو یہ توحید کے دریا
 میں اس طرح غرق ہو جاتے ہیں کہ کوئی ان کا نشان بھی نہیں پاتا۔ اے بھائی، جب توحید کا سوچ
 نکل آئے گا تو لامحالہ تمہاری ہستی کا چراغ نخلت عدم میں غائب ہو جائے گا۔ اور اس وقت
 تمہارا وجود ہوگا نہ ہونے کے برابر اور تمہارا عدم ہوگا موجود ہونے کی صورت میں۔ اس کا
 یہ مطلب ہے کہ عین آفتاب کے سامنے چراغ کی کوئی حیثیت نہیں۔ سارا فروغ آفتاب کا ہے۔
 اب چونکہ چراغ کے وجود کا کوئی فائدہ (یعنی نور) ظاہر نہیں ہوتا اس لیے اس کا وجود عدم اور ہونا
 نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ عدم اور وجود آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور
 کسی چیز کا ایک ہی وقت میں موجود اور معدوم ہونا محال ہے تو اس کا یہ جواب ہے کہ یہ تضاد عین
 ذات میں نہیں ہے بلکہ صفات میں ہے کیونکہ عین ذات میں تبدیلی ممکن نہیں البتہ صفات بدلتے
 رہتے ہیں اور خلقت نہیں بدلتی۔ جیسے آفتاب کی گرمی پانی کو گرم کر دیتی ہے تو پانی کی صفت بدل
 جاتی ہے لیکن پانی اپنی ذات میں نہیں بدلتا۔ پانی دلیسا ہی موجود ہے، آفتاب کی تپش نے اس کے

صفات بدل دیے ہیں۔ اس میں اجتماعِ ضدین کا احتمال نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنانِ دین کی صفت میں فرمایا ہے اَمَوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ (وہ مردہ ہیں زندہ نہیں، مگر وہ اس بات کو نہیں سمجھتے)۔ یعنی یہ بیگانے صورت کے اعتبار سے تو زندہ ہیں لیکن زندگی کے معنی کے اعتبار سے مردہ۔ کیونکہ زندگی کی حقیقت یہ ہے کہ ذاتِ اپنی زندگی سے خود فائدہ حاصل کرے مگر ان کو اپنی زندگی سے کوئی فائدہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کل قیامت میں اپنی موت کی آرزو کریں گے۔ اور اپنے وجود کی مصیبت میں مبتلا رہیں گے۔ اور اپنے دوستوں کے حق میں فرمایا وَلَا تَحْسِبَنَّ الَّذِي قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اَمْواتًا قُلْ اَمْواتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ (جو لوگ خدا کی راہ میں شہید ہو گئے اُن کو مردہ شمار نہ کرو، بلکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں)۔ یہ ایسے شخص کے لیے ہے جو اُس کے راستے میں اپنی جان ہتیلی پر رکھ کر موت سے بے نیاز چل کھڑا ہو اُس کے لیے عِنْدَ رَبِّهِمْ کی خصوصیت ہے۔ جو شخص اپنی جان کے ساتھ اس راستے میں اترتا ہے اسے بہشت میں رضوان کے سپرد کیا جاتا ہے کہ یہ تیرا مہمان ہے۔ اور جو شخص پہلے ہی بے جان ہو کر (یعنی اپنی خودی کو ترک کر کے) اس راستے میں اترتا ہے اور عشق کے پاؤں سے منزل طے کرتا ہے اُس کے لیے کوئی واسطہ درمیان میں نہیں ہوتا۔ (یعنی بغیر بہشت و رضوان کے خدا کا قرب حاصل کرتا ہے) یہی وہ گروہِ دوستان ہے جو بغیر وجود کے موجود ہے۔ اور دشمن موجود ہیں مگر بغیر وجود کے موجود ہیں۔ اس کے لیے شرط یہی ہے کہ تم سامنے عالم سے الگ تھلگ ہو جاؤ، اپنی خودی سے نکل آؤ، اور اپنے اوپر چار تکبیریں پڑھ لو اور نفس کے کتے کو نکال باہر کرو۔ تاکہ تم کو دوست بنا کر مخلوق کے سامنے پیش کریں۔ جیسا اصحابِ کف کے ساتھ کیا۔ يٰۤأَطَلَّعَتْ عَلَيْهِمُ لَوْلَكُنْتَ مِنْهُمْ فَرَارًا وَلَكُمَلِكْتُ مِنْهُمْ رُحْبًا۔ (اگر تو ان کے پاس جائے تو پیچھے بھاگ جائے اور تیرے اوپر ان کا رعب بھاگ جائے)۔ مردوں کو تو سیاست میں گرفتار نہیں کیا جاتا۔ لیکن نوٹان میں اتنی ہیبت رکھ دی کہ حضرت سلطان الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اگر تم اُن کو دیکھو تو اُن کی ہیبت سے واپس لوٹ آؤ۔ وہاں سے دھوپ بھی کترا کر گزرتی ہے اور ان کے کتے کی بھی رعایت ملحوظ رکھتی ہے جو دوستانِ خدا کی چوکھٹ پر نمر رکھے سو رہا ہے۔ دیکھو ذرا، وہ آرام کی نیند سو رہے ہیں اور زمین و آسمان اور عالمِ ملکوت کے فرشتے ان کی خدمت و حفاظت کے لیے کمر بستہ ہیں۔ جب اُن کو

سہ چار تکبیریں جیسے نمازِ جنازہ میں پڑھی جاتی ہیں۔

اُن کی ہستی سے بھین لیا تو یہ مرتبہ عطا کیا کہ موجودات اور مخلوقات دنگ ہو کر رہ گئے۔ پس جو شخص اپنے آپ سے بھاگتا ہے اور خودی کو ترک کرتا ہے وہ خدا کی پناہ میں آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن پر یہی احسان کرتا ہے جیسا اصحابِ کف کے ساتھ کیا۔ اگر تم بھی اسی طرح اُس کے دربار میں آجاؤ تو تمہارے ساتھ بھی یہی کرے گا جو ان کے ساتھ کیا۔ وہ مرید جو طالب ہے اُس کو حضرت عیسیٰ پیغمبر علیہ السلام کی طرح ہونا چاہیے کہ اُن کو کسی جگہ قرار نہ تھا۔ ہمیشہ عالم کی سیاحت ہی کرتے رہے۔ لوگوں نے پوچھا "آپ اتنی سیاحت کیوں کرتے ہیں؟" آپ نے کہا: شاید کسی صدیق نے اس جگہ پاؤں رکھا ہو اور اس جگہ کی خاک ہماری شفاعت کرے۔ اگر تمام صدیقوں کا درد ایک جگہ جمع کرو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درد کے برابر نہ ہوگا۔ اور اس راہ کی نیاز مندی کو نہ پائے گا۔ اے بھائی، مدت ہوئی کہ یہ ندا کی چاچکی ہے

خَزَائِنُنَا مَمْلُوءَةٌ مِنَ الطَّاعَاتِ فَعَلَيْكَ بِذَرَّةٍ مِنَ الْإِفْتِقَارِ (ہمارے خزانے بندگی سے بھرے ہوئے ہیں۔ اگر تجھ سے ہو سکے تو ذرہ برابر نیاز حاصل کر)۔ کہتے ہیں کہ نیاز ایک درخت ہے جو آدم اور آدمیوں کے باغِ زندگی میں پیدا ہوا ہے۔ فرشتوں کو بڑا فخر تھا جو یہ کہا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مِنْ لُّبْدٍ فِيْهَا وَيُسْفِكُ الْيَمَاءُ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ (کیا تو اس کو اپنا خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد برپا کریں گے اور غوری کریں گے۔ ہم تو فقط تیری تسبیح حمد کے ساتھ کرتے ہیں)۔ اور آدم کو عجز و نیاز تھا کہ اس نے کہا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا (اے پروردگار ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا)۔ نقل ہے کہ ایک دن حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کہیں جا رہے تھے ایک چیونٹی نے چیونٹیوں سے کہا اَدْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ (اپنے بلوں میں چلی جاؤ)۔ ایسا نہ ہو کہ سلیمان پیغمبر علیہ السلام کی قوم تمہارے اوپر پاؤں رکھ دے اور تم ہلاک ہو جاؤ۔ سلیمان علیہ السلام نے یہ بات سن لی اور ہوا کو حکم دیا کہ ہمارا تخت یہاں اتار دے کہ ایک نیاز مند انہ آواز ہمارے کالوں میں آئی ہے۔ بزرگانِ طریقت میں سے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ حدیث میں ہے کہ سلیمان علیہ السلام چالیس دن تک اس چیونٹی کے بل کے پاس بیٹھے رہے اور سب کو رخصت کر دیا اور کہا کہ مجھے اس چیونٹی سے ضروری کام ہے۔ اس وقت سلیمان علیہ السلام اپنے تمام کاموں سے فارغ تھے اور چیونٹی بھی فارغ تھی جب ایک فارغ اطمینان سے دوسرے فارغ کے پاس بیٹھا۔ آپس میں رنج و خوشی کی خوب باتیں ہوئیں۔ انھوں نے اپنے کاموں کی قدر جانی کیونکہ وہ زندہ تھے۔ لیکن ہم لوگ تو مردہ ہیں۔ اور زندوں کا کام

مردے انجام نہیں دے سکتے۔ اگر کسی کو ان باتوں سے تعجب ہو کہ حیونٹیاں تو مکلف نہیں اور ان کے ساتھ کوئی حساب درمزا و جزا کا بکھیرا نہیں ہے۔ ان کو ان باتوں سے کیا سروکار؟ ذرا ہدہد اور سلیمان علیہ السلام اور کتے اور صحاب کھف پر نظر ڈالو جو فضول بکو اس کرنے والوں کی آنکھوں میں خاک ڈالنے کے لیے کافی ہیں۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مستاسیواں مکتوب ۸۷

قدموں کے فرق اور کفایت مہمات کی دعا میں

میرے عزیز بھائی شمس الدین، معلوم ہو کہ دین کی راہ میں لوگوں کے قدموں کے درمیان بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ نیز ایک قدم سے دوسرے قدم تک، ایک سانس سے دوسری سانس تک اور ایک راز سے دوسرے راز تک اتنا فرق ہوتا ہے جتنا عرش سے تحت الثریٰ تک اگرچہ اپنی خلقت اور صورت میں سب آدمی برابر ہیں۔ مگر شریعت کا فتویٰ یہ ہے اَلنَّاسُ مَعَادِنٌ کَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِصَّةِ (آدمی کان ہیں جیسے سونے اور چاندی کی کانیں)۔ اگرچہ یہ ظاہر سب کانیں ایک ہی طرح کی ہوتی ہیں۔ لیکن اپنے معنی میں بڑا فرق رکھتی ہیں۔ ہمیں دیکھتے کہ ایک کان سے سونا، ایک سے چاندی، ایک سے لوہا اور ایک سے جواہرات نکلتے ہیں۔ یہ جتنے لوگ ہیں اور جو اس سے پہلے ہو چکے ہیں اور جو آئندہ ہوں گے سب ہی اسرار الہی کے صدف ہیں۔ ہر ایک جسم میں ایک راز ہے اور ہر قالب میں اللہ تعالیٰ کا حُسن ہے اور ہر دل میں دینی مشاہدات کی خواہش دارادہ ہے اور ہر جان میں خدا کی ایک شان ہے جس کو فرشتوں اور انسانوں کی عقلیں سمجھ نہیں سکتیں۔ خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اسی معنی کو ظاہر کیا ہے مثنوی۔

میان آب و باد و آتش و خاک

چہ در وقت چہ در ماہ و چہ در سال

بردن گیرد یک یک ذرہ صدر از

نہ بنید یک نفس جز در روش رے

نبات و معدن و حیوان و افلاک

ہمہ در عشق می گردند از حال

اگر چشم دلت گردد برین باز

ہمہ ذرات عالم را دریں کوئے

کہ داندکین چہ اسرارِ نہان بہت سخن این بہت نورِ عقل و جان بہت

(نباتات، معدنیات، حیوانات، آسمان، عناصر آب و آتش، خاک و باد، یہ سب کے سب ہر وقت ہر مہینے ہر سال اُس کے عشق میں گردش کرتے اور اپنی حالت بدلتے رہتے ہیں۔ اگر تمہارے دل کی آنکھیں ان پر کھل جائیں تو ہر ذرے میں سیکڑوں راز پوشیدہ نظر آئیں۔ یہاں تمام ذراتِ عالم کو ہر وقت گردش اور روش میں دیکھتے ہیں۔ کون جانے ان میں کیا کیا راز پوشیدہ ہیں۔ یہی بات ہے جو عقل و جان کو روشنی بخشتی ہے)۔ لیکن وہ لوگ جو آسمانِ ارادت کے آفتاب، درگاہِ حق کے مقبولِ ازلی اور ملکیتِ اسلام کے سالار ہیں ان کے مرکبِ دولت کی گرد جس کے سر پر پڑ گئی وہ ہمیشہ کے لیے غریب ہو گیا۔ اگر تجلے میں پہنچ گئی تو تہخانہ مسجد بن گیا۔ قطعہ

دوش می گفتد پیرے درخرا بات آمدہ است
آب چشمش با صراحی در مناجات آمدہ است
مے غسل گرد وہ دستش بتکدہ مسجد شود
یارب این مقبل چنین صاحبِ کرامات آمدہ است

(کل رات لوگ کہہ رہے تھے کہ منجانے میں ایک پیر آیا ہے جس کی آنکھوں کی چمک صراحی کے ساتھ مل کر مناجات کرتی ہے۔ اس کے ہاتھوں میں شرابِ شہد بن جاتی ہے اور اُس کے قدموں سے تہخانہ مسجد ہو جاتا ہے۔ اللہ اللہ یہ کیسا صاحبِ کرامات اور مقبولِ بندہ آیا ہو گا ان کے حق میں پروردگارِ عالم کی یہی سنت جاری ہے کہ ان کو بولنے اور سننے کی رحمت نہیں ہوتی اور راہِ دین کی غیرت کی وجہ سے ان کے دل کا نقطہ میاست میں قہر کی تلوار ہوتا ہے۔ اس لیے جس کا تعلق آفرینش سے ہے وہ ان کے دل کے دولت خانے سے باہر نہیں جاسکتا۔ ان کو ازلی غیرت و غرت اپنی پناہ میں رکھتی ہے تاکہ ان کے حسن و جمال کو نظر بد نہ لگ جائے۔

وَتَنَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ۔ (اور تم دیکھتے ہو کہ وہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں مگر وہ کچھ نہیں دیکھتے) اسی بھید کے معنی ہیں کہ عالمِ حقیقت میں ان کو نزاعِ القیام مل کتے ہیں۔ حضرت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور سننِ نبویؐ کی قدر یہی لوگ جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام کے وارث اور قائم مقام ہونے کے لائق یہی لوگ ہیں۔ احکامِ شریعت بیان کرنا ایسے ہی صدیقیوں کا کام ہے کہ فتوے صادر کریں۔ اور خدا اور بندوں کے درمیان ایسے ہی مقربانِ بارگاہ کے واسطے کی ضرورت ہے

تاکہ خدا کا کلام سنائیں۔ وَمَنْ خَلَقْنَا أُمَّةً يَهْدُونَ بِالْحَقِّ (اور ہم نے ایک امت ایسی بھی پیدا کی ہے جو اللہ تعالیٰ کا راستہ دکھاتی ہے۔ ان کی تربیت و اجازت اصحابِ کمال کے لئے) بِأَيِّهِمْ أَهْتَدَيْتُمْ (میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں تم نے ان میں سے کسی بھی پیروی کی تو تم ہدایت پاؤ گے) ثابت ہے۔ اور پیروں اور مریدوں کا یہی حال ہے۔ یہ آن را کہ دلیل رہ رہے چور نہ نیست از خود بخود آمدن ہے کو تہ نیست

(جس کا رہنا کوئی چاند سی شکل والا نہیں ہے۔ خود بخود منترل پر پہنچ جانا بہت دشوار ہے اور اسے بہت طویل ہو جاتا ہے)۔ اے بھائی، کیا کیا جائے پردہ غیب سے سب صدیق ہی نہیں نکلا کرتے اور مادرِ گیتی سے سب بادشاہ ہی پیدا نہیں ہوتے۔ ہزاروں پاک جانیں طلب کی بھیٹی میں پگھلائی جاتی ہیں جب کسی بت کے سامنے سے کسی صدیق کو چن لیتے ہیں۔ اور حجرہ عبادت کے ہزار ہا اعتکاف کرنے والوں کو محرابِ طاعت سے باہر کھینچ کر دوزخ میں ڈال دیتے ہیں، جب کہیں کسی میخوار خراباتی کی آنکھیں جلوہ توحید سے آشنا ہوتی ہیں۔ لیکن ہم کو تم کو ان پاک لوگوں کی باتوں سے کیا سروکار؟ یہ دولت جو عطا کی گئی ہمارے ہمارے نصیب میں کہاں؟ ہمارا تمہارا درد تو وہ ہے جس کو خسر و رجمۃ اللہ علیہ والغفران نے یوں کہا ہے

مکان در کسے تو شب گرد و خسر و رادراں رہے طفیل آن سگان بالے مرا ہم بار بار لیتے (راتوں کو تیری گلی میں کتے چکر لگاتے ہیں۔ لیکن خسر و کیلئے کوئی راہ نہیں۔ اپنی گلی کے کتوں کے صدقے میں کسی دن مجھے بھی آنے کی اجازت دے) ایک دن حضرت ذوالنون مہری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مرید کو حضرت بایزید قدس سرہ کی تلاش میں بھیجا کہ جا کر ان کی خبر لائے۔ مرید جب بسطام پہنچا اور بایزید کے مکان پر آیا تو ان کو صحنِ مکان میں بیٹھا دیکھا۔ پہچان نہ سکا کہ یہی بایزید ہیں۔ آپ نے پوچھا "کیا چاہیے؟" اس نے کہا "میں بایزید سے ملنا چاہتا ہوں" آپ نے فرمایا اَیُّ ابُو یزیدٍ وَاَفَا فی طلب ابُو یزیدٍ مِّنْ مِّنِّیْنَ۔ (ابو یزید کہاں ہے؟ میں خود ابو یزید کو سا لہا سال سے تلاش کر رہا ہوں)۔ تم کس بایزید کو چاہتے ہو؟ میں ابو یزید کے عشق میں برسوں سے مبتلا ہوں۔ ابھی تک میں نے اس کو نہیں پایا۔" مرید نے اپنے دل میں سوچا یہ دیوانہ ہے اور کچھ نہیں جانتا کہ کتا کہتا ہے۔ آخر مہری واپس آیا اور حضرت ذوالنون سے سارا ماجرا کہہ سنایا

آپ یہ سن کر رونے لگے اور بولے اِنِّیْ اَبَا یَزِیْدٌ قَدْ ذَهَبَ فِی الدَّاهِیِّیْنَ رَاٰی اللّٰہَ بِمِیْرَا
بھائی بایزید مشتاقوں کے قافلے کے ساتھ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے عالم میں پہنچ گیا۔ اور مجھے یہاں
اکیلا چھوڑ دیا۔ یہ اُن مردانِ خدا کی باتیں ہیں جن کو اس دنیا میں لائے اور پھر واپس لے گئے۔
لیکن نہ ان کو یہاں آنے کی خبر ہوئی نہ یہاں سے جانا معلوم ہوا۔ شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہ
نے کہا کہ جنید رحمۃ اللہ علیہ دنیا میں ہوشیار آئے اور مست ہو کر یہاں سے گئے۔ اور شبلی
رحمۃ اللہ علیہ مست ہی آئے اور مست ہی گئے۔ ان لوگوں کا کیا کہنا۔ کَوْسِبِلًا مَا عَلِمَا ذٰلِکَ
اگر ان دونوں جنید و شبلی رحمۃ اللہ علیہما سے قیامت کے دن پوچھا جائے کہ کیونکر آئے اور
کیونکر گئے؟ تو ان کو نہ اپنے آنے کی خبر ہے نہ جانے کی۔ اسی وقت ایک فرشتہ مغیب نے ابوالحسن
خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کو ندا کی صَدَقْتَ کَوْسِبِلًا مَا عَلِمَا ذٰلِکَ۔ اے شیخ آپ نے سچ فرمایا
اگر ان سے پوچھا جائے تو یہ خود نہیں جانتے۔ سچ ہے جو شخص صرف خدا ہی کو جانتا ہے اُسے دوسری
چیزوں کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ رباعی

عشاق تو از الست مست آمدہ اند مرست زیادہ الست آمدہ اند
مے نوشند و پندے نمی نوشند کالیشان ز ازل بادہ پر آمدہ اند

(تیرے عشاق روزِ الست ہی سے مست آئے ہیں۔ یہ شرابِ الست سے مخمور ہو کر آئے ہیں۔
شراب پیتے ہیں اور شراب کی لصیحت نہیں سنتے۔ کیونکہ ازل سے شرابی بن کر آئے ہیں)۔ اب ان
ایمان والے صدیقیوں کا حال سنو۔ اور اپنی ناقص عقل سے ان کے متعلق رائے زنی نہ کرو۔ کیونکہ
یہ وہ بزرگانِ دین ہیں کہ دنیا کا نظم و نسق انھیں کے قدموں کے نیچے ہے اور دین کا استحکام ان
کے قبضہ اختیار میں ہے۔ مغربی اور مشرقی دنیا ان کے حکم و فرمان کے تابع ہے۔ کیا تم نہیں
دیکھتے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت ہلال کو (جو حضرت مغیرہ کے غلام تھے)۔
دیکھتے تو تپاک کے ساتھ تشریف لاتے اور کہتے کہ میرے لیے دعا کرو۔ وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے
اور آپ آمین فرماتے۔ ایک دن صبح کے وقت آپ تشریف فرما تھے، اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے
اور فرمایا۔ فَوُؤَا بِہَا اَلِیْنِہ۔ آؤ اٹھو، اس وقت کائنات کو ہلال کی مصیبت کی پوشاک پہنائی
گئی ہے۔ سب لوگ روانہ ہوئے اور حضرت مغیرہ کے گھر پہنچے۔ حضرت مغیرہ کو خبر نہ تھی کہ حضرت ہلال کو

فرمانِ قضا پہنچ چکا ہے۔ اس لیے کہ ان کے گھر میں ہلال سے زیادہ اور کوئی حقیر و ذلیل نہ تھا۔ اور گھر کے لوگوں کو ان کی زندگی اور موت کی کچھ خبر نہ تھی جب مغیرہ باہر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان صدیقیوں کے ساتھ کھڑے دیکھا تو پاؤں پر گر پڑے اور آپ کے قدم مبارک کو بوسہ دیا۔ حضورؐ نے فرمایا مَا حَدَّثَ فِي دَارِكَ (آج تمہارے گھر میں کیا حادثہ ہو گیا ہے؟) اُنھوں نے کہا مَا حَدَّثَ فِي دَارِي الْآخِرُ يَا رَسُولَ اللَّهِ (یا رسول اللہ میرے گھر میں کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ سب خیریت ہے) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تیرے گھر کے لوگوں میں سے ایک عزیز ترین ہستی نے انتقال کیا، اور تجھے اس کی خبر نہیں۔ حضرت مغیرہ کو سخت تعجب ہوا اور کہا یا رسول اللہ میں کبھی ایسا گمان بھی نہ ہوا کہ ہلال رضی اللہ عنہ کا اتنا بڑا مرتبہ ہو گا۔ تعجب کی بات ہے کہ سات آسمانوں میں ہلال کی عظمت کا یہ مرتبہ کہ سعادت و نیک بختی کا تاج اُن کے سر پر رکھا جاتا ہے اور زمین میں سوائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی اُن کو نہیں پہچانتا۔ اس سے اندازہ کرو کہ یہ بے تاب بے چین لوگوں کی باتیں ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی کام میں مشغور ہو گیا تو اُس کی فلاح سے ہاتھ دھو ڈالتا چاہیے کیونکہ شَرُّ النَّاسِ مَنْ لِيَشَادُرَ إِلَيْهِ بِالْأَصْدِيعِ (جسے انگلی سے اشارہ کیا جائے وہ اچھا آدمی نہیں ہے)۔ جو مخلوق میں انگشت نہا ہو وہ ان باتوں کے کہنے کے لائق نہیں ہے۔ اگر بادشاہ کا طریقہ مخلوق کے ایمان کے لیے ضروری نہ ہوتا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام "أَنَا بَيْنُ امْرَأَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ كَأَنَّهُ تَأْكُلُ الْقَدِيدَ" (میں اس خاتون کا فرزند ہوں جو سکھایا ہوا گوشت کھاتی تھیں) سے "أَنَا سَيِّدُ دُلْدَادِمَ وَلَا فَخْرَ" (میں بنی آدم کا سردار ہوں اور اس پر مجھے فخر نہیں ہے) کے مقام پر تشریف نہ لاتے۔ بادشاہ حقیقی کی سنت یہی ہے کہ جب کسی کے سینے میں اسرار کی بساط بکھلتے ہیں تو رسم و راج کے شدید ایوں کی آنکھوں میں سلاخی پھیر دیتے ہیں تاکہ وہ لوگ جنھوں نے بشریت کی ناپاکی سے اپنا منہ نہیں دھولیا ہے وہ اُسے نہ دیکھ سکیں۔ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے تھے کہ ہلال کی شخصیت کیا ہے کیونکہ ان کے ان مراتب کا سرچشمہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات مبارک تھی جب تک حضرت ہلال کا وصال نہ ہوا کسی کو ان کے حال کی خبر نہ ہوئی اور نہ حضورؐ نے کسی پر ظاہر فرمایا۔ کیونکہ پردہ درسی کرنا حضور کا شیوہ نہ تھا۔ یقیناً کوئی منزل و مقام

گوشہ نشینی و گمنامی سے بڑھ کر آراستہ اور سلامت نہیں ہے۔ حضرت ہلالؒ تو اس درجہ بے نام و نمود اور غیر معروف تھے کہ خود اس گھر کے مالک کو معلوم نہ ہو سکا۔ پھر حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **يَا مُغِيرَةُ اِنَّ مَكَاتُ الَّذِي يَكُونُ فِيْهِ** (اے مغیرہ! جگہ کہیں ہے جہاں وہ رہتے تھے، ہمیں وہاں نے چلو، حضرت مغیرہؓ آپ کو چوپایوں کے طویلے میں لے گئے جہاں آپؐ نے ہلال رضی اللہ عنہ کو چوپایوں کے پاؤں کے نیچے پڑے ہوئے دیکھا اور آپ کی روح پرواز کر چکی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے تشریف لائے اور ان کے سر مبارک کو اٹھا کر اپنے زانوے مبارک پر رکھ لیا **وَ اَعْرَضْتُ عَنْهَا** (اور آپ کی آنکھیں آنسوؤں میں ڈوب گئیں اور فرمایا "اے ہلال، بظاہر تم اس فرشِ خاک پر پڑے ہوئے ہو مگر تمہاری حقیقت کا جو ہر دربارِ خداوندی میں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کسی اور کی تعزیت میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا غمگین نہ دیکھا تھا۔ اور اپنے کو اس روز سے زیادہ حشر زدہ نہ پایا تھا۔ اس وقت تمام صدیقوں اور سردارانِ قریش کی یہ تمنا تھی کہ کاش ہماری جانیں خاک ہو جاتیں اور حضرت ہلالؒ اس پر اپنا قدم رکھتے۔ یا ہماری کھالوں سے حضرت ہلال کی جوتیاں بنادی جاتیں۔ آخر میں حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **اِنَّ لِلّٰهِ فِي كُلِّ ذِمَّانٍ سَبْعَةٌ** **اَعْبُدُوْهُمُ يُنْصَرُوْنَ وَ بِهٖمْ يُنْطَرَدُوْنَ وَ بِهٖمْ يُرْزَقُوْنَ** **لَنْ يَنْتَالُوْا بِكَثْرَةِ صَلَوةٍ وَلَا بِصَوْمٍ وَلَا بِصَدَقَةٍ وَ اِنْهَا نَالُوا بِسَلَامَةِ الْقُلُوْبِ وَ سَخَاوَةِ الْاَنْفُسِ وَ كَانَ هَلَالٌ مِنْ اَفْضَلِهِمْ** (ہر ذمے میں خدا کے سات بندے ہوتے ہیں کہ ان کی دعاؤں سے مخلوق کی مدد کی جاتی ہے۔ ان کے طفیل آسمان سے بارش ہوتی ہے۔ انھیں کی برکتوں سے لوگوں کو رزق ملتا ہے۔ اور یہ مرتبہ انھیں نماز روزے کی کثرت اور زیادہ صدقہ دینے کی وجہ سے نہیں بلکہ دل کی سلامتی اور نفس کی سخاوت کی وجہ سے ملتا ہے۔ اور حضرت ہلالؒ ان سے افضل تھے) پھر فرمایا **وَالَّذِيْ لَفْسِيْ بِيَدِهِ نُوْتَانِيْ عَلٰی اللّٰهِ بِزَوَالِ الدُّنْيَا لَا ذَا لَهَا مِنْ مَّكَانٍهَا** (اور اس خداے پاک کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر یہ ہلالؒ خدا کو قسم دیتے کہ دنیا کو نیت و نابود کر دے تو دنیا اپنی جگہ پر معدوم ہو جاتی)۔ جو منکر بد بخت ہے اس سے کہو کہ ملت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔ اگر تم ان کے دین کی پیروی کرتے ہو تو اس پر ایمان لاؤ۔ ورنہ

اسلام کا عہد نامہ واپس کر دو۔

اگر کسی کو کوئی مشکل پیش آجائے اور اُس کے حل کرنے کی کوئی تدبیر نہ ہو تو نہایت خلوص
دل سے یہ دعا پڑھے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِصِدْقِ اَبِیْ بَكْرٍ
وَخِلَافَتِهِ وَبِعَدْلِ عُمَرَ وَصَلَاتِهِ وَبِحَبِیْاءِ عُثْمَانَ وَنَخَادَتِهِ وَبِعِلْمِ عَلِیٍّ وَشَجَاعَتِهِ وَ
وَبِسَخَاوَاتِ الْحُسَيْنِ وَرُتْبَتِهِ وَبِشَهَادَةِ الْحُسَيْنِ وَغُرُبَتِهِ اَنْ تَقْضِیْ حَاجَتِیْ یَا قَاضِیَ الْحَاجَاتِ
وَاسْلَام۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اٹھاسیواں مکتوب

غفلت کے بیان میں

غریب بھائی شمس الدین۔ معلوم ہو کہ ہر مذہب ملت میں غفلت بُری چیز ہے۔ بندہ
جب تک غافل نہیں ہوتا گناہوں میں مبتلا نہیں ہوتا۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ اہل غفلت کی زندگی
ایک تاوان ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص یہ نیت گناہ زمین پر قدم رکھتا ہے تو زمین کے
تمام ذرے روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے بد عہد دیے وفا ہم کو خدائے اس لیے پیدا کیا ہے
کہ ہم بندگی کا بوجھ اٹھائیں، گناہوں کا بوجھ اٹھانے کے لیے نہیں۔ ہم وہ ہیں کہ ہم سے آدم علی اللہ
نوح بنی اللہ، موسیٰ کلیم اللہ، عیسیٰ روح اللہ، ابراہیم خلیل اللہ اور محمد رسول اللہ و حبیب اللہ
علیہم الصلوٰۃ والسلام جسی عظیم الشان ہستیاں پیدا ہوئیں، کہ سات آسمانوں اور زمین کی مسندِ صدر
اُن کے نام پر آراستہ کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کیا تو اپنی نوازشِ قدیم سے مجھے سرفراز فرمایا۔
وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمَآهِدُ وَاَنْ (اور ہم ہی نے زمین کو بچھایا ہے تو ہم کتنے اچھے بچھانے والے
ہیں) اللہ تعالیٰ تو مجھ کو اس تاز و نعمت سے جلوہ فرماتا ہے اور تو میرے سینے پر اپنے گناہ آلودہ
پاؤں رکھتا ہے یا درکھ مرنے کے بعد میرے اندر ہی تیرا ٹھکانا ہوگا۔ آج میرے اوپر اتنا ہی بوجھ
ڈال جتنا مرنے کے بعد تو اٹھا سکے جو غفلتیں تو میرے ساتھ برتے گا اُن کا بدلہ تجھ سے اس
لوں گی جب تو میرے پیٹ میں رکھا جائے گا۔ ورنہ آج ایسا کام کر کہ کل تجھے عاجزی، مجبوری
اور شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔ یہی ہے جو کسی نے کہا ہے

بکارِ این تخم کا کنونِ وقت کا سمت
تو خواہی بود رسولے زمانہ

چو دنیا گشت زار آن جہان بہت
اگر بیرون شوی ناکشتہ دانہ

(جب دنیا عالمِ آخرت کی کھیتی ہے تو یہاں بیج بودے یہی کاشتکاری کا وقت ہے۔ اگر تو بغیر دانہ بھٹے یہاں سے چلا جائے گا تو سارے زمانے میں رسوا اور شرمندہ ہو گا۔ کہا جاتا ہے کہ اگر دین کی راہ میں کوئی غفلت کرتا ہے تو وہ لعین (شیطان) کہتا ہے، تو مجھے نہیں پہچانتا؟ میری معلیٰ کی سند ساتوں آسمانوں کے گنبد پر بچھائی گئی تھی اور وہاں میرے ہی نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ اتنی دولتوں اور سرمایوں کے باوجود جو میں پا چکا تھا، شریعت کے دروازے پر غوالی (شیطان) پکارا جاتا ہوں۔ تیرے لیے دو ہی راستے ہیں یا اخلاص کا تاج سر پر رکھ اور سلامت گزر جا یا مصیبت و لعنت سے رشتہ جوڑ کہ تو اس کام کا مرد نہیں ہے۔ پوئشناسی بر موی ز اسرار ز نادانی چہ گردی گرد این کار

(جب تو بال برابر بھی اسرار سے واقف نہیں ہے تو نادانی کے ساتھ اس کام کے قریب کیوں آتا ہے) وَاسْتَفِزْ رُفْنًا اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِم بِخَيْلِكَ وَرَجُلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ (ان میں سے جن کو تو گمراہ کر سکے اپنی آواز سے گمراہ کر دے اور ان پر اپنے سوار و پیادے مقرر کر دے اور ان کے مال و اولاد میں شریک ہو جا۔ قرآن کریم میں اس اختیار و مدد کے ساتھ اُسے اجازت دی گئی ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ جو آوازیں شریعت کے خلاف ہیں شیطان کی آوازیں ہیں۔ اور جس مال میں ایک دم کے برابر بھی حرام ہے اور وہ بچہ جو نامشروع طریقہ پر پیدا ہوا اس میں شیطان کی شرکت ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ آستانِ شریعت پر اسے دربان بنا کر بٹھا دیا گیا ہے اور اُس نے اپنے سوار و پیادے غافلوں پر چھوڑ رکھے ہیں تاکہ اگر کوئی منہ دھوئے بغیر بے باکانہ اس بساط پر قدم رکھے تو اس کے پاؤں کاٹ ڈالیں۔ وہ بڑے فحش و ناز سے کہتا ہے۔

مشتوق مرگفت نشیں بر درِ من مگذار در دن ہر کہ نہ دار درِ من

(میرے مشتوق نے مجھے حکم دیا ہے کہ میرے دروازے پر بیٹھ اور جس کو میرے ساتھ خلوص کا واسطہ نہ ہو اُسے اندر مت آنے دے)۔ نقل کرتے ہیں کہ دن حضرت آدم علیہ السلام نے شیطان

دیکھ کر کہا "فَعَلْتُ بَنِي كَذًا وَكَذًا" (میرے ساتھ تو نے ایسا ایسا کیا)۔ وہ بولائے آدم میں نے تو تمھارے ساتھ ایسا ایسا کیا، مگر میرے ساتھ ایسا ایسا کس نے کیا؟

می بین دپیرس حالتہم را می کن بہ قصدا حوالتم را

(دیکھ جاؤ اور میری حالت مت پوچھو۔ میری سرگزشت کو قسمت کے حوالے کر دو)۔ ازل سے ابد تک گناہوں سے پاک ہونا تو فرشتوں کا کام ہے۔ اور تمام عمر گناہوں میں اور مخالفت میں غرق رہنا شیطان کا شیوہ ہے۔ اور حکیم توبہ بطریق بندگی گناہوں سے باز آجانا آدم اور آدمیوں کا کام ہے۔ جس نے توبہ کے ذریعہ پچھلے گناہوں کو معاف کر لیا ہے اُس نے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ رشتہ جوڑ لیا۔ اور جس نے گناہوں سے توبہ نہ کی اُس نے اپنا رشتہ شیطان سے قائم رکھا۔ لیکن لوگوں نے کہا ہے کہ تمام عمر بندگی میں مشغول رہنا انسان کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ ابتداً اونا قص و بے عقل پیدا کیا ہے اور شہوت کو پہلے ہی اس پر مسلط کر دیا ہے۔ جو شیطان کی آلہ کار ہے۔ اور عقل جو شہوت کی دشمن اور فرشتوں کے جوہر کا نور ہے اس کے بعد پیدا کی گئی ہے۔ جب شہوت نے غالب ہو کر دل کے قلعہ کو گھیر لیا اور نفس اس کا مطیع ہو کر اس سے الفت کرنے لگا تو عقل ضرورۃً پیدا کی گئی اور توبہ و مجاہدے کی طرہ رجوع ہوئی تاکہ قلعہ دل کو فتح کرے اور شہواتِ نفسانی و وساوسِ شیطانی کے لغز سے بچالے۔

تو این دم در دہان شیرا سیری چہ دانی زانکہ این دم شیرگیری

(تم اس وقت شیر کے منہ میں جا پھنسے ہو تم کیا جانو کہ تم شیر کے شکاری ہو)۔ یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ توبہ انسان کیلئے ضروری اور مریدوں کا پہلا قدم ہے اور یہ قدم بغیر کسی پیر بخیتہ اور راہ رفتہ کی مدد کے حاصل نہیں ہوتا۔ مگر شاذ و نادر، جس کو خدا چاہے۔ اور یہی راز ہے جب فرشتوں نے کہا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيْهَا (کیا تو زمین میں اس کو اپنا خلیفہ بنائے گا جو اس میں فساد برپا کرے گا) تو کہا گیا اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (بیشک ہم جانتے ہیں جو تم نہیں جانتے)۔ یہ نہ کہا کہ گناہ نہیں کریں گے۔ ہم جانتے ہیں کہ جب وہ گناہ کی آلودگی میں ملوث ہو جائیں گے تو دریائے توبہ ان کے سامنے ہو گا جس میں نہاد دھوکہ زد پاک و صاف ہو جائیں گے۔ اسی طرہ اشارہ ہے

جو حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔ کوئی آدمی نہیں جو گنہگار نہ ہو۔ لیکن گناہگاروں میں بہتر وہ لوگ ہیں جنہوں نے توبہ کرنی۔ اے بھائی! ان سات آسمانوں اور زمین میں کسی کے لیے دولت و اقبال کا ایسا تخت آراستہ نہیں کیا گیا جیسا کہ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے۔ اس پر بھی بارگاہ خداوندی کے عدل کا خوف آپ کے دل مبارک پر اس قدر غالب تھا کہ اگر اس کا ایک ذرہ سات آسمان و زمین پر تقسیم کر دیا جائے تو سارے عالم میں ذرہ برابر خوشی و شادمانی باقی نہ رہ جائے۔ وَكَانَ مُتَوَاصِلُ الْحَزْنِ وَدَائِمُ الْفِكْرِ رَأْسُ سُلْسَلِ خَيْرٍ وَغُلْبَةٍ اور ہمیشہ فکر میں غرق رہا کرتے تھے۔ ہر حال میں حضورؐ کا نقطہ دل خوف الہی سے خون رہتا اور ہفت آسمان اور زمین کے لوگوں کا غم کھاتے، لیکن دامنِ طرف حضرت صدیق اور یائیں طرف حضرت فاروق کو بھی اس کی خبر نہ ہوتی۔ دولت اسلام میں یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ جس کو جتنی زیادہ عصمت ملی ہے اتنا ہی اس کے دل میں خوف زیادہ ہوتا ہے۔ اور جس کی پیشانی پر بدبختی کا داغ نمایاں ہوتا ہے اس پر امن و خوشی ہر لحظہ بڑھتی جاتی ہے۔ اسی کو یہاں بیان کیا ہے۔

نہ زبید مرد خود بین یاد شارا
انیس مذہبین باید خدا را

درین رہ نیست خود بینی نجستہ
تنے لاغر دے باید شکستہ

دمغور و خود بین انسان شاہی دربار کے لائق نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ گناہگاروں کے غمخوار کو پسند فرماتا ہے۔ اس راستے میں خود بینی اچھی نہیں ہے۔ یہاں تو لاغر جسم اور ٹوٹا ہوا دل چاہیے۔ آسمان و زمین کی آرائشیں حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کے طفیل میں کی گئی ہیں اور اس سلطنت کائنات میں آپ ہی کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ آپ کی ابتدا اور انتہا کو مغفرت کے عنوان پر قائم کر دیا ہے، اور آپ مامون العاقبت بنائے گئے ہیں۔ اتنی نوازشوں کے باوجود بھی آپ کے دل مبارک سے پل بھر کے لیے خوف و ہراس کم نہ ہوتا۔ جب تبلیغ رسالت سے آپ فارغ ہوتے اور اپنے دل کے خلوت خانے میں تشریف فرما ہوتے تو ہستی کا دروازہ بند کر دیتے مگر عصمت کو کھولتے اور نبوت کا تاج سر سے اتار دیتے، زبانِ عذر دیے چارگی کھولتے اور فرماتے۔ اَللّٰہُمَّ ذَنْبِیْ عَظِیْمٌ وَلَا یَغْفِرُ الذَّنْبَ الْعَظِیْمُ اِلَّا الرَّبُّ الْعَظِیْمُ اَللّٰہُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْ عُمَّالِکَ وَطَلْعَائِکَ وَمُحَرَّرِکَ مِنَ النَّارِ (اے اللہ! میرے گناہ عظیم ہیں اور عظیم گناہوں کو

سوائے ربِ عظیم کے اور کوئی معاف نہیں کر سکتا۔ اے اللہ مجھے رہا ہونے والوں، پھوٹ جاتے والوں اور آزاد کیے ہوئے لوگوں میں شامل فرما جو آگ سے بچا لیے گئے ہیں، جس وقت آپؐ یہ دعا فرماتے آپؐ کے دلی اندوہ کی چوٹیں سوائے بارگاہِ غرت لا اِلهَ اِلَّا اللہ کے کوئی برداشت نہ کر سکتا تھا۔ کہتے ہیں کہ جب حضورؐ کی ایسی حالت ہوتی تھی تو تمام درختوں سے غم کی کونپلیں نکلتی تھیں آسمان سے مصیبت کا طوفان برستا تھا، زمین کو آپؐ پر رحم آتا، عرشِ مجید آپؐ کے دردِ حیران رہ جاتا، آسمان کے مقربان اور زمین کے صدیقان اپنی نجات سے مایوس ہو جاتے اور اپنی رہائی سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔ اور کائناتِ عالم کا ہر ذرہ ماتمی لباس پہن لیتا اور وہائی دیتا کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ تو ان کو جواب دیا جاتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ربِّ العزّة سے عذرِ تقصیر فرما رہے ہیں۔ اور اپنی معصومیت کے پاک دامن کو عدل کے دلِ غ سے بچانے کے لیے خدا کی امان چاہتے ہیں۔ اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

جگر خون می شود از یاد مارا ز استغنا سے حق فریاد مارا

ز استغنا اگر فرمان در آید ہمہ امید معصومان سر آید

ہمارا کلیجہ اسے یاد کر کے خون ہو جاتا ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے استغنا سے فریاد کرتے ہیں۔ اگر اس کے دربارِ استغنا سے عدل کا فرمان جاری ہو جائے تو سارے معصوموں کی امیدیں خاک میں مل جائیں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفِيْرٌ عَنِ الْعَالَمِيْنَ (بے شک اللہ رب العزّة دونوں جہان سے مستغنی اور بے نیاز ہے)۔ عرصہ ہوا کہ خدا نے صدیقوں اور معصوموں کے دلوں پر اپنی سیاست جاری فرمادی ہے۔ کہتے ہیں کہ جبرائیلؑ اور ادلیا میں سے کوئی اس بار کو اٹھانے کی قوت نہ رکھتا تھا جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم برداشت فرماتے تھے۔ اگر حضورؐ کے غم و رنج کا شاہد بھی قیامت میں ظاہر ہو جائے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ یا موسیٰ کلیم اللہ علیہما الصلوٰۃ والسلام چاہیں کہ اس تک پہنچ جائیں تو بغیر آپؐ کی عصمت کی امداد کے نہیں پہنچ سکتے۔ اس کے باوجود آپؐ ہمیشہ ہی دعا فرماتے تھے اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنْ عَنَقَائِكَ وَطَلَقَائِكَ وَمُحَرَّرِيْكَ مِنَ النَّارِ۔ اے اللہ میرے دل و دیدہ کو اپنے انصاف کی آگ میں نہ جلا اور میری گردن میں آزادی کا طوق ڈال دے۔ اور یہ جو فرمایا کرتے تھے۔ مَا اُوْذِيَ نَبِيٍّ مِّثْلَ مَا اُوْذِيَْتُ (کوئی نبی ایسی اذیت میں

نہیں ڈالا گیا جتنی میں نے اذیت اٹھائی ہے) یہ بات ہی بات نہیں ہے۔ بلکہ آپ نے یہ فرمایا ہے کہ اتنی بلا و محنت جو میرے اوپر ڈالی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے اہل ہفت آسمان و زمین پر مقدم فرمایا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ حضرت آدم کی ساری ذریت کو میرے دامن شفاعت سے باندھ دیا ہے۔ اور یہ جو فرمایا ہے وَكَسَوْتُ يُحْيِيكَ دَيْكَ فَتَرْضَى (اور اللہ تم کو وہ کچھ عنایت کرے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے)۔ یہ معنی ہیں کہ ہر بے راہ کی راہ پر خود ہم کو چلنا ہو گا، اور تمام مجرموں کی معافی ہم کو مانگنی پڑے گی۔ اور ہر نیکے اور کاہل کا کام ہمیں پورا کرنا ہو گا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ کبھی ہم کو قاب قوسین کی دھتوں میں پہنچایا گیا اور کبھی ابوہل کی جفاؤں کا نشانہ بننے کیلئے بھیجا گیا۔ کبھی شاہد اور پیشتر کا لقب دیا گیا اور کبھی شاعر مجنون اور ساحر کے آوازے سنوائے گئے۔ کبھی نَوَافِلَ لَمَّا خَلَقْتَ الْاَفْلَاقَ (اگر تمہاری قدر و منزلت منظور نہ ہوتی تو ہم عالم کو پیدا نہ کرتے) کے خطاب سے نوازا گیا اور کبھی وَكُوْنُ شَيْئًا لِّبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَذِيرًا (اگر ہم چاہیں تو تمہاری طرح ہر گادوں میں ایک پیغمبر بھیج دیں)۔ فرمادیا گیا۔ کبھی تمام خزاؤں کی کنجیاں میرے حجرے کے دروازے پر ڈال دی گئیں۔ اور کبھی ایک مٹھی بونے کے لیے ابو شجرہ یودی کے دروازے پر لے جایا گیا۔ اے بھائی، حضرت رسول خدا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ وہ راستہ ہے جس میں قرآن و ارشاد و کرم کے ساتھ اور عنایت و مہربانی قرآن کے ساتھ ملی جلی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں جس طرح منبر آراستہ کیا گیا ہے، اسی طرح سونے بھی نصیب کی گئی ہے۔ خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے مثنوی

باید داشت گردن زیر فرمان

کہ جز صبر و خموشی نیست درمان

کہ یک تن زہرہ آہے نہ داریم

کہ بادے بگذراند بر لب ازیم

کہ سرموے نہ بیند هیچ کس باز

طریق این رہ خموشی یا فہم من

ہمہ جز خاموشی را ہے نہ داریم

کہ دارد زہرہ در وادی تسلیم

چنان گم کردہ اندا این سرپے راز

ہزاران معنیے فشگانم من

اُس کے فرمان کے آگے سر جھکا دینا چاہیے۔ کیونکہ سوائے صبر اور خاموشی کے کوئی چارہ نہیں ہے۔ سوائے خاموشی کے ہمارے سامنے کوئی راستہ نہیں ہے۔ کیونکہ ذرا بھی آہ کرنے کی مجال نہیں ہے۔

تسلیم و رضا کی خاموش وادی میں کس کی ہمت ہے کہ اپنے منہ سے اُف تک نکال سکے۔ اس راز کی جستجو میں ایسے گم ہو کر رہ گئے ہیں کہ کوئی ان کا ایک بال بھی نہیں دیکھ سکتا۔ میں نے ہزاروں معنی کھول رکھے ہیں لیکن اس راستے میں صرف خاموشی ہی کو بہتر طریقہ پایا ہے، اے بھائی یہ خاکی انسان فقر و نیاز مندی کی وہ کان ہے جس کے کارناموں پر ساکتانِ ملا، اعلیٰ سخت متعجب اور حیران ہیں۔ حضرت آدمؑ سے عشق بازی تو کوئی تعجب کی بات نہیں، اچنبھا اُن کے فرزندوں پر، کہ غم و اندوہ کی موجوں میں کود جاتے ہیں اور رنج و بلا کے طوفان میں غوطے لگاتے ہیں۔ اور زبانِ لطف و کرم، فضل و عنایت کے ممبر سے اس کا جواب دیتی ہے: "یہ کوئی تعجب کا مقام نہیں کیونکہ یہ لوگ بَط کے بچے ہیں۔ اور بَط کے بچوں کو تیرنا نہیں سکھایا جاتا۔ جیسا کسی نے کہا ہے سہ

بچہ بَط اگر چہ دینہ بود آب دریا ش تاب سینه بود

(بَط کا بچہ خواہ ایک ہی دن کا کیوں نہ ہو دریا کا پانی اُس کے سینے ہی تک رہے گا) اے بھائی یہ خاکی پتلا جس ساغر میں شراب پیتا ہے اُسے کوئی منہ تک نہیں لگا سکتا۔ خاص و عام فرشتوں کے پیالے بھی اس سے بڑھ چڑھ کر نہیں ہیں جن کے حق میں فرمایا بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ (وہ تو ایسے بند ہیں جن پر کرم کیا گیا ہے)۔ لیکن شرابِ یحییٰہُم کا چھلکتا جام اٹھارہ ہزار مخلوقات میں سوائے آدم زاد کے اور کسی کو پینا نصیب نہ ہوا۔ ہاں ہاں، یہ اس شراب کا ذکر نہیں ہے جو ہر ایک پی سکے اور نہ یہ وہ بادشاہی ہے جو ہر جگہ اُتر آئے۔ نہ یہ وہ تاج ہے جو ہر ایک کے سر پر رکھ دیا جائے اور نہ یہ وہ ہوا ہے جو ہر گلستاں میں لہرا جائے۔ ایک عارف نے اسی طرف اشارہ کیا ہے

اے کفر چہ چیزی کہ معان از تو بلا فند اسم تو پر ستند ز عین تو معافند

یک مئے بتور اہ نیا بند ز غیرت آنانکہ در اسلام ہی مئے شکافند

(اے کفر تیری کیا بات ہے کہ زندانِ الست تجھ پر فخر کرتے ہیں۔ تیرے نام کی پرستش کرتے ہیں اور عین کفر سے معاف کر دیے گئے ہیں۔ وہ لوگ بھی جو اسلام میں بال کی کھال نکالتے ہیں غیرت کی وجہ سے بال برابر بھی تجھ تک رسائی نہ پاسکے)۔ و اسلام۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
 نواسیواں مکتوب ۸۹

نہ پالنے کی حسرت اور جمعہ کی دعاؤں کے بیان میں

غریب بھائی شمس الدین معلوم ہو کہ اگر پچاس یا رشتے سراور ننگے پاؤں شوق و ولولے کے ساتھ مشرق سے مغرب تک سفر کرو اور اپنے وطن سے مکہ اور مدینہ جاؤ، اتنا مفید نہیں جتنا نہ پالنے کی حسرت مفید ہے۔ اس بات پر ایک لمحہ غور کرو۔ خدا کی قسم کوئی درد اتنا پیارا نہیں جتنا اپنی حسرتوں کے روزنامچہ کا مطالعہ کرنا۔ اور وہ کون ایسا آدمی ہے جس کو یہ درد میسر نہیں۔ چاہے ساری زمین و آسمان کا سالک ہی کیوں نہ ہو۔ اسی معنی کو خواجہ عطار نے یوں کہا ہے مثنوی

کنون از خامکاری نیم خستیم
 بسے برخاک خفته خون بخوردیم
 بسے همچون گیس افسانہ گفتیم
 گئے در دیر تر سایان شستیم
 کنون از گریہ دست از جان شستیم
 بسے رفتیم درہ انجام گرفت

بسے سوڑے این تقویم خستیم
 بسے اندوہ گوناگون بخوردیم
 بسے چون عنکبوتان خانہ رفتیم
 گئے ز ناز تر سایان بہ بستیم
 بسے این در دریا در مان بہ خستیم
 بسے گفتیم دل آرام گرفت

(ہم نے بہت کچھ اس علم کا سودا پکایا مگر اب تک اپنی خامکاری کی وجہ سے کچے اور نیم خستہ ہی رہے۔ ہم نے کئی طرح کے بڑے بڑے غم اٹھائے، برسوں خاک پر پڑے ہوئے خون جگر پیتے رہے۔ ہم نے مکر یوں کی طرح بہت کچھ حالات اٹھائے اور مکھیوں کی طرح بھنبھناتے اور افسانہ کہتے رہے۔ کبھی یہودیوں کی زنا رگلیں میں ڈالی اور کبھی تیخانوں میں دھونی رما کر بیٹھے۔ ہم نے بہت کچھ اس درد کا علاج ڈھونڈا لیکن اپنے ہی آنسوؤں میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ہم نے بہت کچھ کہا لیکن دل کو آرام نصیب نہ ہوا۔ اور بڑے بڑے راستے طے کیے لیکن منزل پر نہ پہنچ سکے۔ اے بھائی، اس دنیا میں جسے حسرتوں کا روزنامچہ دے دیا گیا ہے اُس کے حق میں افسوس کتنا بک (اپنا اعمال نامہ پڑھتے رہو) کا خطاب نقد حال ہے جس کے سینے میں نہ پالنے کا

دردِ دال دیا ہے ہزار قیامتیں اُس کے دل پر ٹوٹا کرتی ہیں۔ اور جس کی ہمت کو قیامت خیز بجلیوں کے سپرد کر دیا ہے اُسے موت کا فرا چکھا دیا ہے۔ جس کی ظاہری آلودگیوں کو باطن کی پاکیزگیوں میں مشغول کر دیا ہے اُسے دنیا سے نکال کر آخرت میں پہنچا دیا ہے۔ وہ جب تک اس زمان و مکان کی قید میں رہے آزادی کی یہ دولت نہ دیکھ سکے۔ جو انھوں نے عالم رسالت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھی۔ اگر ان بزرگوں کے سرور پر چڑیاں بیٹھ جاتیں تو ان چڑیوں کو خبر نہ ہوتی کہ کسی جاندار پر بیٹھی ہیں یا کسی بے جان پتھر پر۔ جانتے ہو ایسا کیوں تھا؟ یہ آخرت کے گشتہ ہو چکے تھے محض جسم کے اعتبار سے اس دنیا میں تھے اُن کا دل آخرت میں لگا ہوا تھا اُن کی زندگی اسی درد و افسوس اور شوق و تمنا میں گزرتی تھی کہ کب... وقت آئے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد میں تشریف لے جائیں اور ہم اپنی جانیں دشمنانِ دین کی تلواروں کے سامنے رکھ دیں تاکہ جس طرح باطنی طور پر ہم آخرت میں ہیں ظاہری طریقہ سے بھی آخرت میں پہنچ جائیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ مکہ سے باہر میدان میں نکل آئے، زمین پر لوٹے اور گریہ و زاری کے ساتھ اپنی موت چاہتے اور کہتے "اللہ! جس چیز کی مجھے حاجت ہے، میں خلق سے ناامید ہوں اور جہاں تک خلق کی ضرورتوں کا مجھ سے تعلق ہے وہ مجھ سے ناامید ہیں۔ اس لیے مجھے ان کے ساتھ اور ان کو میرے ساتھ وابستہ نہ رکھ۔ میری جان لے لے تاکہ میں اپنی قید اور اپنے عہد سے چھوٹ جاؤں" اور حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ جن کی شجاعت و بہادری پر اسلام کی ناموری کو فزوناً تھا مناجات کے درمیان اپنی ریش مبارک پر ہاتھ پھیرتے اور بہ صد شوق دعا کرتے "خدا یا، کسی بد بخت کو میرے اوپر کیوں مسلط نہیں کر دیتا کہ میری داڑھی کو میرے ہی خون میں رنگ دے تاکہ میں اپنی شجاعت و جوانمردی کے نام و نمود سے چھوٹ جاؤں۔ قطعہ

درد اور ابنزداد و داروست

ہر کسے را کہ در جہان دردست

نظر لا الہ الا ہوست

دارے درد در دندان چست

جس کسی کو دنیا میں درد ہے تو اس درد کی دوا بھی اُسی کے پاس ہے۔ درد مندوں کے درد کی دوا کیا ہے؟ لا الہ الا ہو کی ایک نظر!۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص تھا جس کی یہ تمنا تھی کہ موت آنے سے پہلے ہی وہ مر جائے اور جب غرامل اس کی روح قبض کرنے آئیں

تو اُسے بے جان دیکھ کر حیران رہ جائیں۔ اس کو خطاب کیا گیا کہ یہ بندہ میری اتنی آرزو اور
تمنا رکھتا تھا کہ انتظار کی طاقت نہ تھی۔ قرآن پاک کی زبان سے سنو۔ **يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ**
ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۔ (اے نفس مطمئنہ راضی یہ رضا ہو کر اپنے پروردگار کی طرف
رجوع ہو جا) اے روح، تو قالب میں بند ہو کر رہ گئی ہے، اور اے قالب تو نے روح کے ساتھ
رشتہ جوڑ لیا ہے۔ لو، اب سفر تمام ہو گیا۔ ہر شخص اپنے وطن کی طرف لوٹ رہا ہے۔ کیونکہ نیا چاند
وہی بہتر ہے جو اپنے آسمان سے نکل آئے۔

ہر چند عزیز بودہ جائے دگر باز آئی کہ نہ بر آسمان نیکوتر
(دوسری جگہ تو کتنا ہی عزیز کیوں نہ رہا ہو، اب واپس لوٹ آ۔ کیونکہ چاند آسمان ہی پر بھلا
معلوم ہوتا ہے)۔ کام خدا کی مہربانیوں کا مشاہدہ کرتا، زمانہ خلوت کا زمانہ اور یہ وقت
مصالحات کا وقت ہے۔ پیچھے رہ جانا اچھا نہیں۔ **رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً** ہم تجھ سے خوش اور تو
ہم سے خوش۔ اسی راز کو اس میں بیان کیا گیا ہے رباعی:

نورِ لبساطِ شادی افگندہ شدت بلبیل بگلِ شگفتہ تر عاشق گشت
آمد کہ آنکہ عہد ہا تازہ کنیم بد آنچہ بدائے صنم گذشت آنچہ گذشت

(نورِ زکادن آگیا، صحرائیں شادمانی کا فرش بچھا دیا گیا۔ بلبیل خوب کھلے ہوئے پھولوں پر زلفیہ
ہو گئی۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے عہد و پیمان کو ازبر نو تازہ کریں۔ اے میرے محبوب ہو وہ
ہو چکا۔ اور جو گزر گیا وہ گزر گیا۔ اس بار گاہ کے اکثر بواغ و جیب اس دنیا سے باہر جاتے ہیں تو
حسرتِ نایافت سے جو دردِ جگر ان کو حاصل ہوتا ہے اُسے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ بزرگوں نے
فرمایا ہے کہ دردِ نایافت مجبوروں اور عاجزوں کے لیے یافت کی مسرتوں سے بڑھ کر ہے بھائی

آن ماکہ بقائے او ازومی باشد حیران شدہ درلقائے اومی باشد

پیوستہ توجہ دل خستہ او در کعبہ و بتخانہ بدومی باشد

(انسان کی زندگی جس کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے وہ حیران و پریشان اسی کو تکا کرتا ہے۔
اُس کے ٹوٹے ہوئے دل کی پوری توجہ کعبہ میں ہو یا بتخانے میں ہمیشہ اسی کی طرف رہتی ہے)۔
غیر کی فتح کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ دوستوں میں سے ایک آدمی ایک بکری کے

بچے کا کان پکڑ کر کھینچ لاد رہا ہے۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف دیکھ کر فرمایا ”اے ابن عمر اس بکری کے بچے کو اس آدمی کی قید میں مجبور دیکھتے ہو؟ انھوں نے کہا ”ہاں“ یا رسول اللہ دیکھتا ہوں“ آپ نے فرمایا ”میری امت میں ایسے آزاد مرد بھی ہوں گے جو میدان قیامت میں آئیں گے اور ان کے مضبوط ہاتھوں میں دوزخ کے ساتوں طبقے اس بکری کے بچے سے کہیں زیادہ مجبور و مقید ہوں گے جو اس مرد کے ہاتھ میں ہے۔ دوزخ کا کام تو ان ہوا پرستوں کو جلانا ہے جن کے گوشت و پوست لقمہ حرام سے پیدا ہوئے ہیں صدیقیوں اور متقیوں کے سامنے دوزخ کی کیا مجال کہ ذرا بھی ہل سکے۔ ان بزرگوں کا حال جو تم سنتے ہو یہ نہ پیغمبر تھے نہ فرشتے بلکہ ہمارے ہی جیسے آدمی تھے۔ خدائی باتوں کی آرزو مندی نے ان کا دامن پکڑا اور اُس کی تمنائیں انھوں نے اپنی نیاز مندی پیش کی اور اپنے دعوے کو دلیلوں سے ثابت کیا۔ تم بھی ایسا ہی کرو۔ اگر تم چاندی سونا نہیں رکھتے کہ اُس کے نام پر لٹاؤ تو زندگی تو رکھتے ہو کہ قربان کرو اور کوئی چیز تمہیں روک نہ سکے۔ اور اپنے عہد کو پورا کرنے کے لیے مستعد ہو جاؤ جو تم نے دین کے راستے میں کیا ہے تاکہ کوئی شخص تمہارے اوپر دعوے نہ کر سکے۔ اور دین کے راستے میں تمہارے سامنے جو حجاب ہیں اُن کو اٹھا دو۔ عرصہ ہوا کہ بتایا چکا ہے کہ یہ وہ راستہ ہے جس میں خود کو ہلاک کیے بغیر منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔ دین کی راہ میں نفس کا ہلاک کرنا ہی منزل ہے۔ پہلے ہی اپنے کو ہلاک کرنے کیلئے تیار ہو جاؤ تب اس راستے میں قدم رکھو۔ ورنہ اپنی رحمت کو دین داروں کے حلقے سے باہر نکال لو تاکہ مردانِ خدا کے لیے راستہ صاف ہو جائے مثویٰ

زخو د بگزد قدم در راہ دین زن	بت بہت این نفس کافر بزین زن
تو گرم در ہی در رہ منہ شو	قدم در نہ فدائے راہ او شو
گرت گویند سر در راہ ما باز	نہے شادی تو دستار از مرنداز

(پہلے اپنی خودی کو چھوڑ تب اس راستے میں قدم رکھ تیرا یہ نفس کافر ہی بت ہے اس کو زمین پر دے مار۔ اگر تو اس راستے کا مرد ہے تو اسی راستے میں گم ہو جا۔ اور قدم رکھا ہے تو اُس کے راستے میں اپنی جان فدا کر دے۔ اگر تجھ سے کہیں کہ میرے راستے میں سردھڑکی بازی لگا دے تو یہ بڑی خوشی کا مقام ہے فوراً اپنی دستار سر سے اتار کر پھینک دے)۔ اب اگر تو دیکھے کہ اس راستے کا

تو مرد میدان نہیں ہے تو لازم ہے کہ اس راستے کے کسی مرد کا دامن تھام لے اور اُسی کا ہوجا
 کیونکہ ہر شخص ماں کے پیٹ سے بادشاہ نہیں پیدا ہوتا ہر زمانے میں بادشاہ ایک ہی ہوتا ہے
 باقی سب لوگ اسی کے سایہ عاطفت میں زندگی بسر کرتے ہیں اے بھائی دین کا غم اٹھانا کوئی
 معمولی بات نہیں۔ تم نے سنا ہوگا کہ ردے زمین پر جتنے بھی جن دلس و حشی جالور اور چرند و پرند
 تھے سب حضرت سلیمان علیہ السلام کے مطیع و فرمانبردار تھے۔ اس پر بھی اُن کا یہ حال تھا کہ دین
 کی طلب میں جلتے رہتے اور جو کچھ ان کے پاس تھا دین کے لیے تھا۔ یہ نہ سمجھنا کہ دنیا سلیمان علیہ
 السلام کے عیش و تنعم کے لیے تھی۔ ہرگز نہیں۔ دنیا اُن کے دین کی خدمت کے لیے تھی۔ اور ان
 دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔ صحبت اور چیز ہے اور خدمت اور چیز۔ بڑے آگ کے دریغ سے
 گذرنا پڑتا ہے جب کہیں خدمت سے صحبت لٹیب ہوتی ہے جب اس چوٹی کی آواز سنی تو ہوا
 کو حکم دیا کہ اُن کے تخت کو وہاں اتار دے اور چالیس رات دن اُس چوٹی کی صحبت اختیار کی
 اور اُس سے صمدیت کے اسرار سننے لگے۔ اس سے تم کو جانتا چاہیے کہ خداوند سبحانہ و تعالیٰ
 نے اپنی مخلوقات کے ساتھ ایسے اسرار پوشیدہ فرمائے ہیں کہ ہر شخص کو ان کی خبر نہیں۔ اور اگر کسی
 کو اس میں شبہ ہو تو قرآن پاک کی زبان سے سَنُوْا یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ
 شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ (اور سَنُوْا وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ)
 (اور کوئی چیز ایسی نہیں جو حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو) خود مدعی نے بھی یہ ضرور پڑھا ہوگا۔
 وَمَا یَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّکَ اِلَّا ہُوَ۔ (تمہارے پروردگار کے لشکر کو سوائے اُس کے اور کوئی نہیں جانتا)
 نقل ہے کہ داؤد علیہ السلام محراب میں نماز ادا کر رہے تھے۔ ایک چوٹی سامنے سے گزری۔ آپ نے
 ہاتھ اٹھایا کہ اس کو سجدے کی جگہ سے ہٹا دیں۔ اس چوٹی نے فریاد کی کہ اے داؤد یہ کیا زیادتی
 ہے! کیا میری بندگی بارگاہ خداوندی میں تمہاری عبادت سے کم ہے حضرت داؤد علیہ السلام رونے
 لگے اور کہا "خداوند! مخلوقات عالم کے ساتھ کیا سرمایہ لیکر زندگی بسر کروں؟" حکم ہوا "تقوے کو
 اپنا شعار بناؤ تاکہ کوئی شخص تم سے رنجیدہ نہ ہو۔ مخلوق کے گوشت و پوست اور ظاہری صورت پر
 نظر نہ ڈالو بلکہ اُن کی خلقت کے اسرار کو دیکھو۔ اگر ہم ایک چوٹی کو حکم دیں کہ اپنے سیاہ لباس سے
 باہر آجا، تو اس چوٹی کے سینے سے توحید کے وہ اسرار ظاہر ہوں کہ کائنات موعودین مارے شرم کے

مرجھکالیں۔ یہی راز تھا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں فرماتے اَدْنَا الْاَشْيَاءَ کَمَا هِيَ (اپنی مخلوقات کو مجھے اس طرح دکھلا جیسی وہ فی الحقیقت ہیں)۔ ایک رات حضرت موسیٰ علیہ السلام پروردگار کی مناجات میں ایسے بخود سرشار ہوئے کہ دوسرے دن تک اس کا سرور و خمار باقی رہا۔ آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کسی مخلوق کو یہ دولت نصیب نہ ہوئی ہوگی جو کل رات مجھے نصیب ہوئی۔ اُسی وقت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا "اے موسیٰ اس بیابان میں کوئی ایسا بھی ہے جو صدیوں کے دردِ دل کا علاج کرے؟ موسیٰ علیہ السلام ایک جگہ پہنچے اور ایک مینڈک کو پانی میں ڈر کر کرتے ہوئے پایا۔ جب اُس نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو بولا "اے موسیٰ، میں تو دیر سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں کہ تمہارے دل میں جو غرور اور پندار پیدا ہوا ہے اُسے نکال دوں۔ دیکھو، ہرگز ہرگز اپنی یکتائی کا دعویٰ نہ کرنا۔ کل رات اللہ تعالیٰ کے دربار سے جو تحفہ تمہارے پاس آیا تھا وہ میں نے ہی تم تک پہنچایا تھا۔ پہلے وہ مجھے عنایت کیا گیا ہے اس کے بعد تم کو ملا ہے۔ یاد رکھو، اب کبھی ایسا خیال اپنے دل میں نہ لانا۔ ہاں، اے بھائی، اس کے دربار کی یہی شان ہے کہ کسی کو دوزخ میں ڈال کر ادب سکھاتے ہیں، کسی کو جہنمی کے ذریعہ سے اور کسی کو مینڈک کے ذریعہ سے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اُس مینڈک کی مہربانیاں دیکھیں تو جان لیا کہ یہ خدا کی طرف سے میرے اوپر مقرر کیا گیا ہے۔ اپنے سر سے تلج سر بندی اُتار دیا اور کہا۔ "اے گماشتہ حق، اپنی ہمت سے میری امداد کر اور میرے درد و غم کی یہ کہانی بارگاہِ رب الغرت میں عرض کر دے۔ جیسا کہ کہا ہے مثنوی

زہے غرت کہ جان حیران بماند خرد انگشت دردندان بماند

درے مسدود شد نتوان کشادن کہ انگشتے برد نتوان ہنسادن

نہ آن کوئی رود، زین راز آگاہ نہ آن کا مد خبردار دازین راہ

چنان گم کردہ انداین سرپے راز کہ سرموے نہ بیند هیچ کس یاز

(اس کی کیا غرت و شان ہے کہ جان حیرت میں پڑ گئی ہے عقل و خرد انگشت بدندان رہ گئے ہیں۔ جو دروازہ بند ہو گیا وہ کھل نہیں سکتا۔ اُس پر تو انگلی رکھ دینا بھی محال ہے۔ ہر وہ شخص جو اس راستے پر چلتا ہے اس راز سے واقف نہیں اور نہ ہر آنے والا اس راستے سے آگاہ ہوتا ہے۔ راز کو پوشیدہ رکھنے کے لیے رازداروں کو ایسا چھپا لیا ہے کہ کوئی اُن کا ایک بال بھی نہیں دیکھ سکتا)

حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر سو مرتبہ درود بھیجے گا، خداوند تعالیٰ اس کی سوجا جتیں پوری کرے گا۔ ستر دنیا کی اور تیس آخرت کی۔ یا تیس دنیا کی اور ستر آخرت کی۔ اور درود اس طرح پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَجَبِيكَ وَنَبِيِّكَ وَرَسُولِكَ الْاٰخِرِيِّ وَعَلٰی اٰلِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اور بزرگان دین کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ جو شخص جمعرات کو دو رکعت نماز ادا کرے، جو سورۃ جی چاہے ملا کر پڑھے۔ جب نماز سے فارغ ہو تو ایک ہزار ایک مرتبہ ان کلمات کو پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی تمام مشکلات کو آسان فرمائے گا۔ کلمات یہ ہیں:- بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَتَوَكَّلْتُ عَلٰی الْحَیِّ الْقَدِیْمِ جب ایک ہزار ایک مرتبہ پڑھ چکے تو حضرت خواجہ معرود کرخی اور حضرت خواجہ حبیب عمی کو شفیع لائے۔ جو حاجتیں اس کی ہوں گی اللہ تعالیٰ سب پوری کرے گا اور چاہیے کہ درود مذکور ہر شب جمعہ کو برابر پڑھتا رہے اور کبھی ناغہ نہ کرے تو اس کے فوائد و ثمرات بہت ہیں۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نوٹ ۱۱ مکتوب ۹

علاج دل، نماز، جمعہ کے دن کی دعا اور یکتی حاصل کرنے میں

میرے بھائی شمس الدین۔ معلوم ہو کہ جو معاملات قرآن کریم کی روشنی میں جائز نظر نہ آئیں وہ بے سود اور لاعمل ہیں۔ اور وہ خواہشیں جن پر نبوت کا فتویٰ نہیں محض باطل ہے اور وہ دلیل (رہنما) جو دین کے راستے سے الگ ہے مطلق ضلالت و گمراہی ہے اور جو امداد دین کے راستے میں دین کے سوا چاہو وہ مردود ہے۔ مَنْ اَدْخَلَ فِیْ دِیْنِنَا مَا لَیْسَ مِنَّا فَهُوَ مُرْدُوْدٌ۔ (جس نے ہمارے دین میں وہ بات داخل کی جس کا ثبوت ہم سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے)۔ تمہارے معاملات میں جب تک خلوص نہ ہو عالم قرآن سے وہ جائز نہیں ہوتا۔ خلوص کا مقام درد بھر ادل ہے۔ اور جہاں کہیں اخلاص کی خوشبو پائی جاتی ہے قرآن کریم خوشخبری دینا شروع کرتا ہے۔ خواہ وہ جنات کے حق میں ہو یا انسان کے۔ فَقَالُوا

إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآلَيْنَاهُ (انہوں نے کہا ہم نے قرآن کو سنا عجیب کلام ہے جو سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے اور ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں) طالب کے زخمِ دل کا مرہم قرآن ہے وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ (اور ہم قرآن سے وہ الٰہی نازل کرتے ہیں جو مومنین کے لیے شفا اور رحمت ہے)۔ سالکانِ دین کا مرہم قرآن پاک ہی ہے يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ (سیدھا راستہ دکھاتا ہے) اور جب قرآن کی رہبری کسی پر ظاہر ہو گئی تو اگر کوہِ قاف بھی اس کے سینے کا پیوند ہو تو بھکنے پر مجبور ہو جائے۔ وَ لَوْ أَنزَلْنَاهُ عَلَى الْقُرْآنِ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْنَا أَثَرَ خَاشِعًا مَّتَّصِدًا عَاقِبَ خَشْيَةِ اللَّهِ (اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتارتے تو تم یقینی دیکھتے کہ وہ خدا کے خوف سے پاش پاش ہو جاتا۔ پس جس کام کی اجازت قرآن نہیں دیتا وہ راہِ دین نہیں مطلق نابینائی ہے۔ بُرْجِ قَدِيمٍ سے جو آفتاب طلوع ہوتا ہے وہ پہلے آسمانِ دل پر چمکتا ہے۔ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِّمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِيدٌ (البتہ اس قرآنِ کریم میں دل اور کان رکھنے والوں کے لیے اللہ کا ذکر ہے اور وہ اس کے گواہ ہیں) ایک بزرگ نے فرمایا ہے قطعہ

چون رہبرِ شرع بر در آید

معشوقِ مراد در بر آید

ہر رہبرِ شرع را ز معشوق

تابعِ ز قبولِ بر سر آید

(جب شریعت کا راستہ دکھلانے والا دروازے پر آتا ہے تو مراد کا معشوق مل جاتا ہے۔ شریعت کے راستے پر ہر چلنے والے کے سر پر معشوق کی طرف سے قبولیت کا تاج پہنا دیا جاتا ہے)۔ اس راستے کے مردِ روحوں کے مالک ہوتے ہیں ان کی باتیں سراسر زندگی ہوتی ہیں۔ اور مخلوقات کی زندگی اُن کے غم و اندوہ کی پاکیزگی اور صفائی پر منحصر ہوتی ہے۔ اور ان کے حزن و ملال کی ہمت پر عالم کا قرار و قیام موقوف ہوتا ہے۔ اور دنیا والوں کی رافت و راحت ان کے درختِ محبت کے پھل ہوتے ہیں۔ ان کے اعمال کی کوئی علت نہیں ہوتی۔ ان کی حالتیں اپنے مقام سے واپس نہیں لوٹتیں۔ ان کے کلام و قول کا کوئی رد نہیں ہوتا۔ ان کے علم کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ ہاں جب تک اسمِ درسم کا اطلاق جن چیزوں پر ہوتا ہے اپنی تیغِ انکار سے ان کا سر نہ اڑا دو، اور جو کچھ تم کو معلوم ہے اُس سے خالی نہ ہو جاؤ بھٹھارے دل کی گہرائی سے حکمت کے چشمے بھی

نہیں پھوٹیں گے۔ اور علم حقیقت کا لطف تم کو حاصل نہیں ہوگا۔ خواجہ عطار فرماتے ہیں۔

دل پر نور را دریا سے دین کن
حدیث وحی رب العالمین کن

دے در عالم قدسی قدم زن
بگیر آن حلقہ را بر در حرم زن

چو عیسیٰ در سخن شیرین زبان شو
صدف را بشکن گوہر فشان شو

(اپنے روشن دل کو دین کا دریا بنادے اور صرف وہی بات منہ سے نکال جو پروردگار عالم نے وحی فرمائی ہے۔ ذرا عالم قدسی میں قدم رکھو اور اس زنجیر کو حرم کے دروازے پر توڑ دو گفتگو کرنے میں عیسیٰ علیہ السلام کی طرح شیرین زبان بنو اور اپنے دل کے سیپ کو توڑ کر اس سے موتی بکھیر دو) جس دل کی آنکھ آج روشن نہ ہوئی کل بھی نہ ہوگی۔ قرآن مجید سے سنو مَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَىٰ نَهَوْنِي الْآخِرَةَ أَعْمَىٰ۔ (جو آج معرفت حق سے نابینا ہے وہ آخرت میں بھی خدا کے دیدار سے نابینا رہے گا)۔ ایک بزرگ نے فرمایا ہے۔

اگر عہد ازل را آشنائی
از ان حضرت چراگیری جدائی

بہ معنی باز حسان را آشنائیں
سرای قرب سبت پادشائیں

(اگر وِ ازل کا عہد و اقرار تجھے یاد ہے تو اس کے دربار سے دور کیوں ہوتا ہے اپنی جان کو اپنے ہی باطن سے آشنا کر اور بادشاہ کے ہاتھ کے قریب پہنچنے کے لائق ہو جا۔ اے بھائی، جس دن دلوں کے پرکھنے والے دلوں کو کسوٹی پر لکھیں گے جو کچھ سینوں میں ہے میدان میں آجائے گا۔ اور تحقیق کرنے والوں کو دلوں پر مقرر کر دیا جائے گا تاکہ ہر ایک کے باطن سے تمام خیرین نکال کر محفل قیامت میں پیش کر دیں۔ یہ لوگ جانچ پر تالی کے بعد کہیں گے "بار خدا یا، ہم نے کسی جگہ ذرہ برابر بھی عہد کی وفاداری نہیں پائی ارشاد ہوگا خَابَ مَنْ لَا مَعْدَلَہُ (جس سینے میں ہمارے دین کی وفا کا عہد نہیں ہے وہ ہمارے پاس آنے سے روک دیا جائے)۔ اور اس طرح روک دیا جائے کہ کبھی ہمارے پاس نہ پھٹکنے دیا جائے۔ جیسا کسی نے کہا ہے۔

حملہ در گردن تو آویزند
کزری یا میں زہر اندودی

نقد تو چون ترا بر انگیزند
بو تہ خود گویدت چو بادودی

(جب قیامت میں تم کو اٹھائیں گے تو تمھارے اعمال کا سرمایہ تمھاری گردن میں لٹکا دیں گے۔ جب تمھارے سونے کو گھریا میں پگھلایا جائے گا تو اُس کا دھواں خود بتا دے گا کہ تم خالص سونا ہو، یا تانبہ ملا ہوا ہے)۔ اُس کا کھانا پینا وہی ہو گا کہ اُس کے دل اور آنکھ پر ہر لحظہ یہی داغ دیا جائے گا، کہ اے بے وفا ہمارے ساتھ ایسا ہی کرنا چاہیے تھا اور ہمارا عہد اسی طرح نبھانا چاہیے تھا؟ خیر، اگرچہ تو نے ہمارا بندہ بننے کی کوشش نہیں کی تو ہم تو تیرے پروردگار ہیں اگرچہ تو نے عہد شکنی کی مگر ہم اپنی صفتِ قدامت کے ساتھ اپنی وفا پر قائم ہیں۔ اگر تو اپنے برے اعمال سے رنجیدہ نہیں ہے مگر ہم اپنی صفتِ خداوندی سے خوش کرنے والے اور صفتِ قدم سے نوازنے والے ہیں۔ رباعی۔

مردم چو بہ بخود ہی شاد بود و اندر نظر دلش ستم داد بود

اندر نظر شاہ کند بے فرمانی بے شرم کسے کہ آدمی زاد بود

(جو شخص اپنی عقلت میں شاد و خوش رہتا ہے اُس کے دل کی آنکھوں میں اپنا ظلم و ستم انصاف نظر آتا ہے۔ وہ بادشاہ کی آنکھوں کے سامنے نافرمانی کرتا ہے اُس سے زیادہ بے شرم اور کون ہو گا کہ آدمی زاد ہو کر ایسا کرتا ہے)۔ اے بھائی، اب اٹھ بیٹھو، ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے اور بد اخلاقی کرنے کا موقع نہیں ہے۔ اس ذلت کی مصیبت میں خود پرستی عزت نہیں ہے اور تقدیر کی شاہراہ پر سجدہ تسلیم بجالانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اور ہر شخص کو ہوا دھوس کے پیچھے چلنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور کسی کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے میں ہرگز کوئی نقصان نہیں ہے۔ مناجات۔

خدا یا نورِ دل ہمراہ ما کن محمد را شفاعت خواہ ما کن

دل و جان را فدائے راہ او کن بے تقویٰ روئے دردِ گاہ او کن

بے عیبی دم بوقتِ پاکِ او زن بہ دنیا دست در قراکِ او زن

(یا اے الہامیرے دل کو نور سے منور کر دے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا شفیع بنادے میرے دل و جان کو اُن کے نقشِ قدم پر قربان کر دے۔ پرہیزگاری کے ساتھ میرا منہ ان کے دربار کی طرف پھیر دے۔ عیبی میں ان کا نام لینے کی توفیق دے۔ دنیا میں بھی اُن کا دامن ہمارے ہاتھ میں رکھ)۔

حاصل کلام ہر وہ معاملہ جو بغیر علم کے ہے باطل ہے اور ہر وہ ریاضت و مجاہدہ جو فتوئے شریعت کے خلاف ہے ضلالت و گمراہی ہے اور شیطان کا دین و مذہب ہے۔ یاد رکھو نیک بختوں کے تمام دروازے معرفت کے حق میں علم ہی سے پہچانے جاسکتے ہیں۔ دین و سلطنت کی عظمت کے اسرار، اسلام اور دعوت انبیاء کی عزت، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور نشانیوں کی شناخت مہصوب کی پاک دامن کی مرتبہ، مقربانِ بارگاہ الہی کے مختلف درجات، ذریتِ آدم کی فطرت کے راز، معیوب لوگوں کے عیبوں کے بھید، ایمان والوں کے حقوق، شریعت کی تعظیم، احکامات کی بجا آوری اور منہیات سے پرہیز، یہ تمام باتیں علم ہی کے ذریعہ پہچانی جاسکتی ہیں۔ اور علم ہی میدان میں پائی جاسکتی ہیں جب تک انسان اپنی جہالت کے بیابان سے باہر نہیں نکلتا اور علم کے سبزہ زار میں قدم نہیں رکھتا ایمان کی یہ سعادتیں اُس میں ظاہر نہیں ہوتیں۔ دیکھو، بارگاہِ خداوندی میں صفتِ جہالت سے بڑھ کر کوئی ذلیل اور دشمن نہیں اور درگاہِ خداوندی تک پہنچنے کا علم کے رستے سے نزدیک تر اور کوئی راستہ نہیں ہے وَالْعِلْمُ بَابُ اللَّهِ الْأَقْرَبُ وَالْجَهْلُ أَعْظَمُ حِجَابًا بَيْنَكَ وَبَيْنَ اللَّهِ (اور علم اللہ تعالیٰ کا قریب ترین دروازہ ہے اور جہالت تمھارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سب سے بڑا حجاب ہے) جس طرح علم دین تمام سعادتوں کا میدان ہے اُسی طرح جہالت تمام گمراہیوں کی دادی ہے۔ بد بختیاں اور شقاوتیں جہالت کی اسی دادی میں پھولتی پھلتی ہیں۔ اور یہ جہالت وہ دادی ہے جس میں غلبہ کفر، بنیادِ ایمان کی تخریب، احکام شریعت کو اوجھا اور ہلکا سمجھنا، شیطان کی دوستی، پیغمبروں اور صدیقیوں کی اتباع سے بیزاری اور بیگانگی، اور ان کی طرح ہزاروں بد بختیاں پیدا ہوتی ہیں اور ان کے پودے نشوونما پاتے ہیں۔ خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مثنوی۔

زکونین ارشوی پاک و مجرد	نہ یابی راہ جز نور محمد
اگر راہ محمد را چو حنا کی	دو عالم خاک گردندت زیبا کی
وگرنہ فلسفی، گو دور می باش	ز عقل وزیر کی مہجور می باش
یہ عقل ار نقش این دیوار بندی	میان گبرگان زنا ربندی

اگر دونوں جہان سے تو کنارہ بھی کر لے تو بغیر نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی راستہ نہ پائے گا۔

اگر تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے کی خاک ہو جائے، تو تیری پائی کے مقابلے میں دونوں جہان خاک ہو جائیں۔ اور اگر تو فلسفی ہے تو دور ہو جا اور اپنی عقل و خرد کے پردوں میں مہجور پڑا رہ۔ اگر اس دیوار معرفت پر اپنی عقل و سمجھ سے گل بوٹے بنائے گا تو آتش پرست ہو کر زناہر باندھ لے گا۔ نقل ہے کہ جب شیطان کی پیشانی پر لعنت کا داغ ظاہر ہوا تو آدم علیہ السلام نے کہا کہ دولت دالوں سے جھگڑا کر نامبارک نہیں ہوتا۔ اور عالم کے کاموں میں جاہل کا حسد کرنا زیب نہیں دیتا۔ اب ثقافت و بدبختی کا جھنڈا لے کر عالم میں پھرتا رہ اور میرے فرزندوں میں سے جس کا قدم علم کے میدان اور طلب کے راستے میں نہیں ہے اُس کو اپنے جال میں پھنسا لے تاکہ میرے برگزیدہ فرزند اُس کی زحمت سے بچ جائیں۔ اَلنَّاسُ اِثْنَانِ عَالِمٌ وَ مُتَعَلِّمٌ وَ سَاِئِرُ النَّاسِ هَبْجٌ لَا خَيْرَ فِيْهِمْ۔ (فرمایا اہل حق دنیا میں دو قسم پر ہیں یا وہ ہیں جو منزل پر پہنچ چکے ہیں (یعنی عالم) یا وہ لوگ ہیں جو راستے میں ہیں اور چل رہے ہیں (یعنی متعلم) تاکہ منزل پر پہنچ جائیں۔ باقی جتنے لوگ ہیں وہ ہبج ہیں ان میں کوئی بھلائی نہیں)۔ اَلَا اِنَّ جَزْبَ الشَّيْطَانِ هُمْ اَلْخَاسِرُوْنَ (ہوشیار ہو جاؤ شیطان کا گروہ ہمیشہ گھلے میں ہے وہ سب ابلیس کے پیادے اور سوار ہیں۔ اے بھائی، وہ فرما رہے ہیں وَ جَاهِدْ وَاِیْ اللّٰهِ حَقَّ جِهَادٍ۔ (خدا کی راہ جہاد کا حق ادا کرو)۔ تم اپنے نفس کے کوچے میں قدم نہ رکھو کیونکہ وہاں خود بینی کا داروغہ تمہیں پکڑ لے گا۔ ہماری گلی میں آ جاؤ۔ تم ہمارے عزیز ہو۔ تم گرے پڑے تھے ہم نے تمہیں اٹھایا۔ تم کم ہمت تھے ہم نے تم کو نوازا۔ اگر تم اپنی گلی میں قدم رکھو تو زخم و تکلیف سے تمہیں ہرگز نجات نہ ملے گی۔ اگر تم یہی چاہتے ہو کہ اپنی ہی گلی میں پڑے رہو تو یاد رکھو اپنی ساری پونجی گنوا دو گے اور کوئی نفع ہاتھ نہ آئے گا۔ کسی دل جلے نے کہا ہے۔ رباعی

یک حوت لب بہت اگر بدین در تو کسی

یا عشق جمال ما اگر ہم نفسی

در ما تو گئے رسی کہ از خود یہ رسی

تا با تو توئی تست در ما نہ رسی

(اگر تو ہمارے حسن و جمال کا عاشق ہے تو تیرے لیے بس یہی ایک بات کافی ہے اگر تو سمجھ دار ہے۔ جب تک تیری خودی تیرے ساتھ ہمارے دروازے پر نہیں پہنچ سکتا۔ ہمارے دروازے پر تو اس وقت پہنچے گا جب اپنی خودی سے چھوٹ جائے گا۔ اے بھائی اپنی خواہشوں کو مجاہدے کی بساط پر

علم کی تلوار سے ذبح کر دے اور نفس پر فضول کا سر حکمِ شریعت کے مطابق ریاضت کی پھری سے کاٹ ڈال۔ حرص و آرزو سے بھرے ہوئے پیٹ کو بھوک اور فلقے کے خنجر سے پارہ پارہ کر دے۔ اور مسلمانی کا لباس پہن۔ خدا کی قسم خود پرستی سے کسی نے بھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اور آج تک کسی کو خدا پرستی سے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ تمہارے نزدیک جان سے بڑھ کر اور کوئی چیز پیاری نہیں۔ اگر ان باتوں کو بڑی اور اہم چیز سمجھتے ہو تو پہلا قدم اپنی جان پر رکھ دو اور مرنے سے نہ ڈرو۔ بس پھر زندگی ہی زندگی ہے۔ دباغی

موقوف اگر بجان بمانی مانی زیر اکہ چو در عالم جانی جانی

این نکتہ اگر نیک بدانی دانی ہر چیز کہ در حبتن آئی آئی

(اگر تو اپنی جان پر اپنی زندگی کو موقوف سمجھے گا کہ زندگی سے عاجز رہ جائے گا۔ کیونکہ جب تو عالمِ جان (یعنی عالمِ ملکوت) میں پہنچے گا تو خود ہی جان بن جائے گا۔ اگر تو اس نکتہ کو اچھی طرح جان لے گا تو اس حقیقت کو جان سکے گا کہ توحس کی جستجو میں ہے خود دہی ہے)۔ طلب میں کہاں طلب یہ کہ مطلوب کی ہستی کو مسلم اور برقرار رکھے اور اپنی ہستی کی زحمت کو راستے سے ہٹا دے کسی کھوئے ہوئے نے کہا ہے۔

لطفے بکن از راہ وجودم بردار تا زحمت من ز راہ تو کم گردد

(مہربانی کر میرے وجود کو اپنے راستے سے ہٹا دے تاکہ میری زحمت سے تیرا راستہ پاک ہو جائے۔ کل قیامت کے دن اُس کے حسن و جمال کے دیوانے دانتوں میں انگلی دبائے بہشت میں داخل ہوں گے اور چٹکی بجاتے دوزخ میں قدم رکھیں گے بہشت میں ان کا ذکر الہی الجبار ہو گا۔ اور دوزخ میں الحنان المنان ہو گا۔ کیونکہ انھوں نے دیکھ لیا ہے کہ اُس کا ترنمتوں سے حجاب میں ڈال دیتا ہے اور اُس کی رحمت جلانے والی آگ کو گلزار بنا دیتی ہے۔ جیسا کہ ظاہر میں دیکھ لیا ہے کہ اس جہان کی نعمتوں میں اہل نعمت سے چھپا لیا ہے۔ یہاں تک کہ غلبہ نعمت میں نعمت عطا کرنے والے سے محجوب ہو گئے ہیں۔ اور یہ بھی ملاحظہ کر لیا ہے کہ عین دہکتے انگاروں میں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو اپنے دربار کا شاہدہ کرادیا۔ اور وہ آگ ان پر گلستان بن گئی۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ نعمت بغیر دوست کے ہلاکت و مصیبت ہے اور دوزخ کی آگ دوست کے ساتھ

جنت الفردوس ہے۔ دجائی :-

زان بادہ نہ خوردہ ام کہ ہشیار شوم وان مست نیم کہ باز بیدار شوم
یک جام تجلی حبلال تو بستم کز لذت آن غریق دیدار شوم
میں نے وہ شراب نہیں پی ہے کہ پھر کبھی ہوش میں آؤں۔ اور وہ مست نہیں ہوں کہ پھر بیدار ہو جاؤں۔
تیرے جلال کی تجلی کا ایک جام میرے لیے کافی ہے کہ اس کی لذت سے دیدار میں غرق ہو جاؤں۔
جمعہ کے دن چاشت کے وقت چار رکعت نماز ادا کرے۔ ہر جمعہ یا ہر مہینے یا ہر برس میں
ایک مرتبہ۔ لیکن چاہیے کہ جمعہ کے دن غسل اور یہ نماز دو عاترک نہ کرے۔ ہر رکعت میں فاتحہ ایک مرتبہ
آیتہ الکرسی دس مرتبہ قل یا ایہا الکافر دس مرتبہ قل ہو اللہ احد دس مرتبہ قل اعوذ برب الفلق
دس مرتبہ قل اعوذ برب الناس دس مرتبہ پڑھے۔ اور سلام پھیرنے کے بعد ستر مرتبہ استغفر اللہ اور
ستر مرتبہ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ
اللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ بزرگوں نے کہا ہے کہ جو کوئی اس نماز کو پڑھتا رہے گا وہ کبھی مفلس اور بد نصیب نہ ہوگا
اور دین و دنیا کی بھلائیاں اور نعمتیں پائے گا۔ اگر آسمان و زمین کی ساری مخلوق اس نماز کا ثواب
لکھنا چاہیں تو نہ لکھ سکیں۔ اور ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ جو شخص جمعہ کی نماز سے پہلے غسل
کرے اور نیا یا دھلا ہوا پاک و صاف کپڑا پہنے۔ اور نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد کسی سے بات نہ کرے
اور ستر مرتبہ یہ دعا پڑھے کہ سجدے میں سر رکھے اور دینی و دنیاوی مرادیں مانگے انشاء اللہ ضرور
پائے گا۔ دعا یہ ہے بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ يَا اللَّهُ يَا رَحْمَنُ يَا رَحِيمُ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ
لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ يَا اللَّهُ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا حَنَّانُ يَا مَنَّانُ يَا قَدِيمُ
يَا دَائِمُ يَا فَزْدُ يَا دَتْرُ يَا أَحَدُ يَا صَمَدُ يَا لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدُ
يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ يَا نِعَمَ الْمَوْلَى وَنِعَمَ النَّصِيرِ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔
والسلام۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم اکیا نوزیواں مکتوب ۹

لباس کے بیان میں

بھائی شمس الدین اللہ تمہیں اپنے دوستوں کی خلعت سے آراستہ فرمائے۔ سنو! مشائخ نے خود بھی خرقہ پہنا ہے اور مریدوں کو بھی خرقہ سے آراستہ فرمایا ہے تاکہ عام لوگوں سے ان کی شناخت ہو سکے۔ اور تمام مخلوق ان کی نگہبان ہو جائے کہ اگر اپنی روش کے خلاف قدم اٹھائیں تو ان کو ملامت کریں۔ اور اگر چاہیں کہ اس لباس میں کوئی گناہ کریں تو شرما جائیں۔ بہر حال خرقہ اولیاء اللہ کی زمینت اور اس کا پہننا مسنون ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صوت پہنے ہوئے وفات فرمائی ہے جس میں بارہ پیوند لگے ہوئے تھے جن میں بعض چڑے کے تھے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک صوت پہنے ہوئے انتقال فرمایا جس میں تیرہ پیوند تھے جن میں بعض چڑے کا تھا۔ لوگوں نے شیخ ابوعلی سیاح رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ رتقہ کا پہنتا کس کو زیبا ہے۔ آپ نے کہا کہ جو شخص ملکیت خداوندی کے ہر واقعے سے ایسا باخبر ہو کہ دنیا میں کوئی حال اور حکم ایسا جاری نہ ہو جس کی اسے خبر نہ کی جائے۔ لیکن صاف رنگ اور تکلف سے بچے گئے ہوں تاکہ لوگ انہیں مفلس و غریب سمجھیں کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو نگر صورت فقیر کو دوست رکھتا ہے۔ اور رنگوں میں کبودی (نیلا) یا عودی (خاکی) رنگ اختیار کریں کیونکہ وہ غمزدوں اور مصیبت میں گرفتاروں کا لباس ہے۔ یہ گہرا اور پتھارنگ ہے۔ دوسرے رنگ چند دلوں میں ملگے ہو جاتے ہیں۔ ان کو دھونے میں مہولات اور ادراد و وظائف میں خلل پڑتا ہے نیز اس وجہ سے بھی کہ اگر زندگی کا ادنیٰ سرمایہ بھی غفلت میں ضایع ہوتا ہے تو وہ اسے ایک مصیبت سمجھتے ہیں اور یہ مصیبت زردوں کا رنگ اختیار کرتے ہیں۔ عودی اور کبودی رنگ جلدی میلا نہیں ہوتا۔ اور دوسرے رنگ خود آرائی پیدا کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ خاکی اور نیلا لباس غمگین اور شکستہ دل رکھتا ہے۔ کھر درے اور موٹے کپڑے میں بہت سی باریکیاں ہیں ایک

یہ مونے کپڑے میں سختی ہوتی ہے جو پہنتا ہے وہ اپنے نفس کو سختی اور درشتی کا عادی بناتا ہے۔ اور اس کی سلائی کی درزیں بھی موٹی اور تکلیف دہ ہوتی ہیں اس لیے اس کا باطن گرم اور بیتاب ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں اُسے سرگرم اور بیتاب رکھتا ہے۔ وہ کسی جگہ راحت و آرام نہیں پاتا۔ اور کسی ناکامی و نامرادی کے سبب کوئی رنج و تکلیف محسوس نہیں کرتا۔ دوسرے یہ کہ مشائخ متقدمین کی سنت بھی ہے۔ مگر سفید لباس اُس کے لائق ہے جس نے اپنی زندگی کا لباس ریاضت و انابت کے صابون سے دھو کر پاک و صاف کر لیا ہو اور اپنے دل کی کتاب کو ماسوا کے نقوش اور خواہشاتِ نفسانی سے مڑکی اور مصفیٰ بنا لیا ہو۔ اور کبودی لباس اس کو چاہیے جس نے نفس کو مقہور کیا ہو اور مجاہدہ کی تلوار سے اُس کی گردن کاٹ دی ہو اور ماتم میں بیٹھ گیا ہو۔ اور عودی لباس اُس کو زیبا ہے جو بارگاہِ حق تعالیٰ میں اتنا مشغول و مستغرق رہتا ہو کہ کپڑا دھونے کا اُسے موقع نہ ملے۔ اور نلیگوں آسمانی لباس اُس کے لائق ہے جو اپنی بلند ہمتی سے، عالمِ سفلی سے گزر کر عالمِ علوی میں پہنچ چکا ہو اور آسمان ہمت ہو چکا ہو۔ اور صوف (یعنی اُون) کا لباس اُس کو چاہیے جو صوفی ہو چکا ہو اور دین و دنیا کی ہر طلب سے باز آگیا ہو اور تمام آدابِ سنت بجا لا چکا ہو۔ اور مندے کا لباس پہننا اُس کو مناسب ہے جو مقامِ بشریت سے گزر چکا ہو اور لقربِ انسانی اس میں مطلق باقی نہ رہ گئے ہوں۔ کیونکہ اس لباس میں کاتنے والے بننے والے اور سینے والے کا کوئی لقرب شامل نہیں ہوتا اور اپنے نفس کو پاؤں کے نیچے خوب روند کر مسل چکا ہو کیونکہ مندہ بنا نہیں جاتا بلکہ پاؤں سے مل کر جھایا جاتا ہے۔ اور کالے رنگ کا کپڑا اس کے شایاں ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے کے تمام منازل و مقامات کو طے کر چکا ہو اور آخر میں اِنِّی رِبِّکُ الْمُنْتَحِلُ (بیشک تیرے رب تک اس کی انتہا ہے) جس مقام کی طرف اشارہ ہے وہ وہاں تک پہنچ چکا ہو۔ اُس کے اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب باقی نہ رہ گیا ہو جیسا کہ کہا گیا ہے عِ دَانِی زِبْرِی سِیَاحَہ زَنْکَہ نَبُود۔ (کالے رنگ کے بعد کوئی رنگ نہیں ہوتا)۔ اَلْفَقْدُ سَوَادُ الْوَجْہِ (فقر چہرے کی سیاہی ہے) اس جگہ اگر غور کرو تو معلوم ہو جاتا ہے کہ خواجہ سنائی نے کیا فرمایا ہے۔ مثنوی

خیمِ وحدت کند ہمہ یک رنگ
کہ سیہ ہیچ رنگ نہ پذیرد

ایں ہمہ رنگہاے پر نیرنگ
یا سیہ باش چوں تو نگریند

تپشے آتشے کہ دل جو لیست
 زنگے زشت یا بلا جوئی
 طالبش سوختہ سیہ رو لیست
 خوش دلی یافت در سیہ روئی
 راز دل گر ہی نہ خواہی فاش
 با سیہ روئی دو عالم باش

(تمام مختلف رنگوں کو وحدت کا ٹکڑا ایک رنگ بنادیتا ہے۔ کالا ہی رنگ اختیار کر کیونکہ اڑتا نہیں ہے اور نہ اس پر کوئی دوسرا رنگ چڑھتا ہے۔ اس آگ میں جسے دل ڈھونڈتا ہے اس کا چاہنے والا مجلس کر سیاہ رو ہو جاتا ہے۔ بد صورت اور بلا کش جیسی اپنی سیاہ روئی میں خوش دلی اور شادمانی حاصل کرتا ہے۔ اگر تو چاہتا ہے کہ راز دل فاش نہ ہو تو دونوں جہان کی رو سیاہی اختیار کر۔ اور وہ کپڑا جسے فوطہ کہا جاتا ہے (یہ بغیر سلا ہوتا ہے۔ جیسے لنگی، چادر، رومال، دستار وغیرہ) یہ ایسے شخص کے لائق ہے جو اپنے باطن کو ہر وقت حاضر رکھے اور ہمیشہ ذکر و شاعل رہے۔ جیسا کہ فوطہ بننے والے کو کامل حضوری ہوتی ہے اور مطلق غفلت نہیں ہوتی کہ تارا لچھ جائے اور پرا خراب ہو جائے۔ اس کے پہننے والے کے لیے ضرور ہے کہ دنیا کی چیزوں کی طرف سے آنکھیں بند کرے۔ اور ہزار معنی (گڈری) خرقہ اس لیے ہے کہ مضبوط ہوتا ہے اور بہت عرصے میں پھٹتا ہے اور پھٹتا بھی ہے تو بالکل ناکارہ نہیں ہو جاتا اور ایک زمانے تک دوسرے لباس کی ضرورت نہیں ہوتی اور اکثر مشائخ نے ہزار معنی گڈری پہنی ہے۔ اس کے پہننے میں ایک ریاضت بھی ہے کہ بوجھ اٹھانا بہت دشوار ہوتا ہے۔ جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لباس جو اٹھارہ درم وزنی تھا خلافت کے وقت اٹھارہ من ہو گیا تھا۔ اور شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کا ایک لباس ان کی ابتدائی حالت سے انتہائی حالت تک بیس من کا ہو گیا تھا۔ یہ کپڑا اس کے واسطے ہے جو اپنے نفس کو ہزار ناکامیوں کی چوٹوں سے مار چکا ہو اور مجاہدے کی محنت سے چور کر دیا ہو۔ اور اپنا جامہ ہستی نامرادی کی سوئی سے سی چکا ہو۔ اور لباس مرقع و ملمع جو رنگ برنگ کے مختلف ٹکڑوں سے سیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ اپنا لباس سفید و سیاہ رنگ برنگ کے ٹکڑوں کو دھو کر سی رہی تھیں کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور دریافت فرمایا "اے عائشہ! یہ کیا ہے؟" انہوں نے جواب دیا کہ پیوندی لباس سی رہی ہوں آپ نے فرمایا بہت خوب! اے عائشہ! ہر رنگ کا ٹکڑا جوڑنا، کوئی رنگ چھوڑ نہ دینا۔

حاصل کلام یہ مرقع اور طبع اس کو زیبا ہے جو اپنے نقس کی پراگندگیوں کو دل کی جمعیت سے بدل چکا ہو اور تمام مقامات طے کر چکا ہو اور ہر منزل و مقام سے پورا فائدہ اٹھایا ہو اور حالات کے انوار کی جھلک سے اُس کی آنکھیں منور ہو چکی ہوں۔ اور لباس میں جیب لگانا بھی سنت ہے اور زیادہ تر بائیں طرف اس لیے جیب لگائی جاتی ہے کہ دایاں ہاتھ آسانی سے پہنچ سکے۔ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا اَدْخُلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجُ بَيْضًا (اپنا ہاتھ اپنے جیب میں ڈالو اور رشتی نکالو)۔ اس گروہ کے لوگ جو کپڑا سیتے ہیں اس میں جیب ضرور لگاتے ہیں اس میں یہ فائدہ بھی ہے کہ کنگھی وغیرہ ضرورت کی چیزیں رکھی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح لبانچہ اور فرجی (وہ لباس جو دوسرے کپڑوں پر پہنا جاتا ہے) پہننا بھی سنت ہے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ لباس بہت پہنا ہے۔ فرجی پہننا اُس کے شایاں ہے جس نے اپنے وجود کے لباس کو چاک کر دیا ہو اور اپنی ہستی کو پاؤں سے روند کر دنیاوی تعلقات اور آخرت کی نعمتوں سے سبکدوش ہو چکا ہو۔ اور خدا کی راہ میں دونوں کو ترک کر دیا ہو۔ اور دُہرا کپڑا پہننا مشائخ اور علمائے سلف کی سنت ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ دُہرا خرقد پہننا بہت اچھا ہے۔ پوڑی اور کشادہ آستین کھنا بھی صحابہ اور مشائخ قدیم کی سنت ہے تاکہ وضو کرنے اور دوسرے کاموں کے وقت اوپر چڑھانے میں آسانی ہو۔ اور جانماز یا کوئی دوسری چیز ضرورت کے وقت آستین میں رکھ سکیں۔ اور آستین دامن میں مغزی (گوٹ) لگانا بھی سنت ہے۔ اور یہ اس شخص کو جائز ہے جس نے اپنا ظاہر و باطن یکساں بنالیا ہو اور بشری ترددات اُس تک پہنچ سکتے ہوں۔ اور نفس و شیطان کے مکر اور غضب خداوندی سے مامون و مصون ہو چکا ہو۔ اور دستار کے نیچے لٹپی پہننا سنت ہے۔ اور دُہری لٹپی اس لیے پہنتے ہیں تاکہ پسینے میں بھیگ کر چکنی نہ ہو جائے۔ لیکن مزدجہ لٹپی جو تاج کی مانند بڑی سی ہوتی ہے، وہ پہن سکتا ہے جو بغیر دستار کے پہنے اور تمام قیدوں اور بندشوں سے آزاد و یگانہ ہو، رشتے ناتے سے طاق، خلق کی تعریف و مذمت سے بے پردا اور رد و قبول سے فارغ و بے نیاز ہو۔ اور سر پر بگڑی باندھنا سنت ہے چاہیے کہ اس کا شملہ سر کے پیچھے گردن پر لٹکائیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک حصہ آگے کی طرف اور ایک حصہ پیچھے کی طرف لٹکایا جائے۔ اور کہتے ہیں کہ دستار پیچھے کی طرف لٹکانا اُس کو چاہیے جس نے دنیاوی خواہشوں اور

آرزووں کو پس پشت ڈال دیا ہو، اور سامنے سے ہٹا دیا ہو۔ یہ مشائخ کے سوا اور کسی کو نہ چاہیے لیکن طرہ دستار آگے رکھنا اس کے واسطے ہے جو اپنا مطلوب مقصود حاصل کر چکا ہو اور مطمئن ہو لیکن چرمی لباس پہنتا ہمارے مطالعہ میں نہیں آیا ہے اس لیے نہیں لکھا گیا جب اتنی باتیں معلوم ہو چکیں تو اب جاننا چاہیے کہ جو انوں کو جب تک کسی پیر کے ہاتھ سے خرقة نہ پہن چکے ہوں، نیلگوں یا صوفیانہ ملبوس پہنتا اور نیلے سجادہ پر بیٹھنا یا نماز پڑھنا نہ چاہیے۔ اور کہتے ہیں کہ جو انوں کو خرقة پہننے سے پہلے کوئی لباس فوطہ، گلیم یا رنگی سے بہتر نہیں ہے۔ لیکن وہ شیخ جو مرید کو خرقة پہناتا ہے، ایسا مستقیم الحال ہونا چاہیے جو راہ طریقت کی ادب و پنج سے گزر چکا ہو اور احوال کی لذتیں چمک چکا ہو۔ جلال کا قہر اور جمال کا لطف اٹھا چکا ہو اور اس مرید کے باطنی احوال سے خبردار ہو کہ وہ اپنی انتہا میں کہاں تک پہنچے گا۔ پلٹ جائے گا یا واقعہ منزل تک سائی حاصل کرے گا۔ کیونکہ مشائخ دلوں کے طبیب ہوتے ہیں جب تک مریض کے مرض سے واقف نہ ہوگا علاج نہ کر سکے گا بلکہ اپنی طلب پر ہلاک کر دے گا۔ اور جبکہ اس کی غذا جو مفید ہے، اور پرہیز، جس میں اس کے لیے نقصان و خطر ہے، نہ جانے گا تو بیماری کے خلاف علاج کرے گا۔ اسی لیے شریعت کا فتویٰ ہے اَلشَّيْخُ فِي قَوْمِهِ كَالنَّبِيِّ فِي اُمَّتِهِ (شیخ اپنی قوم میں ایسا ہے جیسا نبی اپنی امت میں)۔ مرقع پہننے کی شرط گویا کفن پہننا ہے یعنی حیات کی لذتوں اور زندگی راحتوں سے امید منقطع کر لے اور اپنی تمام عمر کو خدا کی بندگی کے لیے وقف کر دے اور اپنی خواہشات سے قطعی کنارہ کش ہو جائے۔ اس وقت پیر اس کو خرقة پہنانے کے لیے پسند کرے گا۔ اس گروہ کے لباس کی یہی کیفیت و بہیت ہے جو اس مکتوب میں بیان کی گئی۔ مگر ایک جماعت نے لباس کے متعلق کوئی تکلف نہیں رکھا۔ اگر خداوند کریم نے انھیں عبادت کی عبا پہن لی اور قبادی قبا پہن لی۔ اور اگر برہنہ رکھا تو برہنہ رہے۔ اے بھائی! جس طرح دشمنوں کی عبادتیں محبوب و مقبول نہیں ہوتیں اسی طرح دوستوں کی ذلتیں شمار نہیں کی جاتیں جیسا کہ آدم علیہ السلام اور ابلیس کا قصہ ہے۔ اگر تم پوچھو کہ وَعَصَىٰ اٰدَمُ رَبَّهُ (آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی) کیا ہے؟ تو عصیٰ اٰدَمُ کو نہ دیکھو۔ بلکہ ان کے تاج بزرگی ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ اَسَ کے رب نے اس کو برگزیدہ بنا لیا) پر اے بھائی! حضرت آدمؑ نے درختوں کے پتوں سے ایک خرقة بنایا تھا اور زمین کے مفر کا ارادہ

رکھتے تھے اس سفر کے لیے ایک عصا کی ضرورت تھی۔ اس عصی کو اُن کا عصا بنایا کیونکہ فقیر کو عصا اور مرقع ضرور چاہیے۔ اسے بھائی، ربوبیت کے اسرار اس جگہ نظر آتے ہیں جہاں عقل و وہم کے پردہ ہال گر جاتے ہیں۔ اسی موقع کے لیے کہا ہے۔ مثنوی :-

اے خرد در راہ تو طفلے بہ شیر
گم شدہ در جستجویت عقل پیر
اے خرد سرگشتہ اندر راہ تو
عقل را سر رشتہ گم در راہ تو
اترے راستے میں عقل و خرد ایک شیر خوار بچہ ہے۔ تیری جستجو میں کم سن اور پیرانہ سالہ عقلیں کھویں
سخت حیران و پریشان ہیں کیا کریں دورے کا سراہی الجھ کر گم ہو گیا ہے۔ آدم کی ذات اسرار
غیب کی امانت دار ہے۔ ورنہ اس مشیت خاک میں یہ لیاقت و اہلیت کہاں کہ ملائکہ قدس اُسے
سجدہ کریں۔ اور وہ مرد و بارگاہ جس نے مرنہ تھکایا اُس پر تاقیامت لعنت کی بوچھاڑ ہوتی ہے
یہی راز ہے جو کہا ہے۔ مثنوی :-

عرش و عالم جز طلسمے بیش نیست
دست بس این جملہ اسمے بیش نیست
درنگر این عالم و آن عالم دوست
غیر او دیگر بہت آن ہم دوست
اے دروغا پیچ کس را نیست تاب
دیدہ ہا کو رہبان پر آفتاب

(عرش اور دنیا و مافیہا سوائے ایک طلسم کے کچھ بھی نہیں۔ بس وہی ایک ذات ہے اور ساری
اشیا نام ہی نام ہیں۔ غور کرو اور دیکھو یہ عالم اور وہ عالم بس وہی ہے۔ اُس کے سوا اگر کسی چیز پر
نظر پڑتی ہے تو وہ بھی وہی ہے۔ افسوس کسی کو دیدار کی طاقت نہیں۔ نگاہیں اندھی ہیں اور جہان
آفتاب سے بھرا ہوا ہے)۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بالذیوان مکتوب

علامت کے بیان میں

غزیز بھائی شمس الدین اللہ تعالیٰ انھیں اپنے دوستوں کی پیروی سے بزرگی عطا
فرمائے۔ جانو کہ راستہ چلنے والوں کا گرہ علامت اختیار کرتا ہے اور اہل حق خاص کر مخلوق

کی لعن ملعون سنا کرتے ہیں۔ اس امت کے بزرگوں کا دنیا میں یہی شیوہ رہا ہے اور سنت الہی بھی اپنے دوستوں اور طالبوں کے ساتھ اسی طرح جاری رہی ہے کہ جو کوئی اُن کی بات کرتا ہے وہ سارے جہان کو اُن کا ملامت کرنے والا بنا دیتا ہے۔ ملامت تین طرح کی ہوتی ہے ایک کہ دین کی راہ میں راستبازی کے ساتھ چلتا ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ ایک شخص اپنا کام کرتا ہے اور دین داری کی راہ میں مستقیم ہے اور معاملوں کو محفوظ رکھتا ہے اور اس کام میں لوگ اس کو ملامت کرتے ہیں۔ اور وہ ہر حال میں اپنے کام سے کام رکھتا ہے۔ اور جس نام سے اُس کو پکارتے ہیں اُس کے لیے سب یکساں ہوتا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو مجاہدین خدا کے امام اور ایمان والوں کے پیشوا تھے، جب تک وحی نہ آئی تھی اور آپ نے تبلیغ کا کام شروع نہ کیا تھا سب کے نزدیک بڑے نیک نام، بزرگ اور محمد امین کہے جاتے تھے۔ پھر جب آپ نے

خدا کی دوستی کا لباس پہنا اور وحی آنے لگی تو لوگوں نے زبان ملامت دراز کی کسی نے کہا میں کسی نے شاعر کسی نے کاذب اور کسی نے مجنون و دیوانہ کہنا شروع کیا لیکن حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی طرف ذرا بھی دھیان نہیں دیا۔ دوسری ملامت قصدی ہے۔ یہ اس طرح ہے۔ اور وہ اس طرح ہے کہ کسی شخص کو لوگوں میں بہت زیادہ عزت و وقار اور ہر دل غزیری حاصل ہو اور وہ اُن کے درمیان نشانہ بن جائے اور چاہے کہ اُن سے فارغ ہو کر خدا کے کام میں مشغول ہو اس لیے وہ قصداً اور بہ تکلف خلق کی ملامت کا راستہ اختیار کرتا ہے جس کو شریعت ناجائز نہیں ٹھہراتی۔ اور کوئی دینی نقصان نہیں ہوتا جیسا کہ روایت کی جاتی ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک دن اپنے کھجوروں کے ہارغ سے لکڑیوں کا گٹھا سر پر رکھے ہوئے آرہے تھے، یہ آپ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اُس وقت آپ کے پاس چار سو زر خرید غلام تھے۔ لوگوں نے پوچھا یا امیر المومنین خلافت کے دلوں میں آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ حالانکہ آپ کے پاس اتنے غلام ہیں! آپ نے فرمایا اُجْرِبْ نَفْسِي (میں اپنے نفس کا تجربہ کر رہا ہوں) تاکہ خلق اللہ میں اُس کا اغاز و وقار کسی کام سے باز نہ رکھے۔ خواجہ بایزید بسطامی قدس سرہ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ حجاز سے کسی شہر میں آرہے تھے۔ شہر میں آپ کے آنے کی شہرت ہوئی، لوگ جوق جوق آپ کے استقبال کے لیے شہر سے باہر نکل آئے اور عزتِ احرام

کے ساتھ آپ کو شہر میں لائے اُن کی اس آؤ بھگت سے آپ کے معمولات میں ہرج واقع ہوا۔ یہ رمضان شریف کا مہینہ تھا۔ جب بازار میں پہنچے تو حبیب سے ایک دنی نکال کر کھانے لگے ان کی یہ حرکت دیکھ کر ساری مخلوق برگشتہ ہو گئی اور وہ تہنارہ گئے۔ مرید جو اُن کے ساتھ تھا اس سے کہنے لگے۔ تم نے دیکھا کہ میں نے ایک شرعی مسئلے پر عمل کیا اور سب مجھے چھوڑ کر کنارہ کش ہو گئے۔ ملامت کی تیسری قسم احکام و ادا امر کا چھوڑ دینا ہے۔ یہ اس طرح کہ کسی شخص کو کفر و ضلالت گھیرے اور وہ بغیر عذر احکام شریعت کو ترک کرنے پر آمادہ ہو جائے اور کہنے لگے کہ ہم نے لامتیہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ تو یہ کھلم کھلا ضلالت و گمراہی ہے اور بہت بڑی آفت ہے جیسا اس زمانے میں دیکھا جاتا ہے۔ ان کا اصل مقصد لوگوں کے رد کرنے سے یہی ہوتا ہے کہ مخلوق اور زیادہ اُن کی طرف توجہ کرے اور ان کو قبولیت حاصل ہو۔ بزرگوں کا قول ہے الْمَلَامَةُ تَرْكُ السَّلَامَةِ (لامت کے معنی سلامتی سے دور ہو جانا ہے) جب کوئی شخص قصد اپنی سلامتی اور راحت و آرام کو ترک کر دیتا ہے اور بلا و مصیبت بھیلنے کے لیے کمر بستہ ہو جاتا ہے تو وہ اپنی عافیت و آرام اور آسائش و راحت سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ مخلوق اس سے ناامید ہو کر آمد و رفت بند کرتی ہے اور وہ بالکل فانی ہو کر خدا کے ساتھ مشغول ہو جاتے ہیں۔ تمام مخلوق کی آنکھیں سلامتی پر لگی رہتی ہیں لیکن لامتی اپنا منہ سلامتی سے پھیر لیتا ہے تاکہ ان کی ہمت عالی ساری مخلوق کے خلاف ہو کر صرف خالق کے لیے مخصوص ہو جائے۔ اور عشق و محبت والوں کے لیے ملامت کے راستے میں کئی مشرب ہیں جن کو یہی لوگ سمجھتے ہیں اور کہا کرتے ہیں الْمَلَامَةُ رَوْضَةُ الْعَاشِقِينَ وَنُزْهَةُ الْمُحِبِّينَ وَرَاحَةُ الْمُشْتَاقِينَ وَسُورَةُ الْمُرِيدِينَ۔ (لامت کا راستہ عاشقوں کے لیے باغ دوستوں کے لیے فرحت، مشتاقوں کے لیے راحت اور مریدوں کے لیے شادمانی ہے) کیونکہ ملامت میں قبولیت کے آثار اور قرب خداوندی کی نشانیاں نظر آتی ہیں۔ جیسا کہ سارا زمانہ قبولیت خلق سے خوش و خرم ہوتا ہے یہ گردہ لوگوں میں مردود ہونے اور دھتکے جانے سے مسرور و شادمان ہوتا ہے۔ تم اس وقت اگرچہ ہیچ اور مفلس ہو مگر امید وار رہو۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ خرابات میں وہ تجلیاں نظر آجائیں جو کعبہ میں نہ ہوں۔ فرعون کے جادو گردوں نے عین کا فری اور ساحری کے زلمے میں توحید کا لور پایا۔ پس عاجزی اور بے چارگی اختیار کرو اور اپنی بڑائی کو

مٹا ڈالو۔ کیونکہ کبریائی اور ہستی خدائے ذوالجلال کی صفت ہے۔ اس خاکی انسان کے لیے عاجزی اور بے چارگی سے بہتر اور کوئی لباس نہیں جو کوئی دُور مرتبہ پیشاب کے راستے سے گزرا ہو اس کو غرور کرنا ہرگز روا نہیں ہے اور نہ غفلت کے نشے میں اپنی ہستی کا ثابت کرنا جائز ہے۔ بادشاہ کے دربار میں لوگوں اور غلاموں کے لیے تو صنع اور انکساری سے بڑھ کر اور کوئی پوشاک نہیں ہے اسی حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے۔ دیباچی:-

در حضرت شاہ عافیت خواہی بہ در دُور نظارہ شہنشاہی بہ

قصد چہ کنم دراز کوتاہی بہ در بیشہ شیر شرزہ ردبائی بہ

(بادشاہوں کے دربار میں بہتر عافیت چاہتا ہو تو دُور ہی سے شہنشاہ کا نظارہ کرنا بہتر ہے سو کی سیدھی بات ایک یہ ہے کہ شیروں کے جنگل میں لوٹری ہی بن کر رہنا بہتر ہے) خاک کو تو بوجھاٹھانے والا ہونا چاہیے نہ کہ سر اٹھانے والا۔ ہاں یہ خاکی بوجھ اٹھانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے سرکشی اور نافرمانی کے لیے نہیں۔ اے بھائی سنو، اگر کوئی بادشاہ کی بیکس غریب کو راستے میں پکڑ کر یہ کہے کہ آؤ میرا ہے اور میں تیرا ہوں تو اس فقیر و مسکین کو چاہیے کہ اپنی ہستی و مرتبہ کو فراموش نہ کرے۔ اُس بندے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو جو اپنے مرتبے کو پہچانے کہ آدمی ایک مشتبہ خاک ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ خداوند پاک کا لطف و کرم و احسان ہے۔ تم کو اُس نے محض اپنی عطا و بخشش سے نوازا ہے تمہارا کوئی حق نہیں تھا۔ جو کچھ دیا اپنے فضل و کرم سے دیباحت و عبادت سے نہیں۔ اور جو کچھ عطا کیا اپنی شان خداوندی سے عطا کیا تمہاری گدائی اور دیروزہ گری سے نہیں۔ اَلْعَنَابَةُ قَبْلَ الْمَاءِ وَالْطِّينُ (عنایت پانی اور مٹی کے خیرمایہ سے پہلے اپنا کام کر چکی تھی)۔ ابھی آدم علیہ السلام سے نفرت ہوئی بھی نہ تھی کہ خیالِ لطف و کرم اُن کے جسم کے لیے توبہ کی خلعت اور صفوت کا لباس سی چکا تھا۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تراویواں مکتوب ۹۳

سماع کے بیان میں

غریب بھائی شمس الدین اللہ تعالیٰ تمہیں بزرگی عطا فرمائے معلوم کرو کہ دل اور دماغ اسرار خداوندی کے خزانے اور جواہر معانی کی کانیں ہیں۔ اور ان اسرار و معانی کا دل میں پوشیدہ ہونا اس طرح ہے جیسے پتھر اور لوہے میں آگ پوشیدہ ہوتی ہے، اور سماع اس آگ کا پیدا کرنے والا ہے جو اس لوہے اور پتھر میں پوشیدہ ہے۔ پس سماع سے وہی چیز ظاہر ہوتی ہے جو اس دل میں چھپی ہوئی ہے جس طرح گھڑے اور صراحی سے وہی چیز نکلتی ہے جو اس میں موجود ہوتی ہے پس یہاں سمجھنا چاہیے کہ جس دل میں خداوند غرور جل کی محبت زیادہ ہوگی اور وہ اُس کے دیدار کا مشتاق ہوگا اُس کے حق میں سماع شوق کا بھڑکانے والا اور عشق و محبت کو ابھارنے والا ہے۔ اور اُس آگ کو ظاہر کرتا ہے جو سینے کے تہاں خانے میں دبی ہوئی ہے۔ اور مرکاشفات و ملاحظات کے ذریعہ وہ احوال شریفہ ظاہر ہو جائیں گے جن کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ پس جانو کہ جس کو یہ دوست نصیب ہے اور اس نعمت کا لطف حاصل کرنے والا ہے تو اس کے احوال شریفہ کو صوفیوں کی زبان میں وجد کہا جاتا ہے۔ اس صورت میں سماع کا سنا حلال ہی نہیں بلکہ مستحب ہے اور واجب ہو جاتا ہے۔ یہ وہ قدم ہے کہ اٹھتا ہے تو عالم ہزل میں ہے مگر جب اس مقام کے سالک کے سماع میں پہنچتا ہے تو وجد ہو جاتا ہے کیونکہ وہ صاحب سماع اپنی فطرت بشری سے بدل چکا ہے جو چیز اُس کو ملتی ہے وہ بھی بدل جاتی ہے۔ اسی لیے پیران طریقت نے فرمایا ہے کہ ان کے سامنے رندانہ اشعار شراب کباب کے متعلق لکائے جاتے ہیں لیکن اُس کے دوسرے معنی لیتے ہیں۔ لفظ وصال سے دیدار الہی، فراق سے حجاب خداوندی اور چشم سے نظر لطف اور خدا کی مہربانیاں مراد لیتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم کا اندازہ **وَلَتُضَنِّعَ عَلٰی عَيْنِيْٓ اٰمِيْ عَلٰی عَلٰی وَبَصَوِيْ** (اور وہ بتایا گیا میری آنکھوں کے سامنے یعنی میرے علم اور میری بصارت کے سامنے) زلف سے قرب خداوی کے معنی سمجھتے ہیں **لَيُقَيِّرَنَّ بُوْنَآ اِلٰی اللّٰهِ زُلْفًا** (تاکہ وہ ہمارے لیے قرب خداوندی کا وسیلہ ہو جائیں) اور ہو سکتا ہے کہ زلف سے

الوہیت کی اشکال کا سلسلہ مراد لیں۔ جیسا کہ کہل ہے۔ قطعہ :-

گفتم بشمارم سر یک حلقہ زلفش
تا بگو کہ تفصیلش سر حلقہ بر آرم

خندید بمن ہر سر زلفش مشکینش
یک پیچ بہ عیید و غلط کردہ شمام

میں نے چاہا کہ اُس کی زلف کے گھونگر کا ایک سر اُشمار کر دوں تاکہ اس کے اجمال سے تفصیل کا مشاہدہ کر سکوں۔ میرے اس ارادے پر اُس کی زلف مشکیں کا ایک ایک بال ہنسنے لگا اور ایک ایسا پیچ ڈال دیا کہ میں گناہِ نامسب بھول گیا، یعنی اگر کوئی چاہے کہ اپنے تصرف و کوشش سے بارگاہِ الوہیت کے عجائبات کا ایک تارِ مو بھی شناخت کر سکے تو اس میں ایک شکن ایسی پڑ جاتی ہے کہ سارا انداز و شمار غلط ہو جاتا ہے اور عقلیں مدہوش ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زلف سے کفر کی ظلمت مراد لیں اور چہرے کی چمک سے ایمان کا نور مطالعہ کریں۔ جیسا کہ کہل ہے۔

بلکہ خست کہ بود و لم زلف تو بود
ہند و نگر کہ حق مسلمان فرو گرفت

(میرزا دل تیرے رخسار کی ملکیت تھا جسے تیری زلف لے گئی۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ مسلمان کا حق ایک ہندو لے اڑا) ۵

دنگ زلف تو سیہ کردہ است روئے روزگار
نورِ دیت محو کردہ ظلمت شب را بردار

(تیری کالی کالی زلفوں نے دن کو بھی تاریک کر دیا ہے۔ اور تیرے رخسار کی چمک نے اندھیری رات کو روشن کر کے دن بنا دیا ہے)۔ اور لفظ کفر سے اپنی ہستی اور اپنے اعمال کا چھپا لینا مراد لیتے ہیں اور اتنا دے اپنی خودی سے پھر جانا سمجھتے ہیں جیسا کہ ایک بزرگ نے کسی کو یہ شعر کہتے ہوئے سنا۔

کافر نہ شوی عشق نریدار تو نیست
مرتد نہ شوی قلندری کا رہ تو نیست

(تو جب تک کافر نہ ہو جائے عشق تجھ کو قبول نہیں کرے گا۔ اور جب تک مرتد نہ ہو جائے قلندری کے قابل نہ ہو گا)۔ یہ سن کر اُس بزرگ نے ایک چٹخ ماری اور بیہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش میں آئے تو لوگوں نے اس کیفیت سے کہہ سبب پوچھا۔ انہوں نے کہ اگر لغت میں کفر کے معنی چھپ جانے کے ہیں اور کافر پوشیدہ ہوتا ہے۔ کسان جو بیچ کو زمین میں چھپا دیتا ہے اُسے کافر کہتے ہیں۔ پس شرک کے یہ معنی ہوئے کہ جب تک تیرا وجود اور تیرے پر خلوص اعمال تجھ سے، اور تمام مخلوق سے پوشیدہ نہ ہو جائیں تیرے عشق و محبت کا دعویٰ درست نہ ہو گا۔ اور جب تک اپنے آپ اور اپنے نفس سے بیزار نہیں ہو جائے

قلندری کا دم مارنا صحیح نہیں ہے۔ اور جب مستی و شراب کی باتیں سنتے ہیں جیسے سہ

گرمے دو ہزار رطل پر پیمانی تا خود نہ خوری نیا شدت زیبائی

(اگر تو دو ہزار رطل (پیمانہ) ناپتا چلا جائے تو کیا ہوتا ہے جب تک خود نہ پیے تجھے کیفیتِ دس دراصل نہیں ہو سکتا)۔ اس کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ دین کا کام محض علم اور گفتگو سے نہیں سنوڑتا بلکہ ذوقِ دل سے آراستہ ہوتا ہے۔ اگر عشق و محبت اور زہد و تقویٰ کی ہزار باتیں کیا کرے اور کتابیں تصنیف کر ڈالے کوئی فائدہ نہیں ہوتا جب تک وہ باتیں تجھ میں پیدا نہ ہو جائیں۔ اور جب خراباتی اشعار سنتے ہیں جیسے سہ

ہر کو بخرابات نہ شربے دین بہت زیراکہ خرابات اصولِ دین بہت

(جو شخص میخانے میں نہ گیا ہو وہ بے دین ہے۔ کیونکہ شراب خانہ ہی تو دین کی بنیاد ہے) اس شعر سے یہ معنی سمجھتے ہیں کہ یہ صفات بشری جو زندگی کی آبادیاں سمجھی جاتی ہیں جب تک خراب اور دیران نہ ہو جائیں اُس وقت تک وہ صفتیں جو انسان کے جوہر میں پوشیدہ ہیں ظاہر نہیں ہو سکتیں۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ غری زبان کا کوئی شعر سن کر اس کے ایسے معنی سمجھتے ہیں جو درحقیقت اس کے معنی نہیں ہوتے اور اُس سے اُن پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جیسے کہ کسی نے کما ع

مَا زَارَنِي فِي النَّوْمِ إِلَّا خِيَالُكُمْ

(ہم سوائے تمھارے خیال کے خواب میں بھی کچھ اور نہیں دیکھتے)۔ ایک صوفی کو یہ سن کر حال آگیا۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیسا حال ہے کہ آپ خود اس کا مطلب نہیں سمجھتے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے انھوں نے کہا میں کیوں نہیں جانتا۔ وہ کہہ رہا ہے کہ ہم زار اور در ماندہ ہیں اور خطرے میں گھرے ہوئے ہیں۔ ایک بزرگ کسی بازار سے گزر رہے تھے ایک کلڑی بیچنے والا کہہ رہا تھا: خِيَارُ عَشْرَةِ بِحْبَةِ (ایک پیسے کی دس کلڑیاں) یہ سن کر اُن کو وجد آگیا۔ لوگوں نے اُن سے پوچھا تو انھوں نے جواب دیا: اِذَا كَانَ خِيَارُ النَّاسِ عَشْرَةُ بِحْبَةٍ فَمَا قِيَمَةُ شَوَارِهِمْ۔ (جب دس نیک انسانوں کی قیمت ایک پیسہ ہے تو بُرے انسانوں کی کیا قیمت ہوگی)۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شعر ایک ہو مگر ہر شخص اپنے مرتبہ اور حال کے اعتبار سے مختلف معنی سمجھے۔ جیسا کہ ایک لوندی دجلہ بغداد کے کنارے گھڑا بھر رہی تھی اور گنگنائی جاتی تھی سہ

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْعِزَّةِ وَالْجَلَالِ إِنَّ الْمُحِبِّتَ لِفِي الْعِزَّةِ

(پاک ہے آسمان کا پروردگار بیشک عشاق رنج و مصیبت میں گرفتار ہیں۔) ایک شخص کو حال آگیا اور کہا تو سچ کہتی ہے اور دوسرے کو بھی دہرایا اور کہا تو جھوٹ کہتی ہے۔ یہ دونوں اپنی اپنی باتوں میں سچے ہیں۔ کیونکہ جس نے کہا سچ کہتی ہے اُس نے عاشق کو رنج و بلا و مصیبت میں دیکھا۔ اور جس نے کہا تو جھوٹ کہتی ہے اُس نے عشق میں دوست کے وصال کی راحت و لذت کو دیکھا۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ محض آواز سن کر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس میں الفاظ اور معنی و مطلب کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ تم نے عرب کے اونٹوں کے افسانے تو سنے ہوں گے کہ صرف ساربان کے گانے کی آواز پر ایسے مست ہو جاتے ہیں کہ بھاری بوجھ کے ساتھ اتنا تیز دڑتے ہیں کہ جب اپنی منزل پر پہنچتے ہیں اور ساربان خاموش ہو جاتا ہے تو فوراً گر پڑتے ہیں اور ہلاک ہو جاتے ہیں۔ تو اس گروہ کے لیے سماع کا سننا بھی اسی طرح ہے جس چیز کا اُن پر غلبہ ہوتا ہے وہی سنتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور وہی دیکھتے ہیں۔ اس بات کا انکار کرنا مشاہدات کا انکار کرنا ہے جو شخص عشق کی آگ میں (خواہ وہ حق ہو یا باطل) جل چکا ہو وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ اب اس جگہ ایک نکتہ یاد رکھنا ضروری ہے تاکہ سماع کی آفت و بلا سے تم محفوظ رہو۔ اور وہ یہ ہے کہ جتنی بڑی صفیتیں اور متغیر ہونے والی حالتیں ہیں وہ اپنی ذات اور نفس سے متعلق کریں اور جو کچھ صفات جمال و جلال اور خشیت و کرامت ہیں اور تمام صفات کمالیہ کو حق سبحانہ و تعالیٰ شانہ سے متعلق کریں۔ اگر ایسا نہ ہو تو کفر کا خوف ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ کی دوستی کے لیے سماع کا خطرہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ یہ شعر سن کر سہ

زا دل بہ منت میل بدان میل کجاست و امر و زلزل بودن از ہر چہ راست

(پہلے تیری توجہ جو میری طرف تھی وہ اب کیا ہوئی اور آج تو مجھ سے کیوں رنجیدہ ہو گیا ہے) جس کو پہلے قوی ہدایت حاصل ہو چکا ہو اور ایک کمزور ہو جائے گی۔ کیونکہ جب یہ شعر سنے گا تو خیال کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کے ہم پر جو انعام و اکرام تھے اب بند ہو گئے ہیں اور اس تغیر کو اللہ تعالیٰ کے حق میں جانے گا تو کفر ہو گا۔ نہیں، بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ کسی تغیر کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں کوئی راستہ نہیں ہے، اور یہ تغیر و منع و حجاب طال اُس کی طرف سے نہیں ہے۔ اُس کی بارگاہ ہر شخص کے لیے کھلی ہوئی ہے۔ آفتاب کی روشنی کی طرح کوئی اس سے محروم نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص دیوار کے سایے میں رہنے کی وجہ سے حجاب میں آگیا تو یہ تغیر خود اس شخص میں واقع ہوا ہے نہ کہ آفتاب میں۔ جیسا کہ کہا ہے۔

آفتاب برآمدے نگاریں دیرست - بر بندہ اگر نہ تابدازا دیار است

(دیر ہوئی کہ آفتاب طلوع ہو چکا ہے اگر کسی شخص پر اُس کی روشنی نہ پڑے تو خود اس کی بد بختی ہے) تو چاہیے کہ حجاب کو اپنی خواست یا کسی جرم و خطا پر محمول کرے جو کبھی اُس سے سرزد ہوئی ہو نہ کہ لغو ذی اللہ خدا کی طرف۔ کیونکہ وہ ان سب سے پاک و میرا ہے۔ اور کند طبیعت والا ناپاک بد بخت سماع کی لذت سے متعجب ہوتا ہے۔ وہ سنتے والوں کی کیفیت ذوق و وجد و حال و اضطراب اور چہروں کا رنگ بدل جانے کا اُسے یقین نہیں ہوتا۔ اس کا تعجب کرنا ایسا ہے جیسا کہ جانور مغربا دام یا اُس کے حلوے کے فرے پر تعجب کریں۔ یا نامرد کو جماع کی لذت کا یقین نہ آئے یا کوئی جاہل و احمق خدا کی معرفت کی لذت اُس کے جلال کی معرفت و عظمت اور اُس کی صنائی کے عجائبات دیکھ کر متعجب و متعجب ہو ایسا شخص انسانیت سے خارج ہے اور اُس کے انکار کا وبال اُسی کی گردن پر ہوگا۔ کیونکہ اگر کوئی نابینا سبزہ زار و آب رواں کے پر لطف نظاروں سے محروم ہونے کی وجہ سے انکار کرتا ہے تو کوئی تعجب نہیں، اس لیے کہ اس کو آنکھیں نہیں ملی ہیں جو ایسے فرحت بخش مناظر کو دیکھ سکیں۔ اسی طرح اگر کوئی طفل نادان حکمرانی کی لذت اور بادشاہی نعمت و راحت سے انکار کرے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ اس کا دل کھیل کود میں لگا ہوا ہے اُسے بادشاہت کے لطف و فرے سے کیا واسطہ؟ اگر کسی شخص کے دل پر کسی ایسے شخص کی محبت و عشق کا غلبہ ہو جس کو دیکھنا شرعاً حرام یا ناجائز ہے تو ایسا آدمی جب سماع اختیار کرے گا تو اُس کے معانی و مطالب کو اسی حرام و ناجائز کی طرف لے جائے گا۔ اس لیے ایسے شخص کے حق میں سماع حرام ہوگا۔ کیونکہ یہ اُس کے فکر و تصور کو ایسے افعال و اشکال کی طرف متحرک کرے گا جو ممنوع اور ناجائز ہے۔ جو چیز حرام کی طرف حرکت دینے یا بلا لے والی ہو وہ بھی حرام ہو جاتی ہے اور اس امر میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ لیکن ایسے شخص کے لیے جس کے دل میں خدا کی محبت کا غلبہ نہیں ہے کہ اس کو سماع محبوب ہو اور نہ اُس میں ہو اسے نفس غالب ہے کہ سماع ناجائز ہو ایسے لوگوں کے لیے سماع مباح ہوتا ہے جیسا کہ اور دوسری چیزیں مباح ہوتی ہیں۔ الغرض سماع کی تین قسمیں ہیں حلال حرام اور مباح۔ کس بزرگ کے سماع کے متعلق پوچھا گیا۔ فَقَالَ سُمِعْتُ لِأَهْلِ الْحَقَائِقِ وَمُبَاحٌ لِأَهْلِ الشَّكِّ وَالْوَيْعِ وَمَكْرُوهٌ لِأَهْلِ النَّفُوسِ وَالْخُفْلُونِ (انھوں نے کہا کہ سماع اہل حقیقت و معرفت کیلئے مستحب ہے اور اہل شک و ریع یعنی زاہد و پیر کا رکے لیے مباح ہے اور اہل نفس و شہوت کیلئے مکروہ ہے)۔ اور اس پر

مشائخین کا اجماع ہے کہ قرآن کریم کو اچھی آواز اور خوش الحانی سے پڑھنا چاہیے بشرطیکہ اپنی حد میں ہو اور معنی میں کوئی خلل نہ آجائے۔ لیکن قصائد و اشعار کے متعلق جب حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا **هُوَ الْكَلَامُ فَحَسَنُهُ حَسَنٌ وَقَبِيحُهُ قَبِيحٌ** (وہ کلام ہے، اگر اچھا ہے تو اچھا ہے۔ اور بُرا ہے تو بُرا ہے)۔ یعنی جس کا سننا حلال ہے جیسا کہ حکمت اور پسند و نصائح کی باتیں آیات الہی کے استدلال، خدا کی مہربانیوں اور نعمتوں کا ذکر اور متقی و صالحے امت کی تعریفیں نظم میں ہوں یا نثر میں سب حلال ہیں۔ جس کلام کا سننا حرام کیا گیا ہے وہ کسی کی غیبت، گالی گلوچ گمی کی بُرائی اور ہجو کرنا یا کفریہ کلمات بکنا نثر میں ہو یا نظم میں سب حرام ہیں۔ اور ایسے اشعار جن میں شہروں، مقامات و منازل، ایام گزشتہ اور اہم ماضی کا بیان ہو مباح ہیں۔ اور جن میں خال و خط زلف و لب قد و قامت چشم دابر و کے حسن و خوبی کی صفت ہو اور اس طرح کی نظمیں جس کو عام لوگوں کا مذاق پسند کرتا ہے۔ مکر وہ ہیں۔ یہ کراہیت نظم اور نثر دونوں کے لیے ہے۔ مگر وہ علمائے ربانی جو صاحب تمیز اور ریاضت و مجاہدہ کرنے والے اہل امام اور غیر امام کو سمجھتے ہیں، جیسا قسم اول میں ہم نے بیان کیا ہے اُن کے لیے ہر طرح کا شعر سننا مباح ہے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم نے سنا ہے بلکہ صحابہ کرام نے کہا بھی ہے اور سنا بھی ہے۔ یہاں پر لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ بعض ہر قسم کے اشعار سننے کو حرام کہتے ہیں حالانکہ رات دن مسلمان بھائیوں کی غیبت کیا کرتے ہیں۔ اور ایک جماعت ہر قسم کے اشعار سننے کو حلال کہتی ہے اور رات دن لغو اور بیہودہ اشعار سنا کرتی ہے۔ اور دونوں اپنے اپنے طریقوں پر دلیلیں قائم کرتے ہیں۔ اب اس جگہ سمجھنا چاہیے کہ جو مسئلہ مختلف فیہ ہو اور وجوہات پر محمول کیا جاتا ہو اُس پر اطلاق کے ساتھ جو آقا قائم کرنا خطا ہے۔ صاحب کشف المحجوب رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے زمانے کے مقتدا تھے، انھوں نے لکھا ہے کہ جب میں مرد میں تھا، وہاں ائمہ حدیث میں سے ایک محدث جو مشہور و معروف تھے، انھوں نے مجھ سے کہا کہ میں نے سماع کے مباح ہونے کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے۔ میں نے کہا کہ دین میں ایک بُری مصیبت واقع ہو گئی ہے۔ خواجہ، کیا ہو و لب اور تمام فسق و فجور کو حلال کر دیا ہے؟ انھوں نے کہا اگر تمہارے نزدیک حلال نہیں ہے تو خود کیوں سنتے ہو؟ میں نے کہا اس کا حکم وجوہات پر موقوف ہے کوئی مطلق حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اگر دل میں اس کی تاثیر حلال ہو تو سماع حلال ہے۔ اور اگر تاثیر اس کی حرام ہو تو سماع بھی حرام ہے۔ اگر تاثیر مباح ہو تو سماع بھی مباح ہو گا۔ جس چیز کا ظاہر حکم حرام و فسق ہو

مگر باطن میں اس کے اثرات روشن ہوں تو یہ ایک دم ہوگی حلت کے وجہ میں سے۔ اس لیے ایک ہی چیز پر اطلاق کرنا محال ہوگا۔ اب رہا رقص کرنا، تو سنو! حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے تین وجوہ بتائے ہیں۔ اور کہا ہے کہ رقص کا حکم اس کے محرک پر محمول کیا جاتا ہے۔ اگر محرک محمود ہے اور رقص اُس کو بھڑکاتا اور ابھارتا ہے تو رقص بھی محمود ہے۔ اور اگر رقص کا محرک مذموم ہے اور رقص اُس کی بُرائی کو ابھارتا ہے تو رقص بھی مذموم ہوگا۔ اور اگر محرک مباح ہے تو رقص بھی مباح ہوگا۔ اور کہا ہے روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے ایسے موقعوں پر حبان کو کوئی خاص چیز ملتی تھی تو اس کے سرور اور خوشی میں رقص کیا ہے۔ اور بعض صالحین نے بغیر اظہار وجد و حال، درویشوں کی موافقت میں موز و نیت کے ساتھ رقص کیا ہے اور موز و نیت اس لیے اختیار کی ہے کہ یہ بات ظاہر کر دیں کہ ہم پر وجد و حال کی کیفیت طاری نہیں ہے۔ **اخْتَرَا زَا عَنِ الْكَذِبِ** (بھوٹ سے بچنے کے لیے) اس کے باوجود کہتے ہیں کہ رقص کی عادت ڈالنا اہل اقتدا کے لائق نہیں ہے کیونکہ یہ اکثر حالتوں میں لہو و لعبت شمار کی جاتی ہے۔ اور جو چیز بظاہر لہو و لعب نظر آئے مقتدایان قوم کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے تاکہ لوگوں کی نظر میں حقیر نہ ہوں اور لوگ ان کی پیروی ترک نہ کر دیں۔ بہر حال کھیل کود شرعاً اور عقلاً مناسب مستحسن نہیں ہیں پس محال ہے کہ بزرگ برتر حضرات اسے اختیار کریں۔ لیکن جب سماع میں دل پر بقیہ رادی اور دماغ پر خفقاتی اثرات غالب ہو جائیں اور اضطراب قوت برداشت سے باہر ہو جائے تو رسم و ترتیب کا لحاظ اٹھ جاتا ہے اور اس وقت یہ مضطربانہ حرکات نہ رقص ہوتی ہیں نہ اچھل کود اور نہ دل بہلاوا۔ بلکہ وہ ایک جاں کنی کا عالم ہوتا ہے اور نہایت سخت ہوتا ہے پس وہ شخص جو ان مضطربانہ حرکات کو رقص سمجھتا ہے راہِ نواب کے کوسوں دور ہوتا ہے۔ یہ تو ایک ایسی حالت ہے جو زبان سے بیان نہیں کی جاسکتی جس نے چکھا ہی نہیں ہے وہ کیا جان سکتا ہے۔ تو اس گردہ سے ایسی حرکتیں جو سرزد ہوتی ہیں وہ ان کی حالت کا اضطراب ہے رقص نہیں۔ اگر کسی کو شک شبہ یا اعتراض ہو سکتا ہے تو رقص میں ہو سکتا ہے اضطراب میں نہیں۔ چنانچہ اشعار کا سننا اور حالت کا طاری ہونا احادیث سے ثابت ہے ان میں سے ایک صحیح حدیث یہاں بیان کی جاتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہا ”یا رسول اللہ! آپ کو بشارت ہو کہ آپ کی امت کے درویش و فقیرامیروں کے

اعتبار سے پانچ سو سال پیشتر بہشت میں داخل ہوں گے۔" یہ خوش خبری سن کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے اور فرمایا "یہاں کوئی ہے کہ شعر سنائے؟" ایک بدوی نے کہا "ہاں ہے یا رسول اللہ" آپ نے فرمایا "هَاتِ هَاتِ" (آؤ آؤ) اُس نے یہ شعر پڑھ دیا:

لَقَدْ لَسَعْتُ حَيَّةَ النَّهْوَى كَيْدِي
فَلَا جُنَيْبَ لَهَا وَلَا سَارِقِي
إِلَّا الْجُنَيْبَ الَّذِي شَفَعْتُ بِهِ
فَعِنْدَهُ رَقِيَّتِي وَتَوْرِيَاتِي

شفعت

(میرے کلیجے پر محبت کے سانپ نے دس لیا ہے۔ اس کے لیے نہ کوئی طبیب ہے اور نہ جھار پھونک والا۔ مگر ہاں وہ محبوب جو میری بانی فرمائے، اُسی کے پاس اس کا منتر اور تریاق ہے)۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تواجہ فرمایا اور جتنے اصحاب ہاں تھے سب دہر کرنے لگے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ردائے مبارک دوش مبارک سے گر پڑی۔ جب اس حال سے فارغ ہوئے معاویہ بن ابی سفیان نے کہا: کتنی اچھی ہے آپ کی یہ بازی یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: مَا مَعَاوِيَةَ لَيْسَ بِكَبِيرٍ مَنْ لَمْ يَهْتَرْ عِنْدَ سَمَاعٍ ذَكَرَ الْجُنَيْبِ (دُور ہوا اے معاویہ وہ شخص کریم (یعنی سخی و بامروت) نہیں ہے جو دوست کا ذکر سنے اور بھوم نہ اٹھے)۔ پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ردائے مبارک کے چار سو ٹکڑے کر کے حاضرین میں تقسیم کر دیے گئے۔ اور تواجہ میں تالیاں بجانے کے متعلق حضرت عتبۃ الغلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے کسی سے کوئی شعر سنا اور ہاتھ پر ہاتھ اتنا مارا کہ انگلیوں سے خون کے قطرے نکلنے لگے۔ اور خواجہ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب فقیر سماع میں ہاتھ پر ہاتھ مارتا ہے تو شہوات اُس کے ہاتھ سے خارج ہو جاتی ہیں۔ اور جب زمین پر پاؤں مارتا ہے تو پاؤں کے شہوات نکل جاتی ہیں۔ اور جب نعرہ مارتا ہے تو باطن کی شہوتیں باہر نکل جاتی ہیں۔ لیکن سماع میں نعرہ مارنا اُس وقت درست ہے جب باطن میں جذبات کا اتنا غلبہ ہو کہ اس پر قابو نہ پایا جاسکے۔ روایت کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں قصہ کہہ رہے تھے، کسی نے نعرہ مارا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے مناجات کے وقت فرمایا: بِحَيِّ سَاحُوا وَبِحَيِّ نَاحُوا وَبِحَيِّ رَاحُوا فَلَمْ تُنْكَرُوا عَلَى عِبَادِي (وہ میری محبت میں نعرہ مارتے ہیں، میری محبت میں روتے چلاتے ہیں اور میرے قرب سے راحت پاتے ہیں تم ان کو مت جھڑکا کر دو)۔ شیخ عبدالرحمن سلمیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب السماع میں یہ روایتیں جمع کی ہیں۔ اب جانو کہ ان لوگوں

ذوق و شوق کے اعتبار سے ہر ایک کا ایک خاص مقام اور مرتبہ ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی تائب سماع سنتا ہے تو حسرت و ندامت کی کیفیت زیادہ ہوتی ہے۔ مشتاق کو شوق دیدار زیادہ ہوتا ہے۔ یوں کالیفین کامل ہوتا ہے۔ مرید کو بیان کی تحقیق حاصل ہوتی ہے۔ محبت کرنے والے کو تعلقات سے علیحدگی ہوتی ہے۔ فقیر کے لیے ناامیدی کی بنیاد قائم ہوتی ہے تمام چیزوں سے۔ لوگوں نے کہا ہے کہ سماع کی مثال سورج کی طرح ہے کہ ہر چیز پر اس کی روشنی یکساں پڑتی ہے لیکن ہر چیز اپنی استعداد اور ذوق و مشرب کے اعتبار سے فائدہ حاصل کرتی ہے۔ یہ کسی کو جلاتی، کسی کو چمکاتی، کسی کو بڑھاتی اور کسی کو پگھلاتی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ایسی بے خودی اور بے خبری کی حالت میں قوال کے تال دمر پر رقص کرتے ہیں اور اس کی آواز و نغمہ کو جانتے پہچانتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب انسان نفسانی قوتوں اور خیالات و خواہش بے خبر ہوتا ہے تو اس کا دل زیادہ روشن اور قوی ہو جاتا ہے۔ اور جب نفس کمزور اور دل روشن ہو جاتا ہے تو لامحالہ قرب سماع اور قوال کے نغموں کو بہتر جانتا اور سمجھتا ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ جب ان لوگوں کا سماع سچا اور حق کے لیے ہے تو چاہیے تھا کہ مقرب لوگوں کی صحبت میں بیٹھتے اور قرآن مجید پڑھتے، نہ کہ قوالوں کے گیت اور راگ سنتے۔ کیونکہ قرآن کلام حق ہے اور اس کا سننا زیادہ بہتر ہے اس کا یہ جواب ہے کہ قرآن شریف کی قرأت سن کر بھی بہت ذوق و تواجہ ہوتا ہے بلکہ اکثر آدمی اس کو سن کر ہیوش ہو جاتے اور بعض جان بھی دیدیتے ہیں جیسا کہ کتابوں میں مسطور ہے۔ لیکن قاری کی جگہ قوال اور قرآن پاک کے عوض نغمے اس لیے سنتے ہیں کہ قرآن شریف کی آیتیں عشاق کے دلی جذبات سے کُلّی مناسبت نہیں رکھتیں۔ کیونکہ ان آیتوں میں کفار کے قہقہے، معاملات کے احکام، دنیاوی امور کو سرانجام دینے کے طریقے اور دوسری بہت سی باتیں ہوتی ہیں۔ جب قاری ان آیات کو پڑھے کہ ماں کو میراث میں چھٹا حصہ اور بہن کو آدھا حصہ ملے گا۔ یا یہ آیت پڑھے کہ شوہر کے مرنے پر بیوی کو چار مہینے دئیے دن عدت میں بیٹھنا چاہیے تو ایسے مہمون سے شوق و محبت کی آگ تیز نہ ہوگی ہاں البتہ ایسا شخص جس پر عشق کا غلبہ اس درجہ ہو کہ ہر چیز کے سننے سے اس کو تواجہ حاصل ہو، خواہ وہ مہمون اس کے مقصد سے دور ہی کیوں نہ ہو تو اسے تواجہ ہو گا۔ مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ اور دوسرا سبب یہ ہے کہ اکثر لوگوں کو قرآن یاد ہوتا ہے اور بہت پڑھا کرتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ جو چیز زیادہ سنی جاتی ہے وہ اکثر حالات میں قرار دل ہو جاتی ہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ زمانہ رسول

صلی اللہ علیہ وسلم میں عرب اگر اول اول قرآن سنتے تھے تو روتے تھے اور ان پر حال طاری ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کُنَّا کَمَا کُنْتُمْ تَمَّ قَسَمْتُ قُلُوبُنَا۔ (ہم بھی تمہاری طرح تھے اب ہمارے دل جم گئے یعنی قرآن سنتے سنتے قرار دے لیں آگیا۔ مگر سماع کے لیے تین شرطیں ہیں۔ ان کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ مکان، زمان، اخوان۔ مکان چاہیے کہ مشائخ کی خانقاہ ہو یا کوئی پاک صاف ہو اور کشتادہ اور روشن مقام ہو۔ اخوان چاہیے کہ فقرا درویش اور یارانِ بامیر صحبت یافتہ اور ریاضت کشیدہ ہوں اور زمان یہ کہ دل تمام اشغال سے فارغ اور خالی ہو۔ مگر سماع کا ادب یہ ہے کہ جب تک ضروری نہ ہو سماع نہ کرے اور اس کو عادت نہ بنائے اور ہر وقت سماع میں مشغول نہ رہے تاکہ اس کی تعظیم و احترام دل سے نہ نکل جائے۔ اور چاہیے کہ حرکت کی حالت میں کسی سے موافقت کی امید نہ رکھے۔ اور اگر کوئی موافقت کرے تو منع نہ کرے۔ اگر کوئی تواجد میں ہے تو اس کے حال پر تصرف (چھیڑ چھاڑ) نہ کرے، اور اس کو اس شعر کے لطف و ذوق سے نہ ہٹائی جس سے وہ تواجد کر رہا ہے، کیوں کہ بڑی پریشانی اور بے برکتی کا باعث ہوتا ہے۔ اور اگر قوال خوش الحانی سے گارہا ہے تو اس کی تعریف نہ کرے کہ اچھا گاتا ہے۔ اور اگر اچھا نہیں گاتا یا ناموزوں شعر پڑھتا ہے تو نہ کہے کہ بہتر اور درست ادا کیا اور اس سے دل میں رنجیدہ نہ ہو اور شرم سے اس کی طرف نہ دیکھے بلکہ خود صحیح اور درست سنتا ہے۔ اور اگر کسی جماعت پر سماع کی کیفیت طاری ہو اور تم کو اس کوئی حصہ نصیب ہو تو چاہیے کہ اپنی ہوشیاری میں ان کی مستی اور بے خودی کو نیاز مندی کے ساتھ دیکھتے رہو اور تعظیم بجالاؤ تاکہ اس کی برکتیں تمہیں بھی حاصل ہوں۔ اور اگر تم خود صاحب سماع نہ ہو تو چاہیے کہ کسی صاحب سماع اور صاحب قدم کے سایہ دولت میں آجاؤ۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ تمام حاضرین محفل سر کو جھکائے رہیں اور ایک دوسرے کو نہ دیکھیں۔ اور دورانِ سماع بات چیت نہ کریں نہ پانی پیئیں نہ دائیں بائیں دیکھیں نہ ہاتھ پاؤں اور سر ہلائیں بلکہ نماز میں تشہد کی طرح باادب بیٹھے رہیں۔ دل کو خداوند تعالیٰ کی طرف کلیتہً متوجہ رکھیں اور منتظر رہیں کہ سماع کے سبب غیب سے ان کے دل پر سیرانی منکشف کیا جائے۔ اور اگر کوئی وجد و حال کے غلبہ سے کھڑا ہو تو اس کی موافقت میں یہ لوگ بھی کھڑے ہو جائیں۔ اور اگر اس کی دستار یا ٹوپی گر جائے تو اٹھا کر رکھ لیں۔ یہ سب باتیں اگرچہ بدعت ہیں اور صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت نہیں ہیں لیکن ہر بدعت

ممنوع نہیں ہے۔ بہت سی بدعتیں اچھی ہوتی ہیں۔ جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جماعت کے ساتھ تراویح امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ مقرر کی ہے اور یہ اچھی بدعت ہے۔ بدعت مذمومہ تو وہ ہوتی ہے جو سنت کی مخالفت ہو۔ لیکن ایسے حسن اخلاق سے لوگوں کے دل کو خوش کرنا جس سے احکام شرعی میں کوئی نقص و خلل واقع نہ ہو محمود و مستحسن ہے۔ ہر قوم کی ایک عادت ہوتی ہے۔ ان کی اخلاقی عادات کی مخالفت کرنا بے تمیزی ہے۔ شریعت کا فتویٰ تو یہ ہے کہ خَالِقُوا النَّاسَ بِأَخْلَاقِهِمْ (لوگوں کے ساتھ ان کے اخلاق کے موافق اخلاق برتو)۔ اس برتاؤ سے قوم خوش ہوگی اور مخالفت سے متوحش ہو جائے گی۔ اس لیے ان کی موافقت کرنا سنت ہے۔ لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم جو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کھڑے نہ ہوتے تھے تو اس طرح کھڑا ہونا وہ کراہیت سمجھتے تھے۔ کیونکہ عرب کی عادت دوسری ہے اور عجم کی عادت دوسری۔ پس ذکر سماع اور اس کے احکام کے متعلق اس مکتوب میں جتنا کچھ لکھا گیا بہت کافی ہے۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بہار النواہل مکتوب ۹۴

مخلوق سے کنارہ کشی اور گوشہ نشینی کے بیان میں

عزیز بھائی شمس الدین۔ اللہ تعالیٰ تمہیں فرمانبرداروں کی بزرگی عطا فرمائے۔ جانو کہ گوشہ نشینی اختیار کرنا اور مخلوق سے علیحدہ رہنا ایک مہم ہے تاکہ اطمینان کے ساتھ عبادت کرنے کا موقع ملے جیسا کہ یہ حکایت بیان کی جاتی ہے کہ مشنخ میں سے ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں ایک جماعت کے پاس پہنچا جو تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے۔ لیکن ایک شخص اُن سے دُور تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے چاہا کہ اس سے باتیں کروں۔ اُس نے کہا میرے نزدیک باتیں کرنے کی بجائے خدا کا ذکر اچھا ہے۔ میں نے کہا تم تنہا کیوں بیٹھے ہو؟ اُس نے کہا میرے ساتھ میرا پروردگار ہے اور دو فرشتے اور اٹھ کر چلا گیا۔ اس طرح لوگوں سے میل ملاپ آدمی کو عبادت سے روک دیتا ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ آدمی کو ہلاکت و محصیت میں ڈال دیتا ہے۔ حاتم اہم رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے مخلوق سے پانچ چیزیں طلب کیں لیکن نہ پامیں۔ میں نے لوگوں سے طاعت و زہد طلب کیا لیکن وہ اس پر آمادہ نہ ہوئے۔

میں نے لوگوں سے کہا آؤ میری نیک کاموں میں مدد کرو! کسی نے نہ کی۔ میں نے لوگوں سے کہا جب میں نیک کام کروں تو تم مجھ سے راضی رہو، نہ رہے۔ میں نے کہا مجھے میرے کاموں سے منع نہ کرو۔ نہ ملنے۔ میں نے کہا مجھے ان کاموں کی طرف نہ بلاؤ جس میں خدا کی رضا نہیں ہے اور اگر میں وہ کام نہ کروں تو مجھ سے دشمنی نہ کرو، مگر وہ کرتے رہے۔ پس میں نے ان کو ترک کر دیا۔ اور اپنے آپ میں مشغول ہو گیا۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشہ نشینی کی تعریف فرمائی ہے اور غزلت پسندوں کو سراہا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ یہ لوگ خدا کے ساتھ رہتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ ہماری اور تمہاری مصلحتوں کے زیادہ جانتے والے اور ہم سے زیادہ ہماری بہتری چاہنے والے تھے۔ توجب ایسا زمانہ آجائے جیسا حضور نے فرمایا ہے اور اس کی نشانیاں بتائی ہیں تو آپ کا فرمان بجالاؤ اور آپ کی نصیحتوں پر عمل کرو۔ اگر ایسا نہ کرو تو اپنی ہلاکت و بربادی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا ہے وہ یہ ہے: حضرت عبداللہ بن عمر و عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ فتوں کا تذکرہ فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا جب تم دیکھو کہ لوگ اپنے قول و قرار اور وعدوں سے پھر جائیں اور امانتوں میں خیانت کرنے لگیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اس وقت کیا کروں؟ فرمایا۔ اپنے گھر میں پڑے رہو، اپنی زبان کو قابو میں رکھو، جو کچھ جانتے ہو اس پر عمل کرو، جو نہیں جانتے اسے چھوڑ دو۔ تمہیں اپنے کام سے کام ہونا چاہیے۔ دوسرے کے کام سے واسطہ نہ رکھو۔ حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وہ زمانہ ہرج ہوگا۔ اصحاب نے پوچھا یا رسول اللہ ہرج کیا ہے؟ وہ زمانہ جس میں انسان اپنے دوستوں اور ساتھیوں سے بھی بے خوف اور مطمئن نہ رہ سکے۔ اور ایک دوسری حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حادث بن عمیر سے کہ اگر تمہاری عمر طویل ہو تو تمہارے سامنے ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ خطیب اور داعی زیادہ ہوں گے عمل کرنے والے کم۔ سائل زیادہ ہوں گے اور دینے والے کم۔ وہ زمانہ علم کی ڈنگ مارنے والا ہوگا۔ میں نے کہا کب آئے گا وہ زمانہ یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا۔ اس وقت جب لوگ نماز قضا کریں گے، رشوتیں قبول کریں گے اور دین کو دنیا کے تھوڑے داموں پر بیچ دیں گے۔ اے نیک بخت اس زمانے سے دور رہنا۔ تو اسے بھائی جو کچھ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے اپنے اس زمانے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ اب غور کرو کہ تم کو کیا کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ اسلاف صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اپنے زمانہ اور اہل زمانہ سے دور رہنے پر اجماع ہے۔ انھوں نے خود گوشہ نشینی اختیار کی ہے اور اپنے مریدوں کو اس کا حکم دیا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ لوگ نہایت ہی دانا و بینا ہوئے ہیں۔ اور ان کے بعد کا زمانہ بہتر نہیں رہا ہی بلکہ اس سے بہت زیادہ خراب و تباہ ہو گیا ہے اور بدتر ہوتا جا رہا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے۔ وہ فرماتے تھے ”اس خداوند رب العزۃ کی قسم کہ سوائے اس کے اور کوئی دوسرا خدا نہیں ہے۔ ہمارے زمانے میں گوشہ نشینی حلال ہو گئی ہے۔ تو اگر سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں گوشہ نشینی حلال تھی تو ہمارے زمانے میں چاہیے کہ جب اور فرض ہو۔ نیز حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک اور روایت کی گئی ہے کہ آپ نے عباد خواص رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر فرمایا تھا کہ تم ایسے زمانے میں آپڑے ہو کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین اُس سے پتاہ مانگتے تھے کہ وہ یہ زمانہ نہ دیکھیں۔ حالانکہ ان کو وہ علم تھا جو ہم کو نہیں ہے۔ اُن کو مدد دینے والے تھے ہمارا کوئی ایسا مددگار نہیں ہے اور انھیں وہ قوتیں حاصل تھیں جو ہم کو نہیں ہیں۔ تو اس زمانے میں ہمارا کیا حال ہوگا، کہ ہم مقورِ اعلم، مقورِ اصبر اور مقوری طاقت والے ہیں اور ہمارے مددگار بھی کم ہیں۔ اور خواجہ فضیل عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ وہ زمانہ ہے جس میں زبان کو روکنا اور کسی جگہ چھپ کر بیٹھ جانا چاہیے اور اپنے دل کا علاج کرنا چاہیے۔ جو نہیں جانتے وہ نہ کہیں اور جو جانتے ہیں اُسے بھول جائیں۔ اور حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ دنیا میں روزہ رکھو اور آخرت میں افطار کرو، لوگوں سے اس طرح بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہیں۔ اور عبید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں نے کسی دانشمند کو نہیں دیکھا جس نے مجھے یہ وصیت نہ کی ہو کہ ”اگر تم پسند کرتے ہو کہ تمہیں کوئی نہ پہچانے تو سمجھو کہ تمہارا خاص کام خدائے تعالیٰ کے نزدیک ہے۔ دوسرے یہ کہ عبادات سے تمہیں جو برکات حاصل ہوتی ہیں لوگ تم سے مل کر اُسے باطل کر دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کی وجہ سے تم کو ریا، تصنع اور نام و نمود کا سامنا ہوتا ہے۔ اور حضرت خواجہ یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ لوگوں سے بہت ملنا جلنا زیادہ نمود کی بساط ہے اور تمام زاہدان گزشتہ اس سے ڈرتے رہے ہیں اور لوگوں سے ملنا جلنا ترک کیا ہے۔ اور روایت کرتے ہیں کہ ہرم بن جابر نے حضرت خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا ”اے اویس! آؤ ہم دونوں ایک ہی جگہ رہا کریں تاکہ

ایک سے دوسرے کو فائدہ پہنچے۔ حضرت خواجہ اولیس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کے لیے دعا کرنا ملاقات کرنے سے بہتر ہے۔ اس لیے کہ زیارت و ملاقات رسم و ریا سے خارج نہیں ہوتیں۔ پس اہل زہد و ریاضت کا ایک دوسرے کی ملاقات کے متعلق یہ خیال و احتیاط ہے تو خود غرض اہل رعیت و بطالت بلکہ اہل شر و جہالت کی ملاقات کا کیا ذکر وہ تو اس زمانے میں قطعاً باطل ہو گئی ہے۔ الا ماشاء اللہ! آج کل کے عوام تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ وہ تم کو عبادات سے روک دیں گے۔ اول تو تم عبادات کر ہی نہ سکو گے اور اگر کچھ کر دو گے تو وہ اُسے باطل کر دیں گے۔ اس لیے اس زمانے میں گوشہ نشینی واجب ہے اور لوگوں سے بھاگنا اور زمانہ کی تباہی سے خدا کی بارگاہ میں پناہ مانگنا ضروری۔ اے بھائی ہمیشہ اپنی شکستگی میں مگن رہو اور سب و غم کے ساغر اور حسرت و اندوہ کے جام چڑھاتے رہو اور ایک لحظہ اپنی مصیبت سے فارغ نہ بیٹھو۔ بھلا کسی کا کیا منہ ہے کہ یہاں شاد و خرم رہ سکے جبکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کونین کے مقصود تھے اپنے وجود کی دردناکی سے یہ فریاد کرتے تھے **يَا لَيْتَ دَبُّ مُحَمَّدٍ لَمْ يَخْلُقْ مُحَمَّدًا** (اے کاش محمد کا پروردگار محمد کو پیدا نہ کرتا)۔ ایک شخص حضرت عبداللہ مسعودؓ کے پاس آیا اور بولا: **يَا لَيْتَنِي اَكُوْنُ مِنْ اصْحَابِ الْيَمِينِ** (اے کاش کہ میں اصحاب یمن میں ہوتا)۔ حضرت عبداللہ مسعودؓ نے فرمایا۔ **يَا لَيْتَنِي كُنْتُ اِذَا مِتُّ لَمْ اُبْعَثْ** (اے کاش میں مرنے کے بعد دوبارہ پیدا نہ کیا جاتا) اور صفحہ ہستی سے میرا نام و نشان مٹ جاتا۔ اور کبھی خاک سے سر نہ اٹھاتا۔ ایک شخص وہ ہے جو عبادت کرتا ہے اور ثواب کی لالچ رکھتا ہے۔ ایک وہ ہے جو گناہ کرتا ہے اور بخشش کی امید رکھتا ہے۔ اور ایک وہ ہے جو اپنے وجود سے شرماتا ہے اور دلوں جہاں میں منہ دکھانے کی ہمت نہیں کرتا۔ تمہارے لیے ضروری ہے کہ اپنی تعریف و تہلیل سے دور رہو اور اپنے کو مردودوں اور بد بختوں میں شمار کرو۔ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا **وَمِنْ عَلَامَةِ الْمُتَأَفِّقِ اَنْ يُحِبَّ الْمُنْحَ وَيَكُوْهُ الذَّمُّ** (منافق کی پہچان یہ ہے کہ اپنی بھوٹی تعریف سے خوش ہو اور سچی مذمت سے ناراض ہو جائے)۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پنچا نویواں مکتوب ۹

خلق سے جدا ہونے کے بیان میں

غزیرہ بھائی شمس الدین۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے تقویٰ کی بزرگی عطا فرمائے معلوم ہو کہ خلق سے کنارہ کشی اور لوگوں سے علیحدگی دو قسم کی ہے۔ ایک وہ آدمی جس کی لوگوں کو کوئی ضرورت ہی نہیں ہوتی نہ علمی مباحث میں اور نہ احکامات کے بیان میں۔ ایسے آدمی کو چاہیے کہ لوگوں سے بالکل علیحدہ ہو جائے اور سوائے جماعت و نماز جمعہ و عیدین اور فریضہ حج اور علمی اور ضروری مجالس کے لوگوں سے میل جول نہ رکھے اور اپنے کو چھپا لے اور اس طرح بیگانہ ہو جائے کہ نہ وہ کسی کو پہچانتے اور نہ کوئی اُسے پہچان سکے۔ لیکن اگر وہ شخص چاہے کہ لوگوں سے اس طرح قطع تعلق کرے کہ دین و دنیا کے کسی کام میں شریک نہ ہو اور اپنی خاص مصلحتوں کی بنا پر جن کو وہ خود ہی جانتا ہے جموعہ اور جماعت وغیرہ میں بھی (جن کا ذکر اوپر کیا گیا) ترک کر کے گوشہ نشین ہو جائے تو اُس کے لیے جائز نہ ہوگا، بجز اس کے کہ ان دو باتوں میں سے ایک اختیار کرے۔ ایک یہ کہ کسی ایسی جگہ قیام کرے جہاں جموعہ اور جماعت واجب نہ ہو، جیسے کوہستان اور جزیرے۔ اور شاید اسی وجہ سے اکثر بزرگوں نے آبادی سے دور ایسی جگہوں پر سکونت اختیار کی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ وہ فی الحقیقت اس بات کو جانتا ہو کہ وہ نقصانات و مضرات جو جموعہ و جماعت میں لوگوں سے ملنے جلنے کی وجہ سے ظاہر ہوں گے وہ جموعہ اور جماعت کے ثواب سے زیادہ ہیں۔ پس جب ثواب کے اعتبار سے گناہ زیادہ نظر آئیں بالفرد اس کی اجازت ہوگی کہ جموعہ اور جماعت کو ترک کرے۔ نقل ہے کہ مکہ میں ایک صاحب علم بزرگ تھے وہ جماعت و جموعہ کے لیے مسجد حرام میں حاضر نہ ہوتے اور بظاہر کوئی عذر مانع بھی نہ تھا۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو کہا کہ لوگوں کے میل جول سے جو گناہ ہوتا ہے وہ جموعہ و جماعت کے ثواب سے زیادہ ہے۔ لیکن درمیانہ طریق کار جو بزرگوں نے کیا ہے یہ ہے کہ جموعہ و جماعت اور نمیک کاموں میں لوگوں سے میل جول کرے اور اس کے علاوہ سب سے الگ تھلگ رہے۔ اور جو آدمی شہر میں رہ کر جموعہ اور جماعت میں شریک نہ ہو یہ بڑی جرأت کا کام ہے یہ بڑی دقیق نظری اور علم کامل سے تعلق رکھتا ہے۔

ہر شخص کے لیے جائز نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک ایسا آدمی جو علم میں مقتدا ہو اور دین کے کاموں میں لوگ اُس کے محتاج ہوں اور حقوق کے بیان یا بدعتوں کو رد کرنے یا دین کی طرف اپنے قول و فعل کے ذریعہ دعوت مقصود ہو تو ایسے شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے بالکل علیحدگی اختیار کرے بلکہ ضروری ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان میں رہے اور بندگان خدا کو نصیحت کرے، اور احکامِ آخرت بیان کرے۔ روایت ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب بدعتیں ظاہر ہوں اور عالم خاموش رہے تو ایسے عالم پر خدا کی لعنت ہے۔ اُس کے لیے گوشہ نشینی جائز نہیں بلکہ لوگوں کے درمیان مل جل کر رہنا لازم ہے۔ روایت ہے کہ استاد ابو بکر فورک رحمۃ اللہ علیہ نے ارادہ کیا کہ لوگوں سے علیحدہ ہو کر گوشہ نشینی اختیار کریں اور خدا کی عبادت میں مشغول ہوں۔ آپ کو ہمارے سے گزر رہے تھے کہ ایک آواز سنی "اے ابو بکر تجھے خداوند تعالیٰ نے مخلوق پر اپنا دوست بنایا ہے تو بندگان خدا سے کیوں کنارہ کش ہوتا ہے؟ تو آپ اپنے ارادے سے باز آئے اور لوگوں کے درمیان زندگی گزارنے لگے۔ نقل کرتے ہیں کہ استاد ابو بکر بحق رحمۃ اللہ علیہ نے لبنان کی پہاڑیوں میں رہنے والے عابدوں سے فرمایا "اے گھاس پات کے کھانے والو! تم نے امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہوں کے ہاتھ میں پھونڈ دیا ہے اور یہاں گھاس کھانے میں مشغول ہو۔ انھوں نے کہا "ہم لوگوں کو عام مخلوق کی صحبت برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ قوت دی ہے آپ پر واجب ہے کہ آپ ان کو نصیحت کریں۔" تو ایسا شخص اگر لوگوں کے ساتھ رہ کر حق خدمت ادا کرے تب بھی آخرت کے لیے نیکیوں کا ذخیرہ کرنے کا محتاج ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ "اگر میں راتوں کو سویا کروں تو گویا میں نے اپنے آپ کو ضایع کر دیا۔ اور اگر دن کے وقت سو جاؤں تو گویا میں نے رعایا کو ضایع کر دیا۔" اور اس طرح کی زندگی بسر کرنا کہ جسم (یعنی ہاتھ پاؤں) مخلوق کے ساتھ ہو اور دل اُس سے دور رہ کر خدا میں مشغول رہے یہ بہت دشوار ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جب دنیا میں فتنہ و فساد کی آندھیاں چلنے لگیں اور دین کے کام ایسی غفلت میں پڑ جائیں کہ عالم کو لوگ تلاش نہ کریں اور تلاش بھی کریں تو اس سے دین کا فائدہ حاصل کرنا مقصود نہ ہو تو اس وقت عالم معذور ہو گا اور گوشہ نشینی جائز ہوگی۔ وہ لوگوں سے کنارہ کش ہو کر اپنے علم کو دفن کر سکتا ہے۔ یہ ہے گوشہ نشینی اور لوگوں سے علیحدہ ہو جانے کا بیان۔ اُس کو اچھی طرح سمجھ لو۔

اس کے بڑے بڑے فائدے ہیں اور ضرر و نقصان بھی بہت زیادہ ہے۔ اگر کوئی کہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمہیں جماعت کے ساتھ رہنا ضروری ہے کیونکہ جماعت پر خدا کی رحمت ہے۔ اور شیطان آدمی کے لیے بھیڑیا ہے تمہارے دالے کو اٹھالے جاتا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ شیطان اکیلے آدمی کے ساتھ رہتا ہے اور جہاں دو آدمی ہوں شیطان اُن سے دُور بھاگتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے لیکن فتنہ و فساد کے دلوں میں گوشہ نشینی اور لوگوں سے دُور رہنے کا بھی حکم دیا ہے۔ اور آپ کے اقوال میں تناقض (یعنی ایک دوسرے سے نقص اور مخالفت نہیں ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ جمعہ اور جماعت میں لوگوں سے جدا نہ ہو تو ہم خود کہہ چکے ہیں کہ گوشہ نشینی کا حق یہ ہے کہ تمام نیکیوں میں لوگوں کے ساتھ شریک ہو اور باقی اُن سے خلا ملا اور دوسرے کاموں میں اُن کی آفتوں سے بچنے کے لیے پرہیز اختیار کرے۔ نیز فرمایا ہے کہ زمانہ فتنہ و فساد کے علاوہ جماعت کے ساتھ رہنا سمجھارے لیے لازم ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ کمزور طبیعت انسان کو تنہا نہیں رہنا چاہیے۔ لیکن مضبوط دل اور صاحب بصیرت انسان جب ایسے فتنہ و فساد کے زمانے کو دیکھے جس کی نشانیاں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادی ہیں اور اپنی امت کو پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے، گوشہ نشینی اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے اُسے چاہیے کہ جمعہ اور جماعت کے علاوہ گھر سے باہر نہ نکلے اور تمام نیک کاموں میں شریک ہو کر اس کے ثواب سے بھی محروم نہ رہے کہ جماعت کا ثواب بہت زیادہ ہے اگرچہ لوگ اس کی وجہ سے تباہ و برباد بھی ہوئے ہیں۔ ابدالوں کے حالات سے روتا کی جاتی ہے کہ وہ جمعہ اور جماعت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور اگر کوئی کہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت کے رہبان (تارک الدنیا) وہ لوگ ہیں جو مسجد میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں، تو اس کا مقصد بھی لوگوں سے دُور رہنے کی مخالفت ہے۔ اس کا جواب بھی فتنہ و فساد کے زمانے کے موافق ہے۔ اور کوئی ہرج نہیں ہے اگر مسجدوں میں بیٹھ جائیں مگر لوگوں سے میل جول نہ رکھیں۔ اور اگر رکھیں تو اس طرح کہ تن بدن ان کے ساتھ مگر دل ان سے جدا رہے۔ گوشہ نشینی کا اصل مقصد یہی ہے نہ کہ تن بدن سے دُور رہنا۔ اسے بھائی اگر کوئی چیز زیادہ قیمتی ہے اور تم غریب مفلس ہو کہ خرید نہیں سکتے پھر بھی اس کی آرزو اور خواہش کرنا تو مباح ہے۔ اگر گھر کے اندر آب پاشی کریں تو سبزی اور گھاس نہ اُگے گی مگر ٹھنڈک تو ہو جائے گی۔ اور اگر کوئی دروازہ کھل جائے تو کیا عجب!

غریب نوائی محنت و مصیبت جھیلتا ہے، کپڑے سیاہ کرتا ہے اور تنور کی آگ میں جلتا ہے لیکن دیکھو
کوئی دوسرا کھاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اِربنی کہا اور تیغ لَنْ تَرَانِی کا مزا چکھا اور پتھر کے ٹکڑے
کو یہ دولت و خلعت ملی۔ فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ (جب اُس کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی فرمائی)
اگر تم نہیں پلتے تو تمھارے لیے اس کا حکم نہیں ہے۔ رنجیدہ نہ ہو، اپنا دل خوش رکھو۔ موسیٰ علیہ السلام
سے فرمایا کہ جو تم نے چاہا تھا اگر تم کو دے دیا جاتا تو ہمارے جمال میں کوئی کمی نہ ہو جاتی اور نہ ہمارے
جلال میں کوئی نقصان ہوتا۔ لیکن بیچارہ پہاڑ تمھارے غم میں مبتلا ہو جاتا۔ مگر ہمیں تو تمھارے ساتھ اب بھی
سرکار باقی ہے۔

آسان آسان ترانہ بگذا رَم من بازلفت و لب تو کار ہا دارم من

(میں تجھے آسانی سے نہیں چھوڑ سکتا۔ کیونکہ تیری زلفت و لب سے مجھے بہترے کام ہیں)۔ اے بھائی!
اگر حضرت آدم علیہ السلام کو گہیوں کے بہانے نہ پکڑتے تو اُن کے جلال کے لیے کوئی نقصان نہ تھا۔
اور اگر موسیٰ علیہ السلام کو دیدار کراتے اور جلوہ دکھادیتے تو اُس کی شانِ جمال میں کوئی کمی واقع نہ ہوتی
لیکن کہاں حسن و جمال کا یہی تقاضا ہے کہ ہزاروں عاشق نالہ و فغاں میں مصروف اور قبرِ جدائی کی
زنجیروں میں مقید رہیں تاکہ حسن و جمال کی غرت ظاہر ہو۔ جس رات تمھارے سر میں درد ہو اور درد
کی جان و دل سے خدمت کرو۔ کیونکہ جو درد سر اُس کی طرف سے ہو وہ سرسری نہیں ہوتا۔ نقل کرتے
ہیں کہ حضرت غریب علیہ السلام کو وحی بھیجی گئی کہ اے غریب اگر میری قدرت و مشیت سے تم کو زرد آلو
ملے تو تم اس کی طرف حقارت سے نہ دیکھو، یہ دیکھو کہ روزی تقسیم کرنے کے وقت تم مجھے یاد تھے۔
نامِ دلہم اے نگار درِ دُقرتست شاد بہت بہ انچہ بارے از شکرست
(اے محبوب تیرے دُقر میں میرا نام ہے۔ میں خوش ہوں کہ آخر میں تیرا ہی لشکر ہوں)۔ والسلام

پھیانواں مکتوب

چلہ کا بیان

غزیر بھائی شمس الدین معلوم ہو کہ چلے میں بیٹھنے سے اس قوم کی کوئی خاص غرض
 ایسی نہیں ہے جو بغیر چلے کے حاصل نہ ہو سکے لیکن چونکہ دوسری مشغولیتوں سے ان کے اہل کام میں
 خلل پڑتا ہے اس لیے چلہ کر کے پابند ہو جانے کو اچھا سمجھتے ہیں تاکہ ان کے تمام اوقات چلے کے علم
 میں منضبط ہو جائیں کہ یہ ہر وقت ہمت کے ساتھ چلے کی صفات سے متصف رہیں، اس لیے کہ یہ چلہ
 خداوند تعالیٰ کے ذکر و عبادت کے لیے مخصوص ہے جیسا کہ شریعت کا فتویٰ ہے مَنْ اخْلَصَ لِلّٰهِ
 اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا ظَهَرَ تَيَابِيعُ الْحِلْمَةِ مِنْ قَلْبِهِ عَلَى لِسَانِهِ (جو شخص چالیس رات دن اللہ
 تعالیٰ کے لیے مخصوص کر دے حکمت کے چشے اُس کے دل سے اُس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں)۔
 حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قہر میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور سے مباحات کی زیادتی اور دنیاوی کاموں
 سے انقطاع کے لیے حکم فرمایا ہے۔ وَوَاعَدْنَا مُوسٰی ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً دَاٰمَمْنَاهَا بِعَشْرِ فَتَمِّ مِيقَاتٍ
 رَبِّهِ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً (ہم نے موسیٰ سے تیس رات دن کا وعدہ کیا پھر ہم نے دس دن اور بڑھا کر
 اُس کو پورا کر دیا۔ پس انھوں نے اپنے پروردگار کا حکم چلہ کر کے پورا کیا) اور یہ ایک مہینہ ذیقعد
 کا اور دس دن ذی الحجہ کے تھے۔ اس کا قصہ مشہور و معروف ہے۔ اور سنو، موسیٰ علیہ السلام کا روزہ
 ایسا نہیں تھا کہ دن کو روزہ رکھتے اور شام کو افطار کرتے بلکہ چالیس رات دن بغیر کچھ کھائے پیے
 گزار دیے۔ اس دلیل سے وعدہ کو غذا سے خالی رکھنا ایک بڑا مجاہدہ ہے اور تزکیہ کی یہی اصل ہے۔
 اسی چلے کی بدولت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کی استعداد حاصل ہوئی۔ جو
 کوئی خلوص دل سے دنیاوی کاروبار کو چھوڑ کر خدا کے ذکر میں مشغول ہو جائے اور اپنے نفس کو خالی
 پیٹ کے ساتھ باندھ دے تو اللہ تعالیٰ علوم من لدنی کا دروازہ اُس پر کھول دیتا ہے۔ لیکن
 چالیس دن کے تعین میں کیا حکمت ہے کسی کو معلوم نہیں۔ ہاں پیغمبروں کو اس کا علم ہو گا۔ کیونکہ حق
 سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے کمال لطف و مہربانی سے اُن کی تعریف فرمائی ہے۔ یا اولیاء اللہ میں سے
 وہ واقف ہو گا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے علم کے لیے مخصوص کیا ہو گا۔ لیکن عوارف میں جو کچھ

لکھا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خاک سے پھر ان کی مٹی کو اتنے عرصہ تک خمیر یا یہ کیا جیسا کہ خود صاحب شریعت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ ذَاتِنَا اَدَمَ بِیَدِهِ اَرْبَعِیْنَ سَبْعًا۔ (اللہ تعالیٰ نے آدم کی مٹی کو بغیر واسطہ اپنے دست قدرت سے چالیس دنوں تک خمیر کیا)۔ یہاں تک کہ آدم علیہ السلام میں دو دنوں جہان کے تعمیر کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی جس طرح ان سے بہشت کی آبادی مطلوب تھی دنیا کی آبادی بھی مطلوب تھی اس لیے ان کو خاک سے پیدا کیا۔ اور چالیس روز اس لیے ان کی مٹی خمیر کی گئی کہ چالیس دنوں کی مدت میں چالیس حجاب ان سے دور ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے دربار سے ہر ایک حجاب میں ایک خاص معنی پوشیدہ کیے گئے ہیں اور اسی سے دنیا تعمیر کرنے کی سازگاری حاصل ہوتی ہے، اور حضرت حق تعالیٰ جل شانہ کے مقام قرب تک پہنچنے میں دیر لگتی ہے۔ اگر دیر نہ ہو تو ان حجابات کے واسطے سے دنیا کی آبادی ممکن نہ ہو۔ پس مقام قرب سے دور ہونے کی وجہ سے دنیا کی تعمیر کے لیے حکمت و خلافت نیابت زمین میں قائم ہوئی۔ پس اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ہر کام سے کنارہ کشی اختیار کرنے اور سامان معاش سے منہ پھیر لینے سے وہ حجابات جو اس کی ذات میں پوشیدہ ہیں ہر روز اٹھتے جاتے ہیں اور جس قدر حجابات اٹھتے جاتے ہیں اسی قدر کشش و ترقی حاصل ہوتی ہے۔ اور قرب خداوندی کا مقام نصیب ہوتا ہے جو سارے علوم کامرکز و مجمع ہے۔ پس جب چالیس دن پورے ہوتے ہیں تو تمام حجابات دور ہو جاتے ہیں اور اس پر علوم و معارف کی بارش ہونے لگتی ہے۔ اب معلوم کر دو کہ چلے کی صحت و تاثیر کی علامت اس کے اخلاص و وفا کی شرائط پر منحصر ہے۔ اور اس کی شرائط یہ ہیں کہ دنیا میں پوری پرہیزگاری اختیار کرے، سرے غرور سے دور رہے اور سرے سرور میں قدم رکھے کیونکہ ظہور حکمت کے لیے دنیا میں زہد اختیار کرنا ضروری ہے۔ جو شخص دنیا میں پرہیز نہیں کرتا اس پر حکمت ظاہر نہیں ہوتی جس کو چلے کے بعد بھی حکمت ظاہر نہ ہو اسے جاننا چاہیے کہ چلے کی شرائط میں خلل واقع ہو گیا ہے۔ اب معلوم کر دو کہ ایک گروہ نے خلوت گزینی اور چلہ نشینی کے طریق میں غلطی کی ہے اور نقصان اٹھایا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ کسی پیشوائے کامل کی رہنمائی کے بغیر خلوت اختیار کرتے ہیں اور شیطان کے تصرف میں آ جاتے ہیں۔ وہ سن چکے ہوتے ہیں کہ مشائخ صوفیہ نے خلوت اور چلہ نشینی اختیار کی ہے اور اس سے ان کو کمالات اور عجیب غریب فوائد حاصل ہوئے ہیں اور مکاشفات کے دروازے کھل گئے ہیں تو یہ لوگ بھی

اسی ہوس اور غرض کو لے کر خلوت نشینی اختیار کرتے ہیں اور یہ بڑا فریب اور سخت گمراہی ہے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ ان بزرگوں نے اپنے دین کی سلامتی کے لیے خلوت و تنہائی اختیار کی ہے۔ وہ اس تنہائی میں اپنے نفس کے حالات کو تلاش کرتے ہیں اور خلوص نیت کے ساتھ اپنے اعمال کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کرتے ہیں۔ پس یہ غلطی یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ وہ بغیر کسی مقتدا اور پیر کامل کے سایے کی وساطت کے اپنی عقل خام سے اس راستے میں قدم رکھتے ہیں (اس لیے نقصان اٹھاتے ہیں) خواجہ عطار کی روح پر رحمتوں کی بارش ہو کہ اس معنی کی طرف توب اشارہ کیا ہے۔ مثنوی

گر تو اے دل طالبی در راہ او
می نگر از پیش و پس آنگاہ رو
سالک را بین بہ در گاہ آمدہ
جملہ پشتا پشت ہمراہ آمدہ
تو چہ دانی تا کہ اُمی رہ ردی
دزد کامی رہ بدان در گہ شوی
ہست با ہر ذرہ در گاہ ہے دگر
پس بہر ذرہ بدور اسے دگر

اے دل اگر تجھے اُس کے راستے کی تلاش ہے تو آگے پیچھے اچھی طرح دیکھ کر قدم اٹھا۔ اس راہ کے چلنے والوں کو دیکھ کہ سب کے سب گردہ در گردہ ایک ساتھ اس کے دربار میں پہنچ رہے ہیں۔ تو کیا جانے کہ کس راستے پر چل رہا ہے اور کس راستے پر چل کر اُس کے دربار میں حاضر ہوگا۔ تجھے معلوم نہیں کہ ہر ہر ذرے میں اس کا ایک جدا گانہ دربار ہے اور ہر ذرے سے اُس کے دربار میں پہنچنے کا ایک نیا راستہ ہے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے استقامت چاہتا ہے اور توفد سے کرامت مانگتا ہے۔ اور صدیقیوں پر جو کچھ اُن کے شوق اور صدق فراست کی وجہ سے ظاہر ہوتا ہے اور آئندہ پیش آنے والے حالات و واقعات، اُن پر روشن ہو جاتے ہیں اور بعض لوگوں پر اس طرح کا انکشاف نہیں ہوتا تو اس میں ہرج یا عیب نہیں ہے بلکہ ہرج و عیب اس وقت ہے جب اُن کا حال استقامت سے پھر جائے۔ اور صدیقیوں پر جو باتیں منکشف ہوتی ہیں وہ اُن کے یقین کی زیادتی کا سبب ہوتی ہیں اور ان کے مجاہدے کی سچائی اور اخلاق حمیدہ متخلّق ہونے کی دلیل ہوتی ہیں۔ اور اگر کسی ایسے شخص پر اس طرح کی باتیں ظاہر ہوں جو ادا امر و احکام شریعت کا پابند نہیں ہے تو یہ اُس کے بُعد کو بڑھانے والی اور حماقت و غرور کا موجب ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ سے وہ اپنی نگاہ میں لوگوں کو حقیر و مجبور سمجھتا ہے، اور یہاں تک ذہن سمجھتی ہے کہ اسلام کا حلقہ اس کی گردن سے نکل جاتا ہے اور

حدود احکام اور حرام و حلال سے انکار کرنے لگتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ عبادت کا مقصد صرف یہ ہے کہ خدا کا ذکر کرے اس لیے سنت کی پیردی ترک کر دیتا ہے اور الحاد و زندقہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور اسی فرقہ کی ایک جماعت ایک عرصہ خلوت و ریاضت میں مشغول رہ کر اس غرور میں مبتلا ہو جاتی ہے کہ وہ غیبی آواز سنتے ہیں اور جو خیال اُس کے دل میں گزرتا ہے اُسے خواب کی طرح دیکھتے ہیں تو یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ جس پر یہ حالات وارد ہوں وہ انتہا کو پہنچ گیا اور کامل ہو گیا۔ اب اُسے کسی چیز کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اسی کو وہ وصال کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنا وہ مقصد حاصل کر لیا ہے جس کے لیے عبادات اور ترک معصیت کی ضرورت تھی اب ہمارے لیے گناہ کا ارتکاب اور نماز و عبادات ترک کرنے میں کوئی نقصان نہیں ہے اور یہ شعر پڑھا کرتے ہیں۔ رباعی۔

در کئے خرابات چہ درویش چہ شاہ در راہ یگانگی چہ طاعت چہ گناہ

بر کنگرہ عرش چہ نورشید چہ ماہ رخسار قلندر می چہ روشن چہ سیاہ

(شراب خانے میں بادشاہ اور فقیر کی کوئی تمیز نہیں سب برابر ہیں۔ اور اتحاد و یگانگی کے راستے میں عبادت اور گناہ یکساں ہیں۔ عرش کی بلندی پر سورج اور چاند مساوی ہیں اور مست قلندر فقیر کا چہرہ سفید ہو یا سیاہ کوئی فرق نہیں ہوتا)۔ یہ نادان اتنے حقیر اور مفلس ہوتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی بات میں ان کی بزرگی اور شان کا پاس و لحاظ نہ کرے یا اُن کے پیچھے پیچھے ان کے کسی عیب یا نقصان کا ذکر کرے تو تمام عمر اُن کے دشمن ہو جائیں گے باوجود اس کے کہ اُن کو اپنے کمال کا دعویٰ ہوتا ہے اور ظاہر کرتے ہیں کہ غصہ اور غرور کی صفات سے وہ پاک و صاف ہو چکے ہیں پس یہ نادان اگر مردِ کامل ہو چکے ہوتے اور ریاضت و مجاہدہ سے ان کو پورا فائدہ ہوا ہوتا تو ایسی باتوں کی پروا نہ کرتے جب وہ خود ایسی صفتوں میں مقید ہیں تو انھیں کمال کا دعویٰ کرنا زیب نہیں دیتا۔ یا یہ کہ اگر کوئی شخص فی الواقع ایسا ہو گیا ہے کہ عبادت و غصہ اور شہوت کا شائبہ اس میں باقی نہیں رہ گیا ہے اور اس طرح کی باتیں زبان پر لاتا ہے تو مغرور ہے۔ کیونکہ کسی حالت میں اس کا درجہ انبیاء علیہم السلام کے درجہ سے آگے بڑھنے کی مجال نہیں رکھتا۔ اور پیغمبران علیہم السلام میں یہ صفت موجود تھی کہ وہ اپنی ظاہر و ذلت پر گریہ و زاری کرتے تھے اور صدیق لوگ صغیرہ گناہوں سے بھی پرہیز کیا کرتے تھے۔

اور اس شک و شبہ میں کہ یہ کھانا جو بظاہر حلال سمجھا جاتا ہے کہیں مشتبہ نہ ہو اُس حلال غذا کو بھی چھوڑ دیتے تھے اور ہمیشہ تقویٰ اور پرہیزگاری کے راستے پر چلتے تھے۔ اور یہ لوگ اپنے کام کے خوف و خطر کی وجہ سے ہر وقت اپنی موت اور ہستی چاہتے تھے۔ لیکن یہ نادان و احمق لوگ ایسا سمجھتے ہیں کہ وہ شیطان کے قابو سے باہر ہیں۔ اور ان کا مرتبہ پیغمبروں کے مرتبے سے زیادہ ہے (نمود بالشدائد و درجین یا توں سے پیغمبروں کو نقصان ہوتا تھا ان کو نہیں ہوتا۔ اور اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو کچھ کیا ہے خلق کی نصیحت اور فائدے کے لیے کیا ہے تو اُن کو جاننا چاہیے کہ اگر ایسا ہوتا تو صدقے کے ایک کھجور کو منہ میں چبا کر کیوں تھوک دیتے۔ اگر کھا جاتے تو اس سے خلق کو کیا نقصان پہنچ سکتا تھا جبکہ عام لوگوں کے لیے صدقہ حلال ہے۔ مگر بزرگانِ دین تو ابتداء ہی جانتے ہیں کہ جس کی خواہشات نفسانی مغلوب و مقید نہیں ہیں وہ کچھ بھی نہیں ہیں۔ اسے بھائی آدمی کا نفس بڑا ہی مکار اور فریبی ہے۔ ہمیشہ جھوٹے دعوے کرتا اور ڈنگیں مارا کرتا ہے کہ ہمارے نفس کی خواہشات مغلوب ہو چکے ہیں تو اُس سے اس دعوے کی دلیل مانگنا چاہیے۔ یقیناً اُس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی جب تک کہ اپنے حکم و ارادے سے قدم روک کر شریعت کے فرمان کے مطابق نہ چلے گا۔ اگر وہ پوری رغبت کے ساتھ شرعی احکامات پر کار بند ہے تو بیشک سچ کہتا ہے۔ اور اگر احکام شرعی میں رخصت اور تاویلیں تلاش کر کے اپنی خواہشات کی موافقت کرتا ہے تو وہ بد بخت ابھی تک نفس کی قید میں اسیر ہے۔ اگر اُس پر غصہ اور غضب غالب ہے تو وہ آدمی کی صورت میں کہتا ہے، اگر پیٹ کا بندہ ہے تو جانور اور چوپایہ ہے، اگر شہواتِ نفسانی میں مقید ہے تو سور ہے اور اگر لباس و آرائش اور شان و تجمل میں مبتلا ہے تو وہ مرد کی صورت میں عورت ہے۔ لیکن جس نے اپنے آپ کو شریعت کے احکام سے سنوارا اور آزمایا ہے اور اپنی لگام شریعت کے ہاتھ میں دیدی ہے جس طرف شریعت اُسے موڑتی ہے اُس وقت اس کی صفیں مغلوب و مقید ہو جاتی ہیں۔ پس جو لوگ اربابِ بصیرت تھے انھوں نے اپنے کاموں کی حقیقت کو جیسی کہ ہے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے، اور اپنی آخری سالس تک تقویٰ کی لگام اپنے نفس سے ڈھیلی نہیں کی ہے اور اُسے سختی سے روک رکھا ہے۔ ایک بزرگ نے نزع کے عالم میں شیطان کو دیکھا۔ شیطان نے کہا ”جاؤ تم میرے ہاتھ سے بچ کر بکل گئے۔“ انھوں نے کہا ”ابھی نہیں ابھی تو ایک سالس باقی ہے۔“ پس صاحبانِ دین اور اربابِ علم و یقین نے اپنی

عاقبت کو اس نظر سے دیکھا ہے اور خطرات کو ایسے محسوس کیا ہے۔ اسے مجبور و ناتواں یہ کام تیرے دست و بازو کے لائق نہیں۔ اگر ہو سکے تو زندگی کی باقی سالنوں کو کسی بزرگ کے جوتوں کے سایے میں گزار دے۔ اور یہ نہ کر سکے تو اپنی بھلائی سے ہاتھ دھو ڈال۔

ہر کہ شد در کار صاحب دولتی نہ بدش در راہ ہرگز نخلتے

تا یافتہ بر تو مردے را نظر از جود و خویش کے یابی خبر

(جو شخص کسی بزرگ صاحب دولت کے سایے میں آگیا اس کو راستے میں کسی طرح کی شرمندگی کا سامنا نہ ہوگا۔ جب تک تیرے اوپر کسی مردِ کامل کی نظر نہیں پڑتی تو تجھے اپنے جود کی بھی کوئی خبر نہیں ہو سکتی)۔ اسے بھائی اس راستے میں صدیقیوں کے پتے پانی ہو چکے ہیں اور کبر و غرور میں مبتلا لوگ غفلتوں کی مسند پر بیٹھ کر زمانے کی نیرنگیوں میں زندگی گزار رہے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت علیہ السلام نے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "یا رسول اللہ میں نہیں جانتا کہ خدا تعالیٰ نے ازل میں میرے متعلق بھی وہی جانتا ہے جو ابلیس کے حق میں جانتا ہے"۔ یہ حیرت سمجھوں کو ہوئی ہے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ (تو جانتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ تیرے دل میں ہے) کہا جاتا ہے کہ انبیاء اور صدیق لوگ ہر چند کہ بے خوف ہوتے ہیں اور انھیں عاقبت و خاتمت کی فکر لاحق نہیں ہوتی۔ پھر بھی عبادت میں کوتاہی اور تقصیر میں شرمندگی سے ضرور ڈرتے ہیں اور اس خیال سے کانپتے رہتے ہیں کہ ان سے کوئی ایسی حرکت نہ ہو جائے کہ عتابِ ملامت کے مستحق ہو جائیں۔ کیونکہ مقامِ قرب میں عتابِ ملامت مقامِ بُعد کے اعتبار سے نہایت سخت اور دشوار تر ہوتی ہے اسی راز کو اس شعر میں بہت خوب بیان کیا ہے۔

منم اندرین تفکر بہ تامل و تدبر مشب روزه در تحیر کہ شود چگونہ حاکم

(میں رات دن اسی ادھیڑ بن اور سوچ بچار میں حیران و پریشان رہتا ہوں کہ میرا کیا حال ہوگا) اسی مقام پر کہا جاتا ہے کہ عادت کا پہلا درجہ حیرت سے شروع ہوتا ہے اور آخری درجہ بھی حیرت پر تمام ہوتا ہے پہلی حیرت شکرِ نعمت میں ہوتی ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی پر نوازش و احسان اس درجہ کرے کہ وہ شرم کی وجہ سے حیران و سرگرداں ہو جائے۔ اور دوسری حیرت وہ ہوتی ہے کہ وہ بالیقین جان لیتا ہے کہ

میں خواہ کتنی ہی نیاز مندی بجا لاؤں میری نیاز مندی وصال کا سبب ہرگز نہ ہوگی۔ اس لیے اول بھی حیرت ہوتی ہے اور آخر بھی حیرت ہوتی ہے۔ جیسا کسی حیران و سرگردان حال نے کہا ہے کہ
 بہ ثواب اہل جنت بعقاب اہل دوزخ
 من ازین میاں ندانم کہ کیا نم از کدانا
 (اہل جنت ثواب میں ہیں اور اہل دوزخ عذاب میں۔ ان دونوں کے درمیان میں کون ہوں اور کس میں ہوں؟ یہ میں نہیں جانتا)۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکتوبات ملتوت

موت کے بیان میں

غریب بھائی شمس الدین معلوم ہو کہ آدمی تین قسم کے ہوتے ہیں ایک حریص لالچی، دوسرے تائب بتدی تیسرے عارف غمتی۔ حریص لالچی موت کو یاد نہیں کرتا۔ اور گویا کرتا بھی ہے تو اس لیے کہ اپنی دنیا کے چھوٹ جانے پر افسوس کرے اور دنیا ہی کی بھلائی میں مشغول رہے۔ ایسے شخص کو موت کی یاد بھی خدا سے دور کر دیتی ہے۔ لیکن تائب بتدی موت کو اس لیے یاد کرتا ہے کہ اُس کے دل میں خون و خشیت پیدا ہو اور وہ پوری طرح توبہ پر استقامت حاصل کرے۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ موت سے نفرت کرتا ہے اس لیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اتمام توبہ، اصلاح اعمال اور توبہ آخرت جمع کرنے سے پہلے ہی موت نہ آجائے۔ اور اس طرح موت سے نفرت کرنے میں وہ معذور و معاف ہے اور اس وعید کے حکم میں نہیں آتا کہ مَنْ أَكْرَهَ إِقْدَاءَ اللَّهِ كُرْهَ اللَّهِ إِقْدَاءَهُ (جس نے خدا کے دیدار سے کراہت کی اللہ تعالیٰ اس کو دیکھنا پسند نہیں فرماتا)۔ کیونکہ وہ خدا کے دیدار سے کراہت نہیں کرتا بلکہ اپنی تقصیر اور دیدار الہی کے فوت ہو جانے سے ڈرتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص اپنے محبوب کے دیدار میں اس لیے توقف کرتا ہے کہ دیدار کی استعداد حاصل کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے تاکہ وہ ایسے بہتر طریقے سے دیدار کرے کہ اُس کے نزدیک پسندیدہ ہو۔ اس کو دیدار سے کراہت کرنے والا نہ جانیں بلکہ دیدار کی شرائط پورا کرنے میں ہمہ تن منہمک رہتا ہے۔ اگرچہ یہ شرائط بذات خود دیدار نہیں مگر دیدار کے اسباب ہیں اس لیے یہی اُس کی دوستی کی علامت ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ اسی دُھن میں لگا رہتا ہے اور کسی دوسرے

کام کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ لیکن عارفِ منتہی ہمیشہ ہر آن موت کو یاد کرتا ہے کیونکہ موت لقلعہٴ موت کی وعدہ گاہ ہے اور عاشق کبھی دوست کی وعدہ گاہ کو فراموش نہیں کرتا اور اپنی تمام حالتوں میں موت کو پسند کرتا بلکہ محبوب کہتا اور اُس کے لیے بقرار رہتا ہے تاکہ اس سرائے معاصی کی قید سے رہا ہو کر قرب و جوارِ دوست میں داخل ہو جائے۔ جیسا کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ انھوں نے خدا سے دعا کی ”خداوند! تو جانتا ہے کہ مجھے امیری سے غریبی زیادہ پسند ہے اور تندرستی سے بیماری زیادہ غریب ہے اور زندگی سے موت کو زیادہ دوست رکھتا ہوں تو میرے لیے موت کو آسان کر دے تاکہ تیرے دیدار کی دولت حاصل کر سکوں۔ اب معلوم ہو گیا کہ نائبِ بتدی موت سے اکراہ کرنے اور اس کی آرزو سے بچنے میں معذور ہے۔ لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں میں بلند مرتبہ وہ ہے جو اپنی طرف سے کسی تصرف کو درمیان میں نہ لائے اور اپنا کام بس خدا پر چھوڑ دے۔ اپنے نفس کے لیے نہ زندگی اختیار کرے نہ موت مانگے یہی تسلیم و رضا کا مقام ہے اور یہی منتہی لوگوں کی حد ہے پھر حال موت کا ذکر نعمت کی لذتوں کو مکر کرتا ہے اور جو چیزیں انسان کی لذتوں اور شہوتوں کو مکر اور بے مزہ کرنے والی ہیں وہ نجات کا سبب ہوتی ہیں۔ اسی طرف اشارہ ہے جو یہ فرمایا ہے اَکْثَرُ دَاوِدَ كُرْ هَادِمِ اللَّذَائِتِ (ہادم لذات یعنی موت کو زیادہ یاد کیا کرو) تاکہ تمھارے دل کا رجحان ان لذتوں کی طرف سے ہٹ جائے اور خداوند تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ فرمایا لَوْ أَنَّ الْبَهَائِمَ تَعْلَمُ مِنَ الْمَوْتِ مَا تَعْلَمُونَ مَا أَكَلْتُمْ مِنْهَا سَمِينًا (اگر جو پائے موت کے متعلق اتنا جانتے جتنا تم جانتے ہو تو تم کسی قرۃ جالور کا گوشت نہ کھا سکتے) اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا ”یا رسول اللہ! شہدا کے ساتھ کس کا حشر ہوگا؟“ آپ نے فرمایا نَعْمُ مَنْ يَذْكُرُ الْمَوْتَ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ عِشْرِينَ مَرَّةً (ہاں، جو شخص دن رات میں بیس مرتبہ موت کو یاد کرتا ہے)۔ روایت ہے کہ فرمایا تُخَفُّهُ الْمَوْتُ (مومن کا تحفہ موت ہے) کیونکہ دنیا مومن کا قید خانہ ہے کیونکہ جب تک اس دنیا میں ہے ہمیشہ رنج و مصیبت میں مبتلا رہتا ہے اور موت اس قید سے رہائی ہے اور قید سے آزادی ایک تحفہ ہوتی ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے الْمَوْتُ كَفَّارَةٌ لِّكُلِّ مُسْلِمٍ (موت ہر مسلمان کے لیے کفارہ ہوتی ہے)۔ اس لیے وہی شخص موت کا طالب ہوگا جو حقیقت میں مسلمان ہے نہ کہ ہماری اور تمھاری طرح۔ مومن حقیقت میں وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے

تمام مسلمان سلامت اور محفوظ رہیں اور مومنوں کے اخلاق اس کے کردار میں ثابت ہوں اور اس کا دامن گناہ صغیرہ کے علاوہ گناہ کبیرہ سے آلودہ نہ ہو۔ ایسے شخص کو موت پاک و صاف کر دیتی ہے جسے حضرت خواجہ حسن بھری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ موت نے دنیا کو ذلیل و رسوا کر دیا ہے۔ اس نے کسی صاحب عقل و دانش کو شاد و خرم نہیں چھوڑا۔ ایک خردمند نے اپنے بھائیوں میں سے ایک شخص کو لکھا۔ "اسی جہان میں موت سے ڈرو قبل اس کے کہ دوسرے جہان میں جاؤ۔ کیونکہ اگر اس جگہ تم موت کی تمنا کرو گے تو نہ پاؤ گے۔ اور جب ابن میری رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے موت کا ذکر کرتے تو ان کے تمام اعضا ایسے شل ہو جاتے کہ وہ کوئی کام نہ کر سکتے۔ اور عمر بن عبدالعزیز ہر رات بقیہ کو جمع کرتے اور مرگ قیامت و آخرت کو یاد کرتے اور اس طرح روتے تھے جیسے ان کے سامنے جنازہ رکھا ہوا ہے۔ اور حضرت خواجہ ذبیح تہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ دہاتوں نے مجھے دنیا کی لذتوں سے بیزار کر دیا ہے ایک موت کی یاد دوسرے دربار خداوندی میں کھڑے ہونے کا خیال۔ اور کعب احبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے "جس شخص نے موت کو پہچان لیا دنیا کے سارے غم اور مصیبتیں اس پر آسان ہو گئیں۔ اور مطرف رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کینے والا بھرہ کی مسجد میں مجھ سے کہہ رہا ہے کہ موت کا ذکر کرنے والوں کے دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے موت کا ذکر کرتے تو ان کے جسم مبارک سے خون ٹپکنے لگتا۔ پس اسے بھائی! رات دن میں کم سے کم بیس مرتبہ موت کو یاد کرنا اپنے اوپر لازم کر لو۔ اور جہاں تک ممکن ہو اس کی استعداد حاصل کرنے میں مشغول رہو اور ہر وقت متظر ہو کہ کب آتی ہے حکیم قفطاع نے کہا ہے کہ میں تیس سال سے موت کی تیاری کر رہا ہوں اگر ابھی آجائے تو میں کسی وجہ سے بھی ادنیٰ تاخیر پسند نہیں کروں گا۔ امام نور بن حنی رحمۃ اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے کوفہ کی مسجد میں ایک بوڑھے آدمی کو دیکھا وہ کہتا تھا کہ "میں اس مسجد میں تیس برس سے موت کا انتظار کر رہا ہوں کہ کب آتی ہے۔ اگر آجائے تو پھر کسی خیر کا انتظار نہ کروں گا۔ ذرا بھی دیر نہ ہونے دوں گا۔ میرا کسی پر یا کسی کا میرے اوپر کوئی حق نہیں ہے جس کا خیال آئے۔" ایک بزرگ نے کسی کو خط لکھا کہ دنیا خواب ہے اور آخرت بیداری ہے اور ان دونوں کے درمیان موت ہے۔ اور ہم خواب غفلت میں مبتلا ہیں۔ اسے بھائی! اگر

بندے کے سامنے کوئی غم و اندوہ اور خوف و عذاب نہ ہو تو صرف موت اور سکراتِ موت کا خیال کافی ہے۔ کیونکہ اس کے تصور سے دنیا کی ساری لذتیں بے مزہ اور تمام خوشیاں بے لطف ہو جاتی ہیں۔ اور تمام غفلتیں، بیداری سے بدل جاتی ہیں۔ اور یہاں تک کہا گیا ہے کہ تلوار مارنے آری سے کاٹنے اور ناخن سے گوشت کو جدا کرنے کی تکلیف سے بھی موت زیادہ سخت اور دشوار ہے۔ یہ اسی بنا پر ہے کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلٰی مُحَمَّدٍ سَكْرَاتِ الْمَوْتِ (خداوند محمد پر سکراتِ موت کی سختیاں آسان فرما دے)۔ اسی طرح حضرت پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا۔ اے لوگو! خدا سے دعا کرو کہ مجھ پر موت کو آسان کر دے۔ کیونکہ میں موت سے اس قدر ڈرتا ہوں کہ اس کا خوف مجھے موت کے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ نقل ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت کسی قبرستان سے گزر رہی تھی۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان مردوں میں سے کسی ایک کو زندہ کر دے تاکہ اس سے حالات پوچھیں۔ پس ایک مرد اپنی قبر سے باہر آیا۔ اُس کی پیشانی پر سجدے کا نشان تھا۔ اُس نے کہا "اے لوگو! تم مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ پچاس برس گزر چکے ہیں کہ میں نے موت کا فرا چکھا تھا۔ مگر ابھی تک موت کی کڑواہٹ میرے دل سے نہیں گئی ہے" امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "ہم کو معلوم ہوا ہے کہ مردہ موت کی تکلیف میں اس وقت تک مبتلا رہتا ہے جب تک کہ قیامت میں اپنی قبر سے نہ اٹھایا جائے" ایک شخص بیماروں سے نزع کی حالت میں موت کی تکلیف پوچھا کرتے تھے کہ تم موت کو کیسا پاتے ہو؟ جب خود بیمار ہوئے اور نزع کی حالت طاری ہوئی تو لوگوں نے اُن سے پوچھا تم موت کو کیسا پاتے ہو؟ انھوں نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آسمان زمین پر پھٹ پڑا ہے اور مجھے موٹی کے ناکے سے نکالا جا رہا ہے" روایت کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کُوَانَتْ شَعْرَةٌ مِّنْ شَعْرِ الْمَيِّتِ وَضِعَتْ عَلَى اَهْلِ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ كَمَا تَوَاجِدُ الْاَبْدَانُ فِي كُلِّ شَعْرَةٍ اَلَمْ الْمَوْتِ وَلَا يَقَعُ الْمَوْتُ عَلَى شَيْءٍ اِلَّا مَاتَ (اگر مردے کے بالوں میں سے ایک بال بھی آسمان اور زمین والوں پر رکھ دیا جائے تو حکم خداوندی سے سب کے سب مر جائیں۔ کیونکہ اس کے ہر بال میں موت ہوتی ہے۔ اور جس چیز پر موت واقع ہوتی تو وہ بال ضرور مر جاتی ہے)۔ اور حدیث میں ہے کُوَانَتْ قَطْرَةٌ مِّنْ اَلْمِ الْمَوْتِ وَضِعَتْ عَلَى جِبَالِ الْاَرْضِ كُلِّهَا لَنَ اَبَتْ (اگر موت کی تکلیف کا ایک قطرہ زمین کے پہاڑوں پر

پکا دیا جائے تو سب کے سب گھیل جائیں۔ نقل ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح اللہ تعالیٰ کے دربار میں پہنچی تو پوچھا گیا "اے موسیٰ تم نے موت کو کیسا پایا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتے والے ہیں" موسیٰ علیہ السلام نے کہا "میں نے اپنے نفس کو ایک چڑیا کی طرح پایا جو تو سے پر بھونی جا رہی ہو نہ مرنے سے کہ قہہ پاک ہو اور نہ چھوڑی جاتی ہے کہ اڑ جائے" اب یہ معلوم کر لے کہ مرنے کے وقت مُردے کے ظاہری حال میں مستحب یہ ہے کہ وہ سکون اور آرام کے ساتھ رہے۔ زبان سے کلمہ شہادت پڑھتا ہے۔ اور خدا کے ساتھ دل میں نیک گمان رکھے۔ حدیث میں آیا ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرنے والوں میں تین باتیں کا خیال رکھو۔ اُس کی پیشانی بشارت ہو، آنکھوں سے آنسو جاری ہوں۔ اور ہونٹ خشک ہو جائیں تو یہ رحمت خداوندی ہے جو اُس پر نازل ہو رہی ہے۔ اور اگر گلا گھٹنے کی آواز پیدا ہو رہی ہے، رنگ سُرخ ہو گیا ہے اور ہونٹ سیاہ خاکستری ہو گئے ہیں تو یہ عذاب الہی ہے جو اُس پر اترا رہا ہے۔ پھر بھی اس کی زبان پر کلمہ شہادت کا جاری ہونا اچھی علامت ہے۔ اور روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَخَلَّ الْجَنَّةَ (جو شخص مر رہا ہے اور یہ جانتا ہے کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہ جنت میں داخل ہو گا) نقل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے شخص کے پاس تشریف لے گئے جو مر رہا تھا۔ آپ نے اُس سے پوچھا "تیرا گمان خدا کے ساتھ کیسا ہے؟" اُس نے کہا کہ میں خدا سے امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈرتا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا لَا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبِ عَبْدٍ فِي مِثْلِ هَذَا الْوَقْتِ لَا اعْطَاكَ الَّذِي يَرْجُوْا دَامَنَهُ الَّذِي يَخَافُ (ایسے وقت میں بندے کے دل میں یہ دو باتیں جمع نہیں ہو سکتیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جو امید رکھتا ہے اُسے وہ پورا نہ کرے گا اور جس چیز سے وہ ڈرتا ہے اُس سے بے خوف کر دے گا۔ اے بھائی! آخر کار سب کے لیے یہی ایک راستہ ہے۔ فقیر ہو یا بادشاہ، شہنشاہوں کی سلطنت ہو یا فقیروں اور مسکینوں کا فقر و فاقہ سب اس مقام پر یکساں ہے مثنوی۔

سراجامت بدین دازہ راہ است

اگر ملکت زماہی تا بہ ماہ است

ہمہ ملک جہان ایجاز رخ دان

چو بر بندند ناگاہت ز نخدان

درین دریا تو ہم یک قطرہ آبی

اگر افریدوں و را فرا سیاہی

جہاں خلق در غرقاب خون اند کہ می داند کہ زیر خاک چون اند

اگر زمین سے آسمان تک تیری سلطنت ہے تو آخر کار تجھے اسی موت کے دروازے سے گزرنا ہے۔ جب اچانک موت تیرا گلا گھونٹے گی تو اس وقت تیری ساری سطوت شاہانہ برف کی طرح پگھل جائے گی۔ اگر تو فریدوں کی حشمت اور افراسیاب کی شوکت رکھتا ہے تب بھی تیرا وجود اس سمندر میں پانی کے ایک قطرے کی طرح ہے۔ سارے جہان کی مخلوق دریا سے خون میں غرق ہے۔ کون جانتا ہے کہ خاک کے نیچے ان پر کیا گزرتی ہے۔ اگر تم کہو کہ کس حال میں خوف درجائیں سے کوئی ایکٹ غالب ہوتی ہے؟ تو جانو کہ جب بندہ قوی، تندرست اور صالح ہو تو خوف کا غلبہ بہتر ہے۔ اور جب بیمار و ضعیف ہو خصوصاً سکرابت موت کے وقت امید کا غالب ہونا اولیٰ و افضل ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ یہ اس لیے ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں شکستہ دلوں کے قریب ہوں جن کے دل میرے خوف سے پارہ پارہ ہو چکے ہیں۔ اور موت و سکرابت کے وقت امید زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس کا دل اپنے اُن گناہوں کے خوف سے شکستہ ہوتا ہے جو زندگی میں سرزد ہوئے ہیں۔ اور اگر تم کہو کہ خداوندِ غرورِ جل کے ساتھ نیک گمان رکھنے کے متعلق احادیث موجود ہیں تو جانو کہ ایک گمان نیک یہ بھی تو ہے کہ گناہوں سے پرہیز کرے، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرے اور اس کی عبادت و فرمانبرداری کی کوشش کرے۔ اب معلوم کرو کہ تمام امورات کی بازگشت ایک اصل و بنیاد پر ہے اور وہ ایک ایسا نکتہ ہے جس نے کمری توڑ دی، چہروں کو زرد اور دلوں کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور آنکھوں سے خون ٹپک پڑا ہے۔ اور وہ معرفت کے سلب ہو جانے کا خوف ہے۔ اور ڈرنے والوں کے خوف کی انتہا اور غایت یہی ہے۔ اور ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ غم تین طرح کے ہیں۔ طاقت و عبادت کا خوف کہ خدا جلنے قبول ہوگی یا نہیں۔ گناہوں کا غم کہ بخشے جائیں گے یا نہیں اور معرفت کا خوف کہ کہیں سلب کر لی جائے۔ اور خاصاً خدا کا کہنا ہے کہ غم صرف ایک ہے اور وہ معرفت کے سلب ہو جانے کا غم ہے۔ اس کے علاوہ اور تمام غم آسان ہیں۔ اس لیے کہ وہ سب کسی نہ کسی طرح کاٹے جاسکتے ہیں۔ پس تمام بزرگوں کی یہی دعا رہی ہے کہ اے بار خدا اور جو کچھ تو چاہے کر لیکن اپنی معرفت سلب کر کے ہم کو اپنے سے جدا نہ کرنا۔

از شوقِ لقا سے رویت، تو جاہنا ہمہ بے قرار گشت۔

در ناز و لغریم زار گشتہ

در خوف و فراق و تالپ ما

در چشم امید خار گشتہ

کلمائے مراد بے جمالت

(تیرے جلوہ دیدار کے اشتیاق میں ہر کی جانبی ٹرپ رہی ہیں۔ تیری جدائی کے خوف سے میرا جسم ناز و نعمت میں رہتے ہوئے بھی لاغر ہو گیا ہے۔ تیرے حسن کی بہار کے بغیر میری مرادوں کے پھول میری پُر امید آنکھوں میں کانٹا ہو گئے ہیں)۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اٹھانوہواں مکتوب ۹۸

وعدہ اور وعید کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین تمہیں معلوم ہو کہ اہل سنت و جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ وعید مطلق (عذاب کا وعدہ) کافروں کے لیے اور وعدہ مطلق (اجر و ثواب کا وعدہ) مومنوں کے حق میں ہے۔ پھر وہ مومن جو گنہگار ہے وہ کافر تو نہیں ہوتا کہ وعید مطلق کی زد میں آئے اور محسن مطلق بھی نہیں ہوتا کہ وعدہ مطلق کی امید کرے۔ اس میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ معتزلہ کا قول یہ ہے کہ وہ اہل وعید مطلق میں ہے۔ اگر دنیا سے گنہگار گیا تو ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ لیکن اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اس کو ان میں سے کسی ایک پر مخصوص نہ کریں بلکہ موقوف رکھیں اس کے لیے نہ وعدہ مطلق ہے نہ وعید مطلق۔ اس کا حکم مشیئت الہی کے ساتھ معلق ہے اگر چاہے تو اُس کو بخش دے۔ اور یہ اس کا فضل ہوگا۔ اور اگر چاہے عذاب کرے۔ یہ اس کا عدل ہوگا۔ لیکن مومن کے لیے کسی حال میں خلودِ جہنم نہیں خواہ وہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا جو مومن اس جہان سے گنہگار جاتا ہے تو اس کے ساتھ ان تین باتوں میں ایک کی جاتی ہے۔ یا اللہ تعالیٰ اُسے اپنی رحمت سے بخش دیتا ہے یا پیغمبران علیہم السلام کی شفاعت سے اُس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ یا جتنا گناہ اتنا عذاب کیا جاتا ہے اور پھر آزاد کر دیا جاتا ہے۔

گر گنہگار ۱۵۱۵ تو بہت ماز تو بہ کن چون در نہ خواہد شد فراز

گر بدین درگہ بہ صدق آئی دے صد فتوح پیش بار آید ہے

اگر تو گناہوں میں ڈوبا ہوا ہے تو کوئی اندیشہ نہیں کیونکہ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ جب تک یہ دروازہ بند نہیں ہوتا، توبہ کیے جا۔ اگر تو پہل بھر کے لیے بھی اس دروازے میں داخل ہو جائے گا تو فتح و کامرانی ضرور تجھے حاصل ہو جائے گی۔ اور اہل سنت والجماعت کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ اگر خداوند بزرگشت برتر چاہت تو بندے کو صغیرہ و کبیرہ دونوں گناہوں میں عذاب کرے۔ اگر چاہے صغیرہ معاف کر دے اور کبیرہ میں پکڑ لے۔ اگر چاہے کبیرہ معاف کر دے اور صغیرہ میں پکڑ لے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک بندے کا گناہ کبیرہ معاف کر دے اور دوسرے کو گناہ صغیرہ پر عذاب کرے۔ بہر حال یہ سمجھ لینا چاہیے کہ گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو وہ اس کی رحمت سے بڑا نہیں ہو سکتا اور گناہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو اگر وہ عدل و انصاف سے کام لے تو وہ چھوٹا نہیں رہے گا۔ بزرگوں نے فرمایا ہے جہاں فضل کی بارش ہو وہاں کبیرہ بھی کچھ نہیں۔ اور جہاں عدل و دہاں صغیرہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے غرض یہ کہ فضل کے سامنے کبیرہ کبیرہ اور عدل کے سامنے صغیرہ صغیرہ نہیں رہ جاتا اسی راز کو یہاں بیان کیا ہے۔

گر فضل کنی یقین بر ستیم ہمہ در عدل کنی دلے بر سوائی ما

اگر تو نے فضل کیا تو یقیناً ہم سب چھوٹ جائیں گے۔ اور اگر کہیں عدل سے کام لیا تو ہماری ذلت و رسوائی پر ہزار افسوس ہے۔ اور ایک گروہ کا کتنا ہے کہ جس صغیرہ گناہ کو بندہ اپنے خیال میں صغیرہ سمجھ لے (اور پروا نہ کرے) وہ کبیرہ بن جاتا ہے اور جس گناہ کو بندہ کبیرہ جانتا ہے (اور خوف و خشیت میں مبتلا ہوتا ہے) وہ صغیرہ بن جاتا ہے۔ میں سے اس کی اصل ہے کہ بزرگوں نے کسی گناہ کو صغیرہ نہیں کہا ہے۔ الغرض اہل سنت کے نزدیک اگر گھر سے پرہیز کیا ہے تو سارے گناہ بخش دیے جاسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (اللہ تعالیٰ شرک معاف نہ فرمائے گا اور شرک کے سوا جس گناہ کو چاہے معاف فرمائے گا)۔ یہی راز ہے جو یہاں بیان کیا ہے۔

تو غایت کردہ ما استادہ ایم

ی کنہ این کار و رحمت می کند

باز آ آخند کہ در یک شاد و ایم

عشق بازی میں پہ صلیبت می کند

حکمتش را عشق بازی نیست

گر نہ کس جز نمازی نیست

لا جرم جو دشمنیں آمد مدام

کار حکمت جز چین نبود تمام

(تو داپس لوٹ آ کیونکہ ہم نے تیرے لیے دروازہ کھول دیا ہے۔ تو پشیمانی میں مبتلا ہے تو ہم تیرے گناہ معاف کرنے کو تیار ہیں۔ دیکھو عشق بازی کس حکمت سے کام کرتی ہے۔ پہلے یہ کام کرتی ہے (یعنی بندہ گناہ کرتا ہے) اور پھر وہی رحمت کرتی ہے۔ اگر تمام بندے صرف نمازی ہوتے تو اس کی حکمت کو عشق بازی کا موقع نہ ہوتا۔ حکمت کا کام سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ بالضرور اُس کی مہربانی ہمیشہ ایسی ہی رہے)۔ خداوندِ غرور جل نے بغیر کسی شرط کے شرک کی مغفرت کی نفی کر دی۔ اور شرک کے علاوہ جو گناہ ہے اُس کی مغفرت کو مشیئت سے متعلق کر دیا۔ اور کبیرہ گناہ چونکہ شرک کے علاوہ ہے اس لیے چاہیے کہ صغیرہ کی طرح مشیئتِ مغفرت اُسے بھی گھیر لے تاکہ تعلیق کا پورا فائدہ حاصل ہو۔ اسے بھائی امیدوار رہو، ہر چند کہ تم مفلس اور خالی ہاتھ ہو، پھر بھی مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ کسی بزرگ نے کہا ہے

پیچ نیست افگندہ کم ترا پیچ تو

گریدین درگ نہ داری، پیچ تو

پیچ بردر گاہ ادہم می حسرند

نہ ہمہ زہد مسلم می حسرند

(اگر اس کے دربارِ گنہگار میں تو بالکل خالی ہاتھ ہے اور تجھ سے زیادہ ناکارہ اور کوئی نہیں ہے تو یہ نہ سمجھ کہ وہ صرف زہد ہی کو خریدتے ہیں بلکہ ناکارہ بندے بھی اُس کے دربار میں خریدے جاتے ہیں)۔ اس آیت شریف کی شانِ نزول حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ (جو حضور کے چچا تھے) کے قاتل وحشی کے حق میں ہے۔ کسی شخص نے حضرت حمزہ کو شہید کرنے کے لیے کچھ مال دینے کا وعدہ کیا تھا مگر جب وحشی نے اُن کو قتل کر دیا تو وہ اپنے وعدے سے پھر گیا۔ وحشی نے اپنے دل میں کہا کہ میں حضرت حمزہ کو زندہ تو نہیں کر سکتا، میں کیوں نہ اپنی ہی زندگی کی فکر کروں۔ اُس نے کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور کہلایا کہ میں نے یہ ظلم کیا ہے کیا میرے لیے صلح کی گنجائش ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں" اگر تو داپس لوٹ آئے (توبہ کرے) تو ضرور گنجائش ہے۔ پھر وحشی نے کہلایا "میں اس کی ضمانت چاہتا ہوں" حضور نے فرمایا "میں ضمانت کرتا ہوں" پھر بھی وحشی نے پیغام بھیجا "آگے لیے تو خدا کا یہ فرمان ہے لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ عَنِ الْفُرْشَىٰ" (آپ کو خود کسی

امر میں اختیار نہیں ہے) ضمانت تو اُس کی چاہیے جس کے ہاتھ میں کچھ ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ تُشْرَكَ بِهِ اِلَّا مَنْ غَفَرَ لِمَنْ شَاءَ مِنْ قَبْلِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُوَ الَّذِي يَخْتَارُ مَنْ يَّهْدِيْ وَيَخْتَارُ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَآيَاتٍ لِّمَنْ يَعْقِلُ۔ پھر بھی وحشی نے کھلا بھیجا مغفرت کا حال تو اُس کی مشیت پر موقوف ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ مجھ کو بخشے گا یا نہ بخشے گا۔ میں اس سے بہتر شرط چاہتا ہوں تاکہ صلح کر لوں۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ (اور وہ لوگ جنہوں نے کسی دوسرے معبود کو نہ پکارا اور کسی شخص کو بلا جرم و گناہ قتل نہیں کیا اور زنا کے مرتکب نہ ہوئے)۔ وحشی نے جواباً کھلایا میں نے یہ تینوں کام کیے ہیں۔ اور وہ مجھے نہیں بخشے گا تو میں کیوں آؤں۔ اگر اس سے بہتر کوئی بات ہو تو میں حاضر ہو جاؤں ورنہ اپنی جگہ قائم رہوں۔ جواب آیا اِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَاعْمَلَ صَالِحًا (مگر جس شخص نے توبہ کی اور عمل صالح کیا) اس نے پھر جواب کھلا بھیجا کہ یہ شرط مشکل ہے میں یہ کر سکتا ہوں کہ ایمان لاؤں مگر عمل صالح کی ضمانت نہیں دے سکتا۔ کون جانتا ہے کہ میں کر سکوں گا یا نہیں۔ کوئی بات اس سے بہتر چاہتا ہوں اس پر خدا کا فرمان نازل ہوا قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (کہو! اے میرے بندو تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، تو خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کر دے گا۔ یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحمت کرنے والا ہے)۔ اس پر وحشی نے کہا ہاں، اب ہماری صلح ہے۔ اور دربار رسالت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی اَنْعَامِهٖ (خدا کی ان نعمتوں پر اس کا شکر اور تعریف واجب ہے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام گناہگاروں کی ساری خطائیں اُس کے دریائے فضل و کرم کے سامنے ایک قطرے سے زیادہ نہیں ہیں۔ جیسا کہ کہا ہے

ہست چون دریاے فضلش بے دریغ

بر در او جرّ مہایک اشک میخ

ہر کرا باشد چنان بخشایشے

کے تغیر آردش آلایشے

(جبکہ اُس کے فضل و کرم کا دریا بے حد و پایاں ہے تو اُس کے سامنے بندوں کے تمام گناہ بارش کی ایک بوند کے برابر ہیں جس کے دربار میں بخشش کا یہ عالم ہے تو گناہوں کا میل کچیل اس میں کیا تبدیلی پیدا کر سکتا ہے)۔ اب جانو کہ جب اُس نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا (بیشک اللہ سارے گناہ معاف کر دے گا) تو مغفرت تمام گناہوں پر شامل ہو گئی اس میں کبیرہ و صغیرہ کی

کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اِنَّ
 اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا صَغِيرُهَا وَكَبِيرُهَا وَسَوْءُهَا وَجَمَلُهَا (بیشک اللہ تعالیٰ تمام
 چھوٹے بڑے، پوشیدہ اور ظاہر گناہوں کو معاف کر دے گا۔ اور یہ جو فرمایا کہ اِنَّهُ هُوَ الْغَفُوْرُ
 الرَّحِيْمُ (وہ بیشک بخش کرنے والا اور بڑی مہربانی کرنے والا ہے) اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم تم
 کو اس لیے نہیں معاف کریں گے کہ تم معاف کیے جانے کے قابل ہو بلکہ اس لیے کہ ہماری صفت غفور
 اور رحیم ہے۔ ہم اپنی صفتوں کے مطابق کام کرتے ہیں تمہاری لیاقت کی بنیاد پر نہیں۔ اور پہلی آیت اِنَّ
 اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِہِ الخ کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب تو نے شرک کیا تو میرا بدل
 قائم کیا۔ اور دوستی میں شرک و بدل کی شرط نہیں ہے۔ اور جب تو نے شرک کیا تو کسی دوسرے کو
 میرا بدل نہ ٹھہرایا۔ اب جو تو نے گناہ کیا تو یہ بے ادبی اور گستاخی ہے اور دوستی میں بے ادبی
 اور گستاخی کو نظر انداز کر دینے کی شرط ہوتی ہے۔ یعنی میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کر میں اسے
 نہیں چھوڑ دوں گا۔ ہاں گستاخیوں کو چھوڑ دوں گا۔ فقہ میں اس کی ایک اصل ہے کہ جب وارث
 اور مورد کا دین ایک ہو تو کسی وجہ سے بھی مورد محروم نہ کیا جائے گا سوائے قتل کے
 یعنی اگر مورد نے وارث کو قتل کر دیا ہے تو وارث سے محروم ہو جائے گا۔ کیونکہ قتل سے
 اصل کی تخریب ہوتی ہے۔ اصل قائم رہے تو شاخیں بھی قائم رہتی ہیں۔ اسی طرح شرک سے اصل
 ایمان کی تخریب ہو جاتی ہے۔ اگر اصل ایمان قائم رہے تو مغفرت اس پر واقع ہوتی ہے ایک
 دن شبلی رحمۃ اللہ علیہ کہیں جا رہے تھے ایک آواز سنی۔ کوئی کہہ رہا تھا کُلْ ذَنْبُ لَدَّ
 مَغْفُوْرٌ سَوٰی الْاِعْرَاضِ عَنِّی (میری ساری گناہ بخش دیئے گئے سوائے میرے ساتھ رُوگردانی کے)
 انھوں نے ایک آہ کی اور بہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو لوگوں نے اس کا سبب پوچھا
 تو فرمایا کہ کہنے والے نے جب یہ کہا کہ تیرے تمام گناہ بخش دیئے گئے سوائے اس کے تو مجھ سے منہ
 پھیر لے "تو میں نے خدا کا یہ کلام سماعت کیا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِہِ الخ۔ اس
 مقام پر خوف غالب ہوتا ہے اور یہ لوگ خوف پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور جو بات کرتے ہیں اسی خوف و
 دہشت کے عالم میں کرتے ہیں۔ سننے والوں کو گمان ہوتا ہے کہ یہ لوگ اہل وعید ہیں مگر ایسا نہیں ہے۔
 یہ اپنے چھوٹے گناہوں کو بھی بڑا سمجھتے ہیں کیونکہ گناہ کو بیچ سمجھنا فرمان حق کو خفیف جانتا ہے۔

اور گناہوں کو بُرا سمجھنا فرمانِ الہی کا اکرام و احترام کرنا ہے۔ یہ خدا کے لیے اپنے نفس کے دشمن ہوتے ہیں نہ کہ اپنے لیے خدا کے دشمن کیونکہ عارفوں کی صحبت نفس کے ساتھ نہیں ہوتی۔ انھیں حقوقِ نفس کی طلب کیونکر ہو سکتی ہے۔ خداوندِ غرورِ جل ان کا دوست ہے اور نفس ان کا دشمن ہے۔ دوست کے لیے دشمن سے لڑتے ہیں۔ دشمن کے لیے دوست سے لڑائی مول نہیں لیتے۔ پس جو شخص اپنے نفس کے ساتھ صلح کرتا ہے خداوندِ غرورِ جل سے لڑائی کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی صفائی اور پاکبازی کو دیکھتے ہوئے ان کا مطالبہ حق ان کے نفس کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور وہ راستبازی جو ان کے اندر ہے اپنی تمام امیدیں دوسروں کے لیے اللہ تعالیٰ سے قائم کرتے ہیں۔ اور جتنا خوف ہے وہ اس طرح اپنے لیے سمجھتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے گویا تمام وعیدیں انہی کے لیے وارد ہوئی ہیں۔ اور تمام وعدے دوسروں کے لیے ہیں۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ بندے کا ایمان حقیقتہً اُس وقت کامل ہوتا ہے کہ اگر آسمان سے کوئی بلا نازل ہو تو سمجھے کہ یہ میرے شومی اعمال کی وجہ سے ہے۔ اور اگر اس کو کوئی نیکی اور بھلائی حاصل ہوتی ہے تو اُسے کسی دوسرے کے طفیل سمجھتا ہے۔ ان میں سے کسی نے کہا ہے۔ رباعی

ما گبر قدیم دنا مسلمان ہستیم نام آور کفر و ننگِ ایمان ہستیم

شیطان جو ہمارا سدِ کلمہ اندازد در دوسو سہ استادِ شیطان ہستیم

(ہم پرانے بت پرست اور کافر ہیں۔ ہم کفر میں مشہور اور ایمان کو رسوا کرنے والے ہیں جب شیطان ہم پر پاس آتا ہے تو اپنے سر سے ٹوپی اُتار لیتا ہے۔ کیونکہ ہم دوسو سہ پردازی میں شیطان کے بھی استاد ہیں)۔ حضرت خواجہ فاضل عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے عرفات کے میدان میں عوفہ کی رات لوگوں نے پوچھا کہ آپ ان لوگوں (حجاج) کا حال کیسا دیکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ”اگر میں ان کے درمیان نہ ہوتا تو سب کے سب بخش دیے جاتے یعنی بدترین خلق خدا میں ہوں۔ اگر ان کی بخشش نہ ہو تو یہ میری شومی و بدبختی کی وجہ سے ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اپنی قوم میں ڈھونڈ دو کہ جو بنی اسرائیل میں سب سے بُرا ہو۔ انھوں نے ایک شخص کو تلاش کیا جو زہد و ریاضت سے آراستہ تھا۔ پھر خدا کا فرمان ہوا کہ اُس شخص سے کہو کہ بنی اسرائیل میں بدترین شخص کو تلاش کرے۔ اُس نے تین دنوں کی مہلت مانگی جو تھے روز اپنی گردن میں رسی باندھ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا کہ میں بنی اسرائیل کے بدترین آدمی کو تلاش کر کے لایا ہوں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم تو بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ عابد

دراہد ہو، ایسا کیوں کہتے ہو؟ اُس نے کہا "اس لیے کہ میں اپنے گناہوں کو یقین کے ساتھ جانتا ہوں، اور دوسرے کے گناہوں میں مجھے شک ہے۔ اور وہ شخص جس کے گناہوں کا یقین ہو وہ بدتر ہے اُس کے مقابلے میں جس کے گناہوں میں شک ہو۔" موسیٰ علیہ السلام پر پھر وحی نازل ہوئی "لے دے دینی اسرائیل میں وہی سب سے بہتر ہے۔ اس لیے نہیں کہ وہ سب سے زیادہ عبادت گزار ہے بلکہ اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو بدترین خلق جانتا ہے۔" اور خواجہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں روزانہ چند بار آمینہ دیکھتا ہوں اس خوف سے کہ میں میرا منہ سیاہ تو نہیں ہو گیا۔ اسی لیے کہا ہے

گر تو پیش آئی ز موسے در نظر
خوشتن را از بستے بینی بتر
مدح و ذمت گرفتفاوت می کند
بتگرے باشی کہ رویت می کند

(اگر تو بال برابر بھی اپنی نگاہوں میں بہتر نظر آتا ہے تو اپنے آپ کو ایک بت سے بھی بدتر سمجھ لے اگر تو اپنی تعریف اور مذمت میں فرق محسوس کرتا ہے تو ایک بت سا ہے جو تیرا چہرہ بناتا ہے)۔ اے بھائی! بزرگوں نے کہا ہے کہ دنیا میں اخلاص کا نور اور نفاق کی ظلمت بندے کے چہرے سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **بَيِّنَاتُھُمْ فِي وُجُوھِہِم مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ** (اُن کی پیشانی پر سجدہ کی علامت ظاہر ہوتی ہے) مگر جب تک دیکھنے والے کو وہ بصارت حاصل نہ ہو نہیں دیکھ سکتا۔ اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا نہ ہوتی جو آپ نے خدا سے کی کہ میری امت سے خفت (بستیوں کا زہر، اذہنس جانا) اور مسخ (چہرہ کا بگڑ جانا) کو اٹھالے، تو اس امت میں بڑی رسوائی ظاہر ہوتی بزرگوں نے کہا ہے کہ اگلی امتوں میں یہ بلا تھی، مگر امت محمدی اس سے محفوظ ہے۔ نیز خواجہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی ایسی جگہ مردوں جہاں لوگ مجھے جانتے ہوں معلوم نہیں وہاں کی زمین میری لاش کو قبول کرے یا نہ کرے۔ اور میں رسوا ہو جاؤں۔ اُن کو اپنی ذات سے یہ بدگمانی تھی۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو بدترین مخلوق جانتے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اپنے متعلق ایسا گمان نہ کرتے۔ حالانکہ یہ اس امت کے اگلے بزرگوں میں سے ہیں۔ لیکن خداوند غرور نے اس امت کو ایسی رسوائیوں سے بچا لیا ہے۔ اسی راز کو یہاں ظاہر کیا ہے قطعہ

ز درد دین ہمہ پیران کہ را
محاسن ہا ز خون دل خراب است
ہمہ مردان دین رازین مصیبت
جگر ہا تشنہ دلدہا کباب است

ادین کے درد و اندیشے سے اس راہ کے پرانے چلنے والوں کی ڈاڑھیاں ان کے خونِ دل سے رنگی ہوئی ہیں۔ اس مصیبت سے مردانِ خدا کے جگر تشنہ اور دل جل کر کباب ہو رہے ہیں۔ اے بھائی! اس عالمِ وجود میں اپنے کو مٹا کر نیست و نابود ہو جاؤ۔ کیونکہ ہست ہونے کا حق اُسی ذاتِ پاک کو ہے اور نیستی تمہارا حق ہے۔ آخر تم نے سنا ہوگا اَلْوُجُودُ بَيْنَ الْعَدَمَيْنِ عَدَمٌ (دو عدم کے درمیان جو وجود ہے وہ بھی عدم ہی ہے)۔ اپنی ہستی کا نام و نشان مٹا دو تاکہ کسی دن ہستی کا جلوہ نظر آئے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے

تو مباش اصل کمالِ ابنِ مستِ دلس تو ز خود گم شود وصلِ ابنِ مستِ دلس
(جب تو مطلق باقی نہ رہ جائے تو سمجھ لے کہ یہ تیرا کمال ہے۔ اور جب تو اپنی خودی سے گم ہو جائے تو بس یہی وصال ہے)۔ اگر پر والوں کو اپنی ہستی کی ذرہ برابر بھی قدر و قیمت ہوتی تو اس طرح آگ کے شعلوں پر ٹوٹ کر نہ گرتے اور خاک نہ ہو جاتے۔ ساری دنیا کے عشاق اسی تمنائیں ایڑیاں رگڑتے ہیں کہ ان کو اس دنیا سے پر والوں یا دیوالوں کے ساتھ اٹھائیں۔ اور کوئی ان کی بات پوچھنے کا روادار نہیں ہوتا۔ کسی نے کہا ہے

عاشقان چون حلقہ بردر ماندہ اند زانکہ نزدیکیت کسے را راہ نیست
(تیرے دروازے پر تمام عشاق حلقہ باندھ کر پڑے ہوئے ہیں۔ اس لیے کہ تیرے پاس پھٹکنے تک کی کوئی راہ نہیں ہے)۔ عقلیں اُس کے جلال میں حیران ہیں اور فہم و خرد اس کے جمال و ادراکِ جبروت میں پریشان اور عاجز ہیں اور فکر و تدبیر اُس کے کاموں میں زیر و زبر ہو کر رہ گئی ہیں۔ اسی حقیقت کو یوں بیان کیا ہے دباغی۔

اے کبک ہزار بازو در بند از تو اے آہوے شیرگیر تا چند از تو
بس کن کہ نیافت پیچ پیوند از تو خود را بہ غم و بلا در افکند از تو
(اے وہ کہ تو ہزار بازو والے کبوتر کو شکار کرتا ہے۔ اے وہ کہ شیروں کو پکڑنے والے ہرن تیری قید میں ہیں۔ اب بس کر کہ ان میں سے کسی نے تیرا قرب حاصل نہیں کیا اس لیے سب رنج و بلا میں مبتلا ہو گئے ہیں) داسلام۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نتاویو ال مکتوب ۹۹

دوزخ کے بیان میں

غزیر بھائی شمس الدین معلوم ہو کہ تمہیں بتایا جا چکا ہے وَ اِنَّ مِنْكُمْ اِلٰا وَاِرْدُهَا (تم میں سے ہر ایک اس میں اترنے والا ہے) یعنی آگ سب کی جاے درد دے۔ اور یہ آیت اس کے بعد ہی فرمائی ہے ثُمَّ فَتَحْنَا الْاَبْوَابَ (پھر ان کو نجات لے گی جنہوں نے پرہیزگاری اختیار کی)۔ پس ہمارا اس میں داخل ہونا بالیقین ہے اور اُس سے نجات پانا شک کے ساتھ ہے۔ اب دوزخ کی دادیوں اور طبقوں پر غور کرو اور دیکھو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اِنَّ فِيْ جَهَنَّمَ سَبْعِيْنَ اَلْفَ وَاِدٍ فِيْ كُلِّ وَاِدٍ سَبْعِيْنَ اَلْفَ شَعْبٍ وَّفِيْ كُلِّ شَعْبٍ سَبْعِيْنَ اَلْفَ ثَعْبَانٍ وَّ سَبْعِيْنَ اَلْفَ عَقْرَبٍ لَا يَنْتَحِي الْكَافِرُ وَالْمُنَافِقُ حَتّٰى يُّوْاَقِعَ ذٰلِكَ كُلُّهُ (دوزخ میں ستر ہزار دادیاں ہیں اور ہر دادی میں ستر ہزار غار ہیں اور ہر غار میں ستر ہزار سانپ اور ستر ہزار بچھو ہیں کفار اور منافقین کے عذاب کی انتہا نہ ہوگی جب تک کہ ان سمجھوں سے نہ گزر لیں)۔ اور نقل ہے کہ آپ نے فرمایا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ جِيْتِ الْحُزْنِ اَوْ وَاْدِ الْحُزْنِ (ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں غم کے کنوئیں یا غم کی دادی سے) صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ غم کی دادی یا غم کا کنواں کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَاِدٍ فِيْ جَهَنَّمَ يَتَعَوَّذُ مِنْهَا جَهَنَّمُ كُلُّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً اَعَدَّ اللّٰهُ لِلْقَرَّاءِ الْمُرَائِيْنَ (دوزخ میں ایک دادی ہے جس سے دوزخ بھی ستر بار پناہ مانگتی ہے۔ اُس کو اللہ تعالیٰ نے دکھاوے کے عالموں اور قاریوں کے لیے بنایا ہے)۔ دوزخ کے طبقوں اور اُس کی دادیوں کا یہ حال ہے۔ اس کے شمار کا اندازہ دنیا کی آرزو اور اُس کی خواہشوں کی تعداد پر ہے۔ اور اس کے طبقات کی تعداد بدن انسان کے ساتوں بند کے مطابق ہے کہ آدمی انہیں جوارح کے ذریعہ گناہ کرتا ہے۔

بعض طبقے اوپر ہیں وہ جہنم کے عالی مقام ہیں اس کا نام جہنم ہے پھر سقر، پھر لظی پھر حطیم پھر سعیر پھر جمیم پھر ہادیہ، یہ سب کے نیچے واقع ہے۔ اب ہادیہ کی گہرائیوں پر غور کرو، اس کی کوئی حد نہیں ہے جس طرح دنیاوی خواہشات کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ اور جس طرح دنیا کی ایک خواہش ابھی پوری نہیں ہونے پاتی کہ اُس سے بڑھ چڑھ کر دوسری خواہش پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح ہادیہ جہنم کا ایک عذاب ختم نہیں ہونے پاتا کہ دوسرا عذاب اس سے سخت تر سامنے آ جاتا ہے اور ہادیہ کی گہرائی بڑھتی جاتی ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ کی حد میں حاضر تھا۔ ہم سب نے ایک آواز سنی جھوڑنے فرمایا جانتے ہو یہ کیسی آواز ہے۔ میں نے کہا خدا اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے والے ہیں۔ ارشاد فرمایا هَذَا الْجَحَنَّمُ اُرْسِلَ فِيْ جَهَنَّمَ مِنْذُ سَبْعِيْنَ عَامًا اَلَا اَنْتُمْ اِلٰى قَعْرِهَا (یہ ایک پتھر ہے جسے ستر برس پہلے جہنم میں ڈالا گیا تھا آج اس وقت وہ اس کی تہ تک پہنچا ہے)۔ آگ میں جس قسم کا عذاب ایک شخص پر کیا جائے گا وہی عذاب اُس پر بار بار دہرایا نہ جائے گا بلکہ ہر عذاب کی ایک حد مقرر ہوگی اس کے بعد دوسری قسم کا عذاب کیا جائے گا اور وہ اُس کے جرم و گناہ کے اندازے کے مطابق ہوگا۔ لیکن ادنیٰ درجہ کا عذاب بھی اتنا شدید ہوگا کہ اس کے مقابلے میں اگر ساری دنیا کی نعمت اور آرام پیش کیے جائیں تو سب ہیج ہو جائیں۔ اور حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اَذْفَىٰ اَهْلُ النَّارِ عَذَابًا اَنْ يَّتَعَلَ يَمْعَلَيْنِ مِنْ نَّارٍ يُغْلٰی دِمَاغُهُ مِنْ حَرِّ نَعْلَيْنِهِ (دوزخ والوں کے لیے کمترین عذاب آگ کی دو جوتیاں پہنائی جائیں گی جن کی گرمی سے اس کا دماغ کھولتا ہوگا)۔ اب غور کرو کہ کم سے کم جو عذاب ہے اس کا یہ حال ہے تو جس پر سخت عذاب کیا جائے گا اُس کا کیا حال ہوگا۔ تم کو اگر آگ کی جلن اور اس کی گرمی میں شک و شبہ ہے تو ذرا اپنی انگلی آگ کے پاس لے جاؤ اور انداز کر لو۔ اگرچہ اس آگ کی گرمی دوزخ کی آگ کے مقابلے میں ہیج ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ اِنَّ نَارَ الدُّنْيَا غُسْلَتْ بِسَبْعِيْنَ مَاءً مِنْ مِّاءِ الرَّحْمَةِ حَتّٰى اَطْفَاَهَا اَهْلُ الدُّنْيَا۔ (دنیا کی آگ دریائے رحمت کے پانی سے ستر مرتبہ دھوئی گئی ہے جب کہیں دنیا والوں کی برداشت تک ٹھنڈی ہو گئی ہے۔ بلکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ کی آگ کی صفت اس طرح بیان فرمائی ہے۔ اَوْقَدَتْ بَلَدَ النَّارِ اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى اَخْمَرَتْ ثُمَّ اَوْقَدَتْ

عَلَيْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّىٰ أَبْيَضَتْ ثُمَّ أَوْقَدَتْ عَلَيْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّىٰ اسْوَدَّتْ
 فِيْهَا سَوْدَاءُ مُّظْلِمَةٌ (دوزخ کی آگ ہزار برس تک ہکائی گئی تو سُرخ ہو گئی۔ پھر دوبارہ
 ہزار برس تک ہکائی گئی تو سفید ہو گئی۔ پھر سہ بارہ ہزار برس تک دہکائی گئی یہاں تک کہ سیاہ
 ہو گئی۔ پس دوزخ کی آگ کا رنگ بالکل سیاہ اور تاریک ہے)۔ اور روایت ہے کہ رسول
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِشْتَكَّتِ النَّارُ اِلَى رَابِعِهَا نَقَالَتْ يَارَبِّ اَكُلْ بَعْضِيْ بَعْضًا
 فَاَذْنُ لَهَا نَفْسَيْنِ نَفْسٌ فِي الشِّتَاءِ وَنَفْسٌ فِي الصَّيْفِ فَاَشَدَّ مَا تَجِدُوْنَهُ فِي الصَّيْفِ
 مِنْ حَرِّهَا وَاَشَدَّ مَا تَجِدُوْنَهُ فِي الشِّتَاءِ مِنْ زَمْهَرِيْرٍ هَا۔ (آگ نے اللہ تعالیٰ سے
 فریاد کی کہ اے میرے پروردگار میرے بعض حصے نے میرے بعض حصے کو کھا لیا ہے۔ تو اُس کو
 دو سالنوں کے پھوڑنے کی اجازت دی گئی ایک جاڑے میں اور دوسری گرمی میں۔ تم گرمیوں
 میں جو حدت و حرارت پاتے ہو وہ جہنم کی ایک گرم سالن ہے۔ اور جاڑے میں جو سردی پاتے
 ہو وہ زمہریر کی ایک ٹھنڈی سالن ہے) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
 کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر مسجد میں سو ہزار آدمی ہوں یا اس سے بھی زیادہ ہوں
 اور اہل دوزخ میں سے کوئی ایک پھونک مار دے تو سب کے سب مرجائیں۔ حدیث میں ہے
 کہ دوزخ میں سختی نسل کے آدمیوں سے بھی زیادہ بُرے سانپ ہوں گے جس کو کاٹیں گے وہ
 ان کے زہر کی تکلیف چالیس برس تک محسوس کرے گا۔ اور کچھو بھی اونٹ کے برابر ہوں گے۔
 اُن کے ذنک کا زہر بھی چالیس برس تک تکلیف دے گا۔ حضرت خواجہ حسن بھری رضی اللہ عنہ
 نے فرمایا کہ ایک مرد ہو گا جو سات ہزار سال کے بعد آگ سے باہر نکالا جائے گا۔ کاش کہ
 وہ شخص میں ہوتا۔ اور ایک دن آپ کو دیکھا گیا کہ ایک حجرے میں بیٹھے رو رہے ہیں۔ لوگوں
 نے پوچھا ”آپ کیوں رو رہے ہیں؟“ آپ نے کہا ”مجھے اس بات کا خوف ہے کہ میں دوزخ میں
 ڈالا جاؤں اور آتش دوزخ بھی مجھے پاک نہ کر سکے۔ اسی جگہ کہا ہے۔

در عالمِ حدیثِ خاک کے نہ بود

اندر خورما چو پیچ پاک کے نہ بود

از کشتنِ پیچ پاک با کے نہ بود

روزِ رحمتِ نیر کہ در حضرتِ ما

کوئی بھی پاک سے پاک ہمارے دربار کے لائق نہیں تو پھر کسی خاکی کا یہاں کیا پوچھنا۔

اُس دن رحمت کے بھروسے پر بے خوف نہ بیٹھے رہو۔ کیونکہ ہمارے دربار میں کسی پاک سے پاک کو بھی عذاب دینے میں کوئی خوف نہیں ہے۔ جب حضرت خواجہ حسن بھری رضی اللہ عنہ کا یہ حال ہے تو ہم جیسے مشقت خاک گنہگار اور خاکسار کیا چیز ہیں اور کس شمار و قطار میں ہیں۔ خواجہ احمد عرب سے روایت ہے کہ ہم میں سے ہر کوئی دھوپ کے مقابلے میں سایہ کو اختیار کرتا ہے تو دوزخ کے مقابلے میں بہشت کو کیوں اختیار نہیں کرتا؟ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ بہت سے حسین و جمیل اور تندرست فصیح زبان لے ہو گئے جو دوزخ کے طبقوں میں چھینٹے چلاتے اور گریہ و زاری میں مصروف رہیں گے۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام سے نقل ہے کہ آپ فرماتے تھے ”خداوند! میں تیری آگ کی گرمی کیونکر برداشت کروں گا جبکہ تیرے سورج کی گرمی برداشت نہیں کر سکتا۔ اور تیرے عذاب کی آواز کیونکر سنوں گا جبکہ تیری رحمت کی آواز سننے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے!“ ذرا ان ہستیوں کو خیال کرو اور دیکھو کہ وہ کتنے خوف و خشیت میں مبتلا رہے ہیں۔ اب جانو کہ اللہ تعالیٰ نے آگ کو بڑا ہولناک پیدا کیا ہے۔ اور آئیں داخل ہونے والوں کا ایک گردہ بھی پیدا کیا ہے۔ ان کی تعداد نہ بڑھے گی اور نہ گھٹے گی۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو اللہ تعالیٰ کی مشیت میں مقرر ہو چکی ہے اور اس قضا و قدر سے قلم اٹھا لیا گیا ہے۔ پس ہماری اور تمہاری اس غفلت پر سخت تعجب اور حیرت ہے کہ ہم کچھ نہیں جانتے کہ روز ازل ہمارے حق میں کیا فرمان جاری ہوا ہے۔ اگر تم کہو، کاش ہم کو معلوم ہو جاتا کہ ہمارا ٹھکانا کہاں ہے، ہم کہاں بھیجے جائیں گے اور ہمارے حق میں قضا و قدر نے کیا لکھا ہے تو جانو کہ اس کی ایک علامت اور نشانی ہے۔ اگر تم اس علامت سے انیسیت پیدا کرو تو اس کے ذریعے سے تمہاری امیدیں صادق ہو جائیں گی۔ اور وہ علامت یہ ہے کہ اپنے حال اور اعمال کو دیکھو کہ جو شخص جس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے اُس کی انجام دہی بھی اُس پر آسان ہو گئی ہے۔ پس اگر کارِ خیر کی راہیں تمہارے لیے کھول دی گئی ہیں اور اُن پر چلنا تمہارے لیے آسان ہے تو خوشیاں مناد کہ تم دوزخ کے عذاب سے دور ہو۔ اور اگر ایسا ہے کہ کارِ خیر کا تم ارادہ ہی نہ کرو، اور ارادہ بھی کرو تو ایسی رکاوٹیں پیدا ہو جائیں جن کو تم

دور نہیں کر سکتے۔ اور شریعت کی طرف بھی توجہ نہ کر دو کہ اس کے ذریعہ رکاوٹوں کے دور ہونے کا سامان مہیا ہو جائے تو جان لو کہ یہ باتیں تمھارے لیے مقدر کر دی گئی ہیں جن کی طرف تمھاری طبیعت کا رجحان ہے کیونکہ یہی عاقبت کی دلیل ہے۔ جیسے بارش بنانا کی روئیدگی کی، اور دھواں آگ کی دلیل ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ وَّ اِنَّ الْفٰجَرِ لَفِي جَحِيْمٍ (یقیناً نیک لوگ جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے اور بد کردار لوگ دوزخ کی آگ میں جلیں گے) اب اپنے نفس کا اس آیت کی ان دونوں حالتوں سے موازنہ کر دو تاکہ ان دو مقاموں میں سے تمھاری جائے قرار معلوم ہو جائے۔

حضرت خواجہ محیٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ آپ کہتے تھے ”میں نہیں جانتا کہ ان دو مصیبتوں میں سے کون سی مصیبت زیادہ سخت ہے۔ بہشت سے محروم ہونا یا دوزخ میں جانا۔ لیکن بہر حال جنت کی نعمتوں سے محروم ہونا دوزخ کی تکلیف برداشت کرنے سے زیادہ آسان ہے۔ اور ہمیشہ دوزخ میں رہنا زیادہ دشوار ہے بہ نسبت اس کے کہ کسی وقت اس سے رہائی اور عذاب سے پھٹکارا ممکن ہو۔ لیکن دوزخ کا ابدی عذاب تو بہت ہی دشوار ہے۔ کون سادل اس کو برداشت کر سکتا ہے اور کون سا نفس اس پر صبر کر سکتا ہے۔ اسی بنا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ ”دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا خیال ڈرنے والوں کے دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے“ دوزخ اور اس کے عذاب کا یہ حقوڑا سا بیان ہے جو تم نے سنا۔ یہاں ایک راز ہے اور وہ یہ ہے کہ جب موت اس دنیا کے حجاب کو اٹھا دیتی ہے اور نفس اس دنیا کی کدورتوں سے آلودہ رہ جاتا ہے تو کلیۃً اس دنیا سے جدا نہیں ہوتا۔ اگرچہ اپنے مرنے میں کم و بیش ہوتا ہے۔ جیسے کسی چیز پر زنگ پیڑھا جاتا ہے اور ایک ایسے آئینے کی طرح ہو جاتا ہے جس کو زنگ کی دبیرتہ نے تباہ و برباد کر دیا ہو۔ اس کی اصلاح اور صیقل دہلا کرنے کی بھی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے پروردگار سے ہمیشہ حجاب میں رہا کرتے ہیں فَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهَا۔ اور بعض لوگوں کا جو ہر زنگ کدورت کی اس حد تک نہیں پہنچتا کہ صاف ہونے اور صفا قبول کرنے کی صلاحیت مفقود ہو جائے تو اس کو دوزخ میں اس لیے ڈالیں گے اور اس وقت تک رکھیں گے کہ اس کا زنگ میل دور ہو جائے۔ اس کا آگ میں

ڈالا جانا محض تزکیہ اور صفائی کی ضرورت کے مطابق ہوگا اور اس سے ایک پل بھر بھی کمی کی کوئی گنجائش نہ ہوگی۔ اور یہ بات اکثر گنہگار مومن کے لیے ہوگی جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ سات ہزار سال میں کوئی نفس ایسا اس دنیا سے رحلت نہیں کرتا جس کے ساتھ اس دنیا کی تیرگی اور آلائش نہ باقی رہتی ہو، اگرچہ تھوڑی ہو۔ اب یہاں اس آیت کے اسرار سمجھنے کی کوشش کرو وَاِنْ مِنْكُمْ اِلَّا وَاِرْدُهَا كَانَ عَلَى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا (اور تم میں سے ہر ایک کے لیے اس (دوزخ) میں سے گزرنا ضروری ہے۔ اور یہ بات تمہارے پروردگار نے لازمی مقدمہ فرمادی ہے)۔ والسلام۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سواں مکتوبات

بہشت کے بیان میں

بھائی شمس الدین معلوم کرو کہ جب اس سراسے (دوزخ) کے درد، دکھ اور رنج و غم جان چکے تو اس کے مقابلے میں ایک دوسری سراسے (جنت) بھی ہے۔ اب اس کی نعمتوں اور خوشیوں پر غور کرو۔ جو شخص ان میں سے کسی ایک سے دُور ہوگا لامحالہ دوسری جگہ پہنچے گا۔ پس امید اور خوف دونوں کو اپنے دل میں پیدا کرو۔ دوزخ کی ہولناکیوں کے خیال سے خوف ہوتا ہے اور جنت کی نعمتوں کے خیال سے امید پیدا ہوتی ہے۔ تمہارا خوف ملکِ عظیم پانے کے لیے ہوتا ہے اور تمہاری امید عذابِ الیم سے رہائی پانے کے لیے ہوتی ہے۔ پس جب تم چاہو کہ بہشت کے ادھار معلوم کرو تو خداوند جل و علا کا یہ قول قرآن مجید میں پڑھو۔ وَلَمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٍ (اور جو شخص اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑے ہونے سے ڈرا اُس کے لیے دو باغ ہیں) سورہ رحمن کے آخر تک اور سورہ واقعہ وغیرہ۔ اور جب تم بہشت کی صفتوں اور اس کے حالات جان چکو تو اب ان کی تعداد معلوم کرو۔ پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وَلَمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٍ اٰی جَنَّاتٍ مِنْ فَضْلَةِ اٰیٰتِہُمَا وَمَا فِیْہَا وَجَنَّاتٍ مِنْ ذَّہَبٍ اَنْتِہُمَا وَمَا فِیْہَا وَابْنِ النُّوْمِ وَبَيْنَ اَنْ یَنْظُرُوْا اِلٰی رَبِّہُمْ اِلَّا رَدَ اَعْیُنُہُمْ

عَلَىٰ وَجْهِهِ فِي جَنَّتِ عَدْنُ (اور جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اُس کے لیے دو جنتیں ہیں۔ یعنی دو جنتیں چاندی کی ہیں جن کے اندر تمام ساز و سامان چاندی کے ہیں۔ اور دو جنتیں سونے کی ہیں جن کے اندر تمام ساز و سامان سونے کے ہیں۔ اور خداوند رب العالمین اور اُن لوگوں کے درمیان جو اپنے پروردگار کو دیکھیں گے سوائے ردائے کبریا کی اور کوئی پردہ حائل نہ ہوگا۔ یہ بہشت عدن کا ذکر ہے)۔ اب بہشت کے دروازوں کو دیکھو! وہ تعداد میں بہت ہیں۔ اور ان کا اندازہ اصول طاعت و عبادت کے لحاظ سے مقرر کیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مَنْ أَلْفَقَ زَوْجَيْنِ مِنْ مَالِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ دُعِيَ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَلِلْجَنَّةِ أَبْوَابٌ ثَمَنٌ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ۔ وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصِّيَامِ وَهُوَ بَابُ الرِّيَّانِ۔ وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجَهَادِ (جو کوئی خدا کی راہ میں اپنے مال میں سے دو حصہ مال خیرات کرے گا وہ بہشت کے ایک دروازے سے بلایا جائے گا۔ اور جنت کے بہت سے دروازے ہیں۔ جو اہل نماز ہوگا وہ باب الصلوٰۃ سے، اور جو روزہ دار ہوگا وہ باب الصیام سے جس کا نام باب الریان ہے، اور جو اہل صدقہ و خیرات ہوگا وہ باب الصدقہ سے اور جو صاحب جہاد ہوگا۔ باب الجہاد سے بلایا جائے گا)۔ حضرت امیر المؤمنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا وَسَيُتَّقِي الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا (جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرے، وہ گروہ درگروہ جنت کی کی طرف ہنکائے جائیں گے)۔ جب بہشت کے دروازوں میں سے ایک دروازے کے پاس پہنچیں گے تو ایک درخت دیکھیں گے جس کے تنے سے دو چشمے بہ رہے ہوں گے۔ ایک چشمہ سے اُن کو پانی پینے کا حکم دیا جائے گا۔ اور جب وہ اُس کا پانی پیں گے تو ان کے دل کا تمام خوف و رنج دور ہو جائے گا۔ پھر حکم کے مطابق دوسرے چشمے کے پاس جائیں گے اور اُس میں غسل کریں گے تو ان کے چہروں پر نعمت کی تازگی دہرائے گی اور ایسے پاک و مطہر ہو جائیں گے کہ ان کے بال تک کبھی گرد آلود نہ ہوں گے نہ اُن کا سر میل ہوگا، نہ بال

اور طاعت خداوندی کوئی تم سے سبقت نہ لے جائے! اگر کسی کو طاعت و عبادت میں اپنے سے زیادہ دیکھو تو ایسا رشک ہونا چاہیے) جیسے تمہارا کوئی دوست یا ہمساہ تمہارا مکان کے سامنے اونچا دروازہ یا تمہارے مکان سے زیادہ بلند مکان بناتا ہے تو تمہارا رشک ہوتا ہے۔ (اور اس تمنائیں کہ تمہارا مکان اس سے زیادہ اونچا ہوتا) تمہاری زندگی گراں ہو جاتی ہے۔ تمہاری بہتر حالت تو ہے کہ تم بہشت میں اپنی جگہ بناؤ اور یہ گوارا نہ کرو کہ کوئی جماعت مرتبے میں تم سے آگے بڑھ جائے کیونکہ وہاں کی ایک ایک نعمت ایسی ہے کہ اس کے مقابلے میں دنیا کی کل نعمتیں ہیج ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ لَيَرَوْنَ أَهْلَ الْعَرْشِ فَوْقَهُمْ كَمَا تَرَوْنَ الْكَوَاكِبَ الْغَابِرَةَ فِي الْأُفُقِ مِنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لِتَفَاضُلِ مَا بَيْنَهُمْ (ساکنان بہشت یقیناً اپنے اوپر بھروکوں میں رہنے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم مشرق و مغرب سے پھیلی رات کے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ اور یہ اُن کی فضیلت کی وجہ سے ہوگا جو انہوں نے ایک دوسرے کے درمیان حاصل کی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ منزلیں پیغمبروں کے لیے خاص ہیں یا اور کسی کو بھی ملیں گی فرمایا ہاں! وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ رَجُلًا أَمِنُوا بِاللَّهِ وَصَدَقُوا الْمُرْسَلِينَ) اُس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جو وہ خدا پر ایمان لائے اور پیغمبروں کی تصدیق کی۔ اور یہ بھی فرمایا إِنَّ أَهْلَ الدَّرَجَاتِ أُلْعَلُ الْبَرَاهِمُ مِنْ تَحْتِهِمْ كَمَا تَرَوْنَ النُّجُومَ الطَّايِعَ فِي الْأُفُقِ مِنَ آفَاقِ السَّمَاءِ وَإِنَّ آبَابَكُمْ وَعَمْرُ مِنْهُمْ وَالْعَاءِ) یقیناً بہشت میں اونچے مقام کے رہنے والے اپنے سے نیچے درجے میں رہنے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم کسی طلوع ہونے والے ستارے کو آسمان کے کسی افق میں دیکھتے ہو اور یقیناً ابوبکرؓ اور عمرؓ انہیں لوگوں میں سے ہیں بلکہ ان سے زیادہ)۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِلَّا أَحَدٌ ثُكُمُ بَعْضُ الْجَنَّةِ (کیا میں جنت کے بھروکوں کی بات تم سے نہ بتاؤں؟)۔ ہم نے کہا: ہاں، یا رسول اللہ! ہاں باپ آپ پر فدا ہو جائیں! فرمایا إِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرًّا مِنْ أَصْنَافِ الْجَوَاهِرِ كُلِّهَا بَرِي ظَاهِرُهَا مِنْ بَاطِنِهَا وَبَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا وَفِيهَا مِنَ النِّعَمِ وَاللَّذَاتِ

وَالشُّرُورَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشِيرٍ (بیشک جنت میں شفاف جواہرات کی قسم کے بھرو کے (مکڑے) ہیں جس کے اندر سے باہر کی تمام چیزیں نظر آتی ہیں اور باہر سے اندر کی تمام چیزیں نظر آتی ہیں۔ اس میں نعمتوں، لذتوں اور خوشی و انبساط کے ایسے ایسے سامان ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی کے دل میں اُس کا گمان گزرا ہے)۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ یہ حجرے کس کے لیے ہیں؟ آپ نے فرمایا
 لِمَنْ أَقْسَى السَّلَامَ وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ وَأَدَامَ الصِّيَامَ وَصَلَّى بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ يَنَامُ
 (جس نے سلام کو ظاہر کیا، لوگوں کو کھانا کھلایا، ہمیشہ روزہ رکھا اور راتوں میں نمازیں پڑھیں
 جبکہ لوگ بھی نیند سوتے رہے) ہم نے کہا یا رسول اللہ اتنی طاقت کس میں ہے؟ آپ نے فرمایا
 اُمِّي يَطِيقُ ذَلِكَ وَسَاخِرُكُمْ عَنْ ذَلِكَ۔ مَنْ لَقِيَ أَخَاهُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَدْ أَقْسَى السَّلَامَ
 وَمَنْ أَطْعَمَ أَهْلَهُ وَعِيَالَهُ مِنَ الطَّعَامِ حَتَّى يُشْبِعَهُمْ فَقَدْ أَطْعَمَ الطَّعَامَ وَمَنْ
 صَامَ شَهْرَ رَمَضَانَ وَمِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَقَدْ أَدَامَ الصِّيَامَ وَمَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ
 الْآخِرَةَ وَصَلَّى الْعِدَاةَ فِي الْجُمُعَةِ فَقَدْ صَلَّى اللَّيْلَ وَالنَّاسُ يَنَامُ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى
 وَالْمَجُوسُ (میری امت اس کی طاقت رکھتی ہے اور میں تم کو بتانا ہوں کہ جس نے اپنے مسلمان بھائی
 کو دیکھ کر سلام کیا، یا سلام کا جواب دیا تو بالضرور اُس نے سلام کو ظاہر کیا۔ جس نے اپنے اہل و عیال کو
 شکم سیر کھانا کھلایا۔ اُس نے لوگوں کو کھانا کھلایا جس نے ماہ رمضان کے روزے اور ہر مہینے میں
 تین دن کے روزے (یعنی ایام بھین، چاند کی تیرھویں، پودھویں اور پندرھویں تاریخ) رکھے تو
 ضرور اُس نے ہمیشہ روزہ رکھا اور جس نے عشاء کی نماز تاخیر سے یا جماعت ادا کی اور صبح کی نماز
 باجماعت پڑھی تو گویا اُس نے تمام رات نماز پڑھی جبکہ لوگ (یہود و نصاریٰ اور مجوس) پڑے
 سوتے رہے۔ اور صحابہؓ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت وَمَا كُنْ طَيِّبَةً فِي جَنَّتِ
 عَذْنٍ (اور بہشت عدن میں پاکیزہ اور صاف ستھرے مکانات ہیں) کے متعلق دریافت کیا، تو
 آپؐ نے فرمایا قُضُوْا مِنْ لَوْلُوْءٍ فِي ذَلِكَ الْقَصْرِ سَبْعُونَ دَارًا مِنْ يَأْتُوْنَ حُمْرًا فِي كُلِّ
 دَارٍ سَبْعُونَ بَيْتًا مِنْ زَمْرٍ دُخْوَءٍ فِي كُلِّ بَيْتٍ سَبْعُونَ سَوْدًا عَلَى كُلِّ سَرِيرٍ
 سَبْعُونَ فِرَاشًا مِنْ كُلِّ نَوْبٍ دَعَى كُلِّ فِرَاشٍ زَوْجَةٌ مِنَ الْحَوَارِ الْعَيْنِ۔ فِي كُلِّ بَيْتٍ

سَبْعُونَ مَائِدَةً عَلَى كُلِّ مَائِدَةٍ سَبْعُونَ كُونًا مِنَ الطَّعَامِ وَيُعْطَى الْمُؤْمِنُ فِي كُلِّ
 فِدَاةٍ مِنَ الْقُوتِ مَا يَأْتِي عَلَى ذَلِكَ الْجَمْعِ (بہشت میں ایک دانہ مروارید سے بنا ہوا
 ایک محل ہے۔ اُس محل میں یا قوت سرخ کی بنی ہوئی ستر سرائیں ہیں۔ ہر سرائے میں زمرہ سبز کے
 ستر حجرے ہیں۔ ہر حجرے میں ستر تخت بچھے ہیں۔ ہر تخت پر مختلف رنگ کے ستر فرش پڑے ہیں
 ہر فرش پر ایک چور عین بیٹھی ہے۔ نیز ہر سرائے میں ستر ستر خوان ہیں ہر خوان پر ستر رنگ کے
 کھانے چنے ہوئے ہیں۔ اور ہر صبح مومنوں کو اتنا رزق دیا جائے گا جو سب کے لیے کافی ہوگا)
 اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ
 حَاطَّ الْجَنَّةِ يَبْنَةُ مِنْ ذَهَبٍ وَلَبْنَةُ مِنْ فِضَّةٍ تَرَابُهَا زَعْفَرَانٌ وَطِينُهَا مِسْكٌ
 (جنت کی دیواریں سونے چاندی کی اینٹوں سے بنی ہوئی ہیں۔ ان میں زعفران کی مٹی اور مشک کا
 گارا استعمال کیا گیا ہے) اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ
 علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کے کلام میں جو کہا گیا ہے وَفُوشَ قَرْنُ فُوعَةٍ مَّابَيْتِ الْمَفْرَاشِ كَمَا
 بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ (دو بستروں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوگا جتنا فاصلہ زمین اور آسمان کے)
 اور حضرت زیدار قم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک یہودی حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے
 پاس آیا اور کہنے لگا "اے ابوالقاسم، تم کہتے ہو کہ بہشت میں ساکنان بہشت کھائیں گے اور
 پئیں گے؟" یہ شخص اپنے دوستوں سے کہہ کر آیا تھا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس بات کا اقرار
 کریں گے تو ہم ان کو شکست دے دیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بَلَى وَالَّذِي
 نَفْسِي بِيَدِهِ اِنَّ اَحَدَهُمْ لَيُعْطَى قُوَّةٌ مِائَةِ رَجُلٍ فِي الْمَطْعَمِ وَالْمَشْرَبِ وَالْجَمَاعِ
 (ہاں، اُس خدا کے بزرگ و بزرگ برتر کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اُن میں سے ایک ایک
 مرد کو سو مردوں کی طاقت دی جائے گی کھانے پینے میں اور جماع میں) اُس یہودی نے
 کہا کہ "جو شخص کھاتا پیتا ہے اُس کو (پیشاب پاخانہ کی) حاجت بھی ہوتی ہے۔" حضور صلی
 اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حَاجَتُهُمْ عَرَقٌ يَفِيضُ مِنْ جُلُودِهِمْ مِثْلَ الْمِسْكِ فَاِذَا
 الْبَطْنُ قَدْ ضَمَّ (اُن کی رفع حاجت اس طرح ہوگی کہ پسینہ اُن کے بدن سے خارج
 ہوگا جو مشک کی طرح خوشبودار ہوگا۔ اور اُن کا پیٹ ہلکا ہو جائے گا۔ نقل ہے کہ

کسی وقت ایک یہودی نے ایک بزرگ سے کہا "تمہارے مذہب میں تین مسئلے مشکل نظر آتے ہیں۔ اگر تم ان کے جوابات دو اور مثال سے سمجھا دو تو میں تمہارا دین قبول کر لوں۔" انھوں نے کہا وہ تین مسئلے کیا ہیں؟ اُس نے کہا۔ "تم کہتے ہو ہبشت میں کھائیں پیئیں گے اور بول و براز کی حاجت نہ ہوگی۔ دوسرے یہ کہ تم کہتے ہو کہ ہبشت میں ایک ایسا درخت ہے جس کی شاخیں ہر جگہ پہنچی ہوئی ہیں۔ تیسرے یہ کہ تم کہتے ہو کہ جس قدر کھائیں پیئیں گے ہبشت کی نعمتیں کم نہ ہوں گی۔" انھوں نے جواب دیا کہ کھانے پینے پر بھی بول و براز نہ ہونے کی مثال دنیا میں یہ ہے کہ بچہ ماں کے پیٹ میں کھاتا ہے مگر بول و براز کی حاجت نہیں ہوتی۔ اور درخت کی مثال دنیا میں آفتاب ہے۔ اگر یہ وہ ایک ہے مگر اس کی کرنیں ساری دنیا میں ہر جگہ موجود رہتی ہیں۔ اور یہ کہ کھانے پینے سے نعمتوں میں کوئی کمی نہیں ہوتی اس کی مثال دنیا میں قرآن پاک ہے کہ ساری دنیا کے مسلمان اسے پڑھتے سنتے اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں مگر (اس کے نور اور اس کی لذت اور سرور میں) کوئی کمی نہیں ہوتی۔ یہ سن کر یہودی فوراً ایمان لے آیا اور مسلمان ہو گیا۔ اور تفسیر میں ہے کہ اگر کوئی حور دریا میں اپنا تھوک ڈال دے تو کسی دریا میں کھاری پانی نہ رہ جائے بلکہ سارا سمندر میٹھا ہو جائے۔ اور اگر اندھیری راتوں میں ہبشت کے باہر ایک انگلی نکال دے تو رات بھی دن کی طرح روشن ہو جائے۔ اور ابو سعید خدری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ آپ نے کہا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کے کلام میں ہے :
كَانَتْهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ (گویا کہ وہ حوریں یاقوت اور مرجان کی ہیں) اُمِّي يُنْظَرُ وَجْهَهَا فِي خَدْرِهَا أَصْفَى مِنَ الْمَرْأَةِ وَإِنْ أَذْنِي لَوُلُوتُ عَلَيْهِمَا بَتَضَيُّ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَرَأَتْهُ يَكُونُ عَلَيْهِمَا سَبْعُونَ ثَوْبًا يَنْفُذُهَا بَصَرُهُ حَتَّى يُرَى مَخْ سَاقِيهَا مِنْ وَرَاءِ ذَلِكَ۔ (یعنی ان کے چہرے پر دوں کے اندر بھی آئینے سے زیادہ صاف اور روشن دکھائی دیں گے اور اُن کے ادنی درجے کے موتی کی چمک سے مغرب و مشرق کے درمیان کی فضا روشن ہو جائے گی۔ اور جبکہ اُن کے جسم پر ستر کپڑوں کا لباس ہوگا پھر بھی اُن سے نگاہیں پار ہو جائیں گی۔ یہاں تک کہ پنڈلیوں کی ہڈی گاؤں نظر آئے گا۔) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَمَّا أُسْوَى

بِی دَخَلْتُ الْجَنَّةَ رَأَيْتُ مَوْضِعًا لِسِتٍّ لَبِیْدَحٌ عَلَیْهِ خِیَامٌ اللُّوْءُ وَالزَّبَرُجَدُ الْأَخْضَرُ
وَالْيَاقُوتَةُ الْأَحْمَرُ یَقُلْنَ السَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُولُ اللَّهِ فَقُلْتُ یَا جِبْرِیْلُ مَا هَذَا الْمَبْدَأُ
فَقَالَ هَؤُلَاءِ الْمُقْصُورَاتُ فِی الْخِیَامِ اسْتَأْذَنَ رَبُّهُمْ فِی السَّلَامِ فَأَذَنَ لَهُنَّ فَيَقْفْنَ
وَلَقُلْنَ نَحْنُ الرَّاغِبَاتُ فَلَا نَسْخَطُ وَنَحْنُ الْخَالِدَاتُ فَلَا نَمُوتُ نَحْلُ وَقَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ
اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَوْلَ اللَّهِ تَعَالَى حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِی الْخِیَامِ. (جب مجھے معراج کی رات سیر
کرائی تو میں جنت میں گیا۔ وہاں ایک جگہ دیکھی جسے بیدح کہا جاتا ہے، وہاں موتیوں، سبز زبرجد
اور سرخ یاقوت کے خیمے نصب تھے۔ آواز آئی السلام علیک یا رسول اللہ! میں نے جبریل سے
پوچھا "یہ کسی آواز ہے؟" انھوں نے کہا "یہ مقصورات خیام ہیں۔ انھوں نے اپنے پروردگار سے
اجازت چاہی کہ آپ کو سلام کریں تو رب العالمین نے ان کو اجازت دیدی۔" پھر وہ کہنے لگیں کہ ہم
ایسی خوش رہنے والیاں ہیں کہ ہمیں کبھی غصہ نہیں آتا۔ اور ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں، ہم کبھی رحلت
نہ کریں گے۔" پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا یہ کلام حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِی
الْخِیَامِ پڑھا اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ (وہ پاک
صاف بیویاں ہیں) کی یہ وضاحت کی ہے کہ وہ حیض، بول و براز، پسینہ، بلغم، منی اور بچے جننے کی
آلائشوں سے پاک و صاف ہیں۔ اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کلام فِی شُغْلٍ فَاکْهُونَ
(وہ خوش طبعی اور مسرتوں کے مشغلہ میں مصروف رہیں گے) کے متعلق بیان کیا ہے کہ ان کا شغل تو بس
دوشیزاؤں کا انتخاب کرنا ہوگا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ بہشت کی کمترین
منزل میں رہنے والے وہ لوگ ہوں گے جن کی خدمت کے لیے ایک ہزار خدمتگار ہوں گے۔ اور
ہر ایک کے سپرد صرف ایک ہی کام ہوگا تا کہ اُس پر کوئی بوجھ نہ ہو۔ اور روایت کرتے ہیں، کہ
حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے إِنَّ الرَّجُلَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ لَیَنْزِلُ
خَمْسَ مِائَةِ حُورَاءٍ وَأَرْبَعَةَ آلَافٍ بَكْرٍ وَثَمَانِیَةَ آلَافٍ ثَیْبَةٍ یُعَانِقُ كُلَّ وَاحِدَةٍ
مِنْهُنَّ مِقْدَارَ عُمْرِهِ فِی الدُّنْیَا۔ (اہل بہشت میں سے ہر ایک مرد کو پانچ سو عورتیں، چار ہزار
باکرائیں اور آٹھ ہزار ثیباں (عورتیں) دی جائیں گی۔ اور وہ ان میں سے ہر ایک کو اپنی دنیاوی
عمر کے برابر وقفہ تک اپنی بغل میں رکھے گا)۔ اور یہ بھی منقول ہے کہ بہشت میں ایک بازار ہے

جہاں خرید و فروخت نہ ہوگی۔ بس مردوں اور عورتوں کی صورتیں ہوں گی۔ جس کا جی چاہے گا وہ اُس دن وہاں جائے گا۔ وہ عورین حاصل کرنے کی جگہ ہے۔ وہ ایسی خوش الحانی سے پکاریں گی کہ کسی مخلوق نے نہ سنی ہوگی اور کہیں گی "ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں کبھی نہیں مرے گی۔ ہم ایسی خوش عیش ہیں کہ کبھی فقیر و مفلس نہ ہوں گی (یعنی ہماری خوش عیشی میں کبھی کمی نہ ہوگی) ہم ہمیشہ شاد و خرم رہنے والیاں ہیں کبھی غصہ اور ناراضی نہ ہوں گی۔ اُس شخص کو مبارک باد جو ہمارے لیے ہے اور ہم اُس کے لیے ہیں۔" ایک روایت میں ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بہشت میں جائے گا اُس کے سر ہانے اور پائنتی دو عوریں بیٹھ کر ایسی خوش الحانی سے نغمہ سرائی کریں گی کہ آدمیوں اور پرلوں نے کبھی نہ سنی ہوگی۔ اور وہ شیطانی ساز و نغمے نہ ہوں گے بلکہ خداوند عالم کی حمد و ثنا اور تقدیس ہوگی۔ ایک شخص پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا "یا رسول اللہ! بہشت میں گھوڑے بھی ہوں گے کیونکہ میں گھوڑوں سے بہت محبت کرتا ہوں؟" آپ نے فرمایا "اِنْ اَحْبَبْتَ ذٰلِكَ اَوْ تَبِيتَ يَفْرَسٍ يَأْتِي بِحُمْرٍ اَوْ يَطِيرُ بِكَ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْتَ (اگر تم گھوڑا پسند کرتے ہو تو تمہیں یا قوت سرخ کا گھوڑا دیا جائے گا اور بہشت میں جہاں کہیں تم جانا چاہو گے وہاں بہت جلد پہنچا دے گا) اور ایک دوسرے آدمی نے کہا "مجھے اونٹ پسند ہے۔ بہشت میں اونٹ بھی ہوں گے؟" آپ نے فرمایا "يَا عَبْدَ اللّٰهِ اِنْ اَدْخَلْتَ الْجَنَّةَ فَلَكَ فِيْهَا مَا اَشْتَهَتْ نَفْسُكَ وَ اَلَذَّتْ عَيْنَاكَ (اے خدا کے بندے اگر تو جنت میں داخل کیا گیا تو وہاں جس چیز کی خواہش ہوگی اور جن چیزوں سے تیری آنکھیں لطف اندوز ہو سکیں گی سب تیرے لیے موجود ہوں گی)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ بہشتی مردوں کے بچے بھی ہوں گے۔ اور جب وہ اولاد کی خواہش کریں گے تو استقرار حمل بچے کا پیدا ہونا اور جوان ہو جانا ایک ساعت میں سب ہو جائے گا۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب اہل بہشت بہشت میں مقیم ہو جائیں گے تو ایک بھائی اپنے دوسرے بھائی سے ملنے کی خواہش کرے گا۔ تو ایک کا تحت دوسرے کی طرف روانہ ہوگا اور وہ ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے۔ اور جو جو واقعے دنیا میں اُن کے ساتھ ہوئے ہوں گے ان کا ذکر کریں گے۔ اور کہیں گے "اے بھائی! تمہیں وہ دن یاد ہے

جب فلاں مجلس میں ہم دونوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کو ذکر و دعا کے ساتھ یاد کیا تھا۔ اُس نے ہم کو بخش دیا۔ اور فرمایا اَہْلُ الْجَنَّةِ جُودٌ مُّزْدٌ بَیضٌ جَعَادٌ مَّحْوٍ اَبْنَاءُ ثَلَاثٍ وَ ثَلَاثِیْنِ عَلٰی خَلْقِ اٰدَمَ طُوْلُکُمْ سِتُّوْنَ ذَرَاْعًا فِیْ عَرْضِ سَبْعَةِ اَذْوَاعٍ (اہل بہشت کے بدن اور چہرہ پر بال نہ ہوں گے۔ اُن کا رنگ سفید اور سر کے بال گھونگھریالے اور آنکھیں سرمہ آلود ہوں گی۔ اور اُن کا سن تینتیس برس کا ہوگا۔ وہ آدم علیہ السلام کی خلقت پر قد و قامت میں ساٹھ گز کے لمبے اور اور سات گز چوڑے ہوں گے۔ اور تفسیر میں آیا ہے کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح حسین و جمیل ہوں گے۔ وہ اخلاقِ محمدی سے آراستہ اور حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح خوش آواز ہوں گے۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے یدِ قدرت سے پیدا کیا۔ اور پھر اپنے یدِ قدرت سے لکھا۔ اور بہشت کو اپنے یدِ قدرت سے آراستہ کیا۔ پھر اُس کو بولنے کا حکم دیا تو اُس نے کہا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ (بیشک مومنوں نے فلاح و نجات پائی)۔ اور جو لوگ بہشت میں جائیں گے اُن میں کمترین مرتبہ کا جنتی وہ ہوگا جس کے ملک کی وسعت پانچ سو برس کی راہ ہوگی۔ سونے چاندی کے محل اور موتی کے خیمے ہوں گے۔ اُن کی بینائی میں اتنی طاقت عطا کی جائے گی کہ وہ اپنے ملک کی انتہائی دُور و دراز وسعتوں کو اسی طرح دیکھیں گے جیسے قریب سے دیکھتے ہیں۔ ہر صبح اور ہر شام اُن کے سامنے ستر ہزار سونے کے پیالے لائے جائیں گے۔ ہر پیالے کا رنگ دوسرے پیالے سے جدا ہوگا۔ ہر پیالے کی نعمت دوسرے پیالے سے مختلف ہوگی۔ اول و آخر ہر کھانے کا فراکیساں مرغوب ہوگا۔ اور بہشت میں ایک یا قوت اتنا بڑا ہے کہ اس میں ستر ہزار سرائیں ہیں۔ اور سرائے میں ستر ہزار مکان ہیں جن کی دیواروں میں کہیں رخنہ یا سوراخ نہیں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بہشت میں ایک حور ہے جس کا نام عینا ہے۔ اُس کے دائیں بائیں ستر ہزار باندیاں ہیں۔ وہ کہے گی "کہاں ہیں وہ لوگ جو امر معروف (نیکی کا حکم) اور نہی منکر (بدی سے ممانعت) کرتے تھے۔ اے بھائی! یہ باتیں ہمارے ہتھ سے لائق ہیں جو تم نے سنیں۔ اور یہ ہمارے حوصلے کی قوت تھی جو بیان کی گئی۔ لیکن بھلا وہ مرتبہ کہاں؟ لیکن پھر بھی ہم ناامید نہیں ہیں اللہ تعالیٰ چاہے تو یہ مرتبہ بھی عنایت کرے گا۔ اور وہ مرتبہ صدیقیوں کا مطلوب اور ولیوں اور پیروں کا مقصود ہے صلوة اللہ علیہم اجمعین۔ اب جانو کہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَئِنْ مِّنْ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِيَادًا (اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے خوبی کے ساتھ نیکیاں انجام دیں اجر اور زیادہ ہے)۔ یہ خداوند رب العزۃ کا دیدار ہے۔ اور یہ اتنی بڑی لذت ہے کہ بہشت کی تمام لذتیں فراموش ہو جاتی ہیں۔ حضرت جریر عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اور وہ چاند کی چودھویں رات تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا الْقَمَرَ (بیشک تم اپنے پروردگار کو اس طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو بے حجاب)۔ نقل ہے کہ جب اہل بہشت بہشت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں جا چکیں گے تو ایک منادی پکار کر کہے گا: "اے بہشت والو! تم سے اللہ تعالیٰ نے ایک وعدہ کیا تھا! وہ کہیں گے: "خداوند! کیا تو نے ہمارے پھرے سفید نہیں کر دیے ہیں؟" وہ کہے گا: "ابھی وہ وعدہ باقی ہے!" وہ کہیں گے: "بارالہ! کیا تو نے ہمیں دوزخ سے بچا کر بہشت نہیں عطا فرمائی؟" وہ کہے گا: "مگر وہ وعدہ ابھی باقی ہے!" وہ کہیں گے: "کیا تو نے ہمارے نامہ اعمال ہمارے داہنے ہاتھ میں نہیں دیے؟" ہاں! ابھی وہ باقی ہے۔ اور وہ ہمارا دیدار ہے: "پھر تمام پردے اٹھا دیے جائیں گے۔ اور وہ لوگ اپنے پروردگار کو دیکھیں گے۔ لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا دیدار کسی عمل کا بدلہ نہیں ہے بلکہ محض اُس کا فضل و کرم ہے جس طرح دنیا میں ایمان کی توفیق اور معرفت اُس نے اپنے فضل خاص سے عنایت فرمائی ہے۔ اسی پر اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے۔ اور حدیث میں وارد ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک خاص قبہ ایک دانہ مردارید سے بنایا ہے جس کے چار ہزار دروازے ہیں۔ ہر دروازے کی کشادگی پالشویرس کی راہ ہے اور ایک دروازے سے دوسرے دروازے تک کا فاصلہ بھی پالشویرس کی راہ ہے۔ اُس قبہ میں ایک دسترخوان بچھا ہوا ہے جہاں تمام اہل بہشت بلائے جائیں گے اور سب ایک ہی دسترخوان پر بیٹھیں گے اور جبریل و میکائیل اور آسمان کے تمام فرشتوں کو حکم ہو گا کہ اس دسترخوان کے چاروں طرف کھڑے ہوں اور خدمت کریں۔ مومنین اس دسترخوان پر تیس لاکھ برس تک کھانا کھاتے رہیں گے جب کھانے سے فارغ ہوں گے تو مشک سے سر بہر کی ہوئی شراب کی بوتلیں لائی جائیں گی۔ جیسا کہ فرمایا ہے وَخِتَامُهُ مِسْكٌ (اُس کی مہر پر مشک سے لگی ہوں گی) اُس مہر پر لکھا ہو گا هَذَا

شَوَابٌ طَاهِرٌ مِنْ دَبِّ طَاهِرٍ لِعَبْدٍ طَاهِرٍ (یہ پاک شراب پاک پروردگار کی طرف سے پاک بندوں کے لیے ہے) ہر ایک اپنا اپنا پیالہ اٹھائے گا اور شراب پیے گا جب شراب پینے سے فارغ ہوں گے تو تمام پردے اٹھا دیے جائیں گے تاکہ خداوند غرور جل کا دیدار کریں۔ بعض حدیث میں ہے کہ جب بہشتی بہشت میں مقیم ہو جائیں گے تو عرشِ اعظم کے نیچے سے ایک ہوا چلنے لگی گی۔ اس کا نام بادِ لطافت ہے۔ اس سے بہشت کے درختوں کی پتیاں ہلنے لگیں گی جب ایک پتا دوسرے پتے سے ٹکرائے گا تو اس سے پاکیزہ نغمے کی آواز پیدا ہوگی اور بہشت کے کنگرے صدائے بازگشت پیدا کریں گے، بہشت کی زنجیریں ہلنے لگیں گی اور ایسی آواز سماعِ خوش آہنگی کے ساتھ پیدا ہوگی کہ مومنین اسے سُن کر وجد میں آجائیں گے۔ اللہ رب الغرۃ اُن کی آنکھوں سے پردے اٹھائے گا اور فرمائے گا هَا اَنَا ذَا اَرْبُكُمْ فَاَنْظُرُوْا اِلَیَّ سَلَامٌ عَلَیْكُمْ طِبُّكُمْ فَاَدْخُلُوْهَا خَالِدِیْنَ۔ (آؤ، میں تمہارا پروردگار ہوں، مجھے دیکھو۔ تم پر سلامتی ہو۔ تم پاک و صاف کیے گئے ہو اب اس جگہ ہمیشہ ہمیش رہو)۔ اور اس آیت وَ سَقَمُہُمْ رَبُّہُمْ شَرَابًا طَهُورًا (اور ان کا پروردگار ان کو اپنے ہاتھ سے شرابِ طور پلائے گا) کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ میں خود پلاؤں گا کسی دوسرے کی معرفت نہ بھیجوں گا۔ کیونکہ اگر کسی دوسرے کے ہاتھ سے شراب ملے گی تو تم اُس کو دیکھو گے میں خود اس لیے دوں گا کہ تم مجھ کو دیکھو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نیک لوگ باغِ بہشت میں ہرے بھرے درختوں کے سایے میں حور و غلمان کے ساتھ بہشتی نعمتوں کا لطف اٹھائیں گے۔ لیکن مقربانِ خاص اللہ رب الغرۃ کے دربار میں ہمہ وقت معتکف رہیں گے۔ اور اس لطفِ قربِ خداوندی کے مقابلے میں بہشت کی جملہ نعمتوں کو ذرے سے بھی زیادہ حقیر جانیں گے۔ ابرار کی جماعت تو شکم سیری اور خواہشِ جنسی اور نفسانی لذتوں کی تکمیل میں مشغول رہے گی۔ مگر حضرت رب الغرۃ کی مجلسِ قرب میں بیٹھنے والا ایک دوسرا ہی گروہ ہوگا۔ اور حضرت خواجہ حسن بھری رضی اللہ عنہ سے ایک نقل روایت ہے کہ آپ نے فرمایا بَیِّنَا اَهْلُ الْجَنَّةِ فِی الْجَنَّةِ اِذَا اطَّلَعَ عَلَیْہِمُ الرَّبُّ جَلَّ جَلَالُہٗ فَبَیِّنَہُمْ بَیْنَ جَلَالِہٖ وَجَمَالِہٖ یَثْمَانِ مِائَۃِ اَلْفِ عَامٍ اِذَا اَنْظَرُوْا اِلَی الْجَمَالِ تَابُوْا وَ اِذَا اَنْظَرُوْا اِلَی الْجَلَالِ ذَابُوْا۔ (جب اہل بہشت بہشت میں ہوں گے تو اللہ جل جلالہ اُن پر تجلی فرمائے گا، تو وہ جلال اور جمال کے درمیان آٹھ لاکھ برس تک استعجاب و حیرت میں پڑے رہ جائیں گے

کیونکہ جب اُس کے جمال کا نظارہ کریں گے تو خوش و خرم ہو جائیں گے اور جب اُس کے جلال کو دیکھیں گے تو پگھل جائیں گے (پگھلنے کے معنی یہاں اپنے آپ سے بے خود ہو جانے کے ہیں۔ یعنی جو کچھ لذتیں طعام و شراب اور شہوت و رقص اور اشجار و انہار کی خوشیاں ہوں گی اُن میں سے ذرہ برابر بھی باقی نہ رہ جائیں گی۔ اور بعض حدیثوں میں وارد ہے کہ جب مومنین بہشت میں آئیں گے اور قیام کریں گے تو فرمان آئے گا تَمْنُوا عَلٰی الْمَاجِدِ الْوَاحِدِ۔ (اپنے بزرگ و برتر پروردگار واحد سے آرزو کرو)۔ لیکن وہ نہ جانیں گے کہ کیا آرزو کریں۔ تو اپنے عالموں کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ جب ہمیں دنیا میں کوئی مشکل پیش آتی تھی ہم آپ کے پاس آکر پوچھ لیتے تھے۔ اب ہمیں حکم ہوا ہے کہ ہم آرزو کریں۔ اب آپ بتائیے کہ ہم کیا آرزو کریں؟ علما جواب دیں گے کہ خداوند غرور جل کے دیدار کی آرزو کرو۔ اور حدیث میں ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ بندوں کو خداوند رب العزّة کا دیدار کب ہوگا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ اِلٰی رَبِّهِ فِي الشَّهْرِ مَرَّةً وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ اِلٰی رَبِّهِ فِي الْجُمُعَةِ مَرَّةً وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ اِلٰی رَبِّهِ بُكْرَةً وَعَشِيًّا (ان میں سے کوئی ایسا ہوگا جو ایک مہینے میں ایک مرتبہ اپنے پروردگار کو دیکھے گا۔ کوئی ایسا ہوگا جو جمعہ کے دن ایک مرتبہ دیکھے گا۔ اور کوئی ایسا ہوگا جو صبح اور شام برابر اپنے پروردگار کو دیکھتا رہے) رَزَقَنَا اللّٰهُ بِفَضْلِهِ وَكَرَمِهِ وَجَمِيعِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِحُرْمَةِ اَنْبِيَائِهِ وَاَدْلِيَائِهِ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَاَصْحَابِهِ وَعَلَى جَمِيعِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَعَلَى مَلٰٓئِكَتِهِ وَعَلَى عِبَادِهِ الصّٰلِحِيْنَ۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ (اے اللہ اپنے فضل و کرم سے ہیں اور جملہ مومنین اور مومنات کو اس نعمت عظمیٰ کی روزی اور حصہ عنایت فرما اپنے انبیا اور اولیا کی حرمت کے وسیلے اور واسطے سے۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے آل و اصحاب اور تمام پیغمبروں اور رسولوں اور فرشتوں اور اپنے تمام نیک بندوں پر درود و سلام اور رحمت نازل فرما۔ اور ہمیں کوئی توانائی اور طاقت نہیں سوائے خداوند علی و عظیم کے) والسلام

مناجات

حضرت مخدوم الملک شاہ شرف الدین احمد عیسیٰ منیری قدس اللہ سرہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ وَتَوَكَّلْتُ وَ اَنَا عَاجِزٌ اِلَيْهِ اَنْتَ مَالِكِيْ وَ اَنَا مُمْلُوْكَ

الہی عاجز ترین عاجز نام الہی جاہل ترین جاہل نام۔ الہی غنی دائم تاجہ گو نہ رنلے توجویم
الہی غنی دائم تاجہ گویم۔ الہی عجز دور ماندگی من تومی بینی۔ الہی حاجت من تومی دانی۔ الہی من بے چارہ
و عاجز بیچ حیلہ و قوت و وسیلہ نہ دارم و اپنہ جزست ازان بزارم۔ الہی من سفید و در ماندہ راد من
غنیف در ہائے زندہ راد من مدہوش سیاہ کار گناہ کار راد من بد کردار راد من انقیاد زمان شیطان را
د من استاد مکتب عاصیان راد من مدہوش سرگشتہ راد من عاجز و در بدر گشتہ راد من گنہ گار بد افعال
راد من خاکسار بد اعمال راد من ثابت نام راد من عہد شکن خود کام راد من گندم نمائے جو فروش
راد من زنا و دار خرقہ پوش راد من سیاہ و نامہ سیاہ راد من منافق و قبیحہ کار و افضل عیم و لطف تدیم
خود از بند نفس امارہ خلاصی دہ و توبہ نصوحا عطا کن کہ طاعت حضرت عبدل تو ندارم۔ الہی مرا توفیق
دہ کہ ترا بہ پرستم کہ بے توفیق تو ترانتوان پرست۔ الہی مرا توفیق دہ کہ ترا بشناسم کہ بے توفیق تو تر
انتوان شناخت۔ الہی منافع کردم عمر خویش بران چیز کہ رنلے تو بود۔ من نہ دانستم ازان توبہ
کردم و بیزار گشتم۔ اے دستگیر ہر شکستہ دے دلیل ہر در ماندہ دے زیاد دے دشوار ہائے دے چارہ ساز
بے چارگان دے قبول کنندہ توبہ عاصیان دے پذیرندہ گریختگان۔ دے حلیم کہ علم تو مارا گستاخ کرد
دے رحیم کہ رحم تو مرا بے باک گردانید۔ این گستاخی دے باکی از ما عفو کن و خلعت معرفت ہمہ اعضائے
مارا پوشان۔ الہی بحق طفیل و تسبیح و تحمید و تمجید جملہ مدحانیان و کرد بیان۔ الہی بحرمات عابدان و
نامہان، الہی بحرمات خواصگان و درگاہ تو، الہی بحرمات لواحقان حضرت تو۔ الہی بحرمات غریبان و شہادت
جوانان، الہی بحرمات آب ویدہ عاصیان الہی بحرمات عفو توبہ عاصیان و درگاہ تو الہی بحرمات عز و جلال
تو الہی بحرمات عظمت و کمال تو کہ حاجات من راجلہ مسلمان روا کنی، دایمان مارا در دنیا و آخرت بر ما

ارزانی داری۔ الہی چون دران حجرہ تنگ و تاریک بے شمع مدامبتلا کنی ایمان مارا چراغ لحد
گردانی بحق لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا مَعْبُودَ إِلَّا اللَّهُ لَا مُحْبَبَ إِلَّا اللَّهُ لَا مَطْلُوبَ إِلَّا اللَّهُ
لَا مَقْصُودَ إِلَّا اللَّهُ لَا مَوْجُودَ إِلَّا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَاشْهَدَ أَنَّ
مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ
أَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔

ترجمہ مناجات

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اے اللہ تو ہی میرا رب ہے، تو قوی ہے اور میں عاجز ہوں۔ اے اللہ تو ہی میرا مالک ہے
اور میں تیرا مملوک۔ اے اللہ میں عاجزوں میں سب سے زیادہ عاجز ہوں، اے اللہ میں جاہلوں
میں سب سے زیادہ جاہل ہوں۔ اے اللہ میں نہیں جانتا کہ کس طرح تیری رضا حاصل کروں، اے اللہ
میں نہیں جانتا کہ کیا عرض کروں۔ الہی میرے عزیز و پیارگی کو تو دیکھتا ہے۔ الہی میری حاجتوں سے تو
واقف ہے۔ اے اللہ میں بے چارہ و عاجز ہوں اور کوئی حیلہ قوت اور وسیلہ نہیں رکھتا ہوں۔ مگر
تیرے سوا جو کچھ بھی ہے اس سے بیزار ہوں۔

الہی! مجھ کو صلیف و درمائدہ کو، مجھ کو زور اور در بدر ٹھکرائے ہوئے کو، مجھ کو سیاہ کار کو۔

دہوش کو مجھ کو بد کردار کو، مجھ کو جو شیطان کے حکم کا مطیع و فرمانبردار ہے مجھ کو جو گناہگاروں کے مکتب
کا استاد ہے مجھ کو جو دہوش و مرگشتہ ہے، مجھ کو عاجز و زور کا ٹھکرایا ہوا ہے اور مجھ کو گناہگار و بافعال
کو، مجھ کو خاکسار، با اعمال کو مجھ کو ثابت نام کو، مجھ کو بدشگن مطلب پرست کو، مجھ کو گندم نما جو زوش کو، مجھ
کو زار و خرقہ پوش کو، مجھ کو سیاہ و سیاہ کار کو، مجھ کو منافق و سیاہ کار کو، اپنے فضل عظیم اور لطف قدیم سے
نفس امارہ کی قیے سے نجات دے اور توبہ بوضوح عطا کر اس لئے کہ میں تیرے دربار عدل کی قوت
نہیں رکھتا۔ اے اللہ! مجھے توفیق عطا کر کہ میں تیری پرستش کروں اس لئے کہ تیری توفیق کے بغیر تیری
پرستش ممکن نہیں۔ اے اللہ! مجھے معرفت عطا کر کہ تجھے پہچانوں، اس لئے کہ بغیر معرفت حاصل کئے تجھے

نہیں پہچانا جاسکتا۔ اے اللہ! میں نے اپنی تمام عمر اس چیز کے حصول میں مصروف کر دی جس میں تیری
رضانہ تھی اور اے میں نہیں جانتا تھا۔ میں نے اس سے توبہ کی اور ہزار ہوا۔

اے دستگیر ہر شکستہ، اے دلیل ہر در ماندہ، اے مشکلات میں زیاد سننے والے، اے بچاؤں
کے چارہ ساز، اے گناہگاروں کی توبہ قبول کرنے والے، اے منکروں کو قبول کرنے والے، اے علیم کہ
تیرے علم نے مجھے گستاخ بنا دیا، اے رحیم کہ تیرے رحم نے مجھے بے باک کر دیا، ہماری اس گستاخی اور
بے باکی کو معاف کر دے اور معرفت کی خلعت ہمارے تمام اعضا کو پہنا۔ اے اللہ! تمام روحانیوں
اور فرشتوں کی تجید و تحمید و تسبیح اور تہلیل کے صدقے میں، اے اللہ! تمام عابدوں اور زاہدوں
کی حرمت کے صدقے میں، اے اللہ! اپنی درگاہ کے خواص کے طفیل میں، اے اللہ! اپنے لواحقین دربار
کے واسطے سے، اے اللہ! جو ان شہیدوں کی شہادت کے واسطے سے، اے اللہ! گناہگار بندوں کے آنسوؤں
کی حرمت کے طفیل، اے اللہ! ان گناہگاروں کے طفیل جنہوں نے تیری بارگاہ میں توبہ کی، اے اللہ!
اپنی عزت و جلال کی حرمت کے واسطے سے، اے اللہ! اپنی عظمت و کمال کے صدقے میں میری اور تمام
مسلمانوں کی حاجتوں کو پورا کر، ہمارے ایمان کو دنیا و آخرت میں ہم پر زیادہ کر دے، اے اللہ! جب تو اس
حجرہ تنگ و تاریک میں بے شمع ہیں مبتلا کرے تو اس وقت ہمارے ایمان کو چراغِ محمد بنادے۔

نہیں ہے کوئی، "مگر اللہ" نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ نہیں ہے کوئی محبوب مگر اللہ نہیں
ہے کوئی مطلوب مگر اللہ، نہیں ہے کوئی مقصود مگر اللہ، نہیں ہے کوئی موجود مگر اللہ، اللہ کے سوا کوئی
معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں، اے
ارحم الراحمین اپنی رحمتِ کاملہ سے رحمتیں نازل فرما ان پر جو بہترین مخلوق ہیں یعنی ہمارے سردار حضرت محمد
صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل پر اور ان کے تمام اصحاب پر۔

سید محمد نعیم سندوی

لطیف آباد۔ حیدر آباد پاکستان

۷ جون ۱۹۶۶ء

مناجات

خالق بے چارہ را ہم ترا
بچو مور لنگ در گا ہم ترا
بے تنے بے درتے بے حاصلے
بے ذابے بے قرارے بے دلے
دین زدستم رنت دنیا گم شدہ
نور تم ناماندہ معنے گم شدہ
من نہ کافر نے مسلمان ماندہ ام
در میان ہر دو حیراں ماندہ ام
نے مسلمانم نہ کافر چون کنم
ماندہ سرگردان مضطرب چون کنم
یارب اشک دآہ بسیاریم ہست
گر نہ دارم هیچ این یاریم ہست
ہم تن زندانیم آلودہ شد
ہم دل محنت کشم فرسودہ شد
ماندہ ام در چاہ زنداں پائے بست
در چنین چاہم کہ گیرد جز تو دست
پاک کن این گردہ از جان من
بس بشو از اشک من دیوان من
گرچہ بس آلودہ در راہ آمدم
عفو کن گر حبس دز چاہ آدم

(اے میرے پروردگار میں تیری راہ میں بے یار مددگار ہوں۔ تیرے آستانے پر ایک لنگری چوٹی کی طرح پڑا ہوا ہوں۔ میں ایک بے کس غریب اور مغلس ہوں۔ بے سازد سامان بے دل اور بے چین ہوں۔ دین بھی میرے ہاتھ سے گیا اور دنیا بھی کھو گئی۔ صورت بھی باقی نہیں رہی اور جان بھی کھو بیٹھا۔ میں نہ کافر ہوا اور نہ مسلمان ہی رہ گیا اب ان دونوں کے بیچ میں حیران و پریشان پڑا ہوا ہوں جب میں کافر بھی نہیں اور نہ مسلمان بس پریشان اور بے چین ہوں تو میں کروں تو کیا کروں۔ بارالہا میری آہیں بہت ہیں اور آنکھوں میں آنسوؤں کی فراوانی ہے۔ اگرچہ اور کچھ نہیں ہے لیکن یہی دونوں میرے مددگار ہو سکتے ہیں۔ یہ قید میں گرفتار میرا جسم کثافتوں سے آلودہ ہے۔ اور یہ محنت اٹھانے والا میرا دل خف و نار ہو چکا ہے۔ میں کنویں کی قید میں مقید پڑا ہوا ہوں ایسے تاریک کنویں سے سوائے تیرے اور کون میرا ہاتھ بچا کر نکال سکتا ہے راستے کی گرد و غبار سے میری جان کو پاک صاف کر دے اور میرے ہی آنسوؤں سے میرا نامہ اعمال دھو دے۔ اگرچہ میرے راستے میں گناہوں سے بہت ہی آلودہ ہو کر آیا ہوں تو مجھے معاف فرما دے۔ کیوں کہ میں دنیا کی قید اور حرص و ہوس کے کنویں سے نکل کر آ رہا ہوں)۔

قطع تاریخ طباعت

مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب فیوضہ و برکات
ایم اے، ایل ایل بی، پی ایچ ڈی، ڈی لسٹ -
پروفیسر شعبہ اردو جامعہ سندھ، حیدرآباد

۷۸۶

شرف بخشد چنان شیخ منیری
کہ افشامی کند اسرار مکتوم؛
ہر لفظش معنایں عجیبہ
ہر مکتوب مراد پر منظوم
طباعت یافتہ از نکر ایماں
زبور صدق مکتوبات مخدوم
۱۹۶۸ء

۷۸۶

نہے فیضان مخدوم منیری
کزر باشد جہاں را لطف مقوم
ہم اقوال او در ہائے منشور
ہم احوال او آیات منظوم
رموز حق چنان روشن نماید
نہ باشد یح کس از فیض مخدوم
شود ہر بار مکتوبات شائع
شود ہر بار ظاہر سر مکتوم
کمال کاملین عز و شرف یافت
۱۳۹۶ھ
رموز قدس مکتوبات مخدوم
۱۹۷۶ء

